تعالی اللہ الملک الحق

صحابۂ کرامؓ کا عہدِ زرّیں

فضائل و مناقب، عظیم الشّان کارنامے
طرزِ حکمرانی، اندازِ جہانبانی اور اُن کی

مثالی حکومتیں

سیّد الملّۃ حضرت مولانا سیّد محمّد میاں صاحب رحمہ اللہ
مُحدّث، فقیہ، مُورّخ، مجاہد فی سبیل اللہ، مُولّف کتب کثیرہ

مکتبہ محمودیہ
جامعہ مدنیہ، کریم پارک لاہور۔

تعالی اللہ الملک الحق

صحابۂ کرام کا عہدِ زرّیں

فضائل و مناقب، عظیم الشان کارنامے
طرزِ حکمرانی، اندازِ جہانبانی اور اُن کی

مِثالی حکومتیں

سیّد الملّت حضرت مولانا سیّد محمد میاں صاحب رحمہ اللہ
محدّث، فقیہ، مؤرّخ، مجاہد فی سبیل اللہ، مؤلف کتب کثیرہ

مکتبہ محمودیہ
جامعہ مدنیہ، کریم پارک لاہور

ضابطہ

اشاعتِ جدید	ستمبر ۱۹۹۸ء
اشاعت دوم	مئی ۱۹۹۹ء
ناشر	محمد ریاض درانی
سرورق	انیس یعقوب
کمپوزنگ	الاشراق' نور چیمبرز گنپت روڈ' لاہور
مطبع	زاہد بشیر پرنٹرز ریتی گن روڈ' لاہور
قیمت	-/۳۰۰ روپے

زیرِ اہتمام
جمعیة پبلیکیشنز
متصل مسجد پائلٹ ہائی سکول' وحدت روڈ' لاہور
فون نمبر 7561025

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جدۃ : ۱۲ شوال المکرم

انتباہ

فہرست

❁❁❁

طبع جدید

حضرت مولانا محمد میاں صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی شخصیت اپنی مذہبی' تاریخی' سیاسی اور ملی خدمات کے حوالے سے کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ نصف صدی کے عرصے میں آپ نے تن تنہا جو عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں ایک انجمن اور ایک تحریک کے افراد کا مل کر بھی ان خدمات کو انجام دینا مشکل نظر آتا ہے۔ خداوند تعالیٰ نے آپ کو گوناگوں خصوصیات سے نوازا تھا۔ ایک ہی وقت میں آپ مفتی بھی تھے' فقیہ بھی تھے' محدث بھی تھے' مورخ بھی تھے' مفکر بھی تھے' مبصر بھی تھے' دینی رہنما بھی تھے' سیاسی لیڈر بھی تھے۔ لکھنا پڑھنا آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا' آپ کے قلم حقیقت رقم سے چھوٹی بڑی تقریباً" سو کتابیں نکلیں جن میں سے بعض مدارس کے نصاب میں داخل ہوئیں۔ بعض کو مراجع کی حیثیت حاصل ہوئی' کچھ نے شہرت دوام پائی۔

آپ کو ذات نبوی ﷺ سے چونکہ عشق کے درجے کا تعلق تھا اس لیے سب سے زیادہ آپ نے حضور اقدس ﷺ کی شخصیت پر لکھا اور اس اچھوتے انداز سے لکھا کہ قلم توڑ کر رکھ دیا۔ سیرت مبارکہ محمد رسول اللہ ﷺ' عہد زریں' تاریخ اسلام' اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ آپ کی انتہائی قیمتی کتابوں کو ان کے شایان شان طبع کرکے عوام الناس تک پہنچایا جائے' اس ضرورت کے تحت اللہ تعالیٰ کی توفیق و مدد سے جمعیت پبلی کیشنز نے مکتبہ محمودیہ کی رفاقت و شراکت میں اس کام کا بیڑا اٹھایا ہے چنانچہ اس سلسلہ کی پہلی کتاب "صحابہ کرام کا عہد زریں" جو مولانا ممدوح کی ممتاز ترین کتابوں میں سے ہے عمدہ کمپیوٹرائزڈ کتابت و طباعت کے ساتھ قارئین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ پہلے یہ کتاب لیتھو پر دو جلدوں میں شائع ہوئی تھی۔ اب اسے ایک جلد میں آفسٹ طباعت کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔ نیز پہلے اس میں حواشی ہر صفحہ پر نیچے دیئے گئے تھے جو بسا اوقات طویل ہونے کے سبب تسلسل مطالعہ پر اثر انداز ہوتے تھے۔ موجودہ طباعت میں تمام حواشی کو یکجا کرکے ترتیب و تدوین کے جدید طریقوں کے مطابق کتاب کے آخر میں دے دیا گیا ہے تاکہ مضمون کی سلاست بھی باقی رہے اور عام قاری کو اخذ مطالب میں سہولت بھی رہے۔ اسی طرح عربی عبارات کی تصحیح پر بھی زور دیا گیا ہے اور حتی الوسع اغلاط کو درست کرکے عبارات پر اعراب لگا دیئے گئے ہیں تاکہ پڑھنے میں آسانی رہے۔

قارئین کا تعاون اور اللہ تعالیٰ کی نصرت و امداد شامل حال رہی تو انشاء اللہ مولانا مرحوم کی ترتیب وار تمام کتب کی اشاعت عمل میں لائی جائے گی۔

وما توفیقی الا باللہ

محمد ریاض درانی

یکم محرم ۱۴۱۹ ہجری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سبب تالیف۔ مقصد اور منشاء

☆ صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) واجب الاحترام کیوں ہیں؟

☆ یہ بات کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد "جماعت صحابہ کائنات عالم کی آنکھ کا تارا ہے" محض ایک عقیدہ ہے یا حقیقت۔

☆ جماعت صحابہ کا ظہور تاریخ کا ایک اتفاقی واقعہ تھا۔ یا ایک ایسا منصوبہ تھا جس کو مشیت الہیٰ اور ارادہ خداوندی نے ازل سے طے کر رکھا تھا۔ انبیاء علیہم السلام اس جماعت کے لیے دعائیں کرتے رہے تھے اور کتب سابقہ بشارتیں دیتی رہی تھیں۔

☆ کلام الہیٰ نے ان کے کیا فضائل و مناقب بیان کیے اور ان کے کارناموں کو کس طرح سراہا۔

☆ وہ غیر معمولی کارنامے کیا ہیں جو انسانیت کی پوری تاریخ میں امتیازی شان رکھتے ہیں۔ جن کی بنا پر ان کا احترام نہ صرف اخلاقی فریضہ بلکہ شرافت و انسانیت کا ایک تقاضہ بن چکا ہے۔

☆ خلافت' خلافت راشدہ' خلافت راشدہ کے مراتب۔ تاریخ اسلام میں خلافت راشدہ اور خلفاء راشدین کی اہمیت۔ قرآن و حدیث سے اس اہمیت کے دلائل اور شواہد۔

موجودہ دور میں جب کہ ایک بہت بڑا فتنہ یہ بھی ہے کہ :

احترام صحابہ رضی اللہ عنہم کے عقیدہ کو چیلنج کیا جا رہا ہے۔ کہیں معاذ اللہ تکفیر کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اور کہیں تنقید کو جائز قرار دیا جا رہا ہے۔ ضرورت ہے اور بہت سخت ضرورت ہے کہ کتاب اللہ' سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور تاریخی شواہد کی روشنی میں مذکورہ بالا سوالات کے فیصلہ کن جوابات دیئے جائیں۔ جو تاریکیاں پھیلائی جا رہی ہیں۔ ان کے پردے چاک کیے جائیں۔ یہ سلسلہ جس کی پہلی جلد آپ کے سامنے ہے۔ اسی غرض سے اسی منشاء اور مقصد کی تکمیل کے لیے جاری کیا جا رہا ہے۔

واللہ الموفق وھو المستعان

خوش نصیبی

اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت اور اپنی خوش نصیبی پر ہم جتنا ناز کریں کم ہے کہ نہ صرف ہندوستان بلکہ عالم اسلام کے مشہور محدث و فیلسوف سیدنا حضرت شاہ ولی المحدث الدہلوی (قدس سرہ العزیز) تقریباً دو سو برس پہلے اس ضرورت کو پورا کر چکے ہیں اور اس فرض کو نہایت خوبی اور اعلیٰ قابلیت سے انجام دے چکے ہیں۔ آپ نے اپنی مشہور تصنیف "ازالتہ الخلفاء عن خلافتہ الخلفاء" میں انہیں مسائل پر سیر حاصل بحث کی ہے اور سوالات مذکورہ کے فاضلانہ جوابات بہترین قابلیت اور نہایت سلیقہ سے اس انداز سے دیئے ہیں کہ پھر کسی انصاف پسند کو شک وارتیاب کی گنجائش نہیں رہتی اور اطمینان قلب کی دولت میسر آجاتی ہے۔

مگر حضرت شاہ صاحب کے زمانہ میں ہندوستان کی علمی زبان فارسی اور مذہبی زبان عربی تھی۔ یہ کتاب انہیں دو زبانوں میں لکھی گئی ہے۔ کیونکہ قرآن پاک کی آیات اور احادیث جن کا مجموعہ پوری کتاب کے ایک ثلث سے کچھ زیادہ ہی ہوگا۔ ان کا ترجمہ نہیں کیا گیا۔ کہیں کہیں ان کا مفہوم عربی آمیز فارسی میں بیان کر دیا گیا ہے۔

نصف صدی سے زیادہ مدت گذری کہ امام اہل سنت حضرت الحاج مولانا عبدالشکور صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ اردو میں کیا تھا جو بڑی تقطیع کی (غالباً) آٹھ جلدوں میں شائع ہوا تھا۔ اب اگرچہ پاکستان میں ایک ترجمہ شائع کیا گیا ہے مگر وہ کچھ اس طرح کا ہے کہ اس سے استفادہ ممکن نہیں ہے۔

عجیب اتفاق ہے کہ مولانا محمد میاں صاحب جب انگریزی دور حکومت میں بسلسلہ تحریک آزادی زیر حراست تھے تو آپ نے اس کتاب کی خدمت کو اپنے مشاغل میں داخل کر لیا تھا (۱) عربی اور فارسی کے بجائے اس کو اردو کا جامہ پہنایا (۲) انداز تحریر ایسا اختیار کیا کہ عام فہم بھی ہو اور دلچسپ بھی' جو مولانا کی ایک خصوصیت مانی جاتی ہے۔ (۳) اس کا پورا لحاظ رکھتے ہوئے کہ کوئی مضمون چھوٹنے نہ پائے اور مفہوم پورا ادا ہو جائے۔ ترتیب ابواب میں ایسی تبدیلی کر دی کہ پوری کتاب دور حاضر کے علمی نفسیات اور فکری تقاضوں کے بموجب ایک نئی کتاب بن گئی۔ (۴) موضوع سے تعلق رکھنے والے مضامین جن کو حضرت شاہ صاحب نے قرۃ العینین وغیرہ میں زیادہ وضاحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔ یا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے پوتے (حضرت مولانا اسماعیل شہید رحمتہ اللہ علیہ) نے "منصب امامت" میں ان کو واضح کیا ہے ان کا اضافہ کر دیا۔ (۵) ابتداء میں ایک مقدمہ کا اضافہ کیا ہے۔ پھر جگہ جگہ حاشیہ میں قابل قدر تشریحات بڑھا دی ہیں۔ جن کی وجہ سے موجودہ دور کے علمی مذاق کے بموجب بھی کتاب کی جامعیت مکمل ہوگئی ہے۔

مولانا محمد میاں صاحب اسارت و حراست سے رہائی کے بعد عام سیاسی زندگی کی مصروفیتوں اور جماعت خدمات سے جو وقت بچا سکے وہ علماء ہند کا شاندار ماضی اور علماء حق وغیرہ اور بے شمار مضامین و مقالات کی

ترتیب میں صرف ہوا' اور اس کا موقع نہ مل سکا کہ ازالتہ الخلفاء کی ترتیب جدید اور ترجمہ کے مسودوں پر نظرثانی کر سکیں۔

متفرق قسم کی جماعتی خدمات اور متعدد اسلامی اداروں کی اعزازی ذمہ داریوں نے اگرچہ دامان فرصت کو اب بھی بہت تنگ اور حد سے زیادہ محدود کر رکھا ہے۔ لیکن ترجمہ ازالتہ الخلفاء و ترتیب جدید کی یہ خدمت ایسی نہیں ہے جس کے (معاذ اللہ) رائیگاں ہو جانے پر کوئی بھی علم دوست صبر کر سکے جب کہ مولانا کی تشریحات اور آپ کے جدید اضافوں نے اس کتاب کو بفضلہ تعالیٰ اس موضوع کا دائرۃ المعارف اور انسائیکلو پیڈیا بنا دیا ہے۔

چنانچہ بنام خدا کتابستان نے طے کر لیا ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو اس بیش بہا علمی ذخیرے کو زیور طبع سے آراستہ کر کے منصہ شہود پر جلوہ گر کیا جائے تاکہ علم دوست حضرات محظوظ اور مستفید ہوں۔ اردو ادب کے ذخیرہ میں ایک بلند پایہ علمی اضافہ ہو اور ہماری جماعتی اور ذاتی لائبریریاں جو حضرت شاہ صاحب کی اس مایہ ناز تصنیف سے محروم ہیں' اس "دائرۃ المعارف" سے آراستہ ہو کر اس کمی کو پورا کر سکیں۔

اضافہ اور توسیع

سیدنا حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہید رحمہما اللہ کی مذکورہ بالا تصانیف کا موضوع "خلافت راشدہ' امامت امت اور خلفاء راشدین" ہے۔ لیکن مولانا محمد میاں صاحب نے ان تصانیف کی ترتیب جدید اور تشریح کے ساتھ یہ بھی ضروری سمجھا کہ یہ دائرہ "حضرت خلفاء راشدین" (رضی اللہ عنہم) تک محدود نہ رہے۔ بلکہ۔

(۱) حضرات صحابہ (رضی اللہ عنہم) کی پوری جماعت اور ان کا وہ دور مسعود جو پہلی صدی کے آخر تک پھیلا ہوا ہے اس کا موضوع قرار دیا جائے۔

(۲) جماعت صحابہ کا پہلا دور جس کو سیدالانبیاء خاتم المرسلین رحمتہ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت باسعادت کا شرف حاصل تھا۔ سیرت مقدسہ کے دامنوں سے وابستہ ہے۔ لہٰذا سیرت مقدسہ کے ضروری ابواب بھی جماعت صحابہ اس تاریخ مکمل میں شامل کئے جائیں۔

پس یہ سلسلہ تصنیف جس کا عنوان "عہد زریں اور مثالی حکومتیں" ہے۔ صرف "ازالتہ الخفاء عن خلافتہ الخلفاء" نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ ازالتہ الخفاء عن جماعتہ الصحابہ۔ ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اسی ترتیب جدید کے بموجب یہ پہلی جلد ہے جو آپ کی خدمت میں پیش ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

الحمدلله الذی بعث الینا اشرف الرسل داعیا الی اقوم السبل- وجعل اصحابا له وزراء فی عهده و خلفاء ه من بعده لتتم النعمة وتعم الرحمة واشهدان لا اله الا الله وحده واشهدان محمدا عبده ونبیه الذی لا نبی بعده صلی الله علیه وعلی اله وصحبه اجمعین

کائنات کی آنکھ کا تارا

انبیاء علیہم السلام کے بعد "جماعت صحابہ" اس پوری کائنات کی آنکھ کا تارا ہے۔ یہ ہمارا عقیدہ ہے۔ سیدنا شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے یہ الفاظ کہیں نہیں لکھے۔ مگر ان کی مشہور و معروف تصنیف "ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفاء" کا حاصل یہی ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت کر دیا جائے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے بعد جماعت صحابہ کائنات میں سب سے افضل ہے اور حضرات خلفاء اس افضل جماعت میں سب افضل ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ایک سلسلہ سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے قائم کیا ہے اور فضائل و مناقب صحابہ کا رابطہ اس سلسلہ سے جوڑا ہے۔ اس حقیرو فقیر کا خیال ہے کہ یہ سلسلہ سیدنا حضرت آدم علیہ السلام بلکہ ابتداء کائنات یعنی روز ازل سے جڑ سکتا ہے۔ سیدنا شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس کو اتنا ضروری یا اتنا واضح نہیں سمجھا۔ اس لیے نظرانداز فرما دیا ہے۔ احقر کا خیال یہ ہے کہ اس غیر ضروری کو بھی یہاں ضروری سمجھا جائے تاکہ مطالعہ مکمل ہو جائے۔ بیشک منطقی استدلال کے لحاظ سے غیر ضروری ہے۔ مگر اضافہ معلومات اور تکمیل مطالعہ کے لحاظ سے غیر ضروری نہیں ہے۔ لہٰذا ہم قصہ ازل سے بحث کا آغاز کرتے ہیں۔ واللّٰہ الموفق وھوالمعین۔

سلسلہ کائنات میں جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کی حیثیت

سب سے پہلے قصہ "ازل" ملاحظہ فرمائیے۔ جب وہ عہد ہوا تھا جس کا نام "عہد الست" ہے۔ کلام اللہ

شریف کے الفاظ یہ ہیں۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ۔ قَالُوْا۔ بَلٰی (سورہ اعراف ع ۲۲ ج ۸)

مفہوم

رحمت عالم محمد ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہو رہا ہے۔ ایک وقت یہ تھا کہ جب تمہارے پروردگار نے اولاد آدم کی پشتوں سے وہ تمام ذریت برآمد کی تھی جو قیامت تک وجود میں آنے والی ہے اور خود ان کو' خود ان کی فطرت کو' خود ان کے حق میں شاہد اور گواہ گردانتے ہوئے دریافت فرمایا تھا۔

اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کیا میں تمہارا پروردگار (رب) نہیں ہوں۔

سب نے جواب دیا تھا۔ ضرور ۔ (آپ ہمارے پروردگار ہیں) ہم شاہد ہیں ۔ ہمیں اس کا اعتراف ہے (ا)۔

(خلاصہ آیت)

آج ہمیں یہ اعتراف اور یہ اقرار یاد نہیں جیسے وہ سبق یاد نہیں جو ہم نے اپنے پہلے استاد سے پہلی مرتبہ پڑھا تھا۔ مگر بسم اللہ اور الف با۔ کا پہلا سبق پتھر کی لکیر بن چکا ہے جو ذہن کی تختی پر کندہ ہے۔ وہ کسی وقت بھی محو نہیں ہوتا۔ اسی طرح یہ اعتراف و اقرار بھی لوح فطرت پر کندہ ہے۔ البتہ اس کا ظہور اس وقت ہوتا ہے جب فطرت مادیات کے تمام رشتوں سے منقطع ہو کر اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے اور کبر و نخوت' خود بینی اور خود نمائی کا غبار ہلکا ہوتا ہے اس وقت اعتراف و اقرار ربوبیت کی فطری لکیریں چمکنے لگتی ہیں ۔ قرآن حکیم کی ایک آیت سے اس کی مثال ملاحظہ فرمایئے۔

سمندر میں سفر کرنے والے جب گرداب بلا میں گرفتار ہو جائیں' ہوائے تند کے جھونکے نمودار ہوں اور ہر طرف سے سمندر کی موجیں حملہ کرنے لگیں اور یہ مسافر خیال کرنے لگیں کہ بس اب ہم گھر گئے اور اب بچنے کی کوئی امید نہیں' اس وقت سویا ہوا وجدان دفعتہ" چونکتا ہے' اس وقت انہیں خدا کے سوا کوئی ہستی یاد نہیں آتی وہ پورے اخلاص کے ساتھ خدا کے سامنے گڑگڑاتے ہیں اگر اس مصیبت سے نجات مل گئی تو وہ ہمیشہ شکر گزار رہیں گے۔ (سورہ یونس ع ۳ ج ۱۱)

سوال یہ ہے کہ اس مضطرب فطرت کو جو اس وقت خدا یاد آیا' یہ کون سا نقش ہے جو اس وقت نکھر رہا ہے' جب مادیات کے تمام سہارے ٹوٹ چکے ہیں اور خود بینی اور خود نمائی کے بادل چھٹ چکے ہیں۔ بلاشبہ یہ عہد الست کا وہی نقش ہے جو ازل میں کندہ ہوا تھا۔

ایک دوسرا معاہدہ

ابھی قصہ ازل پورا نہیں ہوا۔ سنئے!

ایک اور معاہدہ بھی اسی وقت ہوا تھا۔ یہ معاہدہ خاص ان ارواح سے ہوا تھا جن کو نبوت اور رسالت کی دولت ملنے والی تھی۔ قرآن حکیم میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے اس کی یاد دہانی بھی کی گئی ہے' ارشاد ہے۔

وہ وقت بھی یاد رہنا چاہیے جب اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے عہد لیا تھا کہ جو کتاب اور جو علم و حکمت تم کو عطا ہوئی ہے اگر ایسا ہو کہ کوئی رسول مبعوث ہو جو اس کی تصدیق کرتا ہو جو تمہارے خزانہ علم و ایمان میں ہے تو تمہارا فرض ہو گا کہ تم اس کی تصدیق کرو اس پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو۔

اس وقت ان سب انبیاء علیہم السلام نے کہا تھا ہم نے اقرار کیا۔ (سورہ آل عمران ع ۹)

انبیاء علیہم السلام کے اس اقرار و اعتراف کی تائید و توثیق کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا تم گواہ رہو اور (دیکھو) تمہارے ساتھ میں خود بھی اس پر گواہ ہوں۔ (سورہ آل عمران ع ۹ ج ۳)

یہ قصہ ازل تھا' جہاں پہلے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا عہد لیا گیا' پھر انبیاء علیہم السلام کی نبوت کا عہد انبیاء علیہم السلام سے لیا گیا۔ یا سیدنا شاہ ولی اللہ صاحبؒ (۴) کے مسلک کے بموجب یہ اقرار بھی جملہ بنی آدم سے لیا گیا۔

ورود آدم

روز ازل کے ان معاہدوں کے بعد وہ وقت آیا کہ آدم علیہ السلام کو دنیا میں نازل کیا گیا اور ذریۃ آدم جو پہلے عالم مثال میں تھی اب عالم شہود میں آنے لگی۔

اولاد آدم میں مدار فضیلت

یہاں قتل ہابیل اور طوفان نوح (علیہ السلام) کے قصے خارج از بحث ہیں۔ ہمارے موضوع سے متعلق یہ بات ہے کہ جس طرح سیدنا آدم علیہ السلام کو سجدہ ملائک کا قبلہ بنا کر ان کی فضیلت ملائک پر ثابت کی گئی (جو لا محالہ پوری کائنات میں سب سے افضل ہیں) اسی طرح اولاد آدم میں سب سے زیادہ واجب التعظیم وہ قرار دیا گیا جو سب سے زیادہ متقی ہو۔ یعنی سب سے زیادہ اس عہد کا پابند اور اس میثاق کا احترام کرنے والا ہو جو اس نے ازل میں اپنے رب اور خالق سے کیا تھا۔

تقویٰ کی عملی شکل اور اس کی ارتقائی منزلیں

عہد "الست" کی پابندی کس طرح ہو۔ کیا فقط یاد رکھنا پابندی ہے؟ کیا زبان سے اقرار کر لینا پابندی ہے؟ کیا کچھ حقیقتیں ہیں ان کو تسلیم کر لینا پابندی ہے؟ کیا کچھ احکام ہیں ان کی تعمیل کرنا پابندی ہے؟ پابندی کا مطلب کیا ہے؟ جواب کسی قدر تفصیل طلب ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

انسان پیدا ہوا تو مادر زاد برہنہ تھا۔ کھانے پینے رہنے سہنے۔ اپنے آپ کو محفوظ رکھنے' دشمن کو شکست دینے اور پچھاڑنے کے طریقوں سے ناواقف تھا۔ بے شک اس کو ایک عقل عطا ہوئی' اسی عقل کی شمع لے کر اس نے ترقی کے راستہ میں قدم بڑھانا شروع کیا۔ لیکن اس کی منزل کہاں ہے؟ وہ کہاں جائے۔ کس سمت میں قدم بڑھائے۔ اس کو مونھ چلانا آتا ہے۔ وہ چبانا اور چبا کر نگلنا بھی جانتا ہے۔ مگر وہ کیا کھائے اور کس طرح کھائے۔ اور کھانے کا سامان کیسے مہیا کرے۔ اس کو کیسے محفوظ رکھے۔ ہر ایک قدم پر کچھ ایسے جھونکے آئے کہ عقل کی شمع بجھ گئی۔ ہاں عقل کے علاوہ ایک قلب بھی انسان کو عطا ہوا تھا۔ وہ عقل سے روشنی نہیں لیتا' بلکہ خود اس پر ایک روشنی کبھی کبھی چمکا کرتی ہے اور یہ اس وقت چمکتی ہے جب عقل کا چراغ گل ہو جاتا ہے یا ایسا ماند پڑ جاتا ہے کہ اس کا نور بے نور ہو جاتا ہے' اس کو آپ "موجد کا ذہنی تصور" کہہ سکتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اس ذہنی تصور کی تخلیق کون کرتا ہے "عقل درماندہ اور فکر نارسا" اس کی تخلیق کر سکتی ہے؟ یا کوئی اور ہے جو عقل سے بھی بالا ہے؟ وہ کیا ہے' اس سے اس وقت بحث نہیں۔ عرض یہ کرنا ہے کہ انسان نے ترقی کے راستوں میں قدم رکھنا شروع کیا' تو عقل کے سوا' یہ ذہنی تصور جو نور بن کر اس کے قلب پر چمکتا رہا۔ وہ ہی انسان کا رہنما تھا۔ اس طرح اس نے عقل اور اس ذہنی نور کی مدد سے تمدن کی بہت سی منزلیں طے کر لیں۔

مگر سوال یہ رہا کہ تمدن کی جو منزلیں یہ طے کر رہا ہے کیا ان کے متعلق اس "رب" کے کچھ احکام ہیں' جس سے اس نے ازل میں عہد کیا تھا؟ اور جیسے جیسے تمدن بڑھ رہا ہے' جیسے جیسے مادیات میں ارتقاء کی منزلیں طے ہو رہی ہیں' کیا اس "رب" کے تصور میں بھی فرق آ رہا ہے۔ اگر استعداد انسانی کی ترقی کے ساتھ "رب" کے تصور میں بھی فرق آ رہا ہے تو اس فرق میں غلط اور صحیح کا امتیاز کرنے والی چیز کیا ہے کونسی کسوٹی ہے جو کھرے اور کھوٹے کو جدا کر سکے' وہ رب کیا ہے۔ وہ ازلی اور ابدی یعنی فلسفی اصطلاح میں وہ "قدیم" ہے یا حادث اور فانی۔ جب انسان نے زمانہ اور قدیم اور حادث کے معنے سمجھے ہوں گے تو اس زمانہ کے اہل علم کے سامنے یہ سوال بھی آیا ہو گا۔ وہ کہاں ہے۔ کس طرح ہے۔ جب انسان نے

ظرف اور مکان کی حقیقت پر تحقیقی نظر ڈالی ہو گی تو یہ سوال بھی سامنے آیا ہو گا۔ وہ "مادہ" ہے یا مادہ سے بالا۔ جب سالہا سال بلکہ سینکڑوں اور ہزاروں برس کے بعد ترقی پذیر انسان کے سامنے مادہ کچھ حقیقت منکشف ہوئی ہو گی' تب یہ سوال سامنے آیا ہو گا۔

عقل درماندہ کی حد تو مشاہدہ پر ختم ہو جاتی ہے۔ مشاہدات اور محسوسات سے جو کچھ سمجھ میں آتا ہے اسی میں جوڑ توڑ کر کے وہ نتیجہ اخذ کرتی ہے۔ پھر اس کو تجربہ کی کسوٹی پر کستی ہے اسی سے تھیوریاں اور سائنسی نظریات مرتب ہوتے ہیں۔

"رب" جب مشاہدہ اور احساس سے بالا ہے تو اس کے متعلق نہ کوئی وثوق اور قابل اعتماد تھیوری قائم ہو سکتی ہے اور نہ کوئی قابل اطمینان نظریہ (عقیدہ) قائم ہو سکتا ہے' جو کچھ ہو گا وہ محض ظن' تخمین اور قیاس ہو گا جو صحیح بھی ہو سکتا ہے اور بہت زیادہ امکان اس کا ہے کہ غلط ہو۔ کیونکہ اس کا مدار اس غور و فکر پر ہے جو خود اپنے بارے میں نارسا ہے۔ جو خود اپنے آپ کو نہیں معلوم کر سکا کہ وہ کیا ہے۔ اس کی یہ کیا ہمت کہ وہ رب اور خالق کے بارے میں اپنے بل بوتے پر کوئی حقیقی اور صحیح فیصلہ کر سکے۔

بیسویں صدی عیسوی کا یہ دور بہت تیز رفتار ہے - سائنسی ایجادات نے ہر چیز میں تیزی پیدا کر دی ہے' تب بھی کسی تھیوری کے قائم ہونے اور اس کے متعلق غلط یا صحیح فیصلہ صادر کرنے میں عمریں گذر جاتی ہیں اور بسا اوقات صدیاں گذر جاتی ہیں۔

زمین اور آسمان سے زیادہ آشکار کونسی چیز ہو سکتی ہے جو ہر وقت ہمارے سامنے ہے۔ مگر دنیا ہزاروں برس تک اس نیلے گنبد کو آسمان سمجھتی رہی اور ہزاروں برس کے بعد اس کو یقین ہوا کہ جو کچھ اس کے سامنے ہے وہ حقیقت نہیں ہے۔ بلکہ "فریب نظر" ہے۔ اس سے بڑھ کر "فریب" کیا ہو سکتا ہے کہ وہ خلا کو جسم اور جسم بھی گنبد جیسا جسم سمجھتا رہا۔ مشاہدہ کی شکستہ پائی اور لاچارگی کا یہ تماشہ کس قدر عبرت آموز ہے کہ وہ اس کے بارے میں آج تک صحیح فیصلہ نہیں کر سکا جو ہر وقت اس کے سامنے ہے اور جب بھی نظر اوپر اٹھتی ہے وہ بے حجابانہ جلوہ گر ہوتا ہے۔

زمین اس کے قدموں کے نیچے ہے۔ مگر سینکڑوں نسلیں یہی تصور کرتی رہیں کہ یہ "چپٹی" ہے اور آج بھی اس کا گول ہونا دلائل ہی سے ثابت کیا جاتا ہے۔ شاید ہوائی جہازوں اور راکٹوں کی ایجاد کے بعد زمین گول ہونے کا مشاہدہ ہو سکے مگر اس کا مشاہدہ پھر بھی مشکل ہو گا کہ گھومنے والا کون ہے۔ آسمان یا زمین۔

آج اگرچہ یہی یقین کیا جاتا ہے کہ "زمین گھومتی" ہے مگر مشاہدہ اس کا بھی نہیں ہو سکا۔ جس طرح دنیا کے مدعیان عقل ہزاروں برس یہ یقین کرتے رہے کہ آسمان گھومتا ہے وہ اپنے اس یقین کی بنا پر نہ صرف طرح طرح کے نظریات قائم کرتے رہے بلکہ ان کو صحیح مان کر جوتش' نجوم' رمل وغیرہ کے بہت سے

فنون ایجاد کرتے رہے جن پر آج بھی بہت سے مدعیان علم کو ناز ہے کس طرح یقین کیا جا سکتا ہے کہ زمین گھومنے کا موجودہ یقین بھی اسی طرح "پادر ہوا" نہیں ہو گا۔ یہ تمام نظریات اور ان کی یہ شکست و ریخت اور ترمیم و اصلاح مادیات کے سلسلہ میں ہے جن سے انسان کے موجودہ تمدن کا آب و گل تیار ہوا ہے اور جن سے موجودہ زندگی کا تعلق ہے۔ لیکن انسان اسی زندگی کے آخری سانس پر ختم نہیں ہو جاتا۔ وہ "بعدالموت" بھی کچھ رہتا ہے۔ کیا رہتا ہے۔ کس طرح رہتا ہے۔ کس طرح رہے گا۔ اس کے لیے کیا کرنا چاہیے۔ بہت ہی پیچیدہ اور تشویش انگیز سوالات ہیں۔ ایسے عام کہ ہر ایک متنفس سے ان کا تعلق ہے۔ ایسے ضروری جیسے موجودہ زندگی کے لیے غذا کا مسئلہ ضروری ہے۔

اس سنگلاخ میدان میں عقل انسانی کے گھوڑے کس طرح دوڑے۔ اس کی عجلت پسندی اور خود بینی نے کتنے فیصلے غلط کیے۔ پھر اس کی "برخود غلط" طبیعت نے ان فیصلوں کو کیا رنگ دیا۔ ان کو تسلیم کرانے میں کس طرح بار بار قیامت سے پہلے کشت و خون کی قیامت برپا کی گئی۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کاملہ نے بار بار انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے جن کے قلوب پر وحی الٰہی کا نور چمکا اور اس نے خارستان بحث و مباحثہ میں بھٹکے ہوئے انسانوں کو روشنی بخشی اور نہ صرف روحانی مسائل بلکہ بسا اوقات تمدن کے نازک مسئلوں کو بھی حل کیا۔ پھر کس طرح عجلت پسند۔ خودبین اور "برخودغلط" انسان کے غلط ماحول کی تاریکیاں اس پر چھا گئیں۔ جن کے نتیجہ میں طوفان نوح اور بربادی عاد و ثمود جیسے حادثوں سے نسل انسانی کو دوچار ہونا پڑا۔ اس کی تاریخ بہت طویل ہے۔ اس کے لیے ایک "الف لیلہ" نہیں بلکہ ہزاروں الف لیلہ درکار ہیں۔ یہاں ان کا دہرانا دور از کار بھی ہے اور ناممکن بھی۔

اس وقت اس طویل تمہید کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ دین اور دنیا' روح اور مادہ الگ الگ چیزیں ہیں۔ لیکن ان متضاد اور جداگانہ حقیقتوں کے درمیان "انسان" جس کی تخلیق کو خالق دو جہان نے "احسن تقویم" فرمایا ہے۔ ایسا اعجوبہ ہے کہ اگر وہ ایک میں ترقی کرتا ہے تو لامحالہ اس کا اثر دوسرے پر بھی پڑتا ہے جیسے جیسے تہذیبی اور تمدنی لحاظ سے انسان آگے بڑھتا رہا۔ جیسے جیسے مادیات کے سلسلہ میں نئے نئے سوالات اس کے سامنے آتے رہے۔ مثلاً" زمانہ کیا ہے۔ ظرف اور مکان کی کیا حقیقت ہے "حرکت" کی ماہیت کیا ہے۔ مادہ کیا ہے؟ خود انسان کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ جیسے جیسے مادیات کے سلسلہ میں یہ سوالات سامنے آتے رہے۔ یہ سوالات ان حقیقتوں کے سلسلہ میں بھی آتے رہے جن کا تعلق روح یا عالم بالا یا بعدالموت سے ہے کہ وہ مادی ہیں۔ یا مادہ سے بالا۔ زمانہ سے ان کا تعلق کیا ہے۔ ان کو ابدی کہا جائے یا حادث۔ وہ کسی ظرف کے مظروف ہیں یا ظرف سے آزاد' پھر وہ رب جس کا اقرار رگ جان سے وابستہ ہے اس کے متعلق بھی یہ سوالات سامنے آئے کہ وہ جسم ہے۔ اس کے لیے کوئی مکان ہے۔ برسوں اور سالوں کی گنتی۔ طول و عرض کی پیمائش اس کو بھی گھیرے ہوئے ہے یا وہ ان سب سے بالا' قدیم' لازوال

اور لامکان ہے۔ حرکت اور سکون کے عوارض سے بلند تر ہے۔ اس پر کوئی حاوی نہیں ہے۔ وہ ہر ایک پر حاوی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

پھر جب انسان نے ایک معاشرہ اور سوسائٹی قائم کر کے اس کے طول و عرض میں نظری اور فکری سیاحت شروع کی تو یہ سوالات ابھرے کہ کوئی نظام قائم کیا جائے یا نہیں۔ قائم کیا جائے تو کس طرح؟ کس قسم کا؟ دولت، افراد کی ملک ہو یا جماعت کی۔ افراد کی ملک ہو تو اس کے متعلق مالک کے فرائض کیا ہوں؟

پس جس طرح مادیات کے سلسلہ میں یہ سوالات پیدا ہوئے۔ ان کو حل کیا گیا۔ وہ حل صرف عقل نے کیا۔ یا عقل نے اس نور کی مدد سے کیا جو گاہے گاہے قلب پر چمکتا ہے۔ وہ قلب کسی ماہر فن موجد کا قلب تھا۔ یا بعض اوقات کسی ایسے مقدس اور پاکباز کے قلب نے مدد کی جس کو مذہبی اصطلاحات میں "نبی" کہتے ہیں۔ بہرحال اس وقت اس سے بحث نہیں کہ کس طرح حل کیا گیا۔ مقصد یہ ہے کہ جب یہ سوالات حل کیے گئے تو جس طرح انسان کے لیے عمل کا میدان وسیع ہوا۔ اس کی ذمہ داریوں کا سلسلہ بھی دراز ہوتا رہا۔

آپ یقین فرمائیے کہ بعینہ یہی صورت روحانیات کے بارے میں بھی ہوئی کہ جیسے جیسے سوالات پیدا ہوئے ان کے جوابات سامنے آئے تو احکام الٰہی کا دائرہ بھی وسیع ہوتا رہا۔ اور ساتھ ساتھ تقوے کا دامن بھی پھیلتا رہا۔ دولت کے متعلق جب تک کوئی سوال انسانی سوسائٹی اور معاشرہ میں نہیں پیدا ہوا تھا کیونکہ انسان دولت کی بنیادیں دریافت نہیں کر سکا تھا تو اس وقت تک دولت کے متعلق "رب ذوالجلال" کے یہی کچھ احکام نہیں تھے اس وقت تک دولت سے تقوے کا بھی کوئی تعلق نہیں تھا۔ لیکن جب دولت کے وجود پر اس کی کثرت نے بہت سے سوالات پیدا کر دیئے۔ لوگوں کے نفع نقصان کے ڈانڈے دولت سے جڑ گئے۔ تو ہر سوال کے جواب میں "رب ذوالجلال" کا کوئی حکم بھی ظہور پذیر ہو گیا اور اب تقوے کا مطلب یہ ہو گیا کہ دیگر عبادتوں کی طرح اس کی بھی پابندی کی جائے۔

اب تک متقی وہ تھا جو ہر وقت یاد خدا میں مصروف رہے۔ لیکن دولت کے متعلق جب احکام ربانی صدور فرما ہو گئے۔ تو اب یہ عابد و زاہد۔ اگر متقی کا درجہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے یہ بھی ضروری ہو گیا کہ وہ ان احکام کی بھی پوری تعمیل کرے جو دولت سے متعلق ہیں۔

اب اس تمہید کا حاصل یہ ہوا کہ جس طرح کسی بھی دور میں ترقی یافتہ مہذب اور متمدن اس شخص کو کہا جاتا ہے جو اس دور کے تہذیبی اور تمدنی قدروں کو پہچانتا ہو اور ان کے تقاضوں کو پورا کرتا ہو۔ اسی طرح کوئی بھی دور ہو اس دور کا متقی اس عابد و زاہد کو کہا جائے گا جو زہد اور عبادت گذاری کے ساتھ ساتھ اس دور کے تقاضوں کو پہچانتا ہو اور ان تقاضوں کے لحاظ سے جو خداوندی احکام ہوں ان کی پوری

پابندی کرتا ہو۔ اس موقع پر قرآن پاک کی یہ آیت بھی پیش کی جاسکتی ہے۔ انما یخشی اللّٰہ من عبادہ العلماء اللہ کے بندوں میں صرف علماء ہی ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور خشیہ رکھتے ہیں۔ یہ انحصار بظاہر اسی وجہ سے ہے کہ عالم کہلانے کا مستحق وہی صاحب بصیرت ہے جو اپنے دور اور اپنے ماحول کے تقاضوں کو پہچانتا ہو اور اتنی بصیرت رکھتا ہو کہ ان تقاضوں کے بموجب احکام الٰہی کا استنباط کرسکے اور ان پر عمل پیرا ہوسکے۔ (۳)

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

بیشک یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جب تک انسانی معاشرہ کا تمدن نامکمل رہا تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس وقت تک تقویٰ بھی نامکمل ورنہ کم از کم اس کی اصولی تعلیم ہی نامکمل رہی اور اس بنا پر اہل تقویٰ کا درجہ بھی کم رہا' تو ہمیں اس میں کوئی تامل نہیں ہے کہ اس کا جواب "اثبات" میں دیں۔ اگر آپ کتاب اللہ سے اس کی تائید چاہتے ہیں تو یہ ملاحظہ فرمایئے کہ تکمیل دین کی وہ مشہور آیت جس پر امت اسلامیہ کو ناز ہے۔ یعنی الیوم اکملت لکم دینکم الخ (آج میں نے مکمل کر دیا تمہارے لیے تمہارا دین اور پوری کر دی تم پر اپنی نعمت) یہ آیت کہاں ہے؟ آپ اس آیت کی اگلی پچھلی آیتیں بلکہ سورہ مائدہ کا یہ پہلا رکوع جس میں تکمیل دین کی یہ آیت ہے پورا پڑھ لیجئے۔ مزید برآں اگلا رکوع بھی پڑھ لیجئے۔ آپ ان دونوں رکوع میں وہ ہی احکام پائیں گے جن کا تعلق تہذیب' تمدن اور سماجی زندگی کی ضرورتوں سے ہے۔ مثلاً"

قول کی پابندی' شعائر الہیہ کا احترام' تعاون اور امداد باہمی' کھانے پینے کی حرام اور حلال چیزیں' ذبیحہ' مردار' شکاری جانوروں کی تعلیم و تربیت اور ان کے شکار کردہ جانور کے احکام' اہل کتاب سے نکاح اور ان کے یہاں کا پکا ہوا کھانا' پاکی' صفائی' عدل و انصاف وغیرہ۔

بظاہر یعنی عام خیالات کے لحاظ سے تکمیل دین کی یہ آیت اس موقع پر بے جوڑ ہے۔ اس کو ایسی جگہ آنا چاہیے تھا جہاں رکوع۔ سجود۔ نماز۔ ذکر و فکر اور مراقبہ کا تذکرہ ہوتا۔ لیکن اگر تہذیب و تمدن اور تقویٰ کے باہمی رابطہ پر نظر کی جائے تو نہ صرف یہ کہ یہ آیت برمحل ہے بلکہ ایسی موزوں ہے کہ اس سے زیادہ کسی اور سیاق میں موزوں نہیں ہو سکتی۔

ایک اور سوال بھی یہاں پیدا ہوتا ہے کہ کیا تکمیل دین کے لیے یہ ضروری ہوا کہ تمدن سے متعلق تمام سوالات سامنے آچکے ہوں۔؟

ہم اس کا جواب بھی اثبات میں دیں گے اور ہر وہ شخص ہماری تائید کرے گا جو تہذیب و تمدن کے

بنیادی سوالات پر غور کرتے ہوئے دو ہزار سال کی تہذیبی اور تمدنی تاریخ پر نظر ڈالے۔ تہذیب' تمدن' اخلاق' معاشرت اور سماجی زندگی سے متعلق جو سوالات آج ہمارے سامنے ہیں کیا دو ہزار سال پہلے کی تاریخ سے ان کا رشتہ جوڑنے میں کوئی بھی تردود ہو سکتا ہے؟

یورپ کے مہذب ماہرین آج بھی ان نشانات پر ناز کرتے ہیں جو تہذیب یونان کے عروج کے زمانہ کے ان کو کہیں سے مل جاتے ہیں۔ ان کے نزدیک "قرون وسطیٰ" کا جرم یہی ہے کہ اس نے ان نشانات کو مٹایا۔ صرف مسلمانوں کا طفیل ہے کہ تہذیب یونان کے علمی آثار و نشانات ان کی جدوجہد کے نتیجہ میں ان کی عربی تصانیف کے واسطہ سے آج کے یورپ کو نظر آ رہے ہیں۔

صرف الہیات اور اخلاقیات ہی نہیں بلکہ سیاسی اور اقتصادی مسائل بھی جو آج دنیا کی فضا پر چھائے ہوئے ہیں اپنی طویل تاریخ رکھتے ہیں اور ماہرین سائنس بھی اگر انصاف سے کام لیں تو موجودہ ایجادات کو انہیں نظریات کا تجربہ اور مشاہدہ قرار دیں گے جن کی بنیادیں بہت قدیم ہیں۔

معاہدہ انبیاء علیہم السلام کی حکمت

یورپ میں جس دور کو قرون وسطیٰ کہا جاتا ہے اگر اس کا قصور اور جرم یہ ہے کہ اس نے ان علوم و فنون اور اس تہذیب و تمدن کی حفاظت نہیں کی جو یونان کے ماہرین اور دانش مندوں کا اندوختہ اور ان کا فراہم کردہ سرمایہ تھا تو اس سے اس معاہدہ کا ایک عظیم الشان مقصد بھی واضح ہو جاتا ہے جو حضرات انبیاء علیہم السلام سے ازل میں لیا گیا تھا کہ ہر ایک نبی دوسرے کی تصدیق و تائید کرے گا۔ یہ نہیں ہو گا کہ تردید اور مخالفت کا اکھاڑہ قائم کر دے۔ بے شک انبیاء علیہم السلام کے اس عہد و پیمان کی بنیاد یہ ہے کہ "دین" ایک ہے (۴)۔ دین کی بنیادی حقیقتیں لازوال ہیں۔ لہٰذا اس دین کے رہبروں اور رہنماؤں کے اصول بھی واحد اور متحد ہوں گے۔ مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انبیاء علیہم السلام تعمیر عالم کے معمار ہیں۔ آنے والے معمار اگر ان بنیادوں کو اکھیڑنے لگیں جو پہلے معمار رکھ گئے تھے تو عمارت کبھی بھی مکمل نہیں ہو سکتی۔

کوئی عمارت اگر متعدد معماروں کے سپرد ہو جو یکے بعد دیگرے آنے والے ہیں تو عمارت کی تکمیل کے لیے یہ شرط ہو گی کہ آنے والے معمار پہلی بنیادوں کو مضبوط کرتے رہیں اور آگے بڑھتے رہیں۔

آنحضرت ﷺ کا مشہور ارشاد ہے کہ اس تعمیر میں ایک اینٹ (باریک ردہ) کی کمی رہ گئی تھی جس کی تکمیل آنحضرت ﷺ نے فرما دی کما قال صلی اللہ علیہ وسلم۔

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق (میں اس لیے مبعوث ہوا ہوں کہ مکارم اخلاق کی تکمیل کر دوں)

بلاشبہ امت محمدیہ (علی رسولہا الصلوٰۃ والسلام) کا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ "اللہ کا دین مکمل ہو

چکا" لیکن مکمل اسی لیے ہو سکا کہ ہر آنے والے نبی نے پہلی بنیادوں کو مضبوط کیا۔ انبیاء سابق کی بنیادی تعلیمات کو برحق سمجھا۔ پھر تعمیر کی دوسری اینٹ استوار کی۔

نتیجہ

جب کمال دین اور تکمیل تقویٰ کے لیے ضروری ہوا کہ انسان کی استعداد و صلاحیت اس درجہ ترقی پا جائے کہ نہ صرف روحانیات و الہیات بلکہ عمرانیات' معاشیات' اقتصادیات و سیاست سے متعلق بھی جملہ بنیادی سوالات سامنے آ چکے ہوں تو ظاہر ہے جب تک ترقی اور عروج کا یہ درجہ نہیں آئے گا تقویٰ بھی انسانی زندگی کے تمام گوشوں پر اپنے دامن نہیں پھیلا سکے گا اس لیے تقویٰ نامکمل رہے گا۔

تقویٰ کا یہ پھیلاؤ۔ اس دور میں ہوا جس کو ہم تکمیل دین کا دور کہتے ہیں۔ اب جس طرح "تکمیل دین" کے دور میں یہ گنجائش نہیں رہی کہ کسی سابق دین پر قناعت کر لی جائے اور مکمل کو نظرانداز کر دیا جائے (معاذ اللہ) اسی طرح یہ بھی واضح ہو گیا کہ متقی کامل جن کی نظیر دنیا کی تاریخ سابق میں نہیں مل سکتی وہی ہوں گے جو اس تقویٰ کامل کے حامل اور عالم اور تربیت یافتہ ہوں۔

یہ کون ہیں۔ یہ صرف وہ ہیں جن کو "صحابہ کرام" کہا جاتا ہے۔ رضی اللہ عنہم۔ ہو سکتا ہے کہ پہلے لوگوں کے مجاہدے اور ان کی ریاضتیں زیادہ ہوں۔ لیکن نویں' دسویں جماعت کا طالب علم کتنی ہی محنت کر لے جب تک وہ اس جماعت میں ہے اس کو یونیورسٹی کی آخری سند نہیں مل سکتی۔ دست درازی وہیں کارآمد ہے جہاں قدرت نے بھی دست و بازو کو درازی بخشی ہو۔

بیشک عقلاً" ممکن تھا کہ تکمیل دین کے دوسرے اور تیسرے یا بعد کے قرن اور دور کے عابد و زاہد افضل ہو جائیں۔ بیشک کمال دین کے نقطہ نظر سے یہ ممکن تھا اور اس کے امکان کی پیش گوئی بھی لسان نبوت نے فرما دی۔ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام جب حجتہ الوداع کے خطبہ میں ارشاد فرمایا

فلیبلغ الشاھد منکم الغائب- فرب مبلغ اوعی من سامع

جو یہاں موجود ہیں وہ یہ باتیں ان تک پہونچا دیں جو یہاں حاضر نہیں ہو سکے کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جس کو کوئی بات پہونچائی جائے وہ اس بات کو اس سے زیادہ سمجھتا ہے اور اس سے زیادہ اس پر غور و فکر کرتا ہے جو پہونچا رہا ہے۔

لیکن اخلاص' ایثار' قربانی اور صحبت رسول اللہ ﷺ وغیرہ جیسے محامد اور محاسن کی بنا پر جو فضیلت مجموعی لحاظ سے صحابہ کرام کو حاصل تھی وہ کسی دوسرے دور کو نصیب نہ ہو سکی۔ بس اب یہ کہنا درست ہو گیا کہ "جماعت صحابہ کائنات عالم کی آنکھ کا تارا ہے"

جماعت انبیاء علیہم السلام

یہاں یہ بات یاد رکھنی ضروری ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اس سے مستثنٰی ہیں۔ کیونکہ بحث ان سے ہے جو "انبیاء علیہم السلام" کی تعلیمات سے آراستہ ہو کر "جلوہ افروزِ عالم" ہوئے۔ انبیاء علیہم السلام طالب اور مرید نہیں ہیں بلکہ وہ معلم اور مرشد ہیں۔

کتاب اللہ کے انداز پر نظر فرمایئے' صحابہ کرام کو خطاب کر کے ارشاد ہو رہا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا

یہاں صحابہ کے متعلق یہ اعلان ہے کہ وہ خیر امت' امتہ وسط اور افضل ترین جماعت ہیں۔ سرور کائنات ﷺ کی ذات مقدس اس سے مستثنٰی ہے کیونکہ بحث آفتاب و ماہتاب سے نہیں۔ بحث ان جواہر ریزوں سے ہے جو آفتاب و ماہتاب کی کرنوں سے روشن ہو رہے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

سیدنا حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام اور امت مسلمہ کی بنیاد

ابتداء یعنی عہد الست کا قصہ آپ نے پڑھا۔ پھر اس کی انتہا یعنی تکمیل دین اور تکملہ تقویٰ کا بھی کچھ تذکرہ آپ کے مطالعہ سے گذرا بیچ کا دور باقی رہ گیا۔ کچھ سرگذشت اس دور کی بھی ملاحظہ فرمایئے۔

سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کا قافلہ۔ تغیر و انقلاب کے طوفانوں کو جھیلنے۔ بقاء اور تنازع للبقاء کے معرکوں کو سر کرنے اور مادی اور روحانی ترقیات کے میدانوں کو طے کرنے کے بعد جب اس منزل پر پہونچا جہاں سے وہ "صراط مستقیم" شروع ہوتا تھا جس کی انتہا "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (یعنی انسانی صلاحیتوں کے سب سے اعلیٰ مقام اور روحانیت و للہیت کے بلند ترین "موقف") پر ہونے والی تھی۔ تو خالق ارض و سما رب العالمین۔ عزاسمہ' و جل مجدہ' نے اس برگزیدہ اور صاحب العزم رسول کو مبعوث فرمایا جس کو دنیا "ابراہیم" کے نام سے پہچانتی ہے جس نے خلیل اللہ کا لقب حاصل کیا اور جس کے ماننے والوں کو "مسلم" (۵) کا خطاب دیا گیا ہے۔

ماحول

اس وقت کا ماحول یہ تھا کہ شرک و کفر اور پرستش غیر اللہ کی تاریکیوں نے فہم و فراست کے چراغ گل کر رکھے تھے۔ انسانی ذہن عجائبات عالم کی رنگینیوں میں گم تھے۔ نگارستان عالم کی چمک دمک نے چشم بصیرت کو خیرہ کر رکھا تھا۔ غور و فکر کی جولانیاں محسوسات کی چار دیواری میں بند' عقل کی بلند پروازیاں'

ادراک ماوراء سے ناآشنا، اور حریم معرفت سے کوسوں دور تھیں۔

چشم ظاہر بیں کے دائرہ نظر میں سب سے عجیب آفتاب تھا۔ عقل ظاہر پرست اسی کے سامنے سرنگوں ہو گئی اور هذا ربی هذا اکبر (۶) کا اعتراف صبح و شام کرنے لگی۔ عجائب پرست ذہن و دماغ ماہتاب کی کشش سے بھی مسحور ہوئے۔ اور ربوبیت کا ایک حصہ اس کے لیے بھی تسلیم کر لیا گیا۔

ان ارباب باطل اور فرضی معبودوں کے آستانوں تک رسائی ممکن نہ تھی تو ان کے نام کے ہیکل اور مندر زمین پر بنا لیے گئے تھے اور ان کی چوکھٹوں پر پیشانیاں رگڑ کر مصنوعی نیاز مندی اور بندگی کے جذبات کو سکون دیا جانے لگا تھا۔

تلاش اور جستجو

لیکن خانوادہ آزر کا وہ "دریتیم" جس کو قدرت نے حقیقت کی نقاب کشائی کے لیے پیدا کیا تھا جو باطل کی ظلمتوں میں حق کو اجاگر کرنے کے لے منتخب کیا گیا تھا۔ اس نے ایک ہی نظر میں چاند کے متعلق فیصلہ کر دیا۔ اِنِّیْ لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ

(جو اس قدر جلد طلوع و غروب کے تغیرات سے متاثر ہو جاتا ہو۔ جو آفتاب کی ایک شعاع کے سامنے اپنی ساری تابانی اور درخشانی ختم کر دیتا ہو ہرگز اس قابل نہیں کہ انسان کی شریف اور بلند فطرت اس سے عبودیت اور بندگی کا تعلق پسند کر سکے۔)

آفتاب پر نظر ڈالی تو ایک خیال آیا "هذا ربی" یہ میرا رب ہے اور ذہن نے اس کی ایک دلیل بھی گھڑ دی ""هذا اکبر" یہ بہت بڑا ہے" یعنی جب اس کو یہ ظاہری عظمت حاصل ہے تو ربوبیت اور معبودیت کی عظمت بھی اسی کا حصہ ہے۔ لیکن جب خود اس کو ایک معینہ پروگرام میں جکڑ بند دیکھا اور اس کی تمام عظمت و کبریائی جو "افق مشرق" سے "انا لا غیری" کا اعلان کرتے ہوئے بڑے طمطراق سے نمودار ہوئی تھی مغرب کی گھاٹیوں میں حسرت اور زر دردی کے ساتھ روپوش ہونے لگی تو اس نوجوان۔ ابن آزر۔ کی طبعیت اس سے بھی ہٹ گئی اور تب اس کا فیصلہ یہ ہوا کہ لامحالہ کوئی ہے جس نے ان تمام ہستیوں کو وجود بخشا جس نے وہ مضبوط نظام قائم کیا جس میں ان چمکدار ہستیوں کا صدر اعظم اور ان روشن تاروں کی بے شمار فوج کا بادشاہ بھی ایک معمولی قیدی کی طرح پا بہ زنجیر ہے۔

لَا الشَّمْسُ یَنْبَغِیْ لَھَآ اَنْ تُدْرِکَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّھَارِ ـ وَکُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ (سورہ یسین)

نہ آفتاب کے لیے ممکن ہے کہ وہ چاند کو پکڑے۔ نہ رات کے لیے ممکن ہے کہ وہ دن سے آگے بڑھ جائے (شمسی سنہ کی کسی تاریخ پر کسی افق کے لحاظ سے آفتاب

کے طلوع و غروب اور دن رات کی آمدورفت کا جو وقت جو منٹ مقرر ہے ہزاروں سال گذر گئے ان میں کوئی فرق نہیں آیا) حالانکہ یہ سب ایک ہی فضا میں جس کا نام فلک (۷) ہے تیر رہے ہیں۔

چنانچہ اس کی فطرت سلیم نے بلا جھجک اعلان کر دیا۔

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ (سورہ انعام ع ۹)

میں نے ان سب سے ہٹ کر اپنا رخ اس کی طرف کر لیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے' میں اسی کا ہو رہا۔ اور میں ان میں بھی نہیں ہوں جو کسی کو اس کا شریک مانتے ہیں۔ (۸)

نیز اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ (سورہ انعام ع ۹)

میں ان سب سے بے تعلق ہوں جن کو تم شریک گردانتے ہو۔

اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (سورہ ممتحنہ ع ۱)

ہم تم سے بھی بے تعلق ہیں اور ان سے بھی جن کی تم خدا کے سوا عبادت کرتے ہو۔

توحید کا یہ کھلا ہوا اعلان اور معبودان باطل سے بیزاری کا اظہار ان کو کب برداشت ہو سکتا تھا جن کے ذہنوں اور دماغوں میں "کواکب پرستی" رچی ہوئی تھی جنہوں نے چاند' سورج' زحل' مریخ اور ثریا کے ناموں پر مندروں کی بلند عمارتیں کھڑی کر رکھی تھیں - چنانچہ حق کے مقابلہ میں باطل کی رگ حمیت پھڑکی اور باطل پرستوں کے لاتعداد ہجوم نے اس ایک بندہ خدا کے مقابلہ میں متحدہ محاذ قائم کر لیا۔

طعن و تشنیع' سب و شتم' زدو کوب' مقاطعہ اور سوشل بائیکاٹ کی کون سی مصیبت ہو گی جس سے اس سخت جان خدا پرست کو آزمایا نہ گیا ہو گا۔ لیکن جب صدا حق ہر ایک مصیبت اور آزمائش کے بعد پہلے سے زیادہ کرخت ہو کر نکلتی رہی تو آخری فیصلہ یہ کیا گیا۔

حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ (سورہ انبیاء)

اگر کچھ کرنا ہے تو اس کو جلا ڈالو۔ اور اس طرح اپنے معبودوں کی مدد کرو۔

لیکن دست قدرت نے جس کو ایک ابدی اور لازوال مقصد کے لیے پیدا کیا تھا کس کی مجال تھی کہ اس کا بال بیکا کر سکے۔ رب ابراہیم نے حکم فرمایا۔

یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ

اے آگ ابراہیم کے لیے سراسر ٹھنڈک اور سلامتی بن جا۔

اس طرح داعی حق کے برخلاف جو منصوبے بھی باندھے گئے سب ناکام اور نامراد رہے اور ہر ایک تدبیر کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ (۹)

ادھر سے دعوت حق و پیغام صداقت اور اس طرف سے تردید و تصادم۔ انتہا یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پوری قوم سے مایوس ہو کر ترک وطن پر مجبور ہونا پڑا۔ (۱۰)

غریب الوطنی کے دور میں حضرت ابراہیم علیہ السلام مصر بھی تشریف لے گئے۔ شاہ مصر جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہم (۱۱) وطن تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی رفیقہ حیات حضرت سارہ کے تقدس اور اعلیٰ اخلاق سے یہاں تک متاثر ہوا کہ خاندان شاہی کی معزز خاتون" ہاجرہ" (۱۲) کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دیا کہ "آپ کی باندی بن کر رہنا ملکہ بن کر رہنے سے بہتر ہے" (۱۳)

حضرت ابراہیم علیہ السلام مقدس زندگی کے تقریباً" نوے سال پورے کر چکے ہیں۔ شباب اور کہولت کے خوشگوار دور عرصہ ہوا ختم ہو چکے ہیں۔ بڑھاپے کا دور ہے۔ بڑھاپا بھی ایسا کہ کم از کم حضرت سارہ تو اولاد کے تصور کو بھی مضحکہ انگیز سمجھنے لگی ہیں (۱۴) لیکن ابھی جس کو ترک زن و فرزند کی سب سے اونچی مثال پیش کرنی تھی جس کو لخت جگر اور نور نظر کی بے نظیر قربانی دے کر خلت اور "فدا کارانہ ولی دوستی" کے مراتب طے کرنے تھے اور جس کو "امت قانت" کا ابدی خطاب ملنے والا تھا وہ اولاد سے کب محروم ہو سکتا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک دعا مانگی تھی۔

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (سورہ و الصافات ع ۳)

(اے رب بخش دے مجھ کو کوئی نیک بیٹا)

اب وقت آیا کہ اس کی قبولیت کا ظہور ہو۔ سیدنا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اس دعا کا پہلا نتیجہ تھے (۱۵) یہ فرزند سعید۔ شیر خواری کے چند ماہ پورے کرنے پایا تھا کہ خلیل اللہ لقب پانے والے کی دوستی کے امتحان کا وقت آگیا۔

الہام ربانی اور اشارہ غیبی کی تعمیل کے لیے بے آب و گیاہ لق و دق سنگلاخ میں جہاں مونس و غمخوار تو درکنار کسی آدم زاد کا بھی نام و نشان نہ تھا۔ اپنے اکلوتے فرزند" چہیتے نور نظر اور وفادار رفیقہ حیات کو چھوڑ آنا خلت اور دوستی کا پہلا امتحان تھا۔ جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خندہ پیشانی سے انجام دیا کھجوروں کی ایک تھیلی اور پانی کا ایک مشکیزہ حضرت ہاجرہ کے حوالہ کیا۔ اور ماں بیٹے کو اس "وادی غیر ذرع" میں جس کا مکہ نام ہونے والا تھا" چھوڑ کر روانہ ہو گئے۔ البتہ اس قادر ذوالجلال کی بارگاہ میں جس کے لیے یہ سب کچھ کیا تھا ایک درخواست پیش کر دی۔

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْٓ اِلَیْھِمْ وَارْزُقْھُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ (سورہ ابراھیم)

اے ہمارے پروردگار۔ میں نے بسائی ہے اپنی کچھ اولاد ایسے بیابان میں جہاں کھیتی کا نام و نشان نہیں ہے تیرے معزز گھر کے پاس۔ اے ہمارے رب تاکہ یہ قائم رکھیں نماز۔ پس تو (اپنے فضل و کرم سے) ایسا کر کہ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل ہو جائیں اور ان کے لیے زمین کی پیداوار سے سامان رزق مہیا کر دے۔ تاکہ وہ تیرے شکر گزار ہوں۔

امام الحدیث محمد بن اسمٰعیل بخاری ؒ نے اس درخواست کی ہیئت بھی بیان کر دی کہ ان کلمات کو ادا کرتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دونوں ہاتھ اٹھائے (۱۶)۔

اس تپتے ہوئے صحرا میں جہاں آفتاب کی کرنیں ہر ایک سنگریزہ کو انگارہ بنا دیتی ہوں۔ جہاں نہ کوئی سائبان ہو' نہ کوئی سایہ دار درخت۔ ایک شیر خوار معصوم بچہ اور اس کی تنہا ماں۔ صرف ایک اللہ کے سہارہ پر ہیں۔ اسی کی رحمت کا سایہ ہے اور اسی کے فضل و کرم کی امید زندگی کا سرمایہ ہے۔ وہ مادی سازو سامان یعنی کھجوروں کی تھیلی اور پانی کا مشکیزہ جو ان کے حوالہ کیا گیا ہر ایک مادی چیز کی طرح چند روز میں ختم ہو گیا۔ بھوک اور پیاس نے اس کی جگہ لے لی۔ پیاس کی وجہ سے معصوم بچہ لب دم ہو گیا تو شفقت مادری نے حضرت ہاجرہ کو ادھر ادھر دوڑنے پر مجبور کیا۔ چند قدم پر دو پہاڑیاں تھیں جن کو بعد میں صفا اور مروہ کہا گیا۔ بھوکی اور پیاسی ماں چل نہیں سکتی تھی مگر بچہ کی جاں بلب صورت نے اس کو بے چین کر دیا بچہ کو گود میں لینے کی طاقت نہیں تھی۔ اس کو زمین پر چھوڑا اور پانی کی جستجو میں سامنے کی پہاڑی پر چڑھ گئی۔ سب طرف نظر دوڑائی۔ مگر پہاڑوں کے کالے اور سرخ پتھروں یا ریت کے میدان کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ آہستہ آہستہ اتری۔ لیکن نشیب میں پہونچی تو بچہ نگاہ سے اوجھل ہو گیا۔ وہ دوڑی اور دوسری پہاڑی پر چڑھ گئی۔ پہلے بچہ پر نظر ڈالی کہ وہ اپنی جگہ خیریت سے ہے۔ پھر پانی کے لیے نگاہ دوڑائی۔ مگر وہی پہاڑ تھے' وہی پتھر اور وہی ریت اور بالو۔ پانی کا کہیں بھی نام و نشان نہ تھا۔ اسی اضطراب اور بے چینی میں ایک پہاڑی سے دوسری پہاڑی پر بار بار چڑھی اور اتری اور جب نشیب میں پہونچ کر بچہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو دوڑی۔ دفعۃً رحمت حق کو حرکت ہوئی۔ ایک بہتا ہوا چشمہ بچہ کے پیروں میں تھا۔ پہاڑی کی بلندی سے ماں نے قدرت کا یہ کرشمہ دیکھا تو بے ساختہ دوڑی۔ بچہ کو پانی پلایا۔ خود سیراب ہوئی۔ کوئی برتن موجود نہ تھا جس میں پانی بھر لیتی تو چشمہ کے گرداگرد مٹی کی ڈول باندھنے لگی کہ پانی ختم اور ضائع نہ ہو۔ (۱۷)

یہ چشمہ رحمت جو حضرت ہاجرہ اور ان کے جگر پارہ کے صبر و امتحان کا انعام تھا۔ چشمہ زمزم تھا۔ اس اضطراب اور بے چینی مین حضرت ہاجرہ نے تو یقیناً" نہ گنا ہو گا کہ کتنی مرتبہ پہاڑی پر چڑھیں اور کتنی مرتبہ نشیب میں دوڑیں۔ مگر جس کے ہاں انسان کی ہر ایک حرکت اور اس کا ہر ایک سکون۔ ہر ایک فعل اور ہر ایک قول لکھا جاتا ہے' وہ حضرت ہاجرہ کے قدم گن رہا تھا۔ ان کے چڑھنے اور اترنے کو گن رہا تھا اور نشیب میں دوڑنے کی تعداد بھی قلم بند کر رہا تھا۔ اس کے برگزیدہ انبیاء علیہم السلام نے بتا دیا کہ حضرت ہاجرہ نے چشمہ دیکھا تو وہ سات مرتبہ نشیب میں دوڑ چکی تھیں۔

زمزم یوں تو پانی کا چشمہ ہے مگر قدرت نے اس پانی کو یہ خصوصیت بخشی ہے کہ کچھ کھانے کو نہ ملے تو یہ پانی ہی غذا کا کام دیتا ہے۔

حضرت ہاجرہ اب بھی تنہا تھیں۔ تہی دست تھیں۔ مگر وہ بہت بڑی دولت مند ہو گئی تھیں کیونکہ ان کے پاس ایک چشمہ تھا جو ارض حجاز کی سب سے بڑی دولت ہے۔

پانی کو دیکھ کر پرندوں نے اس طرف کا رخ کیا اور پانی کے گرد منڈلانے لگے۔ بنو جرہم جو اس طرف کہیں قریب ہی تھے پرندوں کو دیکھ کر پانی کی تلاش میں اس طرف آ پہونچے' جہاں ایک چشمہ کے کنارہ صرف ایک عورت بچہ کو لیے بیٹھی تھی۔ بنو جرہم کو پانی کی تلاش تھی اور حضرت ہاجرہ کو مونس کی جستجو۔ بنو جرہم نے قیام کی اجازت چاہی۔ حضرت ہاجرہ نے اجازت دیدی۔ مگر یہ شرط لگا دی کہ چشمہ کی مالک وہ رہیں گی۔ یہ مکہ کی آبادی کا سنگ بنیاد تھا۔

یہ بتانا مشکل ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کتنے عرصے کے بعد دوبارہ تشریف لائے۔ البتہ عقل و قیاس کا یہ فیصلہ ضروری ہے کہ وہ رفیقہ حیات کی خبر گیری اور لخت جگر کی دیدہ بوسی کے لیے گاہے گاہے تشریف لاتے رہے ہوں گے۔ (جیسا کہ بخاری شریف کی روایت سے ثابت ہوتا ہے جس سے یہ تمام بیان ماخوذ ہے)

ذبح اسمٰعیل (علیہ السلام)

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام شیر خواری کا دور طے کر کے چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے ہیں۔ والد ماجد تشریف لاتے ہیں تو ان کے ساتھ رہتے ہیں۔ ادھر ادھر جاتے ہیں۔ ابھی حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت نہیں ہوئی۔ لہٰذا اپنے باپ کے اکلوتے (۱۸) فرزند ہیں جو تقریباً" نوے سال کی عمر میں نصیب ہوا۔ یکایک منصب خلت کے ایک اہم امتحان کا وقت آ جاتا ہے۔ یعنی رویاء صادق میں اشارہ ہوتا ہے کہ "پارہ جگر" کو راہ خدا میں ذبح کر دو۔ پہلے روز خواب کی صداقت میں کچھ تردد رہتا ہے تو دوسرے روز اور پھر تیسرے روز یہی خواب دیکھتے ہیں تو قلب مبارک یقین و اذعان سے روشن ہو جاتا ہے' اور تعمیل حکم کا عزم

کرلیتے ہیں۔ لیکن فرزند ارجمند سے بھی مشورہ کرتے ہیں تاکہ باپ کی تسلیم و رضا میں فرزند سعید بھی برابر کے حصہ دار ہو جائیں۔

برگزیدہ باپ کی طرح یہ نونہال نبوت بھی سر تسلیم خم کر دیتا ہے۔ خلیل اللہ اور ابن خلیل اللہ کی تسلیم و رضا بارگاہ رب العزت میں شرف قبولیت حاصل کرلیتی ہے اور رب العرش العظیم کا سلام ابدالآباد تک ان دونوں کا طرہ امتیاز بن جاتا ہے۔

رب العالمین کا ازلی اور ابدی کلام حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کے اس بے نظیر ایثار و قربانی کی شہادت ان الفاظ میں پیش کرتا ہے۔

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّيْ أَرٰى فِي الْمَنَامِ أَنِّيْ أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصَّابِرِيْنَ- فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِيْنِ- وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيْمُ- قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ- إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِيْنُ وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ- وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ سَلَامٌ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ (صافات)

پس جب یہ فرزند جس کی بشارت دی گئی تھی اس قابل ہو گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ چلنے پھرنے لگا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا۔ بیٹا میں خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ پس تم سوچ سمجھ لو۔ تمہاری رائے کیا ہے (حضرت اسمٰعیل علیہ السلام) نے کہا! ابا جان جس بات کا آپ کو حکم کیا جا رہا ہے اس کو کر ڈالیے۔ آپ مجھے انشاء اللہ صابر پائیں گے۔ پس جب باپ بیٹے دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور (ایسا ہوا کہ حضرت ابراہیم نے حضرت اسمٰعیل کو) پیشانی کے بل پچھاڑ دیا (یہ عجیب و غریب سماں تھا۔ اس کا بیان کرنا مشکل ہے بہر حال جیسے ہی باپ بیٹے سے ایثار و فدائیت کا یہ مظاہرہ سامنے آیا) ہم نے پکارا اے ابراہیم۔ بیشک تم نے خواب کو سچا کر دکھایا (جذبہ اخلاص و فدائیت کی عملی تصدیق پیش کر دی) بیشک ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بیشک یہ ہے کھلی ہوئی آزمائش اور ایک واضح امتحان' اس کے فدیہ میں دیا ہم نے ذبح کے لیے ایک بڑا جانور اور باقی رکھا بعد کی آنے والی تمام نسلوں میں اس کا ذکر خیر' سلام' حضرت ابراہیم پر۔

زن و فرزند کی یہ قربانی کیوں؟

یہ کیا بات ہوئی۔ معصوم بچے اور اس کی ماں کو لے جاؤ۔ اور اس بے آب و گیاہ جلتی ہوئی اور تپتی ہوئی وادی میں چھوڑ آؤ۔

کیا معاذاللہ یہ نافرمان تھے؟ کیا حضرت ابراہیم کو ان سے نفرت تھی۔ کیا حضرت سارہ کی بات کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اتنا پاس و لحاظ تھا کہ اس کی خاطر محبت کے فطری جذبہ کو بھی تج دیا۔

ایک سنگدل سے سنگدل انسان بھی۔ ایک بیوی کی خاطر دوسری کے ساتھ ایسا نہیں کر سکتا۔ بیوی (حضرت ہاجرہ) مجرم تھی تو معصوم بچے کا کیا قصور تھا جو بڑھاپے میں دعاؤں (۱۹) اور تمناؤں کے بعد اللہ تعالٰی کی بشارت (۲۰) بن کر پیدا ہوا تھا۔

مگر کبھی آپ نے اس طرف بھی توجہ کی یہ کاشتکار ہر موسم کے آغاز میں کیا کرتا ہے۔ جس بیج کو اس نے سال بھر محفوظ رکھا۔ نمی اور تری۔ کوڑے۔ کرکٹ۔ کیڑے اور مکوڑوں سے اس کی حفاظت کی۔ ہر طرح احتیاط سے رکھا۔ اس کو اپنا قیمتی سرمایہ سمجھا۔ وہ اسی تخم کو لیتا ہے۔ لق و دق میدان میں پہونچتا ہے اور ایک ایک دانہ کو مٹی میں ملا کر چلا آتا ہے۔

اس سے بڑھ کر ستم ظریفی۔ جہالت اور نادانی کیا ہو گی کہ وہ اپنا قیمتی سرمایہ خود اپنے ہاتھوں خاک میں ملا رہا ہے۔ آپ کاشتکار کی یہ نادانی دیکھتے ہیں۔ مگر ملامت نہیں کرتے۔ کیونکہ آپ فطرت و قدرت کے اس دستور العمل کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں کہ جس تخم کو زیادہ گہرا دبایا جاتا ہے۔ جس کو زیادہ بے نام و نشان کیا جاتا ہے وہ اتنا ہی مضبوط اور تن آور درخت بن کر نمودار ہوتا ہے۔ اس کی شاخیں دور دور پھیلتی ہیں اور اس کا سایہ دراز ہوتا ہے۔

اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ

(اس کی جڑ زمین میں جمی ہوئی ہے اور اس کی شاخ آسمان میں)

کی مثال وہ بن جاتا ہے۔

توریت میں ہے۔ خدا نے ابراھام سے کہا۔

اسمٰعیل کے حق میں میں نے تیری سنی۔ دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اسے برومند کروں گا اور اسے بہت بڑھا دوں گا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا۔ (پیدائش ۱۷، ۲۰)

بے شک یہ "وادی غیر ذی زرع" تھی جہاں کھیتی نہیں ہو سکتی تھی۔ مگر وہ چشمہ جو فوارہ بن کر

ابلتا ہے۔ جو نہروں اور دریاؤں کا سرچشمہ بنتا ہے۔ جس سے پورے پورے علاقے شاداب اور بڑے بڑے ملک سرسبز ہوتے ہیں۔ اس کے آس پاس کھیتی کہاں ہوتی ہے۔ اس کے اردگرد پتھروں کی چٹانیں اور سنگ خارا کے تودے ہوتے ہیں۔

سورہ ابراہیم کی جو آیت پہلے گذر چکی ہے۔ اس کے الفاظ پر نظرڈالیے "بیت محرم" معزز گھر" واجب الاحترام مکان جس کے گرداگرد یہ وادی غیرذی ذرع ہے۔ کسی ایک شخص کے لیے۔ ایک خاندان ایک قبیلہ' ایک قوم یا ایک ملک کے لیے نہیں بلکہ تمام عالموں اور نوع انسان کے تمام طبقات کے لیے برکتوں کا مرکز اور ہدایتوں کا سرچشمہ ہونے والا ہے۔ اب کوئی قوم۔ کوئی ملت چاہیے جو اس کی محافظ ہو۔ جو اس کی خادم ہو۔ اور خادم بھی ایسی کہ برکتوں کے مان سون یہاں سے جذب کر لے اور تمام عالم انسانیت پر ابر بہاری بن کر برسے۔ ہدایت کی شعاعیں یہاں سے سمیٹے۔ اور عالم بشریت کے تمام آبگینوں کو ان کی عکاسی سے روشن کر دے۔

نظر ظاہر بیں وحشت زدہ (۲۱) ہے کہ بوڑھا باپ معصوم بچے کو بے یارو مددگار چھوڑ رہا ہے لیکن کار پردازان مشیت کا اعلان یہ ہے کہ بچہ کو ضائع نہیں کیا جا رہا بلکہ اس امت اور اس ملت کا تخم تہ نشین کیا جا رہا ہے جس کا نتیجہ جس کا ثمر خوشگوار۔ وہ طبقہ ہو گا جو اعلیٰ اخلاق مکمل انسانیت۔ ہمہ گیر شرافت کا بابرکت نمونہ ہوگا (۲۲)۔

"کسی خاص حلقہ اور گروہ یا کسی جماعت کے لیے نہیں بلکہ اس پوری نوع اور اس پوری جماعت کے لیے جس کو "الناس" کہا جاتا ہے) جس طبقہ پر دین و ایمان کی تکمیل ہو گی اور جو ابدالاباد تک اللہ تعالیٰ کے پیغام حق کا حامل ہو گا۔ لتکونوا شھداء علی الناس

مختصر یہ کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا تھی۔

وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ

اے اللہ ہماری ذریت اور نسل میں ایک ایسی امت پیدا کر جو تیری فرمانبردار ہو

(سورہ بقرہ ع ۱۵)

یہ جو کچھ ہوا۔ مقبولیت دعا کی تمہید تھی اور عالم انسانیت کے متعلق حضرت جل مجدہ کے ایک عظیم الشان منصوبہ کا اظہار تھا۔

آپ نے دیکھا۔ یہ امت مسلمہ جس کے مصداق اول۔ صحابہ کرام تھے (رضوان اللہ علیھم اجمعین) اس کی بنیاد کس شان سے رکھی گئی۔ زن و فرزند کی یہ قربانی اس کی خشت اول تھی۔ اور ذبح اسمٰعیل خشت دوم۔

علیہ وعلی نبینا الصلوۃ والسلام

بیشک حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی زبان مبارک پر یہ دعا ایک عرصہ کے بعد آئی۔ جب ان دونوں نے بیت اللہ کی تعمیر شروع کی۔ مگر مشیت الٰہی کا فیصلہ اس کے حق میں ایک عرصہ پہلے ہو چکا تھا اور نہ صرف فیصلہ بلکہ قضا و قدر کے مخفی کارخانہ میں اس پر عمل بھی شروع ہو گیا تھا۔

وَمَا تَشَاءُوْنَ اِلَّا اَنْ یَشَاءَ اللّٰہُ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا۔

تم نہ چاہو گے مگر جو چاہے اللہ، بیشک اللہ تعالیٰ ہے سب کچھ جاننے والا۔ بڑی حکمت والا۔

بناء بیت اللہ الحرام۔ (خانہ کعبہ کی بنیاد)

تلاش حق کا جذبہ جو حضرت خلیل اللہ (ابراہیم علیہ السلام) کے قلب مبارک میں موجزن ہوا تھا اس نے آفتاب و ماہتاب جیسے معبودان باطل کی "حقیقت بے حقیقت" اور ان کی ہیچ در ہیچ ہستی پر نظر ڈال کر یہ فیصلہ تو کر لیا تھا کہ:

"میں نے ان سب سے ہٹ کر اپنا رخ اس کی طرف کر لیا جس نے زمین و آسمان پیدا کیے۔ میں اسی کا ہو رہا"۔ کواکب پرستوں اور بندگان اصنام کو خطاب کر کے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ :

"میں تم سے بھی بیزار بے تعلق اور ان معبودان غیر اللہ سے بھی بیزار ہوں جن کی تم پوجا کرتے ہو۔"

لیکن جس "وحدہ لاشریک لہ" کی پرستش شروع کی۔ جس کے لیے زندگی وقف کر دی۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جس کے ہو رہے، بیشک نظر انسان میں یہ طاقت نہیں کہ اس کی تجلی برداشت کر سکے۔ جب یہ نظر کوتاہ بیں قرص آفتاب پر نہیں جم سکتی تو وہ اس پر کس طرح ٹھہر سکتی ہے جو خالق آفتاب ہے۔ جس کا نور بے چون و بے مثال نور آفتاب سے ہزاروں گنا بلکہ بے انتہا گنا زیادہ ہے۔

یہ بھی قطعاً" غلط ہے کہ اس کا کوئی پیکر یا مجسمہ بنایا جائے۔ کیونکہ وہ مجسمہ لا محالہ مادی ہو گا۔ اور ذات برحق مادہ سے بہت بلند و بالا۔ وہ پیکر لا محالہ ایک مثال ہو گا۔ اور وہ ذات بے کیف۔ اور وہ حقیقت بے چون و بے چرا۔ ہر ایک تمثیل سے منزہ ہے۔ کیونکہ کوئی بھی اس کے مثل نہیں ہے، نہ ہو سکتا ہے، نہ کبھی ہوا۔

لیکن کیا اس کی کوئی علامت۔ کوئی نشانی۔ اس عالم آب و گل میں قائم کی جا سکتی ہے۔ بیشک ہر ایک مخلوق خالق کی علامت ہے۔ گلشن کا ہر ایک پودا باغبان کی خبر دیتا ہے اور ہر ایک غنچہ جب چٹختا ہے۔ تو بانی

گلشن کی مدح و ثنا کرتا ہے۔ اور بیشک سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی نظر حقیقت شناس نے آسمان و زمین کی انہیں علامتوں (۲۳) سے خالق ارض و سما کو پہچانا۔ ایمان و یقین کا درجہ (۲۴) حاصل کیا۔ مگر ہر ایک کو نظر ابراہیم میسر نہیں اور نہ صرف یہ کہ نظر ابراہیم میسر نہیں بلکہ بسا اوقات "کور باطنی" یہاں تک بڑھ جاتی ہے' اور دل و دماغ کی بصیرت یہاں تک مفقود ہو جاتی ہے کہ اہل نظر کے ساتھ وہ کچھ کیا جاتا ہے جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) کے ساتھ کیا گیا۔

پس سوال یہ ہے کہ وہ صاحب فکر سلیم اور وہ صاحب نظر جو خدا واحد کے اعتراف و اقرار تک رسائی حاصل کر چکا ہے اور بندہ عجائبات یا مخلوق پرست نہیں رہا بلکہ خالق پرست بن چکا ہے۔ کیا اس کی توجہات کو مرتکز اور منضبط کرنے کے لیے کوئی ایک مرکز ہونا چاہیے۔ کیا قدرت الٰہی اور مشیت ایزدی نے مادیات کی اس دنیائے پر آشوب میں کوئی ایک نقطہ مقرر کیا ہے جو اس کی توجہات کا مہبط اور اس کی تجلیات کا مطلع ہو۔

یہ فعل غلط سہی کہ فکر نارسا نے چاند اور سورج کو معبود سمجھا اور جب ان تک رسائی نہیں ہوئی تو ان کے نام کے ہیکل اور مندر بنا لیے۔ مگر اس سے فطرت انسانی کا پتہ تو چلتا ہے کہ وہ معبود کا پیکر نہ سہی معبود کا ہیکل اور اس کے نام کا کوئی مرکز۔ کوئی مقام کوئی بیت ضرور چاہتی ہے۔

اور یہ جو قرآن شریف میں بار بار ارشاد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے فرشتوں سے، کہا کہ اس کو سجدہ کرو۔ یا اس کی طرف سجدہ کرو۔ تو کیا اس سے اس سانچہ کا پتہ نہیں چلتا جس میں فطرت انسانی ڈھلی تھی۔ یعنی کیا اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ قبلہ کی تلاش اس کی فطرت بن گئی۔

پس دین فطرت کا تقاضا تھا کہ فطرت کے اس روحانی تقاضے کو پورا کرے۔ روایات سے ثابت ہے اور کتاب اللہ کے کلمات اس کی تائید کرتے ہیں کہ یہ تقاضائے فطرت کبھی بھی نظر انداز نہیں ہوا چنانچہ سیدنا حضرت آدم علیہ السلام زمین پر اتارے گئے تو جس طرح کھانے پینے اور غذا کے فطری تقاضے کو قدرت کے مخفی ہاتھوں نے درختوں کے پھلوں وغیرہ سے پورا کیا۔ اسی طرح فطرت سلیم کے اس روحانی مطالبہ کو بھی پورا کیا گیا۔ اور یہ بیت اللہ جس کو ہم بناء ابراہیم کہتے ہیں اس کی بنیاد سیدنا آدم علیہ السلام (۲۵) ہی نے رکھ دی۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ

سب سے پہلا گھر جو انسانوں کے لیے مقرر کیا گیا وہ ہے جو بکہ (مکہ) میں ہے۔

یہ بتانا مشکل ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے اس دور معصوم میں جب اینٹ اور چونہ تو کیا پتھروں کے گھڑنے کے آہنی اوزار بھی ایجاد نہیں ہوئے تھے' تعمیر بیت اللہ کی نوعیت کیا تھی۔ ظاہر ہے باضابطہ تعمیر

نہیں ہوئی ہو گی۔ ناتراشیدہ پتھراوپر نیچے رکھ کر کسی طرح کی چھت ڈالدی گئی ہو گی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کسی طرح حد بندی کر دی گئی ہو۔ کیونکہ قبلہ اینٹ پتھریا دیواروں کا نام نہیں ہے بلکہ قبلہ وہ فضا ہے جو ان دیواروں میں محدود ہے (جو اگرچہ بلندی میں آسمان ہفتم اور عرش و کرسی تک پہونچتی ہے۔ مگر طول و عرض کے لحاظ سے تقریباً" سات سو مربع گز ہے)

قرآن پاک کے محتاط الفاظ بھی کچھ اس کی غماضی کرتے ہیں کہ پہلی مرتبہ اس سب سے پہلے "بیت" کی صرف حد بندی ہوئی ہے' باقاعدہ تعمیر نہیں ہوئی۔ کیونکہ قرآن کریم میں وضع فرمایا گیا ہے۔ سیدنا شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس کا ترجمہ' مقرر کردہ شد۔ اور حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے "ٹھہرا" (۲۶) فرمایا ہے۔ مقرر کرنے اور ٹھیرانے کے لیے تعمیر کی ضرورت نہیں صرف حد بندی کافی ہے' وہ کسی طرح بھی ہو۔

جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے تو اگرچہ ہمیں فن تاریخ پر بہت ناز ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ تاریخ کی نظر بہت محدود ہے۔ زیادہ سے زیادہ تین ہزار برس ہوئے جب سے فن تاریخ نے قلم سنبھالا ہے' کاغذ تب بھی میسر نہیں آیا۔ تین ہزار سال سے پہلے اس کی حقیقت وہ خاندانی روایتیں اور وہ کہانیاں تھیں جو بڑے بوڑھوں کو یاد ہوا کرتی تھیں۔ مگر حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ کی کہانی بھی کسی کو یاد نہیں تھی۔ نتیجہ یہ کہ تاریخ سے اس مسئلہ میں مدد نہیں مل سکتی۔

بہرحال وضع کی عملی شکل کچھ بھی ہو۔ صرف حد بندی ہوئی ہو یا کسی طرح کی دیواریں بھی بنا دی گئی ہوں - قرآن شریف اور احادیث کے اشارات (۲۷) یہی ثابت کرتے ہیں کہ خانہ کعبہ کے بانی اول حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور "قبلہ" ایک فطری مطالبہ ہے جس کو حضرت آدم علیہ السلام نے اسی وقت پورا کر دیا تھا جب فطرت کے دوسرے مطالبات (غذا وغیرہ) کو پورا کر رہے تھے۔

اس وقت ہمارے سلسلہ کلام سے متعلق یہ بات ہے کہ تمام باطل معبودوں سے کٹ کر اور ہر ایک ہوا پرستی سے ہٹ کر خدا واحد کی طرف جھک جانے والے اور اسی کے ہو رہنے والے ابراہیم نے (علیہ السلام) اس وادی "غیر ذی زرع" میں وہ پودا لگایا جس کی شاخوں پر "امتہ مسلمہ" کا پھل آنے والا تھا۔ تو اس نے یہ بھی ضروری سمجھا کہ ان ہیکلوں اور مندروں کے مقابلہ پر جو چاند تاروں یا خیالی اور وہمی دیوتاؤں کے نام پر بنائے گئے ہیں' ایک بیت تعمیر کیا جائے۔ جس کی نسبت اس معبود برحق' کی جانب ہو جو خالق ارض و سما ہے' جو رب العالمین ہے۔ یہی "بیت" جو اس "امتہ مسلمہ" کا مرکز عبادت ہو۔ اور یہی قبلہ توحید ہو۔ جہاں اللہ کا کلمہ بلند ہو۔ شعائراللہ کی تعظیم و تکریم ہو۔ جہاں دنیا بھر کے توحید پرستوں کا اجتماع ہوا کرے۔

اس "بیت" کی تعمیر کے لیے اس لق و دق وادی میں کوئی نشیبی یا ہموار خطہ بھی منتخب کیا جا سکتا تھا لیکن سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی نظر دقیقہ رس نے جس رقبہ کو منتخب کیا وہ ایک ٹیلہ تھا (۲۸)۔

یہ عجیب بات تھی کہ آس پاس کے پہاڑوں پر جب بارش برستی تو سیلاب کا پانی نشیب کی تمام چیزوں کو تہ و

بالا کر دیتا۔ مگر یہ ٹیلہ اپنی جگہ اسی طرح قائم رہتا' جیسا مدت غیر معلوم سے قائم تھا۔ نہ سیلاب کے پانی سے اس کی بنیادیں کٹتی تھیں اور نہ موسلادھار بارش اس کی بلندی کو پست کرتی تھی (۲۹)

ایک خلجان اور تضاد

آپ کو ہمارے کلام میں تضاد معلوم ہو رہا ہو گا۔ اور خود ہمیں بھی یہ خلجان ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اس فعل کو ان کے غور و فکر کا نتیجہ اور خود ان کا اجتہاد قرار دیں جیسا کہ سطور بالا سے معلوم ہو رہا ہے یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس عمل کو اشارات خداوندی کی تعمیل اور منشاء الہی کی تکمیل قرار دیں۔

کلام اللہ کی آیات پر نظر ڈالی جائے تو یہ خلجان اور بڑھ جاتا ہے۔ ایک آیت میں ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل۔ بیت اللہ کی دیوارین اونچی کر رہے تھے اور دعا کرتے رہتے تھے۔ اے اللہ ہمارے اس فعل کو قبول فرما۔ (۳۰) (سورہ بقرہ ع ۱۵)

ایک دوسری آیت میں ہے۔

"حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے "بیت" کی جگہ ہم نے مقرر کی اور ہم نے حکم دیا کہ میرے اس بیت کو پاک کر دو۔ (یا بقول حضرت شاہ عبدالقادر صاحب" "پاک رکھو" (۳۱) (سورہ حج ع ۴)

پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام ایک عمل کر رہے ہیں مگر آس اور یاس۔ بیم اور رجا کی موجیں دلوں میں اضطراب پیدا کیے ہوئے ہیں چنانچہ عمل کے ساتھ ساتھ دعا بھی کرتے جاتے ہیں کہ خداوندا ہمارے اس اقدام کو قبول فرما۔

دوسری آیت کا مفہوم اس کے برخلاف یہ ہے کہ حضرت حق جل مجدہ کا ایک منشاء ہے جو ازل سے چلا آ رہا ہے اس وقت یہ منشاء اس طرح پورا کیا جا رہا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو بیت اللہ کی جگہ بتائی گئی اور ان کو حکم دیا گیا کہ اس کو ٹھیک کر کے ہمیشہ پاک صاف رکھو۔

ایک راز کی بات

اس سے پہلے کہ اس کا جواب دیا جائے' ایک راز کی بات سن لیجئے۔ خلق و تکوین کا سلسلہ کچھ اس طرح قائم ہوا ہے کہ ایک بات کو آپ دعاؤں کا نتیجہ بھی کہہ سکتے ہیں اور اسی بات کو آپ رب العالمین کا منشاء ازلی بھی قرار دے سکتے ہیں۔

کچھ دعائیں وہ ہوتی ہیں جن کے لیے انسان کا دل گڑگڑاتا ہے اور اس کے لیے لب متحرک ہوتے ہیں کچھ دعائیں وہ ہوتی ہیں جن کی زبان فطرت کی زبان ہوتی ہے۔ ہمارے ہونٹ اس کے لیے حرکت نہیں کرتے مگر ہماری فطرت اس کے لیے گڑگڑاتی ہے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون (علیہما السلام) نے

فرعون سے اپنے معبود برحق اور رب العالمین کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا تھا۔

رَبُّنَا الَّذِیْ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی (سورہ طٰہٰ ع ۳)

ہمارا رب وہ ہے جس نے بخش دی ہر چیز کو اس کی صورت پھر راہ سوجھائی۔

یعنی ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کا خلق اور اس کا وجود نوعی عطا فرما کر راستہ بتا دیا۔ بقول حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ۔ کھانے پینے کا ہوش دیا' بچہ کو دودھ پینا وہ نہ سکھائے تو کوئی نہ سکھا سکے۔

مگر راستہ بتا دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اب وہ خود بخود قدم بڑھاتا رہے گا۔ رب العالمین سے مستغنی ہو جائے گا اور چونکہ اس کا قدم خود اٹھے گا اس لیے رب العالمین کی طرف سے فیضان قدرت کا محتاج نہیں ہو گا۔

بلکہ اس کے برخلاف کلام اللہ کے اشارات اور بعض موقعوں پر اس کی تصریحات یہ ہیں کہ ہر ایک قدم کا ارادہ ایک سوال اور ایک درخواست ہے جو فطرت اپنے فاطر اور خالق سے کر رہی ہے اور فاطر ہستی اس کی درخواست منظور کر رہا ہے۔

آپ دیکھتے ہیں۔ آفتاب کی شعاعیں گرم ہوتی ہیں۔ فضا میں انگارے دہکنے لگتے ہیں' تیز ہوائیں چلتی ہیں۔ باد سموم کے تھپیڑے ہر شاداب اور سرسبز کو جھلس کر رکھ دیتے ہیں زمین کا کلیجہ گرم ہوتا ہے۔ لبوں پر پپڑیاں جم جاتی ہیں۔ سینہ شق ہو جاتا ہے۔ یہ سب کچھ تقاضائے فطرت ہے۔ مگر یہ تقاضا ایک سوال بھی ہے۔ یہ ایک انقلاب عظیم کی درخواست بھی ہے۔

آپ دیکھتے ہیں سمندروں کے کھولتے ہوئے سینوں سے مان سون اٹھتا ہے۔ فضا پہ چھا جاتا ہے پہاڑ نما بادل آسمان کے کھلے میدان میں دوڑنے لگتے ہیں۔ ہواؤں کے انجن انہیں کہیں سے کہیں کھینچ لے جاتے ہیں پھر وہ وقت آتا ہے کہ بارش برستی ہے۔ زمین کا پیاسا کلیجہ آسودہ ہوتا ہے۔ سبزہ لہلہاتا ہے گلشن و بوستان شاداب ہو جاتے ہیں۔ پہاڑوں کے آبشاروں سے پانی کے فوارے اچھلتے ہیں۔ ندیاں سمندر بن جاتی ہیں اور نشیبی حصے تالاب اور جھیلوں کا روپ اختیار کر لیتے ہیں۔ تم نے سمجھا یہ یوں ہی ہو گیا۔ مگر کلام اللہ کہتا ہے۔ وہ دعا تھی' یہ قبولیت دعا ہے۔ وہ فطرت کی طرف سے درخواست تھی اور خالق فطرت کی طرف سے اس کی منظوری ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ـ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ـ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ـ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ (سورہ ابراہیم ع ۵)

اللہ وہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی نازل کیا جس کی سیرابی نے پھل پیدا کیے جو تمہارا رازق ہیں اور تمہارے لیے جہاز مسخر کر دیے کہ اس کے حکم سے سمندر میں چلتے ہیں۔ نیز دریا بھی تمہارے لیے مسخر کر دیے۔ اسی طرح سورج اور چاند بھی مسخر کر دیے ہیں کہ ایک خاص دستور پر برابر چلے جا رہے ہیں اور رات اور دن کا ظہور بھی مسخر ہے اور تم کو دی ہر وہ چیز جو تم نے اس سے مانگی۔ (حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے الفاظ میں "دیا تم کو ہر چیز میں سے جو تم نے مانگا" (سورہ ابراہیم ع ۵)

آپ شاید کہیں۔ اور آپ نہ کہیں تو وہ کہہ سکتے ہیں جو خدا کو بھی نہیں مانتے (معاذ اللہ) کہ ہم نے کب کہا تھا آسمان سے پانی برساؤ۔ ہم نے کب دعا مانگی تھی کہ پانی سے پھل پیدا ہوں۔ ہم نے کبھی کشتیوں اور جہازوں کے مسخر کرنے کی بھی دعا نہیں مانگی۔ نہ ہم نے کسی سے یہ التجا کی کہ یہ ندیاں ہمارے تصرف میں آ جائیں۔ یا آفتاب و ماہتاب ہمیشہ درخشاں رہیں یا شب و روز کی گردش یونہی پابندی کے ساتھ ہمیشہ جاری رہے۔

مگر یہ آپ کی فراموشی ہے۔ جس طرح انسان اس فطری عہد کو بھول گیا تھا جس کو "عہدالست" کہا جاتا ہے۔ جس میں اس نے رب العالمین کی ربوبیت کا اعتراف و اقرار کیا تھا۔ اسی طرح وہ اس سوال کو بھی بھول جاتا ہے جو اس کی فطرت گڑگڑا کر کرتی ہے اور نہ صرف اس کی فطرت بلکہ پوری کائنات کی فطرت گڑگڑاتی ہے اور دعائیں مانگتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کی دعاء سنتا ہے اور اس کا جواب دیتا ہے۔

يَسْئَلُهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَاْنٍ (سورہ رحمٰن ع ۲)
اس سے مانگتے ہیں جو کوئی ہیں آسمانوں میں اور زمین میں ہر دن اس کو ایک (۳۲) دھندا ہے۔ (شاہ عبدالقادر صاحبؒ

ملاحظہ فرمایئے' بچہ کی بے بسی ایک فطری دعا ہے کہ خداوندا! وہ طریقہ بتا جس سے یہ جان ناتوان زندہ اور باقی رہ سکے۔

موسم گرما کی دہکتی ہوئی فضا اور اس انگاروں بھری فضا سے تڑخنے والی ہر چیز کی حدت اور تمازت ایک سوال ہے۔ یہ سوال زبان پر آئے یا نہ آئے۔ بقول "صورت ببیں حالت مپرس" طبعیت کا قدرتی اضطراب خود سوال ہے۔

کسی بھی تدریجی اور ارتقائی سلسلہ میں آپ کا ہر ایک قدم۔ اس قدم کے لیے آپ کی تیاری ایک سوال ہے۔

جس طرح ہر ایک ذرہ اپنی تابانی کے لیے آفتاب سے بھیک مانگ رہا ہے کہ وہ اپنی کرن سے نور

دے۔ جس طرح آپ ٹیلی فون کا رسیور اٹھا کر کہربائی سلسلہ سے درخواست کر رہے ہیں کہ وہ ٹیلی فون کے تاروں میں کرنٹ دوڑائے۔ اسی طرح ہر ایک قدم بلکہ ہر ایک عمل کے لیے آپ کی تیاری سرچشمہ قدرت سے التجا کر رہی ہے کہ وہ اپنے فیض سے نوازے۔ بیشک مشیت ایزدی یہی ہے کہ شمس منیر جب جلوہ افروز ہو تو اس کی کرنیں زمین کے ذروں کو تاباں اور درخشاں بنائیں۔ بیشک نظام قدرت کا دستور یہی ہے کہ جب موسم کی حدت و تمازت انتہا کو پہنچ جائے تو مان سون اٹھے اور کہرسا کے بجائے موسم برسات اپنا جلوہ دکھائے۔ مگر یہ مشیت جس طرح اللہ تعالیٰ کا ایک ارادہ اور اس کا طے کردہ منصوبہ ہے اسی طرح وہ فطری اور طبعی دعا کے اثر کا ظہور بھی ہے۔

اب آیئے سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یاد پھر تازہ کیجئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ صعوبت اور یہ دوہری محنت کیوں برداشت کی کہ کھلے میدان میں خانہ کعبہ کی تعمیر کے بجائے ٹیلہ تراشنا شروع کیا اور وہاں سے بنیادوں کی داغ بیل ڈالی۔

بیشک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہدایت یافتہ۔ مقدس۔ سلیم اور پاک فطرت کا جذبہ تھا کہ ''اللہ'' کے نام کا ''بیت'' زمین کی پیشانی پر سجایا جائے۔ مگر یہ رہنمائی قدرت حق کی تھی کہ عزم ابراہیم میں وہ جگہ معین کر دی جو ازل سے اسی مقصد کے لیے تاکی گئی تھی۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (سورہ عنکبوت)

(جو لوگ ہماری راہ میں اپنی سرگرمیاں صرف کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستے ضرور بتا دیتے ہیں۔

اب ملاحظہ فرمایئے حضرت ابراہیم خلیل اللہ جن کی تمام سرگرمیاں ابتداء سے تلاش حق میں صرف ہو رہی تھیں، حضرت حق جل مجدہ نے ان کو اپنا راستہ کس طرح بتایا۔ ارشاد ربانی ہے :

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَّا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ

(سورہ حج ع ۵)

خلاصہ کلام

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام جو آتش نمرود کے واقعہ کے بعد اپنے وطن سے یہ کہتے رخصت ہوئے تھے۔

اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ

میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں وہ عنقریب میری رہنمائی کرے گا۔

قدرت کی دستگیری ملاحظہ فرمایئے کہ ان کو اس مقام پر پہونچایا۔ جہاں وہ ملت مبعوث ہونے والی تھی جو ابدالا باد تک پیغام حق کی حامل ہو۔ جو تمام دنیا اور دنیا کے تمام گروہوں۔ تمام قوموں اور تمام ملتوں کے لیے ارشاد و ہدایت کا قطب مینار بنے۔

اور جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو یہاں آباد کر کے ہزاروں برس پہلے اس "امت مسلمہ" اور "امت وسط" کی بنیاد رکھ دی۔ تو ساتھ ساتھ اس بقعہ مقدس کو بھی سینہ زمین پر ابھار دیا۔ جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مہبط انوار۔ مرکز ارشاد و ہدایت اور سرچشمہ رحمت و رضاء خداوندی ہونے والا تھا۔

پھر اسی دور میں ذبح اسمٰعیل (علیہ السلام) کا وہ انوکھا اور نرالا واقعہ جس کی مثال سے پوری دنیا کی تاریخ محروم ہے۔ جس کو خود رب ذوالجلال نے "بلاء عظیم" اور سب سے بڑا امتحان فرمایا۔ وہ کیا تھا۔ وہ نشان تھا' امت مسلمہ کے مسلک کا۔ امت مسلمہ کا مسلک ہو گا۔ فدائیت۔ قربانی۔ اور ایثار۔ راہ خدا میں مر مٹنا۔ فنا ہو جانا۔

تعمیر کعبہ کے وقت دعا

کائنات کی چشم حیرت ایک عجیب تماشا دیکھ رہی ہے۔ وہی ربع مسکون۔ یعنی کرہ زمین کا وہی آباد حصہ جس کے چپہ چپہ پر کفر' شرک' اصنام پرستی اور کواکب پرستی کی اندھیری چھائی ہوئی ہے۔ اسی دنیا کے ایک غیر آباد حصہ میں جو عرب کے ایک کنارہ پر حجاز مقدس کے تقریباً" وسط میں اونچے نیچے پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے۔ اسی کی ایک وادی میں جہاں کچھ دنوں سے ایک عورت اپنے معصوم بچہ کے ساتھ پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے جہاں چودہ پندرہ برس پہلے وہ عجیب ماجرا دیکھا گیا تھا کہ تشنہ لب بلکہ جاں بلب بچہ کی ایڑیوں کے پاس دفعتہ" ایک چشمہ ابلنے لگا تھا۔ اس چشمہ سے چند گز کے فاصلہ پر ایک بوڑھا ایک پتھر پر بیٹھا ہوا ہے اس کے ساتھ ایک نوخیز نوجوان ہے۔ ایک مکان کی بنیاد کھدی ہوئی ہے۔ بوڑھے کے ہاتھ میں کچھ تعمیر کا سامان ہے۔ بوڑھے کی عمر سو سال سے متجاوز ہے۔ اس میں اتنی طاقت نہیں کہ وزنی پتھر اٹھا سکے۔ یہ نوجوان پتھر اٹھا اٹھا کر لا رہا ہے اور بوڑھا دیوار چن رہا ہے۔

یہاں نہ تختے ہیں۔ نہ بانس اور بلیاں۔ جن سے سیڑھی بنائی جا سکے اور پیڑ باندھی جا سکے۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ یہ پتھر جس پر یہ بڑے میاں بیٹھے ہیں قدرت ایسا معجزہ دکھا رہی ہے کہ یہ پتھر دیوار کی بلندی کے ساتھ ساتھ بلند ہوتا جا رہا ہے۔

اچھا ان بڑے میاں اور ان کے نوجوان کے ہاتھ تو کام میں مصروف ہیں ان کے چہرے بشرے اور انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ دل یاد خدا میں مصروف ہو گا۔ مگر دل کی آواز ہم سن نہیں سکتے۔ ہاں زبان پر کچھ کلمے جاری ہیں، کچھ گنگناہٹ بھی سنی جا رہی ہے۔ یہ دونوں کیا کہہ رہے ہیں؟

کلام اللہ نے خبر دی ہے کہ اس وقت ان دونوں کے دلوں کی گہرائیوں سے جو کلمات زبان پر آ رہے تھے۔ یہ تھے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ- رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً لَّکَ- وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ- رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتِکَ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَیُزَکِّیْھِمْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ

(سورہ بقرہ ع ۱۵)

اے پروردگار۔ ہمارا یہ عمل قبول فرما۔ بیشک تو ہی ہے دعاؤں کا سننے والا (کائنات عالم کی مصلحتوں کو) جاننے والا۔

اے ہمارے پروردگار۔ ہمیں توفیق عطا فرما کہ سچے مسلم (اور تیرے احکام کے فرمانبردار) ہو جائیں۔

اور ہماری نسل میں سے ایسی امت پیدا کر جو "مسلمہ" (یعنی تیرے حکموں کی فرمانبردار) ہو

اور اے خدا ہمیں ہماری عبادت گذاری کے سچے طور و طریق بتا دے اور ہماری کوتاہیوں سے درگذر فرما۔ بلاشبہ تیری ہی ذات ہے جو اپنی رحمت سے گناہوں کو معاف کرتی ہے اور جس کی رحیمانہ درگذر کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

اور خدایا۔ اپنے فضل و کرم سے ایسا کرنا کہ اس بستی کے بسنے والوں میں تیرا ایک رسول پیدا ہو۔ جو انہیں میں سے ہو۔ وہ تیری آیتیں لوگوں کو پڑھ کر سنائے۔ کتاب اور (دینی بصیرت و حکمت کی تعلیم دے اور اپنی (پیغمبرانہ تربیت سے) ان کے دلوں کو مانجھ دے۔

اے پروردگار بلاشبہ تیری ہی ذات ہے جو حکمت والی اور سب پر غالب ہے۔

دعا کے الفاظ دہرائیے اور ان سے اس عجز و انکسار کا سبق لیجئے جو دعا کے وقت ہونا چاہیے حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسا اولوالعزم رسول۔ جس کا خطاب "خلیل اللہ" ہے' اس کی یہ عاجزی کس قدر سبق آموز ہے۔

ایک طرف یقین رکھنا ضروری کہ وہ اللہ کے نبی اور رسول ہیں' یعنی ایک ایسی شخصیت ہیں جس کو خدا نے خود منتخب فرمایا ہے کہ ارشاد و ہدایت اور روحانی ترقی کے سلسلہ میں منشاء خداوندی پورا کرے دوسری طرف اپنے ہیچ در ہیچ ہونے کا یہ احساس کہ اس کی نظیر کسی بے کس و لاچار کے قلب مضطر میں بھی نہیں مل سکتی۔ کیا یہ سراسر معجزہ نہیں (۴۳)

الفاظ کے بعد معنی پر نظر ڈالئے۔ دعا کے اجزاء کیا ہیں اور وہ کس طرح قبول ہوتے ہیں۔ پہلی التجا یہ ہے کہ خداوندا یہ عمل قبول ہو۔ چنانچہ قبول ہوا۔ قرآن پاک کی آیتوں میں اس کی شہادتیں موجود ہیں۔ مثلاً" اسی رکوع کے پہلے حصہ میں ہے۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى

اور وہ واقعہ بھی یاد رکھو جب ہم نے اسی بیت (خانہ کعبہ) کو لوگوں کے اجتماع کا مرکز اور امن و حریت کا مقام ٹھیرا دیا اور یہ ہدایت کر دی کہ ابراہیم (علیہ السلام) کے کھڑے ہونے کی جگہ نماز کی جگہ بنائی جائے۔

اس سے بڑھ کر مقبولیت کیا ہو سکتی ہے کہ مقام ابراہیم کو مصلے بنا دیا گیا۔ یعنی ابدالاباد تک بندوں کو حکم ہو گیا کہ جہاں کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی تھی وہاں نماز پڑھا کرو۔ سربسجود ہوا کرو۔

سورہ حج میں ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہدایت فرمائی گئی۔

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ (ع ٤)

اور پکار دو لوگوں میں حج کا اعلان۔ وہ آیا کریں گے تمہارے پاس پا پیادہ اور دنیا کے دور دراز راستوں سے ایسی اونٹنیوں پر سوار ہو کر جو چلتے چلتے دبلی ہو چکی ہوں گی۔

غور کرو کتنے بندگان خدا ہیں جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس اعلان اور اس اذان پر لبیک کہا۔

اعداد و شمار کے تمام آنکڑے ختم ہو جائیں گے مگر ان کی شمار پوری نہ ہو سکے گی جنہوں نے اس اعلان پر اب تک عمل کیا۔ اور جو آئندہ عمل کرتے رہیں گے۔

دعاء کا دوسرا جز یہ ہے کہ ہم دونوں کو مسلم بنا۔ یعنی اپنا تابعدار بنا اور تابع فرمان رکھ۔ آپ کے سامنے قرآن پاک کی وہ آیتیں ضرور ہوں گی جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام پر سلام نازل کیا گیا ہے۔ مثلاً"

تَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِيْنَ - سَلَامٌ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ

ہم نے آنے والی نسلوں میں ابراہیم کا ذکر خیر باقی رکھا۔ سلام ہو ابراہیم پر

تابع فرمان ہونے کی شہادت اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے کہ خود فرماں روا سلام نازل فرما رہا ہے جو اسلام کا آخری نصب العین اور مسلم کے لیے معراج کمال ہے۔

دعا کا ایک جز یہ ہے کہ ہمیں "مناسک" بتا۔ اور اس طرح بتا کہ ان کا مشاہدہ کرا دے۔

وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا

اور جتا دے ہم کو حج کے دستور

آپ کو معلوم ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب کے معنی یہ سمجھے تھے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو لٹا کر ان کے گلے پر چھری چلانے لگ گئے۔ ابھی یہ عمل پورا نہیں ہوا تھا کہ تعلیم "مناسک" مکمل ہو گئی۔ اور حضرت حق جل مجدہ' نے خود اپنی جانب سے "ذبح عظیم" کا فدیہ پیش فرما دیا۔

دعا کا اہم جز یہ ہے کہ "ہماری ذریت میں امت مسلمہ پیدا کر۔ اس "امت مسلمہ" میں ایک رسول مبعوث فرما۔ جو ان کے سامنے تیری آیتوں کی تلاوت کرے۔ ان کو کتاب کی تعلیم دے۔ کتاب میں غور و فکر اور اس سے اخذ و استنباط کے طریقے بتائے۔ ان کی روحانیت کو جلا بخشے' زمانہ جاہلیت کا لگا ہوا زنگ دور کرنے اور نور تقدس سے ذہنوں کو تاباں اور درخشاں بنائے۔"

سوال یہ ہے کہ یہ دعا پوری ہوئی تو کب اور کس طرح۔ بیشک حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی وفات کے وقت وصیت فرمائی تھی۔

يَا بُنَيَّ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ إِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔

(سورہ بقرہ ع ۱۶)

میرے بیٹو! خدا نے چن کر دیا ہے تم کو دین' بس دیکھو! دنیا سے نہ جانا مگر اس حالت میں کہ تم تابع فرمان (مسلم) ہو۔

بیشک حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد (بنی اسرائیل) میں انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ کئی ہزار برس تک جاری رہا۔ اور اسی کی برکت تھی کہ "تمام عالموں" پر ان کو فضیلت حاصل رہی۔ چنانچہ قرآن کریم میں بار بار اس انعام کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

وَ اَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ (سورہ بقرہ ع ۱۵)

میں نے تم کو دنیا کے بندوں میں برگزیدگی عطا فرمائی ہے۔

مگر بنی اسرائیل کی اس فضیلت کو اس دعا کی تکمیل نہیں کہا جا سکتا جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام" دونوں نے مل کر مانگی تھی۔

بنو اسرائیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے خلف رشید حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل (علیہما السلام) کی مشترک دعا کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ یہ "امتہ مسلمہ" حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد ہو۔

آپ اقوام عالم کی فہرست سامنے رکھئے۔ ان کی تاریخ پر نظرڈالئے اور تلاش فرمایئے کہ وہ امتہ مسلمہ جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل "علیہما السلام" کی اولاد ہو جس کے دائرہ میں ایسا نبی مبعوث ہوا ہو جو آیات الہیہ کی تلاوت کرتا ہو۔ کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہو۔ تزکیہ نفس کرتا ہو۔

اس امت مسلمہ کا اگر آپ تعارف کرانا چاہیں تو اس کے لیے کیا لفظ لائیں گے۔ یہودی۔ نصرانی' مجوسی یا وہ جو اپنے آپ کو "مسلم" کہتے ہیں اور صرف یہی ایک ان کا عنوان ہے یعنی "مسلم" پھر یہ بھی غور فرمایئے کہ اس کا سب سے پہلا طبقہ اور اس سلسلہ کی سب سے پہلی کڑی یعنی وہ جو سراسر دعاء ابراہیم کی قبولیت بن کر جلوہ افروز ہوئے۔ کون ہیں؟ اور کیا صحابہ کے علاوہ کوئی اور لفظ ان کے لیے استعمال ہو سکتا ہے۔

خلاصہ تمہید

تمہید کا یہ سلسلہ جس کا آغاز قصہ ازل سے ہوا تھا' چند سطروں میں اس کا خلاصہ ملاحظہ فرمایئے۔

۱ - اللہ تعالیٰ کو "رب" ماننے کا وہ معاہدہ جس کو "عہدالست" کہا جاتا ہے پھر اسی دور ازل میں انبیاء علیہم السلام سے باہمی تصدیق و تائید کا عہد و پیمان۔ اس کا تقاضا تھا کہ جب ذریت آدم (علیہ السلام) عالم آب و گل میں جلوہ افروز ہو تو اس معاہدہ کی عملی شکلیں بھی ظہور پذیر ہوں۔

۲ - درجہ بدرجہ ترقی اور ارتقاء اس عالم کی فطرت ہے تو ضروری تھا کہ اعتراف ربوبیت اور عہد الست کی پابندی جس کا نام تقویٰ ہے وہ بھی ترقی کے مراحل طے کرے اور ایک ایسی حد پر پہونچے جو فی الحقیقت تقویٰ کامل اور دین مکمل ہو۔

۳ - اللہ تعالیٰ کی مشیت جس طرح یہ طے کر چکی تھی کہ ایک ایسی "امت" جو عہدالست کے تقاضوں کو مکمل طور پر پورا کرے۔ جو تقویٰ کامل سے آراستہ اور دین مکمل کی حامل ہو۔ ایسے ہی یہ بھی طے کر چکی تھی کہ اس کا ایک مرکز ہو۔ اس کا ایک قبلہ ہو۔ اس کا وجود ایک ایسی شخصیت کی نسل سے ہو جو

عہد وفا اور پیمان اطاعت میں کامل و مکمل ہو۔ جس کی نظر بالغ اور فکر صحیح اگر ایک طرف آفاق عالم اور کائنات ارضی و سماوی پر تنقیدی نظر ڈال کر صحیح نتیجہ پر پہنچ سکے تو دوسری طرف عملی لحاظ سے اس کا مسلک ایثار و فدائیت۔ اور قربانی ہو۔

۴ - سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ممتاز ترین شخصیت جب اس مشیت الہیہ کا نقطہ عمل بنی تو جس طرح اس نے فکر صحیح پھر ایثار و فدائیت کا ثبوت دیا۔ اس نے ایک "امت" کی بنیاد بھی ڈالی۔ وادی غیر ذی ذرع میں اس کا مرکز معین کیا جہاں اس نے اپنی نسل کے اس نونہال کو آباد کیا جو قربانی کے امتحان میں تسلیم و رضا کی سب سے اونچی سند حاصل کرنے والا تھا۔ جس کے آباد کرنے کی نوعیت سراسر ایثار تھی بلکہ ایثار و فدائیت کی پوری تاریخ میں ایک انوکھی مثال تھی۔

۵ - اس امت کا مرکز معین کیا۔ اس کا خطاب "مسلمہ" تجویز کیا تو ساتھ ہی اس قبلہ کو بھی نمایاں کر دیا جو ازل سے ربانی تجلیات کا جلوہ گاہ تھا۔ جہاں حضرت آدم علیہ السلام نے ملائک کے نغمے سنے تھے جہاں ذات حق کے انوار کا مشاہدہ کیا تھا۔

۶ - سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے "امت مسلمہ" کے لیے کچھ دعائیں مانگیں، اس کی علامتیں تجویز کیں، اس کے لیے ایک "رسول" کی درخواست کی۔

۷ - قرآن حکیم میں یہ تمام شہادتیں موجود ہیں۔ اب آیئے دیکھیں کہ یہ علامتیں جو اس "امتہ مسلمہ" کی تجویز کی گئی تھیں کیا وہ جماعت جس کو ہم "جماعت صحابہ کہتے ہیں (رضوان اللہ علیہم اجمعین) جس کو ہم نے "کائنات عالم کی آنکھ کا تارا" کہا تھا۔ کیا وہ علامتیں اس جماعت میں نمایاں اور درخشاں ہیں۔ کیا ان اوصاف اور علامتوں کے متعلق قرآن حکیم کی شہادتیں موجود ہیں۔ کیا احادیث رسول اللہ ﷺ اور آثار صحابہ سے ان کی تصدیق ہوتی ہے۔ کیا عہد قدیم (بنو اسرائیل) کی کتابوں سے بھی اس کی تائید میں شہادتیں ملتی ہیں۔

۸ - خلفاء راشدین جن کو جماعت صحابہ نے سرگروہ اور سرتاج تسلیم کیا۔ کیا قرآن پاک کی آیتیں آنحضرت ﷺ کے ارشادات، اور عہد بنی اسرائیل کی روایات اس فیصلہ کی بھی اسی طرح تصدیق کرتی ہیں؟ اگر تصدیق و تائید کرتی ہیں تو کہاں تک اور کس طرح؟

۹ - کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ ﷺ کی تصریحات جن اصولوں کی تلقین کرتی ہیں کیا ان کے منطقی دلائل حضرات خلفاء کی افضلیت اور برتری کا یقین دلاتے ہیں؟ اگر دلاتے ہیں تو کس طرح؟ یہ سوالات ہیں جن کے جوابات ازالتہ الخفاء کے تقریباً" ایک ہزار صفحات میں بکھرے ہوئے ہیں۔ اب ہم آپ سے رخصت ہوتے ہیں۔ اب حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے ارشادات آپ کے سامنے آتے ہیں۔ زبان اور ترتیب اپنی ہو گی۔ مضامین حضرت شاہ صاحبؒ کے۔ کوشش یہ کی گئی ہے کہ پوری کتاب کا کوئی ایک مضمون بھی نظر انداز نہ ہو سکے۔ واللہ الموفق وھو المعین وعلیہ التکلان

موضوع کتاب اور اصول استدلال

(۱)

کتاب کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" یعنی حضرات خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خلافت راشدہ کے متعلق ایسے دلائل مہیا کر دینا کہ شک و شبہ کا کوئی حجاب حائل نہ رہے۔ اور تردد و تذبذب کا ہر ایک گرد صاف ہو جائے۔

یہ موضوع دو لفظوں سے مرکب ہے۔ خلافت اور خلفاء۔

خلافت کیا ہے ؟ جب لفظ خلافت کی تشریح کی جاتی ہے تو اس کی چند قسمیں سامنے آتی ہیں مثلاً" خلافت عامہ۔ خلافت خاصہ۔ جس کا دوسرا عنوان خلافت راشدہ ہے۔ خلفاء خلیفہ کی جمع ہے۔ جب خلافت کی قسمیں نکلتی ہیں تو ان کا تعلق لفظ خلیفہ سے بھی ہوتا ہے۔ مثلاً" ایسا خلیفہ جس کی خلافت عامہ ہو یا ایسا خلیفہ جس کی خلافت خاصہ یعنی خلافت راشدہ ہو۔

چونکہ خلافت عامہ اور خلافت راشدہ کا تعلق خلیفہ کے شخصی حالات اور اس کے کردار و عمل سے ہے تو خلیفہ کی شخصیت بھی زیر بحث آتی ہے۔ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء۔ ان سب کی مدلل اور مفصل تشریحات کا بہترین ذخیرہ ہے۔ اس ذخیرہ کے تمام جواہر آپ کے سامنے آئیں گے (انشاء اللہ) ہم نے چونکہ کتاب کے عنوان میں جماعت صحابہ کے فضائل و مناقب کا اضافہ کر دیا ہے اس لیے ہم ترتیب میں بھی ردو بدل کر رہے ہیں۔ سب سے پہلے وہ آیتیں پیش کریں گے جن کا تعلق صحابہ کرام کی پوری جماعت سے ہے جس کا تذکرہ تمہید میں گذرا ہے۔

(۲)

جن آیتوں کو ہم جماعت صحابہ کے فضائل و مناقب کے سلسلہ میں پیش کر رہے ہیں حضرت شاہ صاحب نے ان کو خلفاء راشدین کے باب (۳۴) میں ذکر فرمایا ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے جس طرح ان سے استدلال کیا ہے وہ ان آیتوں کی تشریح کے سلسلہ میں متن کتاب یا حاشیہ میں واضح کیا جائے گا (انشاء اللہ) البتہ استدلال کا اصول آپ نے یہ مقرر کیا ہے۔

(الف) قرائن بسیار حالیہ وقالیہ جمع شوند کہ مضطر گردانند تالی را بجزم بانکہ اینجا شخصے ہست کذا و کذا کہ

اشارہ سخن بجانب اوست۔

مختلف قسم کے بہت سے قرائن ایسے موجود ہوں کہ تلاوت کرنے والے کو اس یقین پر مجبور کر دیں اور یہ بات بلا منطقی استدلال کے اس کے ذہن میں روشن ہو جائے کہ اس آیت میں کسی شخصیت کی طرف اشارہ ہوا ہے جو ان اوصاف سے متصف ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں (رحمۃ اللہ علیہ) اگر ایسے قرائن نہیں پائے جاتے تو ایسی آیت سے جس کا مفہوم عام ہو اور جس کے مصداق بہت سے حضرات ہو سکتے ہوں یا پوری جماعت صحابہ اس کی مصداق بنتی ہو' ایسی آیت سے ہم کسی خلیفہ کی افضلیت کے متعلق استدلال نہیں کریں گے۔

(ب) کسی آیت کے سلسلہ میں کوئی ایسی روایت ہے جو اس بات کو ظاہر کر رہی ہے کہ حضرات خلفاء (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی فضیلت پر تمام صحابہ کا اجماع اور اتفاق تھا (رضی اللہ عنہم) اور خود اس راوی کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ حضرات خلفاء تمام صحابہ سے افضل تھے تو ایسی آیت بھی استدلال میں پیش کر دی گئی ہے۔ مگر ایسی آیتیں بہت کم ہیں۔

عمومات اور تعریضات قرآن۔ جو مقصد اول کی فصل ششم کا عنوان ہے اس کا منشا حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ فصل میں۔

(الف) وہ آیات پیش کی جائیں گی جن سے واضح طور پر خلافت خاصہ کا ثبوت ہوتا ہے۔

(ب) وہ آیات پیش کی جائیں گی جن سے صحابہ کرام ؓ کی فضیلت واضح طور پر معلوم ہوتی ہے اور بضمن فضیلت صحابہ خلفاء راشدین کی فضیلت اور ان کی کوئی خصوصیت بھی ثابت ہوتی ہے۔

(ج) وہ احادیث' صحابہ کرام کے وہ اقوال' جن سے مندرجہ بالا دونوں مفہوموں کی وضاحت یا تائید ہوتی ہے۔

(د) عمومات اور تعریضات قرآن کے ضمن میں وہ آیتیں بھی بیان کی جائیں گی جن میں صحابہ کرام یا کسی خلیفہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی فضیلت تو نہیں ہے لیکن تاریخی خصوصیت یہ ہے کہ وہ آیت ان کی تمنا کی تکمیل یا کسی صحابی کے تصور کی تصویر ہے۔

یعنی صحابہ کرام یا کسی ایک صحابی نے کسی مسئلہ میں ایک رائے ظاہر کی۔ پھر اتفاق ایسا ہوا کہ اس مسئلہ میں جو آیت حضرت حق جل مجدہ کی جانب سے نازل ہوئی وہ اس رائے کی تصویب اور تصدیق کرتی تھی۔ مثلاً" کسی صحابی نے کہا کہ کیا اچھا ہو شراب حرام ہو جائے۔ مسلمانوں کو جس تقدس اور پاکبازی کی تعلیم دی جا رہی تھی اس کے پیش نظر اس کی یہ ایک رائے یا آرزو تھی۔ پھر ایسا اتفاق ہوا کہ حضرت حق جل مجدہ کی جانب سے اس مضمون کی آیت بھی نازل ہو گئی۔ متعدد مرتبہ ایسا ہوا ہے۔ ایسی آیتوں کو "موافقات صحابہ" کہا جاتا ہے۔ یعنی ان آیتوں میں ان کی رائے سے اتفاق ظاہر کیا گیا۔

ایسی آیتوں میں اگرچہ کسی صحابی یا صحابہ کی کوئی خصوصیت یا فضیلت نہیں بیان کی گئی ہے بلکہ ان میں شریعت کا کوئی امر یا نہی ہے مگر ایسی آیتوں کا نزول خود صحابہ کرام یا اس صحابی کی فطرت سلیم کی بہت بڑی شہادت ہے کہ ان کے خیالات و جذبات کس درجہ تقدس اور اطاعت خداوندی کے سانچہ میں ڈھل گئے تھے کہ ان کے جذبات وہی ہوتے تھے جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور خداوند عالم کا حکم ہوتا تھا۔ کہاں بنی اسرائیل کی وہ فطرت معکوس کہ حکم خدا ہوتا ہے کہ اس دروازہ میں گردن جھکا کر داخل ہو۔ یہ اس کے برعکس سرین کے بل رینگتے ہوئے داخل ہوتے ہیں اور کہاں یہ فطرت صالح کہ ضمیر منیر کے آئینے منشاء ربانی کی عکاسی کر رہے ہیں اور ان کے جذبات فرمان خداوندی کے استقبال کے لیے مضطرب ہیں' لامحالہ یہ آیتیں بھی اس فصل میں پیش کی گئی ہیں۔

چونکہ احادیث اور آثار کا تذکرہ آیا ہے تو حضرت شاہ صاحبؒ نے ان کے متعلق بھی چند مفید نکتے ارشاد فرمائے ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے کہ۔

(الف) آنحضرت ﷺ کی احادیث کو حضرات محدثین نے مختلف ترتیبوں کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ کچھ محدثین نے صرف وہ حدیثیں جمع کی ہیں جن کا تعلق فقہی ابواب سے ہے۔ ایسی کتابوں کو سنن کہا جاتا ہے۔ چونکہ فقہی مسائل میں حضرات مجتہدین کے فتاویٰ اور اجتہادات مختلف رہے اور یہ بات ضروری تھی کہ ہر مجتہد اپنے فتوے کا ماخذ بیان کرے کہ کس حدیث یا آیت کی روشنی میں یہ فتوے دے رہا ہے اور یہ بھی ضروری تھا کہ جو حدیث پیش کرے اس کی سند صحیح اور قابل وثوق ہو۔ تولامحالہ فقہی مسائل سے متعلق احادیث کی سندوں پر کافی بحث اور جرح و تنقید ہوئی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ "سنن" میں ایسی حدیثیں لائی جاتی ہیں جن کی سندیں چھنی چھنائی قابل اعتماد ہوں۔ پس سند کے لحاظ سے سنن کا درجہ اور مرتبہ سب سے اونچا ہے۔ شاہ صاحبؒ نے سنن کی مثال میں موطا امام مالک اور جامع سفیان۔ دو کتابوں کا نام لیا ہے۔

(ب) اس کے بعد دوسرے درجہ پر وہ کتابیں ہیں جو آنحضرت ﷺ کی سیرت مقدسہ (سوانح حیات) سے متعلق ہیں۔ جیسے کتاب محمد بن اسحاق کتاب موسیٰ بن عقبہ۔ اسی درجہ میں ان احادیث کو بھی شامل کر لیجئے جو آنحضرت ﷺ کے خصائل و عادات یعنی شمائل سے متعلق ہیں۔ (مثلاً" شمائل ترمذی شریف)

(ج) تیسرا فن۔ فن تفسیر ہے۔ یعنی وہ احادیث جن میں آیات کتاب اللہ کی وضاحت فرمائی گئی ہے۔ جیسے تفسیر عبدالرزاق۔ تفسیر بخاری۔ ترمذی و ابن ماجہ و حاکم۔ وغیرہم۔

(د) چوتھا فن۔ زہد و رقائق۔ یعنی وہ کتابیں جن میں وہ احادیث جمع کی گئی ہیں جن میں زہد (دنیا سے بے رغبتی) کی تلقین ہے اور عذاب و ثواب اور انسانی اعمال کے محاسبہ سے متعلق آنحضرت ﷺ کے وہ ارشادات جمع کیے گئے ہیں جن سے رقت طاری ہوتی ہے۔ جیسے متقدمین کی کتابوں میں سے "کتاب الزہد"

مصنفہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ اور متاخرین کی کتابوں میں سے قوت القلوب اور اس سے متعلق رسائل۔ ابواب فتن۔ علامات قیامت اور جنت و دوزخ سے متعلق احادیث بھی اسی میں داخل ہیں۔

(۵) پانچواں فن ہے معرفتہ الصحابہ کا فن" یعنی وہ کتابیں یا ابواب جن میں صحابہ کرام کے حالات بیان کیے گئے ہیں جیسے کتاب استیعاب' مناقب صحابہ بھی اسی فن میں داخل ہیں۔

اس تفصیل کے بعد یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ عموماً" ایک ایک حدیث میں متعدد مضامین آ جاتے ہیں جس کا تعلق متعدد ابواب سے ہوتا ہے' مثلاً" ارشاد ہوا' نہ بلا طہارت نماز قبول ہوتی ہے نہ مال خیانت کا صدقہ قبول ہوتا ہے۔

ایسی حدیثیں تنوع مضامین کی بنا پر متعدد فنون میں داخل ہیں۔ لہٰذا ایسی حدیثوں کو متعدد ابواب میں لایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ یہی حدیث ابواب وضو اور طہارت میں بھی آ سکتی ہے۔ صدقہ میں بھی اور خیانت کے سلسلہ میں بھی۔

مزید وضاحت اور تکمیل افادہ کے لیے یہ تحریر کرنا مناسب ہے کہ ارشادات رسول اللہ ﷺ کو جمع کرنے یعنی کتب حدیث کی تالیف میں حضرات مولفین نے سات طریقے اختیار کیے ہیں ہر طریقہ ایک قسم بن گیا ہے اور اس بنا پر مولفات حدیث کی قسمیں سات ہو گئیں۔

۱۔ الجامع ۔ایسی تصنیف جس میں مندرجہ ذیل آٹھ مضمون ہوں۔

(۱) عقائد (۲) احکام (۳) آداب (۴) فتن (۵) مناقب (۶) اشراط الساعہ (علامات قیامت) (۷) تفسیر (۸) سیرت مبارکہ۔

ان آٹھ عنوانوں کو ایک شعر میں جمع کر دیا گیا ہے۔ شعر یہ ہے۔

سیرٗ آداب و تفسیر و عقائد
فتنٗ احکام و اشراط و مناقب

ترمذی شریف اور بخاری شریف میں ان آٹھوں مضامین کے متعلق احادیث ہیں۔ لہٰذا ان کو جامع ترمذی یا جامع بخاری کہا جاتا ہے۔ مسلم شریف میں تفسیر کا حصہ بہت کم ہے اس لیے اس کو جامع نہیں کہا جاتا۔

۲۔ سنن (حدیث شریف کی ایسی تصنیفیں جن میں ابواب فقہ کی ترتیب کے بموجب صرف وہ احادیث جمع کر دی گئی ہوں جن کا تعلق احکام سے ہے) ابو داؤد شریف۔ نسائی شریف۔ ابن ماجہ شریف سنن ہیں۔ اور اس بنا پر کہ ترمذی شریف کا بڑا حصہ ان احادیث پر مشتمل ہے جن کا تعلق فقہی احکام سے ہے اور ان کی ترتیب بھی کتب فقہ کی ترتیب کے بموجب ہے۔ علماء نے ترمذی شریف کو بھی سنن میں

شمار کرایا ہے۔

۳۔ مسند۔ حدیث کی ایسی تصنیف جس میں ایک ایک صحابی کی روایتیں۔ ترتیب وار جمع کی گئی ہوں۔ مثلاً" حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جو روایتیں مروی ہیں وہ سب یکجا کر دی گئی ہو اور یہ مجموعہ پہلے لایا گیا ہو۔ پھر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیثوں کا مجموعہ۔ پھر حضرت عثمان پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم کی روایتوں کا مجموعہ۔ (وغیرہ وغیرہ من الصحابہ الافضل منہم فالافضل) اس ترتیب میں ابواب فقہ کی ترتیب ملحوظ نہیں ہوتی۔

۴ ۔ معجم ایسی تصنیف جس میں ایک ایک استاد کی روایتیں علی الترتیب (بلا لحاظ ترتیب ابواب فقہ) جمع کی گئی ہوں۔

۵ ۔ الجزء ایسی تصنیف جس میں کسی ایک مسئلہ کے متعلق احادیث جمع کی گئی ہوں مثلاً" قراۃ فاتحہ خلف الامام کے متعلق تمام احادیث امام بخاری نے ایک مختصر سی تصنیف میں جمع کر دی ہیں اس کو جزء القرات لمحمد بن اسمٰعیل" کہا جاتا ہے یا جزء رفع الیدین۔

۶ ۔ المفرد۔ حدیث کی ایسی کتاب جس میں صرف کسی ایک شخصیت کی احادیث جمع کی گئی ہوں مثلاً" صرف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یا مثلاً" صرف عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کردہ روایتیں جمع ہوں۔

۷ ۔ الغریبہ۔ ایسی تصنیف جس میں تفردات جمع ہوں۔ یعنی وہ احادیث جمع ہوں جو اس مولف نے اپنے اساتذہ سے سنیں اور ان اساتذہ کے اور شاگرد ان کو روایت نہیں کرتے صرف یہی مولف ان روایتوں کو اپنے استادوں اور مشائخ سے نقل کر کے اس میں جمع کر دیتا ہے۔ ان کے علاوہ مستخرجہ اور مستدرک وغیرہ بھی قسمیں ہیں۔

ایک جامع تبصرہ

سیدنا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب" تحریر فرماتے ہیں۔

چوں صورت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام در ازل الا زال برائے نبوت معین شد۔ پیراموں او امت نیز ظاہر شد زیراکہ نبوت اسے ست اضافی تا امت نباشد نبوت صورت نہ گردد۔

تشریف دست سلطان چوگان بز دو لیکن
بے گوے روز میدان چوگان چہ کا روارد

آنانکہ و سائط بودند درمیان آنحضرت ﷺ وامت او بصورت واسگی ظاہر شدند

وھم الشھدء علی الناس۔ و نشو و نما باز انحطاط و نقصان دین بظہور رسید مثل آنکہ اگر کرہ متحرکہ تصور کنی۔ محورو قطبین و دائرہ عظمہ از صلب این تصور لازم آید۔ من حیث تدری اولا تدری۔

لہٰذا درکتب الیہ جائیکہ ذکر آں محمد صلی اللہ علیہ وسلم آمدہ ست ذکر امت اونیز آمدہ وایں نیز دریماں موطن مشخص شد کہ آخر کار ایشان مغفرت باشد و بشریعت سلہ سحہ ایشان را مکلف سازند۔

جب حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام ازل میں نبوت کے لیے معین ہوئی اسی کے ساتھ ساتھ ان کی امت کا بھی نمود ہو گیا۔ کیونکہ نبوت ایک اضافی امر ہے جب تک امت نہ ہو نبوت کی تصویر نہیں بن سکتی۔

ترجمہ شعر ۔ دست سلطان نے چوگان کو یہ شرف ضرور بخش دیا کہ اس کو مارنے کی حرکت دیدی لیکن جب تک گیند نہ ہو تو کھیل کے میدان میں صرف چوگان (بلہ) کیا کام دے سکتا ہے۔ جو آنحضرت ﷺ اور آپ کی امت کے درمیان واسطہ تھے۔ وہ واسطہ بن کر ظہور فرما گئے پھر یہ حضرات تمام نوع انسان کے لیے ایک نمونہ بن گئے۔ دین کا نشوونما ہوا پھر اس کا تنزل ظہور پذیر ہوا یعنی نبی کے ساتھ نبوت پھر اس کی امت کا ظہور ان سب کا ساتھ ساتھ تصور پھر ساتھ ساتھ ظہور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کرہ متحرکہ کا تصور، جب کسی کرہ کو آپ متحرک تصور کریں گے تو دانستہ یا نادانستہ لازمی ہو گا کہ دائرہ قطب اور محور کا تصور بھی دماغ میں آ جائے کیونکہ جب بھی کرہ متحرک ہو گا یہ چیزیں لازمی طور پر قائم ہو جائیں گی۔

یہی وجہ ہے کہ کتب الیہ میں جہاں بھی آنحضرت ﷺ کا ذکر مبارک آیا ہے آپ کی امت کا ذکر خیر بھی موجود ہے اور اسی موقع پر یہ بھی طے ہو گیا تھا کہ اس امت کا انجام مغفرت ہو گا اور اس کو ایسی شریعت دی جائے گی جو نہایت سادہ سلجھی ہوئی اور آسان ہو گی۔

جماعت صحابہ اور خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق دعائیں اور بشارتیں(۳۵)

دعاء ابراہیم علیہ السلام

پہلے گذر چکا ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام جب بیت اللہ کی تعمیر کر رہے تھے تو ان کے ہاتھ عمل میں مشغول تھے اور دل کی یہ صدا تھی۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (سورہ بقرہ ع ۱۵)

اے ہمارے پروردگار ہم دونوں کو اپنا مطیع و فرمانبردار بنا اور ہماری اولاد میں سے ایک ایسی جماعت پیدا فرما جو تیری فرمانبردار ہو اور ہمیں ہمارے مناسب عبادت کے طریقے سمجھا اور ہم پر عنایت اور الطاف مبذول فرما' بیشک تو توبہ قبول فرمانے والا بہت بڑا مہربان ہے

اے ہمارے پروردگار ان میں (ہماری اولاد میں) انہیں میں کا رسول مبعوث فرما جو ان کے سامنے تیری آیات کی تلاوت کرے کتاب الٰہی اور حکمت و بصیرت کی ان کو تعلیم دے اور بری خصلتوں برے جذبات اور بری عادتوں سے ان کو پاک و صاف کر دے بیشک تو غالب و دانا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ رب العزت میں التجا کی۔

وَاكْتُبْ لَنَا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ إِنَّا هُدْنَا إِلَيْكَ (سورہ اعراف ع ۱۹)

ہمارے لیے اس دنیا میں بھی بھلائی مقرر کر دے اور آخرت میں بھی بیشک ہم جھک چکے ہیں تیری ہی طرف۔

بارگاہ رب العزت سے جواب صادر ہوا آپ کی دعا قابل قبول ہے مگر یہ بھی واضح رہے کہ یہود کی ایک حالت نہیں رہے گی ان میں ایک جماعت ایسی ہو گی وہ عذاب خداوندی میں مبتلا ہو گی۔ کما قال اللہ۔ وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ الایتہ ہاں ایک جماعت ایسی ہو گی جو رحمت خداوندی سے سرفراز ہو گی۔ ان میں نبی ہوں گے، بادشاہ ہوں گے اور ان کو بے نظیر نعمتوں سے نوازا جائے گا البتہ ابدی سعادت اور خوش نصیبی جس کو مقدر ہو گی وہ ایک اور جماعت ہو گی جس کی شان یہ ہو گی۔

لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ- وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ- فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ أُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (سورہ اعراف ع ۱۹)

وہ متقی ہوں گے اور زکوۃ ادا کیا کریں گے اور وہ ہوں گے جو ہماری آیتوں پر ایمان لائیں گے جو اس رسول کا اتباع کریں گے جو نبی امی ہے جس کو لکھا (۳۷) ہوا پاتے ہیں اپنے یہاں توراۃ اور انجیل میں جو ان کو معروف کا حکم کرے گا اور بری باتوں سے روکے گا۔ پاکیزہ اور حلال چیزیں ان کے لیے حلال اور خبیث پلید اور گھناؤنی چیزیں ان کے لیے حرام کرے گا۔ اور وہ بوجھ (پابندی) اور وہ قیدیں ان سے اٹھا دے گا جو ان پر (بنی اسرائیل پر) (خود ان کی غلط کرتوتوں کے سبب سے) لگا دی گئی تھیں۔ پس جو لوگ اس پر ایمان لائیں گے اس کی رفاقت کا حق ادا کریں گے اس کی مدد کریں گے اور نور کے پیچھے چلیں گے جو اس کے ساتھ ساتھ اتارا جائے گا (یعنی احکام قرآنی) کی تعمیل کریں گے۔ پس یہ لوگ ہوں گے کامیاب و بامراد۔

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

(ا) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ (حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد) آنے والے زمانہ میں ایک امت پیدا ہو گی۔ جس کی صفات یہ ہوں گی کہ اس کے افراد متقی اور پرہیز گار ہوں گے۔ زکوۃ ادا کریں گے اور اللہ تعالیٰ کی آیات اور نبی امی علیہ الصلوۃ والسلام پر ایمان لائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اس امت کے لیے حسنہ مقدر ہو گا۔ حسنہ کیا ہے؟ دنیاوی حسنہ یہ ہے کہ

فتح و نصرت حاصل ہو۔ رزق میں فراخی ہو اور سیاسی دنیا میں اقتدار اعلیٰ ان کو حاصل ہو۔ ان کی حکومت غیر مسئول ہو' دنیا میں کسی کے سامنے جواب دہ نہ ہو۔ اور دنیا کی تمام حکومتیں اور قومیں زیردست اور باجگذار ہوں۔ یا ان کے سامنے اسیر و غلام ہوں۔

حسنہ آخرت۔ یہ ہے کہ مغفرت اور نجات حاصل ہو اور درجات بلند ہوں۔

(۲) ان آیتوں میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے منطوقاً" اور صراحتہً" فلاح ثابت کی گئی ہے۔ کیونکہ آیت میں فرمایا گیا ہے۔ اولٰئک ھم المفلحون۔ لیکن فسأکتبھا (الخ) سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ دنیا و آخرت کا وہ حسنہ جس کی دعا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت کے لیے کی تھی اور یہود کے صرف ایک گروہ کو وہ عطا ہوا تھا یہ "حسنہ" اپنے تمام لوازمات کے ساتھ اس امت کو دیا گیا جس کے سرگروہ حضرات صحابہ ہیں۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

(۳) اب حضرات خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خدمت میں حاضر ہو جیے۔ اس آیت کریمہ کے آئینہ میں ان کے رخ زیبا کا مشاہدہ کیجئے۔ غور سے دیکھئے۔ ہو بہو وہی تصویر ہے' یا کہیں فرق نظر آ رہا ہے۔؟

احادیث و آثار

(۱) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ۔ میں نے راہ خدا میں ایک اونٹنی دے دی۔ پھر میں نے اس کی نسل کا بچہ خریدنے کا ارادہ کیا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا۔ فرمایا چھوڑو۔ (۳۸) قیامت کو یہ اونٹنی اور اس کے بچے تمہاری میزان (۳۹) میں ہوں گے۔

(۲) حضرت حسن رضی اللہ عنہ۔ میں نے دیکھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف فرماہیں اور فرما رہے ہیں اے لوگو اللہ سے ڈرو ان کاموں کے بارے میں جن کو پوشیدہ طور پر کرتے ہو کیونکہ میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے۔ جب بھی کوئی شخص کوئی کام چھپ کر کرتا ہے تو خداوند عالم اس کو علانیہ کی چادر اڑھا دیتا ہے۔ (وہ پوشیدہ عمل چھپنے کے بجائے ظاہر ہو جاتا ہے) اگر عمل خیر ہو تو خیر کی چادر۔ اور عمل شر ہو تو شر اور بدنامی کی چادر اس پر ڈالدی جاتی ہے۔ اس کے بعد یہ آیت تلاوت کی۔

وَرِیَاشًا وَّلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ – قال السمت الحسن–

(۳) حسن رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے صاحبزادے (حضرت عبداللہ بن عمر) کے یہاں تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ ان کے سامنے گوشت رکھا ہوا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت

فرمایا۔ یہ گوشت کیسا؟۔ صاحبزادہ نے جواب دیا۔ گوشت کو جی چاہ رہا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔ کیا جب بھی کسی چیز کی خواہش ہوا کرے گی تم اس کو کھایا کرو گے۔ ایک شخص کی فضول خرچی کے لیے یہی (بات) کافی ہے کہ ہر اس چیز کو کھانے لگے جس کو اس کا دل چاہے۔

(۴) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔ شکم سیر ہو کر کھانے پینے سے پرہیز کرو۔ کیونکہ یہ شکم سیری بدن کو خراب کر دیتی ہے۔ بیماری کو جنم دیتی ہے۔ نماز میں کسل اور سستی پیدا کرتی ہے۔ تم پر لازم ہے کہ کھانے پینے میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کرو۔ کیونکہ کھانے پینے میں اعتدال بدن کو صالح اور درست اور فضول خرچی سے بھی دور رکھنے والی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے عالم و فاضل سے بھی نفرت کرتا ہے جو موٹا تازہ (تن پرور) ہو۔ اور ایک شخص کی بربادی اور ہلاکت کی حد یہاں سے شروع ہوتی ہے کہ وہ اپنی خواہش کو دین پر مقدم رکھنے لگے۔ (۴۳)

(۵) حضرت ابن مسیب رضی اللہ عنہ۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ زخمی کر دیئے گئے تو حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اللہ سے دعا کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی موت کو پیچھے ہٹا دے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے عرض کیا گیا کہ کیا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں ہے (۴۴) کہ جب اجل آ جاتی ہے تو وہ اپنی اجل کو نہ ایک ساعت پیچھے ہٹا سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھا سکتے ہیں۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ بیشک۔ مگر یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کا ارشاد ہے۔

وَمَا یُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا یُنْقَصُ مِنْ عُمُرِہٖٓ اِلَّا فِیْ کِتَابٍ۔

جس کو عمر دی گئی ہے اس کی عمر میں نہ اضافہ کیا جاتا ہے نہ اس میں کمی کی جاتی ہے مگر یہ سب کھاتہ میں (لوح محفوظ میں) درج ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جتنا چاہتا ہے عمر میں اضافہ اور کمی کرتا رہتا ہے پس جب (اس اضافہ یا کمی کے بعد) اس کی اجل آ جاتی ہے تو اس کو نہ ایک ساعت وہ پیچھے ہٹا سکتے ہیں نہ آگے بڑھا سکتے ہیں۔

(منشاء یہ ہے کہ آیت سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ عمر میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ باقی جہاں تک لوح محفوظ میں اندراج کا تعلق ہے اس میں تبدیلی نہیں ہوگی کیونکہ اس میں وہ درج ہے جو کمی بیشی کے بعد آخری نتیجہ نکلنے والا ہے۔ واللہ اعلم۔ (۴۵) مترجم)

(۶) حضرت ابن ملیکہ رضی اللہ عنہ۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خنجر مار دیا گیا تو حضرت کعب رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور آپ ابھی دروازہ پر تھے کہ آپ پر گریہ طاری ہو گیا۔ آپ رو رہے تھے اور فرما رہے تھے۔ واللہ اگر امیرالمومنین اللہ تعالیٰ کو قسم دیں اور پوری پختگی سے یہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کی موت موخر کر دے۔ اور عمر میں اضافہ کر دے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس قسم کو پورا کرے گا۔

اسی اثناء میں حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) داخل ہوئے اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے

عرض کیا۔ امیرالمومنین۔ یہ حضرت کعب (رضی اللہ عنہ) حاضر ہیں اور وہ یہ کہہ رہے ہیں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ۔ اگر یہ صورت ہے کہ خداوند عالم میری دعا پر موت کو موخر اور میری عمر میں اضافہ کر دے گا۔ تو میں یہ دعا ہرگز نہیں کروں گا۔

(۷) حضرت سالم بن عبداللہ' حضرت ابان بن عثمان اور حضرت زید بن حسن۔ یہ تینوں صاحب روایت کرتے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں ایک شخص پیش کیا گیا جو قریش کے ایک لڑکے کے ساتھ خلاف فطرت فعل کا مرتکب ہوا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا۔ کیا یہ محصن (شادی شدہ) ہے لوگوں نے جواب دیا۔ شادی تو کر چکا ہے مگر ازدواجی تعلق کی ابھی تک نوبت نہیں آئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا۔ اگر یہ ازدواجی عمل کر چکا ہو تو یقیناً "رجم" لازم ہو جاتا ہے۔ لیکن جب یہ صورت نہیں ہے تو کوڑے لگانے کی سزا نافذ کیجئے۔

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی فرمایا تھا جو ابوالحسن حضرت علی رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کوڑے لگانے کا حکم دیا۔ اور اس کو یہی سزا دی گئی۔

(۸) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا۔ خداوندا اس شخص کا کیا اجر ہو گا جو کسی غم زدہ عورت کی (جس کا لڑکا مر گیا ہو) تعزیت کرے۔ حضرت حق جل مجدہ' کی بارگاہ سے جواب ملا۔ میں اس کو اپنے مخصوص سایہ میں رکھوں گا اس روز کہ میرے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہو گا۔ (یعنی قیامت کے دن) (۴۶)

(۹) حضرت خالد الربعی۔ میں نے ایک کتاب میں جو اللہ کی طرف سے نازل کی گئی ہے (یعنی ایک آسمانی صحیفہ) میں پڑھا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قیامت کے دن خدا کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھائے ہوئے یہ کہتے ہوئے آئیں گے۔ خداوندا مجھے تیرے مومن بندوں نے قتل کیا۔

(۱۰) حضرت مسلم بن یسار جھنی رضی اللہ عنہ۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے آیت کریمہ۔

واذ اخذ ربک من بنی آدم" کے متعلق دریافت کیا گیا۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا تھا۔ میں نے سنا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا پھر ان کی کمر پر دست مبارک پھیرا اور ان کی ذریت کو برآمد کیا۔ اور فرمایا۔ میں نے ان کو جنت کے لیے پیدا کیا ہے یہ اہل جنت کے کام کریں گے اس کے بعد دوبارہ کمر کو چھوا اور ذریت کو برآمد کیا اور فرمایا میں نے ان کو نار کے لیے پیدا کیا ہے یہ اہل نار کے کام کریں گے۔

ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ پھر عمل کا مقصد؟
ارشاد ہوا۔ عمل کی توفیق بھی من جانب اللہ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے کسی بندے کو جنت کے لیے پیدا کیا تو اس کو اہل جنت کے کام میں لگا دیتا ہے یہاں تک کہ کسی ایسے ہی عمل پر اس کی موت آتی ہے جو اہل جنت کا عمل ہوتا ہے۔ پس اس کو جنت میں داخل کر دیتا ہے اور جب بندے کو جہنم کے لیے پیدا کرتا ہے تو اہل نار کے کام پر اس کو لگا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی موت بھی ایسے ہی عمل پر آتی ہے جو اہل جہنم کا عمل ہوتا ہے۔ پس اس کو نار میں داخل کر دیتا ہے۔

(۱۱) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ "جابیہ" میں خطبہ دیا۔ اللہ کی حمد و ثنا کی۔ اس کے بعد فرمایا۔ جس کو اللہ ہدایت دے' کوئی نہیں جو اس کو گمراہ کر سکے۔ اور جس کو اللہ گمراہ کرے کوئی نہیں جو اس کو ہدایت کرنے والا ہو۔ تو مجوسیوں کے ایک مذہبی پیشوا نے آپ سے فارسی زبان میں ایک کلمہ کہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ترجمان سے دریافت کیا۔ کہ کیا کہتا ہے۔ ترجمان نے کہا۔ یہ کہہ رہا ہے کہ اللہ کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ دشمن خدا۔ غلط کہتا ہے اللہ ہی نے تجھ کو پیدا کیا۔ اسی نے تجھ کو گمراہی میں مبتلا کیا اور وہی انشاء اللہ تجھ کو نار میں داخل کرے گا (۴۷) اور اگر ہمارے درمیان معاہدہ نہ ہو گیا ہوتا تو میں تیری گردن مار دیتا۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تقریر سن کر لوگ منتشر ہوئے تو تقدیر کے مسئلہ میں ان میں اختلاف نہیں رہا تھا۔

(۱۲) بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ عیینہ بن بدر (مدینہ منورہ میں) آئے اور اپنے برادر زادہ حر بن القیس کے یہاں قیام کیا۔ حر بن القیس ان لوگوں میں سے تھے جن سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ معاملہ رکھا کرتے تھے۔ اور قراء (۴۸) حضرات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اہل مجلس اور آپ رضی اللہ عنہ کے مشیر رہا کرتے تھے۔ خواہ وہ نوجوان ہوں یا سن رسیدہ۔ حضرت عیینہ نے اپنے بھائی سے کہا۔ کیا امیرالمومنین کی بارگاہ میں آپ کا کچھ رسوخ ہے کہ آپ میری ملاقات کی اجازت بھی حاصل کر لیں۔ چنانچہ حضرت حر نے عیینہ کے لیے اجازت حاصل کر لی۔ جب عیینہ بارگاہ فاروقی میں حاضر ہوئے تو کہنے لگے۔ نہ تو آپ ہمیں بہت سا مال دیتے ہیں نہ ہمارے ساتھ انصاف کرتے ہیں (یعنی ان کے نزدیک انصاف کا معیار یہ تھا کہ ان کو بہت سا مال مل جائے خواہ کسی حق دار کو ملے یا نہ ملے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی بات پر غصہ آ گیا۔ یہاں تک کہ ممکن تھا کہ ان کو مار بیٹھتے۔ حضرت حر نے (آگے بڑھ کر) عرض کیا۔ یاامیرالمومنین۔ اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا۔

خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ۔

عفو و درگذر کو اپنا مسلک بنا لو' اچھی بات کا حکم کرو اور نادانوں کی بات پر دھیان نہ دو۔

امیر المومنین۔ یہ بھی نادان ہیں۔ حضرت حر فرماتے ہیں کہ یہ آیت ختم نہیں کی تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ کی شان بھی یہ تھی کہ کان وقافاً عند کتاب اللہ۔ جیسے ہی کتاب اللہ کی کوئی آیت پڑھی جاتی تھی آپ ٹھہر جاتے تھے اور غور سے سنا کرتے تھے۔

حضرت داؤد علیہ السلام

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُوْنَ (ع ۷ سورہ انبیاء ح ۱۷)

ہم لکھ چکے ہیں زبور میں ذکر کے بعد کہ یہ "زمین" اس کے وارث ہوں گے میرے وہ بندے جو شائستہ ہوں (صلاحیت رکھنے والے ہوں)

حضرت شاہ صاحب رحمہ' اللہ نے آیت کا ترجمہ یہ کیا ہے۔

ہر آئینہ نوشتہ ایم در صحیفہاء بعداز توریت کہ زمین معمورہ وارث آن شوند بندگان شائستہ من (۴۹)

یعنی زبور سے صحیفے مراد لیے ہیں۔ چنانچہ ترجمہ کے بعد توضیح فرماتے ہیں۔

زبور سے یا تو صحیفوں کی جنس مراد ہے۔ کیونکہ زبور کے لغوی معنی ہیں "لکھا ہوا" اس صورت میں جس صحیفہ میں بھی یہ بشارت ہو گی زبور سے وہی صحیفہ مراد ہو گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ زبور سے وہی صحیفہ مراد ہو جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل فرمایا گیا تھا۔

اس کے بعد فرماتے ہیں۔ کلام اللہ کی آیتیں ایک دوسری کی تصدیق اور توضیح کیا کرتی ہیں۔ چنانچہ یہاں یہ مضمون اس انداز اور ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے اور دوسرے موقع پر ارشاد ہے۔

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ (سورہ فتح ع ۴)

یہ ان کی مثال ہے تورات میں اور ان کی ممتاز خصوصیت (بقول حضرت شاہ عبدالقادرؒ ان کی کہاوت) جو انجیل میں ہے یہ ہے کہ جیسے کھیتی۔ نکالا اس نے اپنا پٹھا (یعنی کیلیں نمودار ہوئیں۔ پھر ان کو قوی کیا (بقول حضرت شاہ صاحبؒ ان کی کمر مضبوط کی (یعنی وہ کیلیں بڑھیں اور مضبوط ہوئیں پھر موٹی ہوئیں پھر کھڑی ہو گئیں اپنی نال پر یعنی تنہ

دار پودا بن گئیں جن کو دیکھ کر کاشتکار خوش ہونے لگے۔ (دوسری جانب) کافروں کے لیے یہ غیظ و غضب کا باعث بن گئیں۔ بقول حضرت شاہ صاحبؒ ان کا جی جلنے لگا)

حضرت شاہ صاحبؒ اس آیت کو پیش فرمانے کے بعد فرماتے ہیں۔ بات ایک ہی ہے۔ تعبیریں مختلف ہیں۔ پہلی آیت میں زبور۔ اور ذکر کے الفاظ بولے گئے ہیں۔ اور دوسری آیت میں توریت اور انجیل کے الفاظ ہیں۔ پہلی آیت میں میراث ارض' فرمایا گیا ہے۔ اور دوسری آیت میں اخرج شطاہ فرمایا گیا ہے۔ مراد ایک ہے یعنی "غلبہ دولت اسلامیہ"

پہلی آیت میں عبادی الصالحون (میرے شائستہ اور صالح بندے) ارشاد ہوا ہے۔ دوسری آیت میں محمد (۵۰) رسول اللہ والذین معہ ارشاد ہوا ہے۔ یعنی رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھی۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

اس آیت میں لفظ ارض تشریح طلب ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کچھ علماء (۵۱) نے ارض سے زمین جنت مراد لی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ (۵۲) اس کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں" اس کی کوئی مثال پیش نہیں کی جا سکتی کہ قرآن یا حدیث میں کس جگہ "ارض" بول کر جنت مراد لی گئی ہو۔ بلکہ صحیح بات یہی ہے کہ ارض سے وہ ممالک مراد ہیں جو آب و ہوا کے اعتبار سے معتدل ہیں۔ جہاں معتدل اخلاق والے انسان پیدا ہوتے ہیں یا یہ کہہ سکتے ہیں کہ "سرزمین شام" مراد ہے۔ کیونکہ بنو اسرائیل کے انبیاء (علیہم السلام) شام میں ہی گذرے ہیں اور سرزمین شام کے واقعات کا تذکرہ بنی اسرائیل کے یہاں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ' مال' کا لفظ عام ہے۔ مگر ایک تاجر جب "مال" بولتا ہے (مثلاً کہتا ہے کہ مال منگایا ہے مال کا وی پی آ گیا ہے۔ مال روانہ ہو رہا ہے) تو اس صورت میں اس عام لفظ سے وہ خاص مال مراد ہوتا ہے جس کی یہ تجارت کرتا ہے۔ اس مضمون کی تائید کے لیے خصائص شیخ جلال الدین سیوطیؒ سے اخذ کر کے چند روایتیں بھی یہاں درج کی جاتی ہیں۔

(۱) ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے توراۃ اور زبور میں اور اپنے اس علم سابق و قدیم میں جو زمین و آسمان کی پیدائش سے پہلے سے ہے۔ یہ خبر دی ہے کہ امت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وارث ارض ہو گی۔

(۲) نیز ابن ابی حاتم کی روایت ہے کہ حضرت ابو درداء ؓ نے یہ آیت تلاوت کی پھر فرمایا۔ "صالح ہم ہی ہیں"

(۳) سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ مجھے زبور کا ایک نسخہ مل گیا۔ اس میں ڈیڑھ سو سورتیں تھیں۔ میں نے چوتھی سورت میں دیکھا کہ یہ الفاظ ہیں۔

يَادَاوُدُ اسمع ما اقول ومر سليمان فليقله للناس من بعدك ان الارض لی اورثها محمدا صلی الله علیه وسلم وامته

اے داؤد۔ جو میں کہتا ہوں اس کو سنو اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو بتا دو تاکہ وہ آپ کے بعد بھی لوگوں سے کہتے رہیں کہ زمین میری ہے۔ میں محمد (ﷺ) اور ان کی امت کو اس کا وارث بناؤں گا۔

(۴) ابن عساکر بروایت حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ حضرت صدیق اکبر ؓ نے بیان فرمایا "میں ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے مبعوث ہونے سے پہلے یمن گیا۔ وہاں قبیلہ ازد کے ایک بوڑھے عالم کے یہاں قیام کیا جنہوں نے آسمانی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا۔ تین سو نوے سال ان کی عمر تھی۔ مجھ سے فرمانے لگے میرا خیال ہے کہ تم حرم کے رہنے والے ہو۔ میں نے جواب دیا "درست ہے" پھر کہنے لگے میرا خیال ہے کہ تم قریشی ہو۔ میں نے عرض کیا۔ یہ بھی ٹھیک ہے۔ پھر فرمایا۔ تم خاندان تیم سے تعلق رکھتے ہو میں نے عرض کیا صحیح ہے۔ فرمانے لگے آپ سے ایک بات اور معلوم کرنی باقی رہ گئی آپ ذرا اپنا پیٹ کھول کر دکھا دیجئے۔ یہ کیوں؟ میں نے عرض کیا۔ فرمایا۔ میں نے علم صادق میں یہ مطالعہ کیا ہے کہ حرم (مکہ) میں ایک نبی پیدا ہو گا۔ ان کی ایک نوجوان اور ایک سن رسیدہ (ادھیڑ عمر کا) آدمی امداد کرے گا۔ نوجوان کی شان تو یہ ہوگی کہ سخت سے سخت کاموں میں پوری مستعدی سے گھسنے والا اور مشکلات کو سامنے سے ہٹا دینے والا ہو گا۔ اور ادھیڑ عمر والے کی علامتیں یہ ہوں گی کہ سفید رنگ۔ کمزور۔ اس کے پیٹ پر ایک تل ہو گا اور اس کی بائیں ران پر ایک نشان ہو گا۔ تو اب اس میں آپ کا کیا حرج ہے کہ آپ پیٹ کھول کر دکھا دیں کیونکہ اور علامتیں تو آپ میں پائی جا رہی ہیں۔ حضرت ابوبکر ؓ نے فرمایا۔ میں نے پیٹ کھول کر دکھایا تو انہوں نے یہ کالا تل دیکھا جو میری ناف کے اوپر تھے اور کہا "آپ وہی ہیں قسم رب کعبہ کی"

(۵) ابن عساکر۔ بروایت حضرت ربیع بن انس ؓ۔ کتاب اول میں لکھا ہوا ہے ابوبکر الصدیق ؓ کی مثال بارش جیسی ہے۔ جہاں برستی ہے نفع دیتی ہے۔

(۶) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ میں حضرت عمر فاروق ؓ کے یہاں گیا۔ آپ کے سامنے کچھ لوگ کھانا کھا رہے تھے۔ آخر میں ایک شخص تھا آپ نے اس پر نظر ڈالی اور فرمانے لگے۔ جو کتابیں تم پہلے پڑھا کرتے تھے ان میں تم نے کیا پایا۔ اس شخص نے جواب دیا۔ نبی ﷺ کے خلیفہ ان کے صدیق ہوں گے۔ (ابن عساکر)

(۷) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

زمانہ جاہلیت میں قریش کے کچھ آدمیوں کے ساتھ تجارت کے سلسلہ میں شام گیا۔ جب ہم وہاں سے مکہ کے لیے روانہ ہوئے تو میں ایک ضرورت پوری کرنی بھول گیا۔ میں نے ساتھیوں سے کہا "میں ابھی آپ کے پاس پہنچنے والا ہوں" (میں ان کے پاس سے ہٹا تو) واللہ میں نے دیکھا کہ میں ایک بازار میں ہوں اور ایک بطریق (پادری) کے سامنے کھڑا ہوں۔ بطریق نے میری گردن پکڑی۔ میں اس سے گردن چھڑانے کی کوشش کرتا رہا۔ وہ اسی طرح مجھے اپنے کنیسہ میں لے گیا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ مٹی کا ایک تودہ ہے تہ بتہ جما ہوا۔ بطریق نے کدال اور ایک ٹوکری میرے ہاتھ میں دی اور کہا۔ اس مٹی کو ہٹاؤ۔ اب میں بیٹھ کر سوچنے لگا کہ کس طرح کروں۔ وہ بطریق دوپہر میں پھر آیا اور کہنے لگا کہ میں تو دیکھتا ہوں تم نے کچھ بھی مٹی نہیں ہٹائی۔ پھر مٹھی بنا کر میرے سر کے بیچ میں ماری' اب میں بھی کھڑا ہو گیا۔ میں نے اس کی کھوپڑی پر مارا تو اس کا بھیجا نکل پڑا۔ اب میں فوراً" وہاں سے نکلا۔ مگر مجھے معلوم نہ تھا کہ کہاں جاؤں۔ بہرحال میں اس تمام دن اور پھر ساری رات چلتا رہا۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی تو میں ایک دیر (گرجا) پر پہونچا اور اس کے سایہ میں بیٹھ کر آرام لینے لگا۔ ایک آدمی میری طرف نکل کر آیا۔ کہنے لگا بندہ خدا یہاں کیسے آیا۔ میں نے کہا میں اپنے ساتھیوں سے بچھڑ کر بھٹک رہا ہوں۔ وہ میرے لیے کھانا اور پانی لایا اور بہت غور سے مجھے اوپر نیچے دیکھا۔ پھر کہنے لگا۔ دیکھو صاحب! اہل کتاب جانتے ہیں کہ آج روئے زمین پر مجھ سے زیادہ کتاب (بائیبل) کا ماہر کوئی نہیں ہے۔ مجھے آپ کی وہ شان نظر آ رہی ہے کہ آپ اس دیر سے ہمیں نکالیں گے اور اس شہر پر قابض ہوں گے۔ میں نے کہا۔ بھائی یہ بے محل باتیں کیا کر رہے ہو۔ اس شخص نے کہا۔ تمہارا نام کیا ہے میں نے کہا عمر نام ہے۔ ابن خطاب۔ کہنے لگا۔ واللہ۔ بے شک آپ ہی ہیں۔ لہٰذا اب مہربانی فرما کر میرے نام یہ دیر اور جو کچھ اس میں ہے وہ سب لکھ دیجئے۔ میں نے کہا۔ بھائی تم نے ایک احسان کیا ہے۔ ایسی باتیں کر کے اس کا مزہ کرکرا مت کرو۔ مگر اس نے پھر بھی یہی مطالبہ کیا کہ تحریر دیدو۔ اور اب یہ بھی کہ چمڑے کے ورق میں یہ تحریر باقاعدہ لکھ دو۔ کہنے لگا اس میں آپ کا بگڑتا کیا ہے۔ اگر آپ واقعی وہی شخص ہیں تو پھر ہمارا مقصد پورا ہو جائے گا اور اگر آپ وہ نہیں ہیں تب بھی آپ کا اس میں کوئی نقصان نہیں ہے۔

میں نے قصہ ختم کرنے کے لیے کہا۔ اچھا لاؤ۔ چنانچہ میں نے تحریر لکھ کر دے دی۔ اور اس پر مہر بھی لگا دی۔

پھر جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ اپنے دور خلافت میں شام آئے تو یہی راہب حاضر خدمت ہوا۔ اس وقت یہ بات کھلی کہ یہ شخص قدس کے دیر کا راہب تھا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ نے اس کو دیکھا تو بہت تعجب ہوا اور ہم سے یہ بیتا ہوا واقعہ بیان کرنے لگے۔ راہب نے کہا۔ جو شرط تھی وہ پوری کرو۔ حضرت

فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا۔ ”جو کچھ فتح ہوا ہے نہ عمر کا ہے نہ ابن عمر کا“
(دینوری فی المجالسہ و ابن عساکر من طریق زید بن اسلم)

(۸) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ: حضرت فاروق اعظم گھوڑے پر سوار ہو رہے تھے۔ ران کے اوپر سے آپ کا کپڑا ہٹ گیا تو نجران کے عیسائیوں نے آپ کی ران پر ایک کالا تل دیکھا۔ کہنے لگے یہی ہے وہ شخص جس کے متعلق ہم اپنی کتاب میں یہ پاتے ہیں کہ وہ ہمیں ہماری سرزمین سے نکالے گا۔ (ابن سعد)

(۹) حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کا واقعہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ گھوڑے پر سوار ہوئے۔ اتفاقاً“ قبا کے نیچے سے ران کا کچھ حصہ کھل گیا نجران کے ایک شخص کی نظر اس تل پر پڑی جو آپ کی ران پر تھا۔ اس نجرانی نے فوراً“ کہا یہ وہی شخص ہیں جس کے متعلق ہم اپنی کتابوں میں یہ پیشن گوئی پاتے ہیں کہ وہ ہمیں اس وطن سے خارج کر دیں گے۔ (زوائد الزہد) (۵۳)

(۱۰) حضرت کعب (رضی اللہ عنہ) میں نے شام میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا۔ ان کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ یہ شہر خدا کے صالح بندوں میں سے ایک ایسے صالح کے ہاتھ پر فتح ہوں گے جو مومنین کے لیے رحیم' کفار کے حق میں شدید ہو گا۔ اس کا باطن ظاہر جیسا ہو گا۔ اس کے قول اور فعل میں اختلاف نہ ہو گا اس کے سامنے دور اور پاس کے آدمی حق میں مساوی حیثیت رکھیں گے۔ اس کے پیرو اور حکم بردار رات کے راہب ہوں گے اور دن کے شیر۔ آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرنے والے حسن سلوک کے عادی۔ بر اور نیکی کے خوگر۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ جو آپ کہہ رہے ہیں کیا واقعی درست ہے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ ۔ خدا کی قسم بالکل درست۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ اللہ تعالیٰ کا شکر۔ جس نے ہمیں ہمارے آقا اور مولا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ عزت بخشی۔ ہماری عظمت بڑھائی۔ ہمیں شرافت عطا فرمائی اور ہم پر رحم کیا (ابو نعیم) (۵۴)

(۱۱ ۔ عبید بن آدم (۵۵) ابو مریم ۔ ابو شعیب۔ یہ تینوں حضرات راوی ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جابیہ (شام کا ایک مقام) میں نزول فرما تھے۔ اس دوران میں حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ بیت المقدس پہونچے۔ بیت المقدس کے باشندوں نے دریافت کیا۔ آپ کا نام ؟

”میرا نام خالد ہے“ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔

بیت المقدس والے۔ آپ کے صاحب (خلیفہ) کا نام کیا ہے ؟

حضرت خالد ۔ ہمارے امیر کا نام عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔

بیت المقدس والے۔ ان کا کچھ حلیہ بیان کیجئے۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا حلیہ بیان کیا تو بیت المقدس والوں نے کہا۔ آپ بیت المقدس

کو فتح نہیں کر سکتے۔ یہ کام عمر کا ہے۔ کیونکہ ہم اپنی کتابوں میں یہ پڑھتے ہیں کہ بیت المقدس سے پہلے قیساریہ فتح کیا جائے گا۔ آپ جائیے اور پہلے قیساریہ فتح کیجئے۔ پھر اپنے صاحب (عمر فاروق رضی اللہ عنہ) کو لے کر آئیے۔ تب آپ فتح کر سکیں گے۔

(۱۲) ۔ حضرت مغیث اوزاعی (۵۶)۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ۔ کعب احبار رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ تورات میں میرے متعلق تم نے کیا پڑھا ہے۔

حضرت کعب نے جواب دیا۔ تورات میں یہ ہے۔

ایک بہادر خلیفہ لوہے کا بنا ہوا' مضبوط صاحب امر۔ جو اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرے گا۔ پھر آپ کے بعد میں ایک خلیفہ ہو گا جس کو ظالموں کی جماعت قتل کر ڈالے گی۔ پھر اس کے بعد فتنہ و فساد واقع ہو گا۔

(۱۳) حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے موذن خاص جن کا نام اقرع تھا۔ راوی ہیں کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے علماء یہود کے ایک پیشوا کو بلا کر دریافت کیا۔ تم نے اپنے مذہب کی کسی کتاب میں ہمارے متعلق بھی کچھ پڑھا ہے۔ اس سردار نے جواب دیا۔ ہماری کتابوں میں آپ لوگوں کے اوصاف لکھے ہوئے ہیں اور کارناموں کی پیشین گوئیاں ہیں۔ مگر نام کسی کا نہیں ہے۔ حضرت فاروق نے فرمایا۔ اوصاف کیا ہیں۔

سردار۔ یہ وصف لکھا ہے کہ ۔ قرن من حدید

عمر فاروق رضی اللہ عنہ ۔ قرن من حدید۔ کی تشریح کیجئے۔

سردار ۔ امیر شدید۔ ایک مضبوط صاحب امر (فولادی عزم و ہمت والا)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تعجب و مسرت کے لہجہ میں فرمایا "اللہ اکبر"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ۔ اچھا جو شخص میرے بعد ہو گا۔

سردار ۔ ایک مرد صالح ہو گا جو اپنے اقربا کو مقدم رکھے گا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ۔ اللہ عثمان رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے۔

حضرت فاروق اعظم ۔ جو شخص ان کے بعد ہو گا۔ جواب دیا۔ لوہے کا۔ مگر زنگ خوردہ

عمر فاروق رضی اللہ عنہ ۔ وادفراہ (۱) "ہائے ذلت"

سردار ۔ امیرالمومنین کچھ توقف فرمائیے۔ یہ شخص مرد صالح ہو گا مگر ان کا دور خلافت "خونریزی اور شمشیر برہنہ" کی مصیبت میں مبتلا رہے گا۔

۱۴ ۔ حضرت ابن سیرین (۵۹) ۔ راوی ہیں۔ حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا۔ امیرالمومنین ! کیا آپ سوتے ہوئے کچھ دیکھا کرتے ہیں۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو جھڑک دیا۔ حضرت کعب احبار نے عرض رضی اللہ عنہ کیا۔ ہم تو کتابوں میں یہ پڑھتے ہیں۔ ایک ایسا شخص جو خواب میں امت کی پیش آنے والی ضرورتوں کو دیکھ لیا کرے گا۔

(۱۵) ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام یعنی حضرت افلح کی روایت (۶۰) ہے۔
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے برخلاف جب بغاوت ہو رہی تھی تو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ (جو پہلے یہودیوں کے بہت بڑے عالم تھے) مصر کے بلوائیوں کی آمد سے پہلے قریش کے سرغنہ حضرات کے پاس پہونچتے تھے اور فرمایا کرتے تھے۔ اس شخص کو (یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو) قتل نہ کرنا۔
سرداران قریش قسم کھا کر کہتے۔ ہم ان کے قتل کو کب گوارا کر سکتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ کہتے ہوئے واپس ہوتے۔ واللہ وہ لوگ ضرور قتل کر دیں گے۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قریش کے نمایاں افراد سے یہی کہا اور یہ بھی فرمایا کہ قتل ہرگز نہ کرو وہ چالیس روز کے اندر خود ہی وفات پا جائیں گے۔ مگر اس مرتبہ لوگوں نے عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ کچھ روز بعد حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر تشریف لے گئے اور اسی طرح گفتگو ہوئی۔ اس مرتبہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ان کو قتل مت کرنا۔ وہ پندرہ روز کے اندر وفات پا جائیں گے (۶۱)

(۱۶) حضرت طاؤس رضی اللہ عنہ (۶۲)۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا گیا۔ کتب سابقہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق تم نے کیا مطالعہ کیا ہے۔ فرمایا۔ ہم نے یہ پڑھا ہے کہ وہ قیامت کے دن امیر ہوں گے' ان کے بھی جنھوں نے آپ کو شہید کیا اور ان کے بھی جنھوں نے آپ کی امداد سے پہلوتہی کی۔ (یعنی آپ امیر برحق ہیں۔ لہٰذا میدان قیامت میں بھی آپ کی امارت کا ظہور ہو گا۔)

(۱۷) محمد بن یوسف۔ رحمہ اللہ (۶۳) ۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تشریف لے گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا۔ بلوائیوں سے جنگ کرنے نہ کرنے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا۔ جنگ نہ کرنا۔ اتمام حجت کے لیے زیادہ کامیاب طریقہ ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ آسمانی کتابوں میں یہ ہے کہ آپ قیامت کے دن امیر ہوں گے۔ قاتلوں پر بھی۔ اور ان پر بھی جو ان قاتلوں کو قتل و خون کا مشورہ دے رہے ہیں۔

(۱۸) محمد بن یوسف رحمہ اللہ (۶۴) ۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصری بلوائیوں سے فرمایا تھا ان کو قتل مت کرو کیونکہ ماہ ذی الحجہ ختم نہ کرنے پائیں گے کہ وہ خود وفات پا جائیں گے۔
(۱۹) ابو اسود دیلی (۶۵) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ میرے پاس حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت پہونچے کہ میں عراق کے لیے پا برکاب تھا۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے عرض کیا آپ عراق تشریف نہ لے جائیے کیونکہ اگر آپ وہاں پہونچ گئے تو آپ کو تلوار کی دھار کا نشانہ بننا پڑے گا۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ ۔ خدا کی قسم ۔ آپ سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مجھ سے یہ ہی فرما چکے ہیں۔

حضرت ابو الاسود (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں۔ میں اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ جیسا میں آج دیکھ رہا ہوں ایسا میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ ایک شخص جو جنگ کی تیاری کر رہا ہے وہ لوگوں سے اس طرح کی باتیں کر رہا ہو (۶۶)

۲۰ - حضرت سعید بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ (۶۷) ۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو یہودیوں کے ایک بہت بڑے عالم سے (جس کو "ذی قربات" کہا جاتا تھا اور قبیلہ حمیر سے اس کا تعلق تھا) دریافت کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کون ہو گا۔ ذی قربات نے جواب دیا۔ الامین۔ یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ دریافت کیا گیا۔ آپ کے بعد ؟ جواب دیا۔ ایک فولادی عزم والا بہادر۔ یعنی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ۔ دریافت کیا گیا۔ آپ کے بعد ؟ جواب دیا۔ الازہر (روشن) یعنی حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ۔ دریافت کیا گیا۔ آپ کے بعد کون ہو گا۔ ذی قربات نے جواب دیا۔ الوضاح المنصور۔ روشن چہرہ والا۔ صاحب نصرت و کامیابی۔ یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ (۶۸)۔

(۲۱) حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ (۶۹) ۔ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ شہید کیے گئے تو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا۔ یہ چالیس سال پورے ہو رہے ہیں۔ عنقریب (اسی سال) صلح بھی ہو جائے گی۔)

(۲۲) حضرت ابو صالح رضی اللہ عنہ (۷۱) ۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حدی خواں گا رہا تھا۔

ان الامیر بعدہ علی ـــ وفی الزبیر خلف مرضی

ترجمہ - آپ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ امیر ہیں اور زبیر (رضی اللہ عنہ) میں خلافت اور جانشینی کی پسندیدہ صلاحیت ہے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فوراً لقمہ دیا۔ نہیں۔ بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس گفتگو کی خبر دی گئی۔ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ میاں ابو اسحاق ☆ جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر مصاحبین موجود ہیں تو میرے لیے کیا موقع ہے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ آپ ہی اس کے حامل ہوں گے۔

احادیث اور آثار نقل کرنے کے بعد حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ معلوم ہونا چاہیے کہ سنتہ اللہ اس طرح ہے کہ جب عالم غیب میں کوئی عظیم الشان معاملہ مقدر ہو جاتا ہے تو اس کی مثالی صورت اور اس کا نقشہ ملاء اعلیٰ میں قائم ہو جاتا ہے اور پھر ملاء سافل بھی یہی اس نقش کا کچھ اثر اور اس کے کچھ خطوط و نشانات حاصل کر لیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کاہن اپنی کہانت سے کچھ تعارف حاصل کر لیتے ہیں اور صاف ذہن والے تیز طبع نفوس خواب میں اس کے آثار پالیتے ہیں۔ بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی جسم میں یا کسی جسمانی چیز میں اس واقعہ کی صورت منعکس ہو جاتی ہے۔ چند روایتین اس سلسلہ کی (۷۲)

پیش کی جاتی ہیں۔
(۱) شیخ جلال الدین رحمہ اللہ نے خصائص میں عرب کے مشہور کاہن سطیح کی پیشین گوئی نقل کی ہے اس میں سیدالانبیاء ﷺ کے تذکرہ کے بعد یہ ہے۔

آپ (رسول اللہ ﷺ) کے بعد آپ کی تحریک کی قیادت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں آئے گی جن کی شان یہ ہو گی کہ جب بھی وہ فیصلہ کریں گے وہ سچا فیصلہ ہو گا اور مظلوموں کو ان کا حق دلوانے میں بہت مضبوط اور چست ہوں گے۔ نہ کسی مظلوم کی داد رسی میں کسی ناتجربہ کاری اور تذبذب کو دخل ہو گا اور نہ کبھی ان کا اقدام اوچھا رہے گا۔ رضی اللہ عنہ۔ حضرت صدیق (رضی اللہ عنہ) کے بعد زمام قیادت ایک حنیف یعنی ایک ایسے بزرگ کے ہاتھ میں آئے گی جو اپنے دین میں نہایت صائب اور صحیح ہو گا۔ ایک تجربہ کار سردار ہو گا۔ مہمانوں کا بہترین میزبان ہو گا۔ اور حق و صداقت کی طرف مائل کرنے اور اسلامی جذبات و رجحانات پیدا کرنے میں بہت بہتر اور بہت مضبوط قوت کا مالک ہو گا۔ (رضی اللہ عنہ) ان کے بعد ولی امر اور صاحب اقتدار ایک زرہ پوش ہو گا جو اپنے کام کا بہت تجربہ کار ہو گا۔ اس کے گرد بہت سی جماعتیں اور بہت سے گروہ اکٹھے ہو جائیں گے۔ پھر اس کو شہید کر ڈالیں گے۔ یہ شہادت ان کے حق میں انتقام اور غضب ہو گا۔ شیخ کو پکڑ کر ذبح کر دیا جائے گا پھر اس کے قصاص کا مطالبہ کرنے کے لیے بہت سے آدمی اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اس کے بعد "ولی امر" اور صاحب حکومت ایک صاحب نصرت ہو گا جو اپنی رائے میں سیاسی تدبیروں کی آمیزش کرتا رہے گا اور روئے زمین میں فوجوں کا مظاہرہ کرے گا۔ اس دوات میں (ناصر) صاحب (۷۳) نصرت۔ سے مراد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

(۲) ابوالطیب (۷۴) عبدالنعیم بن غلبون المقری۔ جب عموریہ فتح کیا گیا تو لوگوں نے دیکھا ایک کنیسہ (مندر) پر سونے سے لکھا ہوا تھا۔

بدترین خلف وہ ہیں جو اپنے اسلاف کو برا کہیں۔ سلف کا ایک شخص خلف کے ہزار افراد سے بہتر ہے۔ اے صاحب غار۔ آپ نے فخر و مباہات کی عزت حاصل کر لی۔ کیونکہ ملک جبار (خداوند عالم) نے آپ کی ثناء کی۔ چنانچہ اپنی اس کتاب میں جو نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہوئی۔ ارشاد فرمایا ہے:

ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْهُمَا فِی الْغَار

دو شخصوں میں سے ایک جب کہ وہ دونوں غار میں تھے۔

اے عمر آپ "والی" (حاکم) نہیں ہیں بلکہ "والد" ہیں۔

اے عثمان آپ کو مغلوب کر کے شہید کر ڈالا۔ اور جب آپ کو دفن کیا جا رہا تھا تو لوگوں نے آپ کے چہرہ کی زیارت بھی نہیں کی تھی۔

اے علی آپ ابرار (نیک لوگوں) کے مقتدا اور پیشوا ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب

سے کفار کی مدافعت کرنے والے۔

پس دیکھو! یہ صاحب غار ہیں۔ یہ یکتاء اخیار (نیک لوگوں میں یکتا) ہیں۔ یہ غیاث الامصار ہیں (شہروں اور باشندگان کے دا درس۔ اور مددگار) اور یہ امام الابرار ہیں (نیک لوگوں کے مقتداء) جو شخص ان کی توہین و تنقیص کرے اس پر جبار (خداوند عالم) کی لعنت ہو۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

اس عبارت کو پتھر پر دیکھنے کے بعد ہم نے یہاں کے پادری سے جو اس قدر بوڑھا تھا کہ اس کی بھنویں بھی لٹک کر آنکھوں پر آ پڑی تھیں۔ دریافت کیا کہ تمہارے اس کنیسہ کے دروازہ پر یہ کتنے عرصہ سے لکھا ہوا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ تمہارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثت سے دو ہزار سال پہلے سے۔ (ابن عساکر)

(۳) حضرت کعب رضی اللہ عنہ۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایمان کا سبب اور محرک ایک آسمانی الہام تھا اس کی تفسیر یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تجارتی سامان لے کر شام گئے ہوئے تھے۔ وہاں آپ نے ایک خواب دیکھا۔ بحیرا۔ جو شام کے مشہور راہب تھے' ان کے سامنے اپنا یہ خواب بیان کیا۔ بحیرا نے خواب سن کر دریافت کیا۔ آپ کا وطن ؟ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ۔ مکہ ۔ بحیرا ۔ مکہ کے کس خاندان سے۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ۔ قریش ۔ بحیرا ۔ کیا کام کرتے ہو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ تجارت ۔ بحیرا۔ خدا آپ کی خواب کو سچا کرے گا۔ آپ کی قوم میں سے ایک نبی مبعوث ہوں گے (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان کی زندگی میں ان کے وزیر ہوں گے۔ اور ان کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ ہوں گے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس خواب کو چھپائے رکھا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور آپ نے نبوت کا اعلان کیا۔ تب حضرت صدیق رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا آپ کی نبوت کی دلیل کیا ہے۔ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ وہ خواب جو آپ نے شام میں دیکھا تھا۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ یہ جواب سن کر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے لپٹ گئے۔ آپ سے معانقہ کیا پیشانی مبارک کو بوسہ دیا۔ اور عرض کیا۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ (ابن عساکر فی تاریخ دمشق) ازالۃ الخفاء تفسیر آیت مذکورہ فصل سوم (ص ۳۴)

(۴) ابوالحسن علی بن عبداللہ الہاشمی الرقی۔ میں ہندوستان گیا۔ میں نے ایک شہر میں ایک کالے گلاب کا درخت دیکھا۔ جس پر ایک سیاہ رنگ کا بڑا پھول کھلا ہوا تھا۔ خوشبو بہت عمدہ۔ اس پھول پر سفید رنگ میں لکھا ہوا تھا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ابوبکر الصدیق عمر الفاروق۔ اس پھول کو دیکھ کر مجھے کچھ شبہ ہوا کہ یہ بنایا ہوا ہے۔ پھر میں نے آزمائش کے لیے ایک کلی توڑی جو ابھی کھلی بھی نہ تھی میں نے اس کو توڑا تو میں نے اس میں بھی یہی لکھا ہوا دیکھا جو دوسرے کھلے ہوئے اور شگفتہ پھولوں میں تھا اس واقعہ کا شہر میں چرچا تھا۔ (اخرج ابن عساکر و ابن النجار فی تاریخہما۔ ازالۃ الخفاء ص ۳۴)

(۵) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما۔ ایک روز بخت نصر نے ایک عجیب و غریب خواب دیکھا صبح کو یہ تو یاد تھا کہ ایک نہایت حیرت انگیز خواب دیکھا ہے۔ لیکن تفصیل یاد نہ رہی۔ فوراً ساحروں اور کاہنوں کو طلب کیا۔ جب یہ حاضر ہوئے تو کہا میں نے رات ایک خواب دیکھا تھا جو نہایت ہی عجیب تھا۔ بتاؤ وہ خواب کیا تھا۔ اور اس کی تعبیر کیا تھی۔ ورنہ تمہاری گردنیں اڑا دوں گا۔ ساحروں اور کاہنوں نے کہا۔ حضور خواب تو بیان فرمائیں۔

بخت نصر۔ خواب مجھے یاد نہیں۔ بھول گیا۔

ساحرو کاہن۔ سرکار۔ بھولی ہوئی چیز کو پہچان لینے کا علم تو ہمیں آتا نہیں۔ (اس کے لیے کہانت اور سحر کارگر نہیں۔ کسی کے پاس کرامت ہو' وہ شاید بتا سکے) انبیاء علیہم السلام کے صاحبزادگان آپ کے یہاں حراست میں موجود ہیں۔ ان کو طلب فرمایئے شاید وہ جواب دے سکیں۔

بخت نصر نے ان حضرات کو طلب کیا۔ اور یہی سوال دہرایا۔ ان حضرات نے اول معذرت کی کہ یہ غیب کی بات ہے۔ غیب داں صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ ہم غیب کے جاننے والے نہیں ہیں۔ مگر جب اس نے قتل کی دھمکی دی تو ان صاحبزادگان نے فرمایا کہ ہمیں مہلت دیجئے کہ ہم وضو کر کے نماز پڑھ لیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔ ان حضرات نے پاک صاف ہو کر ایک پاک صاف جگہ میں نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور اصل خواب ان پر منکشف ہو گیا۔

ان حضرات نے فرمایا کہ آپ نے خواب میں دیکھا تھا کہ آپ کا سر "ذہب" کا ہے۔ سینہ فخار کا (ذہب سونے کو کہتے ہیں۔ اور ذہب فعل ماضی کا صیغہ ہے اس کے معنی ہیں "گیا"۔ اسی طرح فخار کے معنی مٹی (ٹھیکرا) ہیں اور زیادہ فخر کرنے والا بھی اس کے معنی ہیں) کمر نحاس (تانبہ) کی اور پیر (حدید) لوہے کے۔

بخت نصر نے کہا۔ ہاں مجھے یاد آیا۔ خواب میں یہی دیکھا تھا۔ اچھا اب اس کی تعبیر بتاؤ۔ ان حضرات نے معذرت کی تو پھر قتل کی دھمکی دی۔ صاحبزادگان نے پھر مہلت مانگی اور باوضو ہو کر نماز پڑھی اور بارگاہ رب العزت میں دعا کی۔ ان حضرات کی دعا قبول ہوئی اور خواب کی تعبیر منکشف ہوئی۔

صاحبزادگان نے فرمایا۔ آپ کا اصرار ہے تو ہم تعبیر بیان کرتے ہیں۔ تعبیر یہ ہے کہ آپ کا سر ذہب کا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آج کی اس شب سے لے کر جیسے ہی ایک سال پورا ہو گا آپ کا ملک ہاتھ سے نکل جائے گا۔

بخت نصر۔ پھر کیا ہو گا؟

صاحبزادگان۔ آپ کا سینہ فخار کا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے بعد ایک ایسا بادشاہ ہو گا جو لوگوں پر فخر کیا کرے گا۔ اور نحاس (تانبے) کی کمر سے مراد یہ ہے کہ پھر ایک ایسا بادشاہ ہو گا کہ لوگ اس

کی سختی سے خائف رہا کریں گے اور پاؤں "حدید" (لوہے) کے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پھر ایسی حکومت ہو گی کہ کوئی چیز اس میں کوئی رخنہ پیدا نہ کر سکے گی۔ وہ فولاد جیسی ہو گی۔ اس سے مطلب ہے۔ اسلام (۷۵)

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ بشارت حضرات شیخین پر صادق آتی ہے کیونکہ انہیں کے دور خلافت میں شام فتح ہوا۔

صاحبزادگان انبیاء علیہم السلام پر تعبیر کا اس طرح منکشف ہونا یہ خود الہام ہے۔

مختصر یہ کہ ان روایتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ظہور اسلام اور صحابہ و خلفاء راشدین کا دور چونکہ اس عالم کا سب سے زیادہ عظیم الشان واقعہ تھا۔ جس طرح ملا اعلیٰ میں اس کا نقشہ قائم ہوا۔ اس کی چھاپ ملاء سافل پر بھی پڑی۔ یہاں تک کہ کاہنوں کی کہانت اس سے متاثر ہوئی۔ ذہین انسانوں نے عالم رویا میں اس کو دیکھا۔ اور بعض لطیف جسمانی چیزوں میں اس کا عکس نمودار ہوا۔

اس کے بعد مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے چند حدیثیں معراج شریف کے سلسلہ کی بیان فرمائیں جن میں یہ تصریح ہے کہ یہ نام عرش معلیٰ پر بھی درخشاں تھے۔

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ (۷۶)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ شب معراج میں میں نے دیکھا کہ عرش پر لکھا ہوا ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ابوبکر الصدیق۔ عمر الفاروق عثمان ذوالنورین۔

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (۷۷)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ﷺ ارشاد فرمایا۔ شب معراج میں جس آسمان پر بھی میرا گذر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ میرا نام اس طرح لکھا ہوا ہے۔ محمد رسول اللہ اور میرے نام کے بعد ابوبکر الصدیق لکھا ہوا تھا۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ (۷۸)۔ معراج کی رات میں میں نے عرش پر ایک سبز ہیرا دیکھا اس پر نور سے لکھا ہوا تھا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ ابوبکر الصدیق۔ عمر الفاروق۔

نظر ثانی اور خلاصہ

(از محمد میاں عفی عنہ)

(۱) قرآن حکیم کا ایک ایک لفظ حقیقت کا نہیں بلکہ بہت سی حقیقتوں کا آئینہ ہے وہ عظیم الشان پس منظر کی نشان دہی کرتا ہے۔

جس آیت سے یہ بحث شروع ہوئی تھی اس کے مفہوم پر دوبارہ نظر ڈالیے۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ بہت عرصہ پہلے ہم زبور میں لکھ چکے تھے کہ "ارض" شام کے وارث میرے "عباد صالح" ہوں گے۔

معمولی حاکم بھی کوئی تحریر دے دیتا ہے تو اس کی حیثیت بہت بلند ہوتی ہے۔ خاص اسباب ہوتے ہیں جن کی بنا پر تحریر دی جاتی ہے۔ پھر تمام کار پردازوں کو اس کا احترام کرنا پڑتا ہے۔ ماحول میں ایک خاص فضا بن جاتی ہے جو اس تحریر سے متاثر بلکہ اس کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہوتی ہے اگر کسی کو نائب السلطنت بنایا جاتا ہے یا کسی کو ولی عہد مقرر کیا جاتا ہے تو اس کی دھوم کس قدر ہوتی ہے۔ ہر ایک سرکاری حلقہ کس طرح اس عہد و پیمان کے ساز پر نوا سنجی کرنے لگتا ہے اب آپ غور فرمائیے۔ جب رب العالمین اور احکم الحاکمین نے یہ دستاویز اپنے ان صحیفوں میں مسجل (رجسٹرڈ) کر دی جو اس کے عرش معلیٰ سے اس کے پاک نبیوں پر نازل ہوتے تھے تو اس ربانی سرکار سے تعلق رکھنے والا ہر ایک حلقہ کس طرح اس سے متاثر نہیں ہو گا۔ یقیناً" اس کے اثرات طرح طرح ظاہر ہوئے اور یہ دستاویز ایسی مسلمہ حقیقت بن گئی کہ اگر اس کے اثرات کو مٹانے کی کوشش نہ کی جاتی تو حضرت خاتم الانبیاء رحمتہ للعالمین ﷺ کی رسالت کو تسلیم کرنے میں کوئی بھی رکاوٹ نہ ہوتی۔ ذہن اس کے استقبال کے لیے تیار ہوتے اور جیسے ہی حضرت خاتم الانبیاء محمد ﷺ کا یہ اعلان کانوں کے پردوں تک پہونچتا۔

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا

اے لوگو! میں تم سب کے لیے (پوری نوع انسان) کے لیے اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں

ذہنوں کے دروازے تصدیق و تائید کے لیے کھل جاتے۔

(۲) اب آپ ایک اور پہلو پر بھی نظر ڈالیے۔ آپ تحقیق کیجئے کہ قرآن حکیم میں یہود کی ان بدترین خصلتوں کا ذکر بار بار کیوں کیا گیا ہے کہ۔

(الف) جو کچھ ان کو بتایا گیا تھا اس کا ایک حصہ فراموش کر بیٹھے جو محفوظ ہے اس کو طرح طرح کے معنے پہناتے ہیں۔

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ (سورہ مائدہ، رکوع ۳)

کلمات یعنی اللہ تعالیٰ کی آیتوں اور اس کے ارشادات کا جو موقع اور محل ہے ان آیات کو اس سے ہٹا دیتے ہیں۔ ان کو جو نصیحت کی گئی تھی اس سے بہرہ اندوز ہونے کو فراموش کر چکے ہیں اور ہمیشہ تم کو ان کی کسی نہ کسی خیانت کی خبر پہونچتی رہتی ہے اور بہت ہی کم ہیں وہ جو ان عیوب سے مستثنیٰ ہیں (سورہ مائدہ ع ۳)

(ب) جن کے معنی اور مطلب واضح اور معین ہو چکے تھے ان میں بھی تحریف اور ردو بدل کرتے رہتے ہیں۔

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ (سورہ مائدہ رکوع ٦)

آیتوں اور ارشادات الہیہ کے (جو تورات میں تھے) جن کے موقع اور محل معین ہو چکے تھے وہ اس کے بعد بھی ان کو اپنے محل سے ہٹا دیتے ہیں اور بات کو بے اسلوب کر دیتے ہیں۔

(ج) سابق انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ان کا معاملہ یہ رہا کہ تورات اور زبور کے معیار پر نہیں بلکہ اپنے اغراض اور اپنے شیطانی جذبات کے معیار پر ان کو پرکھتے تھے۔ باوجودیکہ نبی کی تعلیم تورات کے عین مطابق ہوتی تھی لیکن اگر ان کے اغراض فاسدہ کی مخالفت ہوتی تو کتاب اللہ کو معاذ اللہ پس پشت ڈالتے اور نبی کے برخلاف علم بغاوت بلند کر دیتے اور اس طرح جان بوجھ کر جاہل' نادان اور وحشی بن جاتے۔

وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُوْلٌ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللّٰهِ وَرَاءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (سورہ بقرہ رکوع ۱۲)

اور جب آیا ان کے پاس کوئی رسول اللہ کی طرف سے جو تصدیق کر رہا تھا ان باتوں کی جو خود ان کے پاس (تورات) میں موجود تھیں تو یہی لوگ جن کو تورات کا امانت دار بنایا گیا تھا ان ہی میں سے ایک فریق اٹھا اور اس نے کتاب اللہ کو اس طرح پس پشت ڈال دیا گویا اس کا ان کو کبھی علم ہی نہیں تھا۔

(د) پھر بغاوت سرکشی اور جہالت کی انتہا یہ ہوتی۔

فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَ فَرِيْقًا يَقْتُلُوْنَ (سورہ مائدہ ع ۱۰)

کتنے ہی انبیاء علیہم السلام تھے جن کی انہوں نے تکذیب کی اور کتنے ہی تھے جن کو قتل کر ڈالا۔

(ہ) اور صرف یہی نہیں بلکہ انتہا یہ تھی کہ وہ حد سے گری ہوئی اس وحشیانہ حرکت پر فخر کیا کرتے تھے۔

وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ (سورہ نساء ع ۲٤)

یعنی یہود کو ملعون قرار دینے کی ایک وجہ یہ تھی کہ حضرت مریم پر بہت بڑا بہتان لگایا کرتے تھے اور یہ کہ بڑے فخرو ناز سے کہا کرتے تھے کہ وہ مسیح جس کو عیسیٰ کہا جاتا ہے جو مریم کا بیٹا تھا جو اللہ کا رسول تھا بیشک ہم نے اس کو قتل کیا۔

یہ چند آیتیں ہیں۔ اسی طرح قرآن حکیم کی بہت سی آیتیں ہیں جن میں یہود کی ان خصلتوں کو بار بار بیان کیا گیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہود کی ان بدترین خصلتوں نے ایک طرف رسول برحق ﷺ کے کام کو بہت دشوار کر دیا اور دوسری طرف پوری بنی نوع انسان کو سخت ترین نقصان پہنچایا ہے کہ وہ معلومات جو انبیاء علیہم السلام نے انہیں فراہم کی تھیں جن کے ذریعہ وہ راہ حق اور ابدی فلاح و بہبود حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتے تھے ان سب پر اس طرح پردہ ڈال دیا کہ حق و باطل مشتبہ ہو کر رہ گیا۔ دولت علم کو برباد کر دینا کیا وہ جرم عظیم نہیں جس پر زیادہ سے زیادہ ملامت کی جائے اور بار بار کی جائے۔

آپ غور فرمایئے۔ قرآن حکیم بظاہر ان تمام پیشین گوئیوں کی تصدیق کر رہا ہے۔ جو حضرت شاہ صاحبؒ نے کتب حدیث و تفسیر اور تاریخ کے حوالوں سے یہاں جمع کر دی ہیں۔

آپ غور فرمایئے کتاب اللہ میں یہ بھی ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ وَ اِنَّ فَرِیْقًا مِّنْھُمْ لَیَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ ھُمْ یَعْلَمُوْنَ (سورہ بقرہ ع ۱۷)

آیت کے بین السطور کو آپ غور سے پڑھئے۔ آپ یہی فیصلہ کریں گے کہ۔

قرآن حکیم شہادت دے رہا ہے کہ کتب سابقہ، صداقت پسند علماء اور صلحا (احبار اور ربانیوں) اور انبیاء علیہم السلام کے اشارات۔ ارشادات۔ اتنے زیادہ ہیں اور ان کی بنا پر اتنی واضح علامتیں موجود ہیں کہ یہ اہل کتاب محمد رسول اللہ صلی اللہ اور ان کی اس امت کو جو امت وسط ہے، ایسا ہی پہچانتے ہیں جیسے اپنی اولاد کو پہچان لیتے ہیں مگر کتمان حق اور آفتاب جیسی صداقت سے منہ موڑ لینے، اور اس کے مقابلہ پر سینہ تان کر ہر طرح کی وحشت و بربریت کو عمل میں لانے کا یہ نتیجہ ہے کہ یہ تمام بشارتیں اور علامتیں جو طالب حق کے لیے شمع راہ بن سکتی تھیں آج اس طرح فراموش ہو گئیں کہ گویا کبھی ان کا وجود ہی نہیں تھا۔

کہیں کہیں کوئی پاک ذہن باقی رہ گیا جس میں وہ شمع ٹمٹا رہی ہے، ورنہ عام ذہن تاریک ہو گئے۔ خلاصہ کلام یہ کہ قرآن حکیم بظاہران پیشین گوئیوں کی تصدیق کر رہا ہے جو حضرت شاہ صاحبؒ نے کتب تفسیر و حدیث اور تاریخ کے حوالہ سے یہاں جمع کر دی ہیں اور بظاہر یہی پیشین گوئیاں ہیں جن کی بنا پر قرآن حکیم کا یہ دعویٰ ہے کہ یہود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنی اولاد کو۔

جانی پہچانی حقیقت کا انکار کر دینا کتنا بڑا جرم ہے اور یہود اس جرم کا ارتکاب اس لیے کر رہے ہیں کہ حقائق کا انکار کرنا اہل حق کی مخالفت حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام کی تکذیب اور نہ صرف تکذیب بلکہ ان کو قتل کر دینا شہید کر ڈالنا ان کی قومی خصلت بن چکی ہے۔ -

(۳) یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم بار بار اپیل کرتا ہے کہ تم خود اپنی کتابوں کو دیکھو۔ ایمانداری سے اپنے صحیفوں کا مطالعہ کرو۔ تم اگر صحیح طور سے مطالعہ کرو گے اور خود اپنی مقدس کتابوں پر صحیح اعتقاد رکھو گے تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تم محمد رسول اللہ (ﷺ) کی تصدیق کرو گے اور ان کی تعلیمات کے سامنے بھی سر تسلیم خم کرو گے۔ کیونکہ یہ رسول ان پیشین گوئیوں اور ان بشارتوں کے حامل ہیں جو تمہاری کتابوں میں موجود ہیں اور ان کی تعلیم وہی ہے جو انبیاء سابقین دیتے چلے آئے ہیں۔ کہیں بھی اختلاف نہیں ہو گا وجہ یہ ہے کہ اختلاف تم نے خود گھڑ لیا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم میں اختلاف قطعاً نہیں۔

اے یہود تمہارے سامنے انجیل آئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انجیل کی تعلیمات پیش کیں وہ سراسر توریت کی تصدیق کرتی تھیں وہی اصول تھے وہی عقائد و خیالات تھے' وہی جذبات و احساسات تھے پھر قرآن حکیم آیا اس کی شان بھی یہی ہے کہ جو کتاب ربانی تمہارے پاس ہے اس صحیح اور سچی کتاب کی یہ قرآن تصدیق کرتا ہے البتہ کہیں کہیں اس میں کچھ ترمیم بھی کرتا ہے۔ مگر یہ واضح کرتے ہوئے کہ پہلا حکم یہ تھا جو تورات میں ہے اور اب حکم یہ ہے کیونکہ پہلا حکم شریعت برحق کا حقیقی منشا نہیں تھا بلکہ کسی خاص سبب کی بنا پر تھا جو اب ختم ہو گیا حقیقی منشاء شریعت اور دین کی مکمل و اعلیٰ تعلیم یہ ہے جو اس وقت محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ پیش کی جا رہی ہے۔

وَقَفَّيْنَا عَلٰى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ وَاٰتَيْنَاهُ الْإِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ (سورہ مائدہ ع ۷)

ان کے بعد ہم نے عیسیٰ بن مریم (علیہما اسلام) کو مبعوث کیا جو تصدیق کر رہے تھے توریت کی جو ان سے پہلے آ چکی تھی اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو انجیل دی اس میں ہدایت اور روشنی ہے یہ تصدیق کر رہی ہے تورات کی جو اس سے پہلے آ چکی ہے اور یہ انجیل ہدایت و نصیحت ہے اہل تقویٰ کے لیے۔

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ (سورہ مائدہ

اور ہم نے نازل کی آپ پر کتاب (قرآن) مکمل سچائی کے ساتھ یہ تصدیق کر رہی ہے اس کتاب کی جو پہلے آ چکی ہے (بائبل کی) اور اس پر نگراں (چیکنگ کرنے والی تحریف اور اصل میں امتیاز (قائم کرنے والی) ہے۔

قرآن خود اپنے من جانب اللہ ہونے کا ثبوت یہی دیتا ہے کہ اس کی تعلیمات بعینہ وہ ہیں جو کتب سابقہ میں تھیں جو خداوندی تعلیمات مانی گئیں ان میں سرمو فرق نہیں۔ اگر معاذ اللہ کتب سابقہ یا قرآن

شریف دونوں کے منبع اور سرچشمے جدا جدا ہوتے تو یقیناً" اختلاف ہوتا اور جس طرح دو مرکزوں کے رجحانات علیحدہ علیحدہ ہوا کرتے ہیں ان کی تعلیمات میں بھی بہت کچھ اختلافات ہوتے۔

(۴) غیر مناسب نہ ہو گا اگر اس موقع پر سابق امتوں اور امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی استعدادوں اور صلاحیتوں کا بھی ہلکا سا موازنہ ہو جائے۔

یہ تو آپ نے سیرت کی کتابوں میں پڑھا ہو گا کہ غزوہ بدر کے موقع پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات انصار رضوان اللہ علیہم اجمعین سے استمزاج کیا تو انصار کے نمائندوں نے جواب دیا تھا۔

> یارسول اللہ ہم بنو اسرائیل نہیں ہیں کہ کہدیں کہ آپ اور آپ کا خدا جا کر جنگ کر لیں ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے ہم امت محمدیہ ہیں۔ آپ حکم فرمایئے۔ خدا کی قسم حکم ہو گا تو ہم سمندروں میں گھوڑے ڈال دیں گے۔ ہم وہ ہیں کہ آپ کے دائیں بائیں' اگے پیچھے لڑیں گے۔ جانیں دیں گے ناموس رسول پر قربان ہوں گے۔ (ﷺ)

یہ بھی آپ نے ملاحظہ فرمایا ہو گا کہ وہ حواری جنہوں نے دعویٰ کیا تھا "نحن انصار اللّٰہ" (ہم اللہ کے مدد گار ہیں) جب وقت آیا تو انہوں نے اللہ میاں سے وظیفہ کا مطالبہ کر لیا "ہمارے کھانے پینے کا انتظام ہو جائے تو ہم عبادت بھی کریں گے"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی اس کی تائید کرتے ہوئے سفارش کرنی پڑی۔ سورہ مائدہ کے رکوع ۱۵ کی آخری آیتیں ملاحظہ فرمایئے جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حواریوں کا مکالمہ بیان کیا گیا۔

حواریوں نے کہا۔ اے عیسیٰ بن مریم۔ کیا تیرے خدا کو یہ قدرت ہے کہ ہمارے لیے آسمان سے مائدہ اتار دیا کرے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فورا" فرمایا۔ توبہ۔ توبہ۔ کیا کہہ رہے ہو۔ اگر ایمان کا دعویٰ رکھتے ہو تو اس توہین آمیز لب و لہجہ سے پرہیز کرو۔

حواریوں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہماری خوراک کا انتظام ہو جائے اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہم پوری طرح جان لیں کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ سچ ہے اور ہم دنیا بھر کے لیے شاہد بن جائیں۔

یہ تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور کے انصار اللہ۔

لیکن یہ انصار اللہ۔ جن کو خاتم الانبیاء (ﷺ) کی رفاقت کا شرف حاصل ہوا وہ معاذ اللہ تعالیٰ سے وظیفہ کا مطالبہ تو کیا کرتے جو کچھ خود ان کے پاس تھا اس میں بھی حضرات مہاجرین کو برادر حقیقی کی طرح شریک کیا خوراک کے لیے اللہ تعالیٰ سے مائدہ کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ اس کے برعکس دوسروں کے لیے مائدہ رساں بنے۔ مسلمان تو مسلمان اسیران جنگ کی خوراک کا مسئلہ پیش آیا تو اس کو بھی اسی طرح حل کیا خود بھوکے رہے اور ان کا پیٹ بھرا جو رسول اللہ ﷺ کی جانب سے ان کی حراست اور نگرانی میں دیئے

حضرات کی قوت غضب اور قوت رحم دونوں خداوند عالم کے غضب اور اس کے لطف و کرم کے تابع ہیں۔

جو لوگ بارگاہ الٰہی میں مردود ہیں جو حق و صداقت سے منکر ہو کر غضب الٰہی کے مستحق ہو گئے ہیں ان سے یہ ناراض بھی ہیں۔ ان کی نگاہیں بھی ان کے حق میں سخت ہیں اور جو لوگ حق پرستی اور حق پسندی کے باعث حضرت حق جل مجدہ کی بارگاہ میں مقبول ہیں اور جو اپنی راست بازی کے سبب سے رحمت الٰہی کے مستحق ہوتے ہیں۔ ان پر یہ مہربان بھی ہیں۔ ان کے لیے ان کے دل بھی شفقت و رحمت سے لبریز ہیں۔ یہ تخلقوا باخلاق اللہ کی ایک مکمل صورت ہے کہ یہ حضرات غضب خداوندی یا رحم و فضل یزدانی کے مظہر بن گئے ہیں۔

فضیلت کی دوسری قسم یہ ہے کہ یہ حضرات کثرت رکوع و سجود اور کثرت نماز کے ذریعہ اپنے نفس کی تہذیب و اصلاح میں مشغول رہتے ہیں جب بھی آپ ان کو دیکھیں گے تو وہ رکوع میں ہوں گے یا بارگاہ خداوندی میں اپنی پیشانیوں کو زمین پر رکھے ہوئے ہوں گے یہی نماز جو مومنین کی معراج ہے' (۸۲) ان حضرات کا شب و روز کا محبوب ترین مشغلہ ہے حتیٰ کہ نور باطن کا اثر ان کے ظاہر پر بھی پڑ گیا ہے۔ چہرے کچھ ایسے ہو گئے ہیں کہ ان پر نظر پڑ جائے تو خدا یاد آنے لگے۔ سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود اسی کیفیت کا اعجازی بیان ہے۔ کمال اخلاص کو بیان کرتے ہوئے۔ یبتغون فضلا" من اللہ و رضوانا" ارشاد ہوا ہے کہ ان کا نصب العین اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی تلاش ہے رات دن اسی تگ و دو میں رہتے ہیں کہ جس طرح بھی ہو رضاء الٰہی حاصل کی جائے۔ یہ تمام کیفیت اور یہ خشوع خضوع جس کے آثار چہرے پر ہیں عارضی اور وقتی نہیں ہے کہ وسوسہ یا خاطر نفس کے طور پر ایک طرف سے آئے اور دوسری طرف کو نکل جائے بلکہ ایک ملکہ راسخہ ہے جو ان کی طبیعتوں میں جم گیا ہے جس کے حاصل کرنے کے لیے ان پاکبازوں نے اپنی زندگیاں صرف کر دی ہیں۔

یہ تورات کی بشارت تھی۔ اب ملاحظہ فرمائیے! انجیل میں ان کی مثال پیش کرتے ہوئے ارشاد ربانی ہے۔

کزرع (۸۳) اخرج شطاہ (الایتہ)

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ اس فقرہ کا پہلا حصہ تحریک اسلام کے ابتداء و آغاز پر دلالت کرتا ہے اور آخری حصہ اسلام کے نشوونما کے مکمل ہونے کی طرف اشارہ کر رہا ہے اور شجرہ اسلام کی اس افزائی کو بتا رہا ہے کہ اس کے بعد افزونی اور بڑھتی کا کوئی درجہ نہیں رہا کرتا۔

اس میں شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت اور آپ کے مقدس پیغام نے تدریجی طور پر ابتدا سے انتہا کی طرف ترقی کرتے ہوئے اتنے مدارج اور مراحل طے کیے کہ ان کی گنتی مشکل ہے لیکن کلی

اور اصولی طور پر اس سفر کی صرف چار منزلیں سامنے آتی ہیں۔

اول : یہ کہ آنحضرت ﷺ مکہ معظمہ میں مبعوث ہوتے ہیں تمام اہل مکہ شرک و کفر میں مبتلا ہیں اور دین ابراہیمی میں جو تحریفات آباؤ اجداد کے زمانہ سے چلی آ رہی ہیں ان کو صحیح اور درست سمجھ کر ان پر مطمئن ہیں جیسے ہی رسول اللہ ﷺ ان کے سامنے دعوت اسلام پیش کرتے ہیں یہ لوگ اس کے رد و انکار کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ اسلام کی ابتدا ہے۔ اس پر آشوب دور میں اس کی بھی قدرت نہیں ہے کہ اعلانیہ اسلام کا اظہار کیا جا سکے۔

دوم : یہ کہ مشرکین کے پنجہ سے رہائی پا کر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی جاتی ہے دشمنان خدا کے ساتھ جہاد کا سلسلہ ہوتا ہے۔ قریش کے ساتھ براہ راست اور بالقصد اور غیر قریش کے ساتھ ضمنی اور تبعی طور پر معرکہ آرائیاں ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ مکہ معظمہ فتح ہو جاتا ہے اور سارا حجاز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فرماں برداری کے لیے گردن جھکا دیتا ہے اور زمین کے ایک رقبہ اور علاقہ پر حکمرانی کی شکل نمایاں ہو جاتی ہے۔ جب یہ مرحلہ انتہا کو پہونچتا ہے۔ آنحضرت ﷺ دار دنیا سے رفیق اعلیٰ کی طرف انتقال فرما جاتے ہیں۔

سوم : یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد حضرت صدیق اکبر اور پھر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما دنیا کے دو عظیم الشان بادشاہ قیصر اور کسریٰ سے جہاد کا قصد کرتے ہیں۔ ان دو بادشاہوں کا اقتدار تمام دنیا پر چھایا ہوا ہے اور ان کی حکومتیں اس زمانہ کی سیاسیات میں دنیا کی مرکزی طاقتیں (یا دو بلاک) ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان دونوں شہنشاہوں کی شوکت و حشمت اسلامی سطوت و اقتدار کے سامنے پامال ہو جاتی ہے اور اس کا نام و نشان بھی دنیا میں باقی نہیں رہتا۔ (۸۴)

چہارم : وہ کام جو پہلے کے مقابلہ میں چھوٹے تھے مگر اپنے مفاد اور مقصد کے لحاظ سے بہت اہم تھے یعنی مفتوحہ ممالک میں نظام اسلام کو قائم کرنا۔ مثلاً" وہ راجہ مہاراجہ جو چھوٹے چھوٹے ملکوں پر حکمراں تھے اور قیصر و کسریٰ کے باجگذار ہوتے ہوئے اپنے اپنے علاقوں میں مستقل حکمراں اور قوت و شوکت کے مالک تھے' ان کو زیر نگیں کرنا۔ مفتوحہ ممالک میں مسجدیں تعمیر کرانا۔ قاضیوں (اسلامی ججوں) حدیث و قرآن کے معلمین' مفسرین اور مفتی صاحبان کا تقرر کرنا (وغیرہ)

تاریخ کے ان کھلے ہوئے واقعات کو سامنے رکھ کر آیت کریمہ کی دوبارہ تلاوت کیجئے۔ کزرع اخرج شطاہ فازرہ (کھیتی کی کیلیں نمودار ہوئیں (سبزہ نمایاں ہوا) پھر ان کو قوی کیا) یہ پہلے دو مرحلوں کی طرف اشارہ ہے۔ فاستغلظ (موٹی ہوئی) سے حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی خلافت کی جانب ایما ہے۔ فاستوی علی سوقہ (پھر کھڑی ہو گئیں اپنی نال پر) کی مثال ان کارناموں پر صادق آتی ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں واقع ہوئے۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے

بعد اگرچہ کچھ عرصہ تک مسلمانوں میں اختلاف و افتراق پیدا ہو گیا تھا لیکن پھر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد یہ افتراق ختم ہوا اور پھر صورت یہ ہوئی کہ کبھی تو خلیفہ وقت کی جدوجہد سے اور کبھی محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی حکمت بالغہ سے دعوت اسلام کی اشاعت و تبلیغ کے لیے مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق پیدا ہوا اور اسلامی مقاصد کے لیے ان کی متفقہ جدوجہد جاری ہو گئی۔ یہ صورت بھی فاستوی علی سوقه کی مثال کا مصداق بن سکتی ہے۔ یعجب الزراع جس کو دیکھ کر کاشتکار خوش ہونے لگے۔ یہ لفظ حضرت حق جل مجدہ کی مکمل رضا مندی کی طرف اشارہ کر رہا ہے کیونکہ اس کھیتی کے بونے والے حضرت حق ہی ہیں جل مجدہ (۸۵)

حضرت شاہ صاحب ان آیات کی تشریح و تفسیر کے بعد فرماتے ہیں۔

یہاں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرات خلفاء راشدین کی عظمت و جلالت اور اسلام کی حمایت میں ان کا استقلال و استقامت۔ پھر ان بزرگوں نے اسلام کی تائید و تقویت کے لیے جو کچھ جدوجہد کی اور دشمنان خدا سے جو کچھ جہاد و غزوات کیے اور جس طرح کلمتہ اللہ کو بلند کیا یہ سب عنداللہ مقبول ہے ایسا مقبول کہ اس کی بشارت بہت پہلے سے حضرت حق آسمانی کتابوں میں دے چکے ہیں۔ (۸۶)

دعاؤں اور بشارتوں کے باب کو ہم مندرجہ ذیل دو روایتوں پر ختم کرتے ہیں۔ (۸۷)

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کے متعلق تورات میں کیا لکھا ہے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ سطر اول میں ہے (یعنی پہلا فقرہ یہ ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اللہ کے برگزیدہ اور پسندیدہ بندے ہیں نہ سخت گو نہ سخت مزاج نہ بازاروں میں شور مچانے والے۔ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے بلکہ معاف کر دیتے ہیں اور بخش دیتے ہیں۔ جاء پیدائش مکہ ہو گی۔ دار ہجرت طیبہ (مدینہ) ہو گا۔ ان کا ملک شام میں ہو گا۔ (شام پر ان کی حکومت ہو گی' دوسری سطر میں ہے (دوسرا فقرہ یہ ہے)

محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی امت بہت حمد کرنے والی ہو گی۔ مسرت اور مصیبت۔ نرمی اور سختی۔ غرض ہر حالت میں خدا کی حمد کیا کرے گی۔ ہر ایک منزل۔ ہر ایک مرتبہ اور درجہ میں خدا کی شکر گزار رہے گی۔ ہر بلندی کے موقعہ پر خدا کی بڑائی اور اس کی عظمت کا اعتراف و اظہار کرے گی۔ آپ کے امتی دھوپ کا ہر وقت لحاظ رکھا کریں گے۔ (تاکہ نمازوں کو وقت پر ادا کر سکیں) جب نماز کا وقت آیا کرے گا خواہ وہ کسی حالت میں ہوں نماز ادا کریں گے۔ حتیٰ کہ اگر کوڑے کرکٹ کی میلی جگہ پر ہوں جب بھی نماز وقت پر ادا کریں گے۔ کمر پر تہ بند (ازار) باندھا کریں گے۔ اپنے اعضا (وضو کے ذریعہ) ہاتھ پاؤں اور چہروں کو پاک صاف اور روشن رکھا کریں گے۔ اوقات شب میں ان کی آوازیں شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح گونجا کریں گی۔ (۸۸)

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ تورات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کیا اوصاف تم نے پڑھے ہیں۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے وہی اوصاف بیان فرمائے جو پہلی روایت میں گذر چکے ہیں۔ (۸۹) فرق صرف اتنا ہے کہ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ "نمازوں میں ایسے ہی صف بندی کیا کریں گے جیسے میدان جنگ میں۔ (۹۰) نیز یہ کہ ان کی گونج ان کی سجدہ گاہوں میں ایسی ہو گی جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ۔

تنبیہہ (۱) نماز میں چلا کر رونا جائز نہیں۔ اس سے بعض صورتوں میں نماز فاسد ہو جاتی ہے اب ایک طرف نماز کا یہ احترام ہو اور دوسری جانب قلب پر رقت طاری ہو تو اس صورت میں تنفس کی آواز عجیب طرح کی ہو جاتی ہے۔ اس آواز کو ان روایتوں میں شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ سے تعبیر کیا گیا ہے اور بظاہر زیادہ صحیح تعبیروہ ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے متعلق صحیح احادیث میں وارد ہے کہ شب کو تہجد پڑھتے ہوئے ان کے سینوں سے ایسی آواز نکلتی تھی جیسے جوش کے وقت ہنڈیا سے آواز نکلتی ہے۔ جس کو ہماری اصطلاح میں کھد کھداہٹ کہا جاتا ہے۔

(۲) یہاں حضرات ارباب طریقت یہ بھی خیال فرمائیں کہ یہ کیفیت آسانی سے پیدا نہیں ہوتی' بہت سے مجاہدوں اور ریاضتوں کے بعد حاصل ہوتی ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ تمام مجاہدوں ریاضتوں اور سلوک و طریقت کے تمام اعمال کا منشاء اور انتہائی مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ خشوع و خضوع اس طرح طبیعت ثانیہ بن جائے کہ جیسے ہی اللہ کا ذکر شروع ہو۔ قلب پر رقت طاری ہو جائے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا (سورہ انفال ع ۱)

مومن تو وہی ہیں کہ جب اللہ کا نام لیا جائے ان کے دل لرز جائیں ان پر رقت اور خشیہ طاری ہو جائے اور جب ان کے سامنے اللہ کی آیتیں پڑھی جائیں تو ان کا ایمان بڑھ جائے' حسن قبول کے لیے ان کے سینے کھل جائیں۔

(۳) ہمارا ایمان ہے کہ تزکیہ باطن۔ تقرب الی اللہ۔ خشوع۔ عشق خدا اور محبت مولا کا جو درجہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حاصل تھا وہ پوری امت میں کسی کو نصیب نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت وہ تریاق اور وہ کیمیا تھی جو چشم زدن میں سنگریزہ کو پارس کی پتھری اور لعل بدخشاں بنا دیتی تھی۔ یہ آیت اور مذکورہ بالا روایتیں ہمارے اس عقیدہ کی تصدیق کرتی ہیں۔

(۴) کچھ وہ ہیں جو سلسلہ ارشاد و طریقت کا انکار کرتے ہیں اگر ان منکرین کے دلوں میں رقت و تضرع کی یہ کیفیت پیدا ہو گئی ہے تو بیشک ان کا انکار کر دینا صحیح ہو سکتا ہے لیکن اگر یہ کیفیت پیدا نہیں ہوئی تو ان کو حق نہیں پہونچتا کہ وہ سلسلہ ارشاد و طریقت اور اہل تصوف کے ان مشاغل کا انکار کریں جن

کا مقصد یہی ہے کہ خشوع و خضوع اور حضور و شہود کی وہ کیفیت پیدا ہو کہ ایک عبادت گذار اس طرح عبادت کر سکے جیسے وہ خدا کو دیکھ رہا ہے جس کی نماز صحیح معنی میں مناجات رب ہو اور جس کی مناجات سوز جگر کا ساز ہو۔

صحابہ کرام اور ارشادات ربانی

مدح و ستائش۔ اوصاف و خصائل جلیل القدر کارنامے

انبیاء سابق اور تورات و انجیل کی شہادتوں کے بعد صحابہ کرام کے متعلق خود قرآن پاک کی شہادتیں ملاحظہ فرمایئے۔ کس طرح ان کے اوصاف و کمالات کو سراہا گیا ہے اور کس طرح واضح کیا گیا ہے کہ ہزاروں سال پہلے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے جو دعا کی تھی اس کا مصداق یہی حضرات ہیں۔

رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ

دعاء ابراہیمی کا ظہور

(۱) لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیَاتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلَالٍ مُّبِیْنٍ (سورہ آل عمران ع ۱۷ ع ۸ ج ٤)

اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا اہل ایمان پر کہ بھیجا ان میں رسول انہیں میں کا۔ پڑھتا ہے ان کے سامنے اللہ کی آیتیں (اور اخلاقی اور روحانی طور پر) سنوارتا ہے ان کو اور سکھاتا ہے ان کو کتاب۔ اور دانائی (بقول حضرت شاہ عبدالقادر صاحب۔ کام کی بات) اگرچہ تھے وہ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا پہلے نقل کی جا چکی ہے۔ اس کے الفاظ کو ملاحظہ فرمایئے اور پھر اس آیت کریمہ میں رسول اللہ ﷺ کے متعلق جو الفاظ ارشاد فرمائے گئے ہیں ان کو ملاحظہ فرمایئے اور غور کیجئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کس طرح لفظ بلفظ پوری ہو رہی ہے۔

(۲) بیت المقدس کے بجائے خانہ کعبہ کو قبلہ کیوں قرار دیا اس کی وجہ' اور اس حکم پر اہل کتاب اور کفار مکہ کے لایعنی مضحکہ خیز اعتراضات کا جواب دینے کے بعد ارشاد ہے۔

فَلَا تَخْشَوْھُمْ وَاخْشَوْنِیْ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِیْ عَلَیْکُمْ وَلَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ کَمَا

اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيَاتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّالَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ فَاذْكُرُوْنِيْ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ (سورہ بقرہ ع ۱۸ ع ۲ ج ۲)

پس نہ ڈرو ان سے اور ڈرو مجھ سے اور (یہ سب کچھ اس لیے بھی کیا کہ) پورا کروں تم پر فضل اپنا اور شاید تم راہ پاجاؤ (جس طرح اللہ تعالیٰ کے یہ انعامات ہیں کہ حقیقی قبلہ جو اللہ تعالیٰ کا سب سے پہلا گھر ہے وہ مسلمانوں کا قبلہ قرار دیا گیا اور جس طرح مسلمانوں کو امت وسط (افضل امت) قرار دیا گیا۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا یہ انعام بھی ہے کہ) بھیجا تم میں رسول تم میں کا پڑھتا ہے تمہارے سامنے ہماری آیتیں اور سنوارتا ہے تم کو اور سکھاتا ہے تم کو کتاب اور دانش مندی اور سکھاتا ہے تم کو وہ باتیں جو تم نہیں جانتے تھے۔ پس یاد رکھو مجھ کو۔ میں یاد رکھوں تم کو۔ اور احسان مانو میرا اور ناشکری مت کرو۔

سورہ جمعہ میں ارشاد ہے۔

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ (سورۃ جمعہ، رکوع ۱)

(وہ اللہ جس کی ہر چیز تسبیح پڑھتی رہتی ہے جو ملک قدوس عزیز و حکیم ہے۔ وہی ہے) جس نے مبعوث فرمایا ان پڑھوں میں رسول انہیں میں کا۔ جو پڑھتا ہے ان کے سامنے اس کی آیتیں اور سنوارتا ہے ان کو اور سکھاتا ہے کتاب اور عقلمندی اور اس سے پہلے پڑے تھے صریح بھلاوے میں (شاہ عبدالقادر صاحب)

ایمان و اطاعت

(۱) اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ (سورہ بقرہ ع ۴۰) (۹۱)

مانا رسول نے اس کو جو نازل کیا گیا اس پر اس کے رب کی طرف سے اور مسلمانوں نے سب نے مانا اللہ کو اس کے فرشتوں کو۔ اس کی کتابوں کو اس کے رسولوں کو کہ ہم فرق نہیں کرتے اس کے رسولوں میں اور سب نے کہا (اعلان کیا) ہم

نے اللہ کے احکام سنے۔ ان کو قبول کیا۔ اے ہمارے رب ہم تیری بخشش چاہتے ہیں اور ہم سب کو تیری ہی طرف واپس آنا ہے۔

(۲) اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَضَلَّ اَعْمَالَھُمْ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحَاتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّھُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّھِمْ کَفَّرَ عَنْھُمْ سَیِّاٰتِھِمْ وَاَصْلَحَ بَالَھُمْ۔ ذٰلِکَ بِاَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّھِمْ کَذٰلِکَ یَضْرِبُ اللّٰہُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَھُمْ (سورہ محمد ع ۱)

وہ لوگ جو منکر ہوئے جنہوں نے روکا اللہ کی راہ سے' اللہ تعالیٰ نے کھو دیئے ان کے کیے (عمل) اور جو یقین لائے اور کیے بھلے کام اور مانا اس کو جو اترا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر اور وہی ہے سچا دین۔ ان کے رب کی طرف سے ان سے اتاریں ان کی برائیاں اور سنوارا ان کا حال یہ اس (بنا) پر کہ جو منکر ہیں وہ چلے جھوٹی بات پر اور یقین لائے انہوں نے مانی سچی بات اپنے رب کی طرف سے۔ یوں بتاتا ہے اللہ لوگوں کو ان کے احوال۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ سورہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کو اول سے آخر تک پڑھا جائے تو واضح ہو گا کہ اس سورۃ کا موضوع ہی یہ ہے کہ سچے مومن اور کافر و منافق کے درمیان افعال' اقوال اور نتائج و عواقب کے لحاظ سے جو امتیازات ہیں ان کو واضح کر دیا جائے اس کے ضمن میں وہ چیزیں بھی آگئی ہیں جو خلافت خاصہ کے لوازم یا خلافت خاصہ کے اضداد ہیں اور اگرچہ آیات کے الفاظ عام ہیں مگر نہایت لطیف پیرایہ میں ان مسلمانوں یا منافقوں کی طرف اشارہ ہو رہا ہے جو نزول سورت کے وقت موجود تھے اور ان کے اوصاف بیان کیے جا رہے ہیں۔ چنانچہ

اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْا اور اس کے بعد وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحَاتِ کی دلالت اور اس انداز تعبیر کا مفہوم یہی ہے کہ دونوں جماعتیں نزول آیت کے وقت موجود ہیں۔

(۲) ایسے ہی ارشاد ربانی ان تنصر واللہ ینصر کم ویثبت اقدامکم پر غور کیجئے۔ ترجمہ یہ ہے (اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم ثابت رکھے گا۔) ہم نے دیکھا کہ نصرت خداوندی نے صحابہ کرام اور خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مساعدت کی اور جب کہ یہ مساعدت اور نصرت ان کے لیے مخصوص ہے جو اللہ کے دین کی مدد کریں تو گویا کلام ربانی نے اعتراف کر لیا کہ صحابہ کرام اور خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کی۔ لہٰذا دخول جنت کا وہ ثواب جس کا اعلان اگلی آیت میں ہے یہ حضرات اس کے بھی مستحق ہو گئے۔ آیت یہ ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُدخِلُ الَّذِینَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجرِی مِن تَحتِھَا الْاَنھٰرُ

بیشک اللہ تعالیٰ داخل کرے گا ان کو جو ایمان لائے اور عمل صالح کرتے رہے جنتوں میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔

(۳) اس کے بعد کی آیات میں ارشاد ہے۔

وَکَاَیِّن مِن قَریَۃٍ ھِیَ اَشَدُّ قُوَّۃً مِن قَریَتِکَ الَّتِیْ اَخرَجَتکَ اَھلَکنٰھُم فَلَا نَاصِرَ لَھُم

کتنی ہی بستیاں تھیں جو کہیں زیادہ تھیں زور و قوت میں تیری اس بستی سے جس نے تجھ کو نکالا (یعنی مکہ) ہم نے ان کو تباہ کر دیا (بقول حضرت شاہ صاحبؒ کھپا دیا) پس نہیں ہے ان کا کوئی مددگار

اس آیت میں معین طور پر ایک جماعت کا ذکر ہے جس نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے شہر سے نکالا ہے یہ جماعت کوئی وہمی یا خیالی جماعت نہیں بلکہ قریش کی وہی جماعت ہے جس کے مظالم آج تک دنیا کو معلوم ہیں اس کے بالمقابل دوسری جانب۔

ارشاد ربانی ہے۔

اَفَمَن کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِن رَّبِّہٖ کَمَن زُیِّنَ لَہٗ سُوْءُ عَمَلِہٖ وَاتَّبَعُوْا اَھوَاءَھُم مَثَلُ الْجَنَّۃِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ فِیھَا اَنھٰرٌ (الایتہ)

ترجمہ - کیا وہ شخص جو اپنے رب کی جانب سے کھلی ہوئی واضح دلیل رکھتا ہو اس کی مانند ہو گا جس کی نظر میں اس کا عمل بد آراستہ اور خوبصورت ہو اور جو لوگ اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں اور اپنے نفس کے بندے ہیں۔

اس آیت میں ہوا پرستوں اور ان عقل پرستوں کے مقابلہ میں (جو اپنی تھیوریوں اور اپنے اختراعی نظریات پر نازاں ہیں) ایسی جماعت کا ذکر ہے جس کے پاس اس کے رب کا دیا ہوا بینہ موجود ہے یہ مقابل جماعت کون سی ہے ؟ ظاہر ہے کہ یہ مہاجرین اور انصار تھے۔ جو رسول اللہ ﷺ کے فیض زیارت سے قابل رشک ابدی سعادت حاصل کر کے علی بینۃ من ربہ" کا زندہ ثبوت اپنے ایقان و اذعان اور اپنے کردار سے پیش کر رہے تھے۔ اس سے متصل آیت میں (جو درج ذیل ہے) ان مخلصین کا ثواب ذکر کر دیا گیا ہے۔ آیت یہ ہے۔

فَهَلْ عَسَيتم اِنْ تَوَلَّيتم ان تفسدوا فِى الْاَرض وتقطعوا ارحامكم

احوال اس بہشت کا جس کا وعدہ کیا گیا ہے اہل تقویٰ سے یہ ہے کہ اس میں نہریں ہیں پانی کی جو بو نہیں کرے گا اور نہریں ہیں دودھ کی جس کا مزہ نہیں بدلا اور نہریں ہیں شراب کی جس میں مزہ ہے پینے والوں کو اور نہریں ہیں شہد کی جھاگ اترا (صاف و شفاف) اور ان کے لیے وہاں سب طرح کے میوے ہیں اور معافی ہے ان کے رب کی طرف سے۔

اس کے بعد اسی سورہ محمد (ﷺ) کی آیت ہے۔

فهل عسيتم ان توليتم ان تفسدوا فى الارض وتقطعوا ارحامكم

پھر کیا تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو خرابی ڈالو ملک میں اور توڑو اپنے رشتے ناتے۔

اس آیت میں ان منافقین اور فاسقین کے اوصاف کی طرف بھی اشارہ ہے جو خلافت راشدہ کے مخالف ہوں گے یعنی ان کا کام ہو گا خدا کے ملک میں فساد بپا کرنا اور قطع رحم۔

اس سے مفہوم مخالف کے طور پر خلافت راشدہ کے اوصاف بھی معلوم ہو جائیں گے یعنی خلافت راشدہ ایسی حکومت ہو گی جو فساد فی الارض کے بجائے ملک میں اصلاحات نافذ کرے گی۔ ملک و ملت کی تعمیر۔ صلہ رحم اور ہر ایک چیز کو جانچ تول کر اس کی جگہ پر قائم کرنا خلافت راشدہ کے اوصاف ہوں گے۔

اس سلسلے میں چند روایتیں بھی درج کی جاتی ہیں۔ ان میں اگرچہ حضرات صحابہ یا حضرات خلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فضائل نہیں بیان کیے گئے مگر حضرات خلفاء رضی اللہ عنہم کا ان میں تذکرہ اس طرح ہے جس سے لا محالہ ان کا علمی اور عملی کمال ثابت ہوتا ہے یہی اس باب کا مقصد ہے۔

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ لا الہ الا اللہ اور استغفار جہاں تک کثرت سے ممکن ہو پڑھتے رہو۔ کیونکہ ابلیس کہا کرتا ہے کہ میں نے گناہ کرا کر لوگوں کو ہلاک اور تباہ کر دیا اور انسانوں نے لا الہ الا اللہ پڑھ کر مجھ کو برباد کر دیا جب میں نے یہ دیکھا تو میں نے (مذہبی رنگ کی) خواہشات پیدا کر کے ان کو برباد کرنا شروع کر دیا۔ اب وہ کفر و شرک میں مبتلا ہیں اور سمجھتے یہ ہیں کہ ہدایت یافتہ ہیں (یہ بدعات کی شان ہے کہ انسان اپنے رجحانات اور خواہشات کو مذہب کی رنگت دے دیتا ہے اور غیر دین کو دین سمجھ کر گمراہ ہو جاتا ہے)

(۲) حضرت یحییٰ بن طلحہ بن عبداللہ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ کو غمگین دیکھا۔ فرمایا۔ کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ایک مرتبہ سرکار دو عالم ﷺ ارشاد فرما رہے تھے کہ مجھے ایک ایسا کلمہ معلوم ہے

کہ اگر مرنے کے وقت انسان اس کو کہہ لے تو خدا اس کے کرب کو لا محالہ دور کر دے گا اور اس کے رنگ کو روشن کر دے گا۔ اور اس کے سامنے وہ چیزیں آئیں گی جو اس کو مسرور کریں گی مجھے افسوس ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت تک مجھے ایسا موقع نہ مل سکا کہ میں وہ کلمہ دریافت کر سکتا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے وہ کلمہ معلوم ہے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا بظاہر آپ کو کوئی ایسا کلمہ معلوم نہ ہو گا جو اس کلمہ سے زیادہ عظیم المرتبہ ہو جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا (ابو طالب) کو ان کی وفات کے وقت فرمائش کی تھی۔ یعنی لا الہ الا اللّٰہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ واللہ یہی کلمہ ہے۔

(۳) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ۔ جو شخص وفات کے وقت لا الہ الا اللہ کا عقیدہ رکھتا ہو' وہ جنت میں داخل ہو گا۔

(۴) حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے ایک چیخنے والے کی آواز سنی۔ آپ نے اپنے غلام "یرفا" سے فرمایا۔ دیکھو کیسی آواز ہے۔ یرفا دیکھنے گئے اور پھر واپس آ کر بیان کیا کہ قریش کی ایک لڑکی کی ماں فروخت کی جا رہی ہے۔ وہ لڑکی رو رہی ہے (یعنی کسی قریشی نے زر خرید باندی کو ام ولد بنا رکھا تھا جس سے لڑکی پیدا ہو گئی۔ اب وہ اس باندی کو بیچ رہا ہے تو اس کی لڑکی جو قریشی شخص کی صلب سے ہے' رو رہی ہے) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فوراً" حضرات مہاجرین اور انصار کا اجلاس طلب کر لیا۔ چنانچہ تھوڑی دیر میں مہاجرین اور انصار جمع ہو گئے یہاں تک کہ حجرہ اور مکان سب بھر گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔

امابعد۔ کیا آپ حضرات کے علم میں ہے کہ جو تعلیمات رسول اللہ ﷺ نے پیش فرمائیں کیا ان میں قطع رحم کی تعلیم بھی ہے (کیا آنحضرت ﷺ نے تعلقات قرابت کو توڑنے اور رشتہ داروں سے بدسلوکی کی تعلیم دی ہے) صحابہ کرام نے عرض کیا۔ ہرگز نہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا (مگر) آپ لوگوں میں یہ گناہ پھیلنے لگا ہے (حالانکہ شرعاً" حرام ہے) اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت کی۔

کیا تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو خرابی ڈالو ملک میں اور توڑو اپنے رشتے ناتے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اس سے بڑھ کر قطع رحم کیا ہو سکتا ہے کہ ایک عورت جو تمہارے یہاں ہے اس کی ماں فروخت کی جا رہی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کو وسعت اور استطاعت دے دی ہے۔

حضرات حاضرین نے عرض کیا۔ آپ جو مناسب سمجھیں حکم فرما دیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

نے تمام صوبجات کو ہدایت بھیج دی کہ کسی آزاد شخص کی ماں فروخت نہ کی جائے کیونکہ یہ قطع رحم ہے اور یہ جائز نہیں (چنانچہ یہی فتوی ہے کہ اگر کوئی آزاد شخص کوئی باندی خرید کر اس سے ایسا تعلق قائم کر لے جس سے اس کے بچہ پیدا ہو جائے تو بچہ آزاد ہو گا اور اس کی ماں (جس کو ام ولد کہا جاتا ہے) کی بیع ناجائز ہو گی۔ وہ اس کو بیوی کی طرح رکھے گا)

(۵) حضرت عروہ رضی اللہ عنہ۔ ایک روز ایسا ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ۔ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا پس کیا قرآن پاک کو غور سے نہیں پڑھتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑ گئے ہیں) یمن کا ایک نوجوان مجلس میں حاضر تھا۔ اس نے برجستہ کہا۔ بات یہی ہے ان کے دلوں پر تالے پڑ گئے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ ہی یہ کر سکتا ہے کہ ان کو کھول دے یا ان کے دلوں میں ایسی کشادگی پیدا کر دے کہ تالے بیکار ہو جائیں۔ آنحضرت ﷺ کو اس نوجوان کی بات پسند آئی۔ فرمایا۔ بیشک ٹھیک کہتے ہو۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے۔ اس نوجوان کی شائستہ گفتگو نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دل میں جگہ کر لی۔ یہاں تک کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو آپ نے اس نوجوان کو تلاش کرایا۔ اور اس کو عامل بنا دیا (کوئی خدمت سپرد کر دی) یہ روایت حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ مگر حضرت سہل بن سعد فرماتے ہیں کہ اس کو عامل نہیں بنایا گیا کیونکہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو تلاش کرایا تو معلوم ہوا کہ اس کی وفات ہو گئی ہے (ازالۃ الخفاء ص ۲۳۵)

ایثار

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَہُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰہِ وَ اللّٰہُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ

(سورہ بقرہ ع ۲۵ ج ۲ ع ۹)

اور کوئی ہے کہ بیچتا ہے اپنی جان۔ تلاش کرتا ہے خوشنودی اللہ تعالیٰ کی اور اللہ شفقت رکھتا ہے بندوں پر۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ دو متضاد اور مختلف جماعتوں کا ذکر فرما رہے ہیں ایک کی ستائش فرما رہے ہیں اور دوسری کی مذمت۔ تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی رضا جوئی میں وہ اپنی جانوں کا سودا کر چکے ہیں وہ اللہ کے ہاتھ بکے ہوئے ہیں۔ جب دین و ملت کا مطالبہ ہوتا ہے وہ سرکف میدان میں نکل آتے ہیں۔ پس و پیش کا کوئی خدشہ زنجیر پا نہیں بنتا۔

دوسرے لوگ وہ ہیں جو آپ کے سامنے بڑے لمبے لمبے دعوے اور چکنی چوپڑی باتیں کرتے ہیں معلوم ہوتا ہے وہی مرد میدان ہیں۔ وہ قسمیں کھا کھا کر اور اللہ کو گواہ بنا کر اپنے دعوؤں میں قوت پیدا کرنا چاہتے ہیں مگر حالت یہ ہے کہ (۱) عمل کے نام پر صفر (۲) دل میں کینہ بھرا ہوا (۳) باتیں سلجھی ہوئی مگر طبیعت حد درجہ جھگڑالو (پس پردہ فتنہ پرور اور فساد انگیز (۴) زبان پر نعرہ امن اور عملی سرگرمی سراسر

تخریب۔

ارشاد ربانی کے الفاظ یہ ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ (سورہ بقرہ ع ۲۵ ج ۲ ع ۹)

اور کوئی ہے کہ اچھی لگے تم کو اس کی بات دنیا کی زندگی میں وہ شاہد بناتا ہے اللہ کو اپنے دل کی بات پر کہ خدا شاہد ہے جو کہہ رہا ہوں سچ ہے۔ میرے دل میں کوئی برائی نہیں) حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے۔ اور اگر اس کو حکومت مل جائے تو اس کی دوڑ اس لیے ہو کہ ملک میں فساد پھیلے اور وہ کھیتی' زراعت اور مویشی کو برباد کر ڈالے اور اللہ فساد پسند نہیں کرتا۔

جانی ایثار (ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَةَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (سورہ بقرہ ع ۲۷ ج ۲)

یہ آیت مہاجرین اور مجاہدین کی فضیلت میں نص صریح ہے)

جو لوگ ایمان لائے۔ جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں یہ لوگ امیدوار ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مہربانی کے۔ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "فضائل اعمال جن سے بارگاہ رب العزت میں تقرب حاصل ہوتا ہے دو قسم کے ہیں ۔ کچھ اعمال تو وہ ہیں جن کو تمام مذہبوں نے مساوی طور پر "کار خیر" اور باعث اجرو ثواب قرار دیا ہے اور ہر زمانہ میں انسان ان کے ذریعہ سے تقرب الی اللہ کی سعادت حاصل کرتے رہے ہیں۔ ایسے اعمال کو بر حقیقی (اصل نیکی) کہنا چاہیے۔ بر حقیقی کی تفسیر قرآن حکیم میں اس طرح کی گئی ہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۔ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ

الْبَأْس (سورہ بقرہ ع ۲۲)

نیکی یہی نہیں ہے کہ منہ کرو اپنا مشرق کی طرف یا مغرب کی طرف۔ البتہ نیکی وہ ہے کہ ایمان لائے اللہ پر پچھلے دن پر۔ فرشتوں پر کتاب پر اور نبیوں پر۔ اور ایسی حالت میں کہ اس کو مال محبوب ہو (اس کو ضرورتیں در پیش ہوں) وہ رشتہ داروں کو، یتیموں اور مسکینوں کو مسافروں کو اور مانگنے والوں کو دیتا رہے اور خرچ کرے گردنیں چھڑانے میں اور قائم رکھے نماز اور ادا کرے زکوۃ اور جو پورا کرنے والے ہیں اپنے اقرار کو (اپنے قول کو) جب وہ قول کر لیں اور صبر کرنے والے (جمنے والے) سختی میں اور تکلیف میں اور لڑائی میں (خطرہ کے وقت)

فضائل اعمال کی دوسری قسم یہ ہے کہ ہر مذہب اور ہر زمانہ میں وہ باعث اجر و ثواب نہیں رہتے بلکہ کسی مذہب میں وہ مدار فضیلت اور قرب خداوندی کا ذریعہ رہے ہیں اور کسی مذہب میں نہیں رہے ہیں۔ ہجرت اور جہاد اسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس قسم کے فضائل قرآن حکیم میں شرح اور تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں اور دنیا و آخرت کی سربلندیوں کو انہیں فضائل پر دائر کیا گیا ہے اس کے دلائل اس کثرت کے ساتھ موجود ہیں کہ ان کے بیان کی ضرورت نہیں ہے۔ قرآن حکیم ایسے دلائل سے بھرا ہوا ہے۔ (ازالتہ الخفاء فصل ہشتم تفسیر آیت مذکورہ الصدر ص ۱۶۰)

مالی ایثار

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِاللَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (سورہ بقرہ ع ۳۸ ج ۳ ع ۶)

وہ لوگ جو خرچ کرتے رہتے ہیں اپنے مال رات دن۔ پوشیدہ اور علانیہ۔ (۹۲) ان کے لیے ان کے رب کے یہاں اجر ہے اور ان پر کوئی خوف نہیں (مستقبل کے لحاظ سے) اور نہ غمگین ہوں گے (نہ اپنے پہلے کاموں پر پچھتائیں گے)

مذکورہ بالا تین آیتیں جو ایثار کے سلسلہ میں پیش کی گئی ہیں حضرت شاہ صاحبؒ جلد اول فصل ششم میں ان کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ حضرات خلفاء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رب العالمین جل شانہ کی رضا جوئی میں اپنی جانوں کا سودا کر لیا تھا۔

اپنی عزیز زندگیوں کو راہ خدا میں پیش کر دیا تھا۔ مثلاً" حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مکہ معظمہ میں کفار مکہ کے سامنے دعوت اسلام پیش کی جس کی پاداش میں ان کو مارا گیا پیٹا گیا اور بیشمار ایذائیں

پہونچائی گئیں۔ پھر باوجود یکہ کفار مکہ نے سید الانبیاء ﷺ کو شہید کرنے کے منصوبے باندھ رکھے تھے۔ مگر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے تمام خطرات سے بے نیاز ہو کر سید الانبیاء ﷺ کی ہمرکابی میں مدینہ منورہ تک سفر کیا۔ کفار نے آپ صاحبان کی تلاش میں گھوڑے دوڑا دیئے، گرفتار کر کے لانے والے کے لیے انعام مقرر کیا (وغیرہ وغیرہ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہجرت سے پہلے جیسے ہی توحید کا اعلان کیا ان کو مارا گیا پیٹا گیا اور طرح طرح سے ستایا گیا اور ہجرت کے موقع پر بھی آپ نے بے مثال جاں بازی اور سرفروشی کا ثبوت دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ ہجرت کے وقت رسول اللہ ﷺ کے بستر پر سوئے (تاکہ کفار بستر خالی دیکھ کر فوراً ہی تلاش نہ شروع کر دیں) حالانکہ صورت یہ تھی کہ اگر کفار حملہ کرتے تو آپ ہی اس کی زد میں تھے۔

حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ نے اپنے چچا اور اپنی برادری کی طرف سے بہت کچھ تکلیفیں برداشت کیں لیکن ایمان کا جو رشتہ قائم ہو چکا تھا وہ منقطع نہ ہوا۔ آپ نے دو مرتبہ ہجرت کی (ایک مرتبہ حبشہ کی طرف۔ دوسری مرتبہ۔ مدینہ طیبہ کو) اس کے بعد ان چاروں بزرگوں نے ہر ایک معرکہ میں آنحضرت ﷺ کے جھنڈے کے نیچے داد شجاعت دی۔ حالانکہ دوستوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی اور دشمنوں کی گنتی بہت زیادہ۔ لہٰذا یہ تمام حضرات ان آیات کے مصداق ہیں بلکہ ان آیات کے سر دفتر ہیں۔

ایک سوال اور اس کا جواب

ممکن ہے کوئی متعصب اعتراض کرے کہ ان آیات کے الفاظ عام ہیں ضروری نہیں کہ یہی حضرات ان کے مصداق ہوں ممکن ہے ان آیات کے مصداق دوسرے حضرات ہوں لیکن اس کا جواب بہت واضح ہے۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ الفاظ عام ہوتے مگر مراد خاص افراد ہوا کرتے ہیں۔ لیکن وہ مخصوص حضرات جن میں وہ اوصاف سب سے زیادہ نمایاں ہوں اور اپنے کارناموں میں سب سے زیادہ پیش قدم اور سب سے زیادہ مشہور ہوں۔ اس عام کے مصداق میں سب سے پہلے آئیں گے اور مخاطب کی توجہ سب سے پہلے انہیں مخصوص اور ممتاز افراد کی طرف منعطف ہو گی۔ ایسے حضرات کو ان عام الفاظ کے مصداق سے کسی وقت بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکے گا اور جو نظرانداز کرنا چاہے گا وہ اپنی جہالت، انداز کلام سے ناواقفیت اور اپنی کوتاہ بینی اور نادانی کا ثبوت دے گا۔ سُبْحَانَکَ ھٰذَا بُھْتَانٌ عَظِیْمٌ۔ ممکن ہے کوئی متعصب یہ بھی کہہ بیٹھے کہ یہ فضائل و مناقب پہلے ان حضرات کے لیے ضرور تھے مگر بعد میں کسی گناہ کے باعث ختم ہو گئے۔ تو جواب یہ ہے کہ یہ پہلے سے بھی زیادہ نادانی اور جہالت ہے اور قرآن عظیم پر معاذ اللہ بہت بڑا

طعن ہے کیونکہ یہ آیتیں اس وقت سے جب سے کہ اسلام کا نشوونما ہوا آج تک محفوظ ہیں۔ نمازوں میں پڑھی جاتی ہیں۔ تمام علمی مجلسوں' تدریسی حلقوں میں ان کی تلاوت ہوتی ہے اور قیامت تک (انشاء اللہ) یہ آیتیں اسی طرف پڑھی جائیں گی۔

اب اگر ان آیتوں سے وہ افراد مراد نہیں جن کی طرف ذہن سب سے پہلے منتقل ہوتا ہے تو گویا یہ آیتیں اپنے مصداق کے لحاظ سے معاذ اللہ فریب نظر اور شاعرانہ سخن سنجیاں ہیں۔ اور بات یہیں تک نہیں رہتی بلکہ کتاب اللہ پر الزام آتا ہے کہ اس نے ایسے الفاظ استعمال کیے جو سننے والوں کو دھوکے میں مبتلا کر دیں اور پھر یہ دھوکا وقتی اور عارضی نہیں بلکہ کہنا پڑے گا کہ کلام اللہ سینکڑوں سال سے تدلیس اور تلبیس کرتا چلا آ رہا ہے (معاذ اللہ) ظاہر ہے حضرت حق جل مجدہ' کی شان اس قسم کی تدلیس اور فریب دہی سے بہت منزہ اور بہت بلند ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما آیت کریمہ "امنوا کما امن الناس" (ایمان لاؤ جیسا کہ لوگ ایمان لائے) کی تفسیر میں فرمایا کرتے تھے کہ "الناس" سے مراد حضرت ابوبکر۔ عمر۔ عثمان۔ علی۔ رضی اللہ عنہم اجمعین ۔ ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت سند کے لحاظ سے ضعیف ہے۔ مگر اپنے مدلول اور مقصود کے لحاظ سے قوی ہے۔ مزید توضیح کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر آیہ اھدنا الصراط المستقیم

(ازالۃ الخفاء ص ۲۱)

صحابہ کرام ——— اور ——— ارشادات ربانی

اتحاد و تعاون اور باہمی اخلاص

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا - كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ - وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ - وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ

تَفَرَّقُوْا وَ اخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَ هُمُ الْبَيِّنَاتُ وَ اُولٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ- يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ- فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ تِلْكَ اٰيَاتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ- وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ (سورہ آل عمران رکوع ۱۱ ج ٤ ع ۲)

مسلمانو۔ ڈرتے رہو اللہ سے جیسا چاہیے ڈرنا۔ اور دیکھو! دنیا سے نہ جاؤ۔ مگر اس حالت میں کہ تم ایمان پر ثابت قدم رہو۔ اور دیکھو! سب مل جل کر اللہ کی رسی مضبوط پکڑ لو۔ اور پھوٹ نہ ڈالو۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو تم پر احسان فرمایا ہے اسے یاد رکھو۔ تمہاری حالت یہ تھی کہ آپس میں ایک دوسرے کے دشمن بنے ہوئے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے الفت ڈال دی تمہارے دلوں میں۔ پس اس کے فضل و کرم سے ایسا ہوا کہ تم بھائی بھائی بن گئے اور تم تھے آگ کے گڑھے کے کنارے پر (ذرا پیر پھسلتا یعنی موت آ جاتی تو دہکتے ہوئے جہنم میں پہونچ جاتے) پس اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس حالت سے نجات بخشی۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح کھولتا ہے تم پر (اپنی کار فرمائیوں کی نشانیاں تاکہ تم (منزل مقصود کی) راہ پا لو۔ اور ایسا ہونا چاہیے کہ تم میں ایک جماعت ہو جو خیر کی دعوت دیتی رہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتی رہے۔ ایسے ہی لوگ ہوں گے کامیاب۔ اور ان کی طرح مت ہو جانا جو الگ الگ ہو گئے اور اختلاف کرنے لگے۔ باوجود یہ کہ روشن دلیلیں ان کے سامنے آ چکی تھیں اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے ہے دردناک عذاب۔ جس روز کتنے ہی چہرے چمک اٹھیں گے اور کتنے ہی چہرے ہوں گے جو کالے پڑ جائیں گے۔ پس وہ لوگ جن کے منہ کالے ہوں گے (ان سے کہا جائے گا) تم نے ایمان کے بعد پھر انکار حق کی راہ اختیار کر لی تھی تو جیسی کچھ تمہاری منکرانہ چال تھی اسی کے بموجب) عذاب کا مزہ چکھو۔ اور جن لوگوں کے چہرے چمک رہے ہوں گے وہ اللہ کی رحمت (کے سائے) میں ہوں گے۔ وہ ہمیشہ رحمت خداوندی (کے سایہ میں) رہیں گے اور یہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں جو ہم تمہیں پوری سچائی کے ساتھ سنا رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ جہان والوں پر ظلم نہیں چاہتا اور یاد رکھو آسمان و زمین میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ کا ہے اور ساری باتیں بالآخر اسی کی طرف لوٹنے والی ہیں۔

ان آیات میں (۱) تقوے اسلام پر مضبوطی سے قائم رہنے۔ اتحاد و اتفاق کی خوبی۔ اختلاف و افتراق کی مذمت کی گئی ہے اس کے ساتھ ساتھ اس اختلاف کی مذمت کی گئی ہے جس میں عرب جاہلیت کے لوگ مبتلا تھے۔ جو ہدایت پا لینے کے بعد خیر امت ثابت ہوئے (۲) ان آیات میں اتحاد و اتفاق کی نعمت کو اللہ تعالیٰ کا انعام فرمایا گیا ہے (۳) یہ آیت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اتحاد پر ایک واضح نص ہے (۴) اتحاد و اتفاق کے بقاء کی صورت بھی بتا دی گئی ہے کہ ایک مرکزی جماعت ہو جس کا نصب العین ہو' احیاء علوم دین۔ جہاد' اقامت حدود' امربالمعروف اور نہی عن المنکر اور باقی لوگ اس کی ہدایت پر عمل پیرا ہوں۔

افادات

حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ آیتیں فصل ششم میں خلافت خاصہ کے تحت میں بیان فرمائی ہیں۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں خلافت خاصہ کی حقیقت بیان فرمائی ہے اور پھر ان فتنوں کی حقیقت پر روشنی ڈالی ہے جو خلافت خاصہ کے بعد پیش آنے والے تھے۔ حضرت حق جل مجدہ نے یہ بھی واضح فرما دیا کہ ایک حالت وہ ہو گی جس کو خداوندی خوشنودیوں کا شرف حاصل ہو گا اور دوسری حالت خداوند عالم کے نزدیک ناپسند اور مستحق غضب ہو گی۔

ان آیتوں میں سب سے پہلے تقوے کا حکم ہے اور یہ کہ تقوے و طہارت میں ثابت قدم رہو۔ اس کے بعد حکم ہے کہ اعتصام بحبل اللہ میں سب متحد رہو اور انتشار و افتراق نہ پیدا ہونے دو۔

ان احکام کے بعد یہ بھی اشارہ کر دیا کہ اجتماع اور اتفاق سے مقصود یہ ہے کہ وہ باتوں میں متحد و متفق رہو۔ اول یہ کہ فہم قرآن میں یعنی کتاب اللہ سے شرعی احکام کے سمجھنے اور اخذ کرنے میں اختلاف نہ ہونے دو کہ ایک شخص ایک بات کو۔ اپنا مذہب بنا لے اور دوسرا شخص دوسری بات کو اس مضمون کو واعتصموا بحبل اللہ میں مجمل طور پر بیان فرمایا ہے اور لا تکونوا کالذین تفرقوا۔ میں تفصیل کے ساتھ۔

پس اگر کسی آیت کے متعلق ذہنوں میں اختلاف پیدا ہو جائے تو "اجتماع کلمہ" اور اتحاد کا طریقہ یہ ہے کہ سب مل کر باہمی تبادلہ خیالات سے ایک رائے پر متفق ہو جائیں لیکن یہ بھی عادت اللہ ہے کہ رفع اختلاف اس وقت ہوتا ہے جب کوئی خلیفہ راشد موجود ہو جو رشد اور نیکی کے ساتھ مسلمہ عالم بھی ہو۔ جس کے علم و فضل کے آگے لوگوں کی گردنیں جھکی ہوئی ہوں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ کلمتہ اللہ کو سربلند کرنا ہر ایک کا مقصود ہو اور اس مقصد عظیم کے سامنے وہ تمام کینے اور عداوتیں جو زمانہ جاہلیت میں تھیں ذہنوں سے محو ہو گئی ہوں قرآن حکیم نے اس کو نعمتہ اللہ سے تعبیر کیا ہے اور دوسری آیت میں

اسی کا تذکرہ ہے۔

اس کے بعد ارشاد الٰہی یہ ہے کہ سنت اللہ اور عادت الٰہی کے بموجب اس اجتماع اور اتفاق کے باقی رکھنے کا راستہ یہ ہے کہ ایک مرکزی جماعت ایسی موجود رہے جس کا وظیفہ عمل ہو۔ (۱) علوم دین کی تبلیغ و اشاعت (2) جہاد فی سبیل اللہ (3) حدود (شرعی تعزیرات اور سزائیں) جاری کرنا(4) (امربالمعروف اور نہی عن المنکر (5) اور باقی مسلمان اس جماعت کی اتباع کریں اس طرح اسلام کا یہ فرض کفایہ خوبی سے ادا ہوتا رہے۔ لیکن عادت اللہ یہ بھی ہے کہ نظام اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک کسی ایسے شخص کی اتباع اور پیروی نہ ہو جس کی افضلیت اور برتری پر سب کا اتفاق ہو۔ اس کے بعد اس جماعت کی فضیلت اور اس کی مخالف جماعت کی قباحت اور مذمت بیان فرمائی ہے کہ قیامت کے روز ایک کے چہرے روشن ہوں گے اور دوسرے سیاہ رو ہوں گے۔ پھر یہ اشارہ فرما دیا گیا ہے کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلواۃ والسلام میں جو جماعت ان فرائض کی ادائیگی کے لیے قائم ہو گی وہ سابق امتوں کی جماعتوں سے افضل ہو گی کیونکہ امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہے کہ یہ فرائض جو ساری مخلوق کے لیے سراسر نفع ہیں امت محمدیہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ذریعہ ان کی اشاعت ہو۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس امت کو آگے بڑھایا جا رہا ہے۔ اور یہود و نصاریٰ جن کی افادیت صرف اپنے گروہ کے لیے مخصوص تھی اس کو پیچھے ہٹایا جا رہا ہے۔ انہیں آیات سے متصل دوسرے رکوع کی پہلی آیت ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ (سورہ آل عمران ع ۱۲ ج ۴ ع ۳)

تم بہتر گروہ ہو ایک ایسی امت کے جو انسانوں کے (نفع) کے لیے پیدا کی گئی اچھی باتوں کا (ایسی باتوں کا جن کی عمدگی اور بھلائی معروف ہے) حکم کرتے ہو۔ اور منع کرتے ہو منکر سے (ایسی باتوں سے جن کی قباحت یہاں تک عام ہو چکی ہے کہ ہر شخص انکار کی نظر سے ان کو دیکھتا ہے) اور ایمان لاتے رہو اللہ پر۔

اس آیت کے مخاطب صحابہ کرام ہیں۔ ان سے فرمایا جا رہا ہے کہ وہ امت محمدیہ جو نوع انسان کے فائدے اور نفع کے لیے پیدا کی گئی ہے تم اس امت میں سب سے بہتر ہو۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ اس کی توضیح و تفسیر کے بعد ارشاد فرماتے ہیں۔ خلافت خاصہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا دونوں باتوں کے لحاظ سے مسلمانوں کا اتفاق موجود ہو۔ ان کے مذاہب میں بھی اختلاف و افتراق نہ ہو۔ اور نفس کی درندگی اور بہیمیت کے سیلاب سے جو عداوتیں اور دشمنیاں سینوں میں بھر جاتی ہیں وہ بھی ناپید ہو گئی ہوں۔ یہ دور خیرالقرون ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دور کو خیرالقرون فرمایا ہے اس کے

بعد اس دور کو جو اس سے متصل ہو۔ پھر وہ دور جو اس دوسرے دور سے متصل ہو۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ دور فتنہ وہ ہوگا کہ مذہبوں میں اختلاف پیدا ہو جائے اور باہمی عداوت و مخالفت کی وجہ سے مسلمانوں کی الگ الگ جماعتیں ایک دوسرے کے مقابلہ میں محاذ قائم کریں (اس دور پرفتن کی تفصیل دوسرے موقع پر آئے گی۔ انشاء اللہ)

حضرت شاہ صاحبؒ اس آیت سے خلافت راشدہ پر استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اس آیت سے یہ ثابت ہوگیا کہ صحابہ کرام کی معظم و محترم جماعت "خیر امۃ اخرجت للناس" کی مصداق تھی۔ اور یہ بات تواتر سے ثابت ہو چکی ہے کہ اقامت دین۔ اور دین حق کی ترویج و اشاعت اور اس کو مظفرو منصور کرنے کے لیے اس جماعت نے ایک شخص کو اپنا رئیس اور امیر بنا لیا تھا۔ اور یہ ساری جماعت اعلاء کلمتہ اللہ کے لیے اس کی زیر قیادت مشین کے پرزوں کی طرح کام کرتی تھی۔ خلافت راشدہ اسی حقیقت کا نام ہے۔

یہ سوال ہو سکتا ہے کہ باطل پرست جماعت بھی کسی ایک لیڈر کے ماتحت متحد ہو سکتی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی جذبہ کی بنا پر ایک جماعت کسی ایسے شخص کو لیڈر تسلیم کرلے جو اس کا اہل نہ ہو لیکن اگر صحابہ کرام کے متعلق معاذ اللہ۔ یہ خیال کیا جائے تو قرآن حکیم کا ان کو خطاب کرتے ہوئے یہ فرمانا کہ تم خیر امت ہو' غلط ہو گا۔

ایک شق یہ بھی نکالی جا سکتی ہے کہ کچھ لوگوں نے غیر مستحق کو رئیس اور امیر قرار دے لیا تھا۔ دوسرے حضرات نے خاموشی اختیار کرلی۔ اس لیے ظاہری طور پر اجماع کی شکل نکل آئی۔ حضرت شاہؒ صاحب فرماتے ہیں کہ جس امت کو خیر امت کہا جا رہا ہو اس سے ناممکن ہے کہ وہ ایسے موقع پر سکوت اختیار کرلے۔ اب اگر امیر بنانے والی جماعت اس لیے "خیرامت" سے خارج ہوئی کہ اس نے غیر مستحق کو "امیر" بنالیا تھا تو یہ دوسری جماعت اس لیے خیر امت سے خارج ہو جائے گی کہ اس نے ایسے موقع پر سکوت اختیار کیا اور فریضہ "نہی عن المنکر" کی ادائیگی سے پہلو تہی کی (ص ۱۶۶ تفسیر آیت مذکورہ فصل ششم)

هُوَ الَّذِىْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ يٰٓاَيُّهَا النَّبِىُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (سورہ انفال ج ۱۰ ع ۸)

وہی ہے جس نے اپنی نصرت و مدد اور مسلمانوں کے تعاون کی تمہیں قوت بخشی اور ان کے دلوں میں الفت و محبت پیدا کی۔ اگر تو وہ سب کچھ خرچ کر ڈالتا جو روئے زمین میں ہے تب بھی ان کے دلوں کو باہمی الفت سے نہ جوڑ سکتا۔ یہ اللہ ہی ہے

جس نے ان میں باہمی الفت پیدا کر دی۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہے غالب حکمت والا۔ اے نبی اللہ تیرے لیے کافی ہے اور ان مسلمانوں کے لیے جو تیرے پیچھے چلنے والے ہیں۔

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُتَقَابِلِيْنَ (سورہ حجر ع ٤ ج ١٤)

ان کے دلوں میں جو کچھ خفگی تھی ہم نے سب نکال دی وہ بھائیوں کی طرح ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔

افادات

(۱) حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ راوی ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ علیہ نے فرمایا واللہ یہ آیت ہمارے ان ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو جنگ بدر میں شریک تھے۔

(۲) کثیر النواء۔ میں نے ابو جعفر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ "فلاں شخص" حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے روایت کرتا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر حضرت عمر اور حضرت علی (رضی اللہ عنہم) کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

حضرت ابو جعفر۔ واللہ یہ آیت انہیں حضرات کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اور ان کے سوا اور کون ہے جس کے بارے میں ایسی آیت نازل ہو۔

کثیر النواء۔ وہ کون سا غل (کینہ) ہے۔ جس کے متعلق آیت ظاہر کر رہی ہے کہ ان کے سینوں سے نکل دیا گیا۔

حضرت ابو جعفر۔ وہ کینہ اور بغض جو زمانہ جاہلیت میں تھا۔

دور جاہلیت میں بنو تیم۔ بنو عدی اور بنی ہاشم کے درمیان بہت سخت عداوت تھی لیکن جب ان قبیلوں کے آدمی مشرف بہ اسلام ہوئے تو آپس میں ایک دوسرے کے محبوب دوست بن گئے۔

چنانچہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ علیہ کی پسلی میں درد ہو گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنا ہاتھ گرم کرتے تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی پسلی کو سینک رہے تھے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ (۹۳)

(۳) مختلف سندوں سے یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سے فرمایا کہ۔

"میں توقع رکھتا ہوں کہ میں اور تمہارے والد ماجد ان لوگوں میں سے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

کا سہارا کافی ہے۔ اور جس کا سہارا اللہ ہو تو کیا ہی اچھا ہے اس کا سہارا اور کیسا اچھا ہے وہ کار ساز۔ پھر یہ ہوا کہ یہ لوگ بے خطر راہ خدا میں نکلے اور اللہ کے فضل و کرم سے شاد کام واپس آئے اور کوئی گزند انہیں چھو نہ سکا۔ اور یہ اللہ کی خوشنودیوں میں گامزن ہوئے۔ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل تھا) اور اللہ تعالیٰ بڑا فضل رکھنے والا ہے۔ اور یہ (جو دشمنوں کا بھیجا ہوا مخبر تمہیں خوف زدہ کرنا چاہتا تھا) تو اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ یہ شیطان تھا جو تمہیں اپنے ساتھیوں سے ڈرانا چاہتا تھا۔ اگر تم ایمان رکھنے والے ہو تو شیطان کے ساتھیوں سے نہ ڈرو۔ مجھ سے ڈرو۔

اس آیت میں دو فضیلتیں ایسی ہیں کہ ان پر جتنا ناز بھی کیا جائے کم ہے۔

(۱) اللہ کی نعمت اور اس کا فضل لے کر واپس ہوئے (۲) رضاء الٰہی اور خوشنودی خداوندی کی اتباع اور پابندی کی۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ اکثر مفسرین کا رجحان یہی ہے کہ یہ آیت "بدر صغری" (۹۶) کے موقع پر نازل ہوئی۔ "بدر صغری" کے موقع پر حضرات خلفاء راشدین حاضر اور پوری ذمہ داریوں کے ساتھ شریک جہاد تھے۔ لہٰذا یہ آیت اور صحابہ کی طرح حضرات "خلفاء راشدین" کے فضل و شرف کی بھی شہادت دے رہی ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

قیام لیل

اِنَّ رَبَّکَ یَعْلَمُ اَنَّکَ تَقُوْمُ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثَیِ الَّیْلِ وَنِصْفَهٗ وَ ثُلُثَهٗ وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَکَ (سورہ مزمل ع ۲)

تیرا رب جانتا ہے کہ تو اٹھتا ہے۔ قریب دو تہائی رات کے اور آدھی رات اور تہائی رات اور جماعت ان کی جو آپ کے ساتھ ہیں (وہ بھی اسی طرح اٹھتی ہے اور عبادت کرتی ہے)

اَلَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اِنَّنَا اٰمَنَّا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ – شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ (ع ۲ سورہ آل عمران ج ۳ ع ۱)

وہ لوگ جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! بیشک ہم ایمان لے آئے۔ پس بخش دے

ہمارے گناہ اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے۔ شدت و مصیبت میں صبر کرنے والے (بقول حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ، محنت اٹھانے والے)۔ (قول و عمل میں) سچے۔ بندگی میں لگے رہنے والے نیکی کی راہ میں خرچ کرنے والے (شب بھر عبادت کے بعد بھی اپنی کوتاہی کا اعتراف کرتے ہوئے) رات کی آخری گھڑیوں میں اس کی مغفرت طلب گار۔ اللہ تعالیٰ شاہد ہے کہ نہیں کوئی معبود مگر اس کی ذات عدل و توازن کے ساتھ تمام کارخانہ ہستی میں تدبیر و انتظام کرنے والی اور فرشتے بھی اسی کی شہادت دیتے ہیں اور وہ لوگ بھی جو علم رکھنے والے ہیں ہاں نہیں کوئی معبود مگر وہی ایک جو طاقت و غلبہ والا اور حکمت والا ہے۔

تفکر فی اللہ، حکمت بصیرت ذکر خدا، خوف و رجا ہجرت۔ جہاد بارگاہ رب العزت سے وعدہ مغفرت

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ رَبَّنَا اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَهٗ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ - فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ- رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ- اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ- فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ (سورہ آل عمران ع ۲۰ ح ٤)

بیشک زمین و آسمان کے بنانے میں اور رات و دن کے بدلتے رہنے میں بڑی نشانیاں ہیں ارباب دانش کے لیے جو اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں کھڑے بیٹھے اور جب وہ اپنے پہلوؤں پر (کروٹ) پر لیٹے ہوئے ہں جو دھیان کرتے رہتے ہیں آسمان و زمین کی

پیدائش میں اس عجیب و غریب کارخانہ ہستی پر غور کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ پکار اٹھتے ہیں کہ خدایا یہ سب کچھ تو نے پیدا کیا ہے تو نے بلاشبہ بیکار و عبث نہیں پیدا کیا۔ بلاشبہ تیری ذات اس سے پاک اور بلند و بالا ہے کہ اتنا بڑا کارخانہ بیکار پیدا کر دے اور اس کا کوئی مقصد نہ ہو۔ پس اے خدا بچا ہم کو عذاب دوزخ سے (کہ ہم بے مقصد زندگی گذار کر دوزخ کا ایندھن بنیں) اے ہمارے رب جس کو تو دوزخ میں جھونک دے۔ بیشک تو نے اس کو رسوا کر دیا۔ بڑی ہی ذلت و خواری میں ڈالدیا۔ اور نہیں ہو گا (اس روز) ظلم کرنے والوں کا کوئی مددگار خدایا ہم نے ایک ندا دینے والے کی ندا سنی۔ وہ پکار رہا تھا۔ ایمان کی طرف اور کہہ رہا تھا۔ لوگو! اپنے رب پر ایمان لے آؤ تو ہم نے اس کی پکار سن لی اور ایمان لے آئے۔ پس خدایا۔ ہمارے گناہ بخش دے۔ ہماری برائیاں مٹا دے اور (اپنے فضل و کرم سے ایسا کر) کہ ہماری موت نیک اور اچھے آدمیوں کے ساتھ آئے۔ اے ہمارے رب۔ ہمیں وہ سب کچھ عطا فرما جس کا تو نے اپنے رسولوں کی زبانی وعدہ فرمایا ہے اور (اپنے لطف و کرم سے ایسا کر) کہ ہمیں قیامت کے روز ذلت و رسوائی نصیب نہ ہو۔ بلاشبہ تو ہی ہے کہ کبھی اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا (جب ارباب دانش کے فکر و عمل کی صدائیں یہ تھیں) تو ان کے پروردگار نے بھی ان کی دعائیں قبول فرمالیں (اللہ تعالیٰ نے فرمایا) بلاشبہ میں کبھی کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا۔ مرد ہو خواہ عورت۔ تم سب ایک دوسرے کی جنس ہو (اور بلاشبہ نتائج عمل کا قانون سب کے لیے یکساں ہے) پس (دیکھو) جنھوں نے راہ حق میں ہجرت کی اپنے گھروں سے نکالے گئے۔ میری راہ میں ستائے گئے۔ پھر (راہ حق میں) لڑے اور قتل ہوئے تو یقینی بات ہے کہ میں ان کی خطائیں محو کر دوں انہیں ابدی نعمتوں کے باغوں میں پہونچا دوں جن کے نیچے نہریں بھری ہوں یہ اللہ کی طرف سے ان کے اعمال کا ثواب ہو گا اور اللہ ہی ہے جس کے پاس بہتر ثواب ہے۔

مندرجہ بالا آیات شہادت دے رہی ہیں کہ۔

(۱) یہ حضرات کائنات اور انقلاب کائنات میں اسی نظر سے غور و خوض کرتے ہیں جو ایک خدا پرست کے شایان شان ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ علم و عرفان بصیرت اور فراست کے ساتھ یہ بول اٹھتے ہیں کہ یہ عظیم الشان نظام کائنات بے کار و بے سود نہیں ہے۔

(۲) کھڑے بیٹھے۔ چلتے پھرتے۔ غرض ہر حالت میں "ذکر اللہ" انکا شیوہ ہے۔

(۳) عذاب الٰہی سے خوف اور رحمت خداوندی کی امید ان کی شان ہے۔

(۴) ان اوصاف کا حامل وہی ہو سکتا ہے جس کا نفس پاک و صاف اور جس کا دماغ حکمت و دانش سے روشن ہو چکا ہو۔ یعنی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا مظہراور مصداق ہو۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

یہ آیتیں مہاجرین اولین کی فضیلت میں نازل ہوئی ہیں۔ بیشک ان آیات کے عنوان میں مہاجرین کا نام نہیں ہے۔ مگر جب آخر میں یہ ارشاد ہے۔ انی لا اضیع عمل عامل منکم (تا) فالذین هاجروا واخرجوا۔ (یعنی) میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کروں گا ——— لہٰذا جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے وطنوں سے نکال دیئے گئے۔ الخ) تو یہ ارشاد گرامی لازمی طور پر مہاجرین اولین ہی کو مصداق آیت کے لیے معین کر دیتا ہے۔ کیونکہ حضرات مہاجرین۔ اولین۔ اپنے وطنوں اور اپنے گھروں سے نکالے گئے۔ یہی وہ حضرات ہیں جن کو راہ خدا میں محض خدا واحد کی توحید کی خاطر ایذا اور تکلیفیں دی گئیں۔

ان حضرات نے غزوات میں حصہ لیا۔ کچھ شہید ہو گئے اور کچھ وہ تھے جو منتظر شہادت رہے۔ وہ تیار تھے کہ راہ خدا میں ان کے بدن کا جوڑ جوڑ جدا کر دیا جائے۔ ان کی بوٹیاں کاٹ دی جائیں۔ ان کی تمنا تھی کہ راہ مولا میں اپنی جانیں نچھاور کریں۔ محض اتفاق تھا کہ جنگ کے میدانوں سے صحیح سالم واپس ہوتے رہے۔

فمنهم من قضى نحبه ومنهم من ينتظر

یہی وہ پیکر اخلاص تھے جن کی دعائیں جذبات قلبی کا نغمہ دل سوز ہوا کرتی تھیں۔ اگر بالفرض ان بزرگوں سے کوئی گناہ ہو بھی گیا تو وہ معاف ہو گا کیونکہ یہ وہ پاکبازان اخلاص کیش ہیں جن کو دنیا ہی میں جنت اور مغفرت کی بشارت دے دی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں حضرات کے متعلق ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اہل بدر پر خاص عنایت فرمائی۔ فرما دیا۔ جو چاہو کرو۔ میں تمہیں بخش چکا۔ ان بزرگوں کا مال اور انجام دخول جنت ہے کس قدر عظیم الشان بشارت ہے۔ ازالۃ الخفاء ص ( ) ج ا

افادات

آیت کریمہ میں اولو الالباب۔ یعنی دانشمندوں کی تعریف کرتے ہوئے تفکر فی خلق السموات والارض (یعنی آسمان و زمین کی پیدائش میں غور و خوض کو بھی) ایک نمایاں درجہ دیا گیا ہے لیکن اگلے جملہ یعنی ماخلقت هذا باطلا (تو نے اس کو بے کار نہیں پیدا کیا۔ تا آخر) سے یہ اشارہ بھی کر دیا گیا ہے کہ اس نظر و فکر اور اس غور و خوض کا منشا اور مقصد صرف مادیات تک محدود نہ رہنا چاہیے بلکہ مادیات کی

الجھن سے آگے بڑھ کر وہ ذات منشاء اور مقصد ہونی چاہیے جس نے اس تمام سلسلہ کائنات کو پیدا کیا۔ کائنات کے اس وسیع نظام میں انسان کیا ہے؟ کیوں ہے؟ اس کا مستقبل کیا ہو گا؟ ان سب پر نظر ڈالنی چاہیے۔ اگر یہ تفکر اور یہ غور و خوض اس کے لیے ہوتا ہے تو صحیح اور درست ہے اور اگر محض فلسفیانہ موشگافیاں اس تفکر اور غور و خوض کا مقصد ہوں تو وہ سراسر عبث ہیں آخرت کے لحاظ سے بے سود بلکہ وبال عظیم۔ اسی مقصد کو واضح کرنے کے لیے حضرت شاہ صاحبؒ نے اس آیت کے تحت میں حضرات خلفاء راشدین کے حوالہ سے متعدد احادیث اور آثار پیش کیے ہیں۔ سب سے پہلے "اولوالالباب" یعنی اہل دانش کی تفسیر کے لیے مندرجہ ذیل حدیث نقل کی ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ)۔ جو شخص سورہ بقرہ سورہ نساء اور سورہ آل عمران پڑھ لے وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں دانشمندوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ نظر و فکر اور غور و خوض کی حقیقت واضح کرنے کے لیے حضرت شاہ صاحبؒ نے صبیغ سے متعلق چند حدیثیں پیش کی ہیں۔

(۱) حضرت سلیمان بن یسار رضی اللہ عنہ۔ ایک شخص مدینہ میں آیا۔ صبیغ اس کا نام تھا۔ وہ متشابہات قرآنیہ کے متعلق بحث کرنے لگا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کو بلا بھیجا۔ کھجور کی قمچیاں پہلے سے تیار کر کے رکھ لیں۔ جب صبیغ حاضر ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا۔ تم کون ہو۔ میں ایک بندہ خدا ہوں۔ میرا نام صبیغ ہے۔ (صبیغ نے جواب دیا) حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ میں بھی خدا کا بندہ ہوں۔ میرا نام عمر ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک قمچی لی اور اس کے سر پر ماری۔ صبیغ کے سر سے خون نکل آیا۔ فوراً ہوش آ گیا کہنے لگا۔ امیرالمومنین۔ بس کیجئے۔ جو کچھ سر میں تھا سب جاتا رہا۔ (دارمی)

(۲) حضرت عثمان نہدی۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے بصرہ والوں کے نام فرمان بھیجا۔ کہ صبیغ کے ساتھ مت بیٹھا کرو۔ حضرت عثمان نہدی فرماتے ہیں کہ اس فرمان کا یہ اثر تھا کہ اگر ہم کسی جگہ سو (۱۰۰) ہوتے تھے اور صبیغ وہاں پہونچ جاتا تو سب منتشر ہو جاتے (اطاعت شعاری۔ ضبط و نظم اور سوشل بائیکاٹ کی عجیب و غریب مثال ہے۔ محمد میاں)

(۳) محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو تحریر فرمایا "صبیغ کے پاس نہ بیٹھا جائے۔ اس کا وظیفہ اور اس کا روزینہ بند کر دیا جائے"

(۴) حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ اہل کلام کے بارے میں میرا وہی فیصلہ ہے جو حضرت عمر فاروق اللہ عنہ نے صبیغ کے بارے میں فرمایا تھا۔ کہ ان کو قمچیوں سے پیٹا جائے۔ اونٹ پر ان کو سوار کرا کر قبائل میں ان کی تشہیر کرائی جائے اور یہ اعلان کیا جائے کہ یہ سزا ہے اس کی جو کتاب و سنت کو چھوڑ کر علم کلام میں منہمک ہو گیا ہو۔

(۵) عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے عنقریب وہ لوگ ہوں جو قرآن کریم کے متشابہات کو لے کر تم سے بحث کیا کریں گے۔ تم احادیث کا دامن سنبھالے رکھنا۔ کیونکہ جو حدیث کے ماہر ہوتے ہیں وہی کتاب اللہ سے صحیح واقفیت رکھتے ہیں (دارمی)

(۶) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔ ہم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے یہاں تھے۔ ایک شخص آیا اور دریافت کرنے لگا۔ قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا کپڑا پکڑا اور کھینچتے ہوئے' اس کو حضرت علی کے پاس پہونچے۔ اور فرمایا۔ یا اباحسن" آپ سن رہے ہیں یہ کیا کہتا ہے یہ مجھ سے دریافت کرتا ہے کہ قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ یہ خطرناک کلمہ ہے اس کا نتیجہ بہت خطرناک ہو سکتا ہے۔ اگر مجھے وہ اختیار ہوتا جو آپ کو حاصل ہے تو میں اس کی گردن اڑا دیتا۔

(۷) حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ۔ آیت کریمہ ۔ قل اانبئکم بخیر من ذلکم (آپ یہ فرمایئے کہ کیا میں آپ لوگوں کو وہ چیز بتاؤں جو اس سے بہتر) کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق۔ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ خداوند۔ آپ نے ہمارے سامنے دنیا کو مزین کر دیا ہے اور یہ بھی بتا دیا ہے۔ کہ مابعد دنیا۔ دنیا سے بہتر ہے۔ پس ہمارا حصہ اسی میں لگا دے جو بہتر ہے اور جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔

(۸) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ اگر لوگ حج چھوڑ دیں تو میں ان سے ایسی ہی جنگ کروں جیسے نماز یا زکوۃ چھوڑ دینے پر کر سکتا ہوں۔

(۹) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ آیت کریمہ۔

وَلْتَكُنْ مِنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

میں ایک لفظ کا اضافہ کر کے اس طرح فرمایا کرتے تھے۔

ویستغیثو ن علی ما اصابھم و اولئک ھم المفلحو ن

یعنی یستغیثون علی ما اصابھم۔ کا اضافہ کر دیا کرتے تھے۔

(ترجمہ) تمہارے اندر ایک جماعت ہونی چاہیے جس کے افراد خیر کی دعوت دیتے رہیں۔ معروف کا حکم کرتے رہیں۔ منکر سے منع کرتے رہیں جو حوادث سامنے آئیں ان میں داد رسی کرتے رہیں۔ یہی لوگ کامیاب ہوں گے۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس لفظ کو آیت قرآن کا جز سمجھتے تھے۔ کیونکہ ملت اسلامیہ میں تواتر کے ساتھ یہ بات ثابت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جمع کردہ قرآن پاک میں یہ لفظ نہیں ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ مفہوم آیت کو سمجھانے کے لیے یہ لفظ بڑھا

دیا کرتے تھے جیسے مثلاً" کوئی مفسر واسئل القریۃ (گاؤں سے پوچھو) کا مفہوم بیان کرتے ہوئے کہدے واسئل اھل القریۃ (گاؤں والوں سے پوچھو)

بہرحال اس آیت کی تفسیر میں اس مفہوم کی توضیح یا اس لفظ کے اضافہ کرنے سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یہ واضح کرنا چاہتے تھے کہ خلیفہ راشد (یعنی وہ امت جو اس آیت کریمہ کا مصداق ہے اس کے امام اور زعیم) کا صرف یہی کام نہیں کہ قانون نافذ کرتا رہے۔ یا محض زبان سے اچھی باتوں کی فرمائش اور بری باتوں کی ممانعت کرتا رہے۔ بلکہ اس کی پوری توجہ اس طرف بھی رہتی ہے کہ جو مصائب اور جو بلائیں پیش آنے والی ہوں ان کے دفعیہ کے لیے بارگاہ رب العزت جل مجدہ میں گریہ و زاری کرتا رہے۔ مختصر یہ کہ خلافت راشدہ کا تکملہ یہ ہے کہ اس کی دعاؤں سے امت کی مصیبتیں ٹلیں اور بلائیں دور ہوں۔

(۱۰) آیۃ کریمہ۔ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس (ترجمہ) تم ایک ایسی امت کا بہترین گروہ ہو جو تمام انسانوں کے نفع کے لیے پیدا کی گئی۔ الخ۔ اس آیت کے متعلق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس آیت میں کنتم وارد ہوا ہے۔ کنتم کے بجائے انتم بھی آ سکتا تھا۔ مگر بجائے "انتم" کے "کنتم" لانے کا نکتہ یہ ہے کہ یہ اشارہ کر دیا گیا کہ ساری امت اور اس کا ہر گروہ اور ہر فرد و مراد نہیں ہے بلکہ خاص صحابہ کرام مراد ہیں یا وہ جو صحابہ کرام کے نقش قدم پر چلیں اور ان کی طرح عمل کریں۔ نیز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ یہ آیت پڑھی اور فرمایا۔ یہ اس امت کے پہلے لوگوں کے لیے ہے۔ پچھلے لوگوں کے لیے نہیں۔

(۱۱) حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ آیت تلاوت کی اور فرمایا۔ اے لوگو جس کو اس بات کی خوشی ہو کہ وہ اس کا مصداق بنے اس کا فرض ہے کہ اس کی شرط کو پورا کرے۔

(۱۲) حضرت عیاض اشعری رضی اللہ عنہ۔ میں جنگ یرموک میں حاضر تھا۔ ہمارے پانچ کمانڈر (امیر) تھے۔ ابو عبیدہ ☆ (یزید بن سفیان۔ ابن حسنتہ ☆ خالد بن الولید۔ ☆ عیاض۔ (ایک دوسرے بزرگ) رضی اللہ عنہم عیاض اشعری (راوی حدیث) بیان کرتے ہیں کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے ہدایت فرما دی تھی کہ جنگ کے وقت حضرت ابو عبیدہ امیر ہوں گے۔ میدان جنگ میں بہت نازک صورت پیدا ہو گئی اور ہمارے سامنے موت کا بازار گرم ہو گیا۔ ہم نے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ سے کمک کی درخواست کی۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا "تمہاری درخواست موصول ہوئی۔ آپ کمک چاہتے ہیں۔ میں تمہیں وہ کمک بتاتا ہوں جس کی امداد و اعانت بہت زیادہ قوی ہو گی اور ایک ایسے لشکر کا پتہ دیتا ہوں جو بہت مضبوط اور ناقابل تسخیر ہے' وہ "اللہ عزوجل" ہے۔ اس سے کمک کی درخواست کرو۔ اور یاد رکھو کہ سیدالکونین "محمد" صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کی گنتی جنگ بدر کے موقع پر تم سے بہت کم تھی۔ مگر اس ناکافی اور قلیل تعداد کو خداوندی

نصرت حاصل ہوئی۔ لہٰذا اب فیصلہ یہ ہے کہ جیسے ہی میرا خط تمہیں ملے۔ تم دفعتہ" ہلہ بول دو۔ اور میری امداد کا تصور بھی مت کرو۔ چنانچہ ہم نے حملہ کر دیا اور غنیم کو چار فرسخ (۱۲ میل) پیچھے دھکیل دیا۔ ( )
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو شخص استغفار کرتا رہتا ہے وہ اگر ایک دن میں ستر مرتبہ بھی توبہ توڑے تب بھی محروم نہ ہو گا۔ (ص ( ) ص ( ) فصل ششم)

استدلال

مذکورہ بالا آیتوں میں غور و خوض ۔ ہجرت و جہاد فی سبیل اللہ اور خدا کی طرف رجوع کرنے اور اس سے دعا مانگنے کا ذکر ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ روایتیں پیش فرما کر یہ ظاہر فرمایا کہ خلفاء راشدین ان آیات کے اشاروں پر کس طرح عمل پیرا تھے۔

مہاجرین و انصارؓ کے ایمان صادق کی تصدیق اور وعدہ مغفرت

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِکَ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ۔
وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُھَاجِرُوْا مَا لَکُمْ مِّنْ وَّلَایَتِھِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰی یُھَاجِرُوْا وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ فَعَلَیْکُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰی قَوْمٍ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَھُمْ مِّیْثَاقٌ۔ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ۔ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ اِلَّا تَفْعَلُوْہُ تَکُنْ فِتْنَۃٌ فِی الْاَرْضِ فتنۃ وَفَسَادٌ کَبِیْرٌ۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْ بَعْدُ وَھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا مَعَکُمْ فَاُولٰٓئِکَ مِنْکُمْ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُھُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ کِتٰبِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ۔

جو لوگ ایمان لائے۔ ہجرت کی۔ اور اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کیا اور جن لوگوں نے (مکہ کے مہاجرین کو مدینہ میں) جگہ دی تو یہی لوگ ہیں کہ ان میں ایک دوسرے کا رفیق و کارساز ہے اور جو لوگ ایسے ہیں کہ ایمان تو لائے (مگر) ہجرت نہیں کی تو تم کو ان کی رفاقت سے کچھ کام نہیں جب تک وہ اپنے وطن سے ہجرت کر کے

نہ آ جائیں (اور تمہارے رفیق نہ بن جائیں) ہاں اگر دین کے بارے میں تم سے مدد چاہیں تو بلاشبہ تم پر لازم ہے ان کی مدد کرنا الا یہ کہ کسی ایسی قوم کے مقابلہ میں مدد چاہی جائے جس سے تمہارا معاہدہ ہے (کہ اس صورت میں معاہدہ کے خلاف نہیں کر سکتے) اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں۔

اور جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی وہ بھی (راہ کفر میں) ایک دوسرے کے رفیق و مدد گار ہیں (مسلمانوں کے آپس کے تعاون اور رفاقت و امداد باہمی کا جو حکم دیا گیا ہے) اگر تم اس پر عمل نہ کرو گے تو ملک میں فتنہ پیدا ہو جائے گا اور بڑی ہی خرابی پھیلے گی (غرضکہ) جو ایمان لائے' ہجرت کی اور راہ خدا میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے (مہاجرین کو) پناہ دی اور مدد کی تو فی الحقیقت یہی ہیں سچے مومن۔ ان کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی اور جو لوگ بعد کو ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ ہو کر جہاد کیا۔ وہ بھی تم ہی میں داخل ہیں۔ اور (باقی رہے) قرابت دار تو وہ اللہ کے حکم میں ایک دوسرے کے میراث کے زیادہ حق دار ہیں (باہمی بھائی چارگی میں ان کے حقوق فراموش نہ ہوں گے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر بات کا علم رکھتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مہاجرین اولین کی دنیاوی و اخروی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ نیز ارشاد ہوا ہے کہ مہاجرین و انصار ایک دوسرے کے معاون ہیں اگر کوئی ایک کسی مشکل میں مبتلا ہو جائے تو دوسرے پر اس کی امداد لازم ہے لیکن ان مسلمانوں کے ساتھ جو اپنے وطن سے ہجرت کر کے ان مہاجرین و انصار کے شریک کار نہیں ہوئے ہیں' ان کے ساتھ تعاون اور تناصر کی یہ صورت لازم نہیں ہے۔ البتہ اگر ان غیر مہاجر مسلمانوں اور اہل حرب (۹۷) غیر مسلموں کے درمیان جنگ کے شعلے بھڑک اٹھیں تو بیشک ان غیر مہاجر مسلمانوں کی امداد بھی لازم ہے خواہ یہ جنگ کسی دنیاوی عداوت کے سبب سے ہی ہو۔ (۹۸) وجہ یہ ہے کہ غیر مسلم آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں اگر مسلمان ان مسلمانوں کی امداد نہ کریں گے تو غلبہ کفر لازم آئے گا جس کا نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ لوگ اسلام سے منحرف ہونے لگیں۔ اِلَّا تَفۡعَلُوۡہُ تَکُنۡ فِتۡنَۃٌ فِی الۡاَرۡضِ الخ کا مطلب یہی ہے۔ آیت کریمہ میں اولاً" مہاجرین اور انصار کی (رضوان اللہ علیہم اجمعین) ستائش اور ان کے راستبازانہ ایمان کی تصدیق و توثیق ہے۔ اس کے بعد متاخر مہاجرین کو بھی انہیں حضرات کے زمرہ میں منسلک فرمانے کا اعلان ہے۔ (رضوان اللہ علیہم اجمعین)

افادات

اس آیت شریف میں ان کو سچا مومن فرمایا گیا ہے جنہوں نے ہجرت کی' راہ خدا میں جہاد کیا اور بے پناہوں کو پناہ دی۔ جن کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا ان کو ٹھکانا دیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ خلافت خاصہ کے ضمن میں آیت کو پیش کرتے ہوئے یہ واضح فرما رہے ہیں کہ ان محامد کے سب سے زیادہ مستحق حضرات شیخین ہیں یعنی ابوبکر صدیق اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما۔ اس مضمون کی تائید میں جو احادیث پیش کی ہیں ان کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

(۱) حضرت عمرؓ۔ اگر حضرت ابوبکرؓ کے ایمان کا تمام اہل ارض کے ایمان سے موازنہ کیا جائے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا پلہ جھکا رہے گا۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ فقیر کہتا ہے کہ جنگ بدر کے روز حضرت شیخین رضی اللہ عنہما سے بہت سے ایسے کارنامے سرزد ہوئے جو منشاء الٰہی کے عین مطابق تھے اور ایک ایسی فراست اور دانشمندی کا ظہور ہوا جو گویا مستقبل کے نتائج کے لیے شفاف آئینہ تھی۔ مثلاً" موسیٰ بن عقبہ نے جنگ بدر کے واقعہ کو تفصیل سے بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

جب جنگ بدر کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی تو حضرت رسالت ماب علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا۔ اس جنگ کے متعلق ہمیں مشورہ دیجئے اور یہ بھی طے کیجئے کہ اگر جنگ ہوتی ہے تو غنیم کے محاذ تک پہونچنے کے لیے کونسا راستہ اختیار کرنا چاہیے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ مجھے مسافت کے متعلق پوری معلومات حاصل ہیں۔ حضرت عدی نے اطلاع دی ہے کہ قریش کا قافلہ فلاں فلاں راستہ پر تیزی سے جا رہا تھا۔ پس گویا ہمارے ساتھیوں میں اور قریش کے لشکروں میں دوڑ ہو رہی ہے کہ مقام بدر پر پہلے کون پہنچتا ہے۔ بہرحال "بدر" پہنچ کر رسول اللہ ﷺ نے پھر فرمایا۔ مجھے مشورہ دو اب کیا کرنا چاہیے۔ اب حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا۔ یہ قریش اور ان کا تاریخی وقار سامنے ہے جب سے ان کو عزت حاصل ہوئی ہے آج تک کبھی ذلیل نہیں ہوئے۔ اور جب سے انہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا ہے' ایمان کی طرف رخ نہیں کیا۔ وہ یقیناً" آپ سے جنگ کریں گے۔ آپ بھی پوری طرح تیاری کیجئے اور اپنے سازو سامان کے ساتھ کمربستہ ہو جائیے۔

(منشا یہ کہ یہ دونوں بزرگ نہ صرف یہ کہ جنگ بدر میں شریک ہوئے بلکہ آپ کے بلند حوصلے مشیر کار رہے جو دوسروں کا بھی حوصلہ بلند کرتے رہے)

(۲) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ کی فراست اور دانشمندی کے سلسلہ میں موسیٰ بن عقبہ نے ایک یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ غزوہ بدر کے موقعہ پر جب مشرکین مکہ سامنے آئے تو رسول اللہ ﷺ نے بارگاہ خداوندی میں التجا کی۔ اے اللہ یہ قریش اپنی آن بان اور پوری شان و شوکت سے آئے ہیں تاکہ تیرے

رسول سے جنگ کریں اور اس کے پیغام کی تکذیب کریں۔ الہ العالمین میں آپ سے اس کی درخواست کرتا ہوں جس کا آپ نے وعدہ فرمایا تھا۔ رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر کا بازو پکڑے ہوئے یہی دعا کر رہے تھے کہ خداوندا میں آپ سے ایفاء وعدہ کی درخواست کرتا ہوں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ یارسول اللہ آپکو بشارت ہو۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے یقیناً" اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا فرمائیں گے۔ مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نصرت و امداد کی درخواست کی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی اور مسلمانوں کی دعا قبول فرمائی۔

(۳) موسیٰ بن عقبہ نے ایک اور روایت نقل کی ہے کہ جب مسلمانوں نے دیکھا کہ جنگ قطعی اور یقینی ہو گئی ہے تو خداوند عالم سے دعا کرنے لگے۔ دعا کے وقت ان کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں اور رسول اللہ ﷺ ہاتھ اٹھائے ہوئے بارگاہ خداوندی میں دعا کر رہے تھے۔ اے اللہ اگر اہل ایمان کی اس مٹھی بھر جماعت پر اہل شرک غالب آ گئے تو شرک عام ہو جائے گا' اس کا پرچم بلند ہو گا اور پھر آپ کے دین کا نام و نشان بھی کہیں باقی نہ رہے گا۔ حضور اکرم ﷺ یہ دعا کر رہے تھے اور ابوبکر کہہ رہے تھے۔ یارسول اللہ۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے یقیناً" اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائیں گے اور یقیناً" آپ سرخرو ہوں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا ایک لشکر دشمنوں کے محاذ پر اتار دیا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی امداد نازل فرما دی۔ اور فرشتے اتر آئے۔ اے ابوبکر بشارت ہو۔ میں نے جبریل امین کو دیکھا ہے عمامہ باندھے ہوئے اپنے گھوڑے کو آسمان و زمین کے درمیان لے جا رہے تھے جب وہ زمین پر اتر آئے تو تھوڑی دیر تک میری نظر سے اوجھل رہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ ان کے لبوں پر غبار ہے۔

(۴) حضرت علی ؓ۔ جبرئیل امین ایک ہزار ملائک کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں جانب جس طرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے نازل ہوئے اور حضرت میکائیل حضور ﷺ کے "میسرہ" میں (بائیں جانب) جس طرف خود میں (علی ؓ) تھا نازل ہوئے۔

(۵) حضرت عمر بن خطاب ؓ۔ اس آیت کریمہ وَمَنْ يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ سے آپ لوگ غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ یہ آیت جنگ بدر کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے (اس روز) میں ہر ایک مسلمان کا پناہ گاہ اور مرجع بنا ہوا تھا (آیت کریمہ کا مضمون یہ ہے کہ معرکہ جنگ سے جو لوگ پیٹھ پھیرلیں وہ خدا کا غضب لے کر لوٹ رہے ہیں البتہ وہ لوگ مستثنٰی ہیں جو جنگ ہی کا پیترا بدلنے کے لیے لوٹ رہے ہیں)

(۶) حضرت عبداللہ بن عباس ؓ۔ حضرت عمر فاروق ؓ نے بیان فرمایا۔ غزوہ بدر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب پر نظر فرمائی۔ وہ کچھ اوپر تین سو دس تھے۔ آپ نے مشرکین کو دیکھا۔ وہ

ایک ہزار سے بھی زیادہ تھے۔ آپ فوراً" بارگاہ قادر ذوالجلال کی طرف متوجہ ہوئے اور ہاتھ پھیلا کر دعا کرنے لگے دعا میں یہاں تک انہماک ہوا کہ رداء مبارک مونڈھوں سے ڈھلک گئی۔ آپ دعاء میں مشغول تھے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ پہنچے۔ چادر اٹھا کر سید الانبیاء علیہم السلام کے مونڈھوں پر ڈالی اور پشت کی جانب سے چمٹ کر عرض کرنے لگے۔ یا نبی اللہ آپ بہت کچھ اپنے رب کو قسمیں دے چکے اللہ تعالیٰ نے جو کچھ وعدہ فرمایا ہے عنقریب وہ اس کو پورا کرے گا بس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّکُمْ فَاسْتَجَابَ لَکُمْ (تا) مُرْدِفِیْنَ (یاد رکھو اس وقت کو جب تم اپنے رب سے التجا کر رہے تھے خداوند عالم نے تمہاری دعائیں قبول فرمائیں اور یہ بشارت دی کہ میں ایک ہزار فرشتوں کی کمک بھیج رہا ہوں)

بہرحال جب جنگ ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو شکست دی۔ ستر مشرک مارے گئے ستر گرفتار کیے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان قیدیوں کے بارے میں حضرت ابوبکر۔ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ ہم اور یہ ایک دادا کی اولاد ہیں۔ خاندان کے بھائی ہیں۔ نسل اور خون میں شریک ہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ ان سے فدیہ لے لیں، جو کچھ فدیہ میں مال ملے گا اس سے مسلمانوں کی طاقت بڑھے گی اور بہت ممکن ہے خداوند عالم ان کو ہدایت بھی فرما دیں تو یہ ہمارے قوت بازو ہوں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا۔ آپ کی کیا رائے ہے۔ حضرت عمر فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کیا (حضرت) ابوبکر نے جو رائے پیش فرمائی ہے میری یہ رائے نہیں ہے۔ میری رائے تو یہ ہے کہ فلاں شخص کو (حضرت عمر نے اپنے ایک عزیز کا نام لیا) میرے حوالے کیجئے۔ میں اس کی گردن اڑا دوں۔ عقیل (بن ابی طالب) کو حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے حوالے کیجئے وہ ان کی گردن ماریں۔ فلاں شخص کو (جو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے عزیز تھے) حضرت حمزہ کے حوالے کیجئے وہ ان کو قتل کریں۔ تاکہ ہم بارگاہ رب العزت میں عملاً" ثبوت پیش کر دیں کہ ہمارے دلوں میں ان مشرکوں کی محبت کا شائبہ بھی نہیں ہے۔ یہی لوگ ان مشرکین کے عمائدین ان کے پیشوا اور ان کے زعماء ہیں (مگر) رسول اللہ صلی اللہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے کو پسند فرمایا میری رائے کو سرکار دو عالم ﷺ نے منظور نہیں فرمایا اور ان سے فدیہ لے لیا۔ یہ دن گذر گیا اگلے روز حضرت عمر صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی عنہ بیٹھے ہوئے ہیں اور گریہ ان پر طاری ہے۔ میں یہ دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ میں نے گریہ کا سبب دریافت کرنا چاہا۔ اگر گریہ کی وجہ کوئی ایسی تھی جس کا تعلق مجھ سے بھی تھا تو لامحالہ مجھے بھی رونا چاہیے تھا اور اگر کوئی ایسی بات تھی جس کا تعلق صرف انہیں دو بزرگوں سے تھا تو ان کی پریشانی میری پریشانی تھی، ان کی تکلیف میری تکلیف۔ ان

کو روتا ہوا دیکھ کر ہی مجھے رونا چاہیے تھا۔ بہرحال میں نے وجہ معلوم کی آپ دونوں کیوں رو رہے ہیں۔ اگر میری بھی رونے کی بات ہوئی میں بھی روؤں گا اگر مجھ سے متعلق نہیں ہوئی تو آپ دونوں کے رونے کی وجہ سے میں روؤں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ میں اس مشورہ کی وجہ سے رو رہا ہوں جو فدیہ لینے کے متعلق تمہارے ساتھیوں نے دیا تھا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ میرے سامنے وہ عذاب پیش کر دیا گیا ہے جو میرے ساتھیوں پر آنے والا ہے۔ جو اس درخت سے بھی قریب ہے (ایک قریب کے درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) اسی واقعہ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ (تا) لَوْ لَا كِتَابٌ مِنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَا اَخَذْتُمْ (سورہ انفال ع ۹)

یعنی۔ نبی کے لیے سزا وار نہیں ہے کہ اس کے قبضہ میں قیدی ہوں جب تک ملک میں غلبہ نہ حاصل کر لے۔ مسلمانو! تم دنیا کی متاع چاہتے ہو۔ اللہ چاہتا ہے کہ (تمہیں) آخرت (کا اجر دے) اور اللہ غالب ہے۔ حکمت والا۔

اگر اس بارے میں پہلے سے اللہ کا حکم نہ ہو گیا ہوتا تو جو کچھ تم نے جنگ بدر میں مال غنیمت حاصل کیا' اس مال غنیمت کے لینے میں تمہیں بہت بڑا عذاب پہونچتا۔

منشاء آیت یہ ہے کہ (۱) نبی دنیا میں اس لیے نہیں آتے کہ ان کے پیرو دشمنوں کو قید رکھ کر فدیہ کا روپیہ وصول کریں بلکہ مقصود اصلی دعوت حق کا اعلان ہوتا ہے۔ لہٰذا نبی کو سزا وار نہیں کہ جب تک اس کی دعوت ملک میں ظاہر و غالب نہ ہو جائے اسیران جنگ کو فدیہ کے لیے روکے رکھے۔

(۲) ان قیدیوں میں سے بہت سے وہ تھے جنہوں نے کچھ دنوں بعد اسلام سے مشرف ہو کر عظیم الشان کارنامے انجام دیئے۔ یہی وہ حکم تھا جو عنداللہ مقدر ہو چکا تھا جس کی بنا پر یہ فعل یعنی فدیہ لے لینا نظر انداز کیا گیا اور اس پر عذاب نہیں ہوا۔

وہ عذاب اخروی جو حقیقی عذاب ہے اس سے صحابہ کرام محفوظ رہے لیکن ان مقدس نفوس کی پاکیزگی کا تقاضا تھا کہ یہ معمولی دھبہ جو ان کے جماعتی رجحانات اور جماعتی کیرکٹر پر آ گیا تھا وہ بھی صاف کر دیا جائے۔ یہ تزکیہ اور صفائی اس طرح ہوئی کہ جنگ احد میں فتح کے بجائے شکست ہوئی۔

رحمتہ للعالمین ﷺ کی نظر فراست اسی شکست کو دیکھ رہی تھی اور اسی بنا پر یہ افسردگی تھی کہ گریہ طاری تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔

"چنانچہ جب اگلے سال جنگ احد ہوئی تو اس سزا کا ظہور اس طرح ہوا کہ ستر صحابہ کرام شہید ہوئے۔ خود آنحضرت ﷺ مجروح ہوئے۔ دشمن کی ضرب سے خود ٹوٹ گیا۔ اس کی کڑیاں رخسار مبارک میں گڑ گئیں۔ دندان مبارک شہید ہو گیا۔ جب

مسلمانوں کو شکست کا احساس ہوا تو یہ سوال بھی طبیعتوں میں پیدا ہوا کہ فدا کاران حق کو یہ شکست کیوں ہوئی۔ تب آیت کریمہ نازل ہوئی"

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ (سورہ آل عمران ع ۱۷)

کیا جب پہونچے تم کو کوئی تکلیف کہ تم پہونچا چکے اس سے دو چند تو تم پوچھو گے یہ کہاں سے آئی کیسے آئی۔ آپ فرما دیجئے۔ خود تمہارے ہاتھوں آئی۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے ارشادات سے ہٹ کر یہاں چند باتیں قابل توجہ ہیں۔

(۱) یثخن فی الارض کے معنی عام طور پر قتل اور خون کرنے کے لیے گئے ہیں۔ یعنی ترجمہ یہ کیا گیا ہے کہ جب تک نہ خون کرے ملک میں۔ مگر امام بخاریؒ نے "یثخن" کی تفسیر میں فرمایا ہے "حتے یغلب فی الارض" یعنی جب تک غالب نہ ہو جائے ملک میں۔ ہم نے امام بخاریؒ کی تفسیر کے بموجب ترجمہ کیا ہے۔

(۲) ایک عجیب و غریب بات یہ ہے کہ فدیہ لینا اس وقت بھی جائز تھا جب وہ فدیہ لیا گیا۔ چنانچہ واقعہ بدر سے ایک سال پہلے حضرت عبداللہ بن جحش کی سرکردگی میں ایک دستہ آنحضرت ﷺ نے بھیجا تھا۔ اس نے ایک شخص کو گرفتار کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا تھا۔ حضرت عمران بن حصین ؓ کی روایت جس کو مسلم' ابوداؤد" ترمذی وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم فدى رجلين من المسلمين برجل من المشركين۔

آنحضرت ﷺ نے ایک مشرک کے فدیہ میں دو مسلمانوں کو رہا کرایا۔

پھر جنگ بدر کے بعد قانون یہی بن گیا کہ اگر مفاد ملت کے پیش نظر فدیہ لینا بہتر سمجھا جائے تو فدیہ لے لیا جائے۔ اور یہ جو اسی آیت میں ارشاد خداوندی ہے۔ لولا کتاب من اللہ سبق" (اگر پہلے سے اللہ کا حکم نہ ہو گیا ہوتا) اس کے معنی بھی یہی لیے گئے ہیں کہ اگر پہلے سے اللہ کے یہاں یہ طے نہ ہوتا کہ اس امت کے لیے مال غنیمت حلال ہو گا۔ تو عذاب آ جاتا۔

اس کے باوجود اس موقع پر "فدیہ" کے مشورہ کو پسند نہیں کیا گیا اور عتاب آمیز خطاب کے بعد نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ احد میں شکست اٹھانی پڑی۔ تو اس عتاب و عذاب کا سبب اس لطیف نکتہ کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ وہ شفاف آئینہ جس میں اپنا چہرہ دیکھا جاتا ہے جتنا زیادہ شفاف ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ صاف رکھا جاتا ہے۔ بدن اور کپڑوں پر مکھی کی بیٹ کا احساس بھی نہیں ہوتا لیکن آئینہ کی شفاف سطح پر بیٹ کا معمولی سے

معمولی دھبہ بھی' آپ کے لیے خلش بن جاتا ہے۔ سب سے پہلے اس کو آپ صاف کرتے ہیں پھر اپنا چہرہ دیکھتے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاکیزہ قلوب جس طرح کفرو شرک سے متنفر تھے ان علمبرداران کفرو شرک سے بھی متنفر تھے لیکن اس موقع پر "فدیہ" لے لینے کا مشورہ قرابتی دلچسپی اور منفعت کی طرف رجحان کا شبہ پیدا کرتا تھا جو فدا کاران حق اور محبین کاملین کی شان کے خلاف ہے۔ اس رجحان کی جھلملاہٹ۔ ایک دھبہ تھی جو قلوب صحابہ کے شفاف آئینوں پر برداشت نہیں ہوئی اور اللہ تعالٰی کے فضل و کرم نے اس کو صاف کرنا صحابہ کی شان بالا و برتر کے تحفظ کے لیے ضرور سمجھا۔

جن کے رتبے ہیں سوا ان کی سوا مشکل ہے

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

(۳) پھر اس واقعہ سے اگرچہ بظاہر حضرت فاروق ؓ کی ایک منقبت اور فضیلت معلوم ہوتی ہے لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی عظمت شان پر بھی یہ واقعہ دلالت کرتا ہے۔ اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت صدیق ؓ کا مزاج اور ان کے رجحانات سیدالکونین ﷺ کے رجحانات کے کس قدر مشابہ تھے۔ سیدالانبیاء ﷺ "رحمتہ للعالمین" تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق سیدالموجودات کا ارشاد ہے۔ ارحم امتی میری پوری امت میں سب سے زیادہ رحم رکھنے والا سب سے زیادہ مہربان۔

یہی وصف تھا جس نے ان قیدیوں کے بارے میں دونوں کی رائے کو متفق کر دیا۔ واللہ اعلم بالصواب
۔ محمد میاں"

(۷) حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما)۔ جنگ بدر کے موقع پر ایک مشرک آگے آگے بھاگ رہا تھا اور ایک انصاری صحابی اس کا تعاقب کرتے ہوئے دوڑ رہے تھے کہ اوپر سے کوڑا مارنے کی آواز کان میں پڑی ساتھ ساتھ ایک شہ سوار کی آواز سننے میں آئی اقدم خیزوم (خیزوم آگے بڑھ) دیکھا تو وہ مشرک چت پڑا ہوا تھا۔ آگے بڑھ کر دیکھا کہ کوڑے کی ضرب کا یہ اثر ہے کہ ناک چھد گئی ہے۔ چہرہ پھٹ گیا ہے اور سارا بدن نیلا پڑا گیا ہے۔ اس انصاری نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ عرض کیا۔ فرمایا۔ درست ہے۔ تیسرے آسمان سے جو فرشتوں کی کمک آئی تھی یہ اس کا فعل تھا۔ بہرحال اس روز ستر مشرک مقتول ہوئے اور ستر گرفتار ہوئے۔

(۸) حضرت عمر بن الخطاب ؓ نے ایک لڑکے کو سنا کہ دعا کر رہا تھا۔ اے اللہ تو انسان کے اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جایا کرتا ہے۔ پس میرے درمیان اور میری خطاؤں کے درمیان حائل ہو جا

کہ میں کوئی برا کام نہ کروں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ رحمک اللہ اور آپ نے اس لڑکے کے لیے دعاء خیر کی۔

(۹) حضرت مطرف۔ ہم نے حضرت زبیر (رضی اللہ عنہ) سے کہا۔ اے ابو عبداللہ (حضرت زبیر کی کنیت) آپ حضرات نے خلیفہ اسلام (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) کی طرف توجہ نہیں کی۔ یہاں تک کہ وہ شہید کر دیئے گئے اب تم ان کے قصاص کا مطالبہ کر رہے ہو۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر۔ حضرت عثمان۔ رضی اللہ عنہم کے دور میں قرآن شریف کی یہ آیت پڑھا کرتے تھے۔ وَ اتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً

ترجمہ! بچو اس فتنہ سے جو صرف ان لوگوں کے لیے خاص نہیں رہے گا جو ظلم کریں گے) ہمیں کبھی بھی یہ خیال نہیں ہوتا تھا کہ اس فتنہ میں ہم بھی مبتلا ہو جائیں گے۔ یہاں تک کہ جس طرح بھی ہوا یہ فتنہ ہمارے اندر ہی پیدا ہو گیا۔

(۱۰) مفسر قرآن حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ۔ اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی واللہ اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دانشمند طبقہ یقین رکھتا تھا کہ عنقریب فتنے ہونے والے ہیں۔

(۱۱) حضرت حسن رضی اللہ عنہ۔ اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ حضرت علی۔ حضرت عثمان حضرت طلحہ اور حضرت زبیر (رضی اللہ عنہم) کے بارے میں نازل ہوئی (یعنی یہ حضرات اس آیت کے مصداق بنے کہ باوجودیکہ ظالم نہیں تھے مگر اس فتنہ میں مبتلا ہو گئے) ""

(۱۲) حضرت ضحاک (رحمہ اللہ) (مفسر قرآن) یہ آیت خاص طور پر صحابہ کرام کے بارے میں ہے۔ یعنی صحابہ کرام کے دور کے بعد یہ شکل نہیں ہو سکتی کہ ناکردہ گناہ فتنہ میں مبتلا ہو جائیں کیونکہ اس دور کے بعد جب بھی کوئی فتنہ آئے گا تو ہر ایک فریق کا دامن اس میں ملوث ہو گا البتہ صحابہ کرام میں ایسی جماعت ضرور تھی کہ فی الواقع ناکردہ گناہ تھی۔ پھر بھی وہ مبتلا ہو گئی۔

(۱۳) "سدی" (مفسر قرآن)۔ مجھے خبر دی گئی کہ یہ لوگ اصحاب جمل ہیں (کہ ناکردہ گناہ مبتلاء فتنہ ہوئے)

(۱۴) حضرت رفاعہ بن رافع۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ "اپنی قوت کے آدمیوں کو (یعنی قریشی حضرات کو) جمع کر کے میرے پاس لاؤ" حضرت فاروق (رضی اللہ عنہ) نے سب کو جمع کیا۔ جب وہ سب بارگاہ رسالت کے باب عالی پر پہونچے (صلی اللہ علیہ وسلم) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اندر جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطلاع دی۔ اس کی اطلاع انصار کو بھی ہو گئی تھی کہ قریشی صاحبان کو آج جمع کیا گیا ہے ان کو خیال ہوا کہ قریشی صاحبان کے بارہ میں کوئی آیت نازل ہوئی ہے کہ ان کو خاص طور سے بلایا گیا ہے۔ بس کچھ لوگ چلے کہ دیکھیں ان سے کیا کہا جائے گا۔

القصہ جب قریشی صاحبان کا اجتماع ہوا تو حضور ﷺ حجرہ شریف سے باہر تشریف لائے آپ نے فرمایا۔ آپ لوگوں میں کوئی غیر قریشی بھی ہے۔ حاضرین نے جواب دیا۔ کچھ ہیں۔ اس مجمع میں کچھ تو وہ ہیں جن سے ہمارا معاہدہ ہے۔ کچھ ہمارے بھانجے ہیں اور کچھ ہمارے آزاد کردہ غلام ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ یہ سب ہمارے اپنے ہیں جو ہمارے حلیف ہیں وہ اپنے ہیں۔ ہمارے خاندانی بھانجے ہیں وہ اپنے ہیں۔ جو ہمارے آزاد کردہ غلام ہیں وہ اپنے ہیں۔ تم سنا کرتے ہو۔ ان اولیای منکم الا المتقون۔ (میرے ولی نہیں ہیں مگر تقویٰ کرنے والے) پس اگر تم متقی ہو تو فبہا۔ ورنہ پھر غور کر لو! ایسا نہ ہو کہ اور لوگ تو قیامت کے دن عمل لے کر آئیں اور تم لوگ (گناہوں) کے بوجھ لے کر آؤ۔ پس تم لوگوں سے منہ پھیر لیا جائے۔

(۱۵) حضرت عبدالرحمٰن بن یعلیٰ۔ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا۔ خمس میں جو آپ کا (ذوی القربیٰ کا) حصہ تھا اس کے متعلق حضرت ابوبکر اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہما) کا کیا طرز عمل رہا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور میں تو خمس کی نوبت نہیں آئی۔ البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں یہ سلسلہ چلا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہر خمس میں مجھ کو حصہ دیتے رہے۔ یہاں تک کہ سوس اور نیشاپور کے لشکر کا خمس سامنے آیا۔ اس وقت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھا۔ آپ نے اہل بیت کو خطاب کر کے فرمایا: یہ آپ حضرات کا حصہ موجود ہے۔ مگر حالت یہ ہے کہ کچھ مسلمان بہت پریشان ہیں اور ان کی ضرورتیں بہت شدید ہیں۔ میں نے عرض کیا بالکل درست۔ فوراً حضرت عباس بن عبدالمطلب (رضی اللہ عنہ) کھڑے ہو گئے۔ فرمانے لگے جو ہمارا حق ہے اس میں آپ کسی کا حصہ مت لگائیے۔ میں نے عرض کیا۔ مسلمانوں کو نفع پہونچانے کا فریضہ کیا سب سے زیادہ ہم پر عائد نہیں ہوتا؟ حضرت امیرالمومنین عمر رضی اللہ عنہ نے بھی سفارش کی۔ پس اس خمس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے لیے لے لیا۔ اس کے بعد ہم کو ادا نہیں کیا اور نہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں مجھے یہ موقع مل سکا کہ خمس وصول کروں۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر صدقہ حرام کیا تھا۔ اس کے عوض میں آپ کو خمس عطا فرما دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ آپ کے اہل بیت پر بھی صدقہ حرام کیا۔ اہل بیت کے ماسوا ساری امت کو صدقہ لینے کی اجازت دی اس کے عوض میں خمس کا ایک حصہ اہل بیت کے لیے جائز قرار دیا۔ اور صدقہ کو ہاتھوں کا ''دھوون'' فرماتے ہوئے اس سے اجتناب کی ہدایت فرمائی۔ اس لیے کہ خمس کا خمس اہل بیت کے لیے کافی ہوتا تھا۔

(۱۸) حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دور میں خمس الخمس کی تقسیم کا کام میرے سپرد کر رکھا تھا۔ میں اس کو حضور ﷺ کے زمانہ میں بھی مستحق حضرات کو تقسیم کرتا رہا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی میں ہی تقسیم کرتا رہا۔

(۱۹) حضرت قتادہ۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے مال میں سے پانچواں حصہ خیرات کرنے کی وصیت کی۔ اور فرمایا جو حصہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے پسند فرمایا ہے وہی میں بھی اختیار کرتا ہوں۔ آپ نے استدلال میں یہ آیت پڑھی وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ یاد رکھو جو غنیمت حاصل کرو اس کا پانچواں حصہ اللہ کا ہے۔ (یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا شوق اور جذبہ سخاوت تھا ورنہ خمس کل مال غنیمت کا ہوتا ہے۔ جس میں سے اہل حق کو دیا جاتا ہے۔ ان اہل حق پر لازم نہیں ہے کہ وہ بھی اپنے حصہ میں سے خمس دیں)

(۲۰) حضرت عیان بن واسع بن حبان۔ اپنی قوم کے بزرگوں سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ بدر کے موقع پر اپنے اصحاب کی صف بندی کی اور جھونپڑی میں تشریف لے گئے جو اسی روز تیار کی گئی تھی۔ پھر حضرت ابوبکر یہاں حاضر ہوئے تو حضور ﷺ پر غنودگی کا کچھ اثر تھا۔ آپ بیدار ہوئے اور فرمایا۔ ابوبکر! بشارت ہو۔ تمہارے پاس خدا کی نصرت پہنچ گئی۔ یہ جبرئیل ہیں اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے ہوئے اس کو کھینچے لیے جا رہے ہیں۔ ان کے چہرے پر غبار ہے۔

(۲۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔ اللہ تعالیٰ نے مکہ معظمہ میں اپنے نبی پر یہ آیت نازل فرمائی سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ عنقریب شکست دے دی جائے گی اس جماعت کو (کفار مکہ کو) اور بھاگیں گے پیٹھ دے کر۔ تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ یہ کون سی جماعت ہے (یہ جنگ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے) اس کے بعد جب جنگ بدر ہوئی اور قریش کو ہزیمت ہوئی تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ قریش کے پیچھے تھے تلوار دست مبارک میں لیے اور پڑھ رہے تھے۔ سیہزم الجمع ویولون الدبر۔

(۲۲) حضرت حرام بن معاویہ سے روایت ہے۔ ہمیں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہہ کر بھیجا کہ ہرگز ہرگز تمہارے آس پڑوس میں بھی خنزیر نہ ہو۔ اور تمہارے حلقہ میں صلیب بلند نہ کی جائے اور اس دستر خوان پر کھانا مت کھاؤ۔ جس پر شراب ہو۔ اپنے گھوڑوں کو اچھی طرح سداؤ۔ اور آہستہ چلو دونوں نشانوں کے درمیان (نشانوں سے مراد رکن یمانی اور حجر اسود ہے) مطلب یہ ہے کہ جب بیت اللہ شریف کا طواف کرو تو اس حصہ میں جو رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان ہے تیز مت چلو بلکہ پاپیادہ اور آہستہ چلو کیونکہ اس حصہ میں ہجوم زیادہ رہتا ہے۔ تیز چلنے سے دوسروں کو تکلیف ہو گی۔ (فصل ششم مقصد اول آیت ۲۸)

اَجَعَلْتُمْ سِقَایَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ
وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاهَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰہِ وَاللّٰہُ لَا

يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ- اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَائِزُوْنَ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ خَالِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ (سورہ توبہ ع ج ۱۰ ع ۹)

کیا تم نے یوں ٹھہرا رکھا ہے کہ حاجیوں کے لیے سبیل لگا دینا اور مسجد حرام کو آباد رکھنا بھی اسی درجہ کا کام ہے جیسا اس شخص کا کام جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ اللہ کے نزدیک تو یہ سب کام برابر نہیں ہیں۔ اور اللہ کا قانون ہے کہ وہ ظلم کرنے والوں پر (کامیابی کی) راہ نہیں کھولتا۔ اور جو لوگ ایمان لائے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کیا ان کا درجہ اللہ کے یہاں بہت بڑھا ہوا ہے اور یہی ہیں کامیاب' بامراد' ان کو بشارت دیتا ہے ان کا رب رحمت کی پوری خوشنودی کی اور ایسے باغوں کی جن میں ان کے لیے ہمیشہ رہنے والی پائیدار نعمت ہو گی یہ کامیاب و بامراد ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کفار قریش حضرات مہاجرین اور خصوصاً" حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں فخر سے کہا کرتے تھے کہ ہم لوگ مسجد حرام کو آباد کئے ہوئے ہیں ہم لوگ حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں ان کی سیرابی کا انتظام کرتے ہیں۔ لہٰذا ہمارا افضل و بہتر ہونا ظاہر و باہر ہے۔

حضرات مہاجرین (رضوان اللہ علیہم اجمعین) جواب دیا کرتے تھے کہ ہم پیغمبر اسلام علیہ السلام پر اور روز قیامت پر ایمان کی دولت سے بہرہ ور ہوئے ہیں ہم نے یہ حقیقی سعادت حاصل کی ہے۔ اس کے علاوہ (عملاً") ہم نے راہ خدا میں گھر بار چھوڑا۔ وطن عزیز کو خیر باد کہا۔ ہم راہ خدا میں جہاد کرتے رہتے ہیں لہٰذا ہم عنداللہ بہتر اور افضل ہیں۔

اللہ تعالیٰ عزوجل نے ان دونوں جماعتوں کے بارے میں فیصلہ کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی۔

مَاكَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسَاجِدَ اللّٰهِ شَاهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ وَفِى النَّارِ هُمْ خَالِدُوْنَ- اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ- وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ

وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰى اُولٰئِكَ اَنْ يَكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ (سورہ توبہ ع ۳ ج ۱۰ ع ۱۱)

مشرکوں کو اس بات کا حق نہیں پہونچتا کہ وہ آباد کریں اللہ کی مسجدیں جب کہ وہ خود اپنے اوپر کفر کا اعتراف کر رہے ہیں یہی وہ ہیں جن کے سارے عمل اکارت گئے اور آگ میں رہیں گے وہ ہمیشہ۔ فی الحقیقت مسجدوں کو آباد کرنے والا تو وہ ہے جو اللہ پر ایمان لایا۔ آخرت پر ایمان لایا۔ نماز قائم کی زکوۃ ادا کی اور اللہ کے سوا اور کسی کا ڈر نہ مانا۔ انہیں سے توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ (سعادت اور کامیابی) کی راہ پانے والے ہوں گے۔

مقصد یہ ہے کہ مسجد حرام کا آباد کرنا بیشک ایک اچھا کام ہے۔ لیکن کوئی اچھا کام اس وقت تک قبولیت حاصل نہیں کر سکتا جب تک اس کی بنیاد درست نہ ہو۔

اچھے کام کی قبولیت کے لیے شرط یہ ہے کہ اللہ پر اور یوم قیامت پر ایمان ہو۔ نماز و زکوۃ جیسے بنیادی فرائض کو ادا کرتا ہو۔ اللہ تعالیٰ سے خوف و خشیہ میں اخلاص ہو۔ نمائشی زہد و تقویٰ نہ ہو۔ یہ صفات کفار قریش میں مفقود ہیں۔ ان کے وہ کام جو بظاہر اچھے معلوم ہوتے ہیں اکارت۔ لاحاصل اور کالعدم ہیں۔ جب وہ عمل ہی لاحاصل اور اکارت رہا اور خود اس عمل کی فضیلت اور خوبی ہی ختم ہو گئی ہے تو مہاجرین کے مقابلہ میں افضیلت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ بفرض محال تسلیم بھی کر لیا جائے کہ بے بنیاد اور کھوکھلے اعمال کچھ حقیقت رکھتے ہیں۔ تاہم ہجرت و جہاد سے تو ان کی کوئی نسبت ہی نہیں۔ ہجرت و جہاد سے ان کا موازنہ قطعاً" غلط ہے۔ لَا يَسْتَوُوْنَ عِنْدَ اللّٰهِ

اس کے بعد مضمون بالا کی مزید تائید کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا یعنی جو لوگ ایمان لا چکے ہیں۔ جنہوں نے خدا کے لیے وطن چھوڑا اور اپنی جان و مال سے راہ خدا میں جہاد کیا ان کا درجہ خدا کے یہاں ان سے بہت بڑھا ہوا ہے جو مسجد حرام کی آباد کاری اور حجاج کے لیے سبیل لگا دینے پر نازاں ہیں۔

یہ مجاہد اور صاحب استقامت مومن ہی عنداللہ بامراد اور کامیاب ہوں گے انہیں کو ان کا رب ذوالجلال اپنی رحمت بیکراں اور اپنی خوشنودی اور رضا مندی کی ان جنتوں کی بشارت دے رہا ہے جن میں ان کے لیے ابدی نعمت اور لازوال راحت مہیا کی گئی ہے۔ جن میں یہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ بے شک اللہ کے یہاں ان کا درجہ بہت بڑا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ اَجْرٌ عَظِيْمٌ بیشک اللہ کے یہاں ہے اجر عظیم۔ یعنی ثواب دینا اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ جس کو چاہے اور جس کام پر چاہے۔ بڑے سے بڑا اجر عطا فرما

سکتا ہے۔

بہرحال اس آیت نے مہاجرین (ا) اور مجاہدین فی سبیل اللہ کے اجر' ہجرت اور جہاد کی فضیلت (تمام اعمال سے) اور اس جماعت صحابہ کرام کے بہترین مستقبل اور مبارک انجام کا نہایت واضح انداز میں اعلان کر دیا ہے۔ (فصل ششم)

فقراء صحابہ مقبول بارگاہ ہیں۔ صبح شام یاد خدا میں مشغول رہتے ہیں

لَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (سور انعام ع ۱۲ ج ۷)

اے نبی۔ وہ لوگ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح شام جو چاہتے رہتے ہیں اس کی نظر کرم۔ ان کو اپنے پاس سے نہ ہٹاؤ۔ ان کے کاموں کی جوابدہی تمہارے ذمہ نہیں ہے۔ نہ تمہاری جوابدہی ان کے ذمہ ہے کہ اس ڈر سے ان کو تم اپنے پاس سے ہٹاؤ۔ اگر ایسا کرو گے تو زیادتی کرنے والوں میں سے ہو گے۔

آیت کریمہ کے الفاظ عام ہیں۔ آیت کریمہ ایسے بزرگان ملت کو سند مقبولیت دے رہی ہے جو صبح شام یاد خدا میں مشغول رہتے ہیں۔ جن کا نصب العین رضاء الہی ہوتا ہے اور ان کے متعلق ہدایت کر رہی ہے کہ ان کو نظر انداز کرنا ظلم ہے۔ مسلم شریف کی مندرجہ ذیل روایت سے واضح ہوتا ہے کہ یہ آیت فقراء صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے (روایت یہ ہے)

حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ۔ ہم چھ آدمی حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھے۔ چند مشرکوں نے حضور ﷺ سے فرمائش کی کہ ان کو ہٹا دیجئے۔ ہم اس کو پسند نہیں کرتے کہ یہ لوگ ہمارے برابر بیٹھیں اور بے باکانہ بات چیت کریں۔ یہ چھ آدمی یہ تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص ☆ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما۔ قبیلہ ہذیل کا ایک شخص۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور دو اور اصحاب تھے جن کا نام مجھے یاد نہیں رہا۔ حضور ﷺ کے ذہن مبارک میں بھی کچھ خیال آیا ہو گا کہ شاید اسی طرح ان کو ہدایت نصیب ہو جائے) لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ رعایت پسند نہیں آئی لہٰذا یہ آیت نازل فرمائی (مسلم شریف)

ان ہی باخلاص اہل ایمان کی رفاقت اختیار کیجئے

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ

وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰاهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا (سورہ کہف ع ٤ ع ١٦ ج ١٥)

اور جو لوگ صبح شام اپنے رب کو پکارتے رہتے ہیں۔ اس کی محبت میں سرشار اور اسی کی رضاء کے خواہاں رہتے ہیں، تم انہیں کی صحبت پر اپنے جی کو قانع کر لو (اسی پر اپنے من کو جما لو) اور ایسا نہ ہو کہ تمہاری آنکھیں ان سے پھر کر دنیاوی زندگی کی رونق کی تلاش میں دوڑنے لگیں اور ایسا بھی نہ ہو کہ تم اس کا کہنا ماننے لگو اور اس کی اطاعت کرنے لگو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور اپنی خواہش اور من مانی باتوں کے پیچھے پڑ گیا ایسے آدمی کی باتوں پر کان نہ دھرو اس کا معاملہ حد سے گذر چکا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یہ سورہ مکی ہے۔ لہٰذا اس آیت میں جس جماعت کا ذکر کیا گیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کو جس جماعت کے ساتھ رہنے کی فرمائش کی گئی ہے اور جس کی شان یہ بیان کی گئی ہے کہ صبح و شام ذکر خدا میں مشغول رہتے ہیں اور جس کے متعلق ابدی نعمتوں کا وعدہ ہے۔ وہ لامحالہ "مہاجرین اولین" ہیں۔ جن کا نمایاں وصف یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بکثرت کرتے ہیں اور جو پہلے ہی سے تہیدست تھے یا محض اللہ کے لیے (للہ فی اللہ) اپنا مال فقراء پر اور اسلام کی ضرورتوں پر صرف کر کے فقیر ہو گئے ہیں یہ سب سے بڑا شرف ہے جو اس جماعت کو حاصل ہوا ہے کہ خود سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت ہوئی ہے کہ ان کی رفاقت اور صحبت اختیار کریں۔

افادات

- ان آیتوں سے پہلے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اُتْلُ مَا اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهٖ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا

تم پر تمہارے رب ک طرف سے جو وحی بھیجی جاتی ہے اس کی تلاوت کرو (یہ ابدی اور دائمی وحی ہے) کوئی نہیں ہے جو اس کے کلمات اور خداوندی ارشادات کو بدل سکے۔ اور نہ اس سے ہٹ کر نجات پانے کی کوئی جگہ ہے۔

ازالتہ الخفا میں اس آیت کو ساعت مرتفقا" تک نقل کیا ہے۔ ان آیات کے تحت میں جو فوائد پیش کیے ہیں ان کو نظر انداز کرنا بہت بڑی کوتاہی ہے۔ لہٰذا درج ذیل ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے

ہیں۔ اگرچہ سرور کائنات۔ سید الانبیاء والمرسلین علیہ و علیہم الصلوۃ والسلام "خلق عظیم" سے متصف تھے آپ کو آداب زہد کے تلقین کرنے کی ضرورت نہیں تھی مگر اس لیے کہ امت کو دستور العمل معلوم ہو' اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو آداب زہد کی تعلیم دی گئی ہے۔

(۱) سب سے پہلے ہدایت ہے کہ وحی خداوندی یعنی کلام اللہ کی تلاوت کرتے رہو (۲) اس کے بعد ارشاد ہوا کہ اپنے آپ کو ان لوگوں سے وابستہ رکھئے اور انہیں کی صحبت اختیار کیجئے۔ جو صبح و شام اپنے رب کی یاد میں مشغول رہتے ہیں۔ اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اہل تنعم اور اصحاب ثروت کے ساتھ محض بقدر ضرورت صحبت اختیار کیجئے۔ ضرورت سے زیادہ ان کے ساتھ نشست و برخاست مت رکھئے نہ ان کی دعوت کو پسند کیجئے اور نہ ان کے دنیاوی تکلفات کو نظر استحسان سے دیکھئے۔ (۳) اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے عیش پرست کفار کے عذاب اور فقراء مومنین کے ثواب کا ذکر فرمایا ہے۔ (۴) اللہ تعالیٰ نے سرمایہ دار کافر اور ایماندار غریب مسلمان کی تمثیل ایک حکایت کی شکل میں بیان فرما کر (۵) دنیاوی تنعمات کو زمین کے اس سبزہ کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو بہت جلد خشک ہو کر پراگندہ ہو جائے گا۔ ایسے ہی دولت و ثروت اور اہل و عیال کی مسرتیں بھی عنقریب زوال پذیر ہو جائیں گی۔ البتہ ارشاد ہوتا ہے کہ "باقیات صالحات" یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر بقاء سرمد اور حیات جاوید رکھتا ہے جو کبھی فنا نہیں ہوتا۔

اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے سورہ کہف کے متعلق چند احادیث اور آثار نقل کئے ہیں۔

(۱) حضرت زید بن وہب ؓ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز صبح میں سورہ کہف کی قرات کی۔ حضرت صفیہ بنت عبید سے بھی یہ روایت نقل کی گئی ہے۔

(۲) حضرت عثمان بن عفان ؓ سے دریافت کیا گیا کہ باقیات صالحات۔ کیا ہیں۔ آپ نے فرمایا۔

لا الہ الا اللہ۔ سبحان اللہ۔ الحمد للہ۔ اللہ اکبر۔ اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ

(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ ایک شخص پکار رہا تھا "اے ذی القرنین" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا فرمایا۔ آپ لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کے نام تو رکھ لیے۔ اب فرشتوں کے نام رکھنے ہیں۔

(۴) حضرت خالد بن معدان۔ (مرسلا) روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے ذی القرنین کے بارے میں دریافت کیا گیا۔ فرمایا ایک بادشاہ تھا جو زمین کی تہ کو اپنے آلات کے ذریعہ چھونے لگا تھا (یعنی اس کی حکومت اتنی وسیع اور مستحکم ہو گئی تھی (واللہ اعلم)

(۵) حضرت عمر بن خطاب ؓ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص رات کو سورہ کہف کی آخری آیت مَنْ كَانَ يَرْجُوْ لِقَاءَ رَبِّهٖ آخر تک پڑھ لے اس کو پھیلا ہوا نور عطا ہو گا جس کی طوالت عدن سے مکہ تک ہو گی۔ (فصل ششم آیت ۴۷ ص ۲۰۷ ج ۱)

حضرات صحابہؓ کے متعلق لطف و عنایت کی فرمائش

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (سورہ شعراء ع ۱۱ ع ۱۵ ج ۱۹)

جھکاؤ اپنا بازو ان ایمان والوں کے لیے جو آپ کے پیروکار ہوتے ہیں'

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ یہ سورہ مکی ہے۔ اس وقت جو اہل ایمان تھے اور جو رسول اللہ ﷺ کا اتباع کر رہے تھے وہ وہی مہاجرین اولین تھے جو سب سے پہلے اسلام سے مشرف ہوتے تھے۔ یہ کتنی بڑی فضیلت ہے کہ رب العالمین سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت فرما دیں کہ ان کے لیے اپنا بازو جھکاؤ۔ یعنی ان کے ساتھ پوری مراعات اور ملاطفت سے پیش آؤ۔ کیا ایک امتی کے لیے اس سے زیادہ کوئی فخر کی بات ہو سکتی ہے۔

افادات

یہ سورہ شعراء کی آیت ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اس آیت کے تحت میں جو افادات سپرد قلم فرمائے اس سے پوری سورہ کا خلاصہ اور آیات کا باہمی ربطؒ معلوم ہو جاتا ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں (رحمہ اللہ) اللہ تعالیٰ نے سورہ شعراء میں سات پیغمبروں کے قصے بیان فرمائے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ابراہیم السلام۔ حضرت نوح علیہ السلام۔ حضرت ہود۔ حضرت صالح۔ حضرت لوط۔ حضرت شعیب علیہم السلام۔ ان تمام قصوں کے بعد آخری رکوع میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کے واسطہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر قرآن حکیم نازل فرمایا۔ دلیل ہدایت یہ ہے کہ علماء اہل کتاب اس کی حقیقت کے معترف ہیں کیونکہ کتب سابقہ میں اس کا تذکرہ پاتے ہیں۔

پھر اس پر روشنی ڈالی ہے کہ قرآن پاک ایک عربی شخص پر عربی زبان میں کیوں نازل کیا گیا ہے۔ کسی عجمی شخص پر عجمی زبان میں کیوں نہیں نازل کیا گیا۔ کیونکہ عربوں کو سب سے پہلے مسلمان بنانے کا جو مقصد تھا وہ فوت ہو جاتا کیونکہ عجمی پر اگر عربی میں نازل ہوتا تو عرب اس کا مذاق اڑاتے اور اگر عجمی زبان میں ہوتا تو اس کو اس طرح نہیں سمجھ سکتے تھے۔ پس عربوں کو احسان ماننا چاہیے کہ وہ اس دولت سے سرفراز ہوئے۔ اس کے بعد کذلک سلکناہ سے یہ بتا دیا گیا ہے کہ سرکش اور شورہ پشت مخالفین کی ایک جماعت وہ ہے کہ حق و صداقت سے "انکار کرنا" ان کے دلوں میں جم گیا ہے اور گویا طبیعت ثانیہ بن گیا

ہے۔ ان تمام واضح اور روشن دلائل اور ان غیر معمولی احسانات کے بعد بھی وہ اسلام سے مشرف نہ ہو گی۔ اس کے بعد صداقت و حقانیت قرآن کریم پر مزید روشنی ڈالی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ قرآن حکیم شیطانی الہام اور شیطانی وسوسہ کے قسم کی چیز نہیں ہے۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ ملاء اعلیٰ۔ جہاں جمہور بنی آدم کے مصالح کے لیے احکام الہیہ کا انعقاد ہوتا ہے اور جو خداوندی فرامین کے نزول کا مرکز ہے۔ وہاں تک شیطان کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ چونکہ مفید اور مستفید یعنی الہام کرنے والے اور الہام حاصل کرنے والے کے درمیان مناسبت ہونا ضروری اور شرط کے درجہ پر ہے' چنانچہ سنت اللہ اور دستور خداوندی اس طرح پر جاری ہے کہ شیاطین سے وہی نفوس فائدہ اٹھاتے ہیں جو خبیث اور کمینہ ہوتے ہیں اور یہاں آنحضرت ﷺ کا نفس مبارک حد درجہ مقدس اور آپ کے اعمال و اخلاق انتہائی درجہ پاک اور برگزیدہ ہیں لہٰذا آپ میں اور شیطانی سلسلوں میں مشرق و مغرب کا بعد اور نور و ظلمت کا تضاد موجود ہے۔ اس لیے ناممکن ہے اس کا کوئی تعلق شیطانی سلسلہ سے ہو۔

اس کے بعد یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ قرآن حکیم شعر و شاعری کے سلسلہ کی چیز بھی نہیں ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق و اعمال اور شعراء کی طبیعت و فطرت میں زمین و آسمان کا فرق ہے مثلاً" شعراء کی فطرت عموماً" یہ ہے کہ ان کو عمل سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ خیالات کی دنیا میں ہر میدان میں جست لگاتے رہتے ہیں۔ اعتدال سے ناآشنا ہوتے ہیں۔ مدح کرتے ہیں تو حد سے زیادہ۔ اور کسی کی ہجو کرتے تو وہ بھی اسی طرح بے پناہ۔ حسن کی تعریف کرتے ہیں تو سراسر مبالغہ۔ اس کے بغیر شعر میں رنگ پیدا نہیں ہوتا۔ اعمال و اخلاق کی اصلاح اور خلق خدا کی ہدایت اور ان کے ساتھ ہمدردی جیسے اعلیٰ اخلاق سے ان کو کوئی مناسبت نہیں ہوتی۔ اور یہاں صورت یہ ہے کہ ہر ایک مسئلہ میں اعمال و اخلاق کی اصلاح مقصود اول ہے۔ مبالغہ سے کوئی تعلق نہیں جو کچھ ہے حقیقت کی تعبیر صادق ہے۔ لہٰذا اس کلام مقدس کو شعر سے اور سرور کائنات ﷺ کو شعراء سے بھی کوئی نسبت نہیں ہے۔

اسی تقریر شریف کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے۔ فلا تدع الخ۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کو ہدایت ہوتی ہے کہ صرف ذات واحد کی پرستش اور عبادت کو اپنا مستقل شعار اور دائمی طریقہ بنائے رکھئے۔ جو کنبہ یا خاندان آپ سے سب سے زیادہ قریب ہے پہلے اس کو ہدایت کیجئے۔ سب سے پہلے اس کے سامنے اپنی دعوت پیش کیجئے اور ان کے ساتھ تواضع سے پیش آیئے جو آپ کی پیروی کرتے ہیں۔ اور اگر یہ لوگ آپ کی پیروی قبول نہیں کرتے اور آپ کی رہنمائی سے سرتابی کرتے ہیں تو اپنے خدا پر بھروسہ رکھئے۔ ان کے انکار کی وجہ سے مایوس مت ہو جیے۔ اپنی طبیعت کو تشویش میں مبتلا مت کیجئے۔

اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ ذَکَرُوا اللّٰہَ کَثِیۡرًا یعنی شعراء کی جو مذمت کی گئی ہے اس سے وہ مستثنٰی ہیں جو ایمان لائے۔ جو نیک کام کرتے ہیں اور

اللہ تعالیٰ کا ذکر بکثرت کرتے ہیں۔
اس آیت کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس استثناء کے مصداق حضرت ابوبکر حضرت عمر۔ حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن رواحہ ہیں (رضی اللہ عنہم) جو بکثرت ذکر کیا کرتے تھے (اور شعر سے بھی مناسبت رکھتے تھے۔
متعدد سندوں سے روایت ہے کہ جب حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے جو اسلام کے مشہور شاعر ہیں آنحضرت ﷺ سے اجازت چاہی کہ وہ کفار قریش کی ہجو میں کچھ لکھیں تو آنحضرت ﷺ نے اجازت صادر فرماتے ہوئے حضرت حسان کو ہدایت فرمائی کہ وہ حضرت ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہوں وہ آپ کو قریش کی پوری تاریخ۔ ان کے جنگی کارنامے اور ان کے خاندانوں کے حسب نسب بتائیں گے (مقصد یہ ہے کہ اگرچہ حضرت حسان شاعر تھے اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی شعر سے مناسبت تھی مگر ان حضرات کے اشعار حقائق و واقعات کی نقش آرائی ہوتے تھے۔ مبالغہ اور افراط و تفریط سے مبرا ہوتے تھے لہٰذا یہ اس استثنا میں داخل ہیں)
اس کے بعد پھر اسی سورت اور اسی رکوع کی آیت ہے۔ سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ اس آیت کی مناسبت سے حضرت شاہ صاحب نے مندرجہ ذیل روایت پیش کر دی ہے۔
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔ میرے والد ماجد نے اپنی وصیت میں دو سطریں تحریر کرا دیں وصیت نامہ یہ ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ وہ وصیت ہے جس کو ابوبکر بن قحافہ دنیا سے روانگی کے وقت لکھ رہا ہے۔ جب کہ کافر ایمان لے آتا ہے۔ بدکار پرہیزگار ہو جاتا ہے۔ اور جھوٹا سچ بولنے لگتا ہے میں عمر بن خطاب کو مسلمانوں کا خلیفہ بنا رہا ہوں۔ اگر وہ انصاف سے کام لیں تو جو میرے خیالات ان کے متعلق ہیں اور جو میری توقع ان سے ہے اس کی تصدیق کر دیں گے اور اگر وہ ظلم و زبردستی سے کام لیں اور یہ میری توقعات کو بدل دیں تو میں غیب داں نہیں ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ظالم بہت جلد جان لیں گے کہ وہ کس گردش کی جگہ پلٹ کر جا رہے ہیں (ازالۃ الخفاء فصل ششم آیت سورہ شعراء)

مہاجرین کرام کی عظیم الشان قربانی اور بےنظیر صداقت

اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ یَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (سورہ حشر ع ۱)

وہ جو نکال دیئے گئے ہیں اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے جو تلاش کرتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی خوشنودی اور مدد کرتے ہیں اللہ کی اور اس کے رسول

کی یہی ہیں سچے۔

اس آیت کی تفسیر میں امام المفسرین حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ یہ مہاجرین جن کا اس آیت میں ذکر ہے وہ ایثار شیوہ محبین اسلام ہیں جنہوں نے اپنے مکانات اپنے تمام مال و اسباب' اہل و عیال اور تمام کنبہ اور خاندان کو چھوڑا اور اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں نکل کھڑے ہوئے اور ان تمام سختیوں اور پریشانیوں کے باوجود اسلام کو اختیار کیا جن کے تصور سے پتہ پانی ہوتا ہے۔ فقرو فاقہ کی انتہا تھی کہ کئی کئی وقت کے فاقہ کی وجہ سے کمر کو سیدھا رکھنا مشکل ہوتا تھا مجبوراً" پیٹ پر پتھر باندھا کرتے تھے تاکہ کمر سیدھی رہ سکے۔ سردیوں میں گڑھے اور غار میں چھپ کر نکماس لیا کرتے تھے۔ ان کے برہنہ بدن کے لیے گڑھا ہی لحاف ہوتا تھا۔

افادات

سورہ حشر کی ان آیتوں میں ان جائیدادوں کے متعلق احکام ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں "دولت اسلام" کے زیر نگیں آئیں۔ بنو نضیر اور بنو قریظہ کی ضبط شدہ جائیدادوں اور فدک وغیرہ کے احکام ان آیات میں واضح ہوتے ہیں۔ دور حاضر کے چند مسائل پر بھی (جو سیاسیات اور اقتصادیات میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں) ان آیات سے روشنی پڑتی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اس موقع پر مختصر سی بحث فرمائی ہے۔ ہم مسئلہ کو واضح اور مدلل کرنے کے لیے مناسب سمجھتے ہیں کہ پہلے ان آیتوں کو نقل کر دیں۔ پھر حضرت شاہ صاحبؒ کے افادات زیب تحریر کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَا اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ - وَمَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ - وَمَا اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ لِلْفُقَرَاءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ - وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُو الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ - وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ

فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ وَالَّذِیْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِھِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ۔ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔ (سورہ حشر ع ۲)

اور اللہ تعالیٰ نے جو فے عطا کیا اپنے رسول کو ان سے لے کر (بقول حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ اور جو ہاتھ لگایا اللہؐ نے اپنے رسول کو۔ یعنی اللہ کے فضل سے رسول کے ہاتھ لگا) پس تم نے نہیں دوڑائے اس پر گھوڑے نہ اونٹ۔ لیکن اللہ جتا دیتا ہے۔ (غلبہ بخشا ہے) اپنے رسول کو جس پر چاہتا ہے اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

اور جو فے عطا کرے۔ (ہاتھ لگا دے) اللہ اپنے رسول کو بستیوں والوں سے تو وہ اللہ کے واسطے ہے رسول کے لیے ہے اور رشتہ داروں۔ یتیموں۔ مسکینوں اور مسافر کے لیے ہے (یہ تقسیم اس لیے ہے تا کہ وہ) دولت مندوں کے دست برد میں نہ آ جائے (بقول حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کہ دست گرداں نہ ہو جائے اور بقول حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ تانہ آوے لینے دینے میں دولت مندوں کے) اور جو دے تم کو رسول وہ لے لو۔ اور جس سے منع کرے اس سے رک جاؤ۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ کی مار سخت ہے۔

واسطے ان مفلسوں وطن چھوڑنے والوں کے (ان مفلس مہاجرین کے لیے) جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکال دیئے گئے۔ جو تلاش کرتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی خوشنودی اور مدد کرتے رہتے ہیں اللہ کی اور اس کے رسول کی یہی ہیں (اپنے قول و فعل کے) سچے۔

اور وہ لوگ جو ٹھیرے ہوئے ہیں اس گھر علاقہ (مدینہ) میں پہلے سے اور ایمان میں اپنا مقام پیدا کر چکے ہیں (یعنی حضرات انصار) وہ محبت کرتے ہیں ان سے جو ہجرت کر کے ان کے یہاں آئے ہیں اور ان مہاجرین کو جو کچھ دیا جائے اس سے یہ (باشندگان قدیم یعنی انصار) اپنے دلوں میں کوئی غرض اور دغدغہ محسوس نہیں کرتے (اور اس کے برخلاف) ان مہاجرین کو خود اپنی جان سے مقدم رکھتے ہیں۔ اگرچہ خود ان کو بھی کتنی ہی شدید حاجت و ضرورت در پیش ہو۔ اور جو اپنے نفس کے لالچ (حرص و طمع) سے بچا لیا جائے تو وہی ہیں کامیاب و بامراد۔ فلاح پانے والے اور یہ فے" (ہاتھ لگا ہوا مال) ان کے لیے ہے جو ان کے بعد آئیں یہ کہتے ہوئے کہ اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی بخش دے جو ایمان لانے

میں ہم سے سبقت کر چکے ہیں۔ اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں بیر۔ (کینہ) ایمان والوں سے اے ہمارے رب بیشک تو بہت مہربان ہے بہت رحم کرنے والا۔

اللہ تعالیٰ نے آیات مذکورہ بالا میں ان تمام جائیدادوں کو جو ان بستیوں کے باشندوں سے بطور "فے" کے حاصل ہوئی یعنی اس طرح حاصل ہوئیں کہ نہ ان کے حاصل کرنے کے لیے اونٹ اور گھوڑے دوڑانے پڑے نہ جنگ کرنی پڑی ان اراضی پیداوار کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ وہ بھی لشکر کشی کے بغیر حاصل ہوئی ہے خدا۔ رسول اور رسول اللہ ﷺ کے رشتہ داروں' یتامیٰ' مساکین اور ابن سبیل (تہیدست مسافر) کے لیے معین کر دیا ہے۔ اس کے بعد فقراء مہاجرین۔ انصار اور مہاجرین و انصار کے وہ پیروکار اور تابع جو عمدگی اور خوبی سے ان کی اتباع کرتے ہیں یعنی ان کے خیر خواہ و خیر اندیش ہیں اور ان کے لیے دعاء خیر کرتے رہتے ہیں ان کا ذکر کیا ہے اور اس "فے" میں ان کا حصہ مقرر کیا ہے۔ یہ غیر محدود اور غیر منحصر تعداد ہے۔ جس کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا۔ بہرحال جب یہ "فی" اور یہ آمدنی غیر منحصر اور غیر محدود جماعت کے لیے ہو گئی تو یہ بات بالکل واضح اور بالکل قطعی ہو گئی کہ یہ جائیدادیں اور ان کی آمدنیاں کسی شخص کی ملک نہیں ہو سکتیں بلکہ ہر شخص کو اس کی ضرورت کے مطابق یہ پیداوار دی جائے گی اور خلیفہ کا کام اس کے سوا کچھ نہیں ہو گا کہ آنحضرت ﷺ کے نائب کی حیثیت سے آنحضرت ﷺ کی سنت اور آپ کے قائم کردہ دستور کے مطابق تقسیم کرتا رہے۔ چونکہ اسی کام کے لیے اس کو منصب خلافت دیا جاتا ہے۔

ان آیات نے اس آمدنی کو اس طرح تقسیم کر کے یہ بھی واضح کر دیا کہ جائیداد اور ان کی آمدنیاں رسول اللہ ﷺ کی ملک نہیں ہیں۔ لہٰذا ان جائیدادوں یا ان کی آمدنیوں کے متعلق نہ میراث کا سوال پیدا ہو سکتا تھا اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رشتہ داروں میں سے کسی خاص شخص کو کوئی جائیداد ہبہ کر سکتے تھے۔ مندرجہ ذیل احادیث اس مضمون کو واضح کر دیتی ہیں۔

(۱) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔ بنی نضیر کی جائیدادیں اس آیت کے تحت میں داخل تھیں اور رسول اللہ ﷺ کے لیے مخصوص تھیں۔ آپ ان کی آمدنی میں سے اپنے متعلقین کو ایک سال کا "نفقہ" دے دیا کرتے تھے۔ پھر باقی آمدنی مسلمانوں کے لیے سامان جہاد فراہم کرنے میں صرف کر دیا کرتے تھے۔

(۲) حضرت مالک بن اوس بن الحدثان۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت کی

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ تا عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (سورہ توبہ)

زکوۃ حق ہے مفلسوں کا۔ محتاجوں کا اور ان کا جو اس کی وصولی کے کام پر مقرر کئے جائیں (بقول حضرت شاہ صاحبؒ اس کام پر جانے والوں کا اور جن کا دل پرچانا ہے۔ یعنی جن کے دلوں میں کلمہ حق کی الفت پیدا کرنی ہے (نو مسلم جن کے دلوں میں اسلام پوری طرح رچا نہیں) اور وہ کہ ان کی گردنیں غلامی

کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہیں۔ نیز قرض داروں کے لیے جو قرض کے بوجھ سے دب گئے اور ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور اللہ کی راہ میں (مثلاً) اور مسافروں کے لیے جو گھر نہیں پہونچ سکتے اور مفلسی کی حالت میں پڑ گئے)

یہ آیت پڑھنے کے بعد آپ نے فرمایا۔ یہ تو ان کے لیے ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے پڑھا۔ وَ اعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ (تاختم آیت) اور جان رکھو جو کچھ مال تمہیں غنیمت میں ملے اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے ہے۔ رسول کے لیے' رسول کے قرابت داروں کے لیے۔ یتیموں کے لیے' مسکینوں کے لیے اور مسافروں کے لیے۔

پھر آپ نے فرمایا یہ ان کا ہو گیا۔ اس کے بعد آپ نے تلاوت کی۔ مَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ اور ، شَدِیْدُ الْعِقَابِ' تک پڑھ کر فرمایا۔ یہ مہاجرین کے لیے ہے۔ پھر آپ نے پڑھا۔ تبوؤالدار و الایمان آخر آیت تک اور فرمایا یہ انصار کے لیے ہے۔ پھر پڑھا والذین جاؤ وامن بعدھم۔ آخر تک اور فرمایا اس نے تمام مسلمانوں کو اپنے اندر شامل کر لیا۔ اور ایک مسلمان بھی ایسا نہ رہا کہ اس مال میں اس کا حصہ نہ ہو۔ ہاں صرف یہ صورت ہو سکتی ہے کہ ایک شخص اپنا حصہ اپنے ساتھیوں کو دیدے۔

اس کے بعد حضرت عمر فاروق ؓ نے فرمایا۔ اگر میں زندہ رہا تو ایک چرواہا جو "سرد حمیر" (یمن کا ایک مقام) میں بکریاں چراتا ہو گا۔ اس کے پاس اس کا حصہ پہنچ جائے گا۔ اس کی پیشانی پر پسینہ بھی نہ آیا ہو گا۔ یعنی بغیر دوڑ دھوپ کے گھر بیٹھے اس کا حصہ اس کے پاس پہنچ جائے گا۔ (کہاں ہیں کمیونزم کے حامی کیا وہ کوئی ایسا پروگرام پیش کر سکتے ہیں ؟)

(۳) حضرت زید بن اسلم اپنے والد ماجد اسلم ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب ؓ نے ایک مرتبہ صحابہ کرام کو دعوت دی کہ جمع ہو کر غور کریں کہ ان اراضی کی آمدنی کس کس پر صرف کی جائے۔ آپ نے اس اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔ کلام اللہ شریف کی آیتیں ہمیں بتا رہی ہیں کہ کن کن پر ان آمدنیوں کو صرف کیا جائے۔ آپ نے ما افاء اللہ سے اولئک ھم الصادقون تک پڑھا اور فرمایا۔ واللہ یہ مال یہ صرف ان کے لیے نہیں ہے جن کا تذکرہ اس آیت میں ہے۔ پھر آپ نے والذین تبوؤا سے المفلحون تک پڑھا اور فرمایا خدا شاہد ہے یہ مال صرف انہیں کے لیے نہیں ہے۔ پھر آپ نے والذین جاؤ وامن بعدھم سے "رحیم" تک پڑھا اور فرمایا خدا کی قسم ایک بھی مسلمان نہیں رہتا جس کا اس مال میں حق نہ ہو۔ یہاں تک کہ "عدن" میں بکریوں کا چرانے والا بھی حق دار ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس کو اس کا حق دیا جائے یا روک لیا جائے۔

(۴) حضرت سعید بن المسیب ؓ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک روز مال تقسیم کیا۔ لوگ حضرت فاروق ؓ کا شکریہ ادا کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا یہ کیا حماقت ہے ؟ جو کچھ میں نے آپ لوگوں کو

دیا ہے اگر اس میں ایک درہم بھی میرا ہوتا تو میں شکریہ کا مستحق تھا۔ جب میرا مال ہی نہیں' آپ ہی لوگوں کا ہے تو آپ کو آپ کا مال دینے میں شکریہ کیسا؟

(۵) حضرت سمرہ رضی اللہ۔ اللہ تعالیٰ عنقریب تمہارے ہاتھ عجم سے بھر دے گا۔ (ان کی دولت تمہارے پاس آ جائے گی) پھر اللہ ان عجمیوں کو ایسے شیر (درندے) بنا دے گا جو فرار اور ہزیمت سے ناآشنا ہوں۔ یعنی عجمی عربوں پر بھاری ہو جائیں گے۔ یہاں تک کہ وہ تمہارے یعنی عربوں کے جنگجو بہادروں کو قتل کریں گے اور تمہارا فئے (اراضی حکومت کی آمدنیاں مستحقین کو دینے کے بجائے) خود کھائیں گے۔

(۶) حضرت سائب بن یزید۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے تین دفعہ فرمایاوالذی لا الہ الا اللہ (قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں) کوئی ایک آدمی بھی نہیں ہے جس کا اس مال میں حق نہ ہو' اس کو وہ حق دیا جائے یا روک لیا جائے) نیز کوئی شخص بھی دوسرے سے زیادہ مستحق نہیں ہے البتہ زر خرید غلام۔ اس سلسلہ میں میں بھی مسلمانوں کا ایک فرد ہوں۔ میری کوئی جدا حیثیت نہیں ہے۔ ہاں کتاب اللہ کے لحاظ سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کے لحاظ سے ہمارے مراتب اور منازل ہیں۔ لہٰذا ہر ایک شخص کے متعلق یہ دیکھا جائے گا کہ اسلام کی تاریخ میں اس نے کیا قربانی پیش کی۔ کتنی مصیبتیں جھیلیں۔ اس کا اسلام کتنا قدیم ہے۔ وہ اسلام کے لیے کس درجہ کار آمد ہوا۔ اور ہر ایک شخص کی ضرورت کو بھی دیکھا جائے گا۔ اگر میں زندہ رہ گیا تو خدا کی قسم ایک چرواہے کو جو کوہ صفا میں رہتا ہو اس کا حصہ اس کے مکان پر پہنچ جایا کرے گا۔

(۷) حضرت حسن رضی اللہ عنہ۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ لوگوں کو ان کے حصے اور ان کے وظیفے ادا کر دو۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ ہم ادا کر چکے ہیں اور پھر بھی بہت کچھ باقی رہ گیا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے (دوبارہ) لکھا۔ یہ انہیں کا فئے (مال) ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے ان کو مال غنیمت کے طور پر دیا ہے۔ یہ نہ عمر کا ہے اور نہ اولاد عمر کا۔ اس کو انہیں پر تقسیم کر دو۔

(۸) حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ (الذین تبو والدار الخ) کے بارے میں فرماتے ہیں' یہ انصار کا وہ قبیلہ ہے جو اپنے وطن اور مکانوں میں رہتے ہوئے سعادت اسلام حاصل کر چکے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے دو سال قبل وہاں مسجدیں بنا چکے تھے۔ یعنی اپنے اپنے محلوں میں نماز پڑھنے کی جگہ مقرر کر لی تھی اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں ان کی بہت اچھی تعریف کی ہے۔ یہ دو جماعتیں (مہاجرین اولین اور انصار) اس امت میں اولیت کا شرف اور مسابقت کی فضیلت حاصل کر چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فئے میں ان کا حصہ مقرر کر دیا ہے۔ اس کے بعد حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے تیسری جماعت کا ذکر کیا اور قرآن حکیم کی یہ آیت تلاوت کی والذین جاؤوا من بعدھم (تا آخر)اور فرمایا ان کو یہ حکم ہے کہ اصحاب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دعاء مغفرت کرتے رہیں۔ ان کو یہ حکم نہیں ہے کہ صحابہ کرام کو برا بھلا کہیں اور ان پر سب و شتم کریں۔

(۹) حضرت حسن رضی اللہ عنہ۔ اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کو انصار کے مقابلہ میں فضیلت عطا فرمائی ہے۔ انصار نے اپنے سینوں کے اندر اس پر کوئی احتیاج یعنی کسی قسم کا کوئی حسد محسوس نہیں کیا۔

(۱۰) حضرت عمر رضی اللہ۔ میں اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ مہاجرین اولین کا پورا احترام ملحوظ رکھے۔ ان کے حق کو پہچانے ان کی حرمت و عظمت کا پورا احترام کرے نیز حضرات انصار کے متعلق جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے رہنے کا انتظام کیا اور ایمان کو پناہ دی۔ اپنے بعد کے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ اچھی خدمت کرنے والے کی اچھی خدمت کو قبول کرلے اور خراب کام کرنے والے کی خرابی سے درگذر کرے۔

(۱۱) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔ مسلمانوں کے تین درجے تھے۔ دو درجے تو گذر چکے ایک باقی ہے۔ جو رفتار چل رہی ہے اس کے پیش نظر سب سے بہتر یہ ہے کہ جو ایک درجہ باقی رہ گیا ہے اس پر قائم رہو (اس تمہید کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی) لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ (الآیتہ) آپ نے فرمایا۔ یہ حضرات مہاجرین ہیں۔ یہ ایک درجہ ہے اور یہ درجہ گذر چکا۔ اس کے بعد یہ آیت پڑھی۔ والذین تبوؤ الدار والایمان من قبلهم (الایة) پھر فرمایا یہ انصار ہیں اور یہ ایک درجہ تھا۔ یہ بھی گذر چکا۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی والذین جاؤوا من بعدهم يقولون ربنا (الایۃ۔ آپ نے فرمایا وہ دونوں درجے تو گذر چکے یہ درجہ اور اس درجہ کے مسلمان باقی ہیں۔ ان تبدیلیوں کے دور میں جو پیش آ رہی ہیں' سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ تم اس درجہ پر قائم رہو (یعنی حضرات مہاجرین اور انصار کا احترام دلوں میں رکھو اور ان کے لیے دعائے خیر کرتے رہو۔ ان پر تنقید اور طعن و تشنیع نہ کرو (معاذ اللہ)

(۱۲) حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ۔ آپ نے آیتہ کریمہ۔ والذین جاؤوا من بعدهم کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا۔ اس آیت میں بعد میں آنے والے مسلمانوں کو حکم کیا گیا ہے کہ وہ پیشرو حضرات کے لیے دعائے خیر کریں اور حال یہ ہے کہ آپ دیکھ رہے ہیں لوگوں نے کیسی کیسی باتیں گھڑلی ہیں (حضرات صحابہ بالخصوص خلفاء راشدین پر طرح طرح کی نکتہ چینیاں کی جاتی ہیں۔ روافض حضرات شیخین اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر معاذ اللہ تبرا کرتے ہیں۔ خوارج ان کے برخلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں۔ وغیرہ ذالک نعوذ باللہ من ذلک)

(۱۳) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔ مسلمانوں کو حکم کیا گیا ہے کہ صحابہ کرام کے لیے دعائے خیر کریں۔ اور لوگ ان بزرگوں پر سب و شتم کرنے لگے۔ آپ نے دلیل میں یہ آیت پیش کی۔ والذین

جاؤوا من بعدھم (الایۃ)

(۱۴) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما۔ آپ نے دیکھا کہ ایک شخص کسی مہاجر کی شان میں گستاخی کر رہا ہے آپ نے یہ آیت پڑھی۔ للفقراء المھاجرین الخ۔ پھر اس شخص کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ قرآن حکیم نے مہاجرین کی یہ شان بیان فرمائی ہے۔ کیا تم مہاجر ہو۔ اس نے جواب دیا نہیں۔ پھر آپ نے دوسری آیت پڑھی۔ والذین تبو والدار۔ اور فرمایا قرآن کریم نے یہ انصار کی شان بیان فرمائی ہے۔ کیا تم انصاری ہو۔ اس نے جواب دیا نہیں۔ پھر آپ نے تیسری آیت پڑھی۔ والذین جاؤوا من بعدھم اور فرمایا کیا تم ان لوگوں میں سے ہو۔ اس نے کہا امید تو یہی ہے کہ میں ان لوگوں میں شامل ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ نہیں تم ان میں شامل نہیں ہو۔ جو شخص پہلے بزرگوں کی شان میں گستاخی کرے وہ اس آیت کا مصداق نہیں بن سکتا۔

(۱۵) دوسری سند سے یہ روایت اس طرح ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخانہ کلمات کہہ رہا ہے۔ آپ نے اس کو بلا کر اپنے سامنے بٹھایا اور مذکورہ بالا آیتیں پڑھ کر دریافت کیا تم مہاجر ہو' تم انصاری ہو۔ اس نے جواب نفی میں دیا۔ پھر تیسری آیت پڑھی اور دریافت کیا تم اس کا مصداق ہو۔ اس نے کہا مجھے توقع ہے کہ میں اس آیت کا مصداق ہوں۔ فرمایا نہیں۔ وہ شخص اس آیت کا مصداق نہیں بن سکتا جو ان پر نکتہ چینی اور اعتراض کرے اور اس کے دل میں ان بزرگوں کی طرف سے کینہ اور عداوت ہو۔

(۱۶) حضرت نعیم بن محمد رحبی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی ایک تقریر میں فرمایا۔ دیکھو! تم ایک ایسی مہلت میں صبح و شام کر رہے ہو۔ جس کی آخری میعاد کی خبر نہیں کہ وہ کب ختم ہوتی ہے۔ پس اگر تم یہ کر سکتے ہو کہ یہ مہلت ایسی طرح گذر جائے کہ تم پوری احتیاط سے کام لیتے رہو تو اس میں کوتاہی مت کرو۔ لیکن خداوند عالم کی امداد کے بغیر تم ایسا نہیں کر سکتے۔

دیکھو! بہت سے ایسے خود فراموش ہیں جو عمل کرتے ہیں۔ مگر اس کا مفاد دوسروں کے لیے ہوتا ہے (وہ ملی یا قومی نصب العین فراموش کر دیتے ہیں اور غلط راستہ پر دوڑتے ہیں۔ ان کی یہ تمام دوڑ دھوپ۔ ان کے بجائے ان کے حریف کو مضبوط کر دیتی ہے) حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے تم کو منع کیا ہے کہ تم اپنے عمل سے ایسے خود فراموش لوگوں کی مثال پیش کرو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسَاهُمْ اَنْفُسَهُمْ اُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ

(سورہ حشر ع ۳)

تم ان کی طرح مت ہو جانا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو فراموش کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خود اپنے آپ کو فراموش کر بیٹھے۔ یہی لوگ ہیں فاسق۔

پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہاں ہیں تمہارے وہ بھائی جن کو تم پہچانتے تھے ان کے جو کچھ اعمال تھے وہ ختم ہو چکے ہیں اور جو کچھ انہوں نے پہلے مہیا کر دیا تھا وہ ان کے سامنے ہے کہاں ہیں وہ عظمت و جبروت کے مالک جنہوں نے بڑے بڑے شہروں کو آباد کیا۔ مضبوط چار دیواریوں سے گھیرا ان کو مستحکم قلعہ بنا دیا۔ آج وہ پتھروں اور تودوں کے نیچے پہونچ چکے ہیں۔ یہ اللہ کی کتاب ہے' نہ اس کے عجیب و غریب حقائق و لطائف ختم ہوں گے نہ کبھی اس کا نور ماند پڑے گا۔ اس شمع ہدایت سے یوم ظلمت کے لیے روشنی حاصل کر لو۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان سے اور اس کے واضح بیان سے نصیحت حاصل کر لو۔ دیکھو اللہ تعالیٰ ان کی تعریف فرماتا ہے جن کی شان یہ ہے۔

كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ

وہ اچھے کاموں میں بہت تیزی سے سبقت کی کوشش کرتے ہیں وہ ہم کو رغبت و شوق اور ہیبت و خوف کے مختلف جذبات کی کش مکش میں پکارتے ہیں اور ہمارے سامنے خشوع و خضوع کرتے رہتے ہیں۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اس قول میں کوئی بھلائی نہیں ہے جس سے اللہ کی مرضی نہ حاصل کی جائے۔ اس مال میں کوئی بہترائی نہیں ہے جو راہ خدا میں خرچ نہ کیا جائے۔ اس شخص میں کوئی خوبی نہیں ہے جس کا تحمل اس کے غصہ پر غالب نہ ہو۔ اس مرد میں کوئی عمدگی نہیں جو اللہ کے بارے میں کسی دینی معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے ڈر جائے۔ (۱۰۰)

فقراء مہاجرین کی خودداری

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا۔ (سورہ بقرہ ع ۳۷ ع ۵ ح ۳)

جو مال تم راہ خدا میں خرچ کرو۔ وہ ان ضرورت مندوں کے لیے ہونا چاہیے جو راہ خدا میں گھر کر رہ گئے ہیں (صرف اسی کام کے ہو گئے ہیں۔ انہیں یہ موقع نہیں ہے کہ روزی کی تلاش میں دوڑ دھوپ کریں۔ اور فقر و فاقہ کے باوجود خود داری کا یہ عالم ہے کہ) جو شخص ان کے اندرونی حالات سے واقف نہیں ہے

وہ ان کو مستغنی سمجھتا ہے۔ (کہ یہ بے نیاز ہیں انہیں کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے) تم ان کے چہرے دیکھ کر ان کی حالت جان سکتے ہو۔ (لیکن) وہ لوگوں کے پیچھے پڑ کر کبھی سوال کرنے والے نہیں ہیں۔

حضرات انصار جس طرح اپنے وطن (مدینہ) میں اپنا مقام رکھتے ہیں وہ ایمان میں بھی اپنا مقام پیدا کر چکے ہیں۔ وہ مہاجرین سے محبت رکھتے ہیں۔ خود بھوکے رہتے ہیں اور مہاجرین کی مدارات کرتے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ وَلَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا اُوْتُوْا- وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ- وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ
(سورہ حشر ع ۲)

وہ جو ٹھیرے ہوئے ہیں دارالاسلام (مدینہ) میں پہلے سے جنہوں نے ایمان میں اپنا مقام پیدا کر لیا ہے۔ وہ محبت کرتے ہیں ان سے جو اپنا گھربار چھوڑ کر ان کے یہاں آئے ہیں اور ان مہاجرین کو جو کچھ دیا جاتا ہے اس سے اپنے دلوں میں کوئی غرض کوئی تنگی محسوس نہیں کرتے۔ اور مقدم رکھتے ہیں وہ (ان نووارد مہمانوں کو) خود اپنے نفس اور اپنی جان سے اگرچہ خود ان کو بھوک اور فاقہ ہو۔ اور جو شخص نفس کی طمع سے محفوظ کر دیا گیا وہ ہی ہے کامیاب و بامراد۔

ان آیات کی تفسیر پہلے صفحات میں گذر چکی ہے۔

طبقات صحابہ

فطری صلاحیتیں اور تفاوت مراتب

اَوَمَنْ كَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِهٖ فِی النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِی الظُّلُمَاتِ لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا- كَذٰلِكَ زُیِّنَ لِلْكَافِرِیْنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ- وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِیْ كُلِّ قَرْیَةٍ اَكَابِرَ مُجْرِمِیْهَا- لِیَمْكُرُوْا فِیْهَا وَمَا یَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ- وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰیَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰی نُؤْتٰی مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ رُسُلُ اللّٰهِ- اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ سَیُصِیْبُ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِیْدٌ بِمَا كَانُوْا یَمْكُرُوْنَ- فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ یَّهْدِیَهٗ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ

يُرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى السَّمَآءِ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا- قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (سورہ انعام ع ۱۵ ج ۸ ع ۲) (۱۴)

کیا وہ آدمی جو مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا اور دے دی اس کو روشنی اور اس کو لے کر چل رہا ہے لوگوں میں اس کے برابر ہے جس کا حال یہ ہے کہ اندھیروں میں گھرا ہوا ہے ان سے باہر نہیں نکل سکتا (کبھی نہیں۔ سو دیکھو جس طرح ایک شخص اندھیروں میں گھرے ہونے کے باوجود اپنی حالت پر قانع ہو جاتا ہے اور اسی کو غنیمت سمجھنے لگتا ہے) اسی طرح کافروں کی نظروں میں وہی باتیں خوشنما معلوم ہوتی ہیں جو وہ کرتے رہتے ہیں۔ اور (دیکھو جس طرح مشرکین مکہ کے سرگردہ اور سردار دعوت حق کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں) اسی طرح ہر بستی میں اس کے مجرمین اور غلط کاروں کے سرگردہ اور سردار مقرر کر دیئے ہیں تاکہ وہاں مکرو فریب کے جال پھیلائیں (قانون قدرت یہی ہے) اور فی الحقیقت وہ مکروہ فریب نہیں کرتے مگر اپنے ساتھ۔ لیکن اس کا شعور نہیں رکھتے (حضرت شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں۔ یعنی ہمیشہ کافروں کے سردار حیلے نکالتے ہیں جیسے فرعون نے معجزہ دیکھا تو حیلہ نکالا کہ سحر اور جادو کے زور سے سلطنت لینا چاہتا ہے) اسی طرح ایک حیلہ یہ ہے کہ) جب ان کے پاس سچائی کی کوئی نشانی آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم کبھی یقین کرنے والے نہیں ہیں جب تک ہمیں ایسی بات نہ ملے جیسی اللہ کے رسولوں کو مل چکی ہے (حالانکہ) اللہ ہی اس بات کو بہتر جانتا ہے کہ کہاں اور کس طرح اپنے پیغام پہونچانے کا سلسلہ قائم کرے (لیکن یہ بھی باور کر لو) کہ جو لوگ (انکار حق کے) جرم کے مرتکب ہوئے عنقریب انہیں خدا کے حضور ذلت اور حقارت ملے گی۔ اور جیسی کچھ وہ مکاریاں کرتے ہیں اس کی پاداش میں انکے لیے ہے سخت عذاب۔ پس جس کو خدا چاہتا ہے کہ (سعادت اور کامرانی کی) راہ دکھائے کھول دیتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے اور جس کسی پر (سعادت اور کامرانی کی) راہ گم کر دینا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کی راہ بھلا دے۔ کر دیتا ہے اس کے سینہ کو تنگ رکا ہوا۔ گویا وہ زور لگا کر چڑھ رہا ہے آسمان پر جس کی وجہ سے سانس پھول گیا ہے سینہ تنگ ہو گیا ہے۔ اسی طرح ڈالدیتا ہے عذاب ان پر جو ایمان و یقین سے محروم ہوتے ہیں۔ یہ ہے تیرے رب کا راستہ سیدھا۔ بلاشبہ ہم

نے ان لوگوں کے واسطے جو نصیحت پر دھیان دیتے ہیں (راہ حق) کی نشانیاں کھول کر بیان کر دی ہیں۔ ان لوگوں کے لیے (جنہوں نے خدا کی سیدھی راہ پر قدم اٹھایا) ان کے لیے ان کے پروردگار کے حضور سلامتی اور عافیت کا گھر ہے اور جیسے ان کے نیک عمل رہے ہیں ان کی وجہ سے ان کا پروردگار ان کا مددگار اور رفیق ہے۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ۔ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْا اَهٰؤُلَاءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنْ بَيْنِنَا اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ۔ وَاِذَا جَاءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (سورہ انعام ع ۷ ج ۱ ع ۱۳)

(اور اے پیغمبر) ان لوگوں کو جو (دعوت حق پر ایمان رکھتے ہیں) اور صبح شام خدا کے حضور مناجات کرتے رہتے ہیں اور اس کی خوشنودی چاہتے ہیں ان کو اپنے پاس سے نہ نکالو۔ ان کے کاموں کی جوابدہی تمہارے ذمہ نہیں ہے نہ تمہاری جوابدی ان کے ذمہ ہے کہ (اس ڈر سے) ان کو نکال دو۔ اگر ایسا کرو گے تو زیادتی کرنے والوں میں سے ہو گے (اور دیکھو) اس طرح (لوگوں کی حالتیں مختلف کر کے) بعض انسانوں کو بعض انسانوں کے ساتھ آزمایا ہے (کہ وہ جاہ و دولت کا گھمنڈ رکھنے والے غریبوں کو دیکھ کر کہنے لگیں) کیا یہی لوگ ہیں جن کو خدا نے اپنے انعام کے لیے ہم میں سے چن لیا ہے (اے گھمنڈ کرنے والو) کیا خدا (تم سے) بہتر جاننے والا نہیں ہے کہ کون اس کی نعمت کی قدر کرنے والے ہیں۔ اور اے پیغمبر جب وہ لوگ تمہارے پاس آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھنے والے ہیں تو تم شفقت و رحمت سے پیش آؤ اور کہو تم پر سلام ہو۔ تمہارے پروردگار نے اپنے اوپر رحمت لازم ٹھیرا لی ہے۔ تم میں سے جو کوئی نادانی سے کوئی برائی کر بیٹھے اور پھر توبہ کرے اور اپنی حالت سنوار لے تو خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ وہ بخشنے والا رحمت رکھنے والا ہے۔

حضرت شاہ رحمہ اللہ صاحب فرماتے ہیں۔ یہ آیتیں حضرات مہاجرین اولین کے تین طبقوں کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔

(۱) ان بزرگوں کا طبقہ جن کو خداوند عالم نے غیر معمولی ذکاوت عطا فرمائی تھی جو بعثت کے پہلے ہی دور میں ایمان لے آئے۔ اور اس اجمالی علم کی شہادت سے (جس کی روشنی ان کی فطرت کو عطا ہوئی تھی) پہلے ہی مرحلہ میں نبی برحق کی تصدیق کر لی۔ حضرت ابوبکر صدیق حضرت عثمان رضی اللہ عنہما اسی طبقہ کے بزرگ اور بالخصوص حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اس طبقہ کے عنوان اور سرفہرست ہیں۔ کہ بت پرستی سے احتراز خدا کی وحدانیت کا تخیل' زنا سے اجتناب' اور شراب اور جملہ قبائح سے نفرت' ان کی فطرت میں سرشت ہوئی تھی۔ یہ اذکیاء امت آنحضرت ﷺ کے ظہور قدسی کے متعلق بہت سی بشارت آمیز خوابیں پہلے ہی دیکھ چکے تھے۔ چنانچہ ان بزرگوں کے سامنے جیسے ہی دعوت توحید پیش کی گئی فوراً" ایمان لے آئے۔ یہ دعوت گویا ان کے دل کی آواز تھی جس کی کامیابی کے لیے نہ بار بار کہنے کی نوبت آئی' نہ معجزات کی ضرورت پڑی اور نہ مناظرہ اور مباحثہ کی حاجت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اسی طبقہ بالخصوص اس طبقہ کے سر دفتر (حضرت صدیق رضی اللہ عنہ) کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کفار کی اس جماعت سے مقابلہ کر رہے ہیں جو اپنی فطرت و طبیعت کے لحاظ سے ان بزرگوں کے برعکس واقع ہوئی ہے اور ان دو متضاد صلاحیتوں کو نور و ظلمت یا رات اور دن کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں' اسی طبقہ کے حضرات میں جن کے سینے اللہ تعالیٰ نے نور و ایمان کو جذب کرنے کے لیے کھول دیئے تھے۔ فَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ

(۲) وہ جماعت جو عرصہ دراز تک "موت معنوی" یعنی کفر۔ عداوت نبی برحق اور آنحضرت ﷺ کی مخالفت میں مبتلا رہی۔ پھر توفیق الٰہی نے ان کی دستگیری کی' ان کو حیات معنوی عطا ہوئی اور توفیق خداوندی نے ان کو عمائد ملت بنا دیا۔ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب۔ حضرت عمر بن الخطاب اسی طبقہ کے بزرگ ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس زمرہ کے سرفتر ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں حضرات بالخصوص ان کے سردفتر کی طرف اشارہ فرماتا ہے۔ اومن کان میتا الخ۔ ان کے برعکس وہ جماعت ہے جو ہمیشہ کفر پر جمی رہی اور کفر پر ہی اس کا خاتمہ ہوا۔

(۳) تیسرا درجہ ان کمزور مسلمانوں کا ہے جو قریش کے غلام یا آزاد کردہ غلام یا اس درجہ کے غریب لوگ تھے کہ رؤسا قریش ان کے پاس بیٹھنے میں بھی عار محسوس کرتے تھے۔ ان حضرات کے بارے میں نازل ہوا۔ لا تطرد الذین۔ مت ہٹاؤ ان کو جو اپنے رب کو صبح شام پکارتے ہیں۔ (یہ آیت شرح و تفسیر کے ساتھ فقراء صحابہ کے زیر عنوان پہلے گذر چکی ہے)

مذکورہ آیتوں کے الفاظ عام ہیں مگر قرائن شہادت دے رہے ہین کہ ان عام الفاظ سے خاص خاص حضرات اور بالخصوص حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما مراد ہیں کیونکہ۔

(۱) مفسرین کا اتفاق ہے کہ سورہ انعام از اول تا آخر مکہ معظمہ میں نازل ہوئی ہے۔ یہ وہی زمانہ ہے جب کہ حال ہی میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسلام سے مشرف ہوئے تھے۔ البتہ حضرت صدیق اکبر

رضی اللہ عنہ اس سے بہت عرصہ پہلے مسلمان ہو چکے تھے۔ لہٰذا اس آیت کے الفاظ اگرچہ عام ہیں لیکن متاخر مہاجرین۔ انصار کرام اور وہ حضرات جو بعد میں آنے والے ہیں' نزول آیت کے وقت مصداق نہیں ہو سکتے۔ آیت کا مصداق قرار دینے کے لیے لامحالہ ان ہی پچاس ساٹھ نفوس میں سے کچھ نفوس تلاش کرنے ہوں گے جو نزول آیت کے وقت ان صفات سے متصف تھے۔

(۲) اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنَاهُ (جو مردہ تھا پھر اس کو زندہ کیا ہم نے) ان الفاظ کا مصداق کوئی ایسا شخص ہی ہو سکتا ہے جو (الف) نبی برحق کی بعثت کے بعد ایک عرصہ دراز تک ایمان سے مشرف نہ ہوا ہو۔ اس کے بعد وہ ایمان لایا ہو اور اس کا قدم مضبوطی سے اسلام پر قائم ہو گیا ہو (ب) وہ ایک خاص قوت و طاقت اور ایک خاص اہمیت کا مالک ہو۔ تاکہ دوسری طرف جو "اکابر مجرمیہا" (یعنی گروہ مجرمین کے روساء اور عمائدین) کا لفظ ارشاد ہوا ہے اس کا موازنہ صحیح ہو سکے۔ اور من یرد اللّٰہ الخ۔ (جس کو اللہ ہدایت کرنے کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ کھول دیتا ہے) اسلام کے لیے اسی شخص پر منطبق ہو سکتا ہے۔

(الف) جو بار بار دعوت اسلام اور کسی مناظرہ یا بحث و مباحثہ کے بغیر خود ہی تہ دل سے ایمان لے آیا ہو۔

(ب) اس کی طرف سے کوئی ایسا شک و شبہ یا معجزہ کے متعلق کوئی مطالبہ نہ پیش کیا گیا ہو جیسا کہ عام طور پر پیش کیا جاتا تھا اور کہا جاتا تھا "لن نومن حتی نوتی مثل ما اوتی رسل اللّٰہ" (ہم تو ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہمارے سامنے بھی ایسے ہی معجزات نہ پیش کئے جائیں جیسے کہ اللہ کے رسولوں کو دیئے گئے تھے)

(ج) اس کو ایسا شرح صدر ہو جائے اور اس کا سینہ اس طرح کھل جائے کہ اسرار شریعت مکمل طور پر وہ خود سمجھنے لگیں ان قرائن کے پیش نظر ان افراد کی تعداد بہت کم ہو جاتی ہے جو اس آیت کے مصداق ہوں۔

(۳) اس آیت میں ارشاد ہے۔ وجعلنا له نور ایمشی به فی الناس (یعنی اس کا دل مردہ تھا اس کو زندگی عطا فرمائی گئی اور ایک ایسا نور اس کو دے دیا گیا کہ اس کو لے کر چل رہا ہے) اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ مہتدی (یعنی ہدایت یافتہ) بھی ہے اور دوسروں کے لیے ہادی اور رہنما بھی ہے اور اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کو بہت بڑا فائدہ پہونچے گا۔ یہ وصف اس طبقہ کے افراد میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

(۴) اس شخص کے مقابلہ میں "اکابر مجرمیہا" (مجرمین کے روساء اور عمائدین) کا ذکر کیا گیا ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ جنگ بدر میں جب ابو جہل مارا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا

"آج اس امت کا فرعون مارا گیا" نیز آنحضرت ﷺ نے دعا فرمائی تھی کہ خداوندا عمر بن الخطاب اور عمرو بن ہشام (ابوجہل) ان دو میں سے جو تجھے محبوب ہو اس سے میری تائید اور امداد فرما پس آنحضرت ﷺ کی دعا حضرت عمر بن الخطاب الفاروق الاعظم کے حق میں قبول ہوئی۔ جب یہ تمام قرائن سامنے آتے ہیں تو ذہن حضرات شیخین (صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما) کی طرف ہی سبقت کرتا ہے کہ اس آیت میں بطور سرِدفتر انہیں حضرات کی طرف اشارۃً کیا گیا ہے۔

پھر یہ نکتہ بھی نظر رہنا چاہیے کہ حضرت حق جل مجدہ۔ ایک کی تعریف میں فرماتے ہیں اسلام کے لیے اس کا سینہ کھول دیا۔ یہ صدیقیت کی حقیقت ہے۔ دوسرے کے متعلق یہ ارشاد ہوتا ہے کہ ان کو حیات معنوی بخشی گئی اور وہ نور عطا کیا گیا کہ اس کا اثر لوگوں پر پڑتا ہے۔ یہ خلافت خاصہ کی شان اور محدثیت" کی حقیقت ہے۔

اس طرح مدح و ستائش کے بعد ان کے لیے دارالسلام کا وعدہ ہوتا ہے۔ صراط مستقیم کا اعلان فرمایا جاتا ہے اور یہ ارشاد ہوتا ہے کہ "اللہ ان کا ولی" ہے۔ اس سے بڑھ کر مدح و ستائش اور اس سے اعلیٰ اور بالاشرف کیا ہو سکتا ہے؟ یہ سب خلافت خاصہ کے صفات ہیں۔

تیسرے طبقہ کی مدح و ستائش نیں ارشاد ہوتا ہے کہ وہ صبح و شام خدا کو یاد کرتے ہیں پھر ان کے اخلاص کو واضح فرمایا جاتا ہے کہ صرف رضا خداوندی ان کا مقصود اور ان کی مراد ہے۔ پھر ان کے لیے مغفرت کا وعدہ ہوتا ہے اس سے بہتر کون سی فضیلت ہو سکتی ہے۔ کدام فضیلت بہتر ازیں فضائل خواہد بود۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ اپنی تفسیر کی تائید میں مندرجہ ذیل روایتیں پیش کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما۔ فرماتے ہیں۔ میت۔ یعنی کا فروضال۔ فاحییناہ (۱۰۲) یعنی فھدیناہ (۱۰۳) نور۔ یعنی قرآن۔ اور فی الظلمات (۱۰۴) یعنی فی الکفرو الضلالۃ (۱۰۵)۔

حضرت زید بن مسلم فرماتے ہیں۔ اومن کان میتا"۔ تا فی الظلمات" یہ آیت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ دونوں اپنی گمراہیوں میں مرے ہوئے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اسلام کی زندگی اور دین کی عزت بخشی۔ اور ابوجہل کو اس کی گمراہی اور موت پر قائم رکھا۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تھی کہ خداوندا اسلام کو ابوجہل یا عمر بن الخطاب کے ذریعہ سے تقویت عطا فرما۔

حضرت حسن بھی مفسر قرآن حضرت ضحاک سے یہی مضمون نقل فرماتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ عمر بن الخطاب پر منطبق ہے اور كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِى الظُّلُمٰتِ ابوجہل بن ہشام پر۔ ابو سفیان سے مروی ہے۔ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

کے بارے میں نازل ہوا۔

اسی طرح اور بھی روایتیں ہیں۔ مختصر یہ کہ جمہور مفسرین ان آیتوں کے متعلق یہی کہتے ہیں کہ ان میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور ابو جہل کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں پر نظر فرمائی۔ قلب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خیرالقلوب تھا اس کو اپنے لیے منتخب فرما لیا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رسالت عطا فرما کر مبعوث فرمایا۔ پھر قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد باقی قلوب پر نظر ڈالی۔ پس آپ کے اصحاب کے قلوب باقی بندوں میں سب سے بہتر تھے۔ پس ان کو اپنے محبوب کے لیے وزراء بنا دیا۔ جو اس کے دین کی حمایت میں جہاد کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو قربان کرتے ہیں۔ لہٰذا جس بات کو یہ مسلمان پسند فرما دیں وہ اللہ کے نزدیک بھی پسندیدہ ہے اور جس کو برا سمجھیں وہ اللہ کی نظر میں بھی بری ہے۔ (۱۰۶)

حضرت ابوالصلت الثقفی۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَمَنْ یُرِدْ اَنْ یُضِلَّهٗ یَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَیِّقًا حَرَجًا آپ نے حرجا کی راء کو زبر پڑھا آپکے پاس جو دوسرے صحابہ کرام تھے اس میں سے کسی نے حرجا کی راء کو زیر کے ساتھ پڑھا۔ جب حرج اور حرج میں بحث ہوئی۔ تو آپ نے فرمایا۔ قبیلہ کنانہ کے کسی آدمی کو جو بکریاں چراتا ہو۔ تلاش کر کے میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ کنانہ کے ایک چرواہے کو تلاش کر کے لایا گیا۔ آپ نے فرمایا۔ میاں نوجوان! آپ کے یہاں حرجہ کسے کہتے ہیں۔ نوجوان نے جواب دیا۔ حرجہ ہمارے یہاں ایسے درخت کو کہتے ہیں جو بہت سے درختوں کے بیچ میں ہو۔ مگر اس طرح ہو کہ اس تک کوئی چیز نہ پہنچ سکے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ منافق کا دل ایسا ہی ہوتا ہے کہ اس تک کوئی "خیر" نہیں پہنچ سکتا۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی (محمد) صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ وہ قبائل عرب سے گفتگو کریں کہ کونسا قبیلہ آپ کو اور آپ کے ساتھ دعوت اسلام کو پناہ دینے کے لیے تیار ہوتا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم "منیٰ" تشریف لے گئے۔ میں اور حضرت ابوبکر۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ حضرت ابوبکر انساب کے بہترین ماہر تھے۔ پس جہاں جہاں قبائل عرب کے خیمے لگے ہوئے تھے اور ان کے پڑاؤ پڑے ہوئے تھے ہم وہاں پہونچے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کیا ان لوگوں نے جواب دیا۔ ان لوگوں میں مفروق بن عمر۔ ہانی بن قبیصہ۔ مثنیٰ بن حارثہ۔ نعمان بن شریک سے ملاقات ہوئی۔

ان سب میں مفروق بن عمر کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے زیادہ قرب تھا اور بیان اور زبان کے لحاظ سے بھی مفروق اپنے ساتھیوں میں سب پر غالب تھا۔ مفروق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہوا۔ اور کہا۔ آپ ہمارے سامنے کیا پیغام پیش کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور تشریف فرما ہو گئے۔ حضرت ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ پاس کھڑے ہو گئے۔ اور حضور ﷺ کے اوپر اپنی چادر کا سایہ کر لیا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ میں دعوت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ مجھ کو اذیت مت پہونچاؤ۔ مجھے مت مارو اور مجھے مت روکو تاکہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ پیغام پہونچا دوں جس کو پہونچانے کا اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حکم کیا ہے کیونکہ قریش اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف مظاہرہ کر رہے ہیں وہ اس مخالفت میں متفق ہو گئے ہیں۔ اللہ کے رسول کی تکذیب کر رہے ہیں اور حق کے مقابلہ میں باطل کی امداد کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ غنی حمید ہے۔

"مفروق نے کہا اور کیا دعوت پیش کرتے ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا تا تَتَّقُوْنَ

(۱۰۷)

مفروق نے کہا۔ اور کیا؟ واللہ یہ کلام جو آپ نے پڑھا ہے زمین پر بسنے والوں کا کلام نہیں۔ اگر یہ انسانوں کا کلام ہوتا تو ہم بھی انسان ہیں۔ ہم بھی اس طرز کے کلام پر قادر ہوتے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ

مفروق نے کہا واللہ۔ آپ نے مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کی طرف دعوت دی ہے۔ بلاشبہ وہ لوگ بہت بڑی غلطی کر رہے ہیں جو آپ کی تکذیب کرتے ہیں اور آپ کے برخلاف مظاہرہ کر رہے ہیں۔

ہانی بن ابی قبیصہ نے کہا۔ میں نے آپ کی گفتگو سنی۔ جو کچھ آپ نے فرمایا مجھے بہت پسند آیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ زیادہ عرصہ نہ گذرے گا کہ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو فارس کی سرزمین اور کسریٰ کی نہریں عطا فرما دے گا اور وہ اپنی لڑکیاں آپ کے سامنے پیش کریں گے تم اللہ کی تسبیح و تقدیس کرو گے۔

نعمان نے کہا۔ یہ کیسے؟ رسول اللہ ﷺ نے جواب میں یہ آیت تلاوت فرمائی۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا (الایتہ)

اے نبی ہم نے آپ کو بھیجا ہے کہ آپ شہادت دینے والے ہیں حق کی (پھر ماننے والوں کو) بشارت دینے والے اور (جو انکار کریں ان کو انکار کے) نتائج بد سے آگاہ کرنے والے اور بلانے والے اللہ کی طرف اس حالت میں کہ آپ درخشاں چراغ ہیں۔

اس کے بعد حضرت رسول ﷺ اٹھے اور حضرت ابوبکر کا ہاتھ پکڑے ہوئے واپس تشریف لے آئے۔

حضرت عبداللہ بن عباس۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ہمارے سامنے تقریر کی اور فرمایا۔ اے لوگو! اس امت میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو رجم کی تکذیب کریں گے دجال کی۔ مغرب کی جانب سے طلوع آفتاب کی۔ عذاب قبر۔ شفاعت۔ اور اس بات کی کہ ایک ایسی قوم ہو گی جو (قیامت کے دن) دوزخ سے نکلے گی جب کہ وہ جھلس گئی ہو گی۔ (ان سب باتوں کی) تکذیب کریں گے (ازالتہ الخفاء ص ۱۸۱ آیت ۲۵ فصل ششم)

> ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ (سورہ فاطر)

> پھر ہم نے کتاب کا وارث بنایا ان کو جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب کیا۔ پھر ان میں سے کچھ ہیں جو اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں (کہ وارث کتاب کی شان سے گر کر گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں) کچھ ہیں بیچ کی چال پر (میانہ رو) اور کچھ ان میں سے وہ ہوتے ہیں جو آگے بڑھتے ہیں خوبیوں اور امور خیر کی طرف (اللہ تعالیٰ کے حکم سے) یہی ہے بہت بڑی فضیلت۔

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یہ آیت جس کی مزید توضیح و تائید دوسرے آیتوں سے ہوتی ہے تصریح کرتی ہے کہ امت مرحومہ تین قسم پر منقسم ہے۔ سب سے اعلیٰ تو وہ ہیں جو امور خیر کی طرف سبقت کرتے ہیں اور آگے بڑھ کر اچھے کاموں میں حصہ لیتے ہیں جن کو دوسری آیت میں صدیقین۔ شہداء اور صالحین سے تعبیر فرمایا گیا ہے اور ان کو "مقربین" بھی فرمایا گیا ہے۔ دوسرے درجہ پر میانہ رو حضرات ہیں جن کو دوسری آیت میں اصحاب الیمین اور ایک آیت میں ابرار سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اور تیسرے مرتبہ پر جو سب سے کم درجہ ہے وہ ہیں جو اپنے حق میں ظلم کرتے رہتے ہیں یعنی ایسے مسلمان کہ ان کے عقائد درست ہیں مگر ان کے اعمال میں کوتاہی ہے لیکن ان کو اپنے افعال پر ندامت بھی ہوتی رہتی ہے اور وہ بارگاہ رب العالمین کی طرف رجوع کر کے اس کے تدارک کی بھی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ خلافت خاصہ کے سلسلہ میں ایک نکتہ بیان فرماتے ہیں کہ خلافت خاصہ کے لیے شرط یہ ہے کہ خلیفہ اپنے ذاتی عمل کے سلسلہ میں سابقین مقربین میں سے ہو یعنی اللہ کی طرف رجوع کرنے کے سلسلہ میں وہ سب پر سابق ہو اور پھر خلق اللہ کے ساتھ بھی ایسا ہو کہ اس کو مقربیت کا درجہ حاصل ہو اور جہاں تک ملی خدمات کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں وہ "سابقین اولین" میں سے ہو۔ اور جماعتی خدمات میں اس کا قدم سب سے آگے ہو۔

مویدات

حضرت عمرؓ بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے جو شخص امور خیر میں سبقت کرے گا وہ فلاح اخروی میں بھی سابق ہے۔ اور میانہ رو ناجی ہے اور اپنے حق میں ظلم کرنے والا (مومن گنہگار) مغفور ہو گا۔ پھر آپ نے تائید میں یہی آیت پڑھی فمنھم ظالم لنفسہ۔ الایتہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسی آیت کے بارے میں فرمایا۔ سابق ۔ مجاہدین ہیں۔ مقتصد (میانہ رو) شہروں میں رہنے والے (جو صاحب علم ہیں اور علماء کی صحبت میں رہتے ہیں) اور ظالم بادیہ نشیں (جو علم اور علمی مجلسوں سے دور رہتے ہیں)

افادات

یہ سورہ فاطر کے چوتھے رکوع کی آیت ہے۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ کِتَابَ اللّٰہِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً یَّرْجُوْنَ تِجَارَۃً لَّنْ تَبُوْرَ لِیُوَفِّیَھُمْ اُجُوْرَھُمْ وَیَزِیْدَھُمْ مِّنْ فَضْلِہٖ اِنَّہٗ غَفُوْرٌ شَکُوْرٌ وَالَّذِیْ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ ھُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ اِنَّ اللّٰہَ بِعِبَادِہٖ لَخَبِیْرٌ بَصِیْرٌ۔ (سورہ فاطر)

بیشک وہ لوگ جو کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں نماز قائم کرتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے کچھ خرچ کرتے رہتے ہیں پوشیدہ اور علانیہ (حسب موقع) اور وہ امیدوار ہیں ایسی تجارت (بیوپار) کے جو کبھی بھی نہیں ٹوٹے گی۔ تاکہ ان کو ان کے اجر پورے پورے عطا فرمائے اور بڑھتی دے اپنے فضل سے بیشک وہ ہے بخشنے والا' شکریہ کے ساتھ قبول کرنے والا۔ اور وہ جو ہم نے اتاری تم پر کتاب وہی ٹھیک (اور حق) ہے۔ جو تصدیق کرتی ہے کتب سابقہ کی۔ بیشک اللہ تعالیٰ خبر رکھنے والا ہے اور دیکھنے والا۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اول اس جماعت کی فضیلت بیان فرمائی ہے جو کتاب اللہ کی تلاوت کرتی ہے۔ باجماعت نماز ادا کرتی ہے اور ظاہر و پوشیدہ راہ خدا میں اپنا مال صرف کرتی ہے۔ ان تمام اعمال و انعال کو اللہ تعالیٰ نے ایک سود مند تجارت (جس کا نفع ابدی اور لازوال ہو گا) قرار دیتے ہوئے ان کے لیے اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہے کہ قرآن عظیم حق ہے۔ وہ کتب سابقہ کی تصدیق کرتا ہے۔ آپ پر اس کو نازل کیا ہے اور امت برگزیدہ (ایک منتخب جماعت) کو اس کا

وارث بنایا ہے۔ جن لوگوں نے کتاب اللہ اور وحی الٰہی کی تصدیق کی ہے ان کے تین درجے ہیں ایک وہ جو اس تصدیق کے ساتھ اپنے حق میں ظالم بھی ہیں ان کے ظلم کی تفسیر دوسری آیت میں یہ ہے۔ خلطو اعملاً" صالحاً" واخر سئیا۔ یعنی اعمال خیر کے ساتھ وہ گناہوں کے مرتکب بھی ہوتے رہتے ہیں لیکن ارتکاب معصیت کے بعد ان کو ندامت بھی ہوتی ہے۔ دوسرا درجہ ان کا ہے جو میانہ رو ہیں۔ اور تیسرا طبقہ پیشرو حضرات کا ہے جن کے قدم اعمال صالحہ کی طرف سب سے آگے رہتے ہیں۔ اس کے بعد امت مرحومہ کے ثواب اور اس کے مد مقابل یعنی کفار کے عذاب کا ذکر کرتے ہوئے ان کی دردناک سزا کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔

لَا یُقْضٰی عَلَیْھِمْ فَیَمُوْتُوْا وَلَا یُخَفَّفُ عَنْھُمْ مِنْ عَذَابِھَا (سورہ فاطر ع ٤)

نہ ان پر تقدیر پہونچتی ہے کہ ان پر موت آ جائے اور وہ مرجائیں اور نہ ان کے عذاب میں کمی کی جاتی ہے۔

سورہ فاطر کے دوسرے رکوع کی پہلی آیت ہے۔ افمن زین له سوء عمله فراه حسنا کیا وہ شخص جس کی نظر میں اس کا عمل بد سجا دیا گیا ہے اور وہ اس کو اچھا سمجھتا ہے۔

اس آیت کے شان نزول کے متعلق حضرت ضحاک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت ابوجہل اور حضرت عمر بن الخطاب ؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے (یعنی ان پر منطبق ہے) کیونکہ آنحضرت ﷺ نے دعا کی تھی کہ خداوندا ابوجہل یا عمر بن الخطاب میں سے کسی ایک کے ذریعہ دین کو قوت عطا فرما۔ پس اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہدایت عطا فرمائی اور ابو جہل گمراہ رہا۔

آیت زیر بحث کے بموجب جن کو کتاب اللہ کی وراثت ملی ہے اور جو اس وراثت میں سابقین کے زمرہ میں شامل ہیں۔ ان کی فہم و فراست کس درجہ بلند ہو جاتی ہے اس کی مثال کے طور پر حضرت مصنفؒ مندرجہ ذیل روایت پیش فرماتے ہیں۔

حضرت سعید بن المسیب ؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اٹھارہ فقرے پیش فرمائے ہیں۔ ہر ایک فقرہ حکمت و دانش کا گوہر ہے۔ ہم ان کو بجنسہ نقل کر کے ترجمہ کریں گے۔

(ا) ماعاقبت من عصی اللہ فیک بمثل ان تطیع اللہ فیہ۔

جس شخص نے تمہارے بارے میں خدا کی نافرمانی کی ہے (کہ تم پر کوئی ظلم کیا ہے) اس کی سزا اس سے بہتر کوئی نہیں ہو سکتی کہ تم اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرو۔

(۲) ضع امر اخیک علی احسنہ حتی یجیئک منہ ما یغلبک۔

تمہارے بھائی کا جو بھی معاملہ ہو اس کو سب سے بہتر صورت پر محمول کرو۔ (اس کے متعلق بہتر سے بہتر گمان قائم کرو) یہاں تک کہ اس کی جانب سے تمہارے سامنے ایسی بات آ جائے جو تم پر غالب ہو جائے (یعنی جس کے لیے تاویل کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے) یعنی جب تک تاویل کی گنجائش ہو اپنے بھائی کے ہر ایک معاملہ کے ساتھ حسن ظن رکھو اور کوئی اچھی توجیہہ کرتے رہو۔

(۳) لا تظنن بکلمۃ خرجت من مسلم شرا وانت تجدلھا فی الخیر محملا

جو بات کسی مسلمان سے صادر ہو۔ جہاں تک تم اس کو خیر اور بھلائی پر محمول کر سکو اس کے متعلق برا گمان مت قائم کرو۔

(٤) من عرض نفسہ للتھمۃ فلایلومن من اساء بہ الظن

جو تہمت کے موقع پر خود اپنے آپ کو پیش کر دے (یعنی تہمت کے موقع پر احتیاط سے کام نہ لے) اس کے متعلق اگر کوئی بدگمانی کرے تو وہ اس کو ہرگز ملامت نہ کرے (بلکہ خود اپنے نفس کو ملامت کرنی چاہیے کہ احتیاط کیوں نہیں برتی)

(٥) من کتم سرہ کانت الخیرۃ فی یدہٖ

جو شخص اپنے راز کو چھپائے ہوئے ہے اختیار اس کے قبضہ قدرت میں ہے (کہدینے کے بعد چھپانے کی فرمائش عبث ہے جب خود آپ نے نہیں چھپایا تو دوسرے سے یہ توقع کیوں کرتے ہو)

(٦) علیک باخوان الصدق تعش فی اکنافھم فانھم زینۃ فی الرخاء عدۃ فی البلا

ضروری ہے کہ اہل صداقت اور سچے آدمیوں کی صحبت اختیار کرو۔ ان کی حمایت کے سایہ میں اطمینان کی زندگی بسر کرو۔ یہ لوگ فراخی اور خوش حالی میں زینت ہوتے ہیں اور مصیبت اور آزمائش کے وقت میگزین (مال اور اسلحہ کا کار آمد خزانہ) ہوتے ہیں۔

(٧) علیک بالصدق وان قتلک

تمہارے اوپر سچائی لازم ہے اگرچہ وہ تمہیں قتل ہی کر ڈالے۔

(٨) لا تعرض فیما لا یعنی

بیکار بات میں دخل مت دو۔

(۹) لا تسال عمالم یکن فان فیما شغلا عمالم یکن

اس کی پوچھ گچھ مت کرو جو اب تک نہیں ہوئی۔ کیونکہ وہ جو ہو چکی ہے۔ اسی کی مشغولیت اتنی ہے کہ فرصت نہیں دے سکتی۔

(۱۰) لا تطلبن حاجتک الی من لا یحب نجاحها لک

اپنی ضرورت کے لیے اس سے درخواست مت کرو جو اس کام میں تمہاری کامیابی پسند نہیں کرتا۔

(۱۱) لا تهاون بالحلف الکاذب فیهلک الله

جھوٹی قسم کھا کر ذلیل مت بنو کہ خدا تمہیں جھوٹی قسم کی سزا میں ہلاک کر دے گا۔

(۱۲) لا تصحب الفجار لتعلم من فجورهم

بدکاروں کے ساتھ مت رہو کہ تم بھی ان کی بدکاری سیکھ جاؤ گے۔

(۱۳، ۱۴) اعتزل عدوک واحذر صدیقک الا الامین ولا امین الا من خشی الله

اپنے دشمن سے علیحدہ رہو دوست سے احتیاط برتو مگر یہ کہ وہ امانت دار ہو۔ اور امانت دار وہی ہے جو اللہ سے ڈرتا رہے۔

(۱۵) تخشع عند القبور

قبروں کے پاس خشوع اور خضوع سے کام لو

(۱۶) وذل عند الطاعته

طاعت کے وقت پوری طرح مطیع ہو جاؤ۔

(۱۷) واستعصم عند المعصیة

معصیت کے وقت پناہ مانگو۔

(۱۸) استشر فی امرک الذین یخشون الله فان الله یقول انما یخشی الله من عباده العلماء

اپنے معاملہ میں ان سے مشورہ کرو جو اللہ سے ڈرتے ہیں (کیونکہ جو اللہ سے ڈرتے ہیں وہ دانا اور واقف کار ہوتے ہیں) کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ سے وہ ہی بندے ڈرتے ہیں جو عالم ہوتے ہیں۔

سابقوں بالخیرات کا مرتبہ خداوند عالم کے یہاں کیا ہو گا؟ مندرجہ ذیل روایت سے اس کا اندازہ ہو سکتا

ہے۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین کے متعلق یہ بشارت دی ہے کہ یہی لوگ سابق (پیش رو) ہیں جو خداوند عالم کی بارگاہ میں شفاعت کریں گے اور اپنے رب کے لطف و عنایت پر ناز کریں گے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد "ﷺ" کی جان ہے وہ قیامت کے دن اس شان سے آئیں گے کہ ان کے مونڈھوں پر اسلحہ ہوں گے۔ وہ باب جنت کو کھٹکھٹائیں گے جنت کے خازن (دربان)) ان سے دریافت کریں گے۔ تم کون ہو۔ وہ جواب دیں گے۔ ہم مہاجر ہیں۔ ان سے جنت کے دربان کہیں گے۔ کیا تم حساب دے چکے۔ وہ گھٹنوں کے بل دو زانو بیٹھ جائیں گے۔ اپنے ہاتھوں کو اوپر کی طرف اٹھائیں گے اور کہیں گے اے رب کیا اس پر ہم سے حساب لیا جائے گا۔ ہم اپنے گھروں سے نکلے ہم نے اہل و عیال مال اور اولاد کو چھوڑا۔ بس اللہ تعالیٰ ان کے سامنے سونے کے بازو (پر) جیسی (سواریاں) پیش کر دے گا جس پر زبرجد اور یاقوت کی کشیدہ کاری ہو گی۔ وہ ان بازوؤں پر بیٹھ کر اڑ جائیں گے اور جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل آیتوں میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ، (تا) لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا لُغُوْبٌ
لَا یَسْتَوِی الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُوْنَ
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِیْنَ بِاَمْوَالِهِمْ
وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِیْنَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَفَضَّلَ اللّٰهُ
الْمُجَاهِدِیْنَ عَلَى الْقَاعِدِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا دَرَجَاتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً
وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا (سورہ نساء ع ۱۳ ح ۵ ع ۱۰)

(ترجمہ) اور کہا ان لوگوں نے حمد اس خدا کی جس نے ہمارا غم دور کر دیا۔ بیشک ہمارا رب بہت بخشنے والا اور شکریہ ادا کرنے والا ہے۔ (قبول کرنے والا) وہ رب جس نے ہمیں اتارا رہنے (مستقل قیام کرنے) کے گھر میں اپنے فضل سے نہ پہونچے ہم کو اس سے مشقت اور نہ پہنچے ہم کو اس میں تھکن۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ پس یہ مہاجرین جنت میں اپنی اپنی منزل پر پہونچ جائیں گے۔ ان کی منزلوں کو میں دنیا میں پوری طرح جانتا ہوں (ازالۃ الخفاء ص ۲۲۵ ج ۱ فصل ششم)

(ترجمہ)

مسلمانوں میں جو لوگ معذور نہیں ہیں اور بیٹھے رہے ہیں (جہاد میں شریک نہیں ہوئے) وہ ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جو اپنے مال سے اور اپنی جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جان و مال سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر باعتبار درجہ کے فضیلت دی ہے (اور یوں تو) خدا نے ہر ایک سے خوبی کا وعدہ کیا ہے (کسی کا بھی عمل نیک ضائع نہیں ہو گا) لیکن درجے کے اعتبار سے سب برابر نہیں ہیں) اور (اسی لیے) بیٹھ رہنے والوں کے مقابلہ میں جہاد کرنے والوں کو ان کے بڑے اجر میں بھی اللہ تعالیٰ نے فضیلت عطا فرمائی ہے۔ یہ اس کی طرف سے ٹھیرائے ہوئے درجہ ہیں۔ اس کی بخشش اور رحمت ہے اور بڑا ہی بخشنے والا رحمت رکھنے والا ہے۔

آیت کریمہ جہاد کو مدار فضیلت قرار دے کر صحابہ کرام کے چند طبقے معین کر رہی ہے۔ سب سے اعلیٰ اور افضل وہ حضرات ہیں جنہوں نے جان و مال دونوں کے ذریعہ جہاد کیا۔ یعنی غزوات و سرایا میں خود شریک بھی ہوئے اور اپنے مال اور اسباب سے بھی امداد کی۔ (جیسے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم) یہ طبقہ امت کا طبقہ علیاء اور امت کا سردفتر ہے۔

(۲) وہ حضرات جنہوں نے جہاد بالنفس کیا مگر جہاد بالمال سے معذور رہے۔

(۳) وہ حضرات جنہوں نے جہاد بالمال کیا مگر جہاد بالنفس سے کسی عذر کی بنا پر معذور رہے۔ مثلاً نابینا تھے یا اس قسم کا کوئی عذر ان کو لاحق تھا جس کی بنا پر اگر وہ شرکت بھی کرتے تو فائدہ پہونچانے کے بجائے ساتھیوں کے لیے بار بن جاتے۔

(۴) وہ صحابہ جنہوں نے جہاد بالمال کیا مگر جہاد بالنفس سے بلا کسی خاص عذر کے قاصر رہے۔

(۵) وہ صحابہ جنہوں نے نہ جہاد بالمال کیا نہ جہاد بالنفس کر سکے۔ صرف سید الکونین ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ مثلاً وہ حضرات جو عہد نبوت کے آخری دور میں مشرف باسلام ہوئے یا عہد نبوت میں کم سن نابالغ تھے۔

افادات

حضرت شاہ صاحبؒ اس آیت کو خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خلافت خاصہ کی بحث میں پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ وہ مشہور احادیث (جو اس درجہ پایہ ثبوت کو پہونچی ہوئی ہیں کہ ان کا تسلیم کرنا ضروری ہو جاتا ہے اور انکار یا تردد کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہتا) ثابت کر رہی ہیں کہ یہ تمام بزرگ (جملہ خلفاء راشدین) تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کی ہمرکابی کی سعادت حاصل کرتے رہے ہیں۔ اگر کوئی صاحب کسی وقت حاضر نہیں ہو سکے تو عذر قوی کے سبب سے۔

حضرات خلفاء راشدین میں سے کچھ تو وہ ہیں جنہوں نے شجاعت اور سپاہ گیری کے جوہر زیادہ سے زیادہ دکھائے۔ (جیسے حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما) کچھ وہ ہیں جن کی مالی امداد ممتاز حیثیت

حاصل کرتی رہی (جیسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) اور کچھ وہ ہیں جن کی دونوں حیثیتیں ممتاز اور نمایاں رہیں اور دونوں قسم کے جہاد کامل اور مکمل طور پر کئے (جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) (ازالتہ الخفاء ص ۱۷۰ج ۱ فصل ششم)

(۴) لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ - أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ - وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ (سورہ حدید ع ۱)

تم میں سے کوئی بھی ان کے برابر نہیں ہو سکتا جنہوں نے فتح سے پہلے خرچ کیا اور قتال (جہاد) کیا۔ یہ لوگ درجہ میں بہت بڑھے ہوئے ہیں ان سے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور جہاد کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہر ایک سے الحسنیٰ (اچھی حالت) کا وعدہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

یہ آیت ان اکابر دین کی افضیلت کو واضح کر رہی ہے جنہوں نے فتح سے پہلے جانی اور مالی جہاد کیا اور واضح کر رہی ہے کہ ان کا مرتبہ ان حضرات کے مقابلہ میں بلند و بالا ہے جنہوں نے فتح کے بعد جانی اور مالی جہاد کیا۔

فتح سے کون سی فتح مراد ہے؟ ایک قول یہ بھی ہے کہ فتح سے صلح حدیبیہ مراد ہے۔ قرآن حکیم نے اس صلح کو فتح سے تعبیر کیا ہے لیکن حضرت قتادہ فتح سے فتح مکہ مراد لیتے ہیں۔ چنانچہ آپ کا ارشاد ہے "دو قتال ہیں اور دو انفاق ہیں (یعنی سیرۃ مبارکہ پر اگر نظر ڈالی جائے تو جہاد و غزوات اور فی سبیل اللہ صرف مال۔ کے دو حصے کیے جا سکتے ہیں) ایک فتح مکہ سے پہلے ایک بعد میں جو قتال و انفاق فتح مکہ سے پہلے ہوا وہ اس سے افضل ہے جو بعد میں ہوا۔ حضرت قتادہ "الحسنیٰ" کی تفسیر "جنت" کرتے ہیں۔ یعنی جنت کا وعدہ تو دونوں کے لیے مشترک ہے۔ البتہ مراتب میں فرق ہے۔

حضرت مجاہد کا قول ہے کہ من انفق من قبل الفتح سے مراد ہے۔ من اسلم یعنی جو فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہو گئے۔ آپ کے نزدیک آیت کا منشاء یہ ہے کہ مہاجر غیر مہاجر کے برابر نہیں۔ کیونکہ جو صحابہ فتح سے پہلے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے ان کو مجبوراً اپنا وطن بھی چھوڑنا پڑا تھا۔ فتح مکہ کے بعد جو مسلمان ہوئے ان کو ہجرت کی ضرورت نہیں پیش آئی۔ تو جو فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوا وہ لامحالہ مہاجر بھی بنا اور فتح مکہ کے بعد جو مسلمان ہوا وہ مہاجر نہیں بنا۔ اور مشترک طور پر دونوں کے لیے یہ بشارت ہے کہ کلا" وعداللہ الحسنے۔ اچھی حالت (جنت) کا وعدہ ہر ایک سے ہے۔

افادات

حضرت شاہ صاحبؒ خلافت خاصہ کی بحث میں اس آیت کو پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

چونکہ خلافت خاصہ یا بالفاظ دیگر خلافت کاملہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ خلیفہ سب سے افضل ہو۔ لہذا عہد صحابہ میں خلیفہ کامل کے لیے یہ ضروری ہو گا کہ وہ ان بزرگوں میں سے ہو جو فتح سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے اور جانی و مالی قربانیاں پیش کیں۔ اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ تائید مضمون کے لیے چند روایتیں پیش فرماتے ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں سب سے زیادہ سخت تھا۔ ایک روز سخت گرمی کا دن تھا۔ دوپہر کا وقت۔ میں مکہ معظمہ کے ایک راستہ سے گذر رہا تھا کہ ایک شخص مجھ سے ملا اور کہا ابن خطاب۔ کس قدر تعجب کی بات ہے۔ آپ اتنی ڈینگیں مارتے ہیں۔ اور حال یہ ہے کہ خود آپ کے گھر میں اسلام گھس گیا ہے۔ میں نے کہا۔ یہ کیا؟

جناب آپ کی بہن مسلمان ہو چکی ہیں۔ اس شخص نے جواب دیا۔

میرے غصہ کی کوئی حد نہ رہی۔ میں واپس ہوا۔ بہن کے مکان پر پہونچا۔ دروازہ پر دستک دی۔ اندر سے آواز آئی کون -؟ - عمر۔ میں نے کرختگی سے جواب دیا۔ وہ میری آواز سن کر جھپٹے اور اندر جا کر چھپ گئے۔ وہ ایک صحیفہ پڑھ رہے تھے جو ان کے ہاتھ میں تھا۔ وہ جب چھپنے کے لیے اندر گئے تو قصداً" یا سہوا" یہ صحیفہ باہر ہی چھوڑ گئے۔ میں مکان میں داخل ہوا۔ چارپائی پر جا کر بیٹھ گیا۔ وہ صحیفہ میری نظر پڑا۔ میں نے کہا یہ کیا ہے۔ مجھے دکھاؤ۔ بہن نے کہا۔ تم اس لائق نہیں ہو۔ تمہیں غسل جنابت کی بھی توفیق نہیں ہوتی۔ تم پاک صاف نہیں رہتے۔ یہ وہ کتاب مقدس ہے کہ اس کو صرف پاک آدمی ہی چھو سکتے ہیں۔ اسی طرح سوال و جواب ہوتا رہا۔ بالاخر ہمشیرہ نے صحیفہ مجھے دے دیا۔ میں نے اس کو کھولا۔ اس میں لکھا تھا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ جب میں نے پڑھا۔ الرحمٰن۔ تو میرے اوپر ایک دہشت سی طاری ہوئی۔ اور یہ کاپی میرے ہاتھ سے گر گئی۔ میں نے دوبارہ اپنے آپ کو سنبھالا۔ کاپی کو اپنے ہاتھ میں اٹھایا۔ پھر میں نے پڑھا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ - سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَھُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ۔

جب اللہ کا کوئی نام آتا تھا دل پر ایک ہیبت چھا جاتی تھی۔ یہاں تک کہ میں اس آیت پر پہونچا۔ اٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ وَ اَنۡفِقُوۡا مِمَّا جَعَلَکُمۡ مُّسۡتَخۡلَفِیۡنَ فِیۡہِ

(ایمان لاؤ اللہ پر اس کے رسول پر اور خرچ کرو اس مال میں سے جس میں تم کو اللہ نے ایک دوسرے کا خلیفہ اور قائم مقام بنایا ہے) جیسے ہی میں نے یہ آیت پڑھی بے اختیار بول پڑا۔ اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ واشھدان محمدا" عبدہ ورسولہ۔ میری زبان سے ان الفاظ کا نکلنا تھا کہ چھپے ہوئے حضرات باہر نکل آئے۔ بشارت دینے لگے اور خوشی میں نعرہ تکبیر بلند کیا۔

حضرت زید بن اسلم رحمہ اللہ۔ رسول اللہ ﷺ نے یمن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ اس جانب سے ایک قوم آئے گی۔ ان کے ظاہری اعمال (نماز روزہ وغیرہ) اتنے زیادہ ہوں گے کہ تم اپنے اعمال کو ان کے مقابلہ میں حقیر سمجھو گے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا۔ ہم افضل اور بہتر ہوں گے یا وہ۔ فرمایا۔ نہیں تم ہی افضل اور بہتر ہو۔ ان میں سے اگر کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کردے تب بھی تمہارے ایک مد یا نصف مد خرچ کرنے کے برابر اس کا ثواب نہیں ہو گا۔ اس آیت کریمہ نے ہمارے اور تمام انسانوں کے درمیان فیصلہ کر دیا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے انفاق و قتال فی سبیل اللہ کی برابر کوئی انفاق کوئی قتال و جہاد ثواب نہیں رکھ سکتا۔ (وجہ ظاہر ہے۔ ثواب کا مدار اخلاص۔ ایثار اور مصائب جھیلنے پر ہے۔ (فتح مکہ سے پہلے جو ان چیزوں کی گرم بازاری تھی وہ فتح مکہ کے بعد سرد پڑ گئی)

حضرت زید بن اسلم بحوالہ عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے صلح حدیبیہ کے سفر کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم عسفان (مقام کا نام) پہونچے تو رسول اللہ ﷺ نے (اثناء خطاب میں)) ارشاد فرمایا۔ عنقریب ایک قوم آئے گی کہ تم ان کے اعمال کے مقابلہ میں اپنے اعمال کو حقیر سمجھو گے۔ ہم نے عرض کیا۔ یارسول اللہ کیا وہ قریش ہوں گے۔ فرمایا۔ نہیں وہ یمن والے ہوں گے۔ ان کے دل بہت نرم ہوں گے۔ ہم نے عرض کیا۔ یارسول اللہ۔ کیا وہ ہم سے بہتر ہوں گے ارشاد ہوا۔ نہیں۔ بہتر تم ہی ہو۔ آپ نے آیت بالا کا حوالہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ اگر ان میں سے کسی کے پاس سونے کا پہاڑ ہو اور وہ راہ خدا میں سارا پہاڑ خرچ کر ڈالے تو اس کو نہ تمہارے ایک مد کے خرچ کا ثواب ملے گا نہ نصف مد کی برابر ثواب ملے گا۔ (اہل ہند کے لیے یہ مسرت بجا ہے کہ ہندوستان یمن کی سمت میں ہے)

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ بہت سی حدیثیں واضح کر رہی ہیں کہ مقدمین صحابہ متاخرین سے افضل ہیں۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت خالد بن الولید اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کے درمیان کچھ بات چل گئی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے کہدیا آپ اس سبب سے بڑھ چڑھ کر بول رہے ہیں کہ ہم سے کچھ دنوں پہلے آپ سبقت کر چکے ہیں۔ یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچ گئی۔ آپ نے فرمایا۔ میری خاطر میرے دوستوں کو معاف رکھو اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر تم احد کے برابر بھی خرچ کر دو تب بھی ان کے کارناموں تک نہیں پہونچ سکتے۔

حضرت یوسف بن عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا۔ ہم افضل ہیں یا ہمارے بعد کے مسلمان۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اگر وہ احد کے برابر بھی سونا خرچ کر ڈالیں تو نہ تمہارے ایک مد کے برابر ان کو ثواب ملے گا نہ نصف مد کے برابر۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے۔ صحابہ کرام کے بارے میں بے ادبی مت کرو۔ ان کی ایک گھنٹہ کی خدمت بھی تمہارے عمر بھر کے کاموں سے بہتر ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہمارے اسلام لانے میں اور اس آیت کے نزول میں جس میں اللہ تعالیٰ نے تنبیہہ فرمائی ہے کہ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کے دل اللہ کی یاد کے لیے جھک جائیں۔ اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ صرف چار سال کا فصل تھا۔

نیز حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ الم یان للذین امنوا الایۃ تو ہم آپس میں ایک دوسرے سے حیرت سے پوچھنے لگے ہم نے کیا کام کر لیا۔ ہم سے کونسا فعل سرزد ہو گیا؟ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کے قلوب میں کچھ سستی دیکھی تو نزول قرآن سے تیرھویں سال یہ تنبیہہ فرمائی۔ حضرت اعمش رحمہ اللہ فرماتے کہ جب صحابہ کرام مکہ معظمہ کے مصیبت کدہ سے نکل کر مدینہ طیبہ پہونچے اور مکہ معظمہ کی مصیبتوں کے بعد ان کو یہاں کچھ سکون اور آرام میسر آیا تو غالباً" ان میں اس چستی کے مقابلہ میں جو مکہ معظمہ کی پر محن زندگی میں تھی کسی قدر سستی پیدا ہو گئی تو ان کو اس آیت کریمہ کے ذریعہ تنبیہہ فرمائی گئی۔

(الف) یہ تمام حدیثیں نزول آیت کا تقریباً" ایک وقت ہی بتا رہی ہیں۔ کیونکہ قرآن پاک کا متواتر نزول نبوت سے دو سال بعد شروع ہوا۔ ابتداء میں سورہ اقراء نازل ہو کر ایک عرصہ دراز تک وحی کا سلسلہ تقریباً" منقطع رہا۔ تقریباً" دو سال بعد تسلسل کے ساتھ نزول وحی شروع ہوا۔

(ب) یہ آیت کریمہ شہادت پیش کر رہی ہے کہ صحابہ کرام کی روحانی تربیت کی طرف کس درجہ حضرت حق جل مجدہ کا لطف و کرم متوجہ تھا کہ ذرا سی سستی پائی گئی تو فوراً" تنبیہہ فرمائی گئی۔ جس جماعت کے لیے خود حضرت حق جل مجدہ مرشد طریقت ہوں اس کے مرتبوں کا کیا ٹھکانا؟

(ج) مذکورہ بالا روایتیں اس پر متفق ہیں کہ اس آیت کا نزول فتح مکہ سے بہت پہلے ہوا۔ تو گویا وہ صحابہ کرام جو ابتدا میں دعوت اسلام قبول کر چکے تھے وہ ایک عرصہ پہلے خداوند عالم کی مخصوص تربیت سے فیض یاب ہو چکے تھے۔ ان حضرات کی فضیلت کے لیے اس سے زیادہ واضح دلیل کیا ہو سکتی ہے۔ (ازالۃ الخفاء ص ۲۴۳ ج ۱ فصل ششم)

(۵) وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ وَالشُّھَدَآءُ

عِنْدَ رَبِّهِمْ (سورہ حدید ع ۳) (۱۰۹)

اور جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر یہی ہیں وہ جو صدیق اور شہداء ہیں اپنے رب کے حضور میں۔

حضرت ابودرداء ؓ۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص اپنی جان اور اپنے دین کو خطرہ میں گھرا ہوا دیکھ کر حفاظت دین و ایمان کی خاطر ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف منتقل ہو وہ اللہ کے یہاں "صدیق لکھا جائے گا اور اگر مرگیا تو شہید ہو گا۔

رسول اللہ ﷺ نے اس ارشاد کے ثبوت میں یہی آیت تلاوت فرمائی۔ پھر ارشاد فرمایا جو لوگ حفاظت دین و ایمان کی خاطر ہجرت کرتے ہیں وہ روز محشر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کے درجہ میں ہوں گے۔

حضرت براء بن عازب ؓ۔ میں نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرما رہے تھے۔

میری امت کے مومن شہداء ہوں گے پھر استدلال میں یہی آیت تلاوت فرمائی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ۔ اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے آپ نے فرمایا۔ صاحب ایمان بستر پر مرجائے تب بھی شہید ہے۔

حضرت ابوھریرہ ؓ۔ شہید تو وہ ہے جو اگر اپنے بستر پر مرجائے تب بھی جنت میں جائے یعنی جو اس حالت میں وفات پائے کہ اس پر کوئی گناہ نہ ہو۔

حضرت مجاہد ؓ۔ ہر ایک مومن صدیق و شہید ہے' آپ نے یہی آیت دلیل میں پیش کی حضرت عمرو بن میمون کا بھی یہی قول ہے۔ (۱۱۰) (ازالتہ الخفاء ص ۲۴۴)

(٦) وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا - ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (سورہ توبہ ع ۱۳ ج ۱۱ ع ۲)

مہاجرین اور انصار میں جو لوگ سبقت کرنے والے سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں اور وہ لوگ جنھوں نے راست بازی کے ساتھ ان کی پیروی کی تو اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسے باغ تیار کر دیئے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں یہ ہمیشہ ہمیشہ ان باغوں میں رہیں گے' یہ ہے بہت بڑی کامیابی اور فیروز مندی۔

السابقون الاولون سے مراد وہ صحابہ کرام ہیں جو غزوہ بدر یا تحویل قبلہ سے پہلے مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ یہ دونوں واقعات قریب ہی زمانہ میں ہوئے ہیں۔ لہٰذا غزوہ بدر سے پہلے ایمان لانے والے صحابہ کرام مراد لیے جائیں یا تحویل قبلہ سے پہلے ایمان لانے والے حضرات مراد ہوں۔ مصداق میں فرق نہیں آئے گا۔

اس آیت کریمہ میں جس طرح حضرات صحابہ کی رفعت و عظمت شان بیان فرمائی گئی ہے وہ محتاج تفصیل و توضیح نہیں ہے اس سے بڑھ کر اور تعظیم و تکریم کیا ہو سکتی ہے کہ طرفین کی خوشنودی کا اعلان کر دیا گیا۔ کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہیں اور وہ حضرت حق جل مجدہ سے راضی ہیں۔

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُولٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ (سورہ واقعہ ع ۱)

اور سبقت کرنے والے سب سے آگے بڑھنے والے یہی ہیں مقربین باغوں میں نعمت کے۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ سورہ واقعہ میں مکلفین کے تین درجے بیان فرمائے گئے ہیں۔

(۱) سابقین مقربین (۲) اصحاب الیمین (داہنے والے) (۳) اصحاب الشمال (بائیں والے) اصحاب شمال (بائیں والے) کفار بھی ہیں اور فاسق اہل ایمان بھی۔ مگر یہاں خاص طور پر کفار مراد ہیں فاسق اہل ایمان کا تذکرہ اس موقعہ پر نہیں فرمایا گیا۔ بہرحال سابقین مقربین کا مرتبہ سب سے اعلیٰ اور افضل ہے۔ ان کی تعداد متقدمین میں زیادہ ہے اور متاخرین کے زمرہ میں کم ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

ثُلَّۃٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ وَقَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ

ایک جماعت ہے متقدمین میں سے اور تھوڑی سی متاخرین میں سے۔

مکلفین کا دوسرا طبقہ وہ ہے جن کو "اصحاب الیمین" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ان کا مرتبہ سابقین مقربین" سے کم ہے۔ ان کے متعلق ارشاد ہے۔

ثُلَّۃٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ وَثُلَّۃٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ

(ایک جماعت متقدمین میں سے اور ایک جماعت متاخرین میں سے)

یعنی جیسے زمرہ متقدمین کی ایک جماعت اس مرتبہ پر فائز ہو گی ایسے ہی متاخرین میں سے بھی ایک جماعت کو اس درجہ کا شرف حاصل ہو گا۔ (٭)

صحابہ کرام اور جہاد فی سبیل اللہ

اس سے پہلے کہ ان تفصیلات کو پیش کیا جائے جو ان عظیم الشان کارناموں کی شہادت دیتی ہیں جو حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے جہاد و غزوات کے سلسلہ میں ظہور پذیر ہوئے ضرورت ہے کہ خود جہاد کی حقیقت پر روشنی ڈالی جائے تاکہ ان مراتب کا بھی اندازہ ہو سکے جو صحابہ کرام کو اس سلسلہ میں حاصل ہوئے۔

حضرت شاہ صاحب نے اپنی تصانیف میں متعدد جگہ جہاد کی حقیقت پر بحث کی ہے۔ ہم یہاں ہر ایک تصنیف کا حوالہ دینا طول لاطائل سمجھتے ہیں۔ سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ آپ نے ازالۃ الخفاء کی فصل ششم میں آیت کریمہ ۱۸ لقد سمع اللہ قول الذین قالوا ان اللہ فقیر و نحن اغنیاء کی تفسیر کرتے ہوئے اس پر بحث کی ہے۔ ہم یہاں بھی تقریر نقل کرتے ہیں۔

حقیقت جہاد

یہ ہے کہ انسان اپنے ذاتی رحجانات۔ نفسانی جذبات کو فنا کر دے اور دست قدرت کا آلہ کار بن کر ان کو مقہور و مغلوب کرنے کی کوشش کرے جن کو قہر ذوالجلال کی حکمت بالغہ مقہور و مغلوب کرنا چاہتی ہے۔

تفصیل یہ ہے کہ وہ فضائل جن سے بندگان خدا اپنے معبود کا قرب حاصل کیا کرتے ہیں دو قسم کے ہیں۔

ایک وہ فضائل اور خصلتیں جو خود اپنی فطرت و حقیقت کے لحاظ سے انسان کو ملامت سے نجات دلا کر ملاء اعلیٰ سے قریب کر دیتی ہیں۔ مثلاً" توکل۔ صبر۔ نماز۔ روزہ۔ صدقہ اور حضرت حق جل مجدہ کا ذکر ایسی خصلتوں کی تلقین ہر ایک ملت اور ہر ایک مذہب میں کی گئی ہے۔

دوسرے ایسے اعمال و افعال جن کی فطرت تو یہ نہیں ہے لیکن کسی خاص دور میں خداوند عالم کی حکمت خصوصی ان میں یہ جوہر پیدا کر دیتی ہے کہ یہ اعمال و افعال افراد بشر کو ملامت کے بندھن سے نکال کر تقرب کا شرف عطا کر سکیں۔ جہاد۔ ہجرت اور حج۔ اسی قسم کے فضائل اور خصائل ہیں۔ اس قسم کے اعمال کسی ملت میں تو قرب خداوندی کا ذریعہ بنتے ہیں اور کسی میں نہیں۔ یہ اس ملت کے احوال کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ مثلاً" شریعت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے دور میں ارادہ خداوندی یہ ہوا کہ مشرکین یہود۔ نصاریٰ اور مجوس کو مقہور و مغلوب کیا جائے۔ اس ارادہ کو عالم اسباب میں جامہ وجود پہنانے کے لیے لَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ (۱۲) الآیۃ کا اصول طے کیا گیا یعنی وقاع اور جنگ۔

بہرحال ایک ترقی پذیر ملت کے لیے جس کو کار گاہ ہستی میں رہتی دنیا تک رکھنا ہو۔ بیشک اقدامی یا دفاعی جنگ کی ضرورت ہے لیکن جہاد فی سبیل اللہ کی حیثیت حاصل کرنے کے لیے شرط یہ ہے کہ مجاہد اپنے ذاتی رجحانات و تعلقات اور نفسیاتی جذبات کو یکسر فنا کر دے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم اس کا ذاتی جذبہ بن جائے۔ جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو وہی اس کو پسند ہو۔ جس سے خدا کو نفرت ہو اس سے اس کو نفرت ہو اپنا بیگانہ ہو جائے اگر اس کا تعلق خدا سے ٹوٹا ہوا ہو اور بیگانہ یگانہ بن جائے اگر اس کا رشتہ خدا سے جڑا ہوا ہو۔ اوقات شب میں یاد خدا میٹھی نیند سے زیادہ محبوب ہو۔ اور لذیذ ترین ماکول و مشروب سے اس کو گھن آئے اگر وہ حکم خدا کے مطابق نہ ہو۔ غرض ہر چیز حتیٰ کہ خود اپنی جان سے زیادہ اس کو اللہ اور اس کا رسول محبوب ہو۔

جب یہ کیفیت (۱۱۴) پیدا ہو جائے گی تو ظاہر ہے کہ اس کی جدوجہد اپنی ذات۔ اپنے فائدہ۔ یا اپنے کسی مقصد کے لیے نہیں ہو گی بلکہ وہ حکم خداوندی اور رضاء الٰہی کے نفاذ کی ایک عملی شکل ہو گی۔ یعنی عالم اسباب میں یہ فرشتوں کی طرح دست قدرت کا آلہ کار اور نظام عالم کی مشین میں ایک پرزہ کی حیثیت حاصل کر لے گا۔ اس وقت اس کا جہاد حقیقی جہاد اور وہ جہاد ہو گا جس کو للہ اور فی اللہ کہنا چاہیے۔

صحابہ کرام نے سرور کائنات ﷺ کے فیض صحبت سے یہی شان حاصل کر لی تھی۔ ان کے تمام ذاتی جذبات طبعی رجحانات انسانی علائق فنا ہو گئے تھے۔ وہ فرشتوں کی طرح دست قدرت کے آلہ کار تھے ان کے سینے خداوندی ارشادات کے پرجوش استقبال کے لیے کھلے ہوئے تھے۔ ان کو ملاء اعلیٰ اور اللہ کے فرشتوں سے خاص مشابہت اور مناسبت پیدا ہو گئی تھی (جن کے ذاتی رجحانات کچھ نہیں ہوتے بلکہ خداوندی ارشادات ان کے ذاتی جذبات کی حیثیت رکھتے ہیں) اور اس طرح ان کے لیے قرب خداوندی کا ایسا باب کھل گیا تھا کہ جسمانی اور نفسانی ریاضت اگر سو سال تک کی جائے تب بھی یہ دروازہ نہیں کھل سکتا اور ملاء اعلیٰ سے مشابہت اور مناسبت جو ان کو حاصل ہو گئی تھی اس کا عشر عشیر بھی حاصل نہیں ہو سکتا اب اگر ان کے ذریعہ کوئی قوم تباہ و برباد ہوئی تو اس تباہی و بربادی میں وہ دست قدرت کے اسی طرح آلہ کار تھے جیسے قوم ثمود کو تباہ کرنے کے وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام آلہ کار تھے۔

مختصر یہ کہ چونکہ ملت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام میں مخالف قوتوں کو شکست دینے کے لیے جہاد کا طریق عمل اختیار کیا گیا لہٰذا جہاد اور متعلقات جہاد یعنی ہجرت وغیرہ نے اس ملت میں خاص اہمیت حاصل کر لی اور اس اہمیت کے بموجب اس کی فضیلت بھی بے پایاں ہو گئی دوسری شریعتوں میں دشمنان دین کو مقہور اور مغلوب کرنے کے لیے ارادہ خداوندی نے یہ نوعیت نہیں اختیار کی تھی لہٰذا ان کے لیے جہاد کی اہمیت اور یہ فضیلت بھی نہیں رہی۔ اس تمہید کے بعد آئندہ آیتوں کے مطالعہ میں آپ خاص دلچسپی محسوس کریں گے ان آیتوں سے معلوم ہو گا کہ ان غزوات میں صحابہ کرام کس طرح دست قدرت کے

آلہ کار کی حیثیت سے کار فرما رہے۔ اور ملاء اعلیٰ کی طاقتوں نے کس طرح ارشاد ربانی کے بموجب ان مجاہدین فی سبیل اللہ کی امداد کی۔

غزوات و سرایا

غزوہ بدر (۱۱۴)

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ- اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ بَلٰۤى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ- وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ- وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ (سورہ آل عمران ج ٤ ب ٤)

اور (دیکھو) یہ واقعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کی جنگ بدر میں حالانکہ تم بہت ہی گری ہوئی حالت میں تھے۔ سو ڈرتے رہو اللہ سے (وہ جس طرح فتح دیتا ہے وہ شکست دینے پر بھی قادر ہے) تاکہ تم اس کے فضل و کرم کی قدر پہچان سکو۔ (اے پیغمبر) وہ وقت بھی یاد کرو جب تم کہ رہے تھے مسلمانوں سے کہ کیا تمہارے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ مدد فرمائے اللہ تعالیٰ تین ہزار نازل کیے ہوئے فرشتوں سے ہاں اگر تم صبر کرو اور تقویٰ کی راہ اختیار کرو۔ اور ایسا ہو کہ وہ (دشمن) تم پر اسی دم چڑھ آئیں تو کمک پہنچائے گا تم کو تمہارا رب پانچ ہزار نشان رکھنے والے فرشتوں سے۔ اور (یاد رکھو) یہ بات جو کہی گئی تو صرف اس لئے کہ تمہارے لئے فتح مندی کی خوش خبری ہو اور تمہارے دل اس کی وجہ سے مطمئن ہو جائیں۔ مدد و نصرت جو کچھ بھی ہے اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ اس کی طاقت سب پر غالب ہے اور وہ تمام کاموں میں حکمت رکھنے والا ہے۔ نیز اس لئے کہ منکرین حق کی طاقت کا ایک حصہ بیکار کردے یا انہیں اس درجہ ذلیل و خوار کردے کہ وہ نامراد ہو کر الٹے پاؤں پھر جائیں

یہ آیتیں واضح کر رہی ہیں کہ غزوہ بدر کے موقع پر مجاہدین اسلام بہت بے بس اور کمزور تھے۔ اللہ تعالیٰ کی مخصوص مدد ان کو حاصل ہوئی۔ فرشتے بھی ان کی مدد کے لیے بھیجے گئے۔ جنگ کرنے والے

مجاہدین ہی تھے' البتہ فرشتوں کی مدد یہ تھی کہ ہر طرح کی بے بسی اور کمزوری کے باوجود یہ مجاہدین مضطرب نہیں ہوئے' پوری طرح مطمئن رہے' ان کی ہمتیں بلند اور حوصلے بڑھے رہے اور کامیابی کی مسرت محسوس کرتے رہے۔ یہ سب اس لیے تھا کہ اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ منکرین حق کی طاقت کے ایک حصہ کو بیکار کر دے۔ بس یہ مجاہد ہی اللہ تعالیٰ کے اس ارادہ کو پورا کرنے کے لیے آلہ کار بنے۔ یہاں تک کہ دشمنان خدا۔ ذلیل و خوار ہو کر نامراد واپس ہوئے۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔ اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَ يُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ

(سورہ انفال ع ۲)

جب ایسا ہوا تھا کہ (جنگ بدر کے موقع پر) تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے کہ ہماری مدد کر پس اس نے تمہاری فریاد سن لی (اور بتا دیا) کہ میں ایک ہزار فرشتوں سے جو یکے بعد دیگرے آئیں گے کہ تمہاری مدد کروں گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ بات جو کی تو اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ تمہارے لیے خوش خبری ہو اور تمہارے (مضطرب دل) قرار پائیں اور مدد ہر حال میں اللہ ہی کی طرف سے ہے بلاشبہ وہ سب پر غالب آنے والا اپنے تمام کاموں میں حکمت رکھنے والا ہے۔ جب ایسا ہوا کہ اس نے چھا جانے والی غنودگی تم پر طاری کر دی تھی کہ یہ اس کی طرف سے تمہارے لیے تسکین و بے خوفی کا سامان تھا اور آسمان سے تم پر پانی برسا دیا تھا کہ تمہیں پاک و صاف ہونے کا موقع دیدے اور تم سے شیطان (کے وسوسوں) کی ناپاکی دور کر دے نیز تمہارے دلوں کی ڈھارس بندھ جائے اور (ریتلے میدانوں میں) قدم جما دے۔ اے پیغمبر یہ وقت تھا کہ تیرے پروردگار نے فرشتوں پر وحی کی تھی میں تمہارے ساتھ ہوں۔ بس مومنوں کو جمائے رکھو (ان کے دل ثابت رکھو) عنقریب ایسا ہو گا کہ کافروں کے دلوں میں (مومنوں کی) وہشت ڈال دوں گا۔ سو (مسلمانو) ان (کافروں) کی گردنوں پر ضرب لگاؤ۔ ان کے ہاتھ پاؤں کی ایک ایک انگلی پر ضرب لگاؤ۔

خلاصہ یہ کہ یہ حضرات مجاہدین۔ دست قدرت کا آلہ کار بنے تو قدرت نے ان کی ہر طرح مدد کی۔ میدان جنگ میں محاذ پر کھڑے ہوئے مجاہدین پر ایک غنودگی طاری ہو گئی۔ اس تھوڑی سی نیند کا اثر یہ ہوا کہ ان کا تھکان جاتا رہا۔ یہ تازہ دم ہو گئے۔ بارش برسا دی جس سے نہا دھو کر پاک صاف ہو گئے۔ ان کے پیروں تلے ریت تھا جس پر چلنا مشکل تھا۔ گرد نے ہوش و حواس گم کر رکھے تھے۔ بارش برسی تو گرد دب گیا۔ ریت جم گیا جس سے دوڑنا چلنا آسان ہو گیا۔ ان کا رعب دشمن پر چھا گیا۔ ان مجاہدین نے دست قدرت کا آلہ بن کر دشمن کے بدنوں پر اور بدنوں کے ہر ایک حصہ پر ضرب لگائی۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِىْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُمْ مِثْلَيْهِمْ رَاْىَ الْعَيْنِ- وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَشَاءُ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِاُولِى الْاَبْصَارِ (سورہ آل عمران ع ۲ ع ۱۰ ج ۳)

بلاشبہ تمہارے لیے دو گروہوں میں (کلمہ حق کی فتح مندیوں کی) بڑی ہی نشانی تھی جو بدر کے میدان میں ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تھے۔ اس وقت ایک گروہ (مٹھی بھر بے سروسامان مسلمانوں کا) اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا۔ دوسرا گروہ منکرین حق کا تھا جنہیں مسلمان اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ ان سے دو چند ہیں۔ (بایں ہمہ منکرین حق کو شکست ہوئی) اور اللہ جس کی چاہتا ہے اپنی نصرت سے تائید کرتا ہے اور اس کو قوت پہونچاتا ہے۔ بلاشبہ ان لوگوں کے لیے جو صاحب بصیرت ہیں (جو چشم بینا رکھتے ہیں) اس معاملہ میں بڑی ہی عبرت ہے۔

یہ حضرات (۱۱۵) دست قدرت کا آلہ تھے کہ اس کی مرضی پوری کریں

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى- وَلِيُبْلِىَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَنًا اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (سورہ انفال ع ۲)

پس تم نے ان کو نہیں مارا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو مارا۔ اور جب تم نے (خاک کی مٹھی) پھینکی تھی تو وہ تم نے نہیں پھینکی تھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھی۔

آیہ کریمہ میں جس طرح مسلمانوں کو اس غلط احساس سے روکا جا رہا ہے کہ وہ اس فتح کو خود اپنی تدبیر اور اپنی کوشش کی کامیابی سمجھنے لگیں اور اس پر ناز کرنے لگیں۔ اسی طرح اس آیت میں اس کی بھی وضاحت کر دی گئی ہے کہ اصل کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ فاعل حقیقی وہی ہے۔ اور جہاں تک ان مجاہدین

اور خود ذات اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کا تعلق ہے تو یہ دست قدرت کا آلہ کار ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ان حضرات کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو رضائے مولیٰ کے حوالے اس طرح کر دیا جیسے کوئی بے حس و حرکت آلہ مالک کے حوالہ ہوتا ہے۔ یہ سب سے بلند منزل ہے شان عبدیت کی ارباب طریقت اور اہل تصوف سے پوچھو کہ کیا فنا فی اللہ کا اس سے بلند کوئی درجہ ہے ؟ اور سب سے بڑی بات جو اس جماعت کو پوری امت بلکہ جملہ انبیاء علیہم السلام کی تمام امتوں سے ممتاز کر دیتی ہے یہ ہے کہ کلام اللہ شریف کی آیت اس کا اظہار کر رہی ہے یعنی خوبی یہ ہے کہ جن کے لیے فنا ہو رہے ہیں وہ خود اعتراف کر رہے ہیں کہ یہ میرے ہیں۔ مجھ پر فدا ہیں میرے لیے فنا ہیں۔

غزوہ احد (۱۲۶)

یہ وہی غزوہ ہے جس میں ستر صحابہ شہید ہوئے۔ سید الانبیاء ﷺ بھی مجروح ہوئے دندان مبارک شہید ہوا۔ اسباب ظاہری کے لحاظ سے کوتاہی یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ کی ڈیوٹی ایک درے پر لگا دی تھی اور ہدایت یہ فرما دی تھی کہ اسلامی فوج کو فتح ہو یا شکست وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹیں۔ ان حضرات نے جب یہ دیکھا کہ مسلمان بڑھ رہے ہیں اور انہوں نے غنیم کو دبا لیا ہے تو یہ درہ چھوڑ کر میدان میں آ گئے اور باقی مسلمانوں کے ساتھ مال غنیمت فراہم کرنے میں شامل ہو گئے۔ جب درہ خالی ہو گیا تو دشمن نے اسی درہ سے گذر کر مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کر دیا۔ اب سامنے والے بھی سنبھل گئے اور مسلمان دو طرف کے حملہ میں گھر کر تتر بتر ہو گئے۔

روحانی لحاظ سے اس کا سبب یہ تھا کہ ستر دشمن جو اس سے پہلے (غزوہ بدر میں) گرفتار ہوئے تھے ان کے متعلق جو فیصلہ کیا گیا تھا کہ ان کو کچھ لے دے کر رہا کر دیا جائے۔ اگرچہ وہ قانون اسلام کے لحاظ سے صحیح تھا مگر اس کا محرک کسی قدر یہ جذبہ تھا کہ یہ ہمارے عزیز و اقارب ہیں ان کو قتل نہ کیا جائے۔ بیشک رشتہ داروں پر رحم کرنا اسلام کی بنیادی تعلیم ہے۔ لیکن رشتہ دار اگر دشمن خدا ہو تو جذبہ للہیت کا تقاضا یہ ہے کہ جذبہ قرابت نظر انداز ہو اور پیش نظر اس کی یہ دشمنی ہو۔ جو خدا سے بیگانہ ہے وہ اپنے سے بھی بے گانہ ہونا چاہیے۔ ورنہ عاشق مولیٰ ہونے کا دعویٰ غلط ہے۔ اس غزوہ میں شہید ہونے والوں کے متعلق ارشاد ربانی ملاحظہ فرمایئے۔

"وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ- فَرِحِيْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ- يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ (سورہ آل عمران ع ۱۷)

ہرگز ہرگز ان کو مردہ مت تصور کرو جو راہ خدا میں قتل کر دیئے گئے بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے یہاں ان کو رزق دیا جاتا ہے وہ شاداں و فرحاں ہی ہیں اس پر جو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عنایت فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس غیر معمولی انعام و اکرام کو دیکھ کر وہ ان کے حق میں بھی خوش وقت اور مطمئن ہو رہے ہیں جو ان سے اب تک نہیں ملے ہیں (ان کے پیچھے رہ گئے ہیں) کہ ان کو بھی کسی قسم کا خوف نہیں ہو گا نہ وہ غمگین ہوں گے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے احسان اور اس کے فضل و کرم کی وجہ سے خوش و خرم رہتے ہیں۔ نیز اس بنا پر کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

آیت کے پہلے حصہ میں شہداء احد کے بلند مرتبہ کا اظہار ہے اور دوسرے حصہ میں ان تمام مسلمانوں کو بشارت ہے جو ان کے راستے پر چلنے والے ہیں۔

دردناک حادثہ احد کی کچھ تفصیل

واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ بدر میں قریش کو جو غیر معمولی شکست ہوئی تھی قریش مکہ نے اس کو اپنی غیرت و حمیت اور اپنی تاریخی عظمت کے لیے ایک چیلنج قرار دیا اور پوری قوت سے جوابی کارروائی کی جدوجہد شروع کر دی۔ تجارت شام کا پچاس ہزار مثقال سونا ایک ہزار اونٹ جو ابھی تقسیم نہ ہوئے تھے' چندے میں شامل کر دیئے گئے۔ ابوعزہ شاعر نے "حملہ" میں گشت لگا کر بنو کنانہ کو قریش کی مدد پر آمادہ کیا۔ اس طرح پانچ ہزار بہادروں کا لشکر دندناتا ہوا مدینہ کے قریب پہنچ گیا۔ اس لشکر میں تین ہزار اشتر سوار تھے۔ دو سو اسپ سوار۔ سات سو زرہ پوش پیادے تھے۔

آنحضرت ﷺ کی رائے تھی کہ مدینہ کے اندر رہ کر مدافعت کی جائے۔ مگر اکثریت کی رائے یہ تھی کہ مدینہ میں رہ کر مقابلہ کرنا کمزوری کی بات ہے۔ میدان میں دو دو ہاتھ ہونے چاہئیں۔ آنحضرت ﷺ نے اکثریت کے رجحان کا احترام فرمایا اور احد تشریف لے گئے جو مدینہ سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر ہے اسلامی لشکر کی تعداد ایک ہزار تھی۔ عین وقت پر ابی بن سلول (منافق) نے دغا دی اور اپنے تین سو ساتھیوں کو راستہ ہی سے واپس لے آیا۔

اب مسلمانوں کی تعداد جس کا پانچ ہزار کے خونخوار جم غفیر سے مقابلہ تھا صرف سات سو تھی۔ آنحضرت ﷺ نے لشکر کی صف بندی کرتے ہوئے کچھ مجاہدین کو ایک درے پر مامور فرما دیا جو اسلامی فوج کے عقب میں تھا اور ان کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ اپنی جگہ نہ چھوڑیں۔ خواہ مسلمانوں کو فتح ہو یا شکست۔ لڑائی شروع ہوئی تو سات سو کی اقلیت نے پانچ چھ گنی اکثریت کا منہ پھیر دیا۔ دشمن پسپا ہونے لگا

تو مسلمانوں نے ان کے ڈیروں خیموں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ درہ پر متعین تیر اندازوں نے دیکھا کہ دشمن بھاگ رہا ہے اور مسلمان آگے بڑھ رہے ہیں تو فتح کی خوشی میں درہ چھوڑ کر میدان میں آ گئے اور دشمنوں کے مال اسباب پر قبضہ شروع کر دیا۔

سپہ سالار خالد۔ جو اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور دشمن کی فوج کے ایک دستہ کی کمان کر رہے تھے انہوں نے دیکھا کہ عقب کا درہ خالی ہے تو وہ اپنے دستہ کو لے کر اس درے سے گذرے اور مسلمانوں پر پشت کی طرف سے حملہ کر دیا۔ سامنے سے جو لوگ بھاگ رہے تھے جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں پر دوسری جانب سے حملہ ہو گیا ہے تو وہ بھی پلٹے اور جم کر حملہ شروع کر دیا۔ اب مسلمان دو طرف سے دشمن کے نرغے میں گھر گئے۔ ان کا جتھہ تتر بتر ہو گیا۔ گرد و غبار نے پہچان مشکل کر دی۔ مشہور ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ شہید ہو گئے۔ اس نے اور زیادہ حواس باختہ کر دیا۔ آنحضرت ﷺ کے گرد صرف (۱۲) بارہ صحابی رہ گئے۔ ابوبکرؓ عمرؓ۔ عبدالرحمٰن بن عوف۔ سعد بن ابی وقاص ۔ طلحہ بن عبداللہ۔ زبیر بن عوام ۔ ابو عبیدہ بن جراح۔ اور پانچ اور صحابہ رضی اللہ عنہم۔

تیر اندازی کے علاوہ دشمنوں نے سنگ باری شروع کر دی۔ آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی کو نشانہ بنایا گیا۔ ابن قمیہ کے پتھر سے سرکار دو عالم ﷺ کی پیشانی مبارک۔ ابن شہاب کے پتھر سے آپ کا بازو زخمی ہوا۔ عتبہ کے پتھر سے محبوب رب العالمین ﷺ کے دندان مبارک شہید ہو گئے۔ (غزوہ بدر اور احد کے واقعات چونکہ سیرت کی تمام کتابوں میں تفصیل سے بیان کئے جاتے ہیں وہ عام طور پر مسلمانوں کو معلوم ہیں' لہٰذا یہاں صرف مجمل تذکرہ کافی سمجھا گیا)

بہرحال اس معرکہ میں جو شہید ہوئے ان کے متعلق ارشاد ربانی وہ ہے جو اوپر نقل کیا گیا۔ جن کے پاؤں اکھڑ گئے تھے ان کے متعلق ارشاد ربانی یہ ہے۔

> اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْکُمْ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّھُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَاکَسَبُوْا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰہُ عَنْھُمْ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ۔ (سورہ آل عمران ع ۱۵)

> تم میں سے جن لوگوں نے اس دن منہ موڑ لیا تھا جس دن دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تھے تو ان کی لغزش کا باعث صرف یہ تھا کہ بعض کمزوریوں کی وجہ سے جو انہوں نے پیدا کر لی تھیں شیطان نے ان کے قدم ڈگمگا دیے تھے (یہ بات نہیں تھی کہ ان کے ایمان میں فتور آ گیا ہو) یہ واقعہ ہے کہ خدا نے ان کی یہ لغزش معاف کر دی وہ یقیناً" بخش دینے والا (انسان کی کمزوریوں کے لیے) بردبار ہے۔

غزوہ احزاب

یہ غزوہ ۵ھ میں پیش آیا۔ یہود بنو نضیر اور کفار مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے خلاف سخت پروپیگنڈا کر کے تمام عرب کو اس پر آمادہ کیا کہ ایک متحدہ حملہ مدینہ طیبہ پر کر کے اسلام اور مسلمانوں کا قلع قمع کر دیں۔ چنانچہ عرب قبائل کی تمام جماعتیں اپنی پوری طاقتوں کے ساتھ اس متحدہ حملہ میں شریک ہوئیں۔ اسی لیے اس کو غزوہ احزاب کہتے ہیں (یعنی تمام جماعتوں کی متحدہ جنگ)

یہود کے باقی قبائل جو اب تک مدینہ طیبہ اور اطراف مدینہ طیبہ میں اپنے محفوظ قلعوں میں آباد تھے اور جو اب تک اپنے معاہدہ پر قائم تھے اس موقع پر انہوں نے بھی غداری کی اور اس اجتماعی حملہ کی کامیابی کو یقینی تصور کر کے حملہ آور احزاب کے ساتھ ساز باز اور ان کی امداد و اعانت شروع کر دی۔ ایک وہ مار آستین منافقین کی جماعت تھی جو مسلمانوں کی زندگی میں شریک رہ کر در پردہ ان کے خلاف ریشہ دوانی میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھتی تھی۔ اس نے اس اجتماع کو دیکھ کر بغلیں بجائی اور مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ اور کھلم کھلا کہنے لگے۔

مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اِلَّا غُرُوْرًا (احزاب ع ۲)

اللہ اور اس کے رسول نے جو کچھ وعدہ کیا تھا وہ محض دھوکہ تھا (معاذ اللہ)

انہیں میں وہ بھی تھے جو غزوہ احد کے موقع پر عین معرکہ کے وقت کٹ کر الگ ہو گئے۔ تاکہ باقی مجاہدین کی ہمتیں پست ہو جائیں اور ان کے پاؤں اکھڑ جائیں۔ اس کے بعد اگرچہ بہت کچھ عہد و پیمان کر کے نہایت پختگی سے وعدہ کیا تھا کہ لا یولون الادبار (سورہ احزاب ع ۲) آئندہ ہرگز پیٹھ نہ پھیریں گے مگر آج وہ تمام عہد و پیمان طاق نسیان کے حوالہ ہو گیا تھا۔ اور آج انہوں نے دوسرے بہانوں کے علاوہ ایک حیلہ یہ تراشا تھا کہ ان بیوتنا عورۃ ہمارے مکانات کھلے ہوئے ہیں (غیر محفوظ ہیں)۔

بہرحال مٹھی بھر مومنین قانتین جو انتہائی پریشانی۔ عسرت بلکہ کئی کئی وقت کے فاقوں سے آقا دوجہاں۔ سید الکونین ﷺ کے ساتھ رہ کر دفاع کی کوشش میں مصروف تھے۔ ان کے علاوہ باقی تمام عرب اور خود مدینہ منورہ کے یہود اور منافق اسلام کے نوخیز پودے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی پوری جدوجہد کر رہے تھے۔ اسلام اور حامیان اسلام کے لیے انتہائی نازک وقت تھا۔ قرآن حکیم کے مندرجہ ذیل معجزانہ کلمات سے اس وقت کی نزاکت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا۔ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا (سورہ احزاب ع ۲)

وہ وقت جب کہ وہ تم پر چڑھ آئے تھے اوپر کی جانب سے (مدینہ کی مشرقی جانب سے) اور نیچے کی جانب سے (مدینہ کی غربی جانب سے) اور جب کہ نگاہیں پھر گئی تھیں (بہت سے وہ لوگ جو دوستی اور وفاداری کا اظہار کیا کرتے تھے۔ آج کترا گئے تھے) اور دل دھڑک دھڑک کر گلوں تک پہونچنے لگے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں کے متعلق طرح طرح کے گمان ہونے لگے تھے۔ اس موقع پر مسلمان پوری طرح آزمائے گئے اور ان کو سختی سے جھنجوڑا گیا۔ (سورہ احزاب ع ۲)

صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) نے جس استقلال و استقامت کا ثبوت اس موقع پر دیا کلام ربانی کی مندرجہ ذیل آیتیں اس کی شہادت دے رہی ہیں۔

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَاءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ـ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ـ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا (سورہ احزاب)

جب مسلمانوں نے مشرکین کی فوجوں کو دیکھا تو کہا یہ وہی ہے جس کا ہم سے وعدہ کیا ہے اللہ نے اور اس کے رسول نے اور سچ فرمایا اللہ نے اور اس کے رسول نے۔ اور اس سے (ان فوجوں کی آمد اور اس ہجوم بے پناہ کے حملہ سے) ان کا ایمان و تسلیم ہی زیادہ ہوا مسلمانوں میں سے کچھ تو وہ مرد (بہادر) ہیں جنھوں نے تصدیق پیش کر دی اس معاہدہ کی جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا (کہ دین برحق اور کلمتہ اللہ کو سربلند کر دیں گے اور دشمنان حق سے مقابلے کے وقت ثابت قدم رہیں گے) پس ان میں سے کچھ تو وہ ہیں جنھوں نے اپنی نذر پوری کر دی (اعلاء کلمتہ اللہ کے لیے جہاد کرتے کرتے جان دے دی۔ بعنوان دیگر ان کا حصہ یہی تھا کہ اعلاء کلمتہ اللہ کے لیے جان دے دیں وہ اپنا حق ادا کر چکے اور کچھ وہ ہیں کہ انتظار کر رہے ہیں کہ پھر کب موقع آئے کہ وہ اعلاء کلمتہ اللہ کے لیے اپنی قربانیاں پیش کریں اور ان لوگوں نے اپنے عہد میں ذرا سی تبدیلی بھی نہیں کی۔ یہ سب کچھ اس لیے ہے تاکہ اللہ تعالیٰ سچوں کو ان کی سچائی کی جزا عطا فرمائے اور منافقوں کو عذاب میں مبتلا کرے اگر چاہے یا ان کی توبہ

قبول فرمائے۔ بیشک اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے (وہ آج کے منافقوں کو مخلص مسلمان بنا کر انکے نفاق کو معاف فرما سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو غیض و غضب کے ساتھ (کہ وہ کوئی خیر اور کوئی کامیابی حاصل کر سکے) واپس کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے مومنین کی طرف سے جنگ کی کفالت کرلی (کہ شدید آندھی کے ذریعہ ان کے نظام کو درہم برہم اور خود ان کو خاطر برداشتہ کر دیا) اور اللہ تعالیٰ قوی غالب ہے۔

آیہ کریمہ کے پہلے حصہ میں ہے کہ جب مسلمانوں نے مشرکین کی فوجوں کو دیکھا تو کہا یہ تو وہی ہے جس کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے وعدہ کیا تھا۔

وعدہ کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کا وعدہ تو یہ تھا کہ دین اسلام سربلند ہو گا اور کافر مقہور اور مغلوب ہوں گے اور وعدہ یہ نہیں تھا کہ دشمن اس طرح تم پر چڑھ کر آئیں گے اور تم اس طرح مصیبت اور پریشانی میں مبتلا ہو گے مگر ہر ایک صاحب فہم و دانش اور ہر وہ سمجھدار شخص جو فلسفہ انقلاب اور ترقی و تنزل اقوام عالم کی تاریخ پر نظر رکھتا ہو فتح و نصرت کے وعدہ کے ساتھ باآسانی سمجھ سکتا ہے کہ ہجوم اعداء اور دشمنوں کا سخت حملہ بھی ہو گا۔ دشمنوں کے حملہ کے بغیر نصرت الٰہی کا وجود میں آنا قانون انقلاب کے خلاف ہے۔ جس طرح بارش کے وعدہ کے لیے بادلوں کی گرج اور بجلیوں کی کڑک ضروری ہے۔ وعدہ شکم سیری کے لیے پہلے گرسنہ اور تہی شکم ہونا ضروری ہے۔ ایسے ہی فتح و نصرت کے لیے ہجوم اعداء ایک لازمی اور قدرتی امر ہے۔ بالخصوص جب کہ قرآن کا یہ اعلان موجود ہو کہ "تلک الایام نداولها بین الناس" لہٰذا صحابہ کرام کی فراست و دانش نے فتح و نصرت کے وعدہ کو سن کر پہلے ہی یقین کر لیا تھا کہ اعداء دین کا ہجوم بھی لازمی ہو گا۔ چنانچہ جب انہوں نے دشمنوں کی فوجوں کو دیکھا تو ان کو یقین ہو گیا کہ اس وعدہ کا پیش خیمہ وجود میں آ چکا ہے۔ لہٰذا اب باقی حصہ یعنی فتح و نصرت بھی نتیجہ میں آئے گی۔ اسی بناء پر ہجوم اعداء کو دیکھ کر خوف و ہراس کے بجائے امید اور مسرت کی جھلک محسوس کرتے ہوئے فرمایا۔ یہ وہی ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ فرمایا ہے۔ اور اللہ اور اس کے رسول کا ارشاد برحق ہے۔

صحابہ کرام کا یہ احساس ان کی انتہائی فراست اور ان کے اعلیٰ تدبر کی روشن دلیل ہے اور یہ آیت ان اکابر ملت کی عظمت و شرافت کی واضح شہادت ہے۔ جو اس معرکہ میں ظاہر و باطن ہر طرح ثابت قدم رہے۔ نہ دلوں میں اضطراب پیدا ہوا نہ پائے استقامت میں کوئی لغزش آئی اور پوری پامردی سے مقابلہ میں ڈٹے رہے۔

اس آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ابھی بہت بڑے بڑے کام باقی ہیں۔ بڑے بڑے معرکے پیش آنے والے ہیں اور ایک جماعت ان تمام مقابلوں کے واسطے تیار ہے اور انتظار کر رہی ہے کہ کب یہ عظیم الشان معرکے پیش آتے ہیں کہ وہ اپنے استقلال و استقامت کے جوہر دکھائیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ اس کے بعد مزید توضیح کے لیے حضرت کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف مزنی کی روایت پیش کرتے ہیں کہ جب مشرکین و مخالفین اسلام کی ٹڈی دل فوج مدینہ منورہ پر چڑھ آئی اور یہ طے کر لیا گیا کہ باہر نکل کر مقابلہ کے بجائے۔ مدینہ منورہ میں رہ کر دفاع مناسب ہے تو چونکہ مدینہ کے گرد کوئی شہر پناہ نہیں تھی۔ لہٰذا یہ طے کیا گیا کہ ایک خندق کھو دی جائے جو دشمن کے راستہ میں آڑ بن سکے۔ رسول اللہ ﷺ نے خندق کے لیے خط کھینچ دیا اور پھر صحابہ کرام کے ساتھ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس خندق کھودنے میں مصروف ہو گئے۔ یہ خندق کھو دی جا رہی تھی کہ ایک بہت بڑی چٹان نمودار ہوئی۔ یہ چٹان سفید تھی اور گول تھی۔ ہمارے تمام کدال بے کار ہو گئے بہت سے کدال ٹوٹ گئے اور اس کا اکھاڑنا ہمارے لیے ناممکن ہو گیا۔ ہم نے حضرت اقدس رحمتہ عالم ﷺ کی خدمت میں صورت حال پیش کی۔ آپ اس جگہ تشریف لائے حضرت سلمان ؓ کے ہاتھ میں جو کدال تھا اس کو آپ نے لیا اور اس قوت سے چٹان پر مارا کہ چٹان پھٹ گئی۔ یہ سرور کائنات ﷺ کی روحانی قوت تھی جس نے چٹان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ جب پہلی مرتبہ آپ نے کدال ماری تو ایک بہت تیز روشنی نمودار ہوئی جس سے مدینہ منورہ کے وہ سنگلاخ حصے بھی روشن ہو گئے جو شہر مدینہ کے (۲) دو جانب ہیں اور ایسا معلوم ہوا کہ اندھیری رات میں بجلی کوند گئی ہے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے اللہ اکبر کہا۔ صحابہ کرام نے بھی اللہ اکبر کہا۔ اس کے بعد دوبارہ کدال سے اس چٹان پر چوٹ ماری۔ اس کے کچھ اور ٹکڑے ہو گئے اور ایسی ہی روشنی پھر نمودار ہوئی جس پر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام نے تکبیر کہی۔ تیسری مرتبہ پھر آپ نے کدال مارا اور اب چٹان ریزہ ریزہ ہو گئی اور ایسی ہی روشنی پھر نمودار ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے اس مرتبہ بھی تکبیر کہی اور صحابہ کرام نے بھی تکبیر کا جواب تکبیر سے دیا۔ جب اس مہم سے فراغت ہوئی تو ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس حیرت انگیز روشنی اور تکبیر کہنے کی وجہ دریافت کی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ پہلی مرتبہ حیرہ (شہر کا نام) اور مدائن کسریٰ (عراق کا پایہ تخت) کے عالیشان محلات اس طرح نمودار ہو گئے جیسے کتے کے (سفید سفید) دانت ہوتے ہیں اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھ کو خبر دی کہ ان تمام محلات پر میری امت کا قبضہ ہو جائے گا۔ دوسری مرتبہ میں ارض روم کے عالیشان سرخ محلات کتے کے دانتوں کی طرح سامنے آ گئے اور جبرئیل علیہ السلام نے خبر دی کہ میری امت کا اس تمام علاقہ پر تسلط ہو جائے گا۔ اور تیسری مرتبہ یمن کے پایہ تخت صنعا کے محل میرے سامنے اسی طرح آ گئے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ان کے متعلق بھی یہی بتایا کہ میری امت کے زیر نگیں ہوں گے۔ لہٰذا آپ حضرات کو نصرت خداوندی کی بشارت ہو۔ صحابہ کرام اس بشارت سے محظوظ اور مسرور ہوئے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ یہ محاصرہ جو اس وقت در پیش ہے کامیابی کے ساتھ ختم ہو گا اور امداد خداوندی شامل حال ہو گی اور ان بزرگوں کو یقین ہو گیا کہ جو وعدہ کیا جا رہا ہے سچا ہے۔ اس کے بعد اعراب کے جتھے اور دشمنوں کی فوجیں سامنے آ گئیں تو صحابہ کرام نے فرمایا۔ کہ جس کا وعدہ اللہ اور اس

کے رسول نے کیا تھا۔ اللہ اور رسول کا ارشاد برحق ہے۔ ان لشکروں کو دیکھ کر ان کے ایمان میں تازگی اور تسلیم و رضا میں زیادتی ہوئی۔ مگر منافقین نے اس پر طنز کیا کہ سامنے تو دشمن قلع قمع کرنے کے لیے موجود ہے اور معاذ اللہ باتیں بنا کر سبز باغ دکھائے جا رہے ہیں اور غلط آرزوئیں دماغوں میں بسائی جا رہی ہیں۔ کس قدر حیرت انگیز دعویٰ ہے کہ مدینہ کی خندق میں حیرہ اور مدائن کسریٰ کے شہر دیکھے جا رہے ہیں اور یہ خیال خام پکایا جا رہا ہے کہ وہ فتح ہو جائیں گے۔ حالت تو یہ ہے کہ دشمن سر پر ہے میدان میں نکل کر مقابلہ کی طاقت نہیں بچاؤ کے لیے خندق کھودی جا رہی ہے اور دعویٰ یہ ہے کہ روم و فارس پر تسلط ہو گا۔ (رہنا جھونپڑیوں میں اور خواب دیکھنے محلات کے) کون سی سمجھداری کی بات ہے۔

افادات

سورہ احزاب میں متعدد آیتین رسول اللہ ﷺ کے ذاتی معاملات' خانگی زندگی اور ازواج مطہرات سے متعلق ہیں اور چونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ سے سب سے زیادہ قرب حاصل تھا اس لیے ان آیات سے متعلق متعدد روایتیں ان ہی دونوں بزرگوں سے مروی ہیں جو بطور خود ان بزرگوں کے اعلیٰ تقرب کی دلیل ہیں غالباً" اسی مقصد سے حضرت شاہ صاحبؒ نے آیت مذکورہ کے ضمن میں سورہ احزاب کی ان آیتوں اور ان سے متعلق احادیث کو بھی نقل کیا ہے۔ ذیل میں ہم آیت کا حوالہ دیتے ہوئے ان احادیث کا ترجمہ نقل کرتے ہیں۔

آیت کریمہ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ وہ خاص قسم کی چادریں جو یمن کے ایک شہر "بولان" میں بنا کرتی تھیں ان کے استعمال کی ممانعت کر دیں۔ ایک شخص نے فوراً" تنبیہہ کی کہ کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان چادروں کو استعمال فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اقرار کیا۔ بیشک۔ اس شخص نے جواباً" عرض کیا کہ کیا ارشاد خداوندی نہیں ہے۔ لقدکان فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ آپ لوگوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کے طرز ادا میں) اچھی اقتداء ہے (عمل کرنے کی بہترین مثال ہے)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب حج کے لیے تشریف لے گئے تو خانہ کعبہ کے اس کونہ پر جھک گئے جہاں حجر اسود ہے اور فرمایا۔ میں جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے' (نہ نفع دے سکتا ہے نہ نقصان پہونچا سکتا ہے لہٰذا عقلی طور پر بوسہ دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اگر میں نے اپنے محبوب (رسول اللہ ﷺ) کو نہ دیکھا ہوتا کہ وہ تجھ کو بوسہ دے رہے ہیں تو میں بھی بوسہ

نہ دیتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ

حضرت یعلٰی بن امیہ۔ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ طواف کیا۔ جب میں اس گوشہ پر پہونچا جو باب کعبہ کے قریب ہے جو حجرا اسود سے متصل ہے تو میں اس کو بھی بوسہ دینے لگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً" ٹوکا۔ کہ کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس موقع پر بوسہ دیتے ہوئے دیکھا ہے میں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا۔ ہٹو۔ (یہاں بوسہ مت دو) رسول اللہ ﷺ کی اقتداء ہی بہترین اسوہ ہے (اس میں کمی بیشی درست نہیں) جیسا کہ ارشاد ربانی ہے (لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ)

(حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں طرز عمل سے سمجھا دیا کہ مدار شریعت عقل نہیں بلکہ خدا اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات ہیں۔ عقل اور اپنی فہم سے کسی شے کو جائز یا ناجائز نہیں کیا جا سکتا۔ پہلی روایت سے اس طرف بھی اشارہ کر دیا گیا کہ جو بات قرین قیاس نہ ہو اس کو شریعت کا حکم اسی وقت مانا جا سکتا ہے اور اسی صورت میں اس پر عمل کیا جا سکتا ہے کہ اس کا ثبوت یقینی اور قطعی ہو جائے (محمد میاں)

حضرت عیسٰی بن طلحہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں گیا۔ وہاں حضرت طلحہ کی صاحبزادی عائشہ بھی موجود تھیں۔ وہ اپنی والدہ اسماء سے کہہ رہی تھیں۔ میں تم سے بہتر ہوں اور میرے باپ طلحہ تمہارے باپ ابوبکر سے افضل ہیں۔ حضرت اسماء نے ان کو ڈانٹا کہ کیا بڑھ بڑھ کر باتیں کر رہی ہو۔ حضرت عائشہ نے فرمایا۔ بحث ختم کرو۔ میں فیصلہ کئے دیتی ہوں۔ ایک روز ایسا ہوا کہ حضرت ابوبکر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکر کو بشارت دی "انت عتیق اللہ من النار" تم آتش جہنم سے عتیق ہو۔ یعنی آزاد ہو۔ پھر حضرت طلحہ آنحضرت ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ سے فرمایا تم ان لوگوں میں سے ہو جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہ اپنی منت پوری کر چکے یعنی آپ کو بشارت ہوئی کہ آپ راہ خدا میں شہید ہوں گے۔

مختصر یہ کہ دونوں عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں دونوں جنتی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اسی روز سے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو "عتیق" کہا جانے لگا۔

اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے آیت تخییر کے پیش نظر وہ مفصل حدیث نقل کی ہے جس میں ازواج مطہرات کی جانب سے نفقہ کے مطالبہ پر رسول اللہ ﷺ کی کبیدگی۔ حضرات شیخین کی طرف

سے اپنی اپنی صاحبزادیوں۔ یعنی حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کو تنبیہہ اور پھر رسول اللہ ﷺ سے معذرت وغیرہ کا تذکرہ بخاری شریف وغیرہ میں تفصیل سے ہے یہاں اس حدیث کے ذکر کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ لہٰذا اسی قدر حوالہ کافی ہے۔ اس کے بعد آیت کریمہ ان المسلمین والمسلمات الایت کے پیش نظر چند روایتیں نقل کی ہیں۔ ترجمہ درج ذیل ہے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا۔ کون سا مجاہد افضل ہے۔ فرمایا۔ جو اللہ کا ذکر کثرت سے کرتا رہتا ہو۔ اس کے بعد روزہ دار۔ نمازی۔ صدقہ خیرات کرنے والے اور حج کرنے والے کے متعلق یہی سوال کیا۔ ہر ایک جواب میں رسول اللہ ﷺ نے یہی جواب دیا کہ جو مسلمان اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرتا ہو وہ افضل ہے۔ اس گفتگو کو سننے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ یا ابا حفص (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کنیت) ذکر کرنے والے ہر ایک خیر اور خوبی کے مالک ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ درست ہے یعنی نماز روزہ وغیرہ فرائض و عبادت کو ادا کرنے والا ان فرائض و عبادت کی ادائیگی کے ساتھ ذاکرو شاغل بھی ہے تب اس کا مرتبہ اس سے بڑھا ہوا ہے جو صرف فرائض و عبادت ادا کرتا ہے مگر ذاکر و شاغل نہیں ہے۔

حضرت مجاہد۔ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ (یعنی اللہ تعالیٰ نبی ﷺ پر رحمتیں نازل فرماتا رہتا ہے۔ اور فرشتے بھی نبی ﷺ کے لیے دعائے رحمت کرتے رہتے ہیں) تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ جو خیرو برکت بھی اللہ تعالیٰ آپ پر نازل فرماتا ہے۔ ہم خدام کو بھی اس میں شریک کرلیتا ہے (مگر اس آیت سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ہمیں بھی شرکت کا شرف عطا کیا گیا ہے) تو دوسری آیت نازل ہوئی ہُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلٰٓئِکَتُہٗ اللہ تعالیٰ تم پر رحمتیں نازل فرماتا ہے اس کے فرشتے تمہارے لیے دعا رحمت کرتے رہتے ہیں۔

سورہ احزاب میں ازواج مطہرات کے تذکرے کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے مزید نکاحوں کے متعلق بھی چند آیتیں ہیں۔ ان آیات کا لحاظ کرتے ہوئے حضرت شاہ صاحبؒ نے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے متعلق پیغام بھی بھیجا۔ میں نے معذرت کی کہ میرے ساتھ بہت سے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ حضور ﷺ نے میری معذرت قبول فرمائی۔ اس کے بعد جب بچوں کی پرورش سے فراغت ہوئی تو میں نے خود اس سعادت کے حصول کی درخواست کی تو رسول اللہ ﷺ نے معذرت فرما دی کیونکہ اس وقت یہ آیت نازل ہو چکی تھی کہ۔

یَا اَیُّہَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَکَ اَزْوَاجَکَ الّٰتِیْٓ اٰتَیْتَ اُجُوْرَہُنَّ ۔ الی قولہ الّٰتِیْ ہَاجَرْنَ مَعَکَ

اس آیت کی بنا پر حضور ﷺ

کو صرف انہیں خواتین سے نکاح کی اجازت تھی جنہوں نے ہجرت کی تھی۔ حضرت ام ہانی بنت ابی طالب چونکہ مہاجرہ نہیں تھیں اس لیے آپ سے نکاح کی اجازت نہیں تھی (ترمذی و حاکم)

آیت حجاب کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل روایتیں پیش کی ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ آپ کے یہاں اچھے برے ہر قسم کے آدمی آتے ہیں۔ بہتر ہو کہ آپ ازواج مطہرات کو پردہ کا حکم فرما دیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تجویز کی تائید کلام اللہ نے فرمائی۔ چنانچہ آیت حجاب نازل ہوئی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہا کی روایت میں اس کی تفصیل ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے۔ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راحت کدہ پر حاضر ہوا۔ اور دیر تک بیٹھا رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چند مرتبہ کھڑے بھی ہوئے تا کہ وہ بھی کھڑا ہو جائے اور آپ کے ساتھ ساتھ باہر چلا جائے مگر وہ کچھ ایسا بے حس تھا کہ اٹھا ہی نہیں۔ اتفاقاً حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے اور آپ نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور سے محسوس کر لیا کہ اس شخص کی نشست ناگوار خاطر عاطر ہے۔ آپ نے اس شخص سے مخاطب ہو کر فرمایا شاید ہمارے بیٹھنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہو رہی ہے۔ اب کچھ اس شخص کی سمجھ میں بھی آیا۔ اور وہ بھی کھڑا ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور تذکرہ فرمایا کہ میں کئی بار اٹھا تھا کہ وہ بھی میرے ساتھ ساتھ چلے۔ مگر اس کو اس کا خیال ہی نہیں ہوا۔ تب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ یارسول اللہ۔ ازواج مطہرات کو پردہ کرنے کی ہدایت فرما دیجئے۔ کیونکہ آپ کی مستورات کا معاملہ عام عورتوں جیسا نہیں ہے اور پردہ عورتوں کے دلوں کو پاک و صاف رکھنے والی چیز ہے۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی تائید میں قرآن پاک کی آیت نازل ہوئی۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّا اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ (الآیتہ)

اے ایمان والو نہ جایا کرو نبی کے گھروں میں مگر وہاں جب اجازت دی جائے تم کو۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کسی کو بھیج کر اس کی اطلاع فرمائی۔

(عائشہ رضی اللہ عنہا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میں ایک طشت میں کھانا کھا رہی تھی۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس طرف آگئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی بلا لیا۔ اب کھاتے ہوئے میری انگلی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی انگلی سے چھو گئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فوراً چونکے۔ اور فرمانے لگے اف۔ کیا اچھا ہوتا کہ خواتین کے بارے میں میری بات مانی جاتی تو آج ازواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی کی نظر بھی نہ پڑ سکتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس تمنا کے بعد آیت حجاب نازل ہوئی۔

یہ امر قابل توجہ ہے کہ پردہ کا حکم بھی تدریجی طور پر نازل ہوا۔ یعنی اولاً" رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کے لیے کوئی خصوصیت نہ تھی بلکہ جیسے عام خواتین اسلام کے لیے حکم تھا کہ چادر اوڑھ لیں اور گھونگٹ نکال لیں۔ یُدۡنِینَ عَلَیۡهِنَّ مِن جَلَٰبِیبِهِنَّ ایسے ہی ازواج نبی ﷺ کے لیے بھی حکم تھا۔ چنانچہ ضروریات کے لیے ازواج مطہرات بھی باہر جایا کرتی تھیں۔ البتہ حکم قرآن کی تعمیل کا معیار یہ قرار دیا گیا تھا کہ اس طرح چہرہ چھپا لیں کہ پہچانی نہ جاسکیں۔ مگر حضرت عمر فاروق ؓ کی خواہش یہ تھی کہ باہر نکلنا قطعاً" بند ہو جائے۔ چنانچہ عائشہ رضی اللہ عنہا اسی دور کی ایک روایت پیش کرتی ہیں کہ حضرت سودہ بنت زمعہ۔ جو ازواج مطہرات میں سب سے قدیم تھیں۔ ایک شب عشاء کے وقت ضرورت سے باہر تشریف لے گئیں۔ چہرہ چھپا رکھا تھا۔ مگر چونکہ قد لانبا تھا۔ حضرت عمر فاروق ؓ نے پہچان لیا۔ آپ نے فوراً" پکارا۔ سودہ "تمہیں پہچان لیا" حضرت عمر ؓ کا منشاء ظاہر ہے۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ باہر نکلنا بالکل بند ہو جائے۔ چنانچہ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی کہ جس میں بیوت النبی (رسول اللہ ﷺ کے راحت کدوں) میں داخلہ کی ممانعت کر دی گئی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ فرمایا کرتے تھے۔ چار مسئلے ہیں جن میں حضرت عمر فاروق ؓ سب پر فضیلت لے گئے (ا) جنگ بدر کے قیدیوں کا مسئلہ۔ حضرت عمر فاروق ؓ کی رائے یہ تھی کہ ان کو قتل کر دیا جائے۔ مگر آقا دوجہان رحمت عالم ﷺ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے سے اتفاق نہیں کیا۔ اس پر آیت آیت نازل ہوئی جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کی موافقت اور جو کچھ ہوا تھا اس پر تنقید کی گئی تھی۔

دوسرا مسئلہ ۔ ازواج مطہرات کے حجاب کا معاملہ تھا۔ وہ حضور ﷺ کی ازواج مطہرات سے یہی اصرار کیا کرتے تھے کہ پردہ کریں۔ ایک مرتبہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے بگڑ کر کہہ بھی دیا کہ آپ کو ہمارے معاملات میں بڑی غیرت آتی ہے۔ اگر خدا کے نزدیک یہ صورت درست نہیں تھی تو ہمارے گھر میں وحی الٰہی کا نزول ہوتا ہے، عرش معلّی سے ممانعت نازل ہو جاتی۔ چنانچہ آیت حجاب نازل ہو گئی اور یہ حکم بھی نازل ہو گیا کہ اذا سالتموھن متاعا" (الایہ ع سورہ احزاب) جب ازواج رسول اللہ سے کوئی چیز مانگنی ہو تو پردہ کے پیچھے سے سوال کرو۔

تیسرا مسئلہ یہ کہ آنحضرت ﷺ نے ابتداء اسلام کے زمانہ میں دعا کی تھی کہ اے اللہ۔ عمر کو مشرف باسلام کر کے اس کے ذریعہ سے دین کو قوت عطا فرما۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

چوتھا مسئلہ حضرت صدیق اکبر ؓ کی خلافت کا مسئلہ ہے۔ سب سے پہلے آپ کی خلافت کے متعلق حضرت عمر ؓ نے تحریک کی اور سب سے پہلے آپ نے بیعت کی۔

سورہ احزاب میں درود شریف کا تذکرہ ہے اس سلسلہ میں بھی حضرت مصنفؒ نے چند حدیثیں پیش کر

دی ہیں۔ ترجمہ درج ذیل ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے ایک روز میں بارگاہ رسالت ماب (علی صاحبہ الصلوۃ والسلام) میں حاضر تھا۔ ایک شخص نے حاضر ہو کر سلام عرض کیا۔ رحمت عالم ﷺ نے گرمجوشی سے جواب دیا۔ اس کو اپنے پاس بٹھایا اور پوری شفقت اور انبساط خاطر کے ساتھ اس سے گفتگو فرمائی۔ جب وہ فارغ ہو کر جانے کے لیے اٹھا تو رسول اللہ ﷺ نے میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا اس شخص کے روزانہ اتنے اعمال شرف قبولیت حاصل کرتے ہیں جتنے تمام زمین پر بسنے والوں کے۔ میں نے حیرت سے وہ گر دریافت کیا جس کی وجہ سے اس کا ثواب اتنا بڑھ جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ شخص ہر روز صبح کو دس مرتبہ ایسا درود پڑھتا ہے جو ساری مخلوق کے درود کی برابر ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ود درود شریف کیا ہے۔

ارشاد فرمایا۔

اللهم صل علی محمد النبی عدد من صلی علیه من خلقک وصل علی محمد النبی کما ینبغی لنا ان نصلی علیه وصل علی محمد النبی کما امرتنا ان نصلی علیه

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت ہے کہ جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے درود شریف اس سے زیادہ تیزی سے گناہوں کی آگ کو فرو کر دیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجنا گردنوں کے رہا کرنے سے بڑھا ہوا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت سویداء قلب سے زیادہ محبوب اور افضل ہے (یا یہ ارشاد فرمایا) کہ راہ خدا میں شمشیر زنی سے زیادہ افضل ہے۔

آیت کریمہ۔ وَ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ الخ ترجمہ۔ جو لوگ ناکردہ گناہ مسلمان مردوں یا عورتوں کو ایذا دیتے ہیں وہ بہتان اور بہت بڑے گناہ کا بار اپنے اوپر لاد رہے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ ہرگز ہرگز مسلمانوں کو ایذا مت پہونچاؤ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ صاحب ایمان کی نگہبانی کرتا ہے اور جو اس کی نگرانی میں دخل اندازی کرے اس پر خدا کا غضب ہوتا ہے۔

علماء کرام کی روایت ہے کہ ایک روز حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو پڑھا اس کے مضمون کا عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر اتنا اثر ہوا کہ وہ گھبرا گئے۔ یہاں تک کہ پریشان ہو کر وہ "مفسر اسلام" حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے یہاں تشریف لے گئے اور فرمایا (ابو منذر! (حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے) میں نے یہ آیت پڑھی تھی اس کا میرے اوپر پورا پورا اثر ہے کیونکہ میں اہل ایمان کو سزا بھی دیتا ہوں۔ ان کو مارتا بھی ہوں۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ یہ آیت آپ سے متعلق نہیں۔ آپ جو کچھ سزا

دیتے ہیں وہ ان کے ایمان اور عقیدہ کی بنا پر نہیں بلکہ ایمان کامل اور صحیح اعتقاد کی استواری اور اعمال کی اصلاح کے لیے سزا دیتے ہیں۔ لہٰذا آپ تو مودب (اتالیق) اور معلم ہیں۔

حضرت شعبی (مشہور تابعی ہیں جو حافظ حدیث اور جلیل القدر مفسر قرآن بھی ہیں یہی شعبی) راوی ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ فلاں شخص سے میری طبیعت بہت مکدر ہے اس کی طرف سے مجھے بغض ہے۔ اس شخص سے پوچھا گیا کہ کیا بات ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تمہاری طرف سے بغض کیوں ہے۔ اس نے ابھی کچھ جواب نہیں دیا تھا۔ گفتگو ہو رہی تھی کہ اور لوگ بھی آ گئے۔ مکان آدمیوں سے بھر گیا۔ اسی وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی پہونچ گئے۔ تو اس شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا۔ کیا میں نے اسلام میں کوئی رخنہ ڈالا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں۔ پھر اس شخص نے دریافت کیا۔ کیا میں نے کوئی جرم کیا ہے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔ نہیں وہ شخص۔ کیا میں نے کوئی بدعت ایجاد کی ہے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔ نہیں۔ وہ شخص۔ پھر آپ کس وجہ سے مجھ سے بغض رکھتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "جو لوگ ناکردہ گناہ مسلمان مردوں یا عورتوں کو اذیت پہونچاتے ہیں وہ ایک بہتان اور بہت بڑے گناہ کا بار اپنے اوپر لاد رہے ہیں" بلاشبہ آپ نے مجھے اذیت دی ہے۔ میں معاف نہیں کروں گا خدا بھی آپ کا یہ گناہ معاف نہ کرے گا۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا بیشک آپ نے کوئی جرم نہیں کیا۔ بلاشبہ یہ میرا قصور ہے کہ مجھے آپ اچھے نہیں لگتے۔ آپ کی طرف سے دل میں بوجھ رہتا ہے۔ بہرحال یہ میرے دل کی خرابی ہے آپ معاف کر دیں۔ اب عجیب صورت تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ معافی مانگ رہے تھے اور وہ انکار کر رہا تھا بالآخر وہ متاثر ہوا اور اس نے حضرت عمر کو معاف کر دیا۔

بظاہر مفہوم روایت یہ ہے کہ مومن کے دل میں مومن کی طرف سے کوئی بوجھ نہ رہنا چاہیے بلکہ محبت اور یگانگت کا ایسا رشتہ رہنا چاہیے کہ جب بھی ملاقات ہو ایک دوسرے کو مسرت ہو۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے دل میں اس شخص کی طرف سے یہ مسرت محسوس نہیں کرتے تھے یہی حضرت فاروق کا جرم تھا اور آپ کے دامن تقدس کا نکھار یہ ہے کہ اتنا بوجھ بھی برداشت نہیں۔ اپنے دل کی اس بیماری کا اظہار آپ نے خود کیا۔ یہاں تک کہ کھل کر بات چیت ہوئی اور یہ دھبہ صاف ہو گیا۔

حضرت ابو قلابہ۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت میں کسی باندی کو اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ قناع (بڑی چادر) پردہ کے لیے اوڑھے۔ فرمایا کرتے تھے قناع تو آزاد عورتوں کے لیے ہے تاکہ ان کو ستایا نہ جائے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے کسی جاریہ کو دیکھا کہ وہ نقاب پوش تھی۔ آپ نے اس کو سخت تنبیہہ فرمائی اور فرمایا۔ نقاب تو آزاد عورتوں کے لیے ہے۔

چند سبق

ازالتہ الخفاء کے حدود کی پابندی کرتے ہوئے ہم نے کتاب اللہ کی آیتیں اور چند روایتیں پیش کی ہیں۔ سلسلہ افادات میں بھی جولانی قلم محدود و پابند رہی۔ ازالۃ الخفاء کے موضوع کے لحاظ سے یہ حد بندی درست ہے۔ لیکن سلسلہ "عہد زریں" کا موضوع جماعت صحابہ کی مکمل تاریخ ہے۔ اس وسیع موضوع کے لحاظ سے یہ تحریر تشنہ ہے۔ لہٰذا چند سبق یہاں پیش کیے جا رہے ہیں۔

جہاں تک حضرات صحابہ کی انفرادی قربانیوں کا تعلق ہے' اس کا گلدستہ دوسرا ہو گا۔ جب نام بنام ہر ایک صحابی کے حالات سوانح کے طور پر پیش کیے جائیں گے (انشاء اللہ) اس وقت وہی واقعات پیش کیے جا رہے ہیں جن کی حیثیت جماعتی ہے کسی بزرگ کا نام نامی یا کوئی واقعہ اگر بیان کیا جائے گا تو اسی وقت اور اسی حد تک جو جماعتی کارگذاری کے بیان کے لیے ضروری ہو گا۔

پہلے غزوہ احزاب کے سلسلہ کے چند سبق ملاحظہ فرمایئے

تیاری

سورہ نساء کے رکوع ۸ کا آغاز اس آیت سے ہوتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتَابِ (الایتہ)

اس آیت کا ترجمہ یہ ہے۔

اے پیغمبر۔ (ﷺ) کیا آپ ان لوگوں کا حال نہیں دیکھتے جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا تھا (یعنی کیا آپ ان یہودیوں کو نہیں دیکھتے جنہیں تورات کا علم دیا گیا تھا) وہ کس طرح بتوں کے اور شیطان کے معتقد ہو گئے ہیں اور وہ کافروں (مشرکین عرب) کی نسبت کہتے ہیں کہ مسلمانوں سے تو کہیں زیادہ یہی لوگ سیدھے راستہ پر ہیں۔ سورہ نساء ع ۸۔

اس آیت کریمہ میں انسانی معاشرہ کے ایک مرض کی نشان دہی کی گئی ہے' کہ۔

جب کسی جماعت میں اتباع حق کی جگہ جتھا بندی اور گروہ پرستی کا جذبہ کام کرنے لگتا ہے تو پھر حق و باطل کا امتیاز باقی نہیں رہتا۔ اس کی تمام کوششیں اس پر صرف ہونے لگتی ہیں کہ جس طرح بھی ہو اس کی پوزیشن اونچی ہو اور مخالف کو زک پہنچے۔ اگر ایسا کرنے میں اس کو اپنے عقیدوں اور طے شدہ اصول کے خلاف بھی کچھ کرنا پڑتا ہے تو اس کو تامل نہیں ہوتا' وہ سب کچھ کر بیٹھتا ہے۔

غزوہ احزاب کی تیاری میں یہودیوں نے جس طرح ساز باز کی اور جس طرح حق و صداقت کو قربان کیا وہ حق دشمنی اور اس گروہ پرستی کی بدترین مثال ہے۔ (تفصیل ملاحظہ فرمایئے)

جنگ بدر کے بعد یہ واقعہ پیش آ چکا تھا کہ متعدد بد عہدیوں کی بنا پر (جس کی تفصیل آگے آئے گی)

آنحضرت ﷺ نے قبیلہ بنو نضیر کے یہودیوں کو جلاوطن کیا۔ اب ان لوگوں نے پورے عرب میں سازش کا جال پھیلایا ان کے رہنماؤں اور لیڈروں کی ایک جماعت مکہ معظمہ پہونچی۔ قریش کے سرداروں سے ملی اور ان کو ایک متحدہ حملہ پر آمادہ کیا جس میں عرب کے تمام قبائل شریک ہوں گے اور یہود بھی اپنی پوری قوت کے ساتھ اس کی مدد کریں گے۔

غطفان ایک نامور جنگجو قبیلہ تھا۔ اس کے سرداروں کے پاس پہونچے وہ پوری طرح تیار نہیں تھے تو ان کو خیبر کی آمدنی کا لالچ دیا کہ سال بھر کی پیداوار ان کو دیدی جائے گی۔ جوڑ توڑ کی یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ قریش کے رہنماؤں نے یہودی زعماء سے کہا۔

> ہم سوچا کرتے ہیں کہ ہمارا دین جس پر ہم ہمیشہ سے چلے آ رہے ہیں یہ اچھا ہے یا محمد (علیہ السلام) جو باتیں کہہ رہے ہیں وہ درست ہیں ؟ ہماری خدمات پوشیدہ نہیں ہیں۔ ہزاروں آدمی جو ہر سال حج کے لیے آتے ہیں ہم ان کی خدمت کرتے ہیں ان کے کھانے پینے اور ٹھہرنے کا انتظام کرتے ہیں۔ عام طور پر جو مہمان آتے ہیں ہم ان کی پوری مدارات کرتے ہیں اس کے علاوہ اگر کوئی مصیبتوں کا شکار ہوتا ہے تو ہم اس کی امداد کرتے ہیں۔ قیدیوں کو چھڑاتے ہیں' رشتہ داروں کی خدمت کرتے ہیں اور کعبہ مکرمہ جو اللہ کا گھر ہے ہم اس کی خدمت کرتے ہیں اس کو آباد رکھتے ہیں۔ اس کے گرد طواف کرتے ہیں آپ حضرات اہل کتاب ہیں مذہبی باتوں کا آپ کو ہم سے زیادہ علم ہے آپ حضرات ہی فیصلہ کر کے بتائیں کہ ہمارا دین اچھا ہے جس کی پشت پر سیکڑوں سالہ روایات ہیں' یا محمد ﷺ کا یہ نیا دین بہتر ہے جسے کوئی تاریخی تائید و حمایت حاصل نہیں ہے۔

یہود کے احبار و علماء جو اپنے جتھے کی کامیابی کے واسطے ہر ایک سچائی کو قربان کرنے کے لیے تیار تھے انہوں نے بلاتکلف جواب دیا۔ واللہ انتم اھدی سبیلا مما علیہ محمد ہمارا یقین تو یہی ہے ہم اس پر قسم کھا سکتے ہیں کہ بیشک محمدؐ کے مقابلہ میں آپ صاحبان زیادہ سیدھے راستہ پر ہیں۔

ان آیتوں کا شان نزول اسی واقعہ کو بیان کیا گیا ہے (بغوی) پھر یہودیوں کی ضمیر فروشی یہیں تک نہیں رہی بلکہ کعبہ کے پردوں کی بھی انہوں نے پناہ لی' یہی کعبہ جس سے ان کو نفرت تھی جس کو وہ بتکدہ کہا کرتے تھے جو ان کے نزدیک مرکز جاہلیت تھا محمد بن اسحاق کی روایت ہے کہ پھر یہودیوں کا وفد جس کے ارکان بیس تھے' اس نے ابوسفیان کے سامنے تجویز رکھی کہ بیس ہم ہیں اور عمائدین قریش میں سے پچاس آدمی منتخب کیجئے۔ ہم سب کعبہ مکرمہ کے پردوں کو ہاتھ میں لیں' کعبہ کی دیواروں کو سینہ سے لگائیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت کو اپنا نصب العین قرار دیں اور اس بات کا عہد کریں کہ جب تک ہم

میں سے کوئی ایک بھی زندہ رہے گا محمد ﷺ سے جنگ کرتا رہے گا۔ قریش اور قبیلہ بنو غطفان کی طاقت ہی بہت کافی تھی ان دونوں کے جنگجو بہادروں کی تعداد دس ہزار سے زیادہ ہوتی تھی مگر اس وقت پورے عرب کو اسلام کے مقابلہ پر کھڑا کرنا تھا۔ لہٰذا جو قبائل حلیف تھے ان کو بھی شریک کیا گیا۔ مثلاً" قبیلہ بنو سعد۔ یہود کا حلیف تھا۔ قبیلہ بنی اسعد سے غطفان عہدو پیان کیے ہوئے تھے۔ قبیلہ بنو سلیم بھی طاقتور قبیلہ تھا اس سے قریش کی قرابت تھی۔ غرض اس طرح کے تمام قبائل کو شریک کر کے لشکر گراں تیار کیا گیا۔ فتح الباری میں تصریح ہے کہ ان کی مجموعی تعداد چوبیس ہزار سے زیادہ تھی۔ یہ لشکر تین مستقل فوجوں میں تقسیم کیا گیا۔ غطفان کی فوجیں عیینہ بن حصن فزاری کی کمان میں تھیں جو عرب کا مشہور سردار تھا۔ بنو اسد طلحہ کی افسری میں تھے اور ابو سفیان سپہ سالار کل تھا۔

یہ بات اجمالاً" پہلے بھی گذر چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تیاریوں کی خبریں سنیں تو صحابہ سے مشورہ کیا۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ ایران و فارس کے رہنے والے تھے انہوں نے اپنے یہاں "کندہ" دیکھا تھا انہوں نے اس کا طریقہ سمجھایا یہ کندہ فارسی لفظ ہے۔ جس کے معنی کھودا ہوا" زبان کی تبدیلی سے کندہ' خندق ہو گیا۔ حضرت سلمان نے رائے دی کہ کھلے ہوئے میدان میں نکل کر مقابلہ کرنا درست نہیں ہے ایک محفوظ مقام میں مجاہدین کو جمع کیا جائے اور اسی کے گرد خندق کھود لی جائے سب نے اس رائے کو پسند کیا اور خندق کھودنے کے آلات مہیا کیے گئے۔ مدینہ میں ایک جانب گنجان باغات اور دو طرف سنگلاخ تھے۔ یہ شہرپناہ کا کام دیتے تھے صرف شمالی رخ کھلا ہوا تھا' اسی جانب خندق کھودی گئی جس کی حدود خود آنحضرت ﷺ نے قائم فرمائیں۔ لمبائی چوڑائی اور گہرائی مقرر کی۔ پھر مجاہدین کی ٹولیاں بنا کر ایک ایک ٹکڑا ایک ایک ٹولی کے حوالہ فرما دیا۔ صحیح روایت یہ ہے کہ صحابہ کرام نے چھ روز میں یہ خندق تیار کر دی۔

سلمان ہمارے ہیں

جب کھدائی ہوئی تو لوگوں کو تعجب ہوا کہ حضرت سلمان کا کام سب سے زیادہ تھا۔ اب انصار اور مہاجرین میں بحث شروع ہوئی کہ "سلمان" کس کے ہیں۔ مہاجرین کہتے تھے کہ سلمان ہمارے آدمی ہیں قریش کہتے تھے کہ ہمارے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو اس بحث کا علم ہوا تو فرمایا سلمان میرے ہیں۔ گویا میرے خاندان کا ایک فرد ہیں (۱۱۷)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

غزوہ احزاب۔ جنگ خندق

نقشہ جنگ اور مشکلات

مدینہ منورہ کے دونوں طرف وہ عجیب و غریب سنگلاخ ہیں جن کو "لابتین مدینہ" کہا جاتا ہے ان کو حرہ بھی کہتے ہیں۔ لابہ اور حرہ کے معنی تقریباً" ایک ہی ہیں یعنی ایسا سنگلاخ جس میں کالے کالے پتھر ہوں۔ ان کی سیاہی بھی ایسی ہو جیسے کوئی بہت پرانا پتھر مسلسل کائی چڑھتے رہنے سے سیاہ پڑ گیا ہو۔ (مجمع البحار و قاموس)

ہماری زبان میں ان کو لاوے کی چٹان کہا جا سکتا ہے۔ یہ سنگلاخ مدینہ کے مشرق و مغرب میں قدرتی حصار تھے کیونکہ ان کی ناہموار سیاہ چٹانوں پر فوج تو درکنار قافلوں کا گذرنا بھی ناممکن تھا انہیں سنگلاخوں کے درمیانی رقبہ کو سیدالانبیاء ﷺ نے مدینہ منورہ کا حرم قرار دیا ہے۔

مدینہ کے جانب جنوب وہ زرخیز علاقہ ہے جہاں اہل مدینہ کے کھیت اور گھنے باغات تھے۔ کسی بڑی فوج کا حملہ اس طرف سے بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

یہیں وہ موضع قبا تھا جس کو یہ ابدی سعادت میسر آئی کہ مسلمانوں کا سب سے پہلا فرود گاہ بنا۔ خود سرور کائنات ﷺ بھی مدینہ سے پہلے یہیں فروکش ہوئے۔

اسی جانب یہود کے قبائل بنو نضیر اور بنو قریظہ وغیرہ آباد تھے۔ بنو نضیر کو تقریباً" ڈیڑھ سال پہلے یہاں سے ہٹایا گیا تھا تو ان کے باغات اور زمینیں مسلمانوں کی ہو گئی تھیں۔ بنو قریظہ اپنی جگہ قائم تھے مگر ان سے مسلمانوں کا بہت پختہ عہد و پیمان تھا۔

اب مدینہ منورہ کا صرف شمالی حصہ کھلا ہوا تھا۔ جہاں سے غنیم حملہ کر سکتا تھا۔ اسی جانب ایک لابہ سے دوسرے لابہ تک خندق کھو دی گئی تھی۔ جس کی لمبائی تقریباً" ساڑھے تین میل تھی۔ کوہ سلع اور کوہ احد دونوں اسی جانب تھے۔ مگر کوہ سلع اور خندق مدینہ کے بیچ میں آگیا تھا اور "احد" شمال کی جانب تقریباً" تین میل کے فاصلہ پر تھا۔ سمجھنے کے لیے ذیل کا تمثیلی نقشہ ملاحظہ ہو۔

جبل اُحد

لابہ

کوہِ سلع

لابہ

مدینہ منورہ

باغات

بنو قریظہ

باغات

موضع قبا

باغات

بنو نضیر

لابہ کی طرح کا سنگلاخ
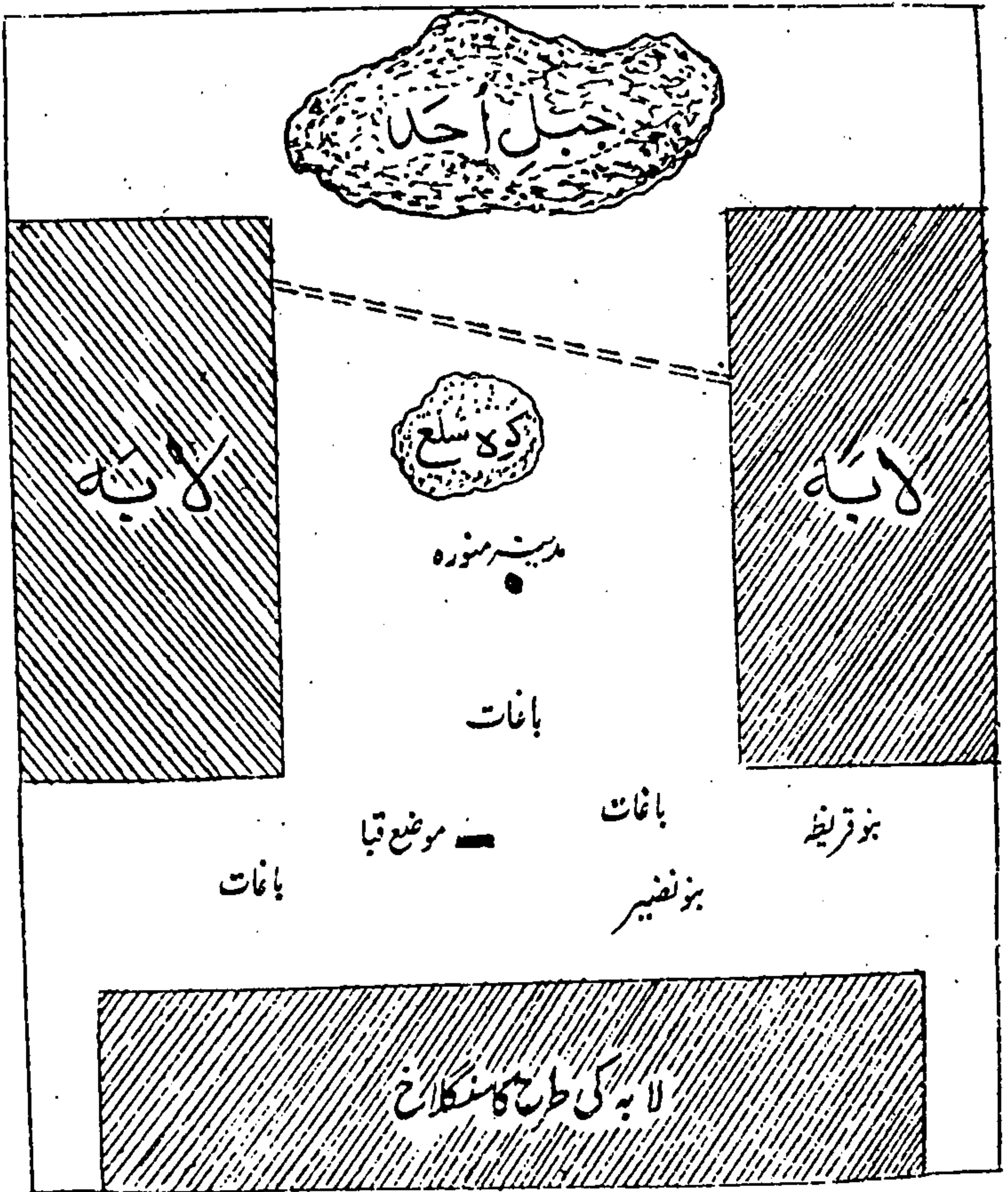
ابتلاء عظیم۔ ایک زلزلہ شدید

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا (سورہ احزاب)

اس موقع پر جانچے گئے ایمان والے اور جھڑ جھڑائے گئے زور کا جھڑانا (موضح القرآن)

مشکلات اور پریشانیاں

اب تک اسلام کی تاریخ میں جماعت صحابہ کے لیے سب سے زیادہ سخت دن "یوم احد" تھا۔ جس میں ستر صحابہ شہید ہوئے۔ اتنے ہی زخمی ہوئے اور معمولی ضرب سے تو شاید ہی کوئی بچا ہو۔ لیکن یہ تمام سختی اور مصیبت اور موت کی یہ طوفانی بارش چند گھنٹے کی بات تھی۔ دن گذر کر جب رات آئی تو جس طرح لوگ پہلی رات سوئے تھے۔ آج بھی اطمینان سے سوئے۔ فاتح اور مفتوح کی خلش ضرور تھی مگر حملہ کا خطرہ کسی کو نہ تھا۔ لیکن غزوہ خندق کی شان بالکل جدا تھی یہاں دن اور رات۔ ہر وقت حملہ کا خطرہ تھا۔ وحشت اور خوف و ہراس کا ایک تسلسل تھا جو کم سے کم ایک ماہ تک لگاتار رہا۔

محنت مزدوری یا کھیت کیار کا جو کام بھی تھا وہ قطعاً" بند۔ مدینہ میں تھے مگر مکان خالی۔ گھر کا نظام بکھرا ہوا۔ مرد محاذ پر۔ عورتیں پناہ گاہ میں۔ یعنی ان گڑھیوں (چھوٹے چھوٹے قلعوں) میں جو محفوظ سمجھے جاتے تھے۔ رسد کے نام پر "صفر" نہایت۔ سخت کڑاکے کی سردی۔ کپڑے ناکافی۔ پیٹ خالی۔ اس پر پتھریلی زمین کھودنا لیکن جس بات نے صحابہ کرام کے لیے یہ تمام مشکلات آسان کر دی تھیں اور جس نے ان تمام پریشانیوں کو راحت بنا دیا تھا وہ بات یہ تھی کہ اسی آقا کو جس کے قدموں پر جانیں نثار کرنا ان کی زندگی کی آخری تمنا تھی۔ وہ آقا دوجہان ان تمام مشکلات کے برداشت کرنے میں سب سے آگے تھا اور آگے بھی اس طرح کہ اپنی تکلیف کا احساس نہیں ہاں ساتھ جو زحمت برداشت کر رہے تھے' اس سے بے حد متاثر اور دلگیر۔

آقاء دوجہان کی یہ دلگیری وارفتگان محبت میں نیا جذبہ اور نئی امنگ پیدا کر رہی تھی۔ یہی دو طرفہ جذبہ تھا جس نے مشکلات کی چٹانوں کو روئی کے گالے اور مصائب کے کانٹوں کو پھول بنا دیا تھا۔ ایک مثال ملاحظہ فرمایئے۔

بخاری شریف مین روایت ہے کہ سرور کائنات ﷺ کی نظر اپنے شکستہ حال ساتھیوں پر پڑی جو صبح کی ٹھٹھرتی ہوئی سردی میں خندق کھود رہے تھے تو دفعۃ" لسان نبوت سے یہ کلمات صادر ہوئے۔

اللھم ان العیش عیش الاخرۃ فاغفر الانصار و المھاجرۃ

اے اللہ۔ بیشک زندگی آخرت کی زندگی ہی ہے۔ پس مغفرت سے نواز انصار کو

بھی اور مہاجرین کو بھی۔

ادھر لسان نبوت سے یہ کلمات صادر ہوتے ہیں ادھر صحابہ کرام کے جذبات عقیدت موجزن ہوتے ہیں اور جذبات کی یکسانیت یہ ہے کہ سب کی زبانیں ایک ساتھ پکار اٹھتی ہیں۔

نحن الذین بایعوا محمدا علی الجهاد ما بقینا ابدا

ہم وہ ہیں جنہوں نے (حضرت) محمد (ﷺ) سے عہد کیا ہے کہ جب تک ہم باقی ہیں ہمیشہ ہمیشہ مصروف "جہاد" رہیں گے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

سرتاج دو عالم خندق سے مٹی اٹھا اٹھا کر پھینک رہے تھے جسم مبارک پر گرد کی ایسی تہ تھی کہ جلد نظر نہ آتی تھی۔ شکم مبارک پر بال زیادہ تھے اور بالوں کی ایک دھاری سی تھی جو ناف سے سینہ مبارک تک پہونچی ہوئی تھی۔ لیکن یہ سب بال گرد میں چھپے ہوئے تھے اور اسی حالت میں سرور کائنات ﷺ کی زبان مبارک ترنم فرما تھی۔

واللہ لولا اللہ ما اهتدینا

ولا تصدقنا ولا صلینا

فانزل سکینة علینا

وثبت الاقدام ان لاقینا

ان الاولی بغوا علینا

اذا ارادوا فتنة ابینا

آخری لفظ۔ ابینا پر آواز زیادہ بلند ہو جاتی تھی۔ اور کبھی مکرر فرماتے تھے ابینا ابینا

ترجمہ - اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا تو ہمیں ہدایت نصیب نہ ہوتی۔ نہ ہم صدقہ خیرات کرتے نہ نماز پڑھ کر خدا کی یاد کرتے۔

۲ - اے اللہ ہم پر سکون نازل فرما اور دشمن سے مقابلہ ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھ یہ مکہ والے (دشمنان دین) ہم پر چڑھ آئے ہیں۔

۳ - جب انہوں نے فتنہ کا ارادہ کیا کہ اسلام سے ہمیں برگشتہ کر کے اپنے دھرم پر لے آئیں تو ہم نے انکار کر دیا (ہم نے انکار کر دیا)

جب زبان مبارک سے "ابینا" صادر ہوتا تو صحابہ کرام بھی ہم نوا ہو کر ابینا ابینا کہتے خندق کھودتے وقت سردار دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہ تھی۔

اب خندق تیار ہو چکی ہے۔ دشمن کی ٹڈی دل فوج نے مدینہ کا محاصرہ کر لیا ہے۔ ان کے نعروں سے مدینہ کے درو دیوار دہل رہے ہیں۔ ایک دہشت سب پر طاری ہے۔ دشمن جس حوصلہ سے آیا تھا۔ وہ خندق کو دیکھ کر ٹھٹک گیا ہے۔ محمدؐ نے یہ نئی چال چلی۔ ہمیں اس کا خیال نہیں تھا۔ بیشک اب مقابلہ مشکل ہو گیا۔ لیکن ہمارے پاس تیر بہت کافی ہیں۔ ہمارے نوجوان نشانہ کے پکے ہیں۔ ہم تیروں اور پتھروں کی بارش برسائیں گے اور خندق کو پاٹتے ہوئے آگے بڑھیں گے۔ ہماری تعداد اتنی ہے کہ یہ بھنگے ہماری پھونکوں سے ہی اڑ جائیں گے۔ یہ دشمن کے حوصلے ہیں جن کی تعداد لگ بھگ چوبیس ہزار ہے سیکڑوں گھوڑے ہیں اور ہزاروں اونٹ۔ ان پر کافی سے زیادہ سامان لدا ہوا ہے۔ خیموں کا ایک شہر آباد ہو گیا ہے۔ آس پاس یہود کے قلعے اور ان کی گڑھیاں ہیں۔ جہاں سے وقت پر ہر طرح کا سامان مہیا ہو سکتا ہے۔ یہ خندق کے اس طرف کی شان ہے۔

لیکن خندق کے اس طرف مدینہ سے متصل سرور کائنات ﷺ کے زیر سایہ صحابہ کرام کی جماعت ہے۔ شکستہ حال۔ انہیں ایک طرف دشمن کے تیروں کا جواب دینا ہے۔ ساتھ ہی خندق کی حفاظت کرنی ہے کہ دشمن پاٹ نہ دیں۔ دوسری جانب یہود کا خطرہ ہے کہ وہ کسی اور طرف سے مدینہ پر حملہ نہ کر دیں۔ عورتیں بیشک محفوظ مقام پر پہونچا دی گئی ہیں مگر ان کی حفاظت کے لیے بھی ایک مضبوط دستہ رکھنا ہے کہ کہیں ان پر حملہ نہ کر دیا جائے چنانچہ سلمہ بن اسلم رضی اللہ عنہ کو دو سو مجاہدین کے ساتھ ان کی حفاظت کے لیے مامور کر دیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مکتوم رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر کر دیا گیا ہے وہ اگرچہ نابینا ہیں مگر فرائض امارت بخوبی انجام دے سکتے ہیں۔

یہ سب کچھ ہے۔ مگر ضروری ہے کہ مسلمان ہر وقت ہوشیار اور چوکنا رہیں۔ دیکھئے دشمن کا وہ دستہ آگے بڑھ رہا ہے کہ خندق پاٹے۔ گھوڑوں پر سوار نوجوانوں کا دستہ اس تاک میں ہے کہ خندق کو پھاند لے۔ وہ اس طرف عقب کی جانب پتھروں کی بارش ہو رہی ہے۔ وہ بائیں جانب دشمنوں کے قدر انداز تیروں کی بوچھاڑ کر رہے ہیں۔ پورا دن اسی تگ و دو اور دیکھ بھال میں گذر گیا۔ ظہر کا وقت آیا اور نکل گیا۔ عصر کا وقت بھی یونہی گذر گیا۔ مغرب بعد جب تک اجالا رہا یہی سلسلہ رہا۔ اب سب طرف اندھیرا ہو گیا ہے۔ اب کچھ دشمن ہٹا ہے تو سرور کائنات ﷺ کو موقع ملا ہے کہ ظہر۔ عصر اور مغرب کی نمازیں پڑھ سکیں۔ یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آ رہے ہیں۔ دشمنوں پر برستے ہوئے کہ خدا ان کو برباد کرے۔ اتنا وقت بھی نہیں مل سکا کہ عصر کی نماز ادا کر سکوں۔ یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا۔

یہ دن کا ماجرا تھا اب رات کا وقت ہے۔ آدھی رات سے زیادہ گذر گئی ہے۔ سردی اور ٹھنڈی ہوا نے ہوش بگاڑ رکھے ہیں۔ اچھا ایک مقام ایسا ہے جہاں خندق کی چوڑائی کم ہے۔ یہاں سے خطرہ ہے کہ دشمن اسے پھاند لے۔ یہاں ایک چھوٹا سا خیمہ ہے وہ اسی لیے کہ اس مخدوش مقام کی حفاظت ہوتی

رہے۔

اس خیمہ میں کون ہے ؟

یہ وہی صاحب المعراج فخر موجودات ہیں جن کی پرواز عرش معلیٰ تک ہوتی ہے جہاں پہونچ کر رب ذوالجلال سے راز و نیاز کی باتیں کرتے ہیں۔ اسی رحمت عالم محبوب رب العالمین نے اس سب سے زیادہ مخدوش مقام کی حفاظت اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔ صلوات اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وعلیٰ اصحابہ اجمعین۔

یہ خیمہ میں ایک خاتون بھی ہیں۔ یہ کون ہیں۔ یہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی غمگسار خادمہ اور اہلیہ محترمہ۔

سرور کائنات ﷺ خیمہ سے باہر تشریف لاتے ہیں۔ گشت لگاتے ہیں۔ سردی سے ٹھٹھر کر خیمہ کے اندر پہونچتے ہیں تو عائشہ صدیقہ لحاف ڈال کر دباتی ہیں کہ گرمائی آ جائے۔

خدا جانے کتنی راتیں گذر گئیں۔ نیند پوری نہیں ہوئی۔ آج نیند کا غلبہ ہے۔ کوئی جاں نثار ہے جو پہرہ پر کھڑا ہو جائے تاکہ رحمت عالم ﷺ اطمینان سے آرام فرمائیں۔

رسول خدا۔ خادم حاضر ہے۔ کون ۔ میرا نام ہے سعد۔

یہ اس طرف کچھ آہٹ ہے۔ کوئی ہے جو وہاں جا کر دیکھے۔

بندہ حاضر ہے۔ کون ۔ عباد بن بشر۔

یہ ایک دستہ کے سردار ہیں جو سرور کائنات ﷺ کے خیمہ کی حفاظت کرتا ہے۔

مختصر یہ کہ سیدالکونین ﷺ جس طرح خندق کھودنے میں برابر کے شریک بلکہ بسا اوقات مشکل کشا رہے' یہی شان آپ کی ان ایام میں بھی ہے جب دشمن سے مقابلہ کرنا پڑ رہا ہے۔

سرور کائنات ﷺ کی سیادت و قیادت مسلم۔ صرف قانونی اور آئینی طور پر بلکہ دھڑکتے ہوئے دلوں کے مضطرب اور بےچین جذبات اس قیادت و سیادت پر قربان ہو رہے ہیں۔ مگر قائد وہ ہے جس کا جذبہ شفقت احساس قیادت پر غالب ہے۔ ماں باپ کے دلوں میں وہ شفقت نہیں ہو سکتی جو اس قائد کی شفقت اپنی امت پر ہے جس کی تپش سے اس کا قلب منور ہمیشہ پر سوز رہتا ہے۔

دنیا کا کون سا باپ ہے جس کی شفقت کی شہادت کتاب اللہ نے دی ہو۔ مگر یہ قائد مشفق وہ ہے کہ عرش اعظم کا خالق و مالک اس کی شہادت دے رہا ہے۔

عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ (سورہ توبہ آخری آیات)

(تمہاری تکلیف اس کی تکلیف) جو تمہیں ناگوار وہ اس کے لیے باعث زحمت۔
تمہارے نفع کا لالچی اہل ایمان کے لیے بہت بڑا مشفق بہت بڑا مہربان۔

یہی سورہ احزاب جس میں اس غزوہ کی تفصیل بیان کی گئی ہے اسی سورت کے پہلے رکوع کی ایک آیت ہے۔ النبی اولی بالمومنین من انفسھم (نبی سے لگاؤ ہے مسلمانوں کو زیادہ اپنی جان سے۔
اس کا مطلب اہل ایمان کے لیے تو یہ ہے کہ جب بھی نفسانی تقاضے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ارشاد میں مقابلہ کی صورت پیدا ہو۔ نفس کا تقاضا کچھ ہو اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد اس کے مخالف ہو تو ایک صاحب ایمان پر لازم اور فرض (۱۱۸) ہے کہ وہ نفس کے تقاضے کو چھوڑے اور آنحضرت ﷺ کے ارشاد گرامی کی تعمیل کرے۔ لیکن کیا ٹھکانا ہے رحمت للعالمین ﷺ کی شفقت و رافت کا کہ آپ نے اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے اپنے حق میں اس آیت کے معنی یہ لیے۔

ایما مومن ترک مالا فیرثه عصبته من کانوا فان ترک دینا اوضیاعا فلیاتنی انا مولاه

(ترجمہ) جو مسلمان مال چھوڑ کر وفات پائے تو اس کے عصبہ جو بھی ہوں گے وہ اس کے وارث ہوں گے اور جس نے وفات کے بعد قرض چھوڑا یا یتیم بچے چھوڑے جن کا کوئی سہارا نہیں ہے تو وہ میرے پاس آئیں میں ان کا "مولی" ولی اور ذمہ دار ہوں۔

اسی دو طرفہ الفت کا یہ تماشا ہے کہ عباد بن بشر ایک دستہ لیے ہوئے خیمہ مبارک کی حفاظت کر رہے ہیں۔ لیکن قائد ہے کہ اس کو احساس قیادت اور جذبہ شفقت چین نہیں لینے دیتا ہے۔ وہ بار بار خیمہ سے نکلتا ہے۔ سب طرف گھومتا ہے۔ ہر ایک کا خیال رکھتا ہے اور جب سردی سے ٹھٹھر جاتا ہے تو خیمہ میں آتا ہے جہاں عائشہ صدیقہ کی جاں نثاری اس پر لحاف ڈالتی ہے۔ بدن دباتی ہے کہ ٹھٹھر دور ہو کچھ گرماہٹ آئے۔

یہی روف رحیم جو کمانڈر اور فیلڈ مارشل بھی ہے ایک شب کو ضرورت محسوس کرتا ہے کہ دشمن کی فوج کا بھید معلوم کیا جائے ۔ ارشاد صادر ہوتا ہے۔ کون ہے جو دشمن کی خبر لے کر آئے۔
جاں نثار حاضر ہے یارسول اللہ ۔ کون ؟ ۔ زبیر۔
دوسری اور تیسری مرتبہ یہی ارشاد ہوتا ہے اور ہر مرتبہ پہل کر کے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو پیش کر دیتے ہیں۔ حضرت زبیر تشریف لے جاتے ہیں اور پوری ہشیاری اور بیدار مغزی سے اپنی ڈیوٹی انجام دیتے ہیں۔

اسی طرح ایک شب کو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اپنی خدمات پیش کرتے ہیں۔ آپ دشمن کی فوج میں جاتے ہیں۔ ابوسفیان اپنے خاص مجمع میں کوئی بات کہنا چاہتا ہے۔ لیکن اندھیری رات ہے۔ ہوا تیز چل رہی ہے

کوئی روشنی ٹھیرتی نہیں ہے۔ خطرہ ہے کوئی جاسوس یہاں موجود ہو اور وہ راز معلوم کر لے۔ لہٰذا ہدایت کرتا ہے کہ ہر شخص اپنے برابر کے آدمی کا ہاتھ پکڑ لے اور تحقیق کر لے کہ وہ کون ہے۔
اب حضرت حذیفہ کی حاضر حواسی کی جتنی داد بھی دی جائے کم ہے۔ یہ فوراً" اپنے برابر والے کا ہاتھ پکڑ لیتے ہیں "بتا" کون ہے۔
وہ گھبرا کر جواب دیتا ہے۔ سبحان اللہ۔ مجھے نہیں جانتے ۔ میں فلاں بن فلاں ہوں۔ فلاں قبیلہ کا فلاں مقام کا۔
یہ چیکنگ ختم ہوتی ہے۔ ابوسفیان تقریر کرتا ہے۔ اپنی پریشانیاں اور ناکامیاں ظاہر کرتا ہے اور روانگی کی تجویز پیش کرتا ہے۔ اس پر بحث ہوتی ہے۔ پھر یہ خفیہ اجلاس ختم ہوتا ہے۔ حضرت حذیفہ اپنے لشکر میں واپس پہونچتے ہیں۔ خیمہ میں داخل ہوتے ہیں۔ سرور کائنات ﷺ نوافل پڑھ رہے ہیں۔ جب سلام پھیرتے ہیں تو حضرت حذیفہ روئداد سناتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو بے اختیار ہنسی آ جاتی ہے۔
مگر فوراً" ہی ارشاد ہوتا ہے۔ حذیفہ تم ٹھٹھر گئے۔ آؤ آرام کر لو۔ حضرت حذیفہ کو لٹاتے ہیں۔ اپنا لحاف جو اوڑھے ہوئے ہیں۔اسی میں حذیفہ کو چھپا لیتے ہیں۔ پائے مبارک حضرت حذیفہ کے سینہ کے پاس رکھ دیتے ہیں کہ نکھاس آئے۔
حذیفہ کی قسمت کھل جاتی ہے۔ ایسی نیند آتی ہے کہ صبح کی نماز کے وقت بھی آنکھ نہیں کھلتی۔ سرکار دو عالمؐ کا شفقت بھرا ہوا ارشاد ہوتا ہے۔
قم یانومان۔ بڑے سونے والے ہو۔ اب تو اٹھو۔
حضرت حذیفہ کو جب اسی مہم پر رحمتہ عالم ﷺ روانہ فرما رہے تھے تو ہدایت فرما دی تھی لا تحدثن شیئاً" حتی ترجع الی" جب تک میرے پاس واپس نہ آ جاؤ کوئی نئی بات کھڑی نہ کر دینا"
حضرت حذیفہ فرماتے ہیں۔ میں جب غنیم کے لشکر میں پہونچا تو ابوسفیان ایک جگہ آگ کے پاس بیٹھا تاپ رہا تھا۔ وہ بالکل میری سیدھ میں تھا۔ ایک تیر میں اس کا کام تمام ہو سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے کمان درست کر لی اور نشانہ لگانے کا ارادہ کیا۔ مگر مجھے آنحضرت ﷺ کا ارشاد یاد آ گیا کہ "کچھ کر مت بیٹھنا" لہٰذا میں نے تیر ترکش میں ڈال لیا۔ ا ر کسی کو کچھ نہیں کہا۔

یہود بنو قریظہ

سلسلہ کلام میں اب تک یہود کا تذکرہ نہیں آیا۔ چند صفحات کے بعد آپ ان کا تذکرہ ملاحظہ فرمائیں گے۔ البتہ اس غزوہ کے سلسلہ میں بنو قریظہ کا تذکرہ ضروری ہے اس کے بغیر یہ بیان ناتمام رہ جاتا ہے اور شدت مقابلہ اور نزاکت حالات کی پوری تصویر سامنے نہیں آتی۔

مدینہ منورہ کے قریب جو یہود آباد تھے ان میں بنو قریظہ بھی تھے۔ یہ بہت خوش حال قبیلہ تھا اور نقشہ میں ظاہر کیا جا چکا ہے کہ مشرقی لابہ (سنگلاخ) کے کنارے پر جنوبی مشرقی گوشہ میں یہ قبیلہ آباد تھا جو آنحضرت ﷺ سے معاہدہ کیے ہوئے تھا۔ جس کی رو سے ان پر فرض تھا کہ مسلمانوں کی مدد کریں اور ان کے ساتھ ہو کر دشمن کا مقابلہ کریں۔ مگر یہود بنی نضیر کے سردار جو اس متحدہ محاذ کے بانی تھے جنہوں نے قریش مکہ اور غطفان وغیرہ عرب کے نامور قبائل کو آمادہ جنگ کیا تھا وہ بنو قریظہ کو کب بخش سکتے تھے۔ چنانچہ حیی بن اخطیر (بنو نضیر کا سردار) اس قبیلہ میں پہونچا "کعب بن اسد" بنو قریظہ کا سردار تھا۔ وہ اپنی گڑھی میں دروازہ بند کیے بیٹھا تھا۔ پہلے تو اس نے حیی بن اخطب سے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا کہ محمد (ﷺ) کو میں نے بات کا پکا اور وعدہ کا سچا پایا اس سے بدعہدی ٹھیک نہیں ہے۔ لیکن جب حیی بن اخطب نے کہا کہ اس مرتبہ پورا عرب امنڈ آیا ہے۔ بے انتہا فوج ہے۔ محمد کی کامیابی ناممکن ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) تو اس کے منہ میں بھی پانی بھر آیا۔ مسلمانوں سے دشمنی اور نفرت کے جذبات بھڑک اٹھے اور متحدہ محاذ میں شرکت کا وعدہ کر لیا۔ آنحضرت ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے تحقیق اور اتمام حجت کے لیے حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ (رضی اللہ عنہما) کو بھیجا اور فرما دیا کہ اگر بات سچی ہے تو وہاں سے آ کر مجھے اشارہ سے بتا دینا تاکہ لوگوں میں بددلی نہ پھیلنے پائے۔

یہ دونوں صاحب گئے۔ کعب بن اسد اور سرداران بنو قریظہ سے بات کی۔ ان کو معاہدہ یاد دلایا۔ مگر ان پر مخالفین کا جادو چڑھ چکا تھا۔ سیدھے منہ بات بھی نہیں کی۔ بڑی تلخی سے جواب دیا اور صاف صاف کہدیا کہ ہم نہیں جانتے کہ محمد (فداہ روحی) کون ہے اور معاہدہ کیا ہے۔

بنو قریظہ کی اس غداری نے حالات کی نزاکت انتہا کو پہونچا دی۔ دشمن اب تک اپنے مرکزوں سے دور ایک کھلے میدان میں تھے اب ان کو مدینہ سے متصل ایک قلعہ مل گیا۔ ادھر مدینہ کی حفاظت کے لیے جو نقشہ سرور کائنات ﷺ نے جمایا تھا اس میں رخنہ پڑ گیا۔ اس کے علاوہ قدرتی بات تھی کہ دشمنوں کے حوصلے بلند ہوئے اور مسلمانوں کو ایک دھکا لگا۔ مگر۔

دشمن چہ کند چوں مہرباں باشد دوست

(ابن ہشام)

خودداری اور حمیت اسلامی

یہ بدعہدوں کی حالت تھی۔ اب وفاداروں کا قصہ سنئے اور سبق لیجئے۔

محاصرے کو کم و بیش تین ہفتے ہو چکے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو اپنی یا اہل و عیال کی فکر نہیں ہے مگر تمام مسلمان آپ کی عیال ہیں ان کی غیر معمولی مشکلات آپ کے لیے پریشانی اور بے اطمینانی کا سبب بنی

ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ تقاضائے تدبر یہ ہے کہ مشکلات میں تخفیف کی جائے اور ساتھیوں کی آزمائش کو جہاں تک ممکن ہو ہلکا کیا جائے۔ غالباً" یہی تصور تھا جس نے آنحضرت ﷺ کو ایک پیشکش پر آمادہ کر دیا۔ جس سے دشمن کے محاذ میں خلا پڑ سکتا تھا۔

آنحضرت ﷺ نے قبیلہ غطفان کے سربراہ کے سامنے تجویز رکھی کہ مدینہ کی پیداوار کا ایک تہائی ان کو دے دیا جائے گا اگر وہ جنگ سے دست کش ہو جائیں۔ غطفانی سردار نے اس کو پسند کیا چنانچہ ایک مسودہ قلم بند کیا گیا۔ آنحضرت ﷺ نے اسی اثناء میں انصار کے سربراہ حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہما) سے بھی مشورہ ضروری سمجھا۔ ان دونوں نے یہ تجویز سنی تو نہایت ادب سے عرض کیا۔

یارسول اللہ۔ اگر یہ خدا کا حکم ہے تو انکار کی مجال نہیں۔ لیکن اگر حضرت کی رائے ہے تو گذارش یہ ہے کہ زمانہ کفر میں جب ہم اور وہ شرک کی نحوست میں مبتلا تھے۔ رب حقیقی کی عبادت سے ناآشنا غیر اللہ کے آستانوں پر پیشانیاں رگڑا کرتے تھے تب بھی کسی کی ہمت نہیں ہوئی کہ مدینہ کی پیداوار کا ایک چھوارہ بھی بطور خراج وصول کر سکے۔ اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کی عزت بخش دی ہے۔ آپ کے طفیل میں ہمارا وزن اور وقار بڑھ گیا ہے کس طرح ممکن ہے کہ ہم ان کو خراج ادا کریں۔ ہم ایک حبہ بھی بطور خراج نہیں دیں گے ہم ایک ہی چیز پیش کر سکتے ہیں۔ یعنی فیصلہ کن تلوار۔

آنحضرت ﷺ نے یہ استقلال ملاحظہ فرمایا تو دعا دی۔ پھر حضرت سعد ؓ نے مسودہ کا کاغذ لے کر تمام عبارت مٹا دی اور قبیلہ غطفان کے کچھ نمائندے جو یہاں موجود تھے ان سے کہا کہ جو کچھ تم سے ہو سکے کر دکھاؤ (سیرۃ ابن ہشام)

مقابلہ

پہلے یہی ہوتا رہا کہ دشمن کی فوج تیر اور پتھر برساتی رہتی تھی۔ مسلمان اپنا تحفظ کرتے ہوئے جواب دیتے رہتے تھے۔ پھر طے ہوا کہ حملہ قاعدہ سے ہونا چاہیے۔ پوری فوج کا ایک سردار ہو۔ اس کی ہدایت کے مطابق اقدام ہو۔ چنانچہ ابوسفیان۔ خالد بن ولید۔ عمرو بن العاص' ضرار بن الخطاب جبیرہ۔ جرنیل مقرر کئے گیے۔ ہر ایک کا ایک ایک دن مقرر کر دیا گیا۔ ہر ایک جنرل باری کے دن پوری فوج لے کر لڑتا تھا۔ لیکن کامیابی اس صورت میں بھی نہیں ہوئی۔ یہ فوجیں خندق عبور نہیں کر سکیں۔ تیروں اور پتھروں کی بارش برسانے میں محنت ضرور کرنی پڑتی تھی مگر فائدہ کچھ نہیں ہوتا تھا۔ اب مجبوراً" طریق جنگ پر نظر ثانی کرنی پڑی۔ اور فیصلہ کن حملے کی صورت یہ طے کی گئی کہ نامور بہادر گھوڑے پار کر کے مسلمانوں کے جتھوں میں پہونچیں اور وہیں ان کو موت کے گھاٹ اتاریں۔

اتفاق سے ایک جگہ عرض کم تھا (بقول ابن ہشام) کوہ سلع کے دامن میں تھا۔ عرب کے مشہور بہادر

ضرار بن جبیر۔ نوفل۔ عمر بن عبدود نے گھوڑوں کے ایڑ لگائی تو وہ تڑپ کر اس پار تھے۔ مسلمان فوراً آگے بڑھے اور ان کو وہیں گھیر لیا۔ محمد رسول اللہ (روحی فداہ) ان کے قائد تھے۔ (ﷺ)
اس زمانے کے قاعدہ کے مطابق پہلے ایک ایک کا مقابلہ ہوتا تھا۔ پھر گھمسان کی لڑائی ہوتی تھی۔ ان پھاندنے والوں میں عمرو بن عبدود تنہا ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا۔ جنگ بدر میں زخمی ہو کر واپس چلا گیا تھا اور قسم کھائی تھی کہ جب تک بدلہ نہ لے لوں گا سر میں تیل نہیں ڈالوں گا۔ اتفاق سے جنگ احد کے موقع پر آ نہیں سکا تو اس وقت انتقام کی بھوک میں بپھرے ہوئے شیر کی طرح یہاں پہونچا۔ اور غرانے لگا۔ مائی کا لال کون ہے جو مقابلہ پر آئے۔

حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سامنے تھے فوراً" جواب دیا۔ میں "علی"

عمرو۔ کہنہ مشق بہادر۔ نوے سال کی عمر۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نوجوان۔ عمر تقریباً" ۲۵ سال گویا منہ کی رال بھی نہیں جھڑی تھی۔ خود آنحضرت ﷺ کو حیرت ہوئی۔ فرمایا میاں علی جانتے ہو۔ کون ہے۔ عمر بن عبدود ہے۔ حضرت علی بیٹھ گئے۔ عمرو نے دوبارہ للکارا اب بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پہل کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرتبہ بھی اجازت نہیں دی۔ تیسری مرتبہ بھی یہی صورت ہوئی عمرو بن عبدود کے چیلنج کو سب سے پہلے حضرت علی رضی عنہ نے منظور کیا تو آنحضرت ﷺ نے اجازت دے دی۔ خود دست مبارک سے تلوار عنایت کی۔ سر پر عمامہ باندھا۔

عمرو بن عبدود کا قول تھا کہ جو کوئی قریشی میرے سامنے دو باتیں پیش کرے تو ایک ضرور مانوں گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمرو سے دریافت کیا۔ کیا واقعی تمہارا یہ عہد ہے۔

عمرو نے جواب دیا۔ بے شک

حضرت علی رضی اللہ عنہ ۔ میں درخواست کرتا ہوں کہ تم اسلام قبول کر لو۔

عمرو بن عبدود ۔ مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

حضرت علی ۔ اچھا پھر مقابلہ۔

عمرو بن عبدود ۔ برادر زادے میں تمہیں قتل کرنا نہیں چاہتا۔

حضرت علی ۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ تمہیں قتل کروں۔

اس پر عمرو کو تاؤ آ گیا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا۔ نیچے اتر آیا اور تلوار نکال کر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بھر وار کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ڈھال سامنے کر دی۔ مگر تلوار ڈھال کو کاٹتی ہوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پیشانی پہونچی۔ حضرت علی شیر خدا نے پلٹ کر وار کیا تو تلوار حیدری عمرو کے مونڈھے کو کاٹتی ہوئی نیچے تک گئی اور یہ ایک ہزار سواروں کی طاقت رکھنے والا بہادر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ عمرو زمین پر گرا تو اس کا گھ خندق پھاندتا ہوا اس طرف پہونچ گیا۔

عمرو کے بعد ضرار اور حبیرہ نے حملہ کیا۔ مگر حملہ حیدری کی تاب نہ لا سکے۔ پیٹھ دے کر بھاگے

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ضرار کا تعاقب کیا۔ ضرار نے مڑ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر برچھے کا وار کیا مگر ناکام رہا۔
نوفل بھاگتے ہوئے خندق میں گرا۔ صحابہ نے تیر مارنے شروع کیے۔ اس نے پکار کر کہا۔ مسلمانو! میں شریفانہ موت چاہتا ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کی درخواست منظور کی۔ خندق میں اتر کر اس کا مقابلہ کیا۔ اور ایک ہی ضرب میں اس کا کام تمام کر دیا۔

خطاب ذوالقرین

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ذوالقرنین بھی کہتے تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی پیشانی پر دو زخموں کے نشان تھے۔ ایک اسی عمرو کے ہاتھ کا اور ایک ابن ملجم کا جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو زخمی کرنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو گرفتار کیا تھا۔

ایک مخلص کی کامیاب تدبیر

نعیم بن مسعود اشجعی رضی اللہ عنہ ایک غطفانی رئیس تھے۔ وہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کیا۔ یارسول اللہ میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ آپ کا مخلص خادم ہوں۔ کچھ خدمت کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے کچھ خدمت بتائیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس وقت سب سے بڑی خدمت یہی ہے کہ اس مصیبت کو ہٹانے کی کوشش کرو۔ نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ ۔ کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں دونوں فریق سے مل کر اپنی صوابدید کے بموجب بات چیت کروں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ آپ کو پوری اجازت ہے۔

اب یہ بات کسی مکرو فریب کی نہیں تھی بلکہ ہر ایک صاحب فہم کے لیے قابل غور تھی کہ قریش کو کامیابی نہ ہوئی اور وہ واپس ہوئے تو بنو قریظہ جو مدینہ سے چند میل کے فاصلہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی پناہ میں رہتے ہیں ان کا کیا ہو گا۔ کامیابی کا جو یقین پہلے دن تھا جیسے جیسے دن گذر رہے تھے وہ کمزور پڑتا جا رہا تھا۔ چوبیس ہزار فوج کا مسلسل انتظام معمولی کام نہیں تھا خصوصاً جب کہ آئے ہوں اس امید اور یقین پر کہ چند روز میں مسلمانوں کا قلع قمع کر دیں گے اور اب حال یہ ہو کہ قلع قمع تو درکنار مسلمانوں تک پہنچنے کے لیے بھی پہلے فرشتہ موت سے پنجہ لڑانا پڑتا ہو۔

کسی سردار کو بطور یرغمال اپنے یہاں رکھ لینے کا رواج عرب میں پہلے بھی تھا اور اس وقت خود بنو نضیر کے سردار "حیی بن اخطب" نے اس تصور کو زندہ کر دیا تھا۔ کیونکہ پہلے گذر چکا ہے کہ بنو قریظہ اول اول نقض عہد پر راضی نہیں تھے اور کہتے تھے کہ ہم محمدؐ سے معاہدہ کیوں توڑیں۔ لیکن حیی بن اخطب نے اسی شرط پر ان کو راضی کیا تھا کہ قریش چلے گئے تو میں خیبر چھوڑ کر تمہارے پاس آ جاؤں گا۔

اب محاصرہ کی طوالت اور ناکامی کے آثار نمایاں ہونے کے بعد یہ سوال بھی درپیش تھا کہ کیا "حیی بن اخطب" کا بنو قریظہ میں آ کر رہنا مفید ہو گا (وہ خود ایک پٹا ہوا مہرہ تھا جو بار بار بازی ہار چکا تھا) یا قریش سے مطالبہ کرنا چاہیے کہ وہ اپنے کسی سردار کو بطور یرغمال بنو قریظہ کے حوالے کر دیں۔ بنو قریظہ

کے حلقہ میں جب یہ سوال اٹھا تو ضروری نہیں ہے کہ حضرت نعیم ہی نے اس کو قریش تک پہونچایا ہو۔ بڑی بڑی منظم حکومتوں میں ایسے راز پوشیدہ نہیں رہتے۔ حضرت نعیم بن مسعود اگر قریش میں پہونچے اور انہوں نے اس بحث میں حصہ لیا تو نہ یہ ضروری ہے کہ یہ راز انہوں نے پہونچایا ہو اور نہ یہ ضروری ہے کہ اس کا منشا مکرو فریب ہو۔ کیونکہ واقعہ یہ ہے کہ قریش کی بہت بڑی حماقت تھی کہ وہ اس موقعہ پر دفعتہ" بھاگ گئے ہوش و حواس اور سیاسی سوجھ بوجھ کا تقاضا تھا کہ جب انہوں نے ناکامی کے آثار دیکھے تھے تو رسول اللہ ﷺ سے معاہدہ صلح کی طرح ڈالتے۔ وہ روف و رحیم جو خود ہی اس کے لیے تیار ہو گیا تھا کہ بنو غطفان کو مدینہ کی آمدنی کا ثلث دے کر اپنے ساتھیوں (انصار) کو اس آفت سے نجات دلائے۔ اس کی رحیمانہ فطرت قریش کے حق میں بھی ابر رحمت ہی ثابت ہوتی یعنی اگر قریش اس وقت کوئی مصالحانہ اقدام کرتے تو یقیناً" توقع سے کہیں زیادہ کامیابی حاصل کر سکتے تھے۔ وہ اس معاہدہ صلح میں بنو قریظہ کے لیے پناہ بھی حاصل کر سکتے تھے۔

حضرت نعیم بن مسعود اشجعی جیسے پاک نفس انسان سے یہ توقع بے محل نہیں ہے کہ وہ بنو قریظہ اور قریش کو نزاکت حالات کی طرف توجہ دلا کر معاہدہ صلح پر آمادہ کرنا چاہتے ہوں۔ کیونکہ اب مسلمانوں اور قریش کے بقاء کی صرف یہی صورت تھی۔ چنانچہ اگلے سال حدیبیہ کے موقع پر معاہدہ صلح ہوا۔ اس وقت بھی صورت حال تقریباً" یہی تھی۔ فرق اتنا تھا کہ اس وقت یعنی احزاب کے موقع پر قریش مکہ سے مدینہ آئے تھے اور صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمان مکہ پہونچے تھے مگر احزاب میں قیادت ان کے ہاتھ میں تھی جو عداوت دشمنی' اور ظلم و عناد کے سبب اپنی سمجھ بوجھ اور عقل و فہم سب کچھ کھو چکے تھے اور حدیبیہ میں قائد وہ تھا جس کے معمولی اشاروں سے عقل و فہم اور عدل و انصاف کے چشمے پھوٹتے تھے اور جس کے ناخن تدبیر سے عقدے حل ہوتے تھے۔

بہرحال واقعہ یہ ہے کہ جب ناکامی کے آثار نمایاں ہونے لگے تو یہ سوالات دونوں طرف ابھرے بنو قریظہ نے حیی بن اخطب کی ضمانت کو ناکافی سمجھ کر قریش سے ضمانت لینی چاہی اور قریش نے اس کو اپنی توہین سمجھا یا وہ اتنے غیر مطمئن تھے کہ ضمانت دینے کے لیے تیار نہیں ہو سکتے تھے۔ ان سوالات کے پیدا ہونے اور ابھرنے کا نتیجہ یہ تھا کہ متحدہ محاذ کے حلقوں میں بددلی کے ساتھ بدگمانی بھی پھیل گئی۔ کچھ راویوں نے اس قدرتی بات کو جو حالات کی نزاکت اور پیچیدگی کی بنا پر پیدا ہو گئی تھی۔ حضرت نعیم بن مسعود اشجعی رضی اللہ عنہ کی طرف اس طرح منسوب کیا کہ گویا انہوں نے اس موقع پر مکرو فریب' تفرقہ اندازی اور آپس میں پھوٹ ڈالنے کی خدمت انجام دی اور اس کے جواز کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی الحرب خدعة" کا حوالہ پیش کر دیا۔ حالانکہ نہ الحرب خدعة کے یہ معنی ہیں کہ مکرو فریب کا اخلاقی جرم جنگ کے وقت جائز ہو جاتا ہے' اور نہ حضرت نعیم کے متعلق یہ درست ہے کہ انہوں نے مکرو فریب کیا۔ واقعات کی قدرتی رفتار تھی جو سامنے آئی۔

مضحکہ انگیز ہزیمت

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْجَاءَ تْکُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْھِمْ رِیْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْھَا وَکَانَ اللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا

مسلمانو! خدا کے اس احسان کو یاد کرو۔ جب کہ تم پر فوجیں آ پڑیں تو ہم نے ان پر آندھی بھیجی اور فوجیں بھیجیں جو تم کو دکھائی نہ دیتی تھیں اور اللہ تعالیٰ کو ان تمام باتوں کی خبر ہے جو تم کرتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے احسان کا تذکرہ فرماتے ہوئے وہ اسباب بیان فرمائے ہیں جن سے "احزاب" کو ہزیمت ہوئی۔ ان میں سے ایک سبب وہ تھا جس کے اثرات ظاہر ہوئے مگر نظر کچھ نہیں آیا۔ یہ فرشتوں کا لشکر تھا جس نے انسانی نظروں سے اوجھل ہو کر اپنا کام کیا۔ اس نے احزاب کی ہمتوں کو پست کیا ان میں دہشت و وحشت اور ایسی بدحواسی پیدا کی کہ آپس کے تمام عہد و پیمان بھول گئے اور اس طرح بھاگے کہ ایک کو دوسرے کی خبر نہیں تھی۔ کوئی نہیں پوچھتا تھا کہ کہاں بھاگ رہے ہو، کیوں بھاگ رہے ہو۔ کدھر بھاگ رہے ہو۔

دوسرا سبب جو نظر آیا وہ یہ تھا کہ ایک طوفانی آندھی نے ان کے تمام نظام کو درہم برہم کر دیا۔ خیمے اکھڑ گئے۔ سارا سامان و اسباب الٹ پلٹ ہو گیا یہاں تک کہ چولہوں پر جو دیگ چڑھے ہوئے تھے وہ بھی اوندھے ہو گئے۔

مادی اسباب تلاش کرنا چاہو تو کہہ سکتے ہو کہ موسم سخت تھا۔ توقع سے زیادہ محاصرہ کی طوالت نے رسد ختم کر دیا تھا۔ مزید رسد کی فراہمی مشکل ہو رہی تھی۔ پھر بنو قریظہ اور قریش میں آپس میں بدگمانی پھیل گئی تھی۔ مگر سوال یہ ہے کہ صنادید قریش اور زعماء عرب جن کو اپنے عقل و تدبر پر ناز تھا وہ کوئی ایسی تدبیر کیوں نہیں سوچ سکے کہ پسپائی شاندار ہوتی۔ سرزمین عرب میں کچھ بھرم رہ جاتا۔ بنو قریظہ بھی بے پناہ نہ رہ جاتے وہ یک لخت اتنے بدحواس ہو کر کیوں بھاگے کہ ایک دوسرے کی بات بھی نہ پوچھ سکا۔ یہ سب وہی تھا جس کا شکر آنحضرت ﷺ ہر موقع پر کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ یہ جملے آپ کے ورد زبان تھے جو اکثر موقع پر لسان مبارک سے صادر ہوتے رہتے تھے (جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کے سلسلہ میں نقل کیے جاتے ہیں)۔

لا الٰہ الا اللہ وحدہ انجز وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ (۱۱۹)

اکیلے اور تنہا اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تن تنہا تمام احزاب کو بھگا دیا۔

سفر(۱۲۰) سے واپسی پر جو دعا پڑھتے اس کے آخری الفاظ یہ ہوتے تھے۔

صدق الله وعده- ونصر عبده وهزم الاحزاب وحده

خواتین کا حوصلہ

خواتین کو اسی علاقہ میں جس طرف باغات تھے محفوظ مقام پر پہونچا دیا گیا تھا لیکن جب بنو قریظہ نے غداری کی تو یہ محفوظ قلعہ بھی مخدوش ہو گیا۔ چنانچہ یہودیوں نے اس طرف سے اقدام شروع کر دیا۔ ایک یہودی قلعہ کے پھاٹک تک پہنچ گیا۔ ظاہر ہے۔ یہ جاسوسی کی خدمت انجام دیتا۔ آنحضرت ﷺ کی پھوپی حضرت صفیہ نے اس کو بھانپ لیا یہاں مردوں میں صرف حضرت حسان ؓ تھے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صادق تھے مگر دل کے دورہ نے ان کو اتنا کمزور کر دیا تھا کہ وہ لڑائی کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتے تھے اسی وجہ سے ان کو یہاں رکھا گیا تھا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے پہلے حضرت حسان کو توجہ دلائی مگر جب انہوں نے معذرت کی تو خود پھاٹک پر پہونچیں اور خیمہ کی ایک چوب اکھاڑ کر اچانک یہودی کے سر پر اس زور سے رسید کی کہ اس کے سر کا بھیجہ نکل گیا اور وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔

اب حضرت صفیہ نے حضرت حسان ؓ سے فرمایا کہ اس کے کپڑے اور ہتھیار اتار لو مگر حضرت حسان مردہ لاش کو بھی نہیں دیکھ سکتے تھے پھر حضرت صفیہ نے اس یہودی کا سر کاٹ کر قلعہ کے نیچے پھینک دیا۔ اب یہودیوں کو یقین ہو گیا کہ قلعہ میں کوئی فوج متعین ہے۔ پھر انہوں نے اس طرف کا رخ نہیں کیا۔

معجزات

(ا) خندق کھودتے ہوئے ایک چٹان نکل آنے کا واقعہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے جس کا اختصار یہ ہے کہ صحابہ کرام تھک گئے تو مرجع عالم ﷺ کی طرف رجوع کیا۔ آپ نے بسم اللہ کہہ کر ایک مرتبہ کدال ماری تو چٹان کا ایک تہائی حصہ ٹوٹ گیا اور ایک روشنی نمودار ہوئی اور سید الانبیاء ﷺ نے اللہ اکبر فرمایا جیسے حیرت کے وقت اللہ اکبر کہا کرتے ہیں پھر دوسری مرتبہ بسم اللہ کہہ کر کدال ماری' چٹان کا ایک حصہ اس مرتبہ ٹوٹ گیا اور اسی طرح کی روشنی نمودار ہوئی۔ اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح اللہ اکبر فرمایا جس پر صحابہ نے بھی اللہ اکبر کہا۔ پھر تیسری مرتبہ ایسا ہی ہوا۔ فتح الباری کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے کدال مارتے ہوئے یہ رجز بھی ارشاد فرمایا۔

بسم اللہ بدینا ولو عبدنا غیرہ شقینا فحبذ اربا وحب دینا

اللہ کے نام سے شروع کر رہے ہیں اور اگر غیر اللہ کی عبادت کرتے تو ہم شقی اور بدبخت ہو جاتے پس کیسا اچھا ہے رب اور کس قدر پیارا ہے دین۔

بہرحال جب اس مہم سے فراغت ہوئی تو صحابہ نے اس روشنی کے نمودار ہونے اور اس پر حیرت کے انداز میں زبان مبارک سے اللہ اکبر صادر ہونے کی وجہ دریافت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلی مرتبہ روشنی نمودار ہوئی تو شام کی کنجیاں مجھے دے دی گئیں اور میں نے اس روشنی میں شام کے محلات دیکھے پھر دوسری مرتبہ روشنی نمودار ہوئی تو فارس کی کنجیاں مجھے عنایت کر دی گئیں۔ اور مدائن (پایہ تخت فارس) کے سفید سفید محل مجھے نظر آئے تیسری نمودار ہوئی تو یمن کی کنجیاں میرے سامنے تھیں۔

اس پر صحابہ کرام کے ایمان پختہ ہوئے اور منافقوں نے مذاق اڑایا کہ مصیبت سر پر ہے دشمن سب طرف چھایا ہوا ہے۔ گھر میں کھانے کو نہیں۔ پیٹوں پر پتھر بندھے ہوئے ہیں اور دعوے ہیں شام اور فارس کی فتوحات کے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ کو اختصار سے نقل کیا ہے۔ یہ تفصیل نسائی شریف سے ماخوذ ہے۔ (بروایت براء بن عازب)

(۲) امام بخاری کی روایت کے راوی حضرت جابر بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ) ہیں۔ یہی حضرت جابر چٹان توڑنے کے واقعہ کو نقل کرنے کے بعد بیان فرماتے ہیں۔

تین دن ہو گئے تھے کھانا چکھنے کو بھی نہیں ملا تھا۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے اجازت دیجئے (اپنے گھر ہو آؤں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی۔ میں گھر پہونچا میں نے بیوی سے کہا۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے مبارک پر نظر پڑی تو بھوک (۱۲۱) کے آثار تھے (فاقہ سے ہوائیاں اڑ رہی تھیں) کیا تمہارے پاس کچھ ہے۔ اہلیہ محترمہ نے جواب دیا۔ ہاں کچھ جو ہیں ایک بکری کا بچہ ہے جو ذبح کیا جا سکتا ہے۔ آپ جائیے ہمارے سرتاج آقاء دوجہان کو بلا لائیے (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اتنے آٹا پیس کر روٹی پکاتی ہوں۔ ساتھ ہی بکری کا بچہ ذبح کیا اور ہنڈیا چولھے پر چڑھا دی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور میں نے چپکے سے عرض کیا۔ یارسول اللہ کچھ تھوڑا سا کھانا ہے۔ حضور والا تشریف لے چلیں اور ایک دو آدمیوں کو ساتھ لے لیں سردار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا۔ کتنا کھانا ہے۔ میں نے کہا۔ تقریباً ایک صاع (۱۲۲) جو ہیں اور بکری کے بچہ کا گوشت ہے ارشاد ہوا کثیر طیب (بہت ہے۔ بہت عمدہ ہے) پھر آپ نے اعلان فرما دیا۔ جابر نے خندق کھودنے والوں کی دعوت کی ہے وہاں چلئے

میں پریشان تھا۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ایک ہی تو صاع جو ہیں۔ ارشاد ہوا تم گھر جاؤ اور گھر میں کہہ دو جب تک میں پہنچ نہ جاؤں پتیلا چولہے سے نہ اتاریں اور روٹی پکانی بھی شروع نہ کریں۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ بھی ہدایت فرما دی کہ کچھ برتن دوسروں کے یہاں سے منگا لینا۔ (۱۲۳)

اب آنحضرت ﷺ آگے آگے اور تمام جماعت جس کی تعداد اس وقت ایک ہزار کے قریب تھی پیچھے پیچھے۔ میرے غریب خانہ کی طرف روانہ ہوئے۔ میں آگے بڑھ کر گھر پر پہونچا۔ بیوی سے کہا۔ صرف حضور ﷺ ہی نہیں بلکہ جتنے بھی وہاں موجود تھے آپؐ نے سب ہی کو دعوت دے دی ہے۔ سب ہی آ رہے ہیں۔ بیوی کچھ پریشان ہوئیں۔ ایک روایت میں ہے لڑنے لگیں کہ تم مجھے رسوا کرو گے۔ ☆ پھر کہا۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے پوچھا تھا کہ کتنا سامان ہے اور کیا آپ نے بتا دیا تھا۔ میں نے جواب دیا۔ میں سب کچھ بتا چکا ہوں۔ اس پر بیوی نے کہا۔ جب آپ سب کچھ بتا چکے ہیں تو اب اللہ جانے اور اس کا رسول جانے۔ (۱۲۴) (ہمیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے) ہاں ایسا انتظام کر دیجئے کہ بھیڑ نہ ہو۔ یہ حضرات ترتیب وار تشریف (۱۲۵) لاتے رہیں۔ حضرت جابر فرماتے ہیں (رضی اللہ عنہ) بیوی کے اس جواب سے مجھے تسکین ہوئی اور میری ڈھارس بندھ گئی۔

اب رحمت عالم ﷺ تشریف لائے۔ آنحضرت ﷺ نے پتیلے کو نہیں کھولا۔ اس کو اسی طرح بند رہنے دیا۔ ایسے ہی آٹے کو بھی چھپا دیا۔ (یعنی اس کے اوپر کپڑا ڈال دیا) اور فرمایا اب روٹی پکانا شروع کرو۔ اور کسی اور کو بھی بلا لو کہ ساتھ ساتھ پکاتی رہے اور تنور پہ لگاتی رہے۔

تنور میں نان لگ رہے تھے آنحضرت ﷺ نان کو دست مبارک میں لیتے اور پتیلے کے ڈھکن کے نیچے سے گوشت نکال کر روٹی پر رکھتے اور صحابہ کرام کو تقسیم فرماتے جاتے تھے۔

یہ ایک ہزار کی تعداد جو ساتھ آئی تھی تھوڑی دیر میں شکم سیر ہو گئی پھر بھی کھانا بچ رہا تو حکم ہوا کہ خود کھاؤ اور لوگوں کے یہاں بھیج دو۔ سب ہی بھوکے ہیں۔ چنانچہ دن بھر یہ سلسلہ جاری رہا اور آٹا اور گوشت جتنا تھا اتنا ہی رہ گیا۔

نصرت، مطالبہ صبر اور معجزہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ (سورہ حج)

اور اللہ ضرور مدد کرے گا اس کی جو اس کی مدد کرے۔ بیشک اللہ تعالیٰ قوت والا ہے غلبہ والا ہے۔

نیز ارشاد ہے۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ

(سورہ مومن ع ٦)

بیشک ہم مدد کرتے رہتے ہیں اپنے پیمبروں کی اور ایمان والوں کی دنیوی زندگی میں بھی اور اس روز بھی جب کھڑے ہوں گے گواہ۔ (سورہ مومن ع ۶)

ایک طرف یہ نصرت کے پختہ وعدے ہیں۔ دوسری جانب اس طرح کے معجزے کہ کدال کی ضرب سے چٹان شق ہو گئی۔ سوا تین سیر جو کا آٹا۔ ایک ہزار تہی شکموں کے لیے کافی ہو گیا جن کو تین روز سے ایک لقمہ بھی میسر نہیں تھا۔ اگر نبی اس طرح کا تصرف کر سکتے ہیں۔ یا اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم نبی کو یہ طاقت اور یہ کمال بخش دیتا ہے تو پھر یہ کیا ہے کہ ایک مہینہ تک (غزوہ خندق میں) مصائب جھیلے جا رہے ہیں سختیاں برداشت کی جا رہی ہیں۔ پریشانیوں کا ہجوم ہے۔ سخت ترین کش مکش جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخصوص نصرت سے یا نبی نے اپنی قوت روحانی سے پہلے ہی دن دشمن کو شکست کیوں نہیں دی اور اس طرح کی نصرت اور قوت باطنی کے ہوتے ہوئے دشمن کو ہمت ہی کیسے پڑی کہ وہ ہجوم کر کے آیا۔ اس طرح کے سوالات سے بسا اوقات معجزوں کا انکار کر دیا جاتا ہے۔ ایسے سوالات کا جواب مختصر بھی دیا جا سکتا ہے مگر ہم چاہتے ہیں کہ حقائق پیش کریں اور ان کی روشنی میں جواب دیں۔

(ا) کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ یہ دنیا عالم اسباب ہے۔ یہاں ہر نتیجہ کے لیے سبب ہوتا ہے موت بھی آتی ہے تو سبب کا نتیجہ بن کر۔ یہاں ترقی کے بھی اسباب تلاش کیے جاتے ہیں اور کوئی تنزل بھی بے وجہ نہیں مانا جاتا۔

قدرت نے ایک قانون بنا رکھا ہے جس کا فیض ہر ایک کے لیے یکساں ہے۔ کافر ہو یا مسلمان نیکو کار ہو یا بدکار، جو اسباب مہیا کر لے گا وہ اس کے نتائج سے بہرہ اندوز ہو جائے گا۔

كُلًّا نُّمِدُّ هٰؤُلَاءِ وَهٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا
(سورہ بنی اسرائیل)

ہم ہر ایک کی امداد کرتے ہیں ان کی بھی ان کی بھی (مومن و متقی کی بھی کافر و شقی کی بھی) اور آپ کے پروردگار کی بخشش کسی پر بند نہیں۔

ہوا، پانی، سورج کی گرمی، چاند کی ٹھنڈک، حیوانی اور نباتاتی موجودات وغیرہ وغیرہ سے جس طرح مومن نفع اٹھا سکتے ہیں، تجربات اور ترقی پذیر ایجادات کر سکتے ہیں اسی طرح کافر اور شدید ترین منکرین بھی ان سے بے دریغ نفع اٹھا رہے ہیں اور کھلی آنکھوں دیکھ رہے ہیں کہ بخشش پروردگار کے دروازے ان پر بند نہیں ہیں۔

اس کار گاہ ہستی اور کارخانہ اسباب میں انسان کو پیدا کیا گیا کہ وہ اسباب مہیا کرے اور ان کے نتائج حاصل کرے۔

اب یہ کہ وہ کن نتائج کو اپنا نصب العین بنائے اور کن نتائج کے لیے اسباب فراہم کرے۔ یہ بہت اہم سوال ہے مگر انسان کے اختیارِ تمیزی پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ (سورہ بلد) اور بتا دیئے ہم نے اس کو دونوں راستے۔ (۱۲۶)

قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (سورہ کہف ع ۴)

آپ کہہ دیجئے "حق" تمہارے رب کی طرف سے آ چکا ہے پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر رہے۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (سورہ ملک ع ۱)

وہ جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا۔ تاکہ تمہیں آزمائے کہ عمل میں کون بہتر ہے۔

یعنی انسان ایک حقیقت جاوداں ہے جس کی داستاں روز ازل سے شروع ہوتی ہے اور زندگی کا یہ دور آزمائش اور امتحان کے لیے ہے انسان کو اچھے برے کا اختیار دیا جاتا یہ بھی آزمائش و امتحان ہے۔

(۳) اس عالم اضداد۔ اور اس رزمگاہ نفی و اثبات میں جہاں ہر وقت مثبت اور منفی کا تصادم جاری ہے جس طرح گرمی اور سردی۔ سیاہی اور سپیدی۔ روشنی اور تاریکی پیدا کی گئی۔ اسی طرح عالم معنی میں وہ دو حقیقتیں بھی پیدا کی گئیں جن کو حق اور باطل کہا جاتا ہے۔ اگر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ روشنی اثبات ہے اور تاریکی نفی۔ روشنی نفع ہے اور تاریکی سراسر نقصان اور زیاں۔ روشنی اس لیے ہے کہ باقی رہے۔ ترقی کرے اور تاریکی اس لیے ہے کہ اس کو ہٹایا جائے اور مٹایا جائے تو ٹھیک اسی طرح ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ حق نام ہے اثبات کا۔ یعنی اس کا جو ہمیشہ سے ہے۔ ہمیشہ رہے گا اور وہ اسی لیے ہے کہ رہے بڑھے اور ترقی کرے۔ کیونکہ حق کے معنی ہی ہیں ثابت و قائم۔ اٹل۔ انمٹ اور ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ حق سراسر نفع ہے، بلکہ وہ انفع ہے اور اگر دنیا میں بقاء اصلح اور بقاء امن کا قانون نافذ ہے اور وہی باقی رکھا جاتا ہے جو زیادہ کار آمد زیادہ نفع بخش ہوتا ہے اور جو بیکار ہو جاتا ہے وہ چھانٹ دیا جاتا ہے۔ اور اس بنا پر ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس دنیا میں دوام حق ہی کو ہے کیونکہ سراسر نفع اور سراسر خیر حق ہی ہے۔ اس کے مقابلہ میں جو باطل ہے اس کا وجود خواہ کتنا ہی بھیانک نظر آئے اور اس کی پرچھائیاں خواہ کتنی ہی گہری معلوم ہوں مگر وہ صرف پرچھائیاں ہیں۔ کیونکہ خود باطل ایک پرچھائیں ہے۔ درخت کی پرچھائیں کبھی درخت سے بھی بڑھ جاتی ہے مگر ظاہر ہے وہ پرچھائیں ہے حقیقت کچھ بھی نہیں ہے محض فریب نظر ہے۔ جیسے ہی روشنی آئے گی یہ پرچھائیں ختم ہو جائیں گی۔

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (سورہ اسراء)

حق نمودار ہوگیا اور باطل نابود ہوا۔ باطل نابود ہی ہونے والا تھا۔

رو آتی ہے تو اس پر کوڑے کرکٹ اور بسا اوقات پانی کا جھاگ اس طرح چھا جاتا ہے کہ پانی کا وجود بھی نظر نہیں آتا۔ لیکن یہ سارا وجود نمائشی ہوتا ہے۔ پانی جگہ جگہ تالابوں میں بھر کر مرکز فیض بن جاتا ہے اس سے ایک مدت تک تشنہ لب سیراب ہوتے ہیں' باغیچے اور کھیت شاداب ہوتے ہیں اور یہ کوڑا کرکٹ جو سیل زواں پر چھایا ہوا تھا جیسے ہی ہوائیں چلتی ہیں تتر بتر ہو جاتا ہے اس کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہتا۔

سنار کٹھالی میں سونا ڈال کر اس کو تاپتا ہے۔ بیشک' سونے کے لیے ابتلاء عظیم ہے۔ اس کا وجود پگھل کر پانی ہو جاتا ہے۔ مگر باقی رہنے والا جس کی قدر و قیمت دنیا کی ہر ایک متاع سے زیادہ ہوتی ہے۔ وہ یہی سونا ہوتا ہے۔ میل کچیل جو اس پر چھایا ہوتا ہے سنار جب بھٹی کی راکھ نکال کر پھینکتا ہے اسی کے ساتھ اس میل کو بھی خاکروب کی ٹوکری میں ڈال دیتا ہے۔

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَابِيًا وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ اَوْمَتَاعٍ زَبَدٌ مِثْلُهٗ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ (سورہ رعد ع ۲)

(اللہ تعالیٰ نے) آسمان سے پانی اتارا جس سے وادیاں اپنی سمائی کے مطابق بہ نکلیں۔ پھر وہ سیلاب جھاگ کو اوپر لے آیا اور جن چیزوں کو آگ کے اندر تپاتے ہیں زیور یا اور سامان بنانے کی غرض سے اس میں بھی ایسا ہی جھاگ ہے (میل کچیل ہے جو اوپر آ جاتا ہے) اسی طرح حق و باطل کی مثال اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہے پس جھاگ تو نکما ہو کر جاتا رہتا ہے اور جو چیز لوگوں کے لیے کار آمد (نفع بخش) ہے سو وہ زمین میں (دنیا میں) رہ جاتی ہے اللہ تعالیٰ اسی طرح مثالیں بیان کیا کرتا ہے۔

(۴) لیکن بہت بڑی مشکل اور بہت زیادہ پریشانی کی بات یہ ہے کہ حق اور باطل مشاہدہ کی چیزیں نہیں ہیں۔ ہمیں روشنی نظر آتی ہے۔ تاریکی کو بھی ہم دیکھتے ہیں۔ ہماری نظر سیاہ اور سفید میں امتیاز کر لیتی ہے۔ گرمی اور سردی کو ہم دیکھتے نہیں ہیں مگر ہمارا احساس ان کو محسوس کر لیتا ہے۔ شیریں اور تلخ کو ہم چکھ کر معلوم کر لیتے ہیں۔ لیکن حق اور باطل' خیر اور شر' نافع اور مضر' نہ ہمیں آنکھوں سے نظر آتا

ہے نہ ہم چھو کر یا چکھ کر ان میں امتیاز کر سکتے ہیں۔ نہ ہمارے کان غلط یا صحیح بات میں کوئی حد فاصل قائم کر سکتے ہیں۔ یہاں حدیں مقرر ہیں' مقرر حد کے اس پار جس کا نام غیب ہے' عقل و دانش اور فہم و فراست بھی اسی طرح عاجز اور پاشکستہ رہ جاتی ہے جیسے کسی بعید فاصلے یا ایک خاص مقدار سے زیادہ مہین' باریک اور لطیف چیز کو دیکھنے سے ہماری نگاہ عاجز اور درماندہ رہ جاتی ہے اور اس کے لیے دوربین یا خوردبین کی ضرورت ہوتی ہے اور کچھ فاصلہ پر پہونچ کر دوربین اور خوردبین بھی ناکام ہو جاتی ہے۔ کبھی عقل و فراست ایک فیصلہ کرتی ہے مگر اس کی مثال ایسی ہی ہوتی ہے جیسے یرقان زدہ انسان ایک چیز کو زرد دیکھتا ہے حالانکہ وہ سفید ہوتی ہے۔ آپ کے چشمہ کا شیشہ اگر سبز ہو تو ہر چیز ہری نظر آئے گی اور شیشہ کی رنگت کا اگر آپ کو احساس نہ ہو تو آپ یہی یقین کر لیں گے کہ ہر چیز کا قدرتی رنگ سبز ہے۔

ہزاروں نسلیں گذر گئیں انسان یہی سمجھتا رہا کہ اوپر کی طرف جو نظر آ رہا ہے وہ فلک نیلگوں ہے۔ اب یہی انسان ہے اور اسی کا مشاہدہ ہزاروں سال پرانے تصور کی تردید کر رہا ہے۔

انسان کیا ہے۔ کب سے ہے' کیوں ہے۔ کب تک رہے گا۔ عقل نارسا آج تک ان سوالات کا صحیح اور دو ٹوک جواب نہیں دے سکی۔

موت۔ مشاہدہ کی چیز ہے۔ اس سے انکار ممکن نہیں اس میں شک و شبہ کی گنجائش بھی نہیں۔ لیکن اس کی حقیقت کیا ہے۔ یہ فنا ہے یا انتقال اگر انتقال ہے تو منتقل ہو کر انسان کہاں جائے گا۔ یہ سب حالات خود انسان کے حق میں بنیادی سوالات ہیں۔ فہم و فراست کا تقاضا ہے کہ اپنے شعور و ادراک کی سب سے پہلی منزل پر سب سے پہلی فرصت میں ان سوالات کا دو ٹوک جواب معلوم کرے۔

تجارت نفع کے لیے کی جاتی ہے۔ تاجر نفع ہی کی خاطر اپنا سرمایہ لگاتا ہے۔ لیکن جب وہ روپیہ لگا رہا ہے تو کیا نفع کے متعلق کوئی قطعی یقین اس کو حاصل ہے؟

رات دن یہ تماشا ہمارے سامنے آتا ہے کہ نفع کے امیدواروں کو نقصان پلے پڑتا ہے اور بسا اوقات مایوس اور افسردہ زندہ ہو کر کھڑے ہو جاتے ہیں ان میں نئی زندگی کی امنگ پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ جس کے متعلق نقصان کا یقین تھا وہاں اچانک نفع کی شکل نکل آئی۔

ذاتی فائدہ کس میں ہے۔ جماعت یا قوم کے لیے کیا مفید ہے۔ نوع انسان کے لیے کیا مناسب ہے اور اس پوری کائنات میں جو مقام انسان کو حاصل ہے اس کے لحاظ سے کیا موزوں ہے۔

انسان پیدا کیا گیا۔ اس کا مستقبل یقینی۔ مگر اس کی نوعیت اور کیفیت قطعاً" مشتبہ۔ غیر یقینی گہری تاریکی میں۔

یہ یقینی بات ہے کہ آج کے بعد کل آئے گا۔ رات کی تاریکی کے بعد صبح کی روشنی نمودار ہو گی۔ دن کا طول و عرض سامنے آئے گا۔ مگر کل کو کیا ہو گا۔ کچھ خبر نہیں۔ اس صبح کی شام کس حال میں ہو

گی۔ کچھ پتہ نہیں۔
مختصر یہ کہ نافع۔ انفع۔ کارآمد ہمیشہ کے لیے سود مند۔ یعنی حق اور خیر کے متعلق انسانی عقل قطعی اور دو ٹوک فیصلہ نہیں کر سکتی۔ ذات۔ جماعت۔ قوم اور نوع انسان۔ ہر ایک کے حق میں حق کیا ہے۔ یہ سوال کچھ اس درجہ مشکل ہے کہ عقل انسانی کی بلند سے بلند پرواز بھی اس کے کناروں کو نہیں چھو سکتی۔ یہی دوراہہ ہے جہاں انسانی قافلہ منتشر ہو جاتا ہے۔ راستے جدا ہو جاتے ہیں۔
كُلٌّ يَعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ (سورہ بنی اسرائیل) ہر شخص اپنے اپنے طریقے پر کام کرتا ہے۔
ہر ایک مذہب کہتا ہے کہ انسان فنا کے لیے نہیں ہے بلکہ وہ ایک ابدی حقیقت ہے جو ابد تک رہے گا۔ لیکن اس ابدی حقیقت کے لیے ابد میں کیا چیز مفید ہے ہر ایک مذہب کا فیصلہ یہی ہے کہ یہ بات عقل نہیں بتا سکتی اس کا جواب میرے ہی ذریعہ حاصل کیا جا سکتا ہے یہ مذہب کا قطعی فیصلہ ہے عقل کے بارے میں۔ مگر عجیب بات ہے عقل و دانش کے بارے میں یہ متفقہ فیصلہ صادر کرنے کے بعد مذہب خود مختلف ہو گیا۔ خود اپنے اندر اتحاد اور اتفاق نہیں رکھ سکا۔ یہاں تک کہ وہ خود کسی جج اور کسی فیصلہ کرنے والے کا محتاج ہو گیا۔

(۵) اچھا اس رنگ برنگ دنیا میں اختلاف تو ضروری ہے۔ دن رات سے مختلف ہے۔ گرمی سردی سے مختلف ہے۔ مسرت اور غم دو مختلف چیزیں ہیں۔ خار اور گل کا اختلاف کھلی ہوئی بات ہے۔ پھر اگر کانٹا نہ ہو تو پھول کی قدر جاتی رہے۔ تلخی نہ ہو تو شیرینی کا لطف ختم ہو جائے گا۔ پری جمالوں کا حسن اسی لیے قابل قدر ہے کہ دنیا بدصورتوں سے بھری ہوئی ہے۔ اگر سب ہی حسین ہو جائیں تو حسن و جمال بے حقیقت بن جائے۔

حضرت ذوق کا تو فیصلہ یہ تھا۔

گل ہائے رنگ رنگ سے ہے رونق چمن
اے ذوق اس جہاں میں ہے زیب اختلاف سے

مگر حقیقت اس سے بھی آگے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ صرف رونق و زیبائش ہی نہیں ہے بلکہ دنیا کی ترقی بھی اختلاف سے ہے۔ اختلاف نہ ہو تو عمل کی تمام سرگرمیاں ختم ہو جائیں۔ امیری اور غریبی میں اختلاف نہیں بلکہ مخالفت ہے۔ لیکن اگر امیری نہ ہو تو غریب کی وہ تمام جائز و ناجائز سرگرمیاں ختم ہو جائیں جو وہ امیر بننے کے لیے کرتا ہے موت نہ ہو تو وہ تمام دوڑ دھوپ ختم ہو جائے جو انسان اپنی زندگی یا اپنے اہل و عیال کی بقا کے لیے کرتا ہے جس کے لیے نہ دن کو دن سمجھتا ہے نہ رات کو رات۔
کچھ اور آگے بڑھئے۔ ان تمام ترقیات پر نظر ڈالئے جن پر بیسویں صدی کو ناز ہے مگر کیا بیسویں صدی کی آمد ان سائینسی ترقیات کو لے کر آئی تھی یا سیاسی دنیا کی اختلاف انگیز اور ہلاکت خیز سیاست

نے ان کو جنم دیا اور وجود بخشا۔

مخالف کا خوف نہ ہوتا تو پائے تحقیقات اسی طرح لنگ رہتا اور سائنس کے محقق و مفکر بھی اس طرح ویران گوشوں میں پڑے رہتے جیسے الہیات اور اخلاقیات کے ارباب فکر و نظر کس مپرسی میں مبتلا ہیں۔

(۶) سوال یہ ہے کہ اس اختلاف نواز تصادم پرست دنیا میں اگر کسی دوراہہ پر انسانی قافلہ منتشر ہو تو کون ہے جو اس کو سیدھے راستہ پر لگائے۔ کون ہے جو اس کو انفع کار آمد اور پائیدار سودمند۔ یعنی حق اور خیر کی طرف لے جائے۔

کتاب اللہ نے اس سوال کا جواب دیا ہے۔ ارشاد ہے۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (سورہ بقرہ ع ۲۷)

وہ لوگ ایک ہی امت تھے (پھر ایسا ہوا کہ باہم دگر مختلف ہو گئے اور کسی دوراہہ پر پہونچ کر الگ الگ راستوں پر پڑ گئے) پس اللہ نے انبیاء بھیجے خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے (غلط روی اور ٹیڑھی چال کے نتائج بد سے آگاہ کرنے والے غیر نافع (باطل) کی خرابیوں کو واضح کرنے والے) اور ان (انبیاء) کے ساتھ کتاب (فرمان اور منشور خداوندی) نازل کی (جو اگرچہ متعدد تھے۔ مگر ایک ہی مقصد اور ایک ہی نصب العین کے لیے تھے اور اس لحاظ سے ایک ہی منشور تھے) یہ کتاب (منشور) حق کو لیے ہوئے تھی (اس چیز کو واضح کر رہی تھی جو انسان کے لیے انفع ہو اور پائیدار ہو)

(مقصد یہ تھا) کہ لوگوں کے درمیان اس باب میں فیصلہ کرے جس میں وہ اختلاف رکھتے تھے۔ اور یہ لوگ جو باہم دگر مختلف ہوئے تو اس لیے نہیں ہوئے کہ ہدایت سے محروم اور حقیقت سے بے خبر تھے۔ وحی الٰہی کے واضح احکام ان کے سامنے تھے مگر پھر بھی آپس کی ضد اور مخالفت سے اختلاف کرنے لگے تھے۔

بالآخر اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو (دین کی) وہ حقیقت دکھا دی جس میں لوگ مختلف ہو گئے تھے اور اللہ جسے چاہتا ہے دین کی سیدھی راہ دکھلا دیتا ہے۔

(۷) اللہ تعالیٰ کی رحمت بے پایاں نے آپ کی یہ دست گیری فرمائی کہ "حق" واضح کر دیا۔ مگر کیا

صرف اس وضاحت سے آپ وہ منافع حاصل کرلیں گے جو حق سے وابستہ ہیں۔

پدر مشفق نے یہ ذہن نشین کرا دیا کہ علم سب سے بڑی دولت ہے۔ یہ ایک لازوال دولت ہے جس کو نہ چرایا جا سکتا ہے نہ کوئی راہ زن اس پر ڈاکہ ڈال سکتا ہے اور عجیب بات ہے کہ ہر ایک دولت خرچ کرنے سے ختم ہو جاتی ہے لیکن علم ایسی دولت ہے کہ اس کو جتنا خرچ کیا جائے وہ اتنی ہی زیادہ بڑھتی رہتی ہے۔ جتنا اس کو گھسا جائے وہ اتنی ہی زیادہ نکھرتی ہے اور روشن ہوتی ہے۔ مگر آپ صرف والد ماجد کی نصحیتیں سن کر عالم فاضل بن جائیں گے۔ یا عالم فاضل بننے کے لیے آپ کو جدوجہد کرنی ہو گی تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں گی' راتوں کو جاگنا ہو گا۔ سفر کرنے پڑیں گے' بھوک پیاس کی زحمتیں برداشت کرنی ہوں گی۔ اور اس جدوجہد کے سلسلہ میں سرمایہ لٹانا ہو گا۔

پدر مشفق کی نصیحتوں کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کمربائدھ کر تحصیل علم کے لیے سرگرم عمل ہو جائیں آپ جس قدر زیادہ سرگرم ہوں گے' زیادہ محنت کریں گے' جان و مال کی قربانی دیں گے اتنے ہی بڑے آپ عالم فاضل ہو جائیں گے بشرطیکہ قدرت نے آپ کو فہم و فراست اور ذہانت و ذکاوت سے بھی نوازا ہو۔

آپ کا دوسرا فرض یہ ہو گا کہ اپنے دوستوں کو بھی علم کی خوبیوں سے آشنا کریں اور تحصیل علم کی محنت میں ان کو بھی آپ شریک کریں کیونکہ دوست کی خیر خواہی آپ کا اخلاقی فرض ہے اگر آپ ایسا نہیں کرتے تو دوست کے حق میں بخل سے کام لیتے ہیں بلکہ خیانت کرتے ہیں۔ بخل اور خیانت دونوں اخلاقی جرم ہیں۔

پدر مشفق اگر آپ کی اس محنت پر جو آپ طلب علم کے لیے کر رہے ہیں مہربانی کرتا ہے یعنی آپ کو مطالعہ سے روکتا ہے۔ محنت و مشقت کی اجازت نہیں دیتا تو یہ اس کی شفقت اور خیر اندیشی نہیں بلکہ کوتاہ اندیشی اور نادانی ہے۔

پدر مشفق کی شفقت کا تقاضا تو یہ ہونا چاہیے کہ آپ جتنی زیادہ محنت کریں وہ خوش ہو کہ آپ علم کی تکمیل بھی کر رہے ہیں اور زندگی کی کش مکش میں مشقت برداشت کرنے کی بھی عادت ڈال رہے ہیں جو کلید کامرانی اور کامیابی کا گر ہے۔

پدر مشفق آپ کی محنت پر رحم نہیں کرے گا۔ ہاں اس کا خیر اندیش جذبہ پدری یہ ضرور چاہے گا کہ آپ کا حوصلہ بلند ہو۔ آپ میں زیادہ سے زیادہ ہمت پیدا ہو' جو محنت آپ کر رہے ہیں اس سے دل برداشتہ نہ ہوں بلکہ آپ کا دل اور لگے۔ آپ کے اندر اس محنت کے لیے امنگ پیدا ہو۔ وہ ایسا کرے گا کہ وقتاً" فوقتاً" آپ کو انعام دے گا۔ کبھی کوئی عمدہ مٹھائی خاص طور سے کہیں سے منگوائے گا اور آپ کو دے گا۔ کبھی آپ کے لیے عمدہ کپڑے بنا دے گا۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ایسی کتابیں منگا دے جو آپ

کے مطالعہ کے لیے معاون ثابت ہوں۔ کبھی آپ کے لیے کوئی ماسٹر مقرر کر دے گا جس سے آپ مطالعہ میں مدد لے سکیں۔

(۸) محنتی طالب علم اور اس کے باپ کی جو مثال پیش کی گئی آپ غور کریں تو یہی مثال انسانی زندگی کی کش مکش اور اللہ رب العالمین ارحم الرحمین کی رحمتوں اور اس کی بے انتہا عنایتوں اور مہربانیوں کی ہے۔

خود حضرت حق جل مجدہ کا بیان ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ (سورہ بلد) بلاشبہ ہم نے انسان کو اس طرح بنایا ہے کہ اس کی زندگی مشقتوں سے گھری ہوئی ہے۔

آپ غور کیجئے۔ جس کو ہم زندگی کہتے ہیں۔ جس کو قرآن حکیم "الحیوۃ الدنیا" سے تعبیر کرتا ہے" وہ زندگی جو سب سے زیادہ قریب ہے" یعنی موجودہ زندگی۔ یہ کیا ہے۔ ایک کش مکش ہے جس کا سلسلہ مسلسل جاری رہتا ہے' کچھ ذمہ داریاں ہیں جو سر پڑی ہوئی ہیں مثلاً" خود اپنے باقی رہنے اور زندہ رہنے کی ذمہ داری جس کو پورا کرنے کے لیے سیکڑوں جتن کرنا پڑتے ہیں۔ وہ گرمیوں کے تپتے ہوئے دوپہر میں ایک خونچے والا گلیوں میں گھوم رہا ہے اور آواز لگا رہا ہے۔ ملائی کا برف۔ آئس کریم۔ سردیوں کا موسم ہے۔ بارش ہو رہی ہے۔ ٹھنڈی ہوا تیر کی طرح بدن میں گھسی جا رہی ہے لیکن اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر ایک آواز لگانے والا آواز لگا رہا ہے۔ گرم چائے۔

اسی بارش اور ٹھنڈی ہوا میں ایک دہقان کھیت میں کھڑا ہوا پانی کاٹ رہا ہے۔ بھشتی مونڈھے پر مشک لادے ہوئے ایک ایک ڈیوڑھی پر پہونچ رہا ہے۔ صبح سویرے اسی ٹھنڈی ہوا سردی اور بارش میں مہتر نالی صاف کر رہا ہے' سڑک پر جھاڑو دے رہا ہے۔

یہ سب کیا ہے۔ وہی ذمہ داری ہے۔ اپنے بقا کی۔ بال بچوں کی پرورش کی۔ یہ اس کو نباہ رہا ہے۔ ہاتھ پاؤں یہ عمل کر رہے ہیں اور زبان حال یہ ارشاد خداوندی دہرا رہی ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ

ایک عجیب تماشا ہے۔ تمام دنیا انسان کے لیے ہے۔ اس کے تمام خزانے انسان کے لیے ہیں اس کی تمام رنگ برنگی تمام خوش نمائی اور دل فریبی انسان کے لیے ہے اور خود انسان اس کش میں مبتلا اس کی زندگی مشقتوں کے حصار میں گھری ہوئی۔ لیکن اسی معیشت انسانی کے دوسرے پہلو پر نظر ڈالیے۔

خاکروب جب ڈبل تنخواہ پاتا ہے اور تنخواہ کے نوٹ لے کر بال بچوں میں پہونچتا ہے تو وہ تمام مشقت زحمت اور مصیبت فراموش ہو جاتی ہے اور نئی امنگ کار فرما ہوتی ہے کہ زیادہ کام کیا جائے تو زیادہ پیسے ملیں' زیادہ مسرت حاصل ہو۔

غور فرمائیے۔ رحمت خداوندی کے اس عجیب و غریب کرشمہ پر۔ خاکروب کے اسی محنت زدہ دل میں جو بچوں کی محبت بھری ہوئی ہے اس نے محنت کی تلخیوں کو کس قدر خوشگواریوں سے بدل دیا ہے۔

(۹) یہ صرف ایک مثال ہے بیوی بچوں کی محبت کی۔ لیکن اگر آپ گردو پیش کی رنگینیوں اور ماحول کی تمام تبدیلیوں پر نظر ڈالیں تو معلوم ہو گا کہ وہ زندگی جس کا گوشہ گوشہ محنتوں اور کاوشوں سے گھرا ہوا ہے' فطرت نے کارخانہ معیشت کا ڈھنگ کچھ اس طرح بنا دیا ہے اور طبیعتوں میں کچھ اس طرح کی خواہشیں ولولے' امنگیں' جذبات اور تاثرات ودیعت کر دیئے ہیں کہ زندگی کے ہر ایک گوشہ میں ایک عجیب طرح کی دل بستگی مشغولیت ہما ہمی اور سرگرمی پیدا ہو گئی ہے۔ اور یہی زندگی کا انہماک ہے جس کی وجہ سے ہر ذی حیات نہ صرف زندگی کی مشقتیں برداشت کر رہا ہے بلکہ انہیں مشقتوں میں زندگی کی بڑی سے بڑی لذت اور راحت محسوس کرتا ہے۔ یہ مشقتیں جس قدر زیادہ ہوتی ہیں اتنی ہی زیادہ زندگی کی دلچسپی اور محبوبیت بڑھ جاتی ہے۔ اگر ایک انسان کی زندگی ان مشقتوں سے خالی ہو جائے تو وہ محسوس کرے گا کہ زندگی کی ساری لذتوں سے محروم ہو گیا اور اب زندہ رہنا اس کے لیے ناقابل برداشت بوجھ ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ (سورہ آل عمران ع ۲)

لوگوں کے لیے آراستہ کر دی گئی ہے مرغوب چیزوں کی محبت یعنی عورتوں اور اولاد کی محبت۔ سونے اور چاندی کے ذخیروں کی محبت۔ نشان پڑے ہوئے نمبری گھوڑوں کی محبت۔ مویشی اور کھیتی کی محبت۔ یہ سب دنیوی زندگی کے سامان (اور دلچسپیاں) ہیں اور حسن انجام اللہ ہی کے پاس ہے۔

دن گذرتا ہے' رات آتی ہے۔ شور شغب ختم ہوتا ہے رات کا سکون میسر آتا ہے وہ اگر ٹوٹی جھونپڑی میں ٹوٹی کھٹیا پر لیٹا ہوا ہے تب بھی راحت محسوس کرتا ہے اس کی مشقت بھری زندگی کے لیے یہی راحت ہے۔ یہی جھونپڑی راحت کدہ ہے۔ اسی میں وہ راحت و سکون کی تمام دلچسپیاں حاصل کرتا ہے۔ لذتوں سے بہرہ اندوز ہوتا ہے۔ پھر وہ کیفیت پیدا ہوتی ہے جس کو نیند کہتے ہیں جس کو جدید نفسیات کی اصطلاح میں تعطل شعور کہا جاتا ہے اور قرآن حکیم نے اس کو وفات سے تعبیر کیا ہے۔ اس کیفیت کے ختم ہونے کے بعد جب وہ بیدار ہوتا ہے تو وہ تازہ دم ہوتا ہے۔ کل گذشتہ کی تمام مشقتوں کو دوبارہ جھیلنے کے لیے ایک توانائی اور مستعدی اپنے اندر پاتا ہے۔ یہ صعوبت اور سہولت' راحت اور زحمت کی گردش

مسلسل جاری رہتی ہے تاکہ زندگی کی جو میعاد اس کے لیے مقرر ہے وہ اس کی آخری حد پر پہنچ سکے۔
قرآن پاک معجزانہ انداز میں اس گردش اور کشش کی تصویر ایسے انداز سے پیش کرتا ہے کہ وہ اللہ کے وجود اور اس کے علیم و بصیر ہونے کی دلیل بھی ہو جاتی ہے۔ ارشاد ہے۔

هُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ - (سورہ انعام ع ۷)

وہی تو ہے جو رات میں تمہیں وفات دیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اسے جانتا ہے پھر تمہیں اس میں (دن میں) اٹھا کر کھڑا کر دیتا ہے تاکہ جو میعاد مقرر کر دی گئی ہے اس کو انجام کو پہونچا دیا جائے۔ پھر اسی کی طرف تمہاری واپسی ہے تب وہ بتا دے گا جو تم کرتے رہتے تھے۔

(۱۰) یہ ایک فرد کی زندگی کی کیفیت اور اس کا اتار چڑھاؤ تھا۔
بعینہ یہی مثال۔ جماعت۔ ملت اور قوم کی زندگی اور بقاء زندگی کی ہے۔ جماعت افراد سے بنتی ہے۔ افراد کی فطرت جماعت کا فرد بننے کے بعد بھی وہی رہتی ہے' وہ بدل نہیں جاتی۔ اس میں صرف نظم و ضبط یک جہتی اور ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے تو لا محالہ سنت الٰہیہ میں بھی کوئی تبدیلی نہیں ہو گی۔
سنت الٰہیہ جو فرد کی زندگی اور بقاء زندگی کی کش مکش کے متعلق ہے۔ وہی سنت' جماعتی اور قومی زندگی کی حیات اور بقاء حیات کی کشمکش کے متعلق بھی ہو گی۔
لَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَحْوِيلًا (سورہ ملائکہ) تم اللہ کے طریقہ میں کبھی تبدیلی نہیں پا سکتے۔

فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (سورہ روم ع ۵)

وہی تراش اللہ کی جس پر تراشا لوگوں کو۔ بدلنا نہیں اللہ کے بنانے کو۔ یہی ہے دین سیدھا لیکن بہت لوگ نہیں سمجھتے (شاہ عبدالقادرؒ)

سرگرم جدوجہد۔ سعی مسلسل۔ ایثار۔ قربانی اور متواتر قربانی۔ قومی حیات اور بقاء حیات کے لیے شرط ہے ترقی اگر مطلوب ہے تو میدان جدوجہد میں قدم سب کے آگے بڑھانا ہو گا۔ ایثار اور قربانی کو محبوب ترین مشغلہ بنانا ہو گا۔ جان۔ مال۔ سب کچھ قربان کرنا ہو گا اور حیات قومی کے مقصد عظیم کے لیے ہر ایک مقصد کو اور اس کی محبوبیت کے لیے ہر ایک کی محبت کو قربان کر دینا پڑے گا۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآءُكُمْ وَ اَبْنَآءُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (سورہ توبہ ع ٤)

آپ کہہ دیجئے' اگر تمہارے باپ۔ تمہارے بیٹے۔ تمہارے بھائی تمہاری بیویاں اور تمہارے رشتہ دار اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے اور وہ تجارت جس کے مندے سے تم ڈرتے ہو اور وہ حویلیاں جو تمہیں پسند ہیں۔ تم کو عزیز ہیں اللہ سے اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے تو انتظار کرو یہاں تک کہ جو کچھ خدا کو کرنا ہے وہ تمہارے سامنے لے آئے (قانون خداوندی ہے) کہ وہ فاسقوں پر کامیابی اور سعادت کی راہ نہیں کھولتا۔

ہاں پدر مشفق کی طرح اللہ رب العالمین ارحم الراحمین کی رحمتوں کا تقاضا یہ ہو گا کہ موقع بموقع حوصلہ افزائی ہوتی رہے۔ ایسے انعامات عطا ہوتے رہیں جن سے حوصلہ بلند ہو۔ ایسے الطاف نمودار ہوتے رہیں جو کامرانیوں اور کامیابیوں کی بشارت ہوں۔ مگر جدوجہد آپ کا فرض ہو گا اور جدوجہد بھی ایسی جدوجہد جو لرزہ خیز ہو جس کے تصور سے پتا پانی ہونے لگے۔

(۱۱) اچھا ایک عجیب لطیفہ ہے۔ حق۔ خود محنت کش اور مشقت طلب ہے اس کی فطرت کا آب و گل خود کٹھنائیوں اور صعوبتوں سے تیار ہوا ہے کیونکہ حق کا مطلب ہے امٹ۔ اٹل۔ حق کی یہ حقیقت خود چاہتی ہے کہ مٹانے والے اس کو مٹانے کی بھرپور کوشش کریں اور کرتے رہیں اور یہ ان تمام مخالفانہ کوششوں کے باوجود نہ مٹے جب اس کو مٹانے کے لیے تمام کوششیں صرف کر دی جائیں گی اور یہ نہیں مٹے گا تب ہی تو ثابت ہو گا کہ یہ اٹل ہے۔

(۱۲) اب آیئے ارشادات خداوندی کا مطالعہ کیجئے۔

سورہ بقرہ کی آیت (۲۱۳) پھر تلاوت کیجئے جس میں کہا گیا تھا۔

تمام لوگ ایک ہی امت تھے۔ پس اللہ نے نبی بھیجے۔ خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے اور ان انبیاء کے ساتھ کتاب نازل کی یہ کتاب حق کو لیے ہوئے تھی تا کہ ان لوگوں کے درمیان اس باب میں فیصلہ کرے جس میں وہ اختلاف رکھتے تھے۔

اس آیت کے آخر میں ہے۔

بالآخر اللہ تعالیٰ نے وہ حقیقت دکھا دی جس میں لوگ مختلف ہو گئے تھے۔ یعنی "حق" اور خیر واضح کر دیا۔

یہ حق کی دعوت تھی جو نبی نے پیش کی اور ایک جماعت نے اس کو قبول کر لیا۔ سابق مثال کو یہاں چسپاں کرتے ہوئے یہ کہیے کہ پدر مشفق نے اولاد کو علم کی فضیلت اور اس کی خوبیاں سمجھا دیں۔

پھر کیا ہوا۔ اور موجودہ امت "امت محمدیہ" کو کیا کرنا چاہیے۔ جواب کے لیے اسی آیت سے متصل دوسری آیت (۲۱۴) ملاحظہ فرمایئے۔ ارشاد ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ — تا — اَلَا اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ

کیا تم نے سمجھ رکھا ہے کہ (محض ایمان کا زبانی دعویٰ کر کے) تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تم پر ان لوگوں کے حالات پیش نہیں آئے جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں ہر طرح کی تنگی اور سختی انہیں پیش آئی اور وہ جھنجھوڑ دیئے گئے (انہیں ہلا ڈالا گیا۔ یہاں تک کہ پیغمبر اور جو لوگ ان کے ہمراہ ایمان لائے تھے۔ بول اٹھے۔ اللہ کی امداد (آخر) کب آئے گی۔ سن رکھو۔ اللہ کی امداد یقیناً" قریب ہی ہے۔ (ترجمہ ماجدی)

(یہاں تک کہ اللہ کا رسول اور جو لوگ ایمان لائے تھے پکار اٹھے اے نصرت الٰہی تیرا وقت کب آئے گا (تب اچانک پردہ غیب چاک ہوا اور خدا کی نصرت یہ کہتی ہوئی نمودار ہوئی) ہاں گھبراؤ نہیں خدا کی نصرت تم سے دور نہیں ہے (ترجمان القرآن)

سورہ یوسف کے آخری رکوع میں اس تنبیہہ کو اور بھی زیادہ موثر انداز میں پیش فرمایا گیا ہے ارشاد ہے۔

حَتّٰى اِذَا اسْتَيْاَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَاءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَاءُ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ (سورہ یوسف ع ۱۲)

یعنی طرح طرح کے مصائب۔ تنگیاں اور پریشانیاں یہاں تک بڑھیں کہ انبیاء علیہم السلام جو صبر و ضبط۔ تحمل و برداشت میں معجزانہ شان رکھتے ہیں وہ بھی مایوس ہو گئے اور خیال کرنے لگے کہ فتح و نصرت کی جو بشارتیں ان کو دی گئی تھیں یا جو ان کا وقت مقرر کیا گیا تھا ان کے سمجھنے میں ان سے غلطی ہوئی ہے (عین اس وقت جب شدت انتظار کی بے چینی مایوسی کی حد تک پہنچنے لگی تھی) ہماری نصرت ان کے پاس پہونچی پس جس کو ہم نے چاہا وہ بچا لیا گیا۔ اور ہمارا عذاب مجرم لوگوں سے ہٹتا نہیں۔

مختصر یہ کہ حق کا داعی اور حق کو قبول کرنے والے ان کی کامیابی اور کامرانی کے لیے ضروری ہے کہ جس طرح ایک طالب علم فضائل علم حاصل کرنے کے لیے شب و روز محنت اور کاوش کرتا ہے یہ بھی

مصائب اور مشکلات برداشت کریں۔ ایک طالب علم کی کامیابی کے مقابلہ میں ان کی کامیابی بہت بڑی ہو گی۔ طالب علم کی کامیابی ایک فرد کی فلاح و بہبود ہے ان کی کامیابی پوری قوم پوری امت بلکہ نوع انسانی کی کامیابی ہے جیسے کامیابی عظیم الشان ہے اس کے لیے شدائد و مصائب بھی لرزہ خیز اور زہرہ گداز ہوں گے۔ مگر جس طرح پدر مشفق موقع بموقع اپنے بچے کو انعام دیتا رہتا ہے تاکہ اس کا حوصلہ بڑھے اس کی ہمت بلند ہو' قدرت خداوندی بھی داعیان حق اور مجاہدین فی سبیل اللہ کو خاص خاص انعامات سے ان شدائد اور مصائب کے زمانہ میں بھی نوازتی رہتی ہے تاکہ ان کی ہمتیں پست نہ ہوں اور یہ دل شکستہ نہ ہوں۔

(۳) واقعہ بدر پر نظر ڈالئے۔

پیٹ خالی' بدن پر کپڑے پورے نہیں' تعداد کل تین سو تیرہ اور وہ بھی پورے سامان جنگ سے تہی دست۔ اونٹ اتنے کم کہ چار چار کے لیے ایک اونٹ۔ گھوڑے لشکر بھر میں دو۔ آہنی زرہیں اتنے آدمیوں میں کل سات۔ دوسری طرف قریش کا لشکر۔ تعداد میں مسلمانوں سے سہ چند۔ ہر ضروری سامان سے آراستہ۔ ایک ایک بہادر لوہے میں ڈوبا ہوا۔ شتر سوار سات سو۔ آنحضرت ﷺ اس ہیبت ناک منظر پر نظر ڈالتے ہیں تو حضرت حق کی بارگاہ میں سر بسجود ہیں۔ خدا وندا۔ یہ مٹھی بھر تیرے بندے ہیں۔ اگر آج یہ مٹا دیئے گئے تو پھر تیرا نام لینے والا کوئی نہیں ہو گا۔ عین اسی اضطراب اور بے قراری کی حالت میں وحی الٰہی بشارت دے رہی ہے۔

أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ (سورہ انفال ع ۱)

میں تمہیں ایک ہزار فرشتوں کی کمک پہونچاؤں گا (جن کے دستے) یکے بعد دیگرے آنے والے ہوں گے۔

یہ فرشتوں کا نزول کیوں ہے۔ کیا یہ جہاد کریں گے۔ اگر فرشتوں سے جہاد (۱۲۷) کرانا تھا تو مسلمانوں پر جہاد کیوں فرض کیا گیا؟

قرآن پاک کی تصریح ملاحظہ فرمائیے۔

مَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (سورہ انفال ع ۱)

اللہ تعالیٰ نے (فرشتوں کی یہ کمک) بس اس لیے بھیجی کہ تمہیں بشارت ہو اور تاکہ تمہارے دلوں کو اس سے اطمینان ہو جائے (اور واقعہ یہ ہے کہ فرشتوں کی کمک صرف بشارت اور اطمینان ہی کی چیز ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ) نصرت تو صرف اللہ

ہی کے پاس سے ہے۔ بیشک اللہ ہی زبردست حکمت والا ہے۔
(۱۴) اس طویل بحث و مذاکرہ کے بعد احزاب کے واقعہ پر دوبارہ نظر ڈالئے

وہی زلزلوا (جھنجوڑے گئے۔ دہلائے گئے) جو سورہ بقرہ کی آیت مذکورہ میں دوسری امتوں کی مشکلات اور ان قربانیوں کو بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوا تھا۔ وہی زلزلوا احزاب کی ان ہولناک مشکلات کے متعلق بھی ارشاد ہو رہا ہے جس میں مسلمان مبتلا کئے گئے تھے۔

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا (سورہ احزاب ع ۲)

اس موقع پر (احزاب کے وقت) مسلمانوں کا (پورا) امتحان لیا گیا اور وہ جھنجوڑے گئے (دہلائے گئے) بہت سخت جھنجوڑ (دہل)

اس میں زلزالاشدیدا کا لفظ زیادہ ہے (یعنی بہت سختی سے جھنجوڑے گئے) یہ امت محمدیہ کی عظمت و وقعت کی دلیل ہے جس طرح ان کا مرتبہ تمام سابقہ امتوں سے بلند ہے' ان کا زلزلہ' ان کا ابتلاء و امتحان اور جس دہل میں مبتلا کئے گئے وہ دھل اور جھنجوڑ بھی سب سے سخت ہو گی جب ہی تو یہ حالت تھی۔

وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا (سورہ احزاب ع ۲)

(۱۲۸) جب آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے اور تم لوگ اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کر رہے تھے۔

انتہائی شدت کے موقع پر وسوسوں کا آنا ایک طبعی بات ہے۔ یہ نہ ایمان کے منافی ہے نہ کمال ایمان کے۔ البتہ قابل ملاحظہ یہ مطابقت ہے جو امم سابقہ کے ساتھ پائی جا رہی ہے۔ جو آیتیں پہلی امتوں کے متعلق سطور بالا میں گذر چکیں ان میں بھی اس فطری تقاضے کا ذکر تھا کہ وسوسہ آیا کہ کہیں بشارتوں کے سمجھنے میں ہم سے غلطی تو نہیں ہوئی کبھی یہ خوف ہوا کہ اب ہم لوگوں میں جھوٹے بن جائیں گے۔ کم و بیش اس طرح کے وسوسے کمزور مسلمانوں کے دلوں میں احزاب کے موقع پر بھی آ رہے ہیں۔ فطری امور میں یکسانیت ہوتی ہے یہی یکسانیت یہاں ہے۔

(۱۵) یہ مصائب و شدائد کا تذکرہ تھا۔ باقی رہی بشارت اور نصرت۔ تو قرآن حکیم میں واقعہ احزاب کے تذکرہ کا آغاز ہی نصرت الٰہی کی اطلاع سے کیا گیا ہے۔ اسی رکوع کی پہلی آیت ہے۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْجَآءَتْکُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْھِمْ رِیْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْھَا وَکَانَ اللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا (سورہ احزاب ع ۳)

اے ایمان والو۔ یاد کرو اللہ کے انعام کو جو تم پر ہوا جس وقت کئی کئی لشکر تم پر چڑھ آئے پھر ہم نے ان پر ایک آندھی بھیجی اور ایسے لشکر جو تم کو دکھائی نہیں دیتے تھے اور اللہ تعالیٰ عمل کو دیکھ رہا تھا۔

معجزہ کا مسئلہ

اس طویل بحث و مذاکرہ کے بعد معجزہ کا مسئلہ بھی حل ہو گیا رحمت خداوندی نے جس طرح بشارت و اطمینان قلبی کے لیے ملائک کو بھیجا۔ اسی طرح اس کی رحمت نے چٹان توڑنے کے وقت روشنی میں روم و فارس کے محل دکھا کر بہت بڑی بشارت دی۔ پھر کھانے میں برکت پیدا کر کے جہاں کئی روز کے بھوکوں کو شکم سیر کیا ظاہر ہے ان کے قلوب کو تسکین کی راحت اور اطمینان کی دولت بھی عطا فرمائی۔ یہ سب کیوں ہوتا ہے؟ اس لیے کہ وہ ارحم الراحمین ہے۔ خود اس کا اعلان ہے۔

قَالَ عَذَابِیْ اُصِیْبُ بِہٖ مَنْ اَشَآءُ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میں عذاب تو اسی کو دیتا ہوں کہ قانون مکافات و مجازات کے بموجب میری مشیت ہی کا یہ فیصلہ ہوتا ہے کہ اس کو سزا دینی چاہیے۔ (لیکن) میری رحمت! وہ ہر چیز پر پھیلی ہوئی ہے۔ میں نے خود اپنے فضل و کرم سے اپنے اوپر رحمت لازم کر لی ہے۔ کتب علی نفسہ الرحمۃ (سورہ انعام ع ۲) اسؐ نے لکھ لی ہے اپنے ذمہ مہربانی (شاہ عبدالقادرؒ)

یہ رحمت عمومی ہے جس سے نہ صرف انسان بلکہ کائنات کی ہر چیز فیضیاب ہو رہی ہے باقی جہاں تک اس امت کا تعلق ہے تو ارشاد ہے۔

فَسَاَکْتُبُھَا ـ تا ـ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (سورہ اعراف ع ۲۰)

میں اس رحمت کو ان کے لیے ضرور ہی لازم کروں گا جو خوف خدا رکھتے ہیں۔ اور زکوۃ دیتے ہیں اور جو ہماری نشانیوں پر ایمان رکھتے ہیں جو اس رسول نبی امی کی پیروی کرتے ہیں جس کو وہ اپنے یہاں لکھا ہوا پاتے ہیں توریت اور انجیل میں (جس نبی کی شان یہ ہے) کہ وہ ان کو نیک کاموں کا حکم دیتا ہے' برائیوں سے روکتا ہے۔ ان کے

لیے پاکیزہ چیزیں جائز قرار دیتا ہے اور گندی چیزیں حرام رکھتا ہے اور ان پر سے بوجھ اور قیدیں (جو اب تک تھیں) اتارے دیتا ہے۔ پس جو لوگ اس نبی پر ایمان لائے اور اس کا ساتھ دیا اور اس کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ اتارا گیا تھا۔ بس یہی لوگ ہیں پوری فلاح پانے والے۔ (۱۲۹)

فائدہ

اگر احزاب کے واقعات کو سامنے رکھ کر یہ آیت تلاوت کی جائے تو پھر کیا دنیا میں کوئی بھی منصف مزاج اس میں شک کر سکتا ہے کہ یہ آیت ایثار شیوہ۔ صحابہ مجاہدین کے حق میں نص قاطع ہے کہ یہ حضرات "مفلحون" ہیں "مکمل فلاح پانے والے" رضی اللہ عنہم)

جب کہ خاتمہ بحث پر رحمت ربانی کا ذکر آگیا تو اس موقع پر وہ حدیث بھی یاد رہنی چاہیے جس میں فرمایا گیا ہے کہ جب بندہ اپنے رب کی طرف ایک بالشت بڑھتا ہے تو اس کا رب اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہے۔ بندہ اگر ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایک باع اور اگر بندہ اپنے رب کی طرف گھٹنوں چلتا ہے تو رحمت حق دوڑ کر اس کو آغوش میں لے لیتی ہے (۱۳۰) ۔ غزوات کے موقع پر یہ بشارتیں اسی حدیث کی تصدیق کر رہی ہیں۔

واللہ اعلم بالصواب۔

رسول ﷺ اشجع الناس تھے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا (سورہ احزاب ع ۳)

ترجمہ۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کا ایک عمدہ نمونہ موجود تھا (تم کو بھلی تھی سیکھنی رسول کی چال ۔ (شاہ عبدالقادرؒ) نہ صرف عام مسلمانوں کے لیے (۱۳۱) (بلکہ ہر ایسے پاکباز خدا ترس مومن بااخلاص کے لیے) جو امید لگائے ہوئے ہے اللہ سے ڈرتا ہے پچھلے دن (روز آخرت) سے اور یاد کرتا ہے اللہ کو کثرت سے۔

اس آیت کی بنا پر علماء کرام کا فیصلہ ہے کہ سرور کائنات رحمتہ للعالمین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی انسان کے لیے اس کے انفرادی۔ اجتماعی۔ خانگی۔ ملی۔ معاشرتی و اخلاقی معاملات و حالات غرض ہر ہر گوشہ

میں شمع ہدایت ہے اور اس بنا پر زندگی کے ہر ایک شعبہ میں اور ہر ایک چھوٹے بڑے امر میں آنحضرت ﷺ کی اتباع ضروری اور واجب ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اس آیت سے فقہی مسائل میں استدلال کیا گیا ہے کہ کسی انسان کا جو فعل آنحضرت ﷺ کے نمونہ اور بقول حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ آپ کی چال سے ملتا جلتا ہو وہ جائز مستحسن اور عنداللہ پسندیدہ ہے اور جو فعل اس مقدس نمونہ کے معیار پر صحیح نہ اترتا ہو وہ حسب مراتب مکروہ تنزیہی یا مکروہ تحریمی اور بعض اوقات حرام ہے۔

لیکن یہ قرآن پاک کا اعجاز ہے کہ اس آیت کو ایسے موقع پر ایک ایسی ترتیب سے پیش فرمایا کہ یہ آیت اس بارے میں بھی حجتہ اور برہان بن گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ وسلم سب سے زیادہ اولوالعزم۔ سب سے زیادہ دلیر ثبات و استقلال کے کوہ گراں اور سب سے زیادہ باحوصلہ بہادر ہیں۔

غور فرمایئے اس رکوع میں منافقین کی پست ہمتی اور بزدلی کی مذمت ہے کہ یہ لوگ اتنے خوف زدہ اور حواس باختہ ہوئے کہ جب دشمن بھاگ گیا تب بھی وہ سہمے ہوئے ہیں کہ دشمن نہیں ٹلا اور اگر کہیں دشمن پھر آ جائے تو ان کی حالت یہ ہو گی کہ وہ یہی چاہیں گے کہ مدینہ چھوڑ کر بادیہ نشین اعراب کے پاس پہونچ جائیں اور وہیں سے آپ کے (مسلمانوں) کے حالات معلوم کر لیا کریں۔ پھر اس آیت کے بعد عالی حوصلہ مومنین کے بہترین کردار کی طرف اشارہ اور اس کی تحسین ہے کہ وہ ان تمام مصائب اور شدائد اور دشمن کے اس بے پناہ ہجوم سے خوف زدہ نہیں ہوئے۔ بلکہ انہوں نے بڑے حوصلہ سے ان مشکلات کا استقبال کیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے نصرت اور کامیابی کا وعدہ کیا ہے تو لازمی ہے کہ سخت سے سخت مشکلات سامنے آئیں' دشمنوں کا بے پناہ ہجوم ہو اور ان کی طرف سے مصائب اور اذیتوں کی بارش برسائی جائے جب ہی تو نصرت الٰہی کا ظہور ہو گا جس کا نتیجہ کامیابی اور کامرانی ہو گا جس کا اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ان دو متضاد جماعتوں اور متضاد حالات کے درمیان اس آیت کے ورود سے ایک طرف منافقین کو عار دلائی جا رہی ہے کہ تمہاری جان کی طرح محمد رسول اللہ ﷺ کی جان بھی ہے مگر دیکھو کس طرح وہ اپنی جان سے بے پرواہ' مصائب و شدائد کے مقابلہ میں سینہ سپر ہیں اور کس بہادری سے ثبات و استقلال کی اعلیٰ مثال پیش کر رہے ہیں' دوسری طرف باہمت اور باحوصلہ بہادر مسلمانوں کے لیے نمونہ اور اسوہ حسنہ وہی بن سکتا ہے جو سب سے زیادہ بہادر ہو۔ استقلال و استقامت' کا درس وہی دے سکتا ہے جو سب سے زیادہ پیکر استقامت اور کوہ استقلال ہو۔ یہی شان تھی رسول اللہ ﷺ کی۔ جب ہی تو اس آیت کے لیے یہ سیاق موزوں ہوا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی بے شمار شہادتیں اور یہ حقیقت کہ کسی بھی غزوہ اور معرکہ میں سیدالمرسلین ﷺ کے قدم مبارک کو لغزش نہیں ہوئی۔ بلکہ سخت سے سخت حالات میں بھی آپ کا استقلال

سبق آموز رہا۔ حد یہ ہے کہ آپ کی استقامت کے طفیل میں وہ بھی جم گئے جن کے پیر اکھڑ چکے تھے۔ یہ شہادتیں اور یہ حقیقت اس آیت کی عملی تصدیق ہے۔

الحکمة ضالة المومن

جو بھی حکمت و دانش کی بات ہے وہ مومن ہی کی ہے جو اس کے پاس سے گم ہو گئی تھی جہاں بھی اس کو ملے وہ اس کو اسی شوق اور جذبہ سے لے لے جیسے اس کی گم شدہ چیز مل گئی ہے۔

غزوہ احزاب میں خندق کی تجویز اس کی بہترین مثال ہے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کا آبائی وطن فارس تھا۔ وہیں انہوں نے پرورش پائی۔ وہیں انہوں نے ایرانیوں کا یہ طریقہ دیکھا کہ حفاظت کے لیے وہ خندق بھی کھودا کرتے تھے۔ ایرانی کافر تھے عجمی تھے۔ دوسری نسل سے ان کا تعلق تھا۔ ان کی تہذیب جداگانہ تھی۔ لیکن جیسے ہی حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے یہ تجویز پیش کی' نہ مذہب کا سوال سامنے آیا نہ رنگ و نسل کا نہ زبان کلچر اور تہذیب کا کوئی حجاب حائل ہوا۔ نفس تجویز پر غور کیا گیا۔ وہ کار آمد تجویز تھی۔ فقہی اصطلاح کے لحاظ سے مباح الاصل تھی۔ ترقی کی طرف ایک قدم تھا۔ سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے تجویز کو فوراً منظور فرما لیا اور امت کو سبق دیدیا کہ آگے قدم بڑھاؤ۔ اگر کچھ دوسروں سے بھی لینا پڑے تو اس کی اصل حقیقت پر تو ضرور نظر ڈالو کہ کوئی شرعی قباحت تو نہیں ہے۔ باقی غیر کی غیریت پر ہرگز نظر نہ ڈالو۔ یہ بھی مت سوچو کہ یہ غیر کالا ہے یا گورا۔ عربی ہے یا عجمی۔

کون انکار کر سکتا ہے کہ عرب کے صحرا نشیں بدو تمدن سے نا آشنا تھے لیکن وہ جب پندرہ بیس سال کے عرصہ میں دنیا پر چھا گئے تو عجیب بات یہ ہے کہ وہ صرف حکمراں ہی نہیں رہے بلکہ اس عظیم الشان تمدن کے بانی اور معمار بھی بن گئے جن کے آثار نہ صرف ایشیا بلکہ سرزمین یورپ کے جگر میں بھی آج تک چمک رہے ہیں۔

عربوں نے اس تہذیب اور تمدن کی زمین کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے تیار کی تھی اور گل کاری کے لیے بہت سی چیزیں ان قوموں سے لیں جن کو انہوں نے شکست دی تھی۔ جن پر وہ حکومت کرتے تھے۔ اور جس روز انہوں نے اخذو التقاط کا یہ طریقہ چھوڑا وہ ان کے زوال کا پہلا دن تھا۔

موسیو لیبان۔ فرانس کا مشہور انصاف پسند محقق لکھتا ہے۔

"عربوں نے ابتداء فتوحات ہی سے ان تمام عمارتوں کی بہت قدر کی جو ان سے پہلے سے موجود تھیں اور جس تمدن کو انہوں نے ان مفتوحہ ممالک میں پایا اسے ہمیشہ قائم رکھنے اور ترقی دینے کی کوشش کی۔ شروع میں تو وہ بالکل جاہل تھے لیکن چند روز میں وہ اپنے استادوں پر فوقیت لے گئے۔ فن حرب اور محاصرہ

کے وقت آلات جنگ کا استعمال کرنا جو یونانیوں کا مخصوص حصہ تھا اس کو عرب بالکل نہیں جانتے تھے لیکن اس کو بھی انہوں نے بہت جلد سیکھ لیا۔ اور چند ہی روز میں وہ اپنے مخالفین کے ہمسر ہو گئے۔ علوم و فنون (دنیاوی) میں وہ بالکل ابتدائی حالت میں تھے لیکن ان چند مدارس کی بدولت جو انہوں نے قائم کیے وہ چند روز میں متقدمین کی نہ صرف برابر ہو گئے بلکہ ان سے بھی بڑھ گئے۔ فن تعمیر میں ان کی معلومات کچھ نہیں تھیں لیکن انہوں نے ایرانی اور مشرقی معماروں سے کام لیا اور اپنے خیالات اور مذاق کے مطابق ان کے طرز تعمیر میں اس قدر ترمیم کی کہ اس میں ان غیر قوموں کا حصہ بالکل باقی نہیں رہا اور اس نے بطور خود ایک خاص وضع اور صورت اختیار کر لی۔ (تمدن عرب صفحہ ۱۲۶) یہی مصنف لکھتا ہے۔

عربوں نے فن حرب کفار کی فوجوں کے بھاگے ہوئے سپاہیوں سے سیکھا جو اسلام قبول کر چکے تھے۔ (تمدن عرب صفحہ ۱۳۰)

اس محقق کی اس شہادت میں آپ کچھ مبالغہ اور کسی قدر توہین کے جراثیم تلاش کر سکتے ہیں مگر اس شہادت کی اصلیت اور اس کی اہمیت سے انکار نہیں کر سکتے۔ اور اگر غور کریں تو دور جانے کی ضرورت نہیں ہم خود اپنے آپ کو اور ہندوستان میں اپنی تاریخ کو دیکھ لیں۔ ہماری معاشرت میں کس قدر ہندوانی رسومات داخل ہیں حتیٰ کہ ہم نے وہ چیزیں بھی لے لیں جو نہ صرف ممنوع ہیں بلکہ اسلامی مزاج کے لیے قطعاً ناقابل برداشت ہیں۔ چھوت چھات کا مرض ہمارے اندر اسی یگانگت کی بنا پر آیا جو ہم نے اونچے طبقہ سے قائم کی تھی۔ منکر اسلام ہونے کے نقطہ نظر سے برہمن۔ کھتری۔ ویش اور ایک بھنگی سب برابر ہیں مگر ایک سے مساویانہ سلوک اور دوسرے کی حقارت یہ نہ عربی مزاج ہے نہ اسلامی۔ یہ صرف اس معاشرت کا طفیل ہے جو ہم نے ہندو گھرانوں سے اختلاط کے بعد اختیار کی۔ اس کی ذمہ داری خود ہم پر ہے یا ان مسلمان حکمرانوں پر جنہوں نے سیاسی مصلحتوں کی بنا پر ہندوؤں سے اختلاط کو ضروری سمجھا کہ وہ اس ریل میل میں حد سے تجاوز کر گئے۔

بہرحال مسلمان ہوتے ہوئے اس اختلاط کی ہمت اسی وجہ سے ہوئی کہ اسلام نے مساوات' فراخ حوصلگی اور زیردست مفتوح اقوام کی دلداری کی ہدایت کی ہے اور چھوت چھات کو حرام بتایا ہے۔ حد ہو گئی ہر انسان کا بدن پاک۔ ہر انسان کا جھوٹا پاک۔ مفتوح ہو یا مملوک۔ مسلمان ہو یا غیر مسلم تمام مخلوق اللہ کی عیال ہے۔ رحمت رب العالمین کا مستحق وہ ہے جو خلق خدا پر رحم کرے۔ جہاں یہ تعلیم ہو وہاں علیحدگی اور چھوت چھات کا کیا امکان ؟

جنگ کا ایک دور ختم

بخاری شریف کی روایت ہے کہ دشمنوں کے بادل چھٹے اور مدینہ کا مطلع صاف ہوا تو آنحضرت ﷺ

نے فرمایا تھا۔ الان نغزوهم ولا يغزوننا نحن نسير اليهم

اب ہم ان سے غزوہ کریں گے وہ ہم سے غزوہ نہیں کر سکتے ہم ان کی طرف چل کر جائیں گے۔

یہ فراست نبویؐ تھی جو ہو بہو صادق ہوئی۔ پھر قریش کی ہمت نہیں ہوئی کہ حملہ کر سکیں۔ ہاں اگلے ہی سال آنحضرت ﷺ نے نقل و حرکت کا رخ مکہ معظمہ کی طرف پھیر دیا۔ ۶ھ میں ادا عمرہ کے لیے مکہ معظمہ کا قصد مذہبی اور روحانی لحاظ سے کوئی بھی حیثیت رکھتا ہو مگر جنگی تدبر کے لحاظ سے بہت ہی موقع کی بات تھی کہ غنیم کو مہلت نہ دی جائے کہ وہ آگے بڑھنے کی تیاری کر سکے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پیشین گوئی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں شمار کیا ہے۔ (خصائص کبریٰ)

اور تاریخی نقطہ نظر سے یہ ارشاد ایک دور کے ختم ہونے کی اطلاع ہے۔ یعنی جنگ کا پہلا دور یہ تھا کہ قریش مسلمانوں کو کچل ڈالنے کے لیے بار بار حملہ کر رہے تھے۔ یہ دور آج ختم ہو گیا۔

اب جنگ کا دوسرا دور شروع ہو گا۔ مگر ہم اس کے تذکرہ سے پہلے مناسب سمجھتے ہیں کہ سلسلہ جنگ پر دوبارہ نظر ڈال لیں۔

جنگ کیا ہے۔ کسی قوم کی زندگی میں جنگی تیاری کو کیا اہمیت ہے۔ وحی الٰہی نے کیا رہنمائی فرمائی۔ جب کہ پہلا حکم یہ تھا۔ كُفُّوْا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

اپنے ہاتھ روکو۔ دشمن کی مسلسل و پیہم ایذا رسانی کا جواب ہاتھ سے مت دو۔ اس کے مقابلہ میں اپنی توجہ اللہ کی طرف رکھو۔ نماز قائم کرو۔ عبادت گذاری میں اپنے آپ کو پختہ کر لو اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط و مستحکم کرو اور اپنی شکایتیں اس کی بارگاہ میں پیش کرتے رہو۔

اس ارشاد اور اس پروگرام کے بعد جنگ کی اجازت کب ہوئی۔ سلسلہ جنگ کی غرض و غایت' اس کے شروع ہونے کی تاریخ۔ غزوات اسلامی کا پس منظر۔ تاریخی اور آئینی وجوہات' ان سوالات کے مفصل جوابات آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیے۔ وباللہ التوفیق ومنہ الاستعانۃ وعلیہ التکلان

اطلاع

نقشہ جنگ اور مشکلات سے جو مضمون شروع ہوا ہے وہ مستزاد ہے اسی طرح غزوات کے سلسلہ میں جو مضامین آگے آ رہے ہیں وہ راقم حروف کی طرف سے مستزاد ہوں گے۔ ازالت الخفاء سے ماخوذ نہیں ہیں حضرات اہل علم اگر کوئی غلطی دیکھیں تو اصلاح فرما کر احقر کو ممنون فرمائیں۔

مسئلہ جہاد پر نظر ثانی

اللہ کی یاد' خوف خدا' تقویٰ' خدا پرستی اور خدا طلبی کے تصور کے ساتھ ترک دنیا کا تصور بھی کچھ اس طرح آتا ہے کہ آبادی سے الگ تھلگ کسی پہاڑ کی گھاٹی یا کسی دریا کے کنارہ پر یا کسی گھنے جنگل کے دامن میں کٹیا بنالی جائے۔ معمولی لباس بدن پر ہو۔ جو کی روٹی۔ ستو۔ ساگ یا جنگل کے درختوں کے کسی پھل سے پیٹ کا جہنم ٹھنڈا کر لیا جائے۔ اور رات دن خدا کی یاد کی جائے۔ نہ بیوی بچے ہوں نہ کاروباری دوڑ دھوپ ہو نہ بازاروں اور کارخانوں کا شورو شغب ہو۔

عوام کے خیالات بھی ایسے ہی ہیں کہ ایسی زندگی کو مقدس اور پاک زندگی قرار دیتے ہیں۔ اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ زندگی کی کش مکش اور رات دن کی الجھنوں سے جب انسان پریشان ہوتا ہے تو ایسی ہی یکسو زندگی کی تمنا کرنے لگتا ہے۔

مگر کیا ہم ایسی زندگی کو بامقصد اور کامیاب زندگی قرار دیں

سوال ایک جاندار کی زندگی کا نہیں۔ سوال انسان کی زندگی کا ہے۔

انسانی زندگی کا آپ کوئی بھی مقصد قرار دیں یہ بات یقینی ہے کہ یہ یکسو اور کوہ نشین زندگی اس کا مقصد نہیں ہو سکتی۔ ورنہ ہمیں خود اپنی فطرت کے خلاف بغاوت کرنی ہوگی۔ اور یہ ثابت کرنا ہوگا کہ خود انسانی فطرت غلط۔ بگڑی ہوئی اور مسخ شدہ ہے۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ انسان تمام مخلوق سے اشرف ہے اس کو علم عطا ہوا۔ ترقی کے راستے اس پر کھولے گئے۔ خزائن ارض کی کنجیاں اس کو دے دی گئیں۔ عالم مشاہدہ کی ہر چیز پر اس کو اقتدار بخشا گیا۔ یہ سب غلط ہے۔ ان میں سے کوئی بات بھی ایسی نہیں ہے جس پر فخر کیا جا سکے۔ ہر چیز ہمارے لیے باعث توہین ہے۔

ممکن ہے کوئی برگشتہ فطرت اس تصور معکوس اور اس اندھے عقیدہ کو تسلیم کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔ لیکن مسلمان جس کو یہ بتایا گیا ہے کہ انسان صرف جاندار نہیں ہے جو عام حیوانات کی طرح جانداروں کے جنگل میں پھینک دیا گیا ہے۔ بلکہ اس کائنات ارضی میں اللہ اور خالق کائنات کا خلیفہ ہے۔ وہ اس بات کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوگا کہ انسان ترقی پذیر فطرت کا مالک نہیں ہے بلکہ اس کی فطرت تخریب پسند ہے اور آبادی کے بجائے ویرانی' شاہراہ تعمیر و ترقی پر آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے ہٹنا اس کی فطرت کا جوہر ہے۔

موجودہ دور میں ہندوستان جیسے پس ماندہ ملکوں میں غذا کی قلت نے جو صورت اختیار کرلی ہے اس نے مردم شماری کے اضافہ کو ایک تشویش انگیز مسئلہ بنا دیا ہے لیکن اس کوہ نشیں یکسو زندگی کی پیروی کرتے ہوئے اگر لوگ تجرد اختیار کرلیں تو مردم شماری میں کمی نہیں بلکہ انسانی نسل ہی کو ختم کر دیں گے۔ اس

وقت غذا کا مسئلہ حل تو ہو جائے گا مگر اس طرح کہ سیکڑوں ایٹم بم جو کام کرتے۔ یکسو زندگی کا ایک فعل یعنی "تجرد" اس کام کو خاموشی سے انجام دے دیگا۔

کیا اس زندگی کو بامقصد یا کامیاب زندگی کہا جا سکتا ہے؟

اچھا۔ یہ تجرد کی یکسو زندگی نہ اختیار کیجئے۔ مل جل کر رہنا۔ یعنی مدنیت اور شہریت جو انسانی فطرت ہے آپ اسی فطرت کے تقاضوں کا احترام کیجئے۔ انسانوں کے ساتھ مل جل کر رہیے۔ مگر خدا کے لیے اپنی "کالونی" (چھوٹی سی آبادی) الگ بنائیے جہاں صرف اللہ کے نیک بندے رہتے ہوں۔ سب پاکباز ہوں۔ سب کے دلوں میں اللہ کی لو لگی ہوئی ہو۔ سب کے سب صبرو شکر زہد و تقوی کی تصویر ہوں یا ان کے سچے پیرو ہوں جو پاکبازی کی تصویر بننا چاہتے ہوں۔

فرض کر لیجئے کسی دامن کوہ میں یا کسی دریا کے کنارے ایسی آبادی قائم ہو گئی۔ اس آبادی کے تمام باشندے معیاری زندگی کے مالک' صداقت اور انصاف کے پیکر۔ پاک دامن اور راست باز ہیں۔ ان کا آپس میں کوئی جھگڑا نہیں ہوتا۔ اگر کبھی کوئی نزاع اتفاقا" ہو جاتا ہے تو ان کی انصاف پروری اور صداقت پسندی اس جھگڑے کو صلح اور آشتی سے بدل دیتی ہے۔ وہ اپنا کاروبار بھی کرتے ہیں مگر اسی راست بازی کے ساتھ' ان کے دستکار اور پیشہ ور بھی ایسے ہی راستباز حق پرست اور طالب مولٰی ہیں۔ یہ اولیاء اللہ کی بستی ہے بلکہ یہ کہو کہ یہ فرشتوں کی بستی ہے جو ساتویں آسمان سے اتار کر یہاں بسا دی گئی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر ان کے اندر کوئی بدکار نہیں ہے تو کیا کوئی بدکار باہر سے بھی نہیں آ سکتا۔ ایک دو بدکار باہر سے آ جائیں تو ان کو پکڑ کر باہر نکال سکتے ہیں لیکن اگر انہیں کی نسل میں بدکار ہو جائیں اور ان کی تعداد بڑھتی رہے یا بدکاروں اور غنڈوں کی بڑی جماعت ان پر چڑھ آئے تو کیا صرف خشوع خضوع۔ صلوۃ الخوف' گریہ و زاری یا وعظ و پند سے ان کا علاج کیا جا سکے گا۔ ایک ملک کھلے طور پر ناطرفداری کی پالیسی اختیار کرتا ہے کہ وہ کسی سے نہیں لڑے گا اور نہ کسی لڑنے والے کا ساتھ دے گا۔ دنیا جنگجو اور لڑنے والوں میں بٹی ہوئی ہے مگر وہ ہر ایک جنگی گٹھ جوڑ سے علیحدہ ہے ہر ایک کی دوستی کا خواہاں ہے اور ہر ایک سے دوستی کا معاہدہ کیے ہوئے ہے مگر اس کے پڑوس میں ایک توسیع پسند مملکت ہے جو اپنے ملک کی حدود کو زیادہ سے زیادہ وسیع کرنا چاہتی ہے تو کیا اس ملک کی ناطرف دار پالیسی پڑوسی ملک کے اچانک حملہ کا دفاع کر سکے گی؟

(۳) حافظ عمادالدین بن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی مشہور تفسیر میں آیت کریمہ۔ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّیْ مُمِدُّكُمْ (سورہ انفال رکوع اول) کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

سابق انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں سنت الہیہ یہ تھی کہ سرکش قوموں کو جو نبی

کے مقابلہ پر بغاوت کرتی رہتی تھیں کسی آسمانی آفت سے تباہ کر دیا جاتا تھا چنانچہ قوم نوح طوفان سے عاد اولیٰ دبور (پچھوا کی سخت آندھی سے) ثمود "صیحہ" یعنی چنگھاڑ (سخت آواز یا گڑگڑاہٹ جو زلزلے کے وقت ہوتی ہے) سے تباہ کر دی گئی۔ قوم لوط کی آبادی (سدوم اور عمورہ وغیرہ) پر آگ اور پتھروں کی بارش ہوئی جیسے کوہ آتش فشاں کے پھٹنے کے وقت ہوتی ہے اور ان کی سرزمین کو تہ و بالا کر دیا گیا وغیرہ وغیرہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بھی پہلے فرعون اور اس کی فوج کو دریا میں غرق کیا گیا۔ پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی گئی تو باغی اور طاغی قوموں کے برباد کرنے کا یہ طریقہ بدل دیا گیا اور حکم یہ ہوا کہ فرماں بردار جماعت نافرمانوں اور مشرکوں کا مقابلہ کرے۔

یہ بات تین ہزار سال سے بھی پہلے کی ہے جب فرعون اور اس کا لشکر غرق کیا گیا تھا۔ یہ قبل از تاریخ کا زمانہ ہے۔ اس وقت تک جس طرح انسان کی دماغی اور ذہنی صلاحیتیں نارسیدہ تھیں تاریخ بھی ابھی سن شعور کو نہیں پہونچی تھی۔ بلکہ اس کے عہد طفولیت نے ابھی قلم لینا بھی نہیں سیکھا تھا۔ خاندانی روایتیں جو سینہ بسینہ چلی آتی تھیں وہی تاریخ ہوا کرتی تھیں۔

برباد ہونے والی قومیں سب ہی ملکوں میں ہوں گی۔ کیونکہ انبیاء سب ہی ملکوں میں آئے۔ ان کی دعوت کو قبول بھی کیا گیا اور اس کے مقابلہ میں سینہ بھی تانا گیا۔ مگر قرآن حکیم کا اسلوب یہ ہے کہ وہ مثال اور شہادت کے طور پر انہیں قوموں کو پیش کرتا ہے جن کو عرب یا اہل کتاب پہنچانتے تھے اور ان کے واقعات ان کے مسلمات میں داخل تھے۔

عاد۔ ثمود۔ وغیرہ سام ابن نوح علیہ السلام کی نسل (۱۳۳) سے تھے۔ گویا عربوں کے ہم جد (۱۳۴) تھے اس بنا پر عرب ان سے واقف تھے اور اپنے آباء اجداد کے واقعات کی طرح عاد اور ثمود کے واقعات بھی خاندانی روایتوں کے ذریعے پہونچے تھے۔

پھر عاد اور ثمود جو اس زمانہ کی ذی اقتدار اور متمدن قومیں تھیں ان کی حکومتیں بھی عرب کے شمال و جنوب میں تھیں۔ جس طرح جنوبی و مشرقی عرب کے مالک ☆ عاد تھے ان کے بالمقابل مغربی و شمالی عرب پر ثمود قابض تھے۔ ان قوموں یا برادریوں سے عرب کا یہاں تک تعلق تھا کہ انہیں کی بنا پر عرب کے دو حصے قرار دیئے گئے۔

(۱) عرب بائدہ (وہ عرب جو تباہ و برباد کر کے بے نام و نشان کر دیئے گئے)

(۲) عرب باقیہ یعنی عرب عرباء یا عرب عاربہ (جن کی نسلیں چلیں اور اب تک دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں)

عاد اور ثمود کو وہ عرب بائدہ میں شمار کرتے تھے۔

حضرت لوط علیہ السلام بن حاران بن تارح (آذر) اگرچہ عرب نہیں تھے مگر عرب ان کو بھی پہچانتے تھے اور ان کے واقعات کا بھی عربوں کو علم تھا اول تو اس بنا پر کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی بھتیجے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جو تعلق عربوں کو تھا اس کا قدرتی تقاضا تھا کہ وہ ان کے بھتیجے سے بھی واقف ہوں جو دعوت حق میں ان کے شریک رہے تھے۔

(۳) اس کے علاوہ حضرت لوطؑ نے جس ملک کو اپنا وطن بنا لیا تھا وہ شرق اردن یعنی شام کا جنوبی علاقہ تھا (جو دریائے اردن کی وادی میں تھا جہاں اب "بحر مردہ" بحر مردار یا بحر لوط ہے) اور لوطیون کے بڑے شہر سدوم اور سمورہ بحر مردہ کے ساحل پر واقع (۱۳۷) تھے یہ علاقہ اگرچہ حجاز عرب سے خارج تھا۔ مگر قریش مکہ چونکہ سفر شام میں برابر اسی راستہ سے آتے جاتے تھے' لامحالہ وہاں کے اس مشہور تاریخی واقعہ سے واقفیت رکھتے تھے۔ قرآن حکیم نے عبرت دلاتے ہوئے اسی راستہ کا حوالہ دیا ہے۔ (انھما لبامام مبین) (یعنی قوم لوط اور اصحاب ایکہ ایک ایسے راستہ پر رہتے تھے جو ابھی کھلا ہوا راستہ ہے۔ (۱۳۸) (سورہ حجر)

قریش اور ان کے ہم مذہب مشرکین عرب کے علاوہ جو یہودی عرب میں آباد تھے جن سے کتاب اللہ نے خطاب کیا وہ ان تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کے واقعات سے اس لیے واقف تھے کہ توریت میں ہر ایک واقعہ کی تفصیل موجود ہے۔ اگرچہ تحریفات نے ان واقعات کو مسخ کر (۱۳۹) دیا ہے۔

سب سے پہلی قوم جو آسمانی آفت سے برباد کی گئی وہ قوم نوح ہے جو پانی کے طوفان سے برباد کی گئی کہا جاتا ہے کہ سرزمین عراق خصوصاً کوہ "ارارات" کی وادیوں میں جہاں اس طوفان کا مرکز تھا وہاں ایک مہیب طوفان کے نشانات اب تک اہل فن کو ملتے ہیں (۱۴۰)۔

تورات میں نہ صرف یہ کہ اس طوفان کا محل اور مقام بتایا گیا ہے بلکہ اس کشتی (جہاز) کی لمبائی اور چوڑائی بھی بتا دی گئی ہے جس پر حضرت نوح علیہ السلام مع جملہ لواحقین کے سوار ہوئے تھے۔

کتاب پیدائش کی چند آیتیں ملاحظہ فرمائیے۔

> جب نوح کی عمر چھ سو برس کی ہوئی دوسرے مہینہ کی سترھویں تاریخ کو اسی دن بڑے سمندر کے سب سوتے پھوٹ نکلے اور آسمان کی کھڑکیاں کھل گئیں اور چالیس دن اور چالیس رات زمین پر پانی کی جھڑی لگی رہی۔ (۱۱ تا ۱۳ ب ۸)
>
> اور چالیس دن طوفان کی باڑھ زمین پر رہی اور پانی بڑھ گیا اور کشتی کو اوپر اٹھا دیا۔ سو کشتی زمین پر سے اٹھ گئی اور پانی زمین پر بڑھا اور بہت زیادہ ہوا اور کشتی پانی کے اوپر بہتی رہی اور پانی زمین پر بے نہایت بڑھ گیا اور سب اونچے پہاڑ جو آسمان کے نیچے

ہیں چھپ گئے۔ پندرہ ہاتھ پانی ان کے اوپر بڑھا اور وہ سب ڈوب گئے۔ (۱۷ تا ۲۱ ب ۷)

کشتی کی نوعیت

(خدا نے نوح سے کہا) اور تو اپنے واسطے "گوپھر کی لکڑی" کی ایک کشتی بنا اس کشتی میں کوٹھریاں تیار کر اور اس کے باہر اور بھیتر رال لگا اور اس کو ایسی بنا کہ اس کی لمبائی "تین سو ہاتھ اور اس کی چوڑائی پچاس ہاتھ اور اس کی اونچائی تیس ہاتھ کی ہو اور اس کشتی میں ایک روشن دان بنا۔ اوپر سے لے کر ہاتھ بھر میں اسے تمام کر۔ اور کشتی کے ایک طرف دروازہ بنا اور نیچے کا طبقہ اور دوسرا تیسرا بھی بنا۔ ۱۴۔ ۱۵۔ ۱۶ ب ۶

خاتمہ طوفان

پھر خدا نے نوح کو اور سب جانداروں کو اور سب مواشیوں کو جو اس کے ساتھ کشتی میں سوار تھے یاد کیا اور خدا نے زمین پر ایک ہوا چلائی اور پانی ٹھیر گیا اور گہراؤ کے سوتے اور آسمان کی کھڑکیاں بند ہوئیں اور آسمان سے مینہ تھم گیا اور پانی زمین پر سے رفتہ رفتہ گھٹتا جاتا تھا۔ اور ڈیڑھ سو دن کے بعد کم ہوا۔ اور ساتویں مہینہ کی ساتویں تاریخ کو اراراط کے پہاڑوں پر کشتی ٹک گئی (۱۴۱) اور پانی دسویں مہینہ تک گھٹتا جاتا تھا اور دسویں مہینہ کی پہلی تاریخ کو پہاڑوں کی چوٹیاں نظر آئیں۔ ۱ تا ب ۸

فائدہ

توراۃ کی ان آیتوں کو ملاحظہ فرمایئے اور قرآن پاک کی صرف ایک چھوٹی سی آیت تلاوت کر لیجئے آپ کا وجدان اگر بااحساس ہے تو بے اختیار پکار اٹھے گا کہ بیشک کلام اللہ یہی ہے جس کو قرآن کہا جاتا ہے۔

وَقِيلَ يَٰٓأَرْضُ ٱبْلَعِى مَآءَكِ وَيَٰسَمَآءُ أَقْلِعِى وَغِيضَ ٱلْمَآءُ وَقُضِىَ ٱلْأَمْرُ وَٱسْتَوَتْ عَلَى ٱلْجُودِىِّ ۖ وَقِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ ٱلظَّٰلِمِينَ (سورہ ہود ع ٤)

اور کہدیا گیا۔ زمین! اپنا پانی نگل جا۔ آسمان! تھم جا۔ اور پانی خشک کر دیا گیا جو کچھ

کرنا تھا کر دیا گیا۔ کشتی جودی (۱۴۲) پر ٹھیر گئی اور کہہ دیا گیا۔ پھٹکار ہو ان ظالموں پر۔
اسی طرح اور تمام تفصیلات کو جو تورات کے تین بابوں میں (۶ تا ۸) میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اسی رکوع کی ابتدائی آیتوں میں چند جملوں میں اسی قوت اور شوکت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ پھر اگر قرآن کا دعویٰ اپنے متعلق یہ ہے کہ وہ توریت کے لیے مہیمن (چیک کرنے والا۔ اس کے مضامین کو صحیح معیار پر قائم کرنے والا) ہے۔ مھیمنا" علیہ (ع ۷ سورہ مائدہ) تو کیا غلط ہے۔ کلام الملوک ملوک الکلام؟۔
اس تمام تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ جن قوموں کی تباہی اور بربادی کا ذکر قرآن شریف میں کیا گیا ہے یہ وہ قومیں ہیں جن کی بربادی کو عرب اور اہل کتاب تسلیم کرتے تھے اور اسی لیے بالکل صحیح تھا کہ جو قوم سب سے پہلے بلاواسطہ مخاطب ہے اس کے سامنے ان کی تباہی کو بطور حجت اور شہادت کے پیش کیا جائے۔
باقی یہ بات دنیا کی ہر قوم تسلیم کرتی ہے کہ ایسے ہولناک حوادث دنیا میں واقع ہوئے ہیں جن سے پوری قوم برباد کر دی گئی (۱۴۳)۔
یہ واقعات کیوں ہوئے۔ قرآن حکیم نے جن واقعات اور حوادث کا نام لیا ہے ان کی وجہ فسق و فجور' نبی کی مخالفت اور دعوت حق کے مقابلہ میں کفر و عناد بتائی ہے۔
حافظ عمادالدین بن کثیر جیسے اکابر مفسرین نے اس میں ایک اضافہ یہ کر دیا۔ کہ یہ بربادیاں من جانب اللہ اس لیے ہوئیں۔ یعنی قہر خداوندی نے انسانی واسطہ کے بغیر براہ راست ان قوموں کو اس لیے تباہ کیا کہ اس زمانہ میں جہاد و قتال مشروع نہیں ہوا تھا۔ جہاد کا طریقہ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے جاری ہوا۔

جہاد مشروع کیوں نہیں ہوا

اب یہ بات کہ زمانہ سابق میں جہاد مشروع کیوں نہیں ہوا تھا۔ معاندو سرکش قوموں کی بربادی اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ کیوں لے رکھی تھی اور انسانوں کے بجائے فرشتوں سے ان کو برباد کیوں کرایا جاتا تھا۔ اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ دعوت حق پر لبیک کہنے والوں کی تعداد بہت کم ہوتی تھی اور قلت تعداد کے ساتھ وہ حد درجہ کمزور بھی ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ نوح علیہ السلام پر اعتراض یہی کیا گیا تھا۔

مَانَرٰاکَ اتَّبَعَکَ اِلَّا الَّذِیْنَ ھُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّأْیِ (سورہ ہود ع ۳)

ہم تو یہی دیکھتے ہیں کہ آپ کے پیرو وہی ہیں جو کھلے طور پر ہم میں رذیل (کمزور بے بس) ہیں

قوم ثمود کے جو لوگ حضرت صالح پر ایمان لائے تھے ان کو قرآن حکیم نے الذین استضعفوا

(کمزور بنا دیئے گئے تھے) اور ان کے مقابل ارباب اقتدار کو الملاء الذی استکبروا (ارباب اقتدار جو اکڑفوں کیا کرتے تھے) کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے اور ان کے دم خم یہ بتائے ہیں۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ – تا – مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (سورہ اعراف ع ۱۰)

یہ ارباب اقتدار جو اکڑفوں کیا کرتے تھے ان لوگوں نے ان سے جو اس طبقہ میں سے تھے۔ جو کمزور اور بے بس بنا دیئے گئے تھے ان سے کہا کیا واقعی تم لوگوں کو یقین یہ ہے کہ صالح خدا کے فرستادہ ہیں۔ ان کمزوروں نے وثوق اور پختگی سے جواب دیا بیشک ہم نہ صرف حضرت صالح علیہ السلام پر بلکہ اس پورے پیغام پر جس کو پہونچانے کے لیے انہیں مبعوث کیا گیا ہے' ایمان لا چکے ہیں۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ وہ صحیح ہے۔ (اس پر ان اکڑ فوں والوں نے پلٹ کر جواب دیا۔ ہاں ہاں) ہم اسی کا جس پر تم ایمان لائے ہو انکار کرتے ہیں۔ پھر ان لوگوں نے (اپنی اسی اکڑ میں) ناقہ کو ہاتھ پاؤں کاٹ کر مار ڈالا۔ صالح جو کچھ کہہ رہے تھے اس سے سرکشی کی اور ببانگ دہل کہا) اے صالح اگر تو خدا کا بھیجا ہوا ہے تو جس عذاب کی دھمکی دے رہا ہے جا اس کو لے آ۔

یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ یہی لفظ استضعفوا (۱۴۴) ہے جو قرآن حکیم میں بنی اسرائیل کے متعلق ارشاد ہوا۔ (سورہ قصص ع ۱) جن کی حیثیت فرعون کے مقابلہ میں یہ تھی کہ فرعون نے بڑے وثوق سے کہدیا تھا۔

سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَ هُمْ وَ نَسْتَحْيِیْ نِسَآءَ هُمْ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُوْنَ (سورہ اعراف ع ۱۵)

ہم عنقریب ایسا کریں گے کہ ان لڑکوں کو ایک ایک (۱۴۵) کر کے قتل کر ڈالیں گے۔ عورتوں کو زندہ رکھیں گے۔ اور ہمیں ان کے اوپر پوری طرح غلبہ اور قوت حاصل ہے۔ (کہ وہ کھڑے دیکھتے رہیں ہم ان کے لڑکوں کا قتل عام کر دیں اور وہ کچھ نہ کر سکیں)

حضرات مہاجرین کی ہجرت کے بعد مسلمان عورتیں کچھ بچے اور کچھ مجبور مرد مکہ معظمہ میں رہ گئے تھے جو اتنی قدرت نہیں رکھتے تھے کہ مکہ سے نکل ہی آئیں اور کوئی ان کو مدینہ کا راستہ بتا دے ان کے لیے بھی قرآن حکیم میں یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ

فرضیت جہاد کی ضروری شرطیں

آیات الٰہیہ نے ہمیں چند باتوں کا سبق دیا ہے۔

(۱) فریقین میں ایک تناسب ضروری ہے۔ مثلاً" ایک اور دس یا ایک اور دو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ مسلمانوں کو جہاد و قتال پر آمادہ کریں تو ایک تناسب یہ رکھا گیا کہ تم میں سے مضبوطی سے جم جانے والے (صابر) بیس ہوں گے تو دو سو پر غالب ہو جائیں گے۔ سو ہوں گے تو ایک ہزار پر غالب (۱۴۶) ہو جائیں گے (سورہ انفال)

اس کے بعد اس میں تخفیف کی گئی۔ اور صرف ایک اور دو کا مقابلہ رکھا گیا کہ "اگر صبرو استقامت والے مسلمان سو ہوں گے تو دو سو پر اور ہزار ہوں گے تو دو ہزار پر غالب ہو جائیں گے۔ ☆ (سورہ انفال ع ۹)

(۲) اس آیت میں دس گنے یا دو گنے کا لفظ بولا گیا بلکہ تعداد بیان کی گئی ہے کہ بیس ہوں تو دو سو پر اور سو ہوں تو ایک ہزار پر (غالب ہو جائیں گے) یہ طرز بیان ایک لطیف اشارہ ہے کہ فرضیت جہاد کے لیے جماعت ہونی ضروری ہے۔ یہ نہیں ہے کہ ایک ایک دو دو آدمی ہی ہوں تو لامحالہ ان کو جہاد کے نام پر قربان کر دیا جائے۔ عاد اور ثمود جیسی اقوام (بائدہ) میں دعوت حق قبول کرنے والوں کی تعداد افراد سے بڑھ کر جماعت تک نہیں پہونچ سکی کہ ان پر جہاد فرض ہوتا۔

(۳) خود اس قوم میں ایک صلاحیت ضروری ہے۔ ایسی صلاحیت کہ وہ دست قدرت کا آلہ کار بن سکے اور مشیت خداوندی کے فیصلہ کو اس کے بندوں میں نافذ کر سکے۔

ایسی نااہل۔ کج فہم۔ غیر صالح۔ شورہ پشت قوم جو قبول حق کی صلاحیت سے محروم ہو جس کے حق میں نبی اور رسول کی تمام سرگرمیاں بے کار رہیں۔ نہ خود اس قوم میں کوئی جنبش اور حرکت پیدا ہو اور نہ کبھی کوئی ایسی فضا تیار ہو کہ آنے والی نسل سے قبول حق کی توقع کی جا سکے۔ ایسی قوم اس قابل نہیں ہوتی کہ فریضہ جہاد کی ذمہ داری اس کے سپرد کی جائے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے سیکڑوں سال کی تبلیغ کے بعد حضرت حق کی بارگاہ میں عرض کیا تھا۔

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكَافِرِيْنَ دَيَّارًا (سورہ نوح ع ۲)

ان سرکش منکروں کا کوئی ایک آباد گھر بھی زمین پر باقی نہ رہنے دے۔

اور اس کی وجہ یہ بیان کی تھی۔

اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا (سورہ نوح ع ۲)

یہ تو کچھ ایسے ہو گئے ہیں کہ اگر ان کو (خداوند) تو نے باقی رکھا تو تیرے دوسرے
بندوں کو (جن سے قبول حق کی توقع ہے یا جو دعوت حق قبول کر چکے ہیں۔ یہ اپنے
مکرو فریب' غلط پروپیگنڈے اور اپنے اثر و رسوخ سے ان کو) بھی گمراہ کر دیں گے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی یہ دعا کیا تھی۔ ایک باغبان کا جذبہ صادق تھا۔ باغبان درخت کی گھن لگی ہوئی بے کار شاخوں کو کاٹ ڈالنا ضروری سمجھتا ہے تاکہ اس کا بیکار بوجھ درخت کی بالیدگی کو نقصان نہ پہونچائے اور اس کا گھن دوسری شاخوں کو اور رفتہ رفتہ پورے درخت کو برباد نہ کر دے۔ ایک مہربان اور حاذق ڈاکٹر سڑے ہوئے عضو کو کاٹنا ضروری سمجھتا ہے تاکہ باقی جسم محفوظ ہو جائے اور یہ انسان ہلاکت سے بچ جائے۔

(۳) لیکن اگر قلت تعداد کے مسئلہ کو لیا جاتا ہے تو یہ ضروری نہیں ہے کہ جہاد مشروع بھی نہ ہوا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ جہاد مشروع ہو چکا ہو مگر اس کا حکم اس لیے نہ دیا گیا ہو کہ مسلمانوں کی تعداد اتنی نہیں تھی۔

(۴) ہمارے خیال میں جہاد مشروع نہ ہونے کا سبب یہ بھی تھا کہ منظم جنگ کا طریقہ اس وقت تک رائج نہیں ہوا تھا۔ بیشک عاد اور ثمود کی حکومتیں منظم بھی تھیں اور متمدن بھی۔ لیکن ان کو اس کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی کہ وہ اپنے یہاں عسکری تنظیم بھی کریں اور فوجی طاقت مہیا کریں۔

کہا جاتا ہے کہ لڑائی کی بنیاد تین چیزیں ہیں۔ زر۔ زن۔ زمین۔ اور ہمیشہ سے ہیں لیکن یہ تینوں چیزیں ایسی نہیں ہیں جن کی لڑائی کے لیے فوجی نظام کی ضرورت ہو۔ غیر متمدن پہاڑی قبائل جو نظام سلطنت سے قطعاً" ناآشنا ہوتے ہیں۔ زر۔ زمین یا زن کی بنا پر لڑائیاں ان میں بھی ہوتی رہتی ہیں ان کی نوعیت فوجداری کی ہوتی ہے فوجی جنگ نہیں ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ فوجوں کے ذریعہ باقاعدہ جنگ کی بدعت اس وقت سے رائج ہوئی جب انسانی ضرورتوں نے اپنے ملک کی سرزمین کو تنگ کر دیا یا اس کو ناکافی بنا دیا۔ مثلاً" آبادی اتنی بڑھ گئی کہ رہائش کے لیے ان کو پھیلنے کی ضرورت پڑی۔ اب لامحالہ ان کی نظر دوسرے ملک پر پڑی یا اس ملک کے مصنوعی تمدن کو اونچا کرنے کے لیے۔ یا ترقیات اور عیش پرستی کی ضرورتوں کے لیے جتنی دولت کی ضرورت تھی اس ملک کی جائز اور ناجائز آمدنی اس کو پورا نہیں کر سکی' اس وقت جس طرح اقدام کے لیے باقاعدہ فوج کی ضرورت ہوئی' دفاع کے لیے بھی فوجی تنظیم کی ضرورت ہوئی۔

(۵) عاد اور ثمود وغیرہ کے جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس وقت خدا کی زمین خالی پڑی تھی۔ انسانی آبادی کا آغاز تھا۔ جدھر کوئی چلا گیا ہزاروں مربع میل زمین اس کو مل گئی وہ وہیں رہ پڑا۔ وہ کسی دوسرے خطہ یا علاقہ پر کیا نظر ڈالتا خود اس کا محتاج تھا کہ انسان وہاں' پہونچیں اور اس خالی رقبہ کو آباد کریں۔

قوم عاد یا قوم ثمود اور اس زمانہ کی ہر ایک قوم کی شکل یہی تھی کہ اس کا مورث اعلیٰ اس خطہ زمین میں پہونچ گیا تھا۔ اس کی اولاد بڑھتی رہی اور اس رقبہ کو آباد کرتی رہی۔

چنانچہ عاد۔ ثمود۔ طسم (جدیس) وغیرہ کے بانی اور مورث اعلیٰ سب حضرت نوح علیہ السلام کی چوتھی یا پانچویں پشت کے افراد (۱۴۷) تھے۔ یہ سرزمین عرب کے مختلف علاقوں میں پہونچے اور وہیں رہ پڑے۔ تین چار پشتوں کے بعد وہاں قابل ذکر آبادی ہو گئی جس سے یہ ایک قوم بن گئی۔ اس کا تمدن بالکل ابتدائی حالت میں تھا۔ اس کے لیے اس رقبہ کی پیداوار کافی تھی۔ معدنیات سونا۔ چاندی وغیرہ کا یا تو علم ہی نہیں تھا اور اگر علم ہو گیا تھا تو ابھی ان کو اس کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ ان کی دولت ان کے مویشی تھے۔ اونٹوں کے گلے۔ گائے بیلوں کے گلے۔ یا بھیڑ بکریوں کے گلے۔ یہی دولت تھی اس دولت کے لیے لڑائیاں ہوتی تھیں مگر وہ اندرون ملک۔ جیسے ہمارے دیہات کے باشندوں میں فوجداری ہو جاتی ہے۔ جس کو فساد کہا جاتا ہے۔ قرآن حکیم نے بھی اس کو فساد سے ہی تعبیر کیا ہے یہ بات کہ ایک ملک دوسرے پر حملہ کرے' ایک قوم اپنے ملک سے آگے بڑھ کر دوسرے قوم پر چڑھائی کرے۔ یہ اقدام جس کے لیے فوجی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے اس وقت تک اس کی ضرورت (۱۴۸) نہیں ہوئی تھی۔

ہم مقدمہ میں لکھ چکے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات' انسانی ارتقاء کے بموجب تدریجی ترقی کرتی رہی ہیں جیسے جیسے تمدن ترقی کرتا رہا' انسانوں کی استعداد اور صلاحیت کا قدم آگے بڑھتا رہا' نئے نئے سوالات پیدا ہوتے رہے۔ اسی کے بموجب انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات رہنمائی کرتی رہیں۔ اکثر ایسا ہوا کہ اس وقت نبی کی تعلیم کو نہیں مانا گیا لیکن کچھ دنوں بعد وہی ترقی پذیر اصلاح جو نبی نے پیش کی تھی قوم کا مزاج بن گئی۔

آج ہم یورپ کے لباس یورپین وضع قطع کو مثال کے طور پر پیش کر سکتے ہیں۔ یورپ سے آئی ہوئی تمام چیزیں دو پشت پہلے قطعاً" اجنبی تھیں۔ لوگ ان سے نفرت کرتے تھے مگر یہی چیزیں دو نسل بعد ہندوستانیوں کا مزاج بن چکی ہیں (۱۴۹)۔

بہرحال خلاصہ جواب یہ ہے کہ جب منظم جنگ کا طریقہ ہی اس وقت تک رائج نہیں ہوا تھا یعنی جنگ اور جہاد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوا تھا تو لامحالہ اس کا کوئی قانون بھی نہیں تھا اور آسمانی تعلیمات میں بھی اس کے متعلق کوئی رہنمائی نہیں فرمائی گئی۔ اب ایک طرف یہ بات کہ ایمان لانے والوں کی تعداد کم۔ دوسری طرف جنگ اور فوجی نظام سے تمدن کی یہ منزل ناآشنا۔ لہٰذا جنگ و جہاد کے کچھ احکام اگر نازل ہوتے تو وہ قبل از وقت تھے۔ ان سے اصلاح کے بجائے فساد کو شہ مل سکتی تھی۔

سب سے پہلا جہاد

حضرات مفسرین کے ارشاد کے بموجب اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جہاد مشروع ہوا۔ مگر جہاد کی نوبت آپ کے زمانہ میں نہیں آئی۔ آپ کی وفات سے تقریباً" چالیس سال بعد حضرت یوشع علیہ السلام کی زیر قیادت سب سے پہلا مشروع جہاد تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جہاد کیوں نہیں ہوا

کس قدر عبرت کی بات ہے کہ جب بنو اسرائیل مصر سے نکلے تو اگرچہ اس ملک میں رہتے ہوئے چار سو تیس برس ہو چکے تھے۔ اور بنو اسرائیل کی جو مصر کے باشندے تھے بود و باش چار سو تیس برس تک تھی اور چار سو تیس برس کے آخریوں ہوا کہ ٹھیک اسی دن خداوند کی فوجیں زمین مصر سے نکل گئیں۔ خروج ب ۱۲۔ ۴۰۔ ۴۱۔

توریت میں یہ صراحت بھی موجود ہے کہ سوا چار صدی میں ان کی مردم شماری ۶ لاکھ سے زیادہ ہو گئی تھی۔ چنانچہ خروج باب ۱۲ کی آیت ۳۷ میں ہے۔

ان کے مرد سوا لڑکوں کے چھ لاکھ کے قریب تھے۔"

مگر اس تعداد کثیر کے باوجود فرعون کی نظر میں ان کی حیثیت بھیڑ بکریوں سے زیادہ نہ تھی۔ جس طرح آپ جب چاہتے ہیں بلا تکلف بھیڑوں اور بکریوں کو ذبح کر دیتے ہیں ان کے لاتعداد گلے سامنے کھڑے رہتے ہیں کچھ نہیں کر سکتے۔ یہی حال بنو اسرائیل کا تھا۔ کتاب اللہ نے چند معجزانہ الفاظ میں فرعون کے حوصلہ اور نبی اسرائیل کی پست ہمتی کا نقشہ کھینچ دیا ہے۔ جب فرعون کے ارکان مشورہ (۱۵۰) (ممبران کابینہ) نے کہا۔ کیا موسیٰ اور اس کی قوم کو اسی طرح چھوڑے رکھو گے کہ ملک میں فساد پھیلاتے رہیں (اور نہ تجھ کو مانیں' نہ تیرے دیوتاؤں کو) تجھے بھی چھوڑ دیں اور تیرے دیوتاؤں کو بھی۔ تو فرعون نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

سَنُقَتِّلُ اَبْنَاءَ هُمْ وَنَسْتَحْيِىْ نِسَاءَ هُمْ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُوْنَ (سورہ اعراف ع ۱۵)

(ان کی حقیقت کیا ہے) ہم ابھی قتل کر دیں گے ان کے لڑکوں کو اور زندہ رہنے دیں گے ان کی عورتوں کو۔ اور ہمیں ان کے اوپر پوری طرح قابو حاصل ہے۔

خیر۔ فرعون اور اس کی جماعت کے متعلق پھر بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ان پر پندرہ سولہ پشتوں سے حکمراں تھی۔ فراعنہ مصر میں یہ سولھواں (۱۵۱) فرعون تھا جس کے زمانہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان

کی دعوت کا ظہور ہوا۔ قدرتی بات تھی کہ ان کا رعب بنو اسرائیل کے رگ و پے میں رچ گیا ہو۔ لیکن اس کا کیا جواب کہ جب انہیں بنی اسرائیل سے جو اپنی آنکھوں سے فرعون کی غرقابی اور اللہ تعالیٰ کی بے پناہ قدرت اور کار سازی کا مشاہدہ کر چکے تھے جب انہیں بنو اسرائیل سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔

"اس مقدس زمین (شام) میں داخل ہو جاؤ"

اور یہ بھی اطمینان دلا دیا کہ اس سرزمین کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے۔ تو اتنی ہمت نہیں ہوئی کہ آگے بڑھ کر اس ملک میں داخل ہو جائیں اور صرف اس سے خوف کھا گئے کہ یہاں تو بڑے بڑے آدمی رہتے ہیں۔ جو بڑے طاقتور ہیں۔

اور جب ان بارہ آدمیوں میں سے (جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس ملک کے حالات کی تحقیق کے لیے بھیجا تھا) دو نے جو باحوصلہ مومن تھے جن کے دل میں خوف خدا تھا' یہ اطمینان دلایا کہ صرف تمہارے آگے بڑھنے کی دیر ہے۔

> ان پر چڑھائی کر کے دروازہ تک چلو' جیسے ہی تم دروازہ میں قدم رکھو گے اسی وقت تم غالب آ جاؤ گے اور اللہ پر بھروسہ رکھو اگر تم صاحب ایمان ہو۔ (سورہ مائدہ ع ۴)

تو ان پست ہمتوں نے قدرت خداوندی کے تمام مشاہدوں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اطمینان دہانیوں کے باوجود یہی جواب دیا کہ۔

> موسیٰ اگر یہی بات ہے (خدا پر بھروسہ کی) تو تم اور تمہارا خدا چلا جائے ان سے لڑ بھڑلیں ہم تو یہیں بیٹھے ہیں یہاں سے نہیں ٹلیں گے (مائدہ ع ۴)

آخر اس گستاخانہ جواب اور اس پست ہمتی کے بدلہ میں عتاب الٰہی نے ان کو یہ سزا دی کہ یہ ملک ان پر چالیس سال کے لیے حرام کر دیا گیا۔ یہ لوگ زمین پر بھٹکتے پھریں گے۔ (سورہ مائدہ ع ۴)

چنانچہ چالیس سال تک "جزیرہ نماء سینا" میں ٹھوکریں کھاتے رہے یہاں تک کہ موجودہ نسل کی بڑی تعداد ختم ہو گئی۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام بھی وفات پا گئے۔ نئی نسل اس آزاد فضا میں پیدا ہوئی اس کو اللہ تعالیٰ نے یہ ہمت دی کہ حضرت یوشع علیہ السلام کی زیر قیادت انہوں نے ارض مقدس پر حملہ کر کے اس کو فتح کیا اور اس سرزمین میں داخل ہوئے۔

توریت میں ہے۔

> سو تم چالیس برس تک اپنے گناہ کو اٹھاتے رہو گے تب تم میری عہد شکنی کو جان لو گے۔ میں نے جو خداوند ہوں کہا ہے میں اس سارے خبیث گروہ سے جو میری

مخالفت پر جمع ہے ایسا ہی کروں گا۔ اس دشت میں وہ برباد ہو جائیں گے اور یہیں ہلاک ہو جائیں گے۔ (گنتی باب ۱۴ آیت ۳۵)۔

بنی اسرائیل چالیس برس تک بیابان میں پھرتے رہے یہاں تک کہ وہ سارے مرد جو مصر سے نکلے تھے ہلاک ہوئے اس لیے کہ وہ خداوند کی آواز کے شنوا نہ ہوئے۔ انہیں سے خداوند نے قسم کھا کر کہا تھا کہ میں تم کو وہ زمین دکھا دوں گا جس کی بابت خداوند نے ان کے باپ دادوں سے قسم کھا کے کہا کہ میں تم کو دوں گا۔ (یشوع باب ۵۔ آیت ۶۔ ۷)

بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اگرچہ جہاد مشروع ہو گیا تھا۔ مگر بنی اسرائیل کی پست ہمتی کے باعث اس کی نوبت نہیں آئی اور مشروعیت جہاد کی دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارض مقدس پر حملہ کرنے کی ہدایت فرمائی۔ (واللہ اعلم)

جماعت صحابہ کی فضیلت اور سبق آموز کارنامے
رضی اللہ عنہم اجمعین

موضوع کتاب اور سلسلہ کلام کا تقاضا ہے کہ اس موقع پر چند کارنامے حضرات صحابہ کے بھی پیش کر دیئے جائیں۔ خروج۔ باب ۱۲۔ آیت ۱۳ کے حوالہ سے آپ نے چند صفحے پہلے یہ پڑھا تھا کہ۔

(ا) جب بنی اسرائیل مصر سے نکلے تو ان کی تعداد۔ علاوہ لڑکوں کے چھ لاکھ کے قریب تھی۔ بظاہر اس میں مبالغہ بھی نہیں ہے۔ کیونکہ توریت ہی کی روایت کے بموجب یہ چار سو تیس برس بعد مصر سے نکل رہے تھے اور ہر باپ کے اگر تین بیٹے مانے جائیں تو دسویں پشت میں صرف ایک شخص کے نسل کی تعداد ۲۹۔ ۴۹ اور گیارہویں پشت میں ۷' ۱۴' ۷۷' ۱ لاکھ ہو سکتی ہے۔ اور یہاں حضرت یعقوبؑ علیہ السلام کے بارہ بیٹے آباد ہوئے تھے اور چار سو تیس برس میں گیارہ نہیں بلکہ بائیس نسلیں ہو سکتی ہیں۔ لہٰذا چھ لاکھ کی تعداد بتقاضاء فطرت و عادت مناسب بلکہ مناسب سے بھی کم ہے۔ لیکن توریت کی روایت ہے کہ جب فرعون کو اطلاع پہونچی کہ بنو اسرائیل مصر سے فرار ہونے کے لیے شہر سے نکل گئے ہیں اور فرعون فوج لے کر ان کے تعاقب میں دوڑا۔ اور صبح ہونے سے پہلے پہلے ان کے سر پر جا پہونچا تو اس چھ لاکھ کے جم غفیر اور انبوہ کثیر کے ہوش گم ہو گئے اور یہاں تک حواس باختہ ہوئے کہ اپنے مربی اور محسن اعظم موسیٰ علیہ السلام کے ادب و احترام کو بالائے طاق رکھ دیا اور گھبرا کر کہنے لگے۔

"کیا مصر میں قبریں نہ تھیں جو تو ہم کو مرنے کے لیے بیاباں میں لے آیا ہے تو نے ہم سے یہ کیا کیا ہم کو مصر نکال سے لایا۔ کیا ہم تجھ سے مصر میں یہ بات نہ کہتے تھے کہ ہم کو رہنے دے کہ ہم مصریوں کی خدمت کریں کیونکہ ہمارے لیے مصریوں کی خدمت کرنا بیاباں میں مرنے سے بہتر ہوتا"۔ (خروج باب ۱۴۔ آیات ۱۱۔ ۱۲)۔

یہ بنو اسرائیل بھوکے ننگے نہیں تھے ان کے پاس جو کچھ مویشی اور مال و اسباب اپنا تھا۔ وہ سب ساتھ لائے تھے۔ اس کے علاوہ ان کے پاس مصری عورتوں کے زیورات اور قیمتی کپڑے بھی تھے جو ایک تہوار میں مستعار لیے تھے اور اس کو واپس نہ کر سکے تھے کہ کہیں مصریوں پر اصل حال نہ کھل جائے۔ اس کے باوجود بدحواسی کا یہ عالم تھا کہ موسیٰؑ کو بھی بھول گئے اور موسیٰ علیہ السلام کے خدا کو بھی۔

اب آیئے مٹھی بھر (حضرت انصار رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی ہمت ملاحظہ فرمایئے۔ جو اپنی معمولی کھیتی باڑی کو بھی مہاجرین میں تقسیم کر کے انہیں کی طرح بھوکے ننگے ہو گئے تھے۔ ان سے بیعت عقبہ کے وقت یہ طے ہوا تھا کہ مدینہ میں رہتے ہوئے سرور کائنات محبوب رب العالمین ﷺ کی حفاظت کریں گے۔ لیکن جنگ بدر سے پہلے جب ان کو خبر ہوتی ہے کہ مکہ والوں کا مسلح لشکر ابوجہل کی قیادت میں مدینہ کی طرف آ رہا ہے اور سرور کائنات ﷺ اور مہاجرین کا مشورہ یہ ہوتا ہے کہ آگے بڑھ کر ان کا مقابلہ کریں اور انہیں انصار سے جنہوں نے صرف مدینہ منورہ میں حفاظت کی ذمہ داری لی تھی' مشورہ کیا جاتا ہے' تو حضرات انصار کو بیعت عقبہ کی اس شرط کا خیال بھی نہیں آتا کہ ہم نے صرف مدینہ میں حفاظت کی ذمہ داری لی تھی بلکہ بڑے حوصلہ اور ہمت سے والہانہ انداز میں فرماتے ہیں۔

یارسول اللہ۔ ہم نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی ہے۔ مدینہ میں نہیں جہاں بھی آپ فرمائیں ہم قربان ہونے کے لیے تیار ہیں۔ خدا کی قسم۔ آپ حکم فرمائیں تو ہم سمندروں میں گھوڑے ڈال دیں۔

یہ ہے ہمت اور حوصلہ ان کا جن کی کل تعداد تین سو ستره تھی۔ (رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ)

ببین تفاوت رہ از کجاست تابہ کجا۔

(۲) غزوہ احزاب کے بیان میں گذر چکا ہے۔

مسلمانوں کی تعداد سے تقریباً" آٹھ گنے زیادہ مسلح ہجوم نے جس کو پورے عرب کا تعاون حاصل ہے' مدینہ منورہ کو گھیر رکھا ہے' پے در پے حملے ہو رہے ہیں' مسلمانوں کا تمام کاروبار بند ہے۔ جو کچھ اثاثہ تھا' ختم ہو چکا ہے۔ فاقہ پر فاقہ ہے۔ پیٹ پر پتھر بندھے ہوئے ہیں۔ عورتیں بچے۔ گھروں سے بے گھر قلعہ میں بند ہیں۔ رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال ہوتا ہے کہ کہیں انصار ہمت نہ ہار جائیں اس لیے آپ نے حملہ آوروں کے ایک بڑے جتھے یعنی قبیلہ غطفان کے سرداروں سے اس شرط پر معاہدہ کرنا چاہا کہ مدینہ کی پیداوار کا ایک تہائی ان کو دے دیا جائے۔ آپ ﷺ حضرات انصار کے سربراہ حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت سعد بن معاذ سے استصواب کرتے ہیں۔ آپ کو یاد ہے ان حضرات نے دربار رسالت میں

کیا عرض کیا تھا۔ ان کا ادب اور سلیقہ بھی ملاحظہ فرمایئے اور ہمت و جرات بھی۔

حضرات انصار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے یہ دونوں سردار عرض کرتے ہیں۔

یارسول اللہ۔ اگر اللہ تعالیٰ کا حکم یہی ہے تو انکار کی مجال نہیں لیکن اگر ایک رائے ہے تو نہایت ادب سے گذارش ہے کہ کفر کی حالت میں جب ہم اور وہ برابر تھے تب کسی کی ہمت نہیں ہوئی کہ ہم سے خراج یا ٹیکس کا ایک دانہ بھی وصول کر سکے اور اس وقت جب کہ آپ کے طفیل میں اسلام نے ہمارا درجہ بہت بلند کر دیا ہے کیسے ممکن ہے کہ ہم کوئی ایسی شرط منظور کر سکیں۔

حضرات انصار کی یہ اولوالعزمی ملاحظہ فرمایئے۔ پھر بنو اسرائیل کی یہ گرگراہٹ دیکھئے۔

> "موسیٰ۔ کیا یہ وہی بات نہیں ہے جو ہم نے مصر میں تجھ سے کہی تھی کہ ہم سے ہاتھ اٹھا تاکہ ہم مصریوں کی خدمت کریں کہ ہمارے لیے مصریوں کی خدمت کرنا بیاباں میں مرنے سے بہتر تھا۔ (خروج باب ۱۴۔ آیت ۱۲)۔

(۳) تین سو تیرہ کی مٹھی بھر جماعت جس کے پاس پورا سامان جنگ تو کیا ہوتا بدن پر پورے کپڑے بھی نہیں ہیں، مسلح دشمن سے جس کی بہادری کی پورے عرب میں دھاک ہے، لڑنے کے لیے بدر کے مقام پر پہونچی ہوئی ہے۔ میدان کے بہتر حصہ پر جہاں پانی بھی تھا۔ زمین بھی نرم تھی۔ دشمن قبضہ کر چکا ہے مجاہدین کو اس حصہ میں قیام کرنا پڑتا ہے جہاں پانی کا نام نہیں ہے۔ ریت اتنا ہے کہ چلنا مشکل ہے چلتے ہیں تو پیر دھنسے جاتے ہیں۔ حضرات انصار اور مہاجرین نے اس پریشانی میں کیا کیا؟ قرآن پاک میں ہے۔ اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّکُمْ "جب تم اپنے رب سے مدد مانگ رہے تھے"

اس خاموش دعا کا نتیجہ یہ ہوا کہ فرشتوں کی مدد بھی پہونچی جس سے حوصلے بلند ہوئے۔ ہمتیں بڑھیں اور دفعتہً" بے موسم بارش بھی ہو گئی جس کی وجہ سے ریت دب گیا۔ پانی مہیا ہو گیا۔ مسلمان نہا دھو کر مطمئن ہو گئے۔ اب ایک واقعہ بنو اسرائیل کا ملاحظہ فرمایئے۔

جب دریا نیل سے عبور کر کے بیابان، "سین" سے گذرتے ہوئے قیدیم پہونچے تو وہاں پینے کو پانی نہ تھا۔

> "سو لوگ موسیٰ سے جھگڑنے لگے اور کہا کہ ہم کو پانی دے کہ پئیں"۔) خروج باب ۱۷ آیت ۲)
>
> سو لوگ موسیٰ پر جھنجلائے کہ تو ہمیں مصر سے کیوں نکال لایا کہ ہمیں اور ہمارے لڑکوں اور ہمارے مواشی کو پیاس سے ہلاک کرے۔ موسیٰ نے خداوند سے فریاد کر کے کہا کہ میں ان لوگوں کا کیا کروں۔ وہ سب تو ابھی مجھے سنگسار کرنے کو تیار ہیں۔ (خروج باب ۱۷ آیت ۵۲)

بہرحال اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا اس پتھر پر اپنا

عصا مارو۔ حضرت موسیٰ کا عصا مارنا تھا کہ بارہ چشمے پھوٹ پڑے مگر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ بنو اسرائیل کی فطرت کیا تھی۔ انہوں نے کیا انداز اختیار کیا اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا انداز کیا رہا۔ یہی وہ صلاحیت اور سعادت تھی جس نے حضرات صحابہ کو کائنات کی آنکھ کا تارا بنایا۔

رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ

مشروعیتِ جہاد اور اس کی حکمت

(ا) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جہاد بھی احکام شریعت میں داخل کیا گیا۔ اس وقت اگرچہ بنی اسرائیل نے اس کی تعمیل سے پہلوتہی کی مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد دوسرے انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں بنو اسرائیل جہاد کرتے رہے بائیبل میں ان کی تفصیلات موجود ہیں۔ مگر قرآن حکیم میں وضاحت کے ساتھ اس جہاد کا تذکرہ ہے جو بنو اسرائیل نے حضرت طالوت (۱۵۲) کی زیر قیادت جالوت کی قوم سے کیا تھا جس میں آخری کامیابی کا سہرا حضرت داؤد علیہ السلام کے سر بندھا۔ پھر انہیں کو ملک عطا (۱۵۳) ہوا۔ اور انہیں کو نبوت سے نوازا گیا قرآن شریف میں اس موقع پر جس طرح مجاہدین کی چند خصوصیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے' جہاد کی حکمت اور مصلحت پر بھی روشنی ڈالی گئی۔

> "بیشک اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت تھی اور ہے کہ اگر وہ چاہتا تو فطرت انسانی اور طبیعت بشری ایسی بنا دیتا کہ اس میں خلاف و نزاع کا مادہ ہی نہ ہوتا وہ فرشتوں کی طرح سراسر خیر ہی ہوتے ان میں شر کا نام و نشان بھی نہ ہوتا۔ اور ان کو معیشت اور زندگی کی کسی ایک حالت پر ہی مجبور و مجبول کر دیا جاتا۔ لیکن اس کی حکمت کا فیصلہ یہی ہوا کہ انسان کو مجبور اور مضطر نہ بنائے اور ہر راہ میں چلنے کی قدرت دیدے۔ پس کتنے ہی ہیں جو ہدایت کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ کتنے ہی ہیں جو گمراہی کو ترجیح دیتے ہیں۔ پھر اگر قوموں میں انقلاب کی روح نہ ہوتی اور جو جماعت کسی حالت میں ہے وہ سدا اسی حالت میں چھوڑ دی جاتی۔ تو نتیجہ یہ نکلتا کہ دنیا ظلم و تشدد فتنہ اور فساد سے بھر جاتی اور حق و عدالت کا نام و نشان نہ رہتا۔ بس اللہ کا بڑا ہی فضل ہے کہ جب کوئی ایک گروہ ظلم و فساد میں منہ چھوٹ ہو جاتا ہے تو مزاحمت کے محرکات دوسرے گروہ کو مدافعت کے لیے کھڑا کر دیتے ہیں وہ اس کے اقدام کو روکتے ہیں اور اس طرح ایک قوم کا ظلم دوسری قوم کی مقاومت سے دفع ہو جاتا ہے۔

یہ ہے جہاد کا مقصد اور اس کی حکمت۔ جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر اشارہ فرمایا۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْفَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِيْنَ (سورہ بقرہ ع ۳۳)

ترجمہ! اگر دفع نہ کرواوے اللہ لوگوں کو ایک کو ایک سے تو خراب ہو جائے ملک لیکن اللہ فضل رکھتا ہے جہاں کے لوگوں پر (حضرت شاہ عبدالقادر) (اس سے بڑھ کر فضل کیا ہو گا کہ منصف مزاج امن پسندوں کو طاقت بخشتا ہے کہ وہ شرارت پسند ظالموں اور مفسدوں کا راستہ روک دیتے ہیں اور ان کے ظلم و فساد کو بڑھنے نہیں دیتے)

پس دفع مظالم نہیں بلکہ توازن قائم رکھنے کے لیے جنگ ناگزیر ہوئی چنانچہ مختلف زمانوں میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر یکے بعد دیگرے مبعوث فرمائے۔ جن لوگوں نے ان کی تعلیم قبول کی انہوں نے اس کے بموجب عبادت خانے اور قربان گاہیں بنائیں۔ مخالف طاقتوں نے ان کو ختم کر دینا چاہا اگر ان کے ماننے والوں اور تعظیم کرنے والوں میں جنگی اسپرٹ اور قوت مدافعت نہ ہوتی تو سب عبادت خانے برباد کر دیئے جاتے اور بقاء باہم کے سیکڑوں معاہدے اور امن و آشتی کے ہزاروں وظیفے بھی ان کو بربادی سے نہ بچا سکتے۔

سورہ حج کی آیت ذیل میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے۔

لَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وَّصَلَوَاتٌ وَّمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ (سورہ حج ع ٦)

اگر نہ (۱۵۴) ہوتا ہٹا دینا اللہ کا لوگوں کو بعض کو بعض کے ذریعہ تو منہدم کر دی جاتیں راہبوں کی خانقاہیں نصاریٰ کے عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے (جو اپنے اپنے زمانہ میں ہدایت کے مرکز رہے اور آخر میں) اللہ کی مسجدیں جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے وہ بھی ویران کر دی جاتیں۔ اور اللہ یقیناً" مدد کرے گا اس کی جو مدد کرے گا اس کی (اس کے دین کی)

مختصر یہ کہ بقاء باہم۔ امن و آشتی۔ مذہبی آزادی اور حریت فکر۔ بڑی اچھی چیزیں ہیں۔ انسان اور انسانیت کے بنیادی حقوق ہیں۔ مگر کسی قوم اور ملت کو یہ اسی وقت حاصل ہوتے ہیں اور اسی وقت تک باقی رہتے ہیں جب اس کی قوت دفاع مضبوط ہو۔ مقصد جہاد یہ ہے کہ اگر بنیادی حقوق سلب ہونے لگیں تو قوت کے ذریعے ان کو بحال رکھا جائے اور اگر سلب ہو چکے ہیں تو قوت کے ذریعہ ان کو زندہ کیا جائے۔

دفاع یا اقدام

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ صرف اسی کے مکلف ہیں کہ اگر آپ کے یہ بنیادی حق سلب ہونے لگیں یا سلب ہو جائیں تو آپ اسی وقت جہاد کریں۔ اگر کسی دوسری قوم کے یہ حقوق سلب کیے جا رہے ہوں یا سلب کر لیے گئے ہوں تو آپ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں اور تماشا دیکھتے رہیں۔ کلام ربانی اس دوسرے موقع پر بھی آپ کو للکارتا ہے کہ آپ اٹھیں اور ان کمزوروں کی امداد کر کے اس فتنہ عظیم سے نجات دلائیں۔ ارشاد ربانی کی شوکت ملاحظہ فرمایئے۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (الی قولہ تعالی) سورہ نساء ع ۱۰)

(اے مسلمانو!) تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں جنگ نہیں کرتے۔ حالانکہ کتنے ہی بے بس مرد ہیں کتنی ہی عورتیں ہیں کتنے ہی بچے ہیں (جو ظالموں کے ظلم سے عاجز آ کر) فریاد کر رہے ہیں۔ خدایا ہمیں اس بستی سے جہاں کے باشندوں نے ظلم پر کمر باندھ لی ہے نجات دلا اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا کارساز بنا دے اور کسی کو مدد گاری کے لیے کھڑا کر دے۔ (سورہ نساء ع ۱۰)

قرآن حکیم کی مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں لفظ (۱۵۵) "دفع" وارد ہوا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسلام صرف دفاعی جنگ کی تعلیم دیتا ہے "اقدام" فرض نہیں کرتا۔ حالانکہ بقدر استطاعت مظلوموں کی امداد فرض قرار دی گئی ہے۔ اور اسی بنا پر سورہ نساء کی اس آیت میں مسلمانوں کو للکارا جا رہا ہے کہ تم ان ظالموں سے جنگ کیوں نہیں کرتے۔

سورہ نساء کی اس آیت کا نزول اگرچہ اس وقت ہوا جب مکہ معظمہ میں کچھ ایسے بے بس اور کمزور دشمنان دین کے نرغہ میں تھے۔ لیکن ظاہر ہے مظلومیت صرف اہل مکہ کے لیے مخصوص نہیں۔ نہ اسلامی تعلیمات اور اسلامی احکام کسی مخصوص رقبہ اور مخصوص علاقہ تک محدود ہیں۔ جہاں بھی بندگان خدا مظلومیت کے فتنہ میں مبتلا ہوں گے اس آیت کا وہ مصداق ہوں گے اور ان کو ضمیر اور رائے کی آزادی دلانے کے لیے مسلمانوں پر اقدامی جہاد فرض ہو گا مگر ظاہر ہے اس اقدام کا مقصد بھی دفاع ہو گا۔ اپنے ملک سے نہیں نوع انسان کے مظلوم گروہ سے۔ اس لیے اگرچہ یہ اقدام ہے مگر قرآن حکیم اس کو "دفع" ہی قرار دیتا ہے۔ یعنی جس طرح اپنے نفس، اپنی جان، اپنے اہل و عیال کی طرف سے دفاع فرض ہے۔ جس طرح اپنی ملت اپنے ملک اور اپنے وطن کی طرف سے دفاع فرض ہے اسی طرح حق و صداقت کی طرف سے بھی دفاع فرض ہے حق و صداقت کی راہ میں جو مظلوم و بے بس ہیں ان کی طرف سے بھی

جہاد فرض ہے وہ اپنے ملک میں ہوں یا دوسرے ملک میں۔ وہ پورب میں ہوں یا پچھم میں۔ عرب میں ہوں یا عجم میں۔ یورپ میں ہوں یا ایشیا میں۔ اس نجات دہندگی کے لیے کسی قوم پر چڑھائی کرنی پڑے' کسی ملک پر اقدام کرنا پڑے سب کچھ کرنا ہو گا اور بحیثیت فرض کے کرنا ہو گا۔ کیا مسلمانوں کے لیے یہ شرم کی بات ہے ؟ کیا دنیا انصاف اور کیا کوئی بین الاقوامی عدالت اس کو ناجائز قرار دے گی اور کیا اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اسلام تلوار کے ذریعہ پھیلایا جا رہا ہے ؟ دنیا کچھ بھی کہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اسلام اس کو برداشت نہیں کرتا کہ کہیں بھی انسان کے بنیادی حقوق کسی فرقہ کی چیرہ دستی یا کسی قوم کے جبرو قہر کی نذر ہو جائیں۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ (سورہ بقرہ ع ۲۴)

اور ان لوگوں سے لڑائی جاری رکھو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین صرف اللہ کے لیے ہی ہو جائے (یعنی دین کے معاملہ میں جس کا تعلق صرف اللہ سے ہے انسان کے ظلم و تشدد کی مداخلت باقی نہ رہے)۔

سورہ انفال کے پانچویں رکوع میں یہ ہے ویکون الدین کلہ للّٰہ دین کا سارا معاملہ اللہ کے لیے ہی ہو جائے۔"

اس آیت کے چند مختصر الفاظ میں جہاد کا مقصد بھی سمجھا دیا گیا ہے اور اس کی انتہا بھی۔ یعنی جہاد اس لیے فرض ہو گا "فتنہ" باقی نہ رہے اور اس وقت تک فرض رہے گا جب تک یہ آزادی میسر نہ ہو جائے کہ ملک کے کمزور باشندے اپنی صوابدید کے بموجب مذہب اور دین اختیار کر سکیں۔

فتنہ کیا ہے

سورہ بقرہ اور سورہ انفال کی یہ دونوں آیتیں (قاتلوھم حتی لا تکون فتنہ الایۃ) چونکہ ایسے موقعہ پر آ رہی ہیں کہ سیاق و سباق میں مشرکین مکہ کا تذکرہ ہے اور مشرکین مکہ کا نمایاں فتنہ شرک تھا اس لیے مفسرین نے عام طور پر فتنہ کی تفسیر "شرک" کر دی ہے۔ مگر ظاہر ہے۔ شرک فتنہ کی ایک قسم ضرور ہے۔ مگر فتنہ کا انحصار شرک میں نہیں ہے۔ کیا کفار مکہ کا یہ ظلم فتنہ نہیں تھا کہ وہ جبرو قہر سے لوگوں کو مجبور کرتے تھے کہ جس بات کو وہ حق سمجھتے ہیں اسے حق نہ سمجھیں۔

وہ اگر حق کو حق سمجھ کر اس کو قبول کر لیں تو ان کو یہ مہلت بھی نہ دی جائے کہ وہ اپنے وطن عزیز سے نکل کر کسی پناہ گاہ میں پہونچ جائیں جہاں وہ آزادی کے ساتھ احکام حق بجا لا سکیں۔ وہ جو قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے۔ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ اور فتنہ قتل سے بھی بہت زیادہ سخت بات ہے کیا وہ صرف کفار مکہ کا شرک تھا۔ کیا راہ خدا سے روکنا۔ اہل وطن کو پاداش حق میں وطن سے نکال دینا فتنہ

فتنہ تھا تو وہ تو ہتھیار ڈالنے پر بھی موجود ہے حالانکہ کتاب اللہ کی تعلیم یہ ہے۔

فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا (سورہ نساء ع ۱۲)

پس اگر وہ تم سے کنارہ پکڑیں۔ پھر نہ لڑیں اور تمہاری طرف صلح لا دیں تو اللہ نے نہیں دی تم کو ان پر راہ (شاہ عبدالقادرؒ)

دوسرے موقع پر ارشاد ہے۔

وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا (سورہ انفال ع)

اگر وہ جھکیں صلح کو تو تو بھی جھک اسی طرف (شاہ صاحب)

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک غلام استق تھا اس کا بیان ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مجھ سے فرمایا کرتے تھے کہ مسلمان ہو جاؤ۔ میں انکار کر دیا کرتا تھا تو حضرت فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔ لا اکراہ فی الدین (دین کے معاملہ میں زور زبردستی نہیں) البتہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ استق اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو ہم تم سے مسلمانوں کے مخصوص معاملات میں بھی مدد لیں۔ (تفسیر ابن کثیر تحت قولہ تعالیٰ لا اکراہ فی الدین)

بہرحال فتنہ ایک عام چیز ہے۔ احادیث میں اس تمام خلفشار کو فتنہ فرمایا گیا ہے جو امت کے طبقات یا افراد میں واقع ہو چکا ہے یا ہونے والا ہے جس کی پیشین گوئی آنحضرت ﷺ فرما چکے ہیں۔ ایسی احادیث کے مجموعہ کے لیے حضرات محدثین "کتاب الفتن" کا عنوان اختیار کرتے ہیں۔

کتاب اللہ کی آیتیں ایک دوسری کی تفسیر کیا کرتی ہیں۔ فتنہ اور فساد کے الفاظ دو ہیں مگر مفہوم تقریباً ایک ہی ہے۔ جو آیتیں پہلے پیش کی گئی ہیں ان کا مفہوم یہ ہے کہ جنگ اس لیے ہے کہ فساد فی الارض ختم ہو۔ یہی مفہوم اس آیت میں بھی پیش کیا گیا ہے کہ جنگ اس لیے ہے کہ فتنہ ختم ہو۔ اس آیت میں یہ اضافہ ہے کہ جنگ کی حد بھی بیان کر دی گئی ہے یعنی جنگ اس وقت تک ہے جب تک فساد ختم نہ ہو۔ جب تک فتنہ باقی رہے۔

مجاہدین کی خصوصیات
جہاد شرعی اور سیاسی جنگ میں فرق

نظم و ضبط' ڈسپلن تو ہر ایک فوج کے لیے ضروری ہے اور جب تک فوجیوں میں قوت برداشت اور ہمت و جرات نہ ہو گی' مقاتلہ اور مقابلہ ناممکن ہے۔ ایک بہت بڑی چیز ایثار اور جذبہ فدائیت ہے یہ وہ ٹانک اور وہ جوہری طاقت ہے جو بسا اوقات تھوڑی جماعت کو بہت بڑے لشکر پر ظفر مند اور کامیاب کر دیتی ہے۔ دنیا کی تاریخ اس کی سیکڑوں مثالیں پیش کر سکتی ہے۔

لیکن جنگ طالوت و جالوت کے اسی بیان میں مجاہدین فی سبیل اللہ اور فدا کاران راہ خدا کی چند خصوصیتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ خصوصیات جہاد شرعی کو سیاسی جنگ اور مجاہدین برحق کو عام فوجیوں اور لشکریوں سے ممتاز کر دیتی ہیں۔ حضرت طالوت کے پختہ کار رفقاء جنہوں نے حکم طالوت کی اطاعت کرتے ہوئے۔ نہر کا پانی نہیں پیا تھا۔ اور اس طرح انہوں نے صبر و استقلال۔ ضبط و تحمل۔ اور اطاعت امیر کا ثبوت دیا تھا۔ ان کی سب سے پہلی خصوصیت جو تمام خصوصیتوں کے لیے بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے اور میدان جنگ میں ایک مجاہد حق کو واصل بالحق اور خدا رسیدہ ولی اور قطب بنا دیتی ہے۔ وہ لقاء رب کا یقین و اذعان ہے۔ مجاہد فی سبیل اللہ۔ مال و متاع کے لیے نہیں لڑتا۔ توسیع مملکت اس کے پیش نظر نہیں ہوتا۔ وہ نام آوری اور شہرت کو بھی اپنے حق میں زہر ہلاہل سمجھتا ہے۔ وہ اس لیے اپنی جان قربان کرتا ہے کہ کل کو رب العالمین اور اپنے پروردگار کے سامنے اس کو حاضر ہونا ہے جہاں اس کے ہر ایک نیک و بد کا حساب ہو گا اور اسی کے بموجب اس کی آئندہ کی غیر فانی زندگی کا نقشہ جنت کے باغوں میں یا جہنم کی وادیوں میں تیار ہو گا۔

طالوت کے یہی مٹھی بھر پختہ کار۔ ایثار شیوہ ساتھی جن کی تعداد اصحاب بدر کی طرح تین سو (۳۱۳) تیرہ تھی جن کا خصوصی وصف یہ تھا۔

(۱) يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ (سورہ بقرہ ع ۳۳) سمجھتے تھے کہ انہیں (ایک دن) اللہ کے یہاں حاضر ہونا ہے انہیں کا حوصلہ تھا کہ انہوں نے کہا تھا۔

كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (سورہ بقرہ ع ۳۳)

کتنی ہی چھوٹی جماعتیں ہیں جو بڑی جماعتوں پر غالب آ گئیں اللہ کے حکم سے اور

اللہ صبر کرنے والوں (عزم و ہمت کے ساتھ اپنے نصب العین پر جم جانے والوں) کا ساتھ ہے (سورہ بقرہ ع ۳۳)

(۲) اللہ کو مان کر اس کے ساتھی ہونے کا یقین دوسرا وصف ہے جو مجاہدین حق کو فوجی جنگجو سے ممتاز کرتا ہے۔

فَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ (سورہ بقرہ ع ۳۳)

چنانچہ جب وہ (طالوت کے ساتھی) میدان جنگ میں جالوت اور اس کے لشکر کے مقابلہ پر آئے۔ تو انہوں نے کہا۔ خدایا (تو دیکھ رہا ہے کہ ہم کمزور ہیں اور تھوڑے ہیں اور مقابلہ ان سے ہے جو طاقتور ہیں اور بہت ہیں۔ پس) ہم (صبرو استقلال کی پیاس رکھنے والوں) پر صبر کے جام انڈیل دے اور ہمارے قدم میدان جنگ میں جما دے۔ پھر (اپنے فضل و کرم سے ایسا کر) کہ ہم منکرین حق کے گروہ پر کامیاب ہو جائیں۔

طالوت کے ساتھیوں نے اپنی اس دعا میں صرف یہی نہیں کہا کہ ہمیں بخش دے بلکہ فتح مندی کی طلب سے پہلے صبرو ثبات کی طلب گاری کی اور کہا۔ ہمیں صبر دے اور ہمارے قدم جما دے۔ کیونکہ خدا کی نصرت انہیں کے حصہ میں آتی ہے جن میں صبرو ثبات کی روح کام کر رہی ہو۔ اور تمام صلاحیتیں اور ہر ایک استعداد و اہلیت مصروف عمل ہو۔ کیونکہ سچی دعا وہی ہے جو استعداد عمل کے ساتھ ہو۔

مختصر یہ کہ مجاہد اپنی نصرت و مدد کا مرکز و محور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی نصرت کو سمجھتا ہے بہتر سے بہتر سازو سامان جو اس کے پاس موجود ہونا چاہیے اس کی نظر اس سامان پر یا اپنی حکومت۔ یا حکومت کی عسکری اور فوجی طاقت پر نہیں ہوتی بلکہ اس کی نظر خدا کے فضل و کرم پر ہوتی ہے۔ اسی کی معیت اور رضا مندی پر اس کا اعتماد ہوتا ہے اور ہر وقت وہ اسی کا طالب اور خواستگار رہتا ہے یہ دوسرا وصف ہے جو مجاہد کو فوجی جنگجو سے ممتاز کرتا ہے۔

(۳) وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ (آیت مذکورہ)

پھر اپنے فضل و کرم سے ایسا کر کہ ہم منکرین حق کے گروہ پر کامیاب ہو جائیں۔

حق - کلمہ حق - دین حق - مجاہد فی سبیل اللہ کا نصب العین ہوتا ہے۔ وہ لڑنے والوں سے اس لیے لڑ رہا ہے کہ وہ منکرین حق ہیں۔ وہ حق و صداقت اور دین حق کے مقابلہ پر نبرد آزما ہیں۔ یہ لڑنے والوں سے اس لیے نہیں لڑتا کہ ان کے پاس ملک ہے۔ وہ حکومت کے مالک ہیں۔ یا یہ کہ ان کے پاس زیادہ

دولت ہے یا وہ بڑے پونجی پتی اور سرمایہ دار ہیں۔ بلکہ اس لیے لڑتا ہے کہ وہ کافر ہیں حق کے منکر ہیں۔ وہ اپنی طاقت و قوت حق کو پست اور دین حق کو ذلیل کرنے میں صرف کر رہے ہیں۔ یہ اس لیے لڑتا ہے کہ دین حق سربلند ہو۔ ظلم کے قلعے مسمار ہوں اور انصاف کا جھنڈا بلند ہو۔ فتنہ پرور مفسدین کے جتھے ٹوٹیں۔ امن و سکون اور رشد و ھدیٰ کے پرچم لہرائیں۔ کلمتہ اللہ بلند ہو۔

مجاہد دست قدرت کا آلہ کار ہوتا ہے

اب آپ ان آیتوں پر دوبارہ نظر ڈالیے جن میں جنگ کی مصلحت بیان کی گئی تھی کہ "اگر اللہ کچھ لوگوں کو دوسرے لوگوں کے ذریعہ ہٹاتا نہ رہتا تو ملک برباد ہو جاتا"
ملک کو بربادی سے بچانا منشاء خداوندی ہے۔ یہ مجاہد فی سبیل اللہ اس منشاء کو پورا کر رہا ہے یعنی بقول حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ' العزیز' دست قدرت کا آلہ کار بن رہا ہے (ملاحظہ ہو عہد زریں ص ۱۶۸ تا ص ۱۷۰)

دعوت اسلام کا پس منظر
غزوات و سرایا کے تاریخی اور قانونی اسباب

جنگ اور جہاد کی بحث طویل ہو گئی۔ اب آپ اصل موضوع کی طرف رجوع فرمایئے
(ا) مان لیجئے اللہ والوں کی ایک کالونی تمام دنیا سے الگ تھلگ پہاڑوں کے بیچ میں کسی ایسی جگہ قائم ہوئی جہاں دنیاوی ترغیبات کی کوئی چیز نہیں تھی۔
نہ کوئی دریا تھا' نہ کوئی نہر تھی' نہ سبزہ تھا' نہ درختوں کی قطاریں تھیں' نہ وہاں کی ہوائیں ٹھنڈی تھیں نہ وہاں کوئی خوبصورت منظر تھا۔ جھلسے ہوئے کالے کالے پہاڑ تھے' نیچے کنکریلا میدان اور زیادہ تر ریتلا میدان' جو دوپہر کے وقت تنور کی طرح تپتا تھا۔ ہوائیں گرم' سموم زہر آلود۔ اور سموم کے جھونکے اتنے سخت کہ ریت کے تودوں کو جہاں سے چاہیں اٹھائیں اور جہاں چاہیں انکا انبار لگا دیں۔ خواہ ان میں کوئی آدمی دب جائے خواہ اونٹ جیسے ڈیل ڈول کا جانور۔
اللہ والوں نے دنیا کی تمام راحت و آسائش' تمام زینت و رونق اور اس کی تمام دلچسپیاں دنیا والوں کے لیے چھوڑیں اور سب سے رخصت ہو کر اس بے آب و گیاہ' تپتے ہوئے جھلسے میدان میں ڈیرہ ڈال دیا۔ صرف ایک چھوٹا سا چشمہ ان کا سہارا تھا۔ خوراک کے لیے شکاری جانور تھے یا وہ جو اور کھجور جو کئی کئی میل سے ان کو لانے پڑتے تھے۔ یہاں ایک نشان پرانی عبادت گاہ کا تھا۔ یہیں کچھ الٹے سیدھے پتھر

رکھ کر دیواریں کھڑی کیں اور یاد خدا میں مصروف ہو گئے۔ صرف خدا واحد کی یاد۔ صرف ایک ذات واحد کی عبادت۔ وہ ذات واحد جس کا کوئی ساجھی نہیں' نہ اس کی صفات میں کوئی شریک نہ اس کی ذات میں اس کا کوئی ہمسر۔ وہی ان کا معبود تھا اور صرف اسی ایک معبود کے یہ پرستار تھے۔ متعدد خدا ان کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں تھے۔ دیوی اور دیوتاؤں کے تصور سے ان کا ذہن و دماغ پاک تھا۔ خدا جانے دس بیس یا پچاس پشتیں اسی طرح گذریں یہی اللہ والے یا ان کی اولاد یہاں رہتی تھی۔

پھر ایسا ہوا کہ ان کی اولاد جو کاروبار کے سلسلہ میں باہر جانے لگی تھی اس کو باہر کی ہوا لگی۔ اس نے اپنے بزرگوں کے راستہ سے ہٹنا شروع کیا۔ ان کو باہر کے شرارت پسند لوگوں کا تعاون بھی حاصل ہوا۔ ان کے خیالات اور عقائد میں بھی فرق آ گیا یہاں تک کہ انہوں نے ایک ایسا مذہب بنا ڈالا جو ان بزرگوں کے مذہب کے برعکس تھا جنہوں نے یہ آبادی قائم کی تھی۔ جنہوں نے اس سرزمین کو آباد کیا تھا۔ جنہوں نے یہاں اپنے لیے اور اپنے ہم عقیدہ خدا پرستوں کے لیے ایک عبادت خانہ بنایا تھا۔ رفتہ رفتہ اس نئے مذہب والوں کا پورا تسلط ہو گیا' بزرگوں کا صرف نام باقی رہ گیا۔ ان کے راستہ پر چلنے والا ایک فرد بھی نہیں رہا۔ انہوں نے اس نئے مذہب کا کچھ ایسا ڈھنگ ڈالا کہ وہ مذہب ان کی آمدنی اور نہ صرف آمدنی بلکہ دولت مندی کا ذریعہ بھی بن گیا۔ اس سے ان کے اقتدار کو چار چاند لگے۔

پھر ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص پیدا ہوتا ہے' وہ اس شہر اور اس عبادت خانہ کے بانیوں کا صحیح مذہب معلوم کر لیتا ہے۔ وہ اس شہر یا اس آبادی والوں کو ان کے بزرگوں یعنی اس آبادی اور اس عبادت خانہ کے بانیوں کا صحیح طریقہ یاد دلاتا ہے۔

اس شہر کے موجودہ باشندے اور ان کے رہنما ان بزرگوں کو مانتے ہیں۔ یہ بھی مانتے ہیں کہ اس شہر اور عبادت خانہ کے بانی وہی تھے۔ یہ بھی مانتے ہیں کہ ان کا مذہب وہ تھا جو یہ مصلح بتا رہا ہے۔ یہ بھی مانتے ہیں کہ ہمارے بہت سے طریقے بہت غلط ہیں۔ لیکن ان تمام باتوں کو تسلیم کرنے کے باوجود وہ اس ہادی اور مصلح کی دعوت قبول نہیں کرتے۔ مصلح زیادہ اصرار کرتا ہے تو وہ اس کے در پے ہو جاتے ہیں۔ اس کو اور اس کے گنے چنے ساتھیوں کو طرح طرح ستاتے ہیں۔ مارتے ہیں' پیٹتے ہیں' ان کا بائیکاٹ کر دیتے ہیں' ان کی زندگی دوبھر کر دیتے ہیں انتہا یہ کہ کچھ ان میں سے وطن چھوڑ کر جان بچانے پر مجبور ہو جاتے ہیں مگر ان کی زیادتیاں پھر بھی بڑھتی ہی رہتی ہیں' حتیٰ کہ وہ مصلح کو قتل کر دینے کا منصوبہ بناتے ہیں۔ مصلح کو اپنی جان کی فکر نہیں ہوتی اس کو اس دعوت کی فکر ہوتی ہے کہ اگر وہ ختم ہو جائے گا تو یہ دعوت ختم ہو جائے گی جس میں سراسر انہیں کا فائدہ ہے جو در پے قتل ہیں' جو اس کے خون کے پیاسے بنے ہوئے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اگر یہ مصلح یقین رکھتا ہے کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے وہ صحیح اور حق ہے اور یہ کہ اس

شہر کے باشندوں کا اور اس تمام مخلوق کا جو ان سے وابستہ ہے' فائدہ اسی میں ہے جو یہ مصلح کہہ رہا ہے اس کو مانا جائے اور اس پر عمل کیا جائے' ورنہ یہ پوری قوم تباہ و برباد ہو جائے گی' اس کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہے گا۔ پھر اس مصلح کو اپنی قوم سے محبت ہی نہیں بلکہ عشق ہے۔ وہ اپنی جان تباہ کر سکتا ہے مگر اس کو برداشت نہیں کر سکتا کہ اس کی قوم تباہ ہو' پھر اگر اس کا یقین یہ بھی ہو کہ اس قوم کی تباہی صرف اس کی تباہی نہیں ہو گی بلکہ پورے عالم انسانیت کی تباہی ہو گی' اگر وہ مصلح اور جو اس کے ساتھ ہوئے ہیں یہ یقین رکھتے ہیں تو ان کا فرض کیا ہے۔ یہ غلط کار خائن و غاصب جو انہیں بزرگوں کے نام پر جو اس شہر اور اس عبادت خانہ کے بانی تھے اپنا اقتدار جمائے ہوئے ہیں' انہیں کے نام پر پورے ملک میں اپنی قیادت و سیادت تسلیم کراتے ہیں انہیں کے نام پر عوام سے دولت سمیٹتے ہیں۔ لیکن ان کے تمام طریقے ان بزرگوں کے خلاف ہیں۔ جس مقصد سے یہ عبادت خانہ قائم کیا گیا تھا جس غرض سے یہ شہر آباد کیا گیا تھا۔ جس بنیاد پر ان کو سیادت و قیادت کا حق پہونچتا ہے۔ یہ ان سب کو پامال کر رہے ہیں۔ کیا یہ درست ہو گا کہ یہ خائن اور غاصب من مانی کرتے رہیں اور حضرت مصلح اور ان کے مقدس رفقاء خاموش تماشہ دیکھتے رہیں۔ یا ان کا فرض ہو گا کہ اس شہر اور اس خانہ خدا کو ان غاصبوں کے پنجہ سے آزاد کرائیں؟ کیا صرف نصیحت کر دینے اور سچی باتیں سنا دینے پر ان کا کام ختم ہو جائے گا؟ یا اصلاح اور حق پرستی کے سچے جذبات کا فیصلہ یہ ہو گا کہ اس خانہ خدا کو اس کا اصل مقام دلانے اور آباد کاری شہر کے اصل مقصد کو بروئے کار لانے کے لیے جان کی بازی لگا دیں اور اس نصب العین کے لیے اپنی تمام صلاحیتیں قربان کر دیں۔

یا تن رسد بجاناں یا جاں زتن بر آید

کعبہ کیا ہے ——— آبادی مکہ کا مقصد

سابق نمبروں میں ایک مثال پیش کی گئی تھی وہ ایک خواب تھی۔ اب اس کی تعبیر ملاحظہ فرمایئے۔

خدا کے پاک اور برگزیدہ بندے سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جو عراق۔ مصر اور شام کے سرسبز اور شاداب علاقوں میں حیات عزیز کی تقریباً" نوے یا اس سے بھی زیادہ بہاریں گذار چکے تھے وہ اپنے ننھے منھے لخت جگر اور اس کی ماں کو لے کر چلتے ہیں اور ان کو ایک سنساں وادی میں لیجا کر بٹھا دیتے ہیں یہ وادی۔ دنیا کی تمام زیب و زینت سے محروم ہے۔ رونق سے ناآشنا' قطعاً" غیر آباد۔ اس کا منظر بھیانک سب طرف جھلسی ہوئی پہاڑیاں سرسبزی اور شادابی کا نام نہیں۔ آب و ہوا گرم۔ نہ کوئی چشمہ نہ دریا۔ نہ آس پاس کوئی کنواں۔ کبھی ایسی بارش ہو کہ یہ پوری وادی جھیل بن جائے اور کبھی کئی کئی سال گذر جائیں اور بارش کی ایک بوند نہ ٹپکے۔

اس سے بڑھ کر نفس کشی خلوت نشینی۔ دنیا سے کنارہ کشی' دنیاوی دلچسپیوں اور دنیا داروں کے دھندوں سے بے تعلقی کیا ہو سکتی ہے اور کون سا ترک اور تیاگ ہے۔ جس کا درجہ اس سے اونچا مانا جائے۔ کھانے پینے کا کوئی مستقل انتظام تو کیا ہوتا سر چھپانے کے لیے جھونپڑی بھی نہیں بنائی گئی۔ صرف ایک درخت ہے جس کے نیچے یہ بیٹھ گئے ہیں' یہی رین بسیرا ہے اور یہی راحت کدہ اور آرام گاہ۔ یہ شہر مکہ کی بنیاد کی سب سے پہلی اینٹ ہے۔

مقصد

اس طرح اس مقام پر آباد کر دینے کا مقصد کیا ہے۔

خود آباد کرنے والے کا اقراری وثیقہ ملاحظہ فرمائیے۔ جس کے الفاظ کتاب اللہ نے اس طرح قلم بند فرمائے ہیں۔

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ (سورہ ابراھیم ع ٦)

اے ہمارے رب۔ میں نے اپنی کچھ اولاد وادی غیر ذرع میں ٹھیرا دی ہے۔ تیرے واجب الاحترام "بیت" کے پاس تاکہ وہ نماز قائم کریں۔

قربان جائیے قرآن پاک کی معجزانہ بلاغت کے۔ اس مقام کو "وادی غیر ذی زرع" سے تعبیر کیا ہے۔ وادی' پہاڑوں کے بیچ کا وہ میدان جہاں سیلاب کا پانی گذرتا ہے۔ غیر ذی زرع۔ یعنی اس میں نہ کاشت ہوتی ہے' نہ قابل کاشت ہے۔ ایسا میدان اسی کی ملک ہوتا ہے جو اس کو آباد کرے۔ حکومتیں' آبادیاں برباد کر کے شہر آباد کیا کرتی ہیں۔ سیکڑوں ہزاروں کھیت' باغ اور باغیچے ایک شہر کی آباد کاری کی نذر ہو جاتے ہیں۔ کسی کی قیمت ادا کی جاتی ہے اور کسی پر جابرانہ قبضہ کر لیا جاتا ہے۔ لیکن غیر آباد اور غیر مزروع علاقہ کسی کی ملک بھی نہیں ہوتا' اس کے آباد کرنے میں کسی کو شکایت تو کیا ہوتی تعمیر و ترقی کا ہر ایک حامی اس کا شکر گذار ہوتا ہے۔ حکومتیں ایسے آباد کاروں کی ممنون ہوا کرتی ہیں ان کو خاص خاص رعایتیں دی جاتی ہیں۔ حضرت ابراہیم اور ان کے جانشیں نے (علیہم السلام) اس وادی پر قبضہ کیا تو وہ یقیناً" جائز اور صحیح قبضہ تھا۔ عند بیتک المحرم

ہاں ایک پڑوس یہاں ضرور تھا مگر وہ پڑوس اسی کا تھا جس کی یہ وادی تھی۔ جس نے اپنے تشریعی قانون کے ذریعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حق دیا تھا کہ یہاں گھر بسائیں۔ شہر آباد کریں۔

وہی مالک ارض و سماء جو رب العالمین ہے اسی کا یہاں گھر تھا۔ جس کی بنیاد حضرت آدم علیہ السلام

نے ڈالی تھی' اس کے پڑوس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی ذریت کو آباد کیا تاکہ نماز قائم رکھیں' یعنی اس خاص ضابطہ اور قاعدہ سے (جو اس وقت نماز کا ہو گا) یاد خدا میں مصروف رہیں لیقیموا الصلوۃ

آبادکاری کے لیے متوکلانہ پروپیگنڈہ

اچھا یہ تو ایک عورت اور اس کا ایک بچہ ہے۔ کیا تنہا ہی رہیں گے۔ اگر تنہا رہے تو کچھ دنوں بعد ختم ہو جائیں گے۔ کیا ان کو ختم کرنے کے لیے ہی یہاں ٹھہرایا گیا ہے "اگر مقصد ختم کر دینا ہے تو یہ ایک قاتلانہ اقدام ہے اور اگر ہر شخص ایسا اقدام کرے کہ اپنی بیوی اور ننھے بچے کو ویران جنگل اور لق و دق میدان میں ڈال آیا کرے تو حضرت ابراہیم کا یہ عمل نسل کشی کا ایک سبق ہو گا۔ معاذ اللہ۔

لیکن اگر اس عورت اور بچہ کو بڑھانا ہے اور آباد کاری کا جو بیج بویا گیا ہے اس کو بار آور بنانا ہے تو پھر اس کا پروپیگنڈا ہونا چاہیے کہ یہاں 'آبادی شروع کی گئی ہے' لوگ یہاں آئیں' مگر پروپیگنڈے کے لیے کس ایجنسی کی خدمات حاصل کی جائیں ؟

اچھا جس کا یہاں گھر ہے۔ اسی سے کہو!

فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْ اِلَیْهِمْ (سورہ ابراہیم ع ۶)

(اے ہمارے رب) لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے)

مگر جو لوگ یہاں آئیں گے ان کی غذا کا مسئلہ کس طرح حل ہو گا' نہ اس وقت یہاں غلہ ہوتا ہے نہ یہ زمین اس قابل ہے کہ یہاں کاشت ہو سکے۔ کھجور کے درخت بھی یہاں نہیں ہوتے۔ آس پاس کوئی بازار اور منڈی بھی نہیں ہے جہاں سے غلہ آ سکے۔

اچھا۔ جس نے یہاں اپنا "بیت" بنا رکھا ہے یہ مسئلہ اس کے سامنے رکھنا چاہیے مگر درخواست پیش کرنے سے پہلے یہ تحقیق کر لینی چاہیے کہ "قوت لایموت" یعنی ایسی کوئی غذا جس سے ایک تارک دنیا خدا پرست کی زندگی باقی رہ سکے یہاں موجود ہے یا نہیں۔ پھر اسی کی درخواست کرنی چاہیے جس کی ضرورت ہو جس کا یہاں میسر آنا ناممکن ہو۔

ہاں ایک چیز یہاں موجود ہے۔ شکار۔ اور ایک عجیب بات قدرت نے یہاں کی آب و ہوا میں رکھی ہے کہ اگرچہ یہ علاقہ گرم ہے مگر گوشت یہاں خوب ہضم (۱۵۸) ہو جاتا ہے۔ گویا یہاں کی آب و ہوا کے لیے سب سے بہتر غذا گوشت ہے (۱۵۹)۔

اس غذا کے فراہم کرنے کے لیے تیر اندازی کی مشق ہونی چاہیے۔ اگر یہ بچہ تیر انداز (۱۶۰) ہو گیا تو بھوکا کبھی نہیں رہ سکتا۔ نہ اس کے بچے بھوکے رہ سکتے ہیں۔

البتہ ایک عبادت گذار کی لطیف زندگی کے لیے "بدرقہ" کی ضرورت ہے۔ اگر کچھ پھل یہاں مل جایا کریں تو "بدرقہ" میسر آ سکتا ہے۔ لہٰذا یہی درخواست کرنا چاہیے۔

وَ ارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ (سورہ ابراہیم)
ان کو کچھ پھلوں کا رزق عطا فرما دے امید ہے کہ وہ (یہاں کے باشندے) تیرے شکر گذار رہیں گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو یہ شرط لگا دی تھی مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ (سورہ بقرہ ع ۱۵) یعنی اہل مکہ میں سے ان کو پھلوں کا رزق عطا فرما جو ان میں سے اللہ اور آخرت پر ایمان رکھے مگر وہ رب الیست جو رب العالمین ہے اس نے یہ شرط تسلیم نہیں کی کیونکہ یہ دنیا اور اس دنیا کی نعمتیں سب کے لیے ہیں۔ یہاں مومن و کافر کا فرق نہیں ہے۔ فرق یہ ہو گا کہ اہل کفر کے لیے یہ نعمتیں اسی دنیا فانی کی چند روزہ زندگی کے لیے ہوں گی۔ پھر ان کے لیے دوزخ کا عذاب ہو گا اور اہل ایمان کو جس طرح دنیا میں یہ نعمتیں میسر آئیں گی آخرت میں بھی ان کے لیے مخصوص ہوں گی (۲۱)

حفاظت

سکونت۔ پڑوس۔ اور رزق۔ سب بیکار ہیں۔ اگر حفاظت کا انتظام نہ ہو۔ یہ تمام دنیا سے الگ تھلگ آبادی اگرچہ بعد میں ""ام القریٰ" ہو گئی۔ لیکن اس وقت تو قطعاً" غیر محفوظ تھی۔ اندرون آبادی نہ کوئی پولیس تھی نہ تھانہ تھا نہ بیرونی حملہ کی مدافعت کا کوئی انتظام تھا ایک ماں اور اس کا ایک بچہ' یہی کل کائنات تھی۔

مگر جس بیت کے پڑوس میں اس بچہ اور ماں کو آباد کیا گیا ہے۔ اس کا محافظ کون ہے ؟ جو اس بیت کا مالک اور رب ہے۔ اسی سے پڑوسیوں اور رزق کی درخواست کی گئی ہے۔ اسی سے یہ درخواست بھی کرنی چاہیے۔

رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا (سورہ بقرہ ع ۱۵) اے رب اس کو امن و امان کا شہر بنا دے

حرم

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا قبول ہوئی تو آپ نے خانہ کعبہ یا اس کے پڑوس تک امن کو محدود نہیں رکھا۔ بلکہ کئی کئی میل تک اس کی حدود پھیلا دیں کہ یہ سارا علاقہ حرم ہے۔ آج کل کی اصطلاح میں یہ شہر اور یہ علاقہ کھلا ہوا علاقہ ہے جس پر حملہ نہیں کیا جا سکتا۔ نہ یہاں قتل و خون کیا جا سکتا ہے۔

اس علاقہ میں کوئی شکاری جانور خود سے داخل ہو جائے تو اس کا شکار کرنا حرام اور کوئی پکڑ کر لے جائے تو اس پر لازم ہے کہ جیسے ہی وہ اس حرم میں داخل ہو اس کو چھوڑ دے۔

دو پارٹیاں، دو فوجیں، اگر کہیں برسرپیکار ہیں اگر وہ حرم میں داخل ہوں تو یہاں ہتھیار رکھ دیں۔ جب تک حدود حرم میں ہیں وہ جنگ نہیں کر سکتیں۔

مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا (سورہ آل عمران ع ۱۰) جو اس کے اندر آیا امن میں آگیا۔

شہر مکہ کی آبادی کا مقصد

وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا الآیہ (سورہ ابراھیم رکوع ٦)۔

(اور یاد کرو) جب ایسا ہوا تھا کہ ابراہیم (علیہ السلام) نے دعا مانگی۔ اے میرے پروردگار اس شہر کو امن والا شہر بنا دے اور بچا مجھ کو اور میری اولاد کو اس سے کہ ہم بتوں کی پوجا کرنے لگیں۔ پروردگار! ان بتوں نے بہت سے آدمیوں کو راہ حق سے بھٹکا دیا ہے۔ پس جو کوئی میری راہ چلا وہ میرا ہے اور جس نے میرا کہا نہ مانا۔ اس سے میرا تعلق نہیں۔ بیشک تو غفور رحیم ہے۔

اے ہم سب کے پروردگار۔ میں نے بسائی ہے ایک، اولاد ایسے میدان میں جہاں کھیتی کا نام و نشان نہیں ہے تیرے ادب والے گھر کے پاس (تیرے واجب الاحترام بیت کے قریب) اور خدایا اس لیے بسائی ہے کہ قائم رکھیں۔ نماز۔ پس تو اپنے فضل و کرم سے ایسا کر کہ کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل ہو جائیں اور روزی دے ان کو میووں (۱۶۲) سے۔ امید ہے کہ یہ لوگ شکر گذار ہوں گے۔

کعبہ

اچھا یہ بیت۔ جس کا یہ احترام اور یہ شان ہے۔ یہ کیا ہے۔ یہ کب بنا کیوں بنا، اس کا مقصد کیا ہے۔ اس کی خصوصیتیں کیا ہیں۔ اور اس کے متعلق انسانوں کا فرض کیا ہے۔ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) جو یہاں آبادی بسا رہے ہیں انہیں کیا کرنا چاہیے۔ (علیہ وعلی نبینا الصلوۃ والسلام)

کب بنا

اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ (سورہ آل عمران ع ۱۰) سب سے پہلا گھر جو بنایا گیا۔

کیوں بنا

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ ۔ (سول آل عمران ع ۱۰) سب سے پہلا گھر جو بنایا گیا تمام انسانوں کے لیے۔

مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا (سورہ بقرہ ع ۱۵)

مقام رجوع تمام انسانوں کے لیے (جہاں لوگ بار بار آئیں اور جی نہ بھرے) اور مقام امن۔

مُبَارَكًا وَّهُدًى لِّلْعَالَمِيْنَ ۔(سورہ آل عمران ع ۱۰)

سب کے لیے برکت والا سارے جہانوں کے لیے رہنما۔

مقصد اور خصوصیتیں

وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى وَ عَهِدْنَا اِلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِيْنَ وَ الْعَاكِفِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ (سورہ بقرہ ع ۱۵)

اور جب ٹھیرایا (مقرر کر دیا) ہم نے اس بیت کو مرکز اجتماع۔ تمام انسانوں کے لیے (جہاں عرب عجم کالے گورے اونچ نیچ سب کا اجتماع ہو) اور سب کے لیے پناہ ہو اور حکم دیا کہ ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ (ہمیشہ کے لیے) نماز کی جگہ بنا لو اور ہم نے ابراہیم و اسماعیل کو حکم دیا تھا کہ میرے نام پر جو گھر بنایا گیا ہے اسے طواف کرنے والوں عبادت کے لیے ٹھیرنے والوں اور رکوع سجود کرنے والوں کے لیے (ہمیشہ) پاک رکھنا۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَّ هُدًى لِّلْعَالَمِيْنَ فِيْهِ اٰيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ وَ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا (سورہ آل عمران ع ۱۰)

بلاشبہ پہلا گھر جو انسانوں کے لیے (خدا پرستی کا معبود مرکز) بنایا گیا۔ وہ یہی

(عبادت گاہ) ہے جو مکہ میں ہے۔ برکت والا اور تمام انسانوں کے لیے ہدایت کا سرچشمہ۔ اس میں (دین حق کی) روشن نشانیاں ہیں (ازانجملہ) مقام ابراہیم ہے (ازانجملہ یہ بات ہے) کہ جو کوئی اس (کے حدود) میں داخل ہوا۔ وہ امن میں آگیا (ازانجملہ) اللہ کی طرف سے لوگوں کے لیے یہ بات ضروری ہوگئی کہ اگر اس تک پہونچنے کی استطاعت پائیں تو اس گھر کا حج کریں۔

جَعَلَ اللّٰہُ الْکَعْبَۃَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیَامًا لِّلنَّاسِ وَالشَّھْرَ الْحَرَامَ وَالْھَدْیَ وَالْقَلَائِدَ (سورہ مائدہ ع ۱۳)

اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو یعنی اس خانہ خدا کو جو واجب الاحترام ہے "قیاما" للناس" بتایا ہے۔ انسانوں کے باقی رہنے کا مدار (کسی ایک قوم یا فرقہ یا کسی ایک ملک یا نسل نہیں بلکہ تمام انسانوں کے بقاء کا مدار ہے کہ جب یہ ختم کر دیا جائے گا تو نص حدیث کے بموجب اس کے بعد قیامت آ جائے گی) جس سے لوگوں کا امن اور ان کی جمعیت قائم ہے اور جس طرح خانہ کعبہ لوگوں کی حفاظت نگہداشت کا ذریعہ ہے کہ جو یہاں پہونچ جاتا ہے محفوظ ہو جاتا ہے اسی طرح اشہر حرم بھی ذریعہ حفاظت ہیں کہ ان مہینوں میں قتل و قتال لوگ نہیں کیا کرتے تھے ایسے ہی حج کی قربانی کو اور قربانی کے ان جانوروں کو جن کی گردنوں میں علامت کے لیے پٹے ڈال دیتے ہیں جن کی وجہ سے وہ بھی محفوظ رہتے ہیں اور ان کے قافلے بھی۔ پس کعبہ کی اور کعبہ کی ان تمام رسوم و آداب کی حرمت قائم رکھو

وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِیْ جَعَلْنَاہُ لِلنَّاسِ سَوَاءَنِالْعَاکِفُ فِیْہِ وَالْبَادِ وَمَنْ یُّرِدْ فِیْہِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْہُ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ (سورہ حج ع ۳)

وہ صاحب احترام مسجد جس کو بلا امتیاز تمام انسانوں کے لیے عبادت گاہ ٹھہرا دیا ہے۔ خواہ وہیں کا رہنے والا ہو یا باہر سے آنے والا (اس میں سب برابر ہیں) اور جو کوئی بھی اس کے اندر از راہ ظلم حق سے منحرف ہونا چاہے گا (بے دینی کا ارادہ کرے گا) ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے۔

مختصر یہ کہ

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے مکہ معظمہ کی بنیاد رکھی۔ یہ شہر اس لیے بسایا گیا تھا کہ خدا واحد کے عبادت گذاروں کا ایک ایسا مرکز قائم ہو جائے جہاں امن و امان رہے اور وحدہ لا شریک لہ کے پرستار وہاں نماز قائم کر سکیں یعنی اطمینان سے خدا واحد کی عبادت کر سکیں۔

کعبہ

کسی ایک برادری۔ قوم۔ یا کسی ایک نسل کا نہیں بلکہ پوری نوع انسان کے لیے مرکز اجتماع ہے' پناہ گاہ۔ صاحب برکت ہے سارے جہانوں کے لیے رہنما ہے' قیاما" للناس ہے دنیا کے کسی بھی حصہ کا کوئی رہنے والا ہو اس مرکز اجتماع اور خدا پرستوں کی اس پناہ گاہ میں اس کا وہی حصہ ہے' وہی حق ہے جو خود یہاں کے باشندہ کا حق ہے جو رات دن اس کی خدمت کرتے ہیں اسی کی ڈیوڑھی پر پڑے رہتے ہیں اسی کی دیواروں کے سایہ میں رات دن گذارتے ہیں۔ وہ اور باہر سے آنیوالے یہاں سب برابر ہیں۔

مکہ معظمہ اور خانہ کعبہ کے متعلق مشرکین عرب کے عقائد و جذبات

مکہ معظمہ اور خانہ کعبہ کے متعلق ہم نے صرف قرآن حکیم کی آیتیں پیش کی ہیں اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک طویل روایت کی روشنی میں (جس کا ماخذ بخاری شریف ہے) ہم نے ان آیتوں کی وضاحت کی ہے۔ مگر یہ صرف قرآن حکیم کے تعلیم فرمودہ عقائد نہیں ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مشرکین عرب کے مسلمات ہیں اور جیسا کہ فرقان حمید کا عام اسلوب ہے کہ وہ مشاہدات سے یا ان حقائق سے استدلال کرتا ہے جو فریق مخاطب کے عقیدہ کے مطابق اور تسلیم شدہ ہوتے ہیں۔ اس نے مکہ معظمہ یا خانہ کعبہ کے متعلق بھی جو باتیں بیان کی ہیں وہ مشرکین مکہ کے نزدیک تسلیم شدہ تھیں۔ وہ ان کو صرف مانتے ہی نہیں تھے بلکہ تقریروں' تحریروں خطبات اور قصائد و اشعار میں بڑے فخر سے ان کا پروپیگنڈا کیا کرتے تھے۔

مشرکین عرب کے بچہ بچہ کا عقیدہ تھا کہ خانہ کعبہ بیت اللہ ہے شہر مکہ کے بانی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام جن کی نسبت سے یہ اپنے آپ کو بنو اسمٰعیل کہا کرتے تھے۔ ذبیح اللہ ہیں۔

اصحاب فیل کا واقعہ جو اسی سال پیش آیا تھا جس سال کائنات ارضی سرور کائنات سید الانبیاء ﷺ کے ظہور قدسی سے پرنور ہوئی تھی۔ جس سے قریش کی عظمت کو چار چاند لگے تھے۔ اس موقع پر اصحاب فیل کے مقابلہ میں قریش نے جو تدبیر کی جس کو اپنا آخری چارہ کار سمجھا وہ ان کے عقائد کے متعلق بہت بڑی شہادت ہے اس سے ان کے جذبات کی صحیح تصویر سامنے آ جاتی ہے۔

مشہور واقعہ ہے جس کو تمام ہی مورخین نے بلا اختلاف نقل کیا ہے کہ جب عبدالمطلب ابرہہ کے پاس پہونچے اور انہوں نے ابرہہ سے اپنے اونٹوں کی واپسی کا مطالبہ کیا جس پر ابرہہ نے بڑے تعجب سے کہا کہ میں تو سمجھتا تھا کہ تم خانہ کعبہ کے متعلق کوئی سفارش کرو گے تم نے صرف اپنے اونٹوں کی واپسی کا

مطالبہ کیا خانہ کعبہ کے متعلق کچھ بھی نہیں کہا تو عبدالمطلب نے برجستہ جواب دیا تھا۔ اونٹوں کا مالک میں ہوں۔ اس لیے میں نے ان کا مطالبہ کیا باقی خانہ کعبہ جس کا ہے وہ خود اس کی حفاظت کرے گا۔

خواجہ عبدالمطلب ابرہہ کو یہ جواب دے کر واپس آئے۔ قریش کو ہدایت کی کہ شہر خالی کر کے پہاڑوں پر پہونچ جائیں اور جب خود روانہ ہونے لگے تو در کعبہ پر آئے اور حلقہ باب کو پکڑ کر یہ مناجات کی۔

(۱) لاهم ان العبد يمنع رحله فامنع حلالك
(۲) لا يغلبن صليبهم - ومحالهم غدوا محالك
(۳) ان كنت تاركهم وقبلتنا فامرما بدالك

یہ تین اشعار ابن ہشام نے نقل کیے ہیں۔ ان کے علاوہ یہ دو اشعار بھی مروی ہیں۔

جروا جموع جموعهم - والفيل كي يسبو عيالك
عمدوا حماك بكيدهم جهلا وما رقبوا جلالك

ترجمہ! (۱) کوئی فکر نہیں ایک غلام اپنے کجاوہ کی حفاظت کرتا ہے۔ پس (خداوند) تو ان کی حفاظت کر جو تیرے بیت کے پڑوسی اور مجاور ہیں۔

(۲) ایسا ہرگز نہ ہو کہ ان کی صلیب؟ اور ان کا مکرو فریب کل کو تیری تدبیر پر غالب آ جائے۔

(۳) اگر میں ان کو (ابرہہ اور اس کے لشکر کو) چھوڑ رہا ہوں اور یہ جو ہمارا قبلہ ہے اس سے رخصت ہو رہا ہوں (یہ تو میرا فعل ہے میں کمزور ہوں اور کچھ کر بھی نہیں سکتا) اب تجھے اختیار ہے جو تیرا ارادہ ہو اس کے نافذ ہونے کا حکم کر دے۔

(۴) یہ اپنے بے شمار لشکروں کو لے آئے ہیں اور ہاتھیوں کو لائے ہیں تاکہ باشندگان مکہ کو جو تیرے عیال ہیں ان کو قید کر لیں۔

(۵) ان لوگوں نے اپنے مکرو فریب اور جہالت سے تیرے حما (محفوظ علاقہ۔ حرم) کا قصد کیا ہے انہوں نے تیری عظمت کا پاس و لحاظ نہیں کیا۔

یہاں اگر اس پورے واقعہ کو نقل کر دیا جائے تو غالباً" ہم حضرات قارئین کے انتظار و اشتیاق کا مطالبہ پورا کریں گے۔

ابن ہشام نے سیرت و مغازی کے مشہور امام ابن اسحاق کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ

جب عرب کو معلوم ہوا کہ ابرہہ حبشی فوجوں اور ہاتھیوں کو ساتھ لے کر مکہ معظمہ پر حملہ کرنے اور خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کے لیے روانہ ہوا ہے تو پورے عرب نے محسوس کیا کہ اس کا مقابلہ ضروری ہے چنانچہ یمن ہی کے ایک سردار نے جس کا نام "ذونفر" تھا عربوں کی فوج بنا کر ابرہہ کا مقابلہ کیا۔ مگر وہ ناکام رہا اور گرفتار ہو گیا۔ جب اس کو ابرہہ کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے یہ قول (وچن) دے کر امان مانگی۔

عسی ان یکسون بقائی معک خیر الک من قتلی (سیرۃ ابن ہشام ص ۳۰ ج ۱)

بہت ممکن ہے میری زندگی کسی موقع پر میری موت کے مقابلہ میں بہتر ثابت ہو۔

اس مقابلہ سے نمٹ کر ابرہہ آگے بڑھا تو جبل خثعم کے دامن میں نفیل بن حبیب خثعمی نے اس کا مقابلہ کیا۔ قبیلہ شہران اور قبیلہ ناہش اور ان کے علاوہ عرب کے بہت سے قبائل اس کے ساتھ تھے مگر یہ قبائل بھی تاب مقابلہ نہ لا سکے۔ ان کا سردار نفیل گرفتار ہو گیا اور جب نفیل نے دیکھا کہ وہ موت کے منہ میں پہونچ گیا ہے تو اس نے نہ صرف اپنی وفاداری کی پیشکش کی بلکہ یہ بھی وعدہ کر لیا کہ وہ سرزمین عرب میں راستہ بتانے کی خدمات انجام دے گا اور یہ کہ کوہ خثعم پر آباد دونوں قبیلے شہران اور ناہش جو اس کے دو بازو ہیں ابرہہ کے مطیع و فرمانبردار رہیں گے۔

اب ابرہہ اپنی فوجیں لیے طائف پہونچا تو اہل طائف نے اس سے پہلے ہی امن حاصل کر لیا ایک شخص ابو رغال کو ساتھ کر دیا جو مکہ معظمہ کے راستوں سے واقف تھا۔ ابن اسحاق کی روایت یہ ہے کہ ابو رغال نے ابرہہ کو مکہ تو پہونچا دیا مگر ابھی ابرہہ پر عذاب الٰہی نازل نہیں ہوا تھا کہ ابو رغال شکنجہ موت کی گرفت میں آ گیا۔ قریش نے اس کو غدار قرار دیا اور اس کو سنگسار نہیں کیا جا سکا تو اس کی قبر پر سنگباری کی جاتی رہی۔

بہرحال ابرہہ نے مکہ کے قریب "مغمس" مقام پر فوجیں اتار دیں اور اسود بن مقصود کو فوج کے ایک دستہ کا کمانڈر بنا کر غارتگری کے لیے تہامہ (مکہ) بھیج دیا۔ اس نے اونٹوں کے اصطبلوں پر حملہ کیا اور تمام اونٹ ہنکا کر لے آیا۔ ان میں دو سو اونٹ خواجہ عبدالمطلب کے بھی تھے جو اس زمانہ میں قریش کے سردار تھے اور جود و سخا میں مشہور تھے۔

اب قریش۔ کنانہ۔ ہذیل اور جو قبائل ان کے حلیف و معاہد تھے انہوں نے مقابلہ کا ارادہ کیا۔ مگر ابرہہ اتنی زبردست فوج لے کر وہاں پہونچا تھا کہ ان قبیلوں کو مقابلہ کی ہمت نہیں ہوئی۔

ابرہہ کے متعلق ابن ہشام کی رائے یہ ہے کہ کان رجلاً حلیماً۔ وہ متحمل مزاج انسان تھا۔ غالباً یہ اس کی تحمل مزاجی تھی کہ اس نے دفعتہً حملہ نہیں کرایا۔ بلکہ اپنے ایک افسر "حناطہ حمیری"

کو مکہ معظمہ بھیجا کہ یہ پیغام پہونچادے کہ ہم اہل مکہ کو تباہ کرنا نہیں چاہتے صرف کعبہ کو منہدم کرنا چاہتے ہیں اگر مکہ کے باشندے رکاوٹ نہ ڈالیں تو وہ محفوظ رہیں گے۔

خواجہ عبدالمطلب نے ابرہہ کا پیغام سن کر جواب دیا۔

"ہم ابرہہ کا مقابلہ کرنا نہیں چاہتے۔ نہ ہم میں مقابلہ کی طاقت ہے۔ البتہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے خلیل ابراہیم کا بیتؑ ہے وہ اگر اپنے اور اپنے خلیل کے اس بیت کی حفاظت کرنا چاہے گا وہ حفاظت کر لے گا اور اگر اس کا یہ منشاء نہیں ہے کہ اس کا بیت محفوظ رہے تو ہم میں طاقت نہیں ہے کہ ہم اس کو محفوظ رکھ سکیں۔

حناطہ نے کہا۔ اچھا آپ میرے ساتھ چلیئے۔ اور خود جا کر ابرہہ سے بات کر لیجئے۔

خواجہ عبدالمطلب۔ حناطہ کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ مگر آپ نے یہ ضروری سمجھا کہ ابرہہ کے سامنے ایک باعزت نمائندہ کی حیثیت سے پیش ہوں۔

وہی "ذونفر" جو سب سے پہلے ابرہہ کے مقابلہ پر آیا تھا' پھر شکست پا کر گرفتار ہو گیا تھا (جس نے یہ کہہ کر جان بخشی کی درخواست کی تھی کہ شاید کوئی موقعہ آ جائے کہ میری زندگی آپ کے لیے میری موت سے بہتر ثابت ہو) وہ خواجہ عبدالمطلب کا دوست تھا۔ آپ جب ابرہہ کے معسکر (چھاؤنی) میں پہونچے تو آپ نے سب سے پہلے "ذونفر" سے ملاقات کرنی چاہی اور آپ کسی طرح کامیاب بھی ہو گئے۔ آپ نے "ذونفر" کے سامنے اپنا مقصد رکھا کہ کوئی ایسی صورت ہو جائے کہ میں ابرہہ کے سامنے باعزت نمائندہ کی حیثیت سے پیش ہوں۔

"ذونفر" نے معذرت کی کہ وہ خود جیل میں پڑا ہوا ہے وہ کیا مدد کر سکتا ہے۔ البتہ اس نے یہ امید دلائی کہ اس کا ایک دوست "انیس" ہے جو ہاتھیوں کا نگراں اور داروغہ فیلخانہ ہے۔ ابرہہ تک اس کی رسائی ہے میں اس کو کہلاتا ہوں کہ وہ ابرہہ سے ملاقات کر کے آپ کے بارے میں گفتگو کرے اس کے دماغ کو ہلکا کرے۔ پھر کسی بہتر تقریب سے آپ کی ملاقات کرا دے۔

انیس کے پاس "ذونفر" کا پیغام پہونچا۔ اس نے پیغام کا احترام کیا اور جو توقع تھی اس کو پورا کیا۔

انیس ابرہہ کی بارگاہ میں پہونچا اور جیسا کہ "ذونفر" نے کہلا کر بھیجا تھا۔ ابرہہ سے کہا :

عبدالمطلب جن کو حناطہ مکہ سے لے کر آئے ہیں' بہت شریف انسان ہیں۔ قریش کے سردار ہیں۔ اور مکہ کے چشمہ کے مالک ہیں' ایسے کریم الطبع اور بافیض ہیں کہ ان کی بے پناہ سخاوت سے صرف وہ انسان ہی فیضیاب نہیں ہوتے جو پہاڑوں کی گھاٹیوں اور دامن کوہ میں رہتے ہیں بلکہ ان وحشی جانوروں تک بھی ان کا فیض پہونچتا ہے جو پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہتے ہیں۔

ابرہہ نے سفارش قبول کی اور ملاقات کی اجازت دیدی۔

خواجہ عبدالمطلب شریف صورت حسین و جمیل با وجاہت اور بارعب سردار تھے جب وہ ابرہہ کے سامنے پہونچے تو وہ ان کی وجاہت سے اتنا متاثر ہوا کہ اسے گوارا نہ ہوا کہ وہ تخت پر بیٹھا رہے اور خواجہ عبدالمطلب کھڑے رہیں' یا نیچے فرش پر بیٹھیں لیکن یہ بھی مناسب نہ سمجھا کہ حبشی سرداروں کی موجودگی میں وہ اپنے برابر خواجہ عبدالمطلب کو تخت پر بٹھائے۔ لہٰذا وہ خود تخت سے اتر کر نیچے فرش پر بیٹھ گیا اور خواجہ عبدالمطلب کو اپنے برابر بٹھالیا۔

اب ترجمان کے ذریعہ گفتگو شروع ہوئی۔ ابرہہ نے دریافت کیا۔ فرمائیے آپ کیا چاہتے ہیں ؟ خواجہ عبدالمطلب نے جواب دیا۔ آپ کی فوج میرے دو سو اونٹ لے آئی ہے۔ میری درخواست ہے کہ آپ ان کی واپسی کا حکم فرمادیں۔

ابرہہ۔ حیران ہوا۔ اس نے ترجمان سے کہا ان سے کہیے کہ آپ کے رعب داب اور آپ کی وجاہت سے میں متاثر ہوا تھا۔ میرا خیال تھا کہ آپ کوئی بڑا مطالبہ پیش کریں گے مگر آپ کو صرف اپنے دو سو اونٹوں کی فکر ہے' تعجب ہے کہ آپ کو اس کعبہ کی فکر نہیں جو آپ کا اور آپ کے آباؤ اجداد کا دین اور دھرم رہا ہے میں اس کو ڈھانے کے لیے آیا ہوں اس کے متعلق آپ نے ایک حرف بھی زبان سے نہیں نکالا۔

حضرت عبدالمطلب۔ میں رب الابل ہوں۔ رب البیت نہیں مجھے اپنے اونٹوں کی فکر ہے' باقی بیت کی فکر اس خدا کو ہوگی جس کا وہ بیت ہے۔

ابرہہ۔ اس کو تو مجھے ڈھانا ہے۔ میں ڈھا کر ہی دم لوں گا۔ باقی آپ کے اونٹ ابھی واپس کیے جاتے ہیں۔

ابن ہشام کی روایت ہے کہ حناطہ نے خواجہ عبدالمطلب کے علاوہ دو اور سرداروں کو ابرہہ کے پاس بھیجا تھا (ایک قبیلہ "بنی بکر" کے سردار عمر نفاثہ اور دوسرے قبیلہ ہذیل کے سردار خویلد بن وائلہ ان دونوں نے یہ پیشکش کی تھی کہ مکہ میں جو کچھ دولت ہے اس کا ایک تہائی ابرہہ منظور کر لے اور "ہدم کعبہ" کے ارادہ سے باز آجائے لیکن ابرہہ نے اس پیشکش کو مسترد کر دیا۔

اگر یہ روایت صحیح ہے تو خواجہ عبدالمطلب کی یہ ذہانت و فراست تھی کہ انہوں نے اس طرح کی بات ہی نہیں کی جو مسترد ہو۔ اور کعبہ کے معاملہ کو رب کعبہ کے حوالہ کر دیا۔

اس کے بعد عبدالمطلب نے واپس آکر قریش کو جو ہدایت دی اور خانہ کعبہ کی چوکھٹ پر کھڑے ہو کر کواڑوں کی زنجیر ہاتھ میں سنبھال کر جو اشعار پڑھے وہ پہلے گذر چکے ہیں۔ پھر رب البیت نے اپنے بیت اور بناء خلیل اللہ کی جس طرح حفاظت کی اس کے لیے سورہ فیل کا مطالعہ کافی ہے۔(۱۶۳)۔

ابرہہ نے ہدم کعبہ کا ارادہ کیوں کیا

ابرہہ کا یہ منصوبہ بجائے خود ایک شہادت عظیم ہے اس بے پناہ عقیدت اور گرویدگی کی جو عرب کو بیت اللہ کے ساتھ تھی' مختصر روداد ملاحظہ فرمائیے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو جو حکم ہوا تھا۔

اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ (سورہ حج ع ۵)

لوگوں میں حج کا اعلان کر دو۔ وہ تمہارے پاس پیدل بھی آئیں گے اور دبلی اونٹنیوں پر بھی جو دور دراز راستہ سے پہونچیں گی۔

یہ ارشاد خداوندی تھا۔ کیسے ممکن تھا کہ عالم انسانیت اس کی تصدیق کے لیے والہانہ عمل نہ پیش کرتا۔ قرآن حکیم کی اس معجزانہ نکتہ سنجی کے قربان جائیے اذن فی الناس فرمایا اذن فی المسلمین یا اذن فی المومنین نہیں فرمایا۔

دنیا نے دیکھا کہ کئی صدیاں ایسی گذریں لوگ ایمان سے محروم ہو گئے تھے۔ مگر حج کے لیے جو قافلے آنے شروع ہوئے تھے وہ بڑھتے ہی رہے' ان میں کمی کسی دور میں بھی نہیں آئی۔

دین ابراہیم مسخ کر دیا گیا خدا پرست اصنام پرست ہو گئے۔ بیت اللہ بیت الاصنام بن گیا۔

مختلف قبائل (۱۶۴) نے حتی کہ خود قریش (۱۶۵) نے بھی اپنے اپنے دیوتا الگ الگ منتخب کر لیے۔ ان کے نام کے الگ الگ بیت بنا لیے۔ سب جگہ قربانیاں ہونے لگیں' نذرانے پیش کیے جانے لگے۔ ہر ایک کے دربان۔ مجاور' کلید بردار مقرر ہو گئے۔ ہر جگہ یہ خدمات الگ الگ خاندانوں کے نام کر دی گئیں اس طرح سرزمین عرب میں سینکڑوں خاندان' دیوتاؤں کے مہنت اور پجاری بن گئے۔ لیکن بیت اللہ کی مرکزیت و عظمت پھر بھی قائم رہی۔ یہ سب دیوتا اور ان کے مندر بیت اللہ کی شاخیں یا اس کے جلوے اور پرتو تھے۔ حج پھر بھی بیت اللہ ہی کا ہوتا۔ مرکزی عظمت اسی کو حاصل تھی۔ کیونکہ ایک پختہ اور مشترک عقیدہ یہ تھا کہ ابوالاباء اور مورث اعلیٰ حضرت ابراہیم جو خلیل اللہ تھے ان کا بنایا ہوا بیت اور ان کی مسجد (۱۶۶) یہی ہے۔

حج کا زمانہ آتا تو عرب کے گوشہ گوشہ سے ایک ایک قبیلہ کا قافلہ لبیک کہتا ہوا مکہ معظمہ پہونچتا اور حج ادا کرتا تھا۔ یہ مرکزیت جس طرح حجاز کے لیے باعث فخر تھی دوسرے ممالک کے لیے باعث رشک و

حسد تھی۔

ارض حجاز کے ایک طرف بنو اسرائیل کا موروثی وطن' شام اور فلسطین تھا دوسری جانب ستارہ پرست آتش پرست اور مجوس کا مرکز تھا۔ یہ دونوں مرکز بعد میں دو متصادم بلاک بن گئے۔ اس وقت شام و فسلطین شاہنشاہیت روم (باز نطینی ایمپائر) کے زیر سایہ ہو گئے اور عراق و بحرین اور دریاء فرات تک شاہنشاہیت کسریٰ (فارس) کے دامن پھیل گئے۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ حجاز جس کے لفظی معنی (آڑ رکاوٹ) ہیں۔ وہ ان دونوں بلاکوں کی شاہنشانہ رقابت اور حرص و آز کے لیے بھی آڑ بن گیا۔ اس لیے وہ ان کی چیرہ دستیوں سے محفوظ ہی نہیں رہا بلکہ ان دونوں بلاکوں کی ملوکانہ مصلحتوں نے یہ ضروری سمجھا کہ اس درمیانی علاقہ کو محفوظ رکھا جائے' اس پر کسی کی حکومت نہ ہو اپنا حاکم خود ہی رہے۔ مگر یمن اگرچہ حجاز کی طرح عربوں کا وطن اور جزیرۃ العرب کا ایک حصہ ہے وہ اس طرح آزاد نہیں رہا اور یہ بات اگرچہ نئی ہے مگر بظاہر بالکل صحیح ہے کہ جب سے یمن کی تاریخ شروع ہوئی ہے اس کی نظر حجاز پر رقیبانہ اور حاسدانہ رہی ہے۔

بنو جرہم۔ جن سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے ازدواجی رشتہ قائم کیا جو آل اسمٰعیل کی ننھیال ہے ایک روایت (۱۶۷) کے مطابق جو بظاہر صحیح ہے ان کا سرچشمہ اور زادوبوم یہی یمن تھا۔ اور ان کی آمد توسیع مملکت کی علت سے خالی نہیں تھی۔

یہ یمن جس کی جغرافیائی نوعیت بھی عجیب (۱۶۸) ہے اور جس کی فطرت بھی عجیب۔ جس کا تمدن بھی اتنا بلند رہا کہ اس کے آثار قدیمہ درس عبرت اور زیارت گاہ شوکت و سطوت بنے رہے۔ جو سیاسی جولانگاہ بھی رہا اور مذہبی آماج گاہ بھی۔ اس کی کہانی بہت لمبی ہے اور بہت رنگین۔

یہی یمن تھا جہاں "سبا" (۱۶۹) نے کئی سو برس تک اقتدار کے پرچم لہرائے۔ پھر بموجب ارشاد ربانی

"فجعلنا هم احادیث" افسانہ روز گار بن گئے (سورہ سباع ٦)

جس طرح اس کے عروج نے دنیا کو حیرت (۱۷۰) زدہ کیا لقد کان فی مسکنهم اٰیته (سورہ سباع ٦)

(بے شبہ ان کے وطن میں اللہ تعالیٰ کی کمل قدرت کا نشان (۱۷۱) موجود تھا)

اسی طرح اس کا زوال بھی دیدہ عبرت کے لیے تماشا بن گیا۔ مَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ

ملکہ سبا۔ جس کا نام بلقیس بتایا جاتا ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی جس کی ذہانت نے ایک ہی جست میں اس کو خدا رسیدہ بنا دیا۔ اس کا پایہ تخت بھی اسی سبا کے علاقہ میں تھا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں اس ملکہ کی خبر دینے والے نے اس کے مذہب کے متعلق یہ بتایا تھا۔ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (نمل ع ۲) میں نے اس کو اور اس کی

قوم کو دیکھا کہ وہ خدا کو چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ کرتے ہیں) پھر اس ملکہ کی یہ ذہانت اور فراست تھی کہ جیسے ہی اس کو اپنے مشاہدہ کی غلطی کا احساس ہوا۔ وہ مجاز (۱۷۲) پرستی سے تائب ہو کر حقیقت پرست بن گئی۔ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَ اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمَانَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ (سورہ نمل ع ۳)

میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور میں سلیمان کے ساتھ ہو کر رب العالمین پر ایمان لے آئی۔

قرآن حکیم (۱۷۳) کا ایک ایک لفظ مرقع صداقت اور آئینہ حقیقت ہے۔ مزقنا ھم کل ممزق (سورہ سبا ع ۲)

(ہم نے (اہل سبا) کو پوری طرح تتر بتر کر دیا (سورہ سبا ع ۲) ایک تاریخی حقیقت ہے صرف ارض حجاز یا سرزمین نجد ہی نہیں بلکہ کالے انسانوں کی قابل فخر دنیا۔ حبش (ابی سینیا) بھی اس کی تصدیق کے لیے تیار ہے کہ یہ پوری قوم پارہ پارہ ہوئی۔ اور منتشر ہو کر داستان پارینہ بن گئی۔ گلدستہ سبا کی پنکھڑیاں جدا ہو کر کدھر گئیں' کہاں کہاں جا کر پڑیں' ان کی تفصیل کی نہ ضرورت ہے نہ اس وقت اس کا موقع ہے۔ باقی عجیب بات یہ ہے کہ سبا کا پورا ہاتھ نہ سہی تو کچھ انگلیاں ابرہہ کی پشت پر بھی تھیں جب وہ مکہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ تاکہ کعبہ کو ڈھا دے (معاذ اللہ)

کہتے ہیں کہ بتاہی کے بعد سبا کے مختلف قبائل (۱۷۴) حجاز۔ نجد۔ بحرین۔ عمان۔ یمامہ۔ مدینہ۔ عراق اور شام میں پہونچ گئے۔ لیکن اس انتشار سے پہلے زمانہ عروج میں بھی سبا کے کچھ قبیلے شمالی عرب (عراق اور شام وغیرہ) میں تھے اور حبش (ابی سینیا) جو بحر احمر کے ساحل پر یمن کے سامنے ہے وہاں ان کی نو آبادیاں تھیں۔ ان کے تجارتی مرکز تھے۔ اور وہاں ان کا ایک گورنر بھی رہا کرتا تھا۔ جس کو "معافر" کہا کرتے تھے۔

حدود یمن میں سبا کا جانشین حمیر (۱۷۵) ہوا۔ ملوک حمیر جو شعراء عرب کے لیے جاہ و جلال اور عظمت و شوکت کی مثال اور ان کے قصائد کے ممدوح رہا کرتے تھے ان کا حلقہ اقتدار اب تک مغربی یمن خصوصاً" بحر احمر اور بحر عرب کا ساحلی علاقہ تھا قلعہ ریدان ان کا مرکز تھا۔ اب جیسے ہی اقتدار سبا کا آفتاب ڈھلا سلطنت حمیر کا سایہ وہاں پہونچ گیا اور انہوں نے اس پورے علاقہ پر اپنا قبضہ جما لیا۔ جہاں سبا کے جھنڈے لہراتے تھے لیکن سبا کے وہ قبائل یا خاندان جو ابی سینیا (حبش) میں تھے انہوں نے ایک نئی سلطنت کی بنیاد ڈالی جس کا مرکز شہر "اکسوم" تھا اور جس کے بادشاہ کا لقب "نجوس" تھا "نجوس" حبشی زبان میں "بادشاہ" کو کہتے ہیں۔ یہی نجوس' ہے جس کو عرب "نجاشی" کہتے ہیں۔ حبش کی وجہ تسمیہ بھی یہی بیان کی جاتی ہے کہ یہاں سبائی کا سابق افریقی قوموں سے اختلاط ہو گیا تھا۔ حبش کے معنی ہیں اختلاط و امتزاج۔

سبا کی بربادی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے ڈیڑھ صدی پہلے ہوئی تھی۔ یعنی اسلام سے تقریباً" آٹھ سو برس پہلے۔ اس کے بعد سے اکسومی سلطنت اور اس کے شاہی خاندان کا سلسلہ چلا تھا جو تقریباً" بارہ سو سال تک باقی رہا۔

حبش اور مصر پڑوسی ہیں۔ مصر پر رومیوں کا قبضہ ہوا تو سلطنت کے ساتھ ان کا مذہب (عیسائیت) بھی یہاں رائج ہو گیا۔ پھر یہی رنگ حبش نے بھی اختیار کر لیا۔ یعنی مذہب اور سیاست دونوں لحاظ سے وہ رومی اور عیسائی بلاک میں داخل ہو گیا۔

پڑوس کا یہ رشتہ "یمن" سے بھی تھا۔ عیسائیت کی لہریں اس کے کناروں تک بھی پہنچنے لگیں قبیلہ نجران عیسائی ہو گیا۔ مگر یہاں سیاسی رقابت بھی کار فرما تھی۔ ملوک حمیر اکسومی بادشاہوں سے اس لیے جلتے تھے کہ انہوں نے ماتحت علاقہ کو مستقل حیثیت دیدی۔ اور یمن کے مدمقابل ایک نئی سلطنت بنا لی اور اکسومی "حبش" کو یہ حسد تھا کہ ملوک حمیر "سبا" کے دارالسلطنت (مارب) اور سبا کے پورے علاقہ پر قبضہ کر بیٹھے ہیں اور دائیں بائیں بڑھتے جا رہے ہیں اس رقابت (۱۷۶) نے بار بار جنگ کی صورت اختیار کی۔ ایک دوسرے پر غالب مغلوب ہوتے رہے۔ یہ رقابت اتنی شدید رہی کہ مذہبی جذبہ بھی اس پر غالب نہ آسکا بلکہ سیاسی رقابت کے لیے وجہ جواز اور ایک نئی علت بن گیا۔ ہاں رد عمل یہ ہوا کہ دائرہ حمیر میں یہودیت کے پنجے جم گئے۔

تنازع للبقاء کہو۔ یا تصادم للفلاح۔ وہ عموماً" مفید ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ حمیر کے باحوصلہ بادشاہ اس جذبہ تصادم و تنازع کے نتیجے میں اتنے مضبوط ہو گئے کہ نہ صرف حضرموت بلکہ اس سے آگے عمان کی حدود تک اپنی سلطنت کو وسیع کر لیا۔ الحارث الرائش (یاشمر یرعش) جو ۲۸۰ء سے ۳۱۵ء تک حکمراں رہا یہ پہلا بادشاہ تھا جس نے حضرموت کو حمیری مقبوضات میں داخل کیا۔ اور ملک سباو ریدان و حضرموت "اپنا لقب اختیار کیا۔ دوسرا خطاب جو ان بادشاہوں کو عربوں نے دیا یا خود انہوں نے اختیار کیا۔ وہ تبع ہے جس کی جمع تبابعہ ہے۔ تبع کو عربی لفظ بھی کہا گیا ہے۔ بمعنی "متبوع" جس کی پیروی کی جائے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ حبشی لفظ ہے بمعنی قادر و جبارو صاحب قوت۔ بہرحال لغت کے لحاظ سے معنی کچھ بھی ہوں لیکن عربوں نے اس کو ایسے منصب کے لیے استعمال کیا جس کے لیے اہل فارس لفظ شاہنشاہ استعمال کرتے ہیں۔ یعنی صرف شاہ ریدان یا شاہ حمیر کو تبع نہیں کہا گیا بلکہ اس کو تبع (۱۷۷) اس وقت کہا گیا جب وہ سبا اور حضرموت کو بھی حدود مملکت میں داخل کر چکا اور "ملک سباو ریدان و حضرموت" ہو گیا۔

کہتے ہیں ایک تبع مکہ (۱۷۸) معظمہ بھی گیا تھا' اس پر اپنا وقار قائم کرنے اور اپنا سکہ جمانے۔ مگر نتیجہ ہوا کہ خود اس کی گردن وقار کعبہ کے سامنے جھک گئی اور بجائے اس کے کہ وہ بیت اللہ کی شان میں کوئی گستاخی کرتا۔ وہ بیت اللہ پر غلاف چڑھا کر واپس ہوا۔ پھر یہی تبع تھا جو واپسی میں یثرب (مدینہ طیبہ)

سے یہودی عالموں کو لایا۔ جن کی تبلیغ سے یمن میں یہودیت پھیلی (یہ بعثت سید الانبیاء ﷺ سے تقریباً دو سو برس پہلے کی بات ہے۔) اس وقت یہودیت میں کچھ صلاحیت باقی ہو گی جو یمن کی کواکب پرستی پر غالب آ گئی۔ لیکن بہت جلد اس میں وہ تمام خصوصیتیں رونما ہو گئیں جو مسخ شدہ یہودیت میں تھیں۔ جس کی بنا پر یہ جماعت "المغضوب علیہم" ہوئی۔

چھٹی صدی کے ربع اول میں۔ ۵۰۰ء سے ۵۲۵ء تک یمن کا تبع (حمیری شاہنشاہ) "ذونواس" رہا۔ یہ بڑی شان و شوکت کا بادشاہ تھا۔ اس کے دور میں اصحاب الاخدود' اسی یہودیت کا شکار ہوئے وہ یہود جو اپنی سب سے بڑی سنگدلی اور سب سے بڑے ظلم و کفر پر فخر کرتے ہوئے کہا کرتے تھے۔ انا قتلنا المسیح عیسیٰ بن مریم رسول اللہ۔ (سورہ نساء) (بیشک ہم ہی ہیں جنہوں نے مسیح کو قتل کیا۔ اسی مسیح کو جس کو عیسیٰ کہا جاتا ہے۔ جو بیٹا تھا مریم کا)

ان کے لیے کیا مشکل تھا کہ وہ شاہ یمن نہیں بلکہ تبع یمن کے زیر چتر (نجران) (۱۸۹) کے کمزور عیسائیوں کو گرفتار کریں اور جو ان میں سے یہودی بننے کے لیے تیار نہ ہو اس کو دھکتی ہوئی آگ کی خندق میں جھونک کر ختم کر دیں۔

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن
اجابت از در حق بہر استقبال مے آید

اصحاب الاخدود کی شہادت۔ رائیگاں نہیں گئی "دوس بنؓ ثعلبان" یمن کے ایک عیسائی امیر نے نجاشی کے یہاں فریاد کی۔ نجاشی نے قیصر روم کے اشارہ سے "یمن" پر فوج کشی کی۔ یہ ایک روایت ہے دوسری روایت ابن اسحاق اور ابن ہشام کی یہ ہے کہ نجران کے گرفتاران بلا میں دوس بن ثعلبان بھی تھا جو کسی طرح قید سے فرار ہو کر قیصر روم کے پاس پہونچ گیا وہاں مظلوم عیسائیوں کی شہادت کا مرثیہ پڑھا اور امداد کا طالب ہوا۔ قیصر روم نے شاہ حبش کو لکھا کہ وہ یمن پر فوج کشی کرے۔

بہرحال نجاشی محکوم ہو۔ یا خود حملہ آور ہو۔ واقعہ یہ ہوا کہ اس مظلومانہ شہادت نے حبشیوں کی پرانی رقابت میں جدید اشتعال کا اضافہ کر دیا۔ نجاشی کی فوجیں جن کو روم کی بھی حمایت حاصل تھی' یمن پر حملہ آور ہوئیں۔ کہتے ہیں پہلی مرتبہ ذونواس نے حیلہ اور تدبیر سے ان کو واپسی پر مجبور کر دیا۔ لیکن اہل حبش کا انتقامی جذبہ سرد نہیں پڑا انہوں نے جنگ کا سازو سامان درست کر کے پھر دوبارہ اس زور شور سے حملہ کیا کہ حمیر کے پاؤں اکھڑ گئے۔ ذونواس نے بھاگ کر گھوڑے کو دریا میں ڈال دیا۔ لیکن ساحل تک سلامت نہ پہونچا۔ اب اہل حبش تنہا یمن کے مالک بن گئے اور حمیر بھی اسی طرح افسانہ روزگار بن گئے۔ جس طرح سبا ایک پرانی کہانی بن چکے تھے۔ فجعلنا ھم احادیث

لیکن یہ درس عبرت کبھی فراموش نہ ہونا چاہیے کہ عیسائیت نجران سے پھر بھی نہیں مٹی۔ اس واقعہ

سے "تقریباً" سوا سو برس بعد جب آفتاب اسلام مشرق مدینہ پر نور برسا رہا تھا۔ تو نجران سے دو راہب آنحضرت ﷺ سے مناظرہ کے لیے آئے تھے۔ عہد فاروقی میں بھی یہاں عیسائی موجود تھے اور جزیہ ادا کیا کرتے تھے۔

ارباط اور ابرہہ

کہتے ہیں اس وقت کے نجاشی کا نام "الیباس" تھا جس کے حکم سے یمن پر حملہ ہوا اور جس سردار کی زیر قیادت یہ مہم کامیاب ہوئی تھی اس کا نام "ارباط" تھا جو کامیابی کے بعد نجاشی کی طرف سے یمن کا گورنر بھی بنا دیا گیا "تقریباً" بیس برس تک یہ حکومت کرتا رہا۔ اس اثناء میں حبشی فوج نے بغاوت کی۔ ابرہہ ایک حبشی سردار' اس باغی جماعت کا سر عسکر بن گیا۔ لفظ ابرہہ۔ ابراہیم۔ کا حبشی تلفظ ہے اور چونکہ نک کٹا تھا اس لیے اشرم (۱۸۰) کہلاتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا تعلق شاہی خاندان سے تھا۔ لیکن ایک روایت یہ ہے کہ یہ رومی غلام تھا ارباط۔ ۵۴۲ء تک یمن کا حکمراں رہا۔ ۵۴۳ء میں ابرہہ نمودار ہوا۔ تقریباً" ۲۸ سال اس نے حکومت کی۔ یہاں تک کہ ۵۷۱ء میں واقعہ فیل کے بعد ہلاک ہوا۔

اب ابرہہ کی بغاوت پھر اس کے استقلال کا قصہ ابن ہشام کی زبانی سنئے۔

کہتے ہیں ابرہہ نے میدان جنگ میں ارباط کو قتل کیا پھر خود حکمراں بن گیا۔ شاہ حبش "نجاشی" کو جب علم ہوا تو اس نے قسم کھالی کہ وہ ابرہہ کے علاقہ کو پامال کر کے اس کا سر مونڈے گا۔ جب ہوشیار اور چالاک ابرہہ کو بادشاہ کے عہد کا علم ہوا تو اس نے یہ چالاکی کی کہ اپنا سرمنڈوایا۔ ایک بوری میں یمن کی مٹی بھروائی پھر اپنے سر کے بال اور یہ بوری بادشاہ کے پاس بھیج دی اور درخواست لکھی کہ۔

ارباط بھی جہاں پناہ کا ایک غلام تھا اور میں بھی غلام ہوں' ہم غلاموں کو جس طرح جہاں پناہ کا وفادار رہنا چاہئے ارباط اس میں کوتاہی کرتا تھا اس کی نیت درست نہیں تھی اس پر میری اس سے لڑائی ہوئی۔ فوجوں نے میرا ساتھ دیا۔ میں نے ملک معظم کے غدار کو قتل کر دیا۔ میں نے شاہنشاہ کی نافرمانی نہیں کی اگر یہ غلطی ہے تو میں مستحق معافی ہوں۔ حضور والا کی قسم میں نے خود پوری کر دی ہے۔ میں نے سرمنڈوایا ہے۔ یہ میرے سر کے بال حاضر ہیں اور سرزمین یمن کو پامال کرنے کے لیے حضور والا زحمت نہ فرمائیں خاک یمن حاضر ہے۔ اس کو پامال کیجئے اور قسم پوری فرما لیجئے۔

ابرہہ کی یہ مضحکہ انگیز ظرافت کامیاب (۱۸۱) ہوئی۔ بادشاہ کو پیمان وفا کی ضرورت تھی' وہ دستاویزی شکل میں موجود تھا۔ سر کے بال بھی حاضر تھے اور بہانہ قسم کے لیے سرزمین یمن کی خاک بھی موجود تھی بادشاہ نے ابرہہ ہی کو یمن کا حکمراں بنا دیا۔

اب ابرہہ نے گردو پیش پر نظر ڈالی تو اس کو ایسے عرب بھی نظر آئے جن کا رخ کعبہ کی طرف اور

ان کے جذبات بیت خلیل اللہ سے وابستہ تھے۔ ابرہہ نے ان کے جذبات کی تسکین کے لیے ایک عظیم الشان کنیسہ صنعا میں تعمیر کرایا۔ اس کی خوش خبری بادشاہ کو دی کہ حضور والا کے لیے ایک بے مثال کنیسہ تعمیر کرایا ہے۔ اور ان عربوں کو بھی ہدایت کی کہ وہ خانہ کعبہ کو چھوڑیں اور اسی کنیسہ کا طواف کیا کریں۔ کعبہ جو تقریباً" ڈھائی ہزار سال سے جذبات عرب کا زیارت گاہ بلکہ قربان گاہ تھا اس سے لوگوں کی اقتصادی ضرورتیں بھی وابستہ ہوگئی تھیں۔ ایک برادری یا جماعت ان کی تھی جو لوند کے طرز پر مہینے مقرر کیا کرتے تھے جس کو عربی میں "نسی" کہتے ہیں اور یہ لوگ نسات کہلاتے تھے۔ انہیں نساۃ میں سے ایک ناسی جو قبیلہ کنانہ سے تعلق رکھتا تھا اسی کنیسہ میں پہونچا۔ رات کو وہاں رہا۔ صبح کو اس کے احاطہ میں پاخانہ پھرا اور کلیسہ کو آگ لگا کر بھاگ آیا۔

یہ تھا ابرہہ کے اس حملہ اور ہدم کعبہ کے اس منصوبہ کا سبب اور محرک جس کی تہ مین یہی عقیدہ کار فرما تھا کہ بیت اللہ۔ بناء ابراہیم خلیل اللہ ہے۔ علیہ و علی جمیع الانبیاء الصلوۃ والسلام۔

واقعہ اصحاب فیل کا اثر

اصحاب فیل کا یہ حادثہ قریش کے حق میں بہت مفید ثابت ہوا۔ خانہ کعبہ کا جو احترام عربوں کے عقیدہ مین راسخ تھا اصحاب فیل کے اس واقعہ سے جس طرح اس میں اضافہ ہوا گویا انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ بناء خلیل اللہ کا محافظ اللہ تعالیٰ ہے اور یہ "بیت" بیت الناس نہیں بلکہ بیت اللہ ہے اسی طرح قریش جو اس بیت کے خادم' محافظ اور مجاور تھے ان کے متعلق بھی یہ عقیدہ پختہ ہوگیا کہ یہ لوگ اہل اللہ ہیں اللہ تعالیٰ ان کا محافظ اور مددگار ہے۔ اس عقیدہ کی مزید پختگی نے دعوت اسلام کے کام کو بہت مشکل بھی کر دیا اور آسان بھی۔ مشکلات تو وہ تھیں جو تقریباً" بیس سال تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ برداشت کرتے رہے اور طرح طرح کی مصیبتیں اور اذیتیں جھیلتے رہے اور آسانی یہ ہوگی کہ جیسے ہی مکہ فتح ہوا پورے عرب کی گردن' آستانہ مدینہ پر جھک گئی۔ اور صرف دو سال کے عرصہ میں پورا عرب حلقہ بگوش اسلام ہوگیا۔ گویا سرور کائنات ﷺ کا فرض ادا ہوگیا کام پورا ہوگیا اور اب ملاء اعلیٰ کی طرف رحلت کا وقت آگیا۔ چنانچہ سورہ نصر کو فاروق اعظم اور ابن عباس رضی اللہ عنہم جیسے ذہین صحابہ نے آنحضرت ﷺ کی وفات کا اعلامیہ قرار دیا۔ سورہ نصر میں یہی فرمایا گیا ہے کہ جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے اور لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہونے لگیں (تو سمجھ لو کہ کام پورا ہوگیا لہٰذا) تسبیح اور استغفار میں (ہمہ تن) مصروف ہو جاؤ۔

مختصر یہ کہ

یمن جو آل قحطان کا آبائی وطن ہے۔ یہاں تقریباً" ایک ہزار سال تک سبا کا اقتدار رہا سیل عرم سے

سبا کا اقتدار ختم ہوا اور اس کی آبادی منتشر ہو گئی۔

سبا کے زمانہ عروج و اقتدار میں حبش سے اس کا تعلق بہت گہرا رہا۔ وہاں سبا کے تجارتی مرکز بھی تھے ایک خاص افسر (گورنر) بھی وہاں رہا کرتا تھا۔ بہت سے اہل سبا نے وہاں بودو باش اختیار کر لی تھی۔ جب سبا یمن سے منتشر ہوئے تو ان سبائی عربوں نے جو افریقہ میں رہتے تھے افریقی باشندوں کے ساتھ مل کر ابی سینا (حبش) میں ایک مستقل حکومت قائم کر لی جس کا پایہ تخت اکسوم تھا اور اس کے بادشاہ کو نجاشی کہا جاتا تھا۔ یہ اس وقت سبا کی طرح کواکب پرست اور اصنام پرست تھے مگر جب مصر پر رومیوں کا قبضہ ہوا اور مصر میں عیسائیت پھیلی تو اہل حبش بھی عیسائی ہو گئے۔

یمن میں دوسرے قحطانی عرب جن کا سلسلہ نسب سبا ہی سے جڑتا تھا مگر حمیر کہلاتے تھے اور یمن کے ایک کنارہ پر ان کی حکومت تھی۔ ان کا عروج شروع ہوا۔ جو علاقے سبا سے خالی ہوئے تھے ان سب پر انہوں نے قبضہ کر لیا۔ اس کے علاوہ حضر موت وغیرہ پر بھی قابض ہو گئے۔ اکسومی حبش کو ان کا اقتدار پسند نہیں تھا اور وہ یہ چاہتے تھے کہ یمن سے حمیر کو نکال کر خود قبضہ کر لیں۔ چنانچہ آپس میں تصادم شروع ہوا۔ کئی سو برس تک اس کا سلسلہ رہا۔ کبھی یہ کبھی وہ غالب مغلوب ہوتے رہے۔ روم اور یونان جن کے اثرات مصر پر تھے اکسومی حبش کے پشت پناہ تھے۔ اس کے برخلاف اہل حمیر کی نظر فارس اور ایران پر رہتی تھی۔ ان سے ان کا مذہبی اتحاد بھی تھا۔ یہ سب آتش پرست۔ ستارہ پرست یا بت پرست (مشرک) تھے۔ پھر یمن میں یہودیت پھیل گئی۔ حمیری شاہنشاہ "تبع" یہودی ہونے لگے۔ سیاسی رقابت نے یہودیت میں جذبہ انتقام بھی بھر دیا اس کا نتیجہ تھا کہ اہل نجران خندقوں میں ڈال کر نذر آتش کیے گئے۔ اس بادشاہ کا نام "ذونواس" تھا جس کے حکم سے اور جس کی موجودگی میں یہ ظلم کیا گیا۔ قدرتی بات تھی کہ حبش اور روم اس پر مشتعل ہوتے چنانچہ اکسومی حبشیوں نے پوری قوت سے حملہ کیا۔ ایک مرتبہ "ذونواس" نے اپنی تدبیروں سے حملہ کو ناکام بنا دیا۔ مگر دوسری مرتبہ خود ناکام ہو گیا اور سمندر میں ڈوب کر مر گیا۔ اب یمن پر حبشیوں کی حکومت ہو گئی۔ یہ حکومت نجاشی کے زیر اقتدار تھی۔ پہلا گورنر "ارباط" تھا جو فاتح یمن تھا۔ تقریباً بیس سال تک یہ حاکم رہا۔ پھر فوج میں بغاوت ہوئی۔ ان کے سرغنہ نے ارباط کو قتل کر دیا۔ خود فرمانروا بن گیا۔ اس کا نام ابرہہ تھا۔ ناک کٹا تھا اس لیے اس کو "اشرم" کہتے تھے۔ ۵۷۱ء میں اس نے خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کے لیے مکہ پر یلغار کیا۔ مگر قدرت کی پوشیدہ تدبیر نے خود اس کو منہدم کر دیا۔

ابرہہ کے بعد

ابرہہ کے بعد اس کا لڑکا یکسوم اور اس کے بعد اس کا بھائی مسروق بن ابرہہ۔ یمن کے بادشاہ ہوئے تقریبا" تیس سال ان دونوں کا دور حکومت ہے۔ ۵۹۸ء یا ۶۰۰ء میں یہ حکومت ختم ہو گئی۔ ۵۲۵ء سے لے کر ۵۹۸ء تک ۷۳ سال یا ۷۵ سال حبشیوں کی حکومت رہی۔

اس مدت میں مفتوح اور شکست خوردہ حمیری اپنا اقتدار بحال کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ ایک شخص سیف تھا۔ جو سیف بن یزن حمیری کے نام سے مشہور ہے۔ کہتے ہیں یہ ملک روم کے پاس گیا اور حبشی بادشاہوں کے مظالم کی شکایت کی۔ منشا یہ تھا کہ ملک روم ان کو حبش سے نکال دے۔ مگر ملک روم ایسی بات کب سن سکتا تھا۔ وہاں سے مایوس واپس ہوا تو کسریٰ کے یہاں پہونچا۔ کسریٰ نے اپنے ایک سپہ سالار کو جس کا نام دہرز تھا یمن (۱۸۲) بھیجا۔ دہرز بحری راستہ سے یمن پہونچا۔ حبشی بادشاہ کو شکست دی اور یمن کا تخت سیف بن ذی یزن کے سپرد کر دیا۔ اب بادشاہت پھر حمیر کے پاس آ گئی۔ مگر ادبار نے ان کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ سیف بن ذی یزن بادشاہ ہوا تو رات دن شراب نوشی اور عیش و عشرت میں مصروف رہنے لگا۔ چند حبشی سردار اس کے مصاحب تھے انہیں مصاحبوں نے غداری کی اور سیف بن ذی یزن کو قتل کر دیا۔ تب کسریٰ نے یمن کو اپنی مملکت میں شامل کرلیا۔ اور اپنی طرف سے گورنر مقرر کر دیا۔ جب سرور کائنات ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو کسریٰ کی طرف سے یمن کا گورنر باذان تھا۔ جس نے دعوت اسلام قبول کی اور دولت ایمان سے مشرف ہو (ابوالفداء)

مقام ابراہیم اور مناسک حج کے متعلق عقائد

ایک طویل داستان آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ بظاہر بے محل ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات اور تاریخ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پس منظر کے لیے یہ تفصیل ضروری ہے۔

جب ہم قانون و آئین کی عینک لگا کر غزوات رسول اللہ ﷺ پر نظر ڈالیں گے تو ہمیں سب سے پہلے یہ دیکھنا ہو گا کہ مطالبات اور مقاصد کیا تھے اور وہ فریق ثانی کے عقیدے کے مطابق تھے یا کسی ایسی چیز کا مطالبہ کیا جا رہا تھا جو ان کے دلوں کی گہرائیوں میں چھپی ہوئی نہیں تھی۔ تطہیر کعبہ جو ایک اہم ترین مطالبہ تھا۔ کیا وہ ایسا مطالبہ تھا جو کعبہ کی عظمت اور اس کی اصل حیثیت کے مخالف تھا اور کیا کوئی نئی بات حامیان کعبہ کے دماغوں میں ٹھونسی جا رہی تھی یا اس مطالبہ کا حاصل یہ تھا کہ قریش عقائد کے تضاد کو چھوڑ دیں اور خانہ کعبہ کو عملاً" وہ حیثیت دیں جو خود ان کی تسلیم کردہ روایات کے مطابق ہو سابق تفصیلی

بیان اس بات کا ثبوت ہے کہ حضرات ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے لے لیکر آنحضرت ﷺ کے دور تک جو پونے تین ہزار سال کے قریب ہے کوئی ایک لحہ بھی ایسا نہیں گذرا کہ محافظان حرم کا یہ عقیدہ نہ رہا ہو کہ خانہ کعبہ بیت اللہ ہے اور بنا خلیل اللہ ہے۔

آخری دور میں عبدالمطلب نے جس والہانہ انداز میں اس کا اظہار کیا وہ پہلے گذر چکا ہے۔ عبدالمطلب کے جانشین ابوطالب ہوئے جو اپنے آبائی اور پشتینی عقیدہ میں یہاں تک پختہ تھے کہ نزع روح اور جاں کنی کے وقت بھی کمزور نہیں پڑے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت اصرار کیا کہ لا الہ الا اللہ کہدیجئے۔ مگر ابو طالب کی نظر ابوجہل اور ابولہب پر تھی اور انہیں کے عقائد کی حمایت کرتے ہوئے اس نے جان' جان آفریں کے حوالہ کی۔ اس کفرو شرک کے باوجود ان کے عقائد۔ خانہ کعبہ' مقام ابراہیم اور مراسم حج کے متعلق کیا ہیں۔ ابوطالب کے ایک طویل قصیدے کے چند اشعار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں وہ شاہد بھی ہیں اور ترجمان بھی۔

(۱) اعوذ برب الناس من کل طاعن – علینا بسوء او ملح بباطل

(۲) ومن کل کاشح یسعی لنا بمعیبة – ومن ملحق بالدین مالم نحاول -

(۳) وبالبیت حق البیت من بطن مکة – وبالله ان الله لیس بغافل

(٤) وبالحجرا لمسودا ذیمسحو نه – اذا اکتنوہ بالضحی و الا صائل

(٥) وموطی ابراهیم فی الصخر رطبة – علی قدمیه حافیا غیر ناعل

(٦) واشواط بین المرتین الی الصفا – وما فیهما من صورة و تماثل

(۷) ومن حج بیت الله من کل راکب – ومن کل ذی نذر و من کل راجل

(۸) وبالمشعر الاقصی اذا عمد واله – الال الی مفضی الشراج ابل

(۹) وتوقافهم فوق الجبال عشیة – یقیمون بالا یدی صدور الرواحل

(۱۰) ولیلة جمع والمنازل من منی – وهل فوقها من حرمة ومنازل

(۱۱) وجمع اذا ما المقربات اجزنه - سراعا کما یخرجن من وقع وابل

(۱۲) وبالجمرة الکبری اذاصمد والها - یرمون قد فاراسها بالجنادل

ابن ہشام کی روایت ہے کہ جب قریش نے حج کے موقع پر یہ طے کیا تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ پروپیگنڈہ کریں گے کہ وہ ساحر ہے اور اپنے کلام سے ایسا جادو کرتا ہے کہ بھائی بھائی سے' باپ بیٹے سے اور بیوی خاوند سے جدا ہو جاتی ہے لہٰذا اس کے پاس نہ جاؤ اور اس کی بات نہ سنو۔ اور خواجہ ابو طالب کو خطرہ ہو گیا تھا کہ کہیں عرب کے ہجوم ان پر اور ان کے خاندان پر نہ ٹوٹ پڑیں۔ تب ابوطالب نے تقریباً" سو شعر کا یہ قصیدہ کہا تھا' جس میں اپنے خاندان کی عظمت' خانہ کعبہ سے اپنے اور اپنے خاندان کے تعلق کا اظہار کیا ہے اور آنحضرت ﷺ کے متعلق غلط پروپیگنڈے کا جواب بھی دیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے جس تقدس کا مشاہدہ قریش اور جس پاک باطنی بلندی اخلاق اور برکت کا تجربہ خود قریش کرتے رہتے تھے اس کا حوالہ بھی دیا ہے۔ پھر یہ بھی کہدیا ہے کہ محمد (ﷺ) کی اس برتری اور پاکبازی کے باوجود ہم نے ان کا مسلک قبول نہیں کیا ہے۔ ہم اپنے پرانے مذہب پر مضبوطی سے جمے ہوئے ہیں۔ اسی قصیدہ کا ایک شعر یہ ہے جو اکثر عربی دانوں کو یاد ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ کی نعت میں عام طور سے پڑھا جاتا ہے۔

وابیض یستسقی الغما بوجهه - ثمال الیتمی عصمة الارامل

وہ سفید رو جس کے چہرے کا حوالہ دے کر بارش کی دعا مانگی جاتی ہے جو یتیموں کا مربی اور نگران اور بے کس بیوا عورتوں کا محافظ ہے۔

ترجمہ اشعار

۱ - میں رب الناس کی پناہ لیتا ہوں۔ ہر ایسے شخص سے جو ہمیں کسی بری بات کا طعنہ دیتا ہے۔ یا کسی باطل اور غلط کام کا اصرار کرتا ہے۔

۲ - اور ہر ایسے شخص سے جو ہماری دشمنی دل میں چھپا کر ہم پر عیب لگانے کی کوشش کرتا رہتا ہے اور ہر ایسے شخص سے جو ہمارے دین میں ایسی بات لاحق کر دیتا ہے جس کا ہم ارادہ نہیں رکھتے جو ہمارے مقاصد میں نہیں ہے۔

۳ - اور بیت کی پناہ لیتا ہوں۔ واجب الاحترام سچا بیت جو وسط مکہ میں ہے اور پناہ لیتا ہوں اللہ کی بیشک اللہ غافل نہیں ہے۔

۴ - اور حجر اسود کی پناہ لیتا ہوں جس کو یہ لوگ بوسہ دیا کرتے ہیں۔ جب اس سے ہم چمٹتے ہیں۔ دوپہر اور شام کے اوقات میں (رات اور دن کے اوقات میں)

۵ - اور پناہ لیتا ہوں ابراہیم کے نقش قدم کی جو ایک پتھر میں ہے جو (اب تک تازہ ہے ابھرا ہوا ہے) جیسے آپ دونوں پیروں پر (بوجھ ڈالے ہوئے کھڑے ہوں) برہنہ پاہوں۔ نعل پوش (جوتے پہنے ہوئے) نہ ہوں۔

۶ - اور پناہ لیتا ہوں ان اشواط (پھیروں) کی جو مروتیں سے صفا تک لگائے جاتے ہیں۔ اور پناہ لیتا ہوں ان تصویروں اور مورتیوں کی جو یہاں ہیں۔

۷ - اور پناہ لیتا ہوں ہر اس سوار اور ہر اس پیادہ کی جو بیت اللہ کا حج کر رہا ہے جو کوئی نذر لے کر آیا ہے۔

۸ - اور پناہ لیتا ہوں مشعر اقصیٰ (عرفات) کی جب وہ اس کا قصد کر کے جاتے ہیں۔ جو کوہ الال سے لیکر اس وسیع میدان تک ہے جہاں (پہاڑوں سے) آنے والی نالیاں گرتی ہیں۔

۹ - اور وہ جو رات کے وقت پہاڑوں پر قیام کیا کرتے ہیں جب کہ اونٹوں کے سینوں کو اپنے ہاتھوں سے سیدھا کیا کرتے ہیں۔

۱۰ - اور اس رات کی جس میں (منیٰ میں) اکٹھا ہوتے ہیں اور ان منزلوں کی جو منیٰ میں بنائی جاتی ہیں اور کیا اس سے زیادہ کوئی احترام ہو سکتا ہے اور کیا ان سے زیادہ باعزت منزلیں ہو سکتی ہیں۔

۱۱ - اور مزدلفہ کی جب کہ تیز چلنے والی اونٹنیاں اس کو تیزی سے طے کرتی ہیں (وہ اونٹنیاں ایسی دوڑتی ہیں) جیسے بارش کی بڑی بڑی بوندوں سے (گھبرا کر) نکل رہی ہوں۔

۱۲ - اور جمرہ کبریٰ کی جب ٹھیک اس کی طرف اس حالت میں چلتے ہیں کہ اس کے سر کو (اوپر کے حصہ کو کنکریاں پھینک کر مارتے رہتے ہیں۔

حرم مکہ

عبدالمطلب اور ابو طالب سے بہت پہلے کی بات ہے جب بنو بکر اور بنو خزاعہ نے بنو جرہم کو مکہ معظمہ سے نکال دیا تھا اور ان لوگوں نے یمن میں جا کر پناہ لی تھی تو قبیلہ جرہم کے مشہور شاعر عمرو بن حارث بن مضاض نے یمن پہونچ کر اپنے وطن عزیز کی یاد میں اپنے خاندان کی تاریخی عظمت و جلالت کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک ماتمی قصیدہ کہا تھا۔ اس قصیدہ کے چند اشعار جن میں حرم کا تذکرہ ہے یہ ہیں۔

(۱) فسحت دموع العين تبكى لبدة - بها حرم امن ومنها المشاعر
(۲) وتبكى لبيت ليس يوذى حمامه - يظل به امنا وفيه العصافر
(۳) وفيه وحوش لا ترام انيسة - اذا خرجت منه فليست تغادر -
(ابن هشام ج ۱، ص ۷۳)

ترجمہ

۱ - آنکھوں کے آنسوؤں کی لڑیاں جاری ہو گئیں۔ آنکھیں اس شہر کو یاد کر کے رو رہی ہیں جن میں وہ حرم ہے جو سب کو امن دینے والا ہے جس میں بہت سے مقدس تاریخی نشانات ہیں۔
۲ - اور آنکھیں اس بیت کے لیے رو رہی ہیں جس کے کبوتروں کو نہیں ستایا جاتا۔ اس میں اگر چڑیاں ہوتی ہیں تو یہ بیت ان کے لیے بھی محافظ رہتا ہے۔
۳ - اس میں وحشی جانوروں کو بھی پناہ ملتی ہے' ناممکن ہے وہاں کسی ہرن کے شکار کا قصد کیا جائے اور جب وہاں سے نکل جاتی ہے تب بھی اس کے ساتھ دھوکا نہیں کیا جاتا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین و مسلک

قرآن حکیم میں کسی نبی کے عقائد اور کسی رسول کا مسلک اس شرح و بسط کے ساتھ بیان نہیں کیا گیا جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مسلک پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ غزوات رسول اللہ ﷺ اور مجاہدات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے مسلک ابراہیم علیہ السلام کی قرآنی وضاحت بھی پیش کرنی ضروری ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام خدا ترسی' اور خدا پرستی میں مثال عظیم ہیں

چاند تاروں کی بے ثباتی اور آفتاب کی لاچارگی پر نظر ڈالنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اعلان کیا تھا۔

يَا قَوْمِ اِنِّىْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ - اِنِّىْ وَجَّهْتُ وَجْهِىَ لِلَّذِىْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (سورہ انعام ع ۹)

اے میری قوم میں ان سب سے بیزار ہوں جن کو تم خدا کا شریک گردان رہے ہو۔ میں نے سب سے ہٹ کر صرف اس کی طرف اپنا رخ کر لیا۔ جس نے تمام آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرک نہیں ہوں۔

اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (سورہ نحل ع ۱۱)

بلاشبہ ابراہیم (اپنی شخصیت میں) ایک پوری امت تھا۔ اللہ کا حکم بردار۔ تمام (بناوٹی) راہوں سے ہٹا ہوا وہ کسی طرح بھی مشرک نہیں تھا۔

پھر اسی کی دعوت اپنے والد کو دی

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا اِبْرَاهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عَالِمِيْنَ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاهٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْ اَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُوْنَ الاية (سورہ انبیاء ع ۵)

اور بیشک اس سے پہلے ہم ابراہیم کو اس کی شان اور اس کے درجہ کے بموجب حسن فہم (اچھی سمجھ بوجھ) عطا کر چکے تھے۔ جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا تھا۔ یہ کیا مورتیاں ہیں جن کی پوجا پر تم جم کر بیٹھ گئے ہو۔ (جن پر تم لگے بیٹھے ہو۔ (شاہ صاحبؒ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شرک و بت پرستی سے پناہ مانگی

اِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَعْبُدَ الْاَصْنَامَ الاية (سورہ ابراھیم ع ۶)

(اور یاد کرو۔ جب ایسا ہوا تھا) کہ ابراہیم نے دعا مانگی تھی۔ اے میرے پروردگار اس شہر کو امن کی جگہ بنا دیجیو اور مجھے اور میری نسل کو اس بات سے دور رکھیو کہ بتوں کی پوجا کرنے لگیں۔

بت پرستوں سے بیزاری کا اعلان کیا

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْ اِبْرَاهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ- كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ (سورہ ممتحنہ ع ۱)

بیشک تمہارے لیے ایک اچھی مثال (ایک عمدہ نمونہ) ہے۔ ابراہیم اور ان کے ساتھیوں کی (زندگی) میں جب کہ ان لوگوں نے اپنی قوم سے کہدیا۔ ہم بیزار ہیں تم سے اور ان سب سے جن کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کیا کرتے ہو۔ ہم انکار کرتے ہیں تم سے۔ اور ہمارے اور تمہارے درمیان عداوت اور بغض کھل پڑا۔ ہمیشہ کے لیے جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لے آؤ۔

اعلان جنگ یعنی عداوت کے اعلان کے بعد بتوں کو توڑا

تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ - فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ (سورہ انبیاء ع ۵)

(اور ابراہیم علیہ السلام نے کہا) قسم اللہ کی۔ میں علاج کروں گا تمہارے بتوں کا (اور ان کی گت بنا دوں گا) جب تم جا چکو گے پیٹھ پھیر کر۔ چنانچہ (اس نے ایسا ہی کیا کہ) بتوں کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ صرف ایک بت جو ان میں بڑا سمجھا جاتا تھا۔ (اسے) چھوڑ دیا کہ شاید وہ اس کی طرف رجوع کریں۔

بت شکنی کی پاداش میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ (سورہ انبیاء ع ۵)

انہوں نے آپس میں کہا۔ اگر تم میں کچھ بھی ہمت ہے تو اس شخص کو آگ میں ڈال کر جلا ڈالو اور اپنے دیوتاؤں کی مدد کرو (ان کا بول بالا کرو)

خدا واحد کی پرستش کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے بیت میں ٹھکانا دیا

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ (سورہ حج ع ۴)

اور وہ وقت یاد کرو۔ جب ہم نے ابراہیم کے لیے خانہ کعبہ کی جگہ مقرر کر دی (اور حکم دیا) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور میرا یہ گھر ان لوگوں کے لیے پاک رکھ جو طواف کرنے والے ہوں۔ عبادت میں سرگرم رہنے والے ہوں۔ رکوع اور سجود میں جھکنے والے ہوں۔

قریش کا اعتراف

عجیب بات یہ ہے کہ قریش اس کو بھی تسلیم کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام موحد تھے۔ مشرک نہیں تھے۔ یہ تمام باتیں جو کتاب اللہ کے حوالہ سے بیان کی گئیں' ان کے یہاں مسلم تھیں۔ وحی الٰہی نے اعلان کیا۔

(الف) مَا كَانَ اِبْرَاهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (سورہ آل عمران ع ۷)

ابراہیم نہ یہودی تھا۔ اور نہ عیسائی تھا۔ بلکہ اپنے تمام گمراہیوں سے ہٹا ہوا۔ خدا کا فرمانبردار تھا۔ اور یقیناً وہ مشرک نہیں تھا۔

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (سورہ آل عمران ع ۱۰)

آپ کہدیجئے۔ اللہ نے سچ بات کہدی (اگر تم میں کچھ بھی سچائی کا لحاظ ہے۔ تو چاہیے کہ) ابراہیم کے طریقہ کی پیروی کرو۔ جو ہر طرف سے ہٹ کر صرف اللہ ہی کا ہو رہا تھا۔ اور یقیناً ابراہیم شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھا۔

تو کتاب اللہ کے ان کھلے اعلانوں کی تردید و تکذیب نہ کسی یہودی نے کی نہ کسی نصرانی نے اور نہ مکہ کے کسی بت پرست مشرک کو ہمت ہوئی کہ اس کے خلاف چیلنج کر سکے۔

یہ تمام باتیں قریش کو تسلیم تھیں۔ وہ مانتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین "حنیفیت" تھا وہ یہ بھی جانتے تھے کہ حنیفیت مفقود ہو چکی ہے' ہم اس سے ہٹ گئے ہیں۔ کبھی کبھی کوئی خدا ترس اس حقیقت کی تلاش میں سرگرداں بھی ہوا کرتا تھا۔ اسی دور میں جو عبدالمطلب اور ابوطالب کا دور تھا چار شخص ایسے تھے جن کی زندگیاں اسی تلاش و جستجو میں صرف ہوئیں۔

ورقہ بن نوفل۔ عبیداللہ بن جحش۔ عثمان بن الحویرث۔ زید بن عمرو بن نفیل۔ لیکن عام طور پر وہی عناد تھا۔ وہی مکابرہ اور مقابلہ تھا جس کی قیامت خیزی نے نہ صرف دلوں کو بلکہ سرزمین حجاز کو پرآشوب رکھا۔

قرآن حکیم سے زیادہ حقیقت کو واشگاف کرنے والا کلام کون سا ہو سکتا ہے۔ ایک تعجب انگیز استفہام ہے۔

اَمْ لَمْ یَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ اَمْ یَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَ اَكْثَرُ هُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُوْنَ (سورہ مومنون ع ۵)

کیا واقعی یہ بات ہے کہ وہ اپنے رسول کو پہچان نہیں سکے ہیں اسی بنا پر اس کی بات نہیں مانتے اس کے منکر ہو گئے ہیں۔ یا یہ کہتے ہیں کہ اسے جنون ہو گیا ہے۔ نہیں ان میں سے کوئی بات نہیں ہو سکتی۔ اللہ کا رسول ان کے پاس سچائی لے کر آیا ہے مگر ان میں سے اکثر کا یہ حال ہو گیا ہے کہ سچائی کا ماننا انہیں گوارا ہی نہیں ہے وہ حق سے کراہیت کرتے ہیں۔

اسی بنا پر اگر حضرت حق جل مجدہ نے فرما دیا

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ (سورہ بقرہ ع ۱)

اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ ان کے کانوں اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔

تو منطق اور فلسفہ کو اعتراض کیوں ہے؟ اعتراض تو اس پر ہونا چاہیے کہ یہی عقل کے دیوانے جو اعتراف حق سے کراہیت کرتے ہیں انہیں سے اگر پوچھا جائے۔

لِمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَا اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ

اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ۔ زمین اور وہ تمام مخلوقات جو زمین میں ہے کس کی ہے۔

مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ

ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کا رب کون ہے۔

مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ

وہ کون ہے جس کے قبضہ میں تمام چیزوں کی بادشاہی ہے وہی سب کو پناہ دیتا ہے اور کوئی نہیں جو اس سے اوپر پناہ دینے والا ہو۔

تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد یہ ہے کہ ان سب سوالوں کے جواب میں وہ یہی کہیں گے للہ یہ سب کام خدا کے ہیں اور یہ سب چیزیں خدا کی ہیں۔ (سورہ المومنون ع ۵) کیا اس سے بڑھ کر کوئی عناد ہو سکتا ہے؟

مذہب مشرکین مکہ کی صحیح تصویر

اس بارے میں سیدنا شاہ ولی اللہؒ کی تحقیق سب سے زیادہ قابل اعتماد ہو گی۔ الفوز الکبیر (۱۸۳) اور حجتہ اللہ البالغہ (۱۸۴) حضرت شاہ صاحبؒ کی مشہور تصنیفات ہیں۔ آپ نے ان دونوں کتابوں میں اپنی تحقیق پیش فرمائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

حنیف ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو ملت ابراہیمی کو اپنا مذہب مانتا ہو۔ اور اس کے مخصوص طریقوں (شعائر) کا پابند ہو۔ ملت ابراہمی کے شعائر یہ ہیں۔

حج بیت اللہ۔ استقبال کعبہ (کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا) غسل جنابت۔ (۱۸۵) ختنہ وغیرہ خصال فطرت (۱۸۶) تحریم (۱۸۷) اشہر حرم اور تعظیم مسجد (۱۸۸) حرام نسب یا رضاعت (شیرخواری) کی بنا پر جو عورتیں (۱۸۹) حرام قرار دی گئی ہیں ان سے نکاح حرام سمجھنا۔ اونٹوں کے سینہ کے اوپر خنجر مار کر ذبح کرنا جس کو عربی میں نحر کہتے ہیں۔ گائے بیل وغیرہ کا حلقوم اور اس سے متصل رگیں کاٹ کر ذبح کرنا (جھٹکے یا غیر ذبیحہ کو حرام سمجھنا) قربانی خصوصاً حج کے ایام میں۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ ملت حنیفیہ میں جب تک تحریف نہیں ہوئی تھی وضو اور نماز کا یہی حکم تھا اور روزہ طلوع فجر سے غرب آفتاب تک مانا جاتا تھا۔ اسی طرح یتیموں۔ مسکینوں کو صدقہ دینا۔ حق کے معاملہ میں جو ہنگامے برپا ہوں۔ جو حالات پیش ہوں ان میں سینہ سپر ہو کر حق کی امداد کرنا (اعانت برنوائب حق) رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرنا۔ یہ تمام باتیں ملت ابراہیم میں داخل تھیں اور جو ان پر عمل پیرا ہوتے تھے ان کی تعریف کی جاتی تھی۔ مگر عام طور پر مشرکین ان تمام باتوں کو چھوڑ چکے تھے اور قتل۔ چوری۔ زنا سود اور غصب وغیرہ ملت حنیفیہ میں حرام تھے۔ مگر لوگ عام طور پر ان چیزوں کے عادی ہو گئے تھے۔ اگرچہ دل سے ان کو برا جانتے تھے۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ذی علم اور دانش مند عربوں کے خطبات اور ان کے اشعار و قصائد ظاہر کرتے ہیں کہ الہیات میں ان کے عقائد یہ تھے۔

زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا اللہ ہے۔ بڑے بڑے واقعات اور حوادث اسی کے حکم سے ہوتے ہیں۔ وہ اس پر بھی قادر ہے کہ رسول بھیجے۔ وہ انسانوں کے اچھے برے کاموں پر ان کو جزا اور سزا بھی دے گا۔ جو کچھ واقعات ہوتے ہیں وہ پہلے سے اللہ کے علم میں ہیں وہ پہلے ہی ان کو مقدر کر چکا تھا۔ فرشتے خدا کی مخلوق ہیں۔ ان کو بارگاہ خداوندی میں تقرب حاصل ہے۔ وہ مستحق تعظیم ہیں۔ لیکن یہ خاص خاص اہل دانش، متین اور سنجیدہ لوگوں کے عقائد ہوتے تھے۔ عوام کے عقائد میں پختگی نہیں تھی جو

باتیں ان کی عقل میں نہیں آتی تھیں ان میں طرح طرح کے شبہے پیدا کر کے وہ انہیں شبہوں میں مبتلا ہو گئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے صفات خداوندی میں دوسرے شریک مان لیے تھے۔ اپنے بادشاہوں کی مثال بارگاہ حضرت حق پر چسپاں کر کے مقربین خداوندی کو وہی حیثیت دیتے تھے جو بادشاہوں کے مقربین کو حاصل ہوتی ہے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ مرنے کے بعد انسان پھر زندہ ہو گا اسی طرح یہ بات بھی ان کے قیاس سے بعید تھی کہ کسی انسان کو اللہ تعالیٰ اپنا رسول بنا کر بھیجے اور اس کو اپنے خطاب و کلام سے نوازے۔ یہ عقائد کی تحریفات تھیں جو عوام میں عام ہو گئی تھیں۔ ان کے علاوہ بہت سی قباحتیں ان کے اعمال و افعال میں پیدا ہو گئی تھیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں۔

شرک کا یہی مطلب نہیں ہے کہ خدا کی ذات میں کسی کو شریک مانیں بلکہ شرک یہ بھی ہے کہ ان صفات میں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں مثلاً" اسباب و وسائل کے بغیر محض امر کن سے کائنات میں تصرف کرنا۔ نیست کو ہست کر دینا یا جس طرح اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی ہے کہ اس کو نہ ظاہری حواس (آنکھ وغیرہ) کی ضرورت ہے نہ منطقی قیاس اور عقلی دلائل کی۔ نہ الہام اور خواب وغیرہ سے اس کا علم حاصل ہوتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا علم ان ذرائع و اسباب سے بے نیاز ہے اسی طرح کسی اور کے لیے علم ثابت کرنا۔

یہ مشرک مانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ جس بات کا قطعی طور پر حکم فرما دیتا ہے پھر کوئی نہیں ہے کہ اس میں کوئی ترمیم کر سکے۔ وہ وجود کائنات (جوہر) کا خالق خدا ہی کو جانتے تھے۔ وہ یہ بھی مانتے تھے کہ کائنات کے عظیم واقعات میں اللہ تعالیٰ کی تدبیر کار فرما ہے مگر انہوں نے خدا کو بادشاہوں سے تشبیہہ دے لی تھی کہ جس طرح درباری مقرب بادشاہ کے مزاج میں دخیل ہوتے ہیں پھر روز مرہ کے جو کام ہوتے ہیں وہ یہ مقرب یا ان کے کار پرداز کرتے رہتے ہیں بادشاہ کو ان کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ گماشتوں اور کارندوں کے خوش کر دینے ہی سے بہت سے کام چل جاتے ہیں اور جو کام نسبتاً" بڑے ہوتے ہیں وہ وزیروں کے ذریعہ پورے ہو جاتے ہیں۔ بہت ہی بڑا کوئی کام ہوتا ہے جس میں بادشاہ کو بہ نفس نفیس متوجہ ہونا پڑتا ہے۔ خداوند عالم اور اس کے مقربین کے متعلق بھی ان کے یہی عقائد تھے اور اسی بنا پر ان کی تعظیم و تکریم کی جاتی تھی' ان کے نام کی قسمیں کھائی جاتی تھیں۔ ان کے نام کی مورتیاں بنا کر ان کے سامنے سجدے کیے جاتے تھے' ان پر چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے۔ وہ بھی سمجھتے تھے کہ جس طرح بعض کام بادشاہ کو پسند نہیں ہوتے مگر اپنے مقربین کی خوشنودی کے لیے اس کو پسند کرنے پڑتے ہیں' یہی شان ان فرشتوں یا ان بندگان خدا کی بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں' ایک تحریف و تشبیہ یہ تھی کہ وہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی صفت سمع و بصر کو بھی اپنے سمع و بصر پر قیاس کرتے تھے۔

حضرت شاہ صاحبؒ خاتمہ کلام پر فرماتے ہیں۔

اگر در تصور حال مشرکین و عقائد و اعمال ایشاں توقف داری احوال محترفان زمان خصوصا" آنانکہ باطراف دارالاسلام سکونت دارند۔ ملاحظہ کن کہ ولایت راچہ خیال کردہ اند باوجود اعتراف بولایت اولیاء متقدمین دریں زمانہ وجود اولیاء محال مے انگارند و بقبور و آستانہامے روند۔ وانواع شرک بعمل مے آرند۔ تشبیہہ و تحریف چگو نہ درایشاں راہ یافتہ است۔ وبحکم حدیث صحیح لتتبعن سنن من کان قبلکم ازیں آفات ہیچ چیز نیست مگر امروز قومے مرتکب آنند و معتقد مثل آن ۔ عافانا اللہ سبحانہ من ذلک (الفوز الکبیر ص ۴ تا ص ۶)

مکہ معظمہ میں سیاسی اور مذہبی انقلابات

خانہ خدا۔ صنم خانہ کس طرح بنا۔ اور کب بنا

سرزمین عرب میں بت پرستی کا رواج

ایک مثال جو اس بحث کی ابتدا میں دی تھی۔ اس کو سامنے رکھئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی اور چہیتے برخوردار کو لیجا کر تمام دنیا سے الگ تھلگ وادی "غ یر ذی زرع" میں آباد کرتے ہیں مقصد یہ ظاہر کرتے ہیں کہ لیقیمو الصلوۃ تاکہ قائم کریں نماز۔ مورخ ابوالفداء کا بیان ہے کہ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام نے یہاں سکونت اختیار کی تو وہ قبیلے جو اس کے گردو نواح میں آباد تھے وہ بھی یہیں آکر رہنے لگے۔

ابن ہشام بہت سے قبیلے نہیں بلکہ پہلے آباد ہونے والوں میں بنو جرہم کے علاوہ بنو قطورار (۱۹۰) کو شمار کرتا ہے۔

تولیت کعبہ اور حکومت مکہ

توریت (۱۹۱) میں ہے۔ اسمٰعیل کی حیات کے برس ایک سو سنتیس تھے۔ (پیدائش) اب ظاہر ہے حضرت اسمٰعیلؑ جب تک زندہ رہے وہ مرجع خلائق رہے۔ وہ خدا کے برگزیدہ رسول اور خانہ کعبہ کے ایک معمار تھے۔ ان کی زندگی میں تولیت کعبہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادہ "نابت" جو بروایت توریت پہلوٹے تھے۔ متولی قرار دیئے گئے اس عرصہ میں جو سو سال سے زائد ہے، مکہ کی نو آبادی نے شہر کی حیثیت اختیار کرلی اور شہری نظم و نسق کا سوال پیدا ہوا۔

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے مورخ ابوالفداء کی تحقیق یہ ہے کہ جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام مکہ

میں تشریف لائے اس وقت بھی مالک حجاز۔ بنو جرہم تھے مکہ کی اس نو آبادی کا سیاسی اقتدار بھی انہیں کے ہاتھ میں رہا۔

اگرچہ عرب مستعربہ کے بیان کے آغاز میں ابوالفداء نے ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے کہ حضرت اسمٰعیل کے دوسرے بیٹے جن کا نام قیدار (۱۹۲) تھا' ان کو حاکم بنا دیا گیا۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو ایک بھائی خانہ کعبہ کے متولی ہوئے اور دوسرے حاکم۔ لیکن آبادی کی ابتداء ہی میں یہ فرق ہو گیا تھا کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تنہا تھے اور بنو جرہم کا ایک پورا خاندان یا قبیلہ تھا۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی سوتیلی ماں کے لڑکے بھی اگر یہاں آباد ہوئے تو سب نہیں بلکہ ایک دو آباد ہوئے۔ کیونکہ توریت کی روایت یہ ہے کہ وہ ملک شام سے پورب کی طرف متفرق مقامات پر آباد ہوئے۔

بہرحال قیدار کو اگر مکہ کا حاکم بنا دیا گیا تب بھی یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ اس کے بعد صرف خانہ کعبہ کی تولیت آل اسمٰعیل علیہ السلام کے سپرد رہی۔ جہاں تک حکومت کا تعلق تھا اس کی باگ ڈور بنو جرہم کے ہاتھ میں رہی اور چونکہ بنو جرہم۔ بنو اسمٰعیل کی نانہیال تھے اس لیے ان بزرگوں نے حکومت کے معاملات میں مزاحمت بھی نہیں کی۔ بلکہ ان کا کام دعوت الی اللہ رہا اور جیسا کہ ابن ہشام (۱۹۳) کا بیان ہے یہ جہاں پہونچتے تھے لوگوں پر غالب ہو جاتے تھے اور ان کو اپنا تابع بنا لیا کرتے تھے۔

اب پہلا انقلاب یہ ہوا کہ آل اسمٰعیل کو تولیت کعبہ سے خارج کر دیا گیا اور بنو جرہم ہی کعبہ کے متولی ہو گئے۔ رفتہ رفتہ صورت یہ ہو گئی تھی کہ "کعبہ" صرف عبادت گاہ نہیں رہا تھا جہاں تارکین دنیا اور عبادت گذار روحانی تقدس حاصل کرنے کے لیے پہونچیں۔ بلکہ ایک مخزن بھی بن گیا تھا جہاں لوگوں کے نذرانے آتے تھے۔ خرچ بھی ہوتے تھے اور جمع بھی کیے جاتے تھے۔ بنو جرہم قابض ہوئے تو انہوں نے آمد و خرچ میں خرد برد شروع کی اور آنے والوں پر بھی پابندیاں لگائیں۔ یعنی یہ کعبہ جو ہر ایک کے لیے آمن تھا۔ اب اس کا "امن" بنو جرہم کی مرضی پر موقوف ہو گیا۔

ابن ہشام کی تحقیق یہ ہے کہ عربوں کا ہمیشہ یہ عقیدہ رہا ہے کہ مکہ اپنی حدود میں ظلم و تعدی برداشت نہیں کر سکتا اس کی روایات یہ ہیں کہ جب بھی کسی نے ظلم و تشدد کا رویہ اختیار کیا اس کو نکال باہر کر دیا۔ اسی لیے اس کو ناسہ اور باسہ کہتے تھے۔ اس کے علاوہ اس کا نام "بکہ" بھی ہے اور کہا جاتا ہے۔

انها ما سميت ببكه الا انها كانت تبك اعناق الجبابرة اذا احدثوا شيئا (صفحه ٧٢)

کہ بکہ اس لیے کہتے ہیں کہ جب بھی کوئی جابر و ظالم یہاں کوئی ایسا طرز اختیار کرتا ہے جو یہاں کی روایات کے خلاف ہو تو یہ "بلد الحرام" اس کی گردن توڑ دیتا ہے۔

بہرحال "جرہم" کی دست درازی کے خلاف لوگوں میں ہیجان پیدا ہوا۔ عمرو بن لحی جو ایک چالاک سردار تھا آگے بڑھا اس نے بنو جرہم کو مکہ سے نکال باہر کیا اور خود دروبست کا مالک بن گیا اسی کے اخلاف اور جانشین بنو خزاعہ تھے جو تقریباً" تین سو برس تک مکہ پر حکمراں رہے۔ انہیں خارج ہونے والوں میں عمرو بن حارث تھا جس کے ماتمی قصیدہ کے کچھ اشعار پہلے گذر چکے ہیں۔

قریش کا تسلط

بنو خزاعہ کے اقتدار کو جس نے چیلنج کیا وہ قصی ہے۔ جس کی چار نسلوں کے بعد فخر موجودات رحمتہ للعالمین محمد ﷺ (بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی) کا ظہور اقدس ہوا۔

قصی بچپن میں باپ کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گیا تھا۔ ماں نے بنو عذرہ کے قبیلہ میں اپنا دوسرا نکاح کر لیا۔ بنو عذرہ شمالی عرب کے حدود میں شام کے پاس آباد تھے۔ قصی نے بھی ماں کی آغوش میں یہیں پرورش پائی۔ جوان ہو کر نسل و وطن کی جستجو کی تو حجاز میں سراغ پایا۔ بچپن ہی سے عالی حوصلہ اور بلند نظر تھا۔ مکہ میں دوسرے قبائل نے قریش کو دبا لیا تھا۔ اس نے مکہ آ کر قریش کے منتشر اجزا کو فراہم کیا اور چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کے بعد مکہ کی سرزمین میں قریش کی ایک مختصر سی حکومت کی بنیاد ڈالدی۔ مورخین کا اتفاق ہے کہ یہ موقع تھا کہ قریش نے حجاز کی سرزمین میں سیاسی اہمیت حاصل کی۔

مولانا سید سلیمان صاحبؒ فرماتے ہیں۔

قصی نے مکہ میں جو چھوٹی سی ریاست قائم کی تھی اس کی حیثیت ایک شہری جمہوریت کی تھی۔ یونان کے شہر ایتھنز اور اسپارٹا کے طرز حکومت کا ایک دھندلا سا خاکہ قریش کی سرزمین میں نظر آتا تھا۔ اس شہر کی حکومت میں کل چودہ عہدے تھے جو دس عہدہ داروں پر منقسم تھے۔ دس عہدیدار قریش کے دس قبائل سے منتخب ہوتے تھے۔ ظہور اسلام کے وقت ان عہدوں کی تقسیم حسب ذیل تھی۔

مذہبی

نمبر شمار۔ عہدہ	خدمات	نام قبیلہ	عہددار
۱۔ سقایہ	حاجیوں کے لیے کھانے پینے کا سامان	بنو ہاشم	عباس بن عبدالمطلب
۲۔ عمارہ	خانہ کعبہ کا انتظام	"	"
۳۔ افادہ	حاجیوں کی مالی اعانت کا انتظام	بنو نوفل	حارث بن عامر
۴۔ سدانہ	خانہ کعبہ کی دربانی و کلید برداری	بنو عبدالدار	عثمان بن طلحہ
۵۔ ایسار	بتوں سے استخارہ کی خدمت	بنو جمح	صفوان بن امیہ
۶۔ اموال محجرہ	بتوں کے نذرانوں اور جائدادوں کا انتظام	بنو سہم	حارث بن قیس

عدالتی

۷۔ ندوہ	عدالت خانہ اور مشورہ گاہ کا انتظام	بنو عبدالدار	عثمان بن طلحہ
۸۔ مشورہ	امور مہمہ میں مشورہ لینا	بنو اسد	یزید بن زمعہ
۹۔ اشناق	خون بہا۔ جرمانہ اور مالی تاوان کا انتظام	بنو تیم	ابوبکر صدیق
۱۰۔ حکومت	مقدمات کا فیصلہ	بنو سہم	حارث بن قیس

جنگی

۱۱۔ عقاب	نشان قومی کی علم برداری	بنو امیہ	ابوسفیان
۱۲۔ قبہ	فوجی معسکر (کیمپ) کا نظم	بنو مخزوم	خالد بن ولید
۱۳۔ اعنہ	سواروں کے رسالہ کی سپہ سالاری	"	"
۱۴۔ سفارہ	سفارت	بنو عدی	عمر بن الخطاب

اس چھوٹی سی شہری حکومت کا ایوان حکومت "دارالندوہ" کے نام سے موسوم تھا۔ اس کا بانی قصی تھا ہر قسم کے اجتماعی "تجارتی" عدالتی اور سیاسی احکام اور فیصلے قریش اسی عمارت میں بیٹھ کر صادر کرتے تھے یہاں تک کہ شادی۔ بیاہ۔ بلوغ کے مراسم۔ قافلوں کی روانگی و داخلہ وغیرہ جملہ امور یہیں انجام پاتے تھے۔ قریش نے داعی اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قتل کا مجرمانہ فیصلہ بھی اسی ایوان عدالت میں بیٹھ کر صادر کیا تھا۔

یہ اندرونی انقلاب تھے کہ ایک ہی شہر کے دو گروہ آپس میں کبھی غالب کبھی مغلوب ہوتے رہے لیکن پڑوسی ممالک حجاز کے بارے میں ہمیشہ محتاط رہے یا گاہ بگاہ ان کے اقدامات بھی حجاز اور مرکز حجاز (مکہ معظمہ) میں انقلاب برپا کرتے رہے۔ یہ تحقیق طلب سوال ہے۔

حجاز کے ایک جانب وہ ارض مقدسہ ہے جو فرمان قضا و قدر نے بنو اسرائیل کے لیے مخصوص کر دی تھی۔ جہاں پہلے عمالقہ کا قبضہ رہا پھر بنو اسرائیل کا دارالحکومت بنا۔ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے عروج و اقبال کا آفتاب یہیں روشن ہوا۔ اس دور میں آل اسمٰعیل کے خاندان۔ حدود عرب میں پھیلتے رہے۔ پھر جب مشرقی یورپ میں رومی ایمپائر نے بال و پر پھیلائے تو یہ علاقہ اس شہنشاہیت کے زیر سایہ آ گیا۔ ایشیا میں شاہان فارس کا جاہ و جلال بازنطینی شہنشاہیت (رومی ایمپائر) کا رقیب بنا رہا۔ ان دونوں رقیب طاقتوں نے حجاز کو بفراسٹیٹ کے انداز پر آڑ بنائے رکھنا ہی مناسب سمجھا۔ اس لیے ان کی چیرہ دستی سے محفوظ رہا۔ لیکن یمن جس کے عروج اور ترقی کی پوری داستان پہلے بیان کی جا چکی ہے، وہ بھی

حجاز کے بارے میں محتاط رہا۔ یہ قرین قیاس نہیں ہے۔ جس یمن کی حوصلہ مندی اور بلند آہنگی سمندر پار حبش کو آزاد نہیں رکھ سکی' وہ حجاز کو کب نظرانداز کر سکتی تھی۔ ملوکانہ سیاست کا کوئی بھی مزاج شناس اس کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ خصوصاً" اس صورت میں کہ دونوں ملکوں میں مذہب کا اختلاف بھی رہا ہو۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا واجنبنی وبنی ان نعبدالاصنام (خداوند مجھ کو اور میری اولاد کو اس سے محفوظ رکھ کہ ہم اصنام کی پرستش کریں) یقیناً" بار آور ہوئی۔ اور جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی تحقیق پہلے نقل کی جا چکی ہے۔ آل اسمٰعیل یعنی خانہ کعبہ سے وابستہ قبائل۔ عمرو بن لحی کے وجود سے پہلے اصنام پرستی کے عادی نہیں ہوئے۔ اس کے برخلاف یمن میں ستارہ پرستی۔ آفتاب پرستی۔ پھر یہودیت اور عیسائیت پھیلتی رہی اور متصادم ہوتی رہی۔ آل اسمٰعیل علیہ السلام کے علاوہ جرہم۔ جن کی اولاد بنو جرہم تھی۔ جن کا ایک خاندان چشمہ زمزم کے قریب آ کر آباد ہوا۔ اور غالباً" اسے بھی کسی ایسی "وادی غیرذی ذرع" کی تلاش تھی۔ جہاں وہ دنیا سے الگ تھلگ عبادت رب اور یاد خدا میں مصروف رہ سکے۔ یہ جرہم اگر قحطان کا لڑکا نہیں تھا اس کا بھائی تھا۔ یا کسی اور سامی خاندان سے اس کا تعلق تھا تو اہل یمن اور ہل حجاز میں نسلی اختلاف بھی تھا۔ اب ملکی۔ مذہبی اور نسلی اختلاف کے باوجود خوش حال ترقی پذیر و متمدن "یمن" قناعت پسند رہا ہو۔ فطرت انسانی اس کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ چنانچہ بوسیدہ اوراق ۔ دبے ہوئے کتبات' ذہنی یادداشتوں اور خاندانی روایات کے انبار میں سے ایسے شواہد ملتے ہیں جو اس کا ثبوت ہیں کہ حجاز کو یمن سے رقابت رہی۔ اور اس کی کوشش رہی کہ حجاز بھی یمن ہی کی زنبیل میں پڑ جائے۔ مثلاً"

(۱) بنو خزاعہ کے تسلط سے پہلے ایک دور ایسا گذرا کہ مکہ معظمہ پر عمالقہ کا قبضہ ہو گیا۔ یہ عمالقہ قبیلہ حمیر کی ایک شاخ تھے۔ یہ حمیری قبائل۔ یمن میں تو اقتدار سبا کے سامنے ایک کنارے پر سمٹے رہے لیکن حجاز ان کی یلغار سے محفوظ نہیں رہا۔

(۲) عمالقہ کا یہ تسلط اس وقت ہوا جب بنو جرہم اور آل اسمٰعیل میں آپس میں پھوٹ پڑ گئی لیکن پھر ان دونوں قبیلوں کو ہوش آیا اور آپس میں اتحاد کر کے عمالقہ کو نکال دیا۔ اب بنو جرہم کا اقتدار پھر بحال ہو گیا۔

(۳) لیکن پھر ایک طاقت عمرو بن لحی کے زیر قیادت نمودار ہوئی اور اس نے بنو جرہم کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ یہی عمرو بن لحی ہے جس کے اخلاف بنو خزاعہ کے نام سے مشہور ہوئے یہ تقریباً" تین سو برس تک مکہ کے دروبست کے مالک رہے تاآنکہ قصی نے قریش کی منتشر طاقت کو منظم کر کے بنو خزاعہ کو مکہ سے نکالا۔

(۴) عمرو بن لحی اگر یمنی ہے (جس کی بحث آگے آتی ہے) تو یہ ایک اور انقلاب ہے جو یمن کے پوشیدہ ہاتھ نے مکہ میں برپا کیا۔

(۵) تبع یمن، اسعد تبان ابوکرب کا تذکرہ پہلے گذر چکا ہے جس نے مکہ پہونچ کر خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا اور یثرب سے یہودی علماء کو یمن لایا جنہوں نے یمن میں یہودیت کی اشاعت کی۔ اسعد ابو کرب کے اس سفر کا مقصد ملک گیری تھا یا اظہار عقیدت، اس پر پہلے بحث ہو چکی ہے۔

اس طرح کے واقعات تاریخ میں اور بھی مل سکتے ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ابرہہ کا یہ اقدام یمنی کشور ستانی کی پہلی کوشش نہیں تھی۔ بلکہ ایک طویل سلسلہ کی آخری کڑی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ ارض حجاز یمن کے تابع اور اس کے زیر نگیں ہو اور اہل حجاز کی گردنیں شاہان یمن کے سامنے جھکیں۔

مذہبی انقلاب اور تبدیلی

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔

رایت عمرو بن عامر الخزاعی یجر قصبه فی النار- وکان اول من سیب السوائب- بخاری شریف باب قصة خزاعه وفی روایة اوردها ابن اسحاق فی السیرة الکبری- انه اول من غیر دین اسمعیل فنصب الاوثان وسیب السائبة وبحر البحیره ووصل الوصلیة وحمی الحامی (فتح الباری)

ترجمہ! میں نے عمرو بن عامر خزاعی کو دیکھا کہ وہ اپنی انتڑیاں دوزخ کی آگ میں کھینچ رہا تھا (یعنی اس کی انتڑیاں بکھری ہوئی تھیں اور انہیں کھینچے کھینچے پھر رہا تھا) یہی پہلا شخص ہے جس نے سانڈ چھوڑنے کی رسم ایجاد کی تھی۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہی شخص ہے جس نے بت نصب کئے۔ سائبہ اور بحیرہ۔ وصیلہ اور حامی کو رواج دیا (۱۹۴)۔

آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ یہ عمرو کوئی راہب یا سادھو نہیں تھا بلکہ ایک بادشاہ تھا۔ مورخ ابوالفداء نے اس کو عرب کے ان بادشاہوں میں شمار کیا ہے جو حمیر یا کندہ وغیرہ کے مشہور خاندانوں میں سے نہیں تھے بلکہ ان کا تعلق متفرق خاندانوں سے تھا۔

ابن ہشام نے ابن اسحاق کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ بت پرستی کا آغاز اس طرح ہوا کہ یہی عمرو بن عامر جس کو عمرو بن لحی (۱۹۵) بھی کہا جاتا ہے ایک مرتبہ اپنی کسی ضرورت سے شام گیا۔ وہاں لوگوں کو بتوں کی پوجا کرتے دیکھا ان سے اس کی حکمت دریافت کی تو بتایا گیا ہم ان سے کبھی بارش۔ کبھی دشمنوں کے مقابلہ میں مدد کی درخواست کیا کرتے ہیں تو وہ ہماری مانگ پوری کر دیتے ہیں۔ اس نے ان سے درخواست کی ایک بت اس کو بھی دیدیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک بت جس کا نام ہبل تھا اس کے حوالہ کر

دیا۔ اس نے اس کو لا کر خانہ کعبہ میں نصب کیا اور لوگوں کو حکم کیا کہ وہ اس کی پرستش کیا کریں۔

عرب میں یہ رواج پہلے سے چل گیا تھا کہ جب کہیں وہ جایا کرتے تھے تو حرم شریف سے ایک پتھری اٹھا کر ساتھ رکھ لیا کرتے تھے اور جہاں وہ قیام کرتے تھے اس پتھری یا پتھر کو وہاں رکھ کر خانہ کعبہ کی طرح اس کا طواف کیا کرتے تھے۔ پھر حرم کے پتھر کی شرط بھی نہیں رہی بلکہ جو پتھر پسند آتا تھا اس کی پوجا شروع کر دیتے تھے۔ اس طرح عرب میں بت پرستی کا رواج ہوا۔ پھر جب ہبل نام کا بت لا کر رکھا تو پرانے بتوں کے نام اور ان کی پرستش بھی زندہ ہو گئی۔ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ کے بتوں کے جو نام تھے انہیں ناموں کے بت انہوں نے بنائے اور پوجا شروع کر دی۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ وہی بت کسی طرح پرانے کھنڈرات میں برآمد ہو گئے تھے۔

ہذیل بن مدرکہ بن الیاس بن نضر نے سواع کی پرستش شروع کی "رھاط" میں اس کا مجسمہ کھڑا کر دیا۔ کلب بن دبرہ نے (جو قضاعہ کی ایک شاخ تھی) ود کو "دومتہ الجندل" میں ظہور بخشا۔ طے کے کچھ قبائل نے "یغوث" کو زندہ کر کے "جرش" میں کھڑا کر دیا۔ ارض ہمدان میں یعوق کو حیات نو عطا کی گئی وغیرہ وغیرہ۔

عمرو بن لحی کون تھا

سرور کائنات رسول خدا ﷺ کا ارشاد بخاری نے نقل کیا ہے۔

(۱۹۷) عمرو بن لحی بن قمعه بن خندف ابو خزاعه (بخاری شریف (باب قصه خزاعه ص ۴۹۹)

ترجمہ یہ ہے۔ عمرو بن لحی بن قمعہ بن خندف قبیلہ خزاعہ کا باپ (مورث) ہے۔

ارشاد گرامی نے یہ تو واضح کر دیا کہ قبیلہ خزاعہ کا سلسلہ عمرو بن لحی سے چلا ہے۔ لیکن خود عمرو بن لحی کے متعلق یہ تحقیق باقی رہ گئی کہ اس کا تعلق بنو اسمٰعیل سے تھا یا کسی اور قبیلہ یا خاندان سے۔

مورخ ابوالفداء جو ایسے مسائل میں عقدہ کشائی کیا کرتا ہے خاموش ہے۔ اس نے صرف یہ بتایا کہ یہ ایک بادشاہ (حکمراں) تھا۔ جس نے مکہ پر تسلط حاصل کر لیا تھا۔ اس نے اس کا شمار بھی عرب کے ان بادشاہوں میں کیا ہے جو حمیر کندہ وغیرہ کے مشہور خاندان کے علاوہ متفرق خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے مگر اس کا خاندان نہیں بیان کیا۔

ابن ہشام نے خزاعہ کے سلسلہ نسب پر ماہرین انساب کی رائے ظاہر کرتے ہوئے قمعہ (عمرو کے دادے) کو پسر الیاس بتایا ہے (۱۹۸)۔ چونکہ الیاس۔ مضر بن نزار بن معد بن عدنان کا لڑکا ہے۔ تو ثابت یہ ہوا کہ عمرو بن لحی۔ عدنانی ہے یعنی آل اسمٰعیل میں سے ہے۔ مگر اس کے خلاف "ابن کلبی" کا دعویٰ یہ

ہے کہ یہ اہل سبا میں سے ہے۔ اور جو لوگ "سیل عرم" کی تباہ کاری سے بچ کر "یمن" سے نکلے تھے ان میں "عمرو بن لحی" کا خاندان بھی تھا "بنو نازن" شام کی طرف گئے اور چشمہ "غسان" پر جا کر آباد ہو گئے۔ یہ "غسانی" کہلانے لگے۔ لیکن عمرو بن لحی کا خاندان "شام" کی بجائے "مکہ" آ گیا۔ اور یہیں اس نے سکونت اختیار کر لی۔

وہ کہتے ہیں خاندان عمرو بن لحی کو "خزاعہ" اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ وہ "سبا" کے باقی قبائل سے کٹ گئے تھے۔ "خزع" کے معنے ہوتے ہیں قطع کر دینا اور کاٹ دینا' الگ کر دینا۔ خزاعہ وہ جو کٹ کر الگ ہو گیا۔ ابن کلبی اپنے استدلال میں حضرت حسان بن ثابت کا ایک شعر بھی پیش کرتے ہیں۔

(۱۹۹) ولما نزلنا بطن مر تخزعت – خزاعه منافی جموع کراکو

ابن کلبی یہ بھی کہتے ہیں کہ عمرو بن لحی کا تسلط مکہ معظمہ پر اس رشتہ کی وجہ سے ہو گیا کہ عمرو بن حارث بن مضاض جرہمی' عمرو بن لحی کا نانا تھا۔ اس نے مرنے کے وقت اس نواسے (عمرو بن لحی) کو متولی بنا دیا۔ پھر جب یہ قابض ہو گیا تو اس نے لڑ جھگڑ کر بنو جرہم کو خارج البلد کر دیا اور خود حکمراں بن گیا (۲۰۰)۔

لیکن ارشاد نبوی میں (ﷺ) قمعہ کو "ابن خندف" فرمایا گیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ قمعہ پسر خندف ہے (جیسا کہ حدیث میں ہے) یا پسر الیاس ہے (جیسا کہ ابن ہشام نے بیان کیا ہے) اور اگر ارشاد رسول اللہ علیہ وسلم کے بموجب پسر خندف ہے تو خندف کا تعلق کس خاندان اور سلسلہ نسب سے ہے۔

لیکن ایک عجیب لطیفہ ہے "خندف" مرد نہیں ہے۔ عورت ہے۔ اس کا اصل نام لیلیٰ تھا (بنت حلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ) یہ الیاس کی بیوی تھی۔ خندف اس کا نام اس لیے پڑ گیا تھا کہ اس کو دوڑ کر چلنے کی عادت تھی۔ دوڑ کر چلنے کو خندفہ کہتے ہیں۔

بس قمعہ ابن خندف بھی ہے اور ابن الیاس بھی۔ اور ماں کے نام سے شہرت اس بنا پر ہوئی کہ قمعہ ابھی بچہ ہی تھا کہ باپ (الیاس) کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس حادثہ سے خندف حواس باختہ ہو گئی۔ وہ دیوانہ وار پھرتی تھی اور اگر کوئی پوچھتا کہ یہ بچہ کس کا ہے تو الیاس کے بجائے اپنا ہی نام بتا دیا کرتی تھی' اسی بنا پر لوگ قمعہ کو ابن خندف کہنے لگے۔ اب قمعہ کی ولدیت کا سوال طے ہوا تھا تو ایک اور بات سامنے آ گئی غور فرمائیے آنحضرت ﷺ کے دو ارشاد جو اوپر نقل کیے گئے ہیں ان میں پہلی روایت میں عمرو بن عامر ہے اور دوسری میں عمرو بن لحی۔ پھر لحی کو حدیث میں ابن قمعہ فرمایا گیا ہے اور اہل علم نے اس کو ابن حارثہ بھی لکھا ہے۔ حافظ بن حجر فرماتے ہیں۔ وہ حارثہ بن عمرو بن عامر بن ماء السماء کا بیٹا ہے۔

اب اول تو ولدیت کا سوال جواب طلب ہے اور اگر صحیح یہی ہے کہ لحی حارثہ کا بیٹا تھا تو پھر یہ سبائی اور یمنی ہو گا کیونکہ حارثہ یمنی تھا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی توجیہہ علماء سے یہ نقل کی ہے کہ لحی نسب کے لحاظ سے اسماعیلی ہے اور پرورش کے لحاظ سے یمنی۔ کیونکہ لحی ابھی پیدا نہیں ہوا تھا کہ اس کے باپ قمعہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ قمعہ کی ماں حارثہ کے یہاں رہا کرتی تھی۔ وہیں قمعہ پیدا ہوا۔ تو حارثہ نے متبنٰی بنا لیا۔ پس لحی نسباً" اسماعیلی ہے اور تبنی کے لحاظ سے یمنی۔ اور حارثہ کے دادے کا نام عامر تھا اس کی طرف نسبت کر کے عمرو کو ابن عامر بھی کہدیا جاتا ہے۔

بہرحال ارشاد رسول اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں یہ تو واضح ہو گیا کہ عمرو بن لحی ابو خزاعہ ہے۔ لیکن یہ کہ قبیلہ خزاعہ یمنی الاصل ہے یا حجازی اور اسماعیلی ہے یا سبائی۔ یہ صاف نہیں ہو سکا۔ پھر ولدیت کے مسئلہ میں جو اختلاف نمایاں ہے اس نے اس سوال کو اور الجھا دیا۔

امام بخاری کی علمی ظرافت

غالباً" یہی اختلاف جس میں ایک افسانہ کا رنگ بھی آ گیا ہے امام بخاریؒ کے پیش نظر ہے۔ جس کی بنا پر آپ نے ترجمہ باب (عنوان) 'قصہ خزاعہ' قائم کیا ہے۔ یعنی خزاعہ کی کہانی۔

عمرو بن لحی کب تھا

سیدنا شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ الفوزالکبیر میں فرماتے ہیں۔

ابن حارثہ پیش از بعثت آنحضرت ﷺ نزدیک بسہ صد سال وقوع یافت۔

یہی مدت حضرت شاہ صاحبؒ نے حجتہ اللہ البالغہ میں بھی تحریر فرمائی۔ یعنی آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت تک آل اسماعیل (علیہ السلام) میں اصنام پرستی کی عمر تقریباً" تین سو سال ہوئی تھی۔ مگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے جو تفصیل بیان کی ہے اس کے بموجب عمر بن لحی سے لے کر آنحضرت ﷺ کی بعثت تک تقریباً" پانچ سو سال کا عرصہ ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں۔

> "جب عمر بن لحی کا تسلط مکہ معظمہ پر ہو گیا تو اس کے بعد اس کے اخلاف "بنو خزاعہ" تین سو برس تک بیت اللہ کے متولی رہے۔ اس قبیلہ کا آخری شخص "ابو غبشان" تھا۔ اس کا نام محرش بھی تھا۔ (ابن حلیل بن جشیہ ابن سلول۔ ابن عمرو بن لحی) یہ قصی بن کلاب کا ماموں ہوتا تھا۔ ایک ناسمجھ آدمی تھا۔ شراب کا بھی دھنی تھا۔ قصی نے اس کو پرچالیا اور خانہ کعبہ کی تولیت حاصل کر لی کہتے ہیں کچھ اونٹ دیدیئے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ شراب کے ایک مشکیزہ پر معاملہ ہو گیا۔

خانہ کعبہ کی تولیت تو قصی نے اس طرح حاصل کی۔ پھر خزاعہ نے مقابلہ کیا تو یہ آل فہر (قریش) کو مسخر کر چکا تھا۔ انہوں نے طاقت کا جواب طاقت سے دیا یہاں تک کہ خزاعہ کو مکہ سے نکال دیا۔ اور مکہ میں ایک جمہوری قسم کی شہری حکومت قائم کر دی۔"

قصی سے آنحضرت ﷺ تک چار پشتیں گذر چکی تھیں۔ یعنی عبدمناف۔ پھر ہاشم پھر عبدالمطلب پھر بعثت کے وقت ابو طالب جانشین تھے۔ اور ان کی جانشینی کو بھی ۴۲ سال گذر چکے تھے۔ اس طرح تقریباً" پانچ سو سال کا عرصہ ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم)

خلاصہ اور نتیجہ

سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام۔ کے اس اقدام کو سامنے رکھئے۔ کہ ساری دنیا سے الگ تھلگ ایک ویران وادی میں خانہ خدا کے قریب اپنی ذریت اس لیے آباد کر رہے ہیں تاکہ نماز قائم کریں۔

خدا سے دعا کر رہے ہیں کہ ان کو پھلوں کا رزق عطاء فرما۔

اسی شہر کو امن و اماں کا شہر بنا۔

وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ

مَثَابَةً لِّلنَّاسِ

مُبَارَكًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ

جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ

قِيَامًا لِّلنَّاسِ

مجھے اور میرے بیٹوں کو اس سے محفوظ رکھ کہ ہم اصنام کی پوجا کریں۔ یہ بیت خدا' سب سے پہلا گھر ہے جو بنایا گیا تمام انسانوں کے لیے۔ تمام انسانوں کا مرجع اور سب کے لیے امن و اماں کی جگہ۔ سب کے لیے باعث برکت اور ہدایت مسجد حرام پوری نوع انسان کے لیے ہے۔ اس پر تمام انسانوں کے بقاء کا مدار ہے۔

یہاں کے رہنے والے اور باہر سے آنے والے اس میں سب برابر ہیں سواء العاکف فیہ والباد

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام جنہوں نے کعبہ کی تعمیر کی اور اس شہر کی بنیاد رکھی۔ وہ نہ صرف خدا

پرست تھے بلکہ خدا شناسی اور خدا پرستی میں مثال عظیم تھے۔ وہ دنیا کو اسی کی دعوت دیتے تھے۔ انہوں نے اپنے باپ سے مناظرہ کیا۔ پھر اس راہ میں بے پناہ مشکلات برداشت کیں۔ وہ دین حنیف کے داعی تھے۔ مشرک نہیں تھے۔ انہوں نے نہ صرف بت پرستی سے بیزاری کا اعلان کیا۔ بلکہ بت پرستوں سے بھی کہہ دیا کہ میرا ایمان یہ ہے کہ تم سے دشمنی اور بغض و نفرت کا اعلان کروں پھر انہوں نے مورتیوں کو توڑا جس کی پاداش میں ان کو آگ میں جھونکا گیا۔ یہ تمام باتیں مشرکین مانتے تھے۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اپنے والد بزرگوار کے صحیح جانشین تھے۔ سو برس سے زائد تک خانہ کعبہ کے متولی رہے۔ اور انہیں اصول پر کار فرما رہے جو حضرت ابراہیمؑ نے قائم کئے تھے۔ ان کے بعد اگرچہ ان کی اولاد زیادہ عرصہ تک متولی نہیں رہی۔ لیکن خانہ کعبہ پھر بھی مرکز توحید رہا۔ اس کے بعد ان میں کچھ غلط رجحان پیدا ہوتے ہیں۔ ایک اور جماعت قبضہ کرلیتی ہے اس کا لیڈر بت پرستی کو رواج دیتا ہے۔ اور ان روایات سے کھلے طور پر بغاوت کرتا ہے جو کم از کم دو ہزار سال پرانی اور موروثی روایات تھیں۔ پھر یہ شرک پھیلانے والی جماعت۔ اگرچہ مغلوب ہو جاتی ہے اور قریش کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ لیکن قریش دین ابراہیم اور ملت حنیفیہ کا دعویٰ کرتے ہوئے عمل وہ کرتے ہیں جو اس شرک پرست جماعت کا عمل تھا۔ جس نے موروثی اور قومی روایات سے بغاوت کی تھی۔ قریش اس بغاوت میں اپنی پیش رو باغی جماعت سے بھی آگے بڑھ جاتے ہیں۔ انتہا یہ کہ کعبہ مسجد حرام اور اس بلد حرام کو جو توحید پرستوں کے لیے دار امن تھا۔ اس کو خدا پرستوں کے لیے "دار محن" بنا دیتے ہیں جہاں ان کی نہ جان محفوظ نہ ان کی عزت و آبرو محفوظ۔ نہ ان کا مال و متاع محفوظ۔

سوال یہ ہے کہ بیت اللہ کی تولیت' اس کی حفاظت اور بلد الحرم (شہر مکہ) کے نظم و نسق کا حق کس کو پہونچتا ہے۔ ان کو جو کعبہ کی ظاہری ٹیپ ٹاپ اور اپنی ایجاد کردہ رسومات کو اپنا مذہب اور دھرم سمجھ بیٹھے ہیں۔ حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ ہمارے تمام افعال اور ہماری تمام رسومات ان مقاصد سے منحرف ہیں جن کے لیے یہ شہر آباد کیا گیا تھا جو خانہ کعبہ کے بنیادی مقاصد تھے یا اس کا حق ان کو پہونچتا ہے جو دین ابراہیم کا احترام کرنے والے ہیں ملت ابراہیم کے پابند ہیں۔ دعوت ابراہیمی کو کامیاب بنانے کے لیے سردھڑ کی بازی لگائے ہوئے ہیں اس کے لیے جان و مال کی قربانیاں پیش کر رہے ہیں۔

قرآن حکیم نے اس نقطہ پر بحث کی ہے اور اس نے اس قانونی اور آئینی فیصلہ کو بار بار دہرایا ہے کہ وراثت ابراہیمی کے وارث۔ وہی ہو سکتے ہیں جو اس کی دعوت کے حامی۔ اس کی ملت کے پابند اور اس کے دین کے علمبردار وفدا کار ہوں۔

کتاب اللہ کا واضح فیصلہ ملاحظہ فرمایئے :

مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا - وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ (سورہ آل عمران ۷۳)

(الف)۔ ابراہیم نہ یہودی تھے۔ نہ نصرانی بلکہ ان تمام غلط راستوں سے بچے ہوئے تھے خدا کے فرمانبردار تھے اور ابراہیم مشرک بھی نہیں تھے۔ بیشک سب سے زیادہ ابراہیم سے قریب وہ ہیں جنھوں نے (آپ کے زمانے میں) آپ کی پیروی کی تھی۔ اور یہ نبی اور وہ لوگ جو ان پر ایمان لائے۔ (مسلمان)

(ب) کتاب اللہ نے اس کی بھی تصدیق کر دی۔ کہ محمد رسول اللہ اور ان کے ماننے والے۔ ملت ابراہیم کے سچے پابند و متبع ہیں اور یہی ہیں جو دعوت ابراہیمی کو دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔

هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ - مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هٰذَا (سورہ حج ع ۱۰)

اس نے تمہیں برگزیدگی کے لیے چن لیا۔ تمہارے لیے دین میں کسی طرح کی تنگی نہیں رکھی وہی طریقہ تمہارا ہوا۔ جو تمہارے باپ ابراہیم کا تھا۔ اس نے تمہارا نام "مسلم" رکھا پچھلے وقتوں میں بھی۔ اور اس (قرآن) میں بھی۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے آفتاب و ماہتاب کی بے ثباتی پر نظر کرنے کے بعد فیصلہ کیا تھا۔

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ

(میں نے سب سے ہٹ کر اپنا رخ صرف اس ذات کی طرف کر لیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں شرک کرنے والوں میں نہیں ہوں۔

اسی "کلمہ باقیہ" اور اسی شعار اعظم کی تعلیم محمد رسول اللہ ﷺ کو ہو رہی ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ - وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ (سورہ انعام ع ۲۰)

کہہ دو میری نماز۔ میری تمام عبادتیں۔ میرا جینا۔ میرا مرنا سب کچھ اللہ ہی کے لیے ہے۔ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے۔ اور میں فرمانبرداروں میں پہلا فرمانبردار ہوں۔

(ج) ظاہری ٹیپ ٹاپ۔ اور نمائشی داد و دہش یا وہ نظم و نسق جس کے لیے قریش نے مختلف شعبے قائم کر رکھے ہیں۔ دعوت ابراہیمی کا مقصد نہیں ہے۔ دعوت ابراہیم کا مقصد ہے۔ دعوت الی اللہ۔ نماز قائم کرنا۔ ادائے زکوۃ۔ اور جہاد فی سبیل اللہ۔ اور خدائے واحد کے سوا کسی طاقت سے مرعوب نہ ہونا۔

مَاكَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَعْمُرُوْا مَسَاجِدَ اللّٰهِ شَاهِدِيْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ اُولٰئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ وَفِي النَّارِهُمْ خَالِدُوْنَ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ (سورہ توبہ ع ۳)

مشرکین کو یہ حق نہیں پہونچتا کہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں۔ ایسی حالت میں کہ وہ خود اپنے کفر کا اعتراف کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے سارے عمل اکارت گئے اور وہ عذاب آتش میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

فی الحقیقت مسجد کو آباد کرنے والا تو وہ ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا۔ نماز قائم کی۔ زکوۃ ادا کی اور اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہ مانا۔ (کسی سے مرعوب نہ ہوا)

یہ مشرکین مکہ حضرت ابراہیم کے اخلاف اور بیت خدا کے متولی نہیں ہو سکتے۔ یہ باغی ہیں۔ مسلک ابراہیم کو پامال کر رہے ہیں مسجد حرام کو جو "قیاما" للناس" ہے۔ جس سے ہر فرد بشر فیضیاب ہو سکتا ہے انہوں نے اس پر پہرے بٹھا دیئے ہیں۔ ہر ایک کو وہاں جانے نہیں دیتے۔ اور جس کو یہ نماز کہتے ہیں وہ نماز نہیں ہے۔ کھیل تماشہ ہے۔ یہ نماز ادا نہیں کرتے بلکہ نماز کی توہین کرتے ہیں۔ یہ لوگ مستحق سزا ہیں۔

وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْا اَوْلِيَاءَهٗ اِنْ اَوْلِيَاءُهٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ وَمَا كَانَ صَلٰوتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَاءً وَّتَصْدِيَةً (سورہ انفال ع ٤)

اور کیا بات ہے۔ اللہ انہیں عذاب کیوں نہ دے۔ حالت یہ ہے کہ یہ لوگ مسجد حرام سے روکتے ہیں۔ حالانکہ یہ اس کے متولی نہیں ہیں' نہ اس لائق ہیں کہ اس کے متولی بنیں۔ اس کے متولی تو وہی ہو سکتے ہیں جو متقی ہوں۔ خدا سے ڈرتے ہوں۔ اس کے

احکام کے پابند ہوں۔ مگر نادانی یہ ہے کہ ان میں اکثر ایسے ہیں جو اس حقیقت سے واقف بھی نہیں (کہ تولیت کی ذمہ داری کیا ہے اور اس کے متولی کون ہونے چاہیے۔ (اور جس کو یہ نماز کہتے ہیں اس کی حقیقت کیا ہے؟) خانہ کعبہ میں ان کی نماز اس کے سوا کیا تھی کہ سیٹیاں بجائیں اور تالیاں پیٹیں۔

تطہیر کعبہ اور بت شکنی میں فرق

غالباً" گزشتہ سال کی بات ہے۔ بمبئی کے ایک دریدہ دہن اور کوتاہ فہم انگریزی اخبار نے ذات قدسی حضرت رحمتہ للعالمین ﷺ پر بت شکنی کا الزام لگایا تھا۔

اس نے خانہ کعبہ کو ایک مندر قرار دیا تھا۔ اور یہ کہ محمود غزنوی یا عالمگیر (رحمہما اللہ) نے جو کچھ کیا وہ ان کا پہلا فعل نہیں تھا بلکہ اسلام کے داعی اول کی یہ ایک سنت ہے جس پر ان بادشاہوں نے عمل کیا تھا۔

غزنوی یا اورنگ زیب کے فعل پر بحث کرنے کا یہ موقع نہیں ہے۔ اور بت شکنی کے جواز یا عدم جواز پر کوئی تفصیلی بحث بھی اس وقت نہیں کی جا سکتی۔ محض تشنگی بحث کو دفع کرنے کے لیے آخر میں کچھ اشارات کریں گے (انشاء اللہ) مطمح بحث یہ ہے کہ تطہیر کعبہ۔ اور کسی مندر یا گرجا یا کلیسا کو منہدم کرنے کی حیثیت ایک نہیں ہے۔

مکہ معظمہ کی آبادی۔ بناء بیت اللہ۔ کعبہ اور مکہ کی خصوصیات پر آیات کتاب اللہ کی روشنی میں جو تفصیلی بحث کی۔ پھر اس دور کے تاریخی اجزاء پر جو روشنی ڈالی۔ اس کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ تطہیر کعبہ اور بت شکنی میں فرق واضح ہو جائے۔

آفتاب کو کوئی شخص اپنے گھر کی کالی فٹ بال۔ یا اپنے باورچی خانہ کا سیاہ توا کہنے لگے۔ وہ اس سے زیادہ غلط گو یا خطاکار نہیں ہو گا جو خانہ کعبہ کو مندر کہتا ہے۔ کلام اللہ کا ایک اعجاز یہ بھی ہے کہ وہ کوئی ایسا حکم نہیں دیتا جو اس کے کسی اصول قانون یا کسی بیان کردہ حکمت کے خلاف ہو۔

جب کلام الٰہی نے جنگ اور دفاع کی حکمت و مصلحت بیان کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ اگر اللہ بعض آدمیوں کے ہاتھوں (بعض آدمیوں کی مدافعت نہ کراتا رہا) تو کسی قوم کی عبادت گاہ زمین پر محفوظ نہ رہتی۔ خانقاہیں۔ گرجے۔ عبادت گاہیں۔ مسجدیں جن میں اس کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے سب کبھی کے ڈھائے جا چکے ہوتے"۔

تو یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ مکہ کے مشرک اگر اپنے مندر کی حفاظت کے لیے جنگ کرتے تو ان کو خوان

کفور (بہت خیانت کرنے والے بہت بڑے منکرو ناسپاس) فرماتا۔

یہ آیت جس میں جنگ کی اجازت دی گئی' اس سے پہلے۔ ارشاد خداوندی یہ ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُدَافِعُ عَنِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ خَوَّانٍ کَفُوْرٍ۔

(سورہ حج ع ۵)

اللہ ان کی حمایت اور ان کی طرف سے مدافعت کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو پسند نہیں کرتا۔ جو خائن ناسپاس اور مکرنے والے ہوں۔

پھر قرآن حکیم نے بیت اللہ (خانہ کعبہ) کی پوری تاریخ --- "سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدا پرستی۔ خدا شناسی اور آپ کے جذبہ توحید اور اس مقدس جذبہ کے لیے آپ کی بے نظیرو بے مثال قربانی پر روشنی اس لیے ڈالی کہ اس ایڈیٹر جیسے "کور باطن" بیت خدا کو بیت اصنام نہ کہہ سکیں۔ (معاذ اللہ)۔

ہم نے ان مشرکین کے جذبات اور خانہ کعبہ سے متعلق ان کے عقائد کی وضاحت اسی لیے کی کہ خانہ کعبہ کا بیت اصنام (مندر) نہ ہونا۔ اور صرف خدائے واحد کی پرستش کے لیے اس کا "بیت اللہ" ہونا خود ان کے نزدیک تسلیم شدہ تھا جو اس پر قابض تھے۔

کیا اب بھی "غزنوی اور اورنگ زیب" اور محمد رسول اللہ ﷺ کے عمل کو ایک پلڑے میں رکھا جا سکتا ہے' پھر دنیا کی کوئی قوم رسول اللہ ﷺ کا یہ ظرف کہاں سے لائے گی کہ آپ نے یہ جائز اور قطعاً" برحق اقدام بھی اس وقت کیا جب عرب من حیث القوم۔ مذہب اسلام قبول کر چکے تھے مختلف اصنام کے نام پر چھوٹے چھوٹے کعبے جو عرب کے مختلف مقامات پر بنائے جا چکے تھے جن کی تفصیل ہم پہلے پیش کر چکے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو تڑوایا" اور ان کو توڑنے کے لیے کبھی سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ کبھی حضرت جریر بن عبداللہ کبھی حضرت خالد بن ولید حضرت مغیرہ بن شعبہ اور کبھی کسی اور صحابی (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کو مامور فرمایا۔ مگر یہ اسی وقت ہوا جب وہ قبیلہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔

طائف کا مخصوص بت منات تھا اہل طائف مسلمان ہو گئے تھے۔ مگر منات کا خوف جو ان کی گھٹی میں پڑا تھا ابھی نہیں نکلا تھا۔ تو آنحضرت ﷺ نے حضرت خالد بن ولید اور حضرت مغیرہ بن شعبہ (رضی اللہ عنہما) کو مامور فرمایا کہ وہ جا کر ان کے سامنے اس "بت" کو توڑیں تاکہ جس توحید کے وہ قائل ہو گئے ہیں۔ وہ ان کے دلوں کی گہرائیوں میں بھی اتر جائے۔

بیشک ہم اس بھول بھلیاں کے قائل نہیں ہیں جس کو "وحدت ادیان" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ چیستان کہ خدا کو بھی سجدہ کرو۔ اور بتوں کو بھی۔ خدا کو لامکان۔ غیر محدود۔ تغیرات سے بالا۔ جسمانیت

اور مادیت سے پاک بھی مانو اور عقیدہ حلول کو صحیح مان کر خدا کے اوتار بھی تسلیم کرو۔ یہ چیستان انہیں کے لیے قابل تسلیم ہو سکتی ہے۔ جو خدا کو ایک بھی مانیں اور تین بھی۔ جن کا دعویٰ ہو۔ کہ ایک تین ہے اور تین ایک۔ لیکن کوئی بھی ذی عقل جس کو عقیدہ توحید کی دولت عطا ہوئی ہے۔ اس ناقابل فہم کو قابل فہم اور معقول نہیں کہہ سکتا۔

حق ایک ہی ہوتا ہے۔ حقیقت اور سچائی ایک ہی ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ درست ہے کہ دین ایک ہی ہے۔ تحریفات دین و مذہب نہیں ہیں۔ وہی دین واحد جس کی دعوت حضرت نوح علیہ السلام نے دی تھی۔ اسی کی دعوت محمد رسول اللہ ﷺ نے بھی دی۔ لہٰذا یہی دین واحد مستحق حمایت ہے۔ اسی کو بالا اور برتر ہونا چاہیے مگر عقیدہ توحید کی اس پختگی کے باوجود۔ اسلام کی تعلیم یہ نہیں ہے کہ جن کا یہ عقیدہ نہیں ہے ان کی عبادت گاہوں کو برباد کرو یا ان کی خانقاہوں کو مسمار کرو۔

حالت جنگ۔ ہر قوم اور ہر ایک قانون کی نظر میں مستثنیٰ ہوتی ہے۔ اس استثنائی صورت میں جب انسانی جان کی حرمت باقی نہیں رہتی جو نظر انسانیت میں سب سے بڑی چیز ہے تو اس کی کسی خصوصیت یا اس کے کسی مخصوص جذبہ اور عقیدہ کی حرمت کیا باقی رہ سکتی ہے۔ البتہ جب حالت جنگ نہ ہو تو اسلام جس طرح ہر ایک "نفس منفوسہ" اور ہر ایک متنفس کے خون ناحق کو حرام اور واجب القصاص قرار دیتا ہے اسی طرح اس کے عبادت خانہ کی حفاظت بھی لازمی گردانتا ہے۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد مسائل فقیہہ میں اصول موضوعہ کی حیثیت رکھتا ہے کہ۔

لا اهدم شيئا ما وجدته قديما في ايديهم (شرح سير كبير ج ۳ (ص ۲٤۹)

اس موقع پر سیر کبیر کی یہ عبارت کس قدر وجد آفریں ہے جس میں مسلم اور غیر مسلم کو ایک حیثیت میں رکھا گیا ہے۔

> علينا دفع الظلم من المستامنين على الوجه الذى ندفع به عن المسلمين و اهل الذمة (شرح سير كبير ج ٤)
>
> جس صورت میں اور جس طریقہ سے بھی ہم خود مسلمانوں اور اہل ذمہ کی (جو غیر مسلم ہمارے شہری ہیں اور جن کی حفاظت کی ذمہ داری ہم پر ہے) جس طرح ہم ان کی طرف سے دفاع کریں گے ایسے ہی ان کی طرف سے بھی دفاع کریں گے اور ان کی حفاظت بھی ہم پر لازم ہے جو پاسپورٹ وغیرہ کے ذریعہ اجازت لے کر ہمارے ملک میں داخل ہوتے ہیں۔

دفع ظلم۔ کا جو نمونہ اسلامی قانون پیش کرتا ہے آج اس کے تصور سے بھی ہمارے دماغ ناآشنا ہیں۔

عجیب و غریب مثال ملاحظہ فرمایئے۔ جنگ میں فریقین کے کچھ آدمی گرفتار ہوئے۔ پھر فریقین کے درمیان معاہدہ ہو گیا کہ اگر ایک فریق اپنے قیدیوں کو قتل کر دیتا ہے تو دوسرے فریق کو بھی حق ہو گا کہ وہ اس کے قیدیوں کو قتل کر دے۔

فرض کیجئے غیر مسلم فریق نے ان مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ جو اس کے یہاں قید تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ ان کے بدلہ میں جو فریق ثانی کے غیر مسلم جو مسلمانوں کے یہاں قید ہیں۔ کیا مسلمانوں کو جائز ہو گا کہ ان کو قتل کر دیں۔

آج کی دنیا میں (جب کہ رد عمل اور ری ایکشن" کو خون ناحق کے لیے دلیل جواز بنا لیا جاتا ہے) جواب ایک ہی ہو گا کہ ان سب کو تہ تیغ کر دیا جائے اور ممکن ہے اس کو بھی ہلکی سے ہلکی سزا مانا جائے۔

لیکن سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں یہی صورت پیش آئی۔ پھر حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے سامنے یہ مسئلہ بطور استفتاء پیش ہوا تو اپنے اپنے دور میں ہر ایک کا فیصلہ یہی تھا کہ۔

"مسلمانوں کو جائز نہیں ہے کہ وہ ان غیر مسلموں کو قتل کر دیں جو ان کے یہاں یرغمال ہیں دلیل دی گئی کہ قرآن حکیم نے اصول طے کر دیا ہے۔ لاتزروا زرۃ وزر اخری۔ (کوئی ذمہ دار کسی دوسرے کے جرم کا ذمہ دار نہیں ہو سکتا۔)

جن لوگوں نے مسلمان قیدیوں کو قتل کر دیا۔ ان کی ذمہ داری ان غیر مسلم قیدیوں پر نہیں ڈالی جا سکتی جو ہمارے یہاں قید ہیں۔ جو ہماری پناہ میں ہیں۔ باقی یہ بات کہ معاہدہ ہے اور معاہدہ میں یہ شرط طے ہو گئی تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر وہ شرط باطل ہے۔ جو ایسی چیز کو جائز قرار دے جو اصول قرآن کے لحاظ سے ناجائز اور حرام ہے۔ (صفحہ ۳۴۳ ج ۴ شرح سیر کبیر (۲۰۳) ایضاً" ج ۳ صفحہ ۳۴۴)

(کاش وہ حکومتیں جو اسلامی کہلاتی ہیں اسلامی قانون پر عمل کریں تو رد عمل جیسے کتنے ہی ظالمانہ فلسفوں کی جڑیں کٹ جائیں)

اب قرآنی اصول اور اسلامی قانون کے بعد عملدر آمد ملاحظہ فرمایئے۔

فرانسیسی مصنف موسیو لیبان کی شہادت ہے

> عربوں نے اندلس کے باشندوں کے ساتھ وہی سلوک کیا جو انہوں نے شام اور مصر میں کیا تھا۔ ان کا مال۔ ان کے کلیسے۔ ان کے قوانین انہیں دیئے۔ اور خود ان کے ہم قوم حکام کے زیر انصاف رہنے کے حقوق انہیں عطا کیے (۲۰۴)۔
>
> حکومت عرب کے زمانہ میں بکثرت کلیسوں کا تعمیر ہونا بھی دلیل اس امر کی ہے کہ وہ اقوام مفتوحہ کے مذاہب کی کس قدر عزت کرتے تھے (۲۰۵)۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بحث کو خلیفہ دوم سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ایک واقعہ پر

ختم کریں۔

روم کا ایک بوڑھا عیسائی اسلامی مملکت میں داخل ہوا۔ اس کے پاس ایک گھوڑا تھا جس کو فروخت کرنے کے لیے وہ آیا تھا۔ جب وہ کسٹم کی چوکی سے گذرنے لگا تو کسٹم کے انسپکٹر (عاشر) نے اس سے کہا کہ گھوڑا میرے ہاتھ فروخت کر دو۔ تمہیں قیمت یہیں مل جائے گی اور کسٹم (عشر) بھی نہیں دینا پڑے گا۔ اس کی قیمت اس عیسائی نے بیس ہزار طلب کی۔ عاشر (کسٹم انسپکٹر) نے اٹھارہ ہزار قیمت لگائی۔ یہ قیمت اس نے منظور نہیں کی۔ اور قاعدہ کے مطابق "عشر" (ڈیوٹی) ادا کر کے وہ چلا آیا۔ اتفاق سے وہ گھوڑا فروخت نہیں ہوا۔ تو وہ واپس ہونے لگا۔ اب پھر اس سے (کسٹم افسر) نے ڈیوٹی طلب کی۔ اس نے ڈیوٹی نہیں دی اور حضرت خلیفہ دوم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مسجد میں تھے۔ یہ عیسائی مسجد میں نہیں گیا۔ اور باہر سے ہی کہلا کر بھیج دیا۔ حضرت فاروق نے جواب میں ایک لفظ فرما دیا "کفیت" یہ عیسائی بات سمجھا نہیں اور یہ خیال ہوا کہ خلیفہ نے میری درخواست کی طرف توجہ نہیں کی۔ یہ مایوس واپس ہوا۔ لیکن جب چوکی پر پہونچا تو اس کو معلوم ہوا کہ حضرت خلیفہ رضی اللہ عنہ کا حکم پہونچ چکا ہے کہ اس سے کچھ نہ لیا جائے ۔۔۔ انصاف اتنا سستا اور اس قدر

جلد۔ (۲۰۶)

بیت اللہ اور بناء ابراہیم اور مکہ معظمہ میں حضرت اسمٰعیل (علیہما السلام) کے آباد کرنے کی جو تفصیل ہم نے بیان کی ہے اس کا ماخذ قرآن حکیم ہے اس کی وضاحت حدیث ابن عباس سے کی گئی ہے جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد سندوں سے نقل کیا ہے لیکن حاملین تو رات کو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی یہ برتری پسند نہیں تھیں۔ انہوں نے توریت کی ان آیتوں میں تحریف کر دی جو اس واقعہ سے متعلق ہیں۔ اور تعجب یہ ہے کہ سرسید احمد صاحب جیسے مدعیان علم و بصیرت ان سے متاثر ہو گئے۔ ہم نے جب غزوات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پس منظر میں اس واقعہ کو بنیادی حیثیت دی ہے۔ تو لامحالہ ضروری تھا کہ سرسید صاحب جیسے خود ساختہ علماء اور مجتہدین کا جواب بھی دیں کچھ اوراق اس جواب کے لیے وقف کیے گئے ہیں۔ خدا کرے یہ سعی مشکور ہو۔ اور آپ بھی پسند فرمائیں۔

توریت کی متضاد آیتیں ۔ اور حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما
شکوک و شبہات اور ازالہ

مکہ "ایک وادی غیرذی زرع"۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے لخت جگر حضرت اسمٰعیل اور ان کی والدہ کو وہاں پہونچانا۔ ایک معجزہ کے طور پر زمزم کا ظہور۔ ان حقائق اور واقعات کے متعلق ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کا اصل ماخذ قرآن حکیم ہے۔ پھر سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک مفصل بیان۔ جس کو کتب احادیث میں نقل کیا گیا ہے۔ ہم نے صحیح بخاری کے حوالہ سے اس کے اقتباسات حصہ ۳ مین ——— اور حصہ اول کے مقدمہ میں پیش کیے ہیں۔ موجودہ بائبل (توریت کی کتاب پیدائش (موسیٰ کی پہلی کتاب) میں بھی ان واقعات کو ذکر کیا گیا ہے۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ توریت کی آیتیں خود بھی آپس میں متعارض ہیں۔ چند آیتوں کا مفہوم کچھ ہے۔ پھر چند آیتوں سے اس سے مختلف بات سمجھ میں آتی ہے اور یہ آیتیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بیان اور آیات کتاب اللہ کے ارشادات کے بھی مخالف ہیں۔

ہمیں ضرورت نہیں تھی کہ توریت کی متضاد اور مختلف آیتوں کو زیر بحث لائیں۔ حسبنا کتاب اللہ و احادیث رسولہ ﷺ۔ لیکن اس کو دعویٰ تحقیق و تفتیش کی بوالعجی کہنا چاہیے یا اپنی بدنصیبی۔ کہ سرسید احمد صاحب مرحوم بانی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے جب اپنے مشہور خطبات (خطبات احمدیہ) مرتب فرمائے تو ان کے جدت آفرین اجتہاد و استنباط نے یہ بھی ضروری سمجھا کہ وہ توریت کی متضاد آیتوں کو بنا سنوار کر قابل اعتماد قرار دیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو نکتہ چینی کے شکنجہ میں کس کر ناقابل اعتبار فرمائیں۔

سرسید صاحب کے ایک دوست "مولانا عنایت رسولؐ صاحب چڑیا کوٹی" نے بڑی کاوش سے عبرانی اور یونانی زبانیں سیکھیں پھر توریت و انجیل کی وہ عبارتیں جمع کیں جن میں آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کی بشارتیں ہیں۔ آپ نے تلاش و جستجو کر کے سرسید صاحب کے لیے مواد فراہم کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے بارے میں آپ سرسید صاحب کے ہمنوا ہیں مگر توریت کی آیتوں سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ سرسید صاحب کی تحقیق کے مخالف ہے۔

شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیرہا

آنحضرت ﷺ کے غزوات کے سلسلہ میں تعمیر کعبہ اور بناء بیت اللہ کو جو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ وہ گذشتہ صفحات میں تفصیل سے بیان کی گئی ہے۔ لیکن سرسید صاحب اور چڑیا کوٹی صاحب کی طرح توریت

کی آیتوں پر اگر اعتماد کیا جائے تو یہ اہمیت ختم ہو جاتی ہے ورنہ اس کی بنیادیں ضرور ہل جاتی ہیں لہٰذا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ توریت کی آیتوں کو پیش کرتے ہوئے سرسید صاحب اور چڑیا کوٹی صاحب کی تحقیقات نقل کریں پھر اس پر تبصرہ کریں وباللہ التوفیق۔

حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے اس واقعہ کے متعلق توریت میں ہے۔

اور سرہ نے دیکھا کہ ہاجرہ مصری کا بیٹا جو وہ ابرہام سے جنی تھی ٹھٹھے مارتا ہے۔ تب اس نے ابرہام سے کہا کہ اس لونڈی اور اس کے بیٹے کو نکال دے کیونکہ اس لونڈی کا بیٹا میرے بیٹے اسحاق کے ساتھ وارث نہ ہوگا۔ پھر اپنے بیٹے کی خاطر یہ بات ابرہام کی نظر میں نہایت بری معلوم ہوئی۔ خدا نے ابرہام سے کہا۔ وہ بات اس لڑکے اور تیری لونڈی کی بابت تیری نظر میں بری نہ معلوم ہو۔ ہر ایک بات کے حق میں جو سرہ (سارا) نے تجھے کہی اس کی آواز پر کان رکھ۔ کیونکہ تیری نسل اسحاق سے کہلائے گی اور اس لونڈی کے بیٹے سے بھی ایک قوم پیدا کروں گا۔ اس لیے کہ وہ بھی تیری نسل ہے۔ پیدائش۔ باب ۲۱ فقرہ ۹ تا ۱۳۔

تب ابراہام نے صبح سویرے اٹھ کر روٹی اور پانی کی ایک مشک لی اور ہاجرہ کو اس کے کاندھے پر دھر کر دی۔ اور اس لڑکے کو بھی اور اسے رخصت کیا۔ وہ روانہ ہوئی۔ اور بیر سبع کے بیابان میں بھٹکتی پھرتی تھی۔ اور جب مشک کا پانی چک گیا۔ تب اس نے اس لڑکے کو ایک جھاڑی کے نیچے ڈال دیا۔ اور اب اس کے سامنے ایک پتھر کے ٹپے پر دور جا بیٹھی۔ کیونکہ اس نے کہا۔ میں اس لڑکے کا مرنا نہ دیکھوں۔ سو وہ سامنے بیٹھی اور چلا چلا کے روئی۔ تب خدا نے اس لڑکے کی آواز سنی اور خدا کے فرشتے نے آسمان سے ہاجرہ کو پکارا۔ اور اس سے کہا۔ کہ اے ہاجرہ تجھ کو کیا ہوا۔ مت ڈر کہ اس لڑکے کی آواز جہاں وہ پڑا ہے۔۔ خدا نے سنی۔ اٹھ اور لڑکے کو اٹھا اور اسے اپنے ہاتھ سے سنبھال۔ کہ میں اس کو ایک بڑی قوم بناؤں گا۔ پھر خدا نے اس کی آنکھیں کھولیں اور اس نے پانی کا ایک کنواں دیکھا اور جا کر اس مشک کو پانی سے بھر لیا۔ اور لڑکے کو پلایا۔ اور خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا۔ اور وہ بڑھا اور بیابان میں رہا کیا۔ اور تیر انداز ہو گیا۔ اور وہ فاران کے بیابان میں رہا۔ اور اس کی ماں نے ملک مصر سے ایک عورت اس کو بیاہنے کو لی۔ پیدائش۔ باب ۲۱۔ فقرہ ۱۴ تا ۲۱۔

ان فقروں ۱۴۔ تا ۲۱۔ کا ترجمہ۔ مولانا عنایت رسول صاحب چڑیا کوٹی نے یہ کیا ہے۔

علی الصباح کچھ زاد راہ ہاجرہ کو دے کر رخصت کیا۔ وہ روانہ ہوئے اور بیر سبع کے میدان میں مبہوت ہوئے۔ وہاں پانی ختم ہو گیا۔ تب چھوڑ دیا اس نے بیٹے کو کسی درخت کے نیچے۔ اور ہٹ کے کچھ دور جو ان کے سامنے بیٹھے۔ ایک تیر پر تاب کے

فاصلہ سے۔ اس خیال سے کہ اس جو ان کی موت کا صدمہ نہ دیکھوں اور چلا کے رونے لگی۔ تب خدا اس جوان کی دعا کی طرف متوجہ ہوا۔ اور فرشتہ آسمانی نے ہاجرہ کو پکار کر کہا۔ کیا ہے ہاجرہ مت ڈر خدا نے اس جوان کی دعا قبول کی۔ مطابق اس کے حال کے اٹھ اس جوان کو اٹھا۔ اور اپنا احسان اس کے ساتھ محکم کر۔ کہ اس سے بڑی قوم کے لیے قائم رکھوں گا۔ پھر فرشتہ نے ہاجرہ کی آنکھ کھول دی۔ اور کنواں مل گیا۔ پھر تو ہاجرہ نے مشک بھرلی۔ اور جوان کو پلایا۔ پھر فرشتہ اس کے ساتھ ؟ اور وہ جوان معزز ہوا اور عرب میں قیام کیا اور شکار دوست ہوا۔ اس نے فاران کے میدان میں سکونت اختیار کی۔ بشری۔ ص ۵۵ و ص ۵۶

یہ توریت کی آیتوں کے دو ترجمے ہیں۔ پہلا ترجمہ توریت اور انجیل کے علماء کا کیا ہوا ہے جن کو توریت کا مزاج شناس کہنا چاہیے۔ اور دوسرا ترجمہ مولانا عنایت رسول چڑیا کوٹی کا ہے جو محترم سرسید احمد صاحب (بانی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ و مصنف خطبات احمدیہ) کے ہم عصر تھے۔ مولانا عنایت رسول صاحب عربی کے فاضل تھے۔ اس زمانہ میں عیسائی پادریوں کا زور تھا۔ جگہ جگہ مناظرے کرتے پھرتے تھے۔ حکومت برطانیہ کی پشت پناہی ان کو حاصل تھی۔ حضرت مولانا رحمت اللہ اور ڈاکٹر وزیر علی رحمہا اللہ جیسے بزرگوں نے جس پامردی سے ان کا مقابلہ کیا۔ اور نہ صرف ان پادریوں کا بلکہ ان کی پشت پناہ انگریزی حکومت کا بھی جس طرح مقابلہ کیا۔ اور جس قوت سے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں حصہ لیا وہ تاریخ کی ناقابل انکار حقیقت ہے۔ ہم نے علماء ہند کے شاندار ماضی جلد چہارم میں ان بزرگوں کے حالات درج کیے ہیں۔ بہرحال اس دور میں عیسائیت کی تردید وقت کا ایک نہایت ضروری مطالبہ تھا۔ مولانا عنایت رسول صاحب نے بھی اس تقاضے کو محسوس کیا۔ آپ نے بڑی جدوجہد اور کاوش سے عبرانی اور یونانی زبانوں پر عبور حاصل کیا۔ پھر آپ نے ساری عمر بائبل کے مضامین کی تحقیق عیسائیوں کے اعتراضات کی تردید اور تصنیف و تالیف میں صرف کر دی۔

ان کا ایک رسالہ "النصوص الباہرہ فی حریۃ الہاجرۃ" ہے۔ کہ جس میں یہودیوں کی تصنیفات کے حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ حضرت ہاجرہ باندی نہیں بلکہ شاہی خاندان کی خاتون تھیں۔ سرسید احمد صاحب مرحوم نے "خطبات احمدیہ" میں یہ پورا رسالہ شامل کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ بائبل کی تردید یا تائید میں سرسید احمد صاحب نے جو کچھ لکھا ہے۔ اس کا مواد بظاہر مولانا عنایت رسول صاحب سے ہی حاصل کیا ہے۔ مولانا عنایت رسول صاحب کی ایک تصنیف کا نام بشریٰ ہے۔ جس میں توریت اور انجیل کی وہ آیتیں جمع کی ہیں جن میں آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کی بشارت دی گئی ہے پہلے توریت اور انجیل کی عبرانی یا یونانی عبارتیں جو اصل ہیں وہ عبرانی یا یونانی حروف میں بجنسہ نقل کی ہیں پھر ان کا ترجمہ اور تشریح کی

ہے۔ ہم عبرانی یا یونانی زبان سے واقف نہیں ہیں۔ لہٰذا تردید یا تائید نہیں کر سکتے۔ اور یہ مسئلہ موضوع بحث سے بھی خارج ہے۔ یہاں تو یہ عرض کرنا ہے کہ مکہ معظمہ میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ورود۔ اور زمزم وغیرہ کے متعلق فاضل چڑیا کوٹی نے جو لکھا ہے وہ قابل قبول نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے متعلق آپ نے تحریر فرمایا ہے :

"واضح ہو۔ کہ یہ حدیث مرفوع نہیں ہے۔ یہ قول ابن عباس کا ہے اور ظاہر ہے کہ ان کے وقت کا ماجرا نہیں ہے۔ کسی سے سن کے کہا ہو گا۔ لہٰذا بمقابل آیات تورات موثق نہیں ہو سکتا۔ جو حضرت ابراہیم کی کمال سنگدلی پر دلالت کرتا ہے۔ انبیاء کی یہ شان نہیں ہے۔ علاوہ بریں دو برس کے سن میں وہ مکے کے جنگل میں پہونچائے گئے۔ پھر حضرت ابراہیم وہاں جب آئے جب وہ جوان ہو گئے۔ ان کی شادی بھی ہو گئی تھی تو ان کو حضرت ابراہیم قربانی کے لیے کب لے گئے۔ تو یہ اس امر متعارف کے بھی خلاف ہے۔ تقدیر بشریٰ ص ۱۶۔

مکہ معظمہ کی آبادی اور حضرت ہاجرہ کی سکونت وغیرہ کے متعلق آپ کا ارشاد ہے۔ قصہ یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم نے جہاد میں فتح پائی (۲۰۷) ۔ تو سام ابن نوح جو اس وقت میں امام تھے۔ عشر لینے کے لیے آئے ان کے پاس گئے اور انہوں نے دیا۔ (اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں) مکہ اس وقت بھی حرم تھا۔ حضرت اسمٰعیل اور حضرت ہاجرہ کے قصہ سے بھی مستنبط ہوتا ہے کہ اس وقت یہ مسجد قائم تھی۔ حضرت ابراہیم نے رفع نزاع کے واسطے سام بن نوح کے پاس جو اس وقت تک زندہ تھے۔ مکہ روانہ کیا تھا مقصود یہ تھا کہ حضرت اسمٰعیل وہاں رہیں اور بعد وفات سام کے وہاں کے امام ہوں کیونکہ ولادت حضرت اسمٰعیل ۲۰۳۴ ہبوطی میں تھی اور وفات سام بن نوح ۲۱۵۸ ہبوطی میں (دنیا میں حضرت آدم علیہ السلام کی آمد سے ایک سنہ کا آغاز مانا گیا اسے سنہ ہبوطی کہتے ہیں) مقصد یہ ہے کہ ۲۰۴۸ ہبوطی میں حضرت اسحاق پیدا ہوئے۔ ایک روز دونوں بھائیوں میں دربارہ میراث کچھ گفتگو تھی۔ حضرت اسمٰعیل نے کہا۔ کہ میں بڑا ہوں۔ حضرت سارہ کو یہ مباحثہ ناپسند ہوا۔ اور حضرت ابراہیم سے کہا۔ کہ اس لونڈی اور اس کے بیٹے کو نکالو۔ میرے بیٹے کے ساتھ میراث نہ پاوے۔ غالباً" اس وقت حضرت اسحاق کا سن بارہ برس کا ہو گا تو لامحالہ حضرت اسمٰعیل کی عمر ۲۴۔ برس کی ہو گی۔ کیونکہ ایسے مباحثے تمیز ہی سے ہوتے ہیں۔ گو یہ بات حضرت ابراہیم کو ناپسند ہوئی۔ پھر بنظر مال اندیشی حضرت ہاجرہ کو اور حضرت اسمٰعیل کو مکہ روانہ کیا۔ کچھ پانی اور زاد راہ حضرت ہاجرہ کے کندھے پر رکھ دیا۔ اور کچھ حضرت اسمٰعیل کو دیا۔ لیکن پانی راہ میں ختم ہو گیا۔ مقام صفا و مروہ تک بہزار قباحت پہونچے۔ حضرت اسمٰعیل پر ایسی تشنگی غالب ہوئی کہ قریب الہلاک تھے۔ پھر جب ان کی ماں کو پانی معلوم ہوا۔ تو پیاس کی تکلیف رفع ہوئی اور اسی جگہ سکونت اختیار کی۔ یہ

خلاصہ ہے توریت اور اس کی تفاسیر کا۔ (بشریٰ ص ۱۳)

مختصر یہ کہ تعمیر کعبہ۔ آبادی مکہ۔ ظہور زمزم۔ وغیرہ کے متعلق جو کچھ علماء اسلام تحریر فرماتے ہیں چڑیا کوٹی صاحب کی نظر میں وہ سب غلط ہے۔

سرسید احمد صاحب کو احادیث سے خاص پرخاش ہے۔ ان کے خیال میں کسی حدیث کے صحیح ہونے کا معیار یہ ہے کہ وہ خود ان کی رائے اور ان کے رجحان کے موافق ہو۔ جس کا نام انہوں نے "درایت" رکھا ہے۔ انہوں نے بھی چڑیا کوٹی صاحب کی تقلید کی اور خطبات احمدیہ کے مختلف ابواب و مضامین میں اسی کو دہرا دیا۔

ہمیں اپنی بات کی پچ نہیں ہے لیکن یہ مسئلہ یقیناً" تحقیق طلب ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو مانا جائے یا چڑیا کوٹی صاحب کی تحقیق کو۔

سرسید صاحب کا دعویٰ یہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ان دونوں روایتوں میں اختلاف ہے۔ ایک میں ایک مضمون ہے اور ایک میں نہیں۔ (خطبات احمدیہ ص ۶۶) پھر ان دونوں روایتوں کو آمنے سامنے دو کالموں میں لکھ کر اختلاف نمایاں کیا ہے (ص ۶۷ تا ۶۹) ہم روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس مصنوعی اختلاف پر تو بعد میں کچھ روشنی ڈالیں گے پہلے ہم سرسید صاحب کی ایک عادلانہ یا معاندانہ روش کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔ آپ توریت کی آیتوں پر دوبارہ نظر ڈالیے۔ کھلا ہوا اختلاف نظر آئے گا۔ پھر دونوں ترجمے ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن حضرت سرسید صاحب کا انصاف یہ ہے کہ توریت انتشار کلام اور اختلاف مضمون کے باوجود کتاب مقدس ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت صحت سند کے باوجود۔ ناقابل تسلیم۔ اب اختلاف نہیں بلکہ اختلافات ملاحظہ فرمائیے۔ اول سرسید صاحب اور چڑیا کوٹی صاحب کی تحقیقات کی ایک جھلک دیکھئے۔

(۱) چڑیا کوٹی صاحب فرماتے ہیں کہ زمزم ایک کنواں تھا اور سرسید صاحب ایک جگہ فرماتے ہیں "خانہ بدوش عرب پانی کے چشمہ کو جو ان کو جنگل میں ملتا تھا جھانکڑ وغیرہ ڈال کر مٹی سے چھپا دیتے تھے تا کہ ان کے سوا کسی کو اس کا پتہ نہ ملے۔ اور یہ رسم پانی کے کمیاب ہونے سے ان میں جاری تھی۔ اور اب تک جاری ہے۔ یہ بات نہایت قرین قیاس ہے کہ اسی طرح عربوں نے اس چشمہ کو جو اس مقام پر تھا جہاں اب چاہ زمزم واقع ہے۔ چھپا دیا ہو گا۔ کیونکہ "بیر" عبری میں چشمہ آب کے معنی میں بھی آتا ہے۔ (خطبات احمدیہ ص ۸۶)

دوسرے موقع پر فرماتے ہیں :

(حضرت ہاجرہ کو) اسی جستجو میں اتفاقاً" کنکروں اور پتھروں کے نیچے پانی کا نشان معلوم ہوا۔ اور ان کے ہٹانے سے پانی نکل آیا۔ (خطبات احمدیہ ص ۳۳۵)

اس کے برخلاف مولانا عنایت رسول صاحب فرماتے ہیں۔

بیر سبع (جس کا تذکرہ تورات میں ہے) کون مقام ہے۔ جہاں ہاجرہ پریشان ہوئی تھیں میرے نزدیک وہ مقام صفاء مروہ ہے۔ بیر عبرانی و عربی میں کوئیں اور چاہ کو کہتے ہیں شبع و سبع عبرانی اور عربی میں سات کو چونکہ ہاجرہ۔ صفاء مروہ کے بیچ میں سات مرتبہ دوڑی تھیں جس کے بعد زمزم کنواں ملا تو اس میدان کو خدا نے بیر سبع سے بیان کیا۔ (بشری ص ۵۶۔)

پھر چڑیا کوٹی صاحب فرماتے ہیں۔

بیر سبع جو شام میں ہے۔ وہاں متعدد کنوئیں ہیں۔ (بشری ص ۵۷)

(۲) توریت کی آیتوں کا جو ترجمہ چڑیا کوٹی صاحب نے کیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ہاجرہ اس بیر سبع پر جو شام میں ہے تشریف نہیں لے گئیں۔ اور سرسید صاحب نے ان آیات کا خلاصہ یہ بیان فرمایا ہے۔

مکان سے نکلنے کے بعد حضرت ہاجرہ بیابان بیر سبع میں پھرتی رہیں۔ مگر ملک کا وہ حصہ سکونت کے قابل نہیں تھا کیونکہ بیر سبع کے اردگرد ایسی قومیں رہتی تھیں جو لڑاکا اور جھگڑالو تھیں۔ اور ذرا سا رحم بھی ان کے دل میں نہ تھا۔ اس لیے حضرت ہاجرہ نے ایسے مقام پر جانے کا خیال کیا ہوگا۔ جہاں ان کو امن ملے اور آسائش سے رہ سکیں اور ایسا مقام بلاشبہ وُہ تھا جہاں عرب العاربہ کی قومیں رہتی تھیں۔ اس لیے کچھ شک نہیں رہتا کہ حضرت ہاجرہ نے اس نواح میں جانے کا قصد کیا۔ (خطبات احمدیہ ص ۸۵۔)

مختصر یہ کہ سید صاحب فرماتے ہیں کہ زمزم چشمہ تھا۔ چڑیا کوٹی صاحب فرماتے ہیں۔ کنواں تھا سید صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت ہاجرہ بیر سبع جو شام میں ہے وہاں تشریف لے گئیں اور وہاں سے اس وادی میں گئیں جہاں زمزم ہے۔ چڑیا کوٹی صاحب فرماتے ہیں۔ حضرت ہاجرہ شام والے بیر سبع کے میدان میں نہیں گئیں۔

(۳) جو روایتیں مقامی طور پر مشہور ہوں۔ (خاندانی روایتیں) ان کو چڑیا کوٹی صاحب اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ اپنے اس دعوے کی کہ (بیر سبع سے مراد مقام صفا۔ و مروہ ہے) دلیل میں مقامی روایتوں ہی کو پیش کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

چونکہ ہاجرہ صفا اور مروہ کے بیچ میں سات' مرتبہ دوڑی تھیں جس سے زمزم کنواں ملا۔ تو اس میدان کو خدا نے "بیر سبع" سے بیان کیا۔ اب تک اہل اسلام بین الصفاء والمروہ سات مرتبہ سعی کرتے ہیں۔ یہ رسم برابر قریش میں بطور یادگار جاری ہے۔ حضرت اسمٰعیل و ہاجرہ کا حال جو کچھ ان کی اولاد سے ملے وہ موثق ہے۔ اس سے

جو دوسری قوم سے ملے۔ ان بزرگوں کا حال مسلمانوں میں بہت بسط و شرح سے مشہور ہے۔ یہ واقعہ یعنی ہاجرہ کا پریشان ہونا اور غلبہ تشنگی اور نمود زمزم بین الصفاء والمروہ مشہور ہے لہٰذا بیر سبع جو اس آیت میں مرقوم ہے اس سے مقصود بین الصفاء و المروہ ہے۔ (بشریٰ صفحہ ۵۷)

لیکن اس کے برخلاف سید صاحب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو غیر مستند اسی لیے قرار دیتے ہیں کہ مقامی روایتوں سے زیادہ معتبر ہونے کا درجہ نہیں رکھتی۔

آپ فرماتے ہیں

صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو باتیں یہودیوں میں مشہور تھیں۔ انہیں کو ابن عباس نے بیان کیا ہے۔ بس وہ روایتیں ایک مقامی روایتوں سے زیادہ معتبر ہونے کا درجہ نہیں رکھتی ہیں۔ (خطبات احمدیہ صفحہ ۶۶)

یہ ان دونوں محققین کی تحقیقات کی ایک جھلک تھی اس کے بعد آپ ترجموں پر نظر ڈالیے۔ توریت کے مستند ترجمہ سے (جو بائبل سوسائٹی کی طرف سے پوری ذمہ داری کے ساتھ شائع کیا گیا ہے) معلوم ہوتا ہے کہ۔

(ا) حضرت اسمٰعیل کو حضرت ہاجرہ کے گود میں دیا گیا۔ یا ان کے کاندھے پر بٹھا دیا گیا کیونکہ باب ۲۱ کے فقرہ (۱۴) کے الفاظ یہ ہیں۔

تب ابراہام نے صبح سویرے اٹھ کر روٹی اور پانی کی ایک مشک لی اور ہاجرہ کو اس کے کندھے پر دھر کر دی۔ اور اس لڑکے کو بھی۔ اور اسے رخصت کیا۔

ممکن ہے۔ ان سطور کے پڑھنے والوں کو خلجان پیدا ہو۔ کہ غریب ہاجرہ کا کاندھا کتنا بڑا تھا کہ اس پر پانی کا مشکیزہ بھی رکھ دیا گیا۔ ناشتہ بھی رکھ دیا گیا۔ اور اس لڑکے کو بھی۔

مگر اس خلجان کا حل سرسید صاحب سے معلوم کرنا چاہیے۔ جن کو اس قسم کے خلجان سے اتنی وحشت ہوتی ہے کہ محض لفظ اختلاف کی بنا پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی مستند روایت کو ساقط کر دیا مگر افسوس یہ ہے کہ سرسید صاحب اس طرح کی جرات معاذ اللہ۔ صحابہ کرام اور آنحضرت ﷺ کی ارشادات کی شان میں ہی کر سکتے ہیں۔ ان کی یہ ہمت نہیں کہ "بائبل مقدس" کی شان میں کوئی ایسی جرات کریں۔

"مسٹر فارسٹر" اور "بشپ ہارسلی" نے جو تاویل کی ہے۔ سرسید احمد صاحب نے اس پر تو تنقید کر دی مگر "بائبل مقدس" یا اس کے اس اردو ترجمہ کے متعلق آپ کا قلم جنبش نہیں کر سکا۔ آپ نے فارسی ترجمہ کی پناہ لی۔ اور فرما دیا کہ "اس میں ایک لفظ" "بادوادہ" ہے جو اصل عبری توریت میں نہیں ہے ۔(۲۰۸)

لیکن اگر یہ لفظ نہ بھی ہو۔ تب بھی یہ خلجان رفع نہیں ہوتا۔ اردو ترجمہ میں باودادہ کا ترجمہ نہیں کیا گیا۔ یعنی اردو ترجمہ سرسید احمد صاحب کی رائے کے مطابق اصل عبری کا ترجمہ ہے۔ کیونکہ اس میں صرف یہی ہے۔ "اور اس لڑکے کو بھی" باودادہ کا ترجمہ کیا جاتا تو یہاں یہ بھی ہوتا۔ "اس کو دیا" یعنی ترجمہ یہ ہوتا اس لڑکے کو بھی اس کو دے دیا۔

یہ تو سرسید صاحب کا کردار ہے۔ جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں پوری ذہانت سے موشگافی فرماتے ہیں اور بال کی کھال نکالتے ہیں۔ اب مولانا عنایت رسول صاحب کی ذہانت و حذاقت ملاحظہ فرمایئے۔ انہوں نے اس پورے جھگڑے ہی کو ختم کر دیا اور فقرہ ۱۴ کا ترجمہ یہ کر دیا۔

"علی الصباح کچھ زاد راہ ہاجرہ کو دے کر رخصت کیا۔ وہ روانہ ہوئے" غور فرمایئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بیان پر تنقید کرنے والے بائبل مقدس کے حق میں کس درجہ پردہ پوش۔ اور سیر چشم ہیں۔

آپ نے مشکیزہ۔ کندھا وغیرہ سب حذف کر دیا اور بچہ کو اس قابل بھی نہیں سمجھا کہ اس کا ذکر بھی کر دیں۔ کیونکہ اس کے تذکرہ سے خلجان ہوتا تھا۔

(۲) توریت کے مستند ترجمہ میں ہے۔

اس لڑکے کو ایک جھاڑی کے نیچے ڈال دیا۔ فارسی ترجمہ ہے۔ پسر را در زیر بوتہ از بوتہا گذاشت۔ مگر چڑیا کوٹی صاحب نے ترجمہ فرمایا ہے۔ تب چھوڑ دیا اس نے بیٹے کو کسی درخت کے نیچے۔

(۳) مستند ترجمہ میں سب جگہ لڑکے کا لفظ ہے۔

فارسی ترجمہ میں لفظ "پسر" مگر چڑیا کوٹی صاحب نے لفظ "جوان" تحریر فرمایا ہے۔ گویا لڑکے اور جوان میں کوئی فرق ہی نہیں ہے۔

سب سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہے کہ جو ترجمہ بھی صحیح مانا جائے ہر ایک ترجمہ سے ماں کی حیثیت اصل یعنی متبوع سرپرست اور نگراں جیسی حیثیت ثابت ہوتی ہے۔

لڑکے کو کاندھے پر بٹھا کر روانہ کیا ہو۔ یا گود میں دے کر یا ماں کی انگلی پکڑا دی ہو۔ یا بقول چڑیا کوٹی صاحب ماں کو زادراہ دے کر رخصت کیا ہو۔ اور بچہ اس قابل بھی نہ ہو کہ اس کا تذکرہ کیا جائے۔

پھر بچہ کو جھاڑی کے نیچے ڈال دیا ہو۔ یا کسی درخت کے نیچے چھوڑ دیا ہو۔ یہ سب کچھ اسی وقت ہو گا جب کہ ماں کی حیثیت اصل و متبوع یعنی سرپرست اور متولی جیسی ہو۔ اور بچہ دودھ پیتا ہو۔ یا تین چار سال کا ہو۔

یہ بات تو سراسر مضحکہ انگیز ہے کہ جوان بچے کو ماں نے جھاڑی کے نیچے ڈال دیا۔ نیز جوان لڑکا درخت کے نیچے چھوڑا نہیں جاتا "ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ بالغ اولاد کو فرمائش کی جائے کہ وہاں بیٹھ جاؤ۔ مگر

چڑیا کوٹی صاحب کا ترجمہ یہ ہے۔ تب چھوڑ دیا اس نے بیٹے کو کسی درخت کے نیچے۔ یعنی ماں صاحب عزم و اراداہ اور صاحب اختیار ہے اور لڑکا تابع۔ اور یہ جو فرشتہ آسمانی کہہ رہا ہے۔

"اٹھ۔ اور لڑکے کو اٹھا۔ اور اسے اپنے ہاتھ سے سنبھال۔ فقرہ ۱۸ باب ۲۱"

"برخیزو پسرر ابردار و بدست اوراںگیر" (ترجمہ فارسی)

اور بقول چڑیا کوٹی صاحب ۔ اٹھ۔ اس جوان کو اٹھا۔

فرشتہ کی یہ بشارت یا فرمائش اور اس کے لیے حضرت ہاجرہ سے خطاب۔ اسی صورت میں صحیح ہو سکتا ہے جب ماں سرپرست و گارجین ہو۔

مگر جیسا کہ پہلے گذرا۔

حضرت مولانا عنات رسول صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ اس وقت حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی عمر ۲۴۔ ۲۵ برس ہو گی۔ (بشریٰ صفحہ ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۶۔ ۴۲۴)

کس قدر عجیب بات ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام ابن یعقوب علیہ السلام بن اسحاق علیہ السلام بن ابراہیم علیہ السلام تو ۲۴۔ ۲۵ سال کی عمر (۲۰۹) میں عزیز مصر کے وزیر خوراک بن کر ایسا بہتر انتظام کر دیں کہ سات سال کے قحط میں کوئی بھوکا تو کیا مرتا۔ دوسرے ملک (کنعان و شام) کے قافلوں کو بھی غلہ بخشتے رہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے چچیرے دادا۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پچیس سال کی عمر میں ایسے ننھے منے کہ انگلی پکڑے ہوئے ماں کے پیچھے پیچھے پھریں۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنہ نیکاں برد

یہ محقق چڑیا کوٹی صاحب ہیں انہیں اتنا ہوش نہیں کہ ۲۴۔ ۲۵ سال کے جوان کو اگر نکالنا ہوتا ہے تو خود اس کو نکالا جاتا ہے۔ ماں کے تابع بنا کر نہیں نکالا جاتا۔ اگر فی الواقع اتنی عمر تھی یا مفسرین (۲۱۰) توریت کے بیان کے بموجب ۱۷۔ ۱۸ سال کی عمر تھی۔ تو اخراج کا معاملہ لڑکے کے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔ سترہ سال کے لڑکے کو نہ ماں کے مونڈھے پر رکھا جا سکتا ہے۔ اور نہ کوئی فہم و دانش اسکو تسلیم کر سکتی ہے کہ ۱۷ سالہ لڑکا برابر میں کھڑا ہے اور پانی کا مشکیزہ اور ناشتہ اور بقول چڑیا کوٹی صاحب زادراہ ماں کے مونڈھے پر لادا جائے۔ اور لادنے والا کون۔ ابراہیم خلیل اللہ جیسا مربی خلائق۔ اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ رسول۔ اور ماں کو لدتے ہوئے دیکھنے والا کون۔ اسمٰعیل ذبیح اللہ جیسا فرمانبردار لڑکا۔ جو باپ کے ارشاد پر بلاچون و چرا۔ نہایت خوشی سے ذبح ہونے کے لیے تیار ہو گیا۔

اگر مفسرین توراۃ انبیاء علیہم السلام کی شان کو نہیں پہچان سکے تو چڑیا کوٹی صاحب اور سرسید صاحب کو تو ناآشنا نہ ہونا چاہیے۔

توریت کی آیتوں میں تضاد

یہی سرسید صاحب جو اختلاف لفظی کی بنا پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بیان کو مسترد کر رہے ہیں۔ خود انہیں کا ارشاد ہے۔

اصل یہ ہے کہ خود توریت مقدس میں حضرت اسمٰعیل کی عمر کی نسبت جب کہ وہ نکالے گئے نہایت اختلاف پایا جاتا ہے بعض درسوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نہایت بچے تھے اور بعض سے پایا جاتا ہے کہ وہ سولہ سترہ برس کے تھے۔

(خطبات احمدیہ ص ۱۷)

پھر فرماتے ہیں۔

"پانی کے مشکیزے اور اس کے بیٹے کو ہاجرہ کے کندھے پر رکھ کر اس کو روانہ کر دیا۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ ان کی عمر بہت چھوٹی تھی اور اسی وجہ سے لوگوں نے دودھ پیتا ہوا خیال کیا تھا۔ حالانکہ اسی باب کی چودھویں (۲۱) آیت اس کے خلاف ہے" (خطبات صفحہ ۱۷)

پھر فرماتے ہیں۔

"عیسائی عالموں نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ اس چودہویں آیت سے بلاشبہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اس زمانہ میں بہت چھوٹی عمر ہونا پایا جاتا ہے جو توریت کی بہت سی آیتوں کے برخلاف ہے اس لیے انہوں نے اس کی نسبت بہت کچھ بحث کی ہے"

اب انسان حیران ہو جاتا ہے۔ اس کو سید صاحب کی ملاطفت اور انصاف پسندی قرار دے یا اس اقتدار کا کرشمہ سمجھے جو اس زمانہ میں بائبل کے ماننے والوں کو ہندوستان میں حاصل تھا انتہا ہو گئی۔ کھلا ہوا تناقض اور تضاد موجود ہے۔ مگر سرسید صاحب کی شان عفو و درگذر ان آیتوں کو مجروح اور ناقابل اعتبار نہیں قرار دیتی۔ بلکہ ان کی توجیہہ اس طرح کرتی ہے۔

اصل واقعہ صرف اتنا ہے کہ حضرت ابراہیم نے اپنی پہلی بی بی سارہ کے کہنے سے اپنی دوسری بی بی ہاجرہ اور ان کے بیٹے اسمٰعیل کو جو ہوشیار اور بڑے ہو گئے تھے گھر سے نکال دیا اور وہ دونوں بیابان بیر شبع میں چلے گئے۔ چلتے چلتے اور منزلیں طے کرتے ہوئے' وہ اس مقام پر پہونچے۔ جہاں اب مکہ ہے۔ پیاس کی شدت سے حضرت اسمٰعیل کی حالت خراب ہو گئی اور مرنے کی نوبت پہونچ گئی۔ حضرت ہاجرہ ان

کو ایک درخت کے سایہ میں بٹھا کر پانی کی تلاش کو ادھر ادھر دوڑتی پھریں اور بمشکل پانی ملا اور جہاں پانی ملا تھا اسی جگہ انہوں نے سکونت اختیار کر لی کیونکہ عرب میں لوگ اسی جگہ سکونت اختیار کرتے تھے۔ جہاں پانی دستیاب ہوتا تھا۔

(خطبات احمدیہ ص ۴۳)

اب اس توجیہہ اور تطبیق کے سلسلہ میں بھی ایک عجیب لطیفہ سے سرسید صاحب نے بائبل کی آیتوں کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے یہ توجیہہ کی جو اوپر گذری۔ مگر محترم عنایت رسول صاحب نے اگرچہ صاف طور پر نہیں تحریر فرمایا۔ مگر جو کچھ اپنی تحقیق سے تحریر فرمایا اس کا حاصل یہ ہے کہ توریت کی آیتیں لغو ہیں۔ قطعاً" ناقابل اعتبار ہیں۔

آپ اتنی بات تو مانتے ہیں کہ حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام کے آپس میں میراث کی بحث چلی۔ اور چونکہ میراث کی گفتگو بچہ اسی وقت کر سکتا ہے جب کہ ہوشیار ہو گیا ہو۔ لہٰذا اس گفتگو کے وقت حضرت اسحاق کی عمر دس بارہ سال ہو گی اور چونکہ حضرت اسحاق سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام چودہ سال بڑے تھے تو ان کی عمر اس وقت چوبیس پچیس سال ہو گی۔ مگر اخراج اور نکال دینے کی بات صحیح نہیں مانتے۔ بلکہ آپ کی تحقیق یہ ہے۔

حضرت ابراہیم نے رفع نزاع کے واسطے ان کو سام بن نوح کے پاس جو اس وقت تک زندہ تھے مکہ روانہ کیا تھا۔ مقصود یہ تھا کہ حضرت اسمٰعیل وہاں رہیں اور بعد وفات سام کے وہاں کے امام ہوں۔ (بشریٰ ص ۱۳)

چڑیا کوٹی صاحب کے اس ارشاد کے بموجب قرآن کی یہ آیت معاذ اللہ بے معنی ہو گئی۔ جس مین حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا ذکر ہے۔

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ الاٰیۃ

(اے رب میں نے اپنی کچھ اولاد اس وادی غیر ذی زرع میں آباد کی ہے)

خدا کی پناہ ۔ دماغی انتشار کی بھی حد ہو گئی۔ قرآن پاک کی بات مانیں یا چڑیا کوٹی کی۔

سنگدلی

چڑیا کوٹی صاحب کے یہ الفاظ اوپر گذر چکے ہیں۔

(حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان) بمقابل آیات تورات موثق نہیں ہو سکتا جو حضرت ابراہیم کی کمال سنگدلی پر دلالت کرتا ہے۔ انبیاء کی یہ شان نہیں ہے۔ (بشریٰ صفحہ ۱۶)

مگر چڑیا کوٹی صاحب نے یہ نہیں بتایا۔ کہ ایک بیوی کے کہنے سے دوسری بیوی کو نکال دینا کون سی رحمدلی ہے۔ اور اخراج بھی اس بے سروسامانی اور لاپرواہی کے ساتھ کے جنگلوں میں بھٹکتے ہوئے پھریں یہاں تک کہ وہی جوان صالح و سعید جو باپ کے کہنے پر ذبح ہونے کے لیے آمادہ ہو گیا تھا۔ وہ پیاس اور تشنگی کے سبب سے لب دم ہو جائے۔

شاید علامہ چڑیا کوٹی' یہ جواب دیدیں کہ حضرت ابراہیم نے یہ فعل اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا۔ کیونکہ توارات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے الہام کیا تھا کہ سارہ کا کہنا مانو۔ نیز اللہ تعالیٰ نے بشارت بھی دیدی تھی کہ اس لونڈی کے بیٹے سے بھی میں ایک قوم پیدا کروں گا۔ (پیدائش باب ۲۱ فقرہ ۱۳)

تو یہی بات تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی فرمائی تھی۔ جب اس میدان میں حضرت ہاجرہ اور ان کے بچے کو چھوڑ کر روانہ ہونے لگے تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اسی زیر بحث روایت میں ہے۔

حضرت ہاجرہ نے کہا۔

اے ابراہیم آپ ہمیں اس وادی میں جہاں نہ کوئی انیس و ہمدرد ہے۔ نہ کوئی چیز ہے۔ چھوڑ کر کہاں جاتے ہو۔

حضرت ہاجرہ یہ سوال کر رہی تھیں اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کوئی جواب نہیں دے رہے۔ پھر حضرت ہاجرہ نے کہا۔

اللہ امرک بھذا کیا آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس بات کا حکم کیا ہے۔

تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ نعم (جی ہاں)

حضرت ہاجرہ کو معلوم ہوا کہ یہ سب کام اللہ کے حکم سے ہوا ہے تو فرمایا۔

اذن لا یضیعنا. تب اللہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ محقق چڑیا کوٹی کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام دونوں ذبیح ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

میرے نزدیک یہ ماجرا دونوں کے ساتھ گذرا۔ (بشریٰ صفحہ ۴۳۳)

اس موقع پر اس سوال کا حق ہونا چاہیے کہ باپ کا بیٹے کو ذبح کر دینا۔ یا بیٹے کے ذبح پر آمادہ ہو جانا۔ کون سی رحمدلی ہے۔ اور اگر ارشاد الٰہی اور منشاء ربانی کو یہ عظمت حاصل ہے کہ اس کی تعمیل کے لیے سنگدلی بھی رحمدلی ہو جاتی ہے۔ اور جو فعل موجب قصاص ہو سکتا ہے وہ اللہ کے حکم پر اگر کیا جائے تو وہ سراسر تسلیم و رضا انقیاد اور اطاعت شعاری کا شعار اعظم ہو جاتا ہے۔ تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ فعل بھی کہ بیوی اور بچے کو لے جاکر" وادی غیرذی زرع" میں بٹھا آئے۔ سنگدلی نہیں ہو گا۔ بلکہ اس ایثار۔ اس فدائیت اور خلت کا تقاضا ہو گا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مخصوص اور ممتاز حصہ ہے جس کی

بناء پر آپ کو خلیل اللہ کا خطاب دیا گیا۔ اسی بناء پر ادب آموزان شریعت و طریقت نے فرمایا ہے۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

قربانی کے لیے کب گئے

چڑیا کوٹی صاحب کا ایک اعتراض یہ بھی ہے۔

•دو برس کے سن میں تو وے مکے کے جنگل میں پہونچائے گئے پھر حضرت ابراہیمؑ جب آئے جب وے جوان ہو لیے ان کی شادی بھی ہو گئی تھی تو ان کو حضرت ابراہیم قربانی کے لیے کب لے گئے (بشریٰ ص ۱۶)

اس کا جواب یہ ہے۔

"سخن شناس نئ دلبرا خطا اینجاست"

یہ کس نے کہا کہ اس عرصہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام قطعا" آئے ہی نہیں اور بیوی بچوں کو چھوڑ کر ایسے گئے کہ پھر بیس برس بعد پلٹے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں اگر اس درمیان میں آنے کا تذکرہ نہیں ہے تو یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اس عرصہ میں آئے بھی نہیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس روایت میں حضرت اسمٰعیل یا حضرت ابراہیم علیہما السلام کی پوری سوانح حیات نہیں بیان فرمائی۔ خاص خاص واقعات کا تذکرہ کیا ہے۔ اب اگر کسی واقعہ کا تذکرہ نہیں کیا تو یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ وہ واقعہ ہوا ہی نہیں ہے۔ یہ چڑیا کوٹی صاحب کا قصور فہم اور تنگ نظری ہے۔

"چوں ندید ند حقیقت رہ افسانہ زدند"

بنیادی غلطی اور تفاوت راہ

جو توریت ہمارے سامنے ہے وہ انہیں یہودیوں کا اندوختہ ہے جو حضرات انبیاء علیہم السلام کے ادب و احترام سے ناآشنا تھے۔ صرف تحریف ہی نہیں بلکہ اپنی تصنیف کو خدا کی طرف (۲۱۲) منسوب کر دینا اور اللہ تعالیٰ پر بہتان (۲۱۳) باندھنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ جو یہود انبیاء علیہم السلام کے خون ناحق سے ہاتھ رنگتے اور پھر اس جرم عظیم پر فخر کیا کرتے تھے۔ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے زمانے کے کسی بدکردار رئیس پر قیاس کیا اور حضرت اسمٰعیل و ہاجرہ علیہم السلام کے اس واقعہ کو گھریلو جھگڑے کا شاخسانہ قرار دے دیا اور فاضل محترم چڑیا کوٹی اور زعیم قوم سرسید صاحب نے ان کی تقلید کا نام تحقیق

رکھ لیا اور اس طرف قطعاً" التفات نہ فرمایا کہ قرآن کیا کہہ رہا ہے۔ ایک حدیث ان کے سامنے آئی تو اس کو ناقابل اعتنا قرار دیدیا یہ بنیادی غلطی ہے۔ قرآن حکیم زن مریدی کے تصور سے بھی انبیاء علیہم السلام کے دامن کو پاک رکھتا ہے وہ عصمت انبیاء علیہم السلام کے کارناموں کو حیات جاودانی بخشتا ہے۔

تاریخ انسانی کا ایک نیا موڑ آ رہا تھا ایک ایسی قوم اور ایسی ملت پیدا کرنی تھی۔ جس کا دامن قیامت کی پیشانی سے چھونے والا تھا۔ اس قوم اور اس ملت کی بنیاد ایثار۔ قربانی۔ عبدیت اور خلت پر ہونی چاہیے تھی۔ وحی الٰہی اسی ایثار اور خلت کو ثابت کرتی ہے۔ معاذ اللہ تند خو مغلوب الغضب جھگڑالو بیوی کے کہنے سے نہیں بلکہ وحی الٰہی کے اشارہ پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے زن و فرزند کی یہ قربانی پیش کی تھی جس کو اسرائیلیات نے میراث کا جھگڑا بنا دیا۔ ہمارا ایمان قرآن پر ہے۔ من بندہ آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم۔ تفصیل نمبر اول میں گذر چکی ہے۔

روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا تعارض

سرسید صاحب نے خطبات احمدیہ کے صفحات ٦٧ تا ٦٩ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایتوں کی ان عبارتوں کو جن کو وہ ایک دوسرے سے متناقض اور متضاد سمجھتے ہیں۔ آمنے سامنے دو کالموں میں تو نقل کر دیا ہے مگر خوبی یہ ہے کہ آپ نے ترجمہ نہیں فرمایا۔ اگر ترجمہ بھی کر دیتے تو شاید سرسید صاحب کی بات نہ بنتی۔ کیونکہ ہر ایک صاحب فہم فیصلہ کر سکتا تھا کہ صرف الفاظ کی تبدیلی سے مقصد نہیں بدلتا۔ مثلاً" آپ کے نزدیک ایک تناقض یہ ہے کہ جب حضرت ہاجرہ کو وہاں بٹھا کر حضرت ابراہیم علیہ السلام روانہ ہونے لگے تو ایک روایت میں ہے۔

نادته من وراءه یا ابراهیم الی من تترکنا

دوسری روایت میں ہے

فقالت یا ابراهیم این تذهب وتترکنا

عربی سے معمولی واقفیت رکھنے والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ دونوں عبارتوں کا مطلب ایک ہے۔ اب اگر حضرت عبداللہ بن عباس نے ایک دفعہ ایک مفہوم کو ایک عبارت سے ادا کر دیا دوسری مرتبہ دوسری عبارت سے تو اس کو متناقض اور متضاد وہی کہہ سکتا ہے جو کم از کم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حق میں انصاف سے دامن جھاڑ چکا ہو۔

پہلی روایت کا ترجمہ یہ ہے۔

آواز دی ہاجرہ نے پیچھے سے۔ اے ابراہیم ہمیں کس کے حوالہ کر کے جا رہے ہو۔

دوسری روایت کا ترجمہ یہ ہے۔

ہاجرہ نے کہا۔ ابراہیم کہاں جا رہے ہو۔ اور ہمیں چھوڑ رہے ہو۔

غالباً سرسید صاحب کے خیال میں تناقض یہ ہے کہ ایک روایت میں پیچھے سے کا لفظ ہے۔ دوسری میں نہیں۔ مگر ظاہر ہے۔ اس سے مفہوم میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جانے والے کو آواز پیچھے سے ہی دی جائے گی اس کو لفظوں میں بیان کیا جائے۔ یا بنظر اختصار بیان نہ کیا جائے۔ مقصود اور مفہوم میں کوئی فرق نہیں آتا دوسرا تناقض ملاحظہ فرمائیے۔

پہلی روایت میں ہے کہ جب حضرت ہاجرہ نے پیچھے سے آواز دے کر کہا۔ ابراہیم کس کے حوالے کر کے جا رہے ہو تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا (الی اللّٰہ) اللہ تعالیٰ کے حوالہ۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ہاجرہ نے کہا۔ ابراہیم کہاں جا رہے ہو۔ اور ہمیں چھوڑ رہے ہو اس وادی میں جہاں نہ کوئی انیس و ہمدرد ہے نہ کوئی چیز ہے۔ حضرت ہاجرہ یہ کہہ رہی تھیں۔ اور حضرت ابراہیم التفات نہیں کر رہے تھے بالآخر۔ ہاجرہ نے کہا۔ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا حکم کیا ہے۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا (نعم) (ہاں) سرسید صاحب کے نزدیک یہ بھی تناقض ہے کہ ایک روایت میں (الی اللّٰہ) ہے اور دوسری میں (نعم) ہے۔

پھر پہلی روایت میں ہے۔ (قالت رضیت باللّٰہ) ہاجرہ نے کہا۔ میں اس پر راضی ہوں۔

(اگر مرضی مولیٰ یہی ہے تو میں راضی ہوں)

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ہاجرہ نے فرمایا۔

اذا لا یضیعنا تب اللہ ہمیں برباد نہیں کرے گا۔

پھر ایک روایت میں ہے۔ فرجعت پھر وہ واپس ہو گئیں۔

دوسری روایت میں ہے۔ ثم رجعت یعنی فا اور ثم کا فرق ہے۔

سرسید صاحب کے نزدیک یہ حرف کا اختلاف بھی تناقض ہے باوجود یکہ مفہوم میں کوئی تفاوت نہیں ہوا۔

مختصر یہ کہ اس قسم کا لفظی اختلاف ہے جس کو سرسید صاحب یہ اہمیت دے رہے ہیں کہ پوری روایت کو ناقابل اعتبار فرماتے ہیں۔

لیکن جس کسی کو بھی اللہ تعالیٰ نے دولت انصاف کا کوئی حصہ عنایت فرمایا ہے وہ یہی فیصلہ کرے گا کہ یہ روایتوں میں تناقض نہیں ہے البتہ سرسید صاحب کو احادیث رسول اللہ ﷺ سے پرخاش اور (معاذ اللہ) تعصب ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ رائی کو پہاڑ بنا کر پیش کرتے ہیں۔ سرسید صاحب نے ایک بات اپنے ذہن میں طے کر لی ہے۔ وہ ان کے نزدیک درایت ہے اس کو تسلیم کرانے کے لیے لایعنی موشگافیوں سے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو ساقط کرنا چاہتے ہیں لہٰذا دو کالموں میں متقابل جملے لکھ کر فرضی تناقص کا مظاہرہ فرما رہے ہیں حالانکہ تناقض کچھ بھی نہیں ہے۔ ایک بیان کرنے والا ایک بات کو کسی وقت تفصیل سے بیان کرتا ہے۔ کسی وقت اختصار کر دیتا ہے۔ دنیا کا کوئی انصاف پسند بھی اس کو تناقض نہیں قرار دے سکتا۔

بسا اوقات گفتگو کا ایک خاص رخ ہوتا ہے۔ اس کی بنا پر ایک جملہ لانا مناسب ہوتا ہے دوسرے موقع پر وہ جملہ مناسب نہیں ہوتا۔ ضرورت سے زائد ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کو زبان پر نہیں لایا جاتا۔ استدلال کے موقع پر صرف وہی فقرہ یا جملہ پیش کیا جاتا ہے۔ جس سے استدلال مقصود ہوتا ہے اس وقت اگر پورا قصہ پیش کیا جائے تو استدلال ہی خبط اور لایعنی ہو جاتا ہے۔

مثلاً" اگر یہ ثابت کرنا ہے کہ فرعون نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔ تو آپ سورہ و النازعات کی ایک آیت کا صرف ایک جملہ پیش کر دیں گے۔ فقال انا ربکم الاعلی

اگر آپ پوری سورۃ پڑھیں گے تو اپنے استدلال کو خراب کر دیں گے اور آپ کا یہ فعل ایک مذاق بن جائے گا قرآن پاک کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ حضرت موسیٰ حضرت ابراہیم حضرت نوح۔ حضرت لوط۔ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے واقعات کو بار بار دہرایا گیا ہے۔ مگر کہیں الفاظ کچھ ہیں کہیں کچھ ہیں۔ ایک جگہ ایک انداز ہے دوسری جگہ دوسرا انداز کہیں واقعہ کے کسی ایک حصہ کو نمایاں کیا گیا ہے کہیں دوسرے حصہ پر زور دیا گیا ہے۔ یہی فصاحت و بلاغت ہے۔ اور یہی کمال خطابت ہے کہ وہی انداز اختیار کیا جائے اور وہی بات بیان کی جائے جو موقع اور محل کے لحاظ سے مناسب اور موثر ہو۔

روایت بالمعنی میں الفاظ کی پابندی نہیں ہوتی۔ صرف یہ بات ضروری ہوتی ہے کہ منشاء اور مقصد کو صحیح طور سے پیش کر دیا جائے۔ قرآن حکیم میں جگہ جگہ اس کی مثالیں موجود ہیں۔

تطبیق

یہ ایک انتہائی پریشانی کا وقت ہے کہ حضرت ہاجرہ اپنے ننھے بچے کے ساتھ یہاں چھوڑی جا رہی ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسا مشفق باپ اور مہربان شوہر۔ اپنے بچے اور بیوی کو "وادی غیر ذی زرع" میں تنہا چھوڑ رہا ہے۔ ایک طرف خداوندی اشارات کا احترام ہے۔ دوسری جانب بیوی اور بچے کی جدائی کا فطری تاثر ہے۔ ایسی صورت میں انسان کی زبان سے بے اختیار جملے نکل جاتے ہیں اور اکثر غیر مربوط بھی ہوتے ہیں۔ یہاں تھوڑی سی توجہ سے بھی کام لیا جائے۔ تو دونوں روایتوں کے جملے ایک دوسرے سے مربوط ہو جاتے ہیں۔ اور لفظی اختلاف کا محل بھی معین ہو جاتا ہے۔ دونوں روایتوں پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو مکالمہ کی ترتیب یہ ہوتی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ کا مکالمہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو یہاں بٹھا کر واپس ہوئے۔ حضرت ہاجرہ کچھ دور تک ان کے پیچھے پیچھے چلتی رہیں یہاں تک کہ یہ دونوں مقام کدا تک پہونچ گئے جب حضرت ہاجرہ نے دیکھا کہ حضرت ابراہیم اس طرح واپس ہو رہے ہیں کہ پیچھے کو مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تو انہوں نے پیچھے سے پکار کر کہا۔

اے ابراہیم ہمیں اس وادی میں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو۔ یہاں نہ کوئی مونس و ہمدرد ہے نہ کھانے پینے کی کوئی چیز ہے۔ اس طرح بے یارومدد گار چھوڑ کر جا رہے ہو؟

حضرت ہاجرہ یہ کہہ رہی تھیں مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام خاموش چلے جا رہے تھے۔ مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے تو پھر آخر نہایت درد آمیز انداز میں حضرت ہاجرہ نے کہا۔ ہمیں کس کے حوالے کر رہے ہو۔ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا۔ الی اللہ۔ اللہ کے۔ اب قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے اور حضرت ہاجرہ جیسی پریشان حال خاتون کے دل میں یہ سوال لامحالہ پیدا ہونا چاہیے تھا کہ یہ صرف حضرت ابراہیم کا اپنا منصوبہ یا خیال ہے یا فی الواقع اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ جس کی بنا پر حضرت ابراہیم ایسا کر رہے ہیں تو حضرت ہاجرہ نے دریافت کیا۔

کیا۔ اللہ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے۔

حضرت ابراہیم کا جواب یہ تھا نعم ہاں یہ اللہ کا حکم ہے۔ جب حضرت ہاجرہ کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے۔ یہ رب العالمین ارحم الراحمین کے اشارہ اور اس کے حکم سے ہے تو ایک خاص تاثر میں کہتی ہیں۔

میرے مولا کا یہی حکم ہے تو وہ ہمیں برباد نہیں کرے گا۔ میں اپنے مولیٰ کی مرضی پر راضی ہوں۔ اب ایک طرف توریت کی متناقض اور متضاد آیتوں کو ملاحظہ فرمائے۔ اور غور فرمائے کہ حضرت سرسید صاحب نے ان متناقض آیتوں کو کس طرح نبھانے اور ان کی تحریف اور ان کے بگاڑ کو کس طرح بنانے اور سنوارنے کی کوشش کی ہے۔ دوسری طرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مزین اور مرصع روایتوں پر نظر ڈالیے کہ بنی بنائی ترتیب کو سرسید صاحب نے کس طرح بگاڑا ہے۔

ایک وزن دار بات

سرسید صاحب نے جن جملوں میں تناقض اور تضاد ظاہر کیا ہے۔ تھوڑی سی توجہ سے وہ اسی طرح مرتب ہو سکتے ہیں۔ البتہ ایک فقرہ یقیناً" تشریح طلب ہے۔ اس کے متعلق ایک انصاف پسند کو بھی خلجان ہو سکتا ہے اگر وہ احادیث کے طرز سے واقف نہ ہو۔ تفصیل یہ ہے۔

ایک روایت میں صرف یہ کہ "حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان دونوں کو ایک درخت کے نیچے بٹھا دیا۔

دوسرے روایت میں تفصیل ہے۔

عند البیت عند وحۃ فوق زمزم- فی اعلی المسجد

یعنی بیت اللہ کے قریب بٹھایا۔ درخت کے نیچے زمزم سے اوپر کی جانب۔ مسجد کی بالائی جانب میں (یا) بالائی حصہ میں"

یہاں یہ خیال ہو سکتا ہے کہ جیسا مولانا عنایت رسول صاحب چڑیا کوٹی نے فرمایا ہے۔ مکہ وہاں پہلے سے آباد ہو گا۔ مسجد یعنی بیت اللہ ہو گا۔ اور زمزم کا چشمہ یا بقول چڑیا کوٹی صاحب کنواں بھی ہو گا۔

لیکن یہ خیال قطعاً" غلط ہے۔ علماء اسلام نے قرآن حکیم کی آیت۔

انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع

کا مطلب یہی سمجھا ہے اور یہی سمجھایا ہے کہ وہاں وادی تھی۔ اور وہ بھی بنجر اور غیر قابل کاشت' خود حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اسی روایت میں اسی فقرہ کے بعد دوسرا فقرہ یہ ہے۔

لیس بمکہ یومئذ احد ولیس بہاماء

اس وقت مکہ کی آبادی نہیں تھی۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ یہاں تک کہ وہاں پانی کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔

لہذا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا منشا یہ ہے کہ حضرت ہاجرہ اور اسمٰعیل علیہما السلام کے قیام کے مقام کو اس نقشہ کے لحاظ سے سمجھا دیا جائے جو ان کے زمانہ میں بن گیا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مطلب یہ ہے کہ جہاں اس وقت خانہ کعبہ ہے اس کے قریب اس وقت ایک درخت تھا اس کے نیچے بٹھایا۔ مزید تشریح فرماتے ہیں۔ کہ جہاں اب چاہ زمزم ہے۔ اس کے قریب۔ لیکن یہ قریب مسجد کے مقابل بھی ہو سکتا تھا۔ تو اس کو صاف کر دیا کہ چاہ زمزم کے قریب اس جانب جدھر خانہ کعبہ ہے۔ بالفاظ دیگر چاہ زمزم اور خانہ کعبہ کے درمیانی حصہ میں۔ اب یہ بات کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے زمانے کے نقشے کو سامنے رکھ کر تاریخ کے ایک پرانے واقعہ کو سمجھایا یہ کبھی بھی قابل اعتراض نہیں سمجھی گئی۔ ہم کسی بات کو سمجھانا چاہتے ہیں تو بلاتکلف ایسا کرتے ہیں بلکہ ہمیں فخر ہوتا ہے کہ تاریخی بات کو ہم بلاکم و کاست ٹھیک سمجھ رہے ہیں اور سمجھا رہے ہیں حضرات محدثین اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم بھی ایسا کرتے رہے ہیں۔

اسی خانہ کعبہ کے متعلق ایک تاریخی مسئلہ ہے جس کا تعلق آنحضرت ﷺ کی سیرت مبارکہ سے ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت ﷺ خانہ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے یا نہیں۔ تشریف لے گئے تو

آپ نے وہاں صرف دعا مانگی یا نفلیں پڑھیں۔ پھر اگر نفلیں پڑھیں تو کتنی رکعت اور کہاں پڑھیں؟
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان یہ ہے کہ آپ نے دو رکعتیں پڑھیں۔ اب یہ کہ کہاں پڑھیں۔ اس کے متعلق خود ان کے بیان میں مختلف الفاظ آئے ہیں۔
یہ الفاظ بخاری شریف میں صحیح سندوں کے ساتھ نقل کیے گئے ہیں۔
ایک روایت میں ہے۔

جعل عمودا عن یسارہ وعمودا عن یمینہ (بخاری شریف ص ۷۲)

ایک کھمبا اپنے بائیں جانب رکھا اور ایک کھمبا اپنی دہنی جانب۔
ایک روایت میں ہے۔

بین الساریتیین التین علی یسارہ اذا دخلت (۵۷)

دونوں کھمبوں کے درمیان
تیسری روایت میں ہے۔

بین الساریتین اللتین علی یسارہ اذا دخلت (ص ۵۷)

یعنی جب آپ خانہ کعبہ میں داخل ہوں تو اس درمیانی حصہ
میں آپ نے دو رکعتیں پڑھیں جہاں (اگر آپ کھڑے ہوں اور خانہ کعبہ کا دروازہ پشت کی طرف ہو) تو یہ دونوں کھمبے آپ کی بائیں جانب ہوں۔
محترم سرسید صاحب کو اگر ضرورت پڑ جاتی تو ان کے لیے بہت اچھا موقع تھا کہ ان روایتوں کو آمنے سامنے کالموں میں لکھ کر تعارض اور تناقض ثابت کرتے اور خلاف درایت ہونے کے باعث ان سب پر خط نسخ اور قلم تردید کھینچ دیتے۔ مگر اہل علم کی نظر میں ان روایتوں میں کوئی تعارض یا تناقض نہیں ہے کیونکہ خانہ کعبہ کی ایک وہ عمارت تھی۔ جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں تھی جس میں چھت کے نیچے چھ کھمبے تھے پھر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اس کو شہید کرا کر دوبارہ تعمیر کرایا تو اندر کے کھمبوں کو بدل دیا چھ کے بجائے تین کھمبے رکھے۔ پھر حجاج بن یوسف نے اس عمارت میں ردو بدل کیا۔ بس حضرت عبداللہ بن عمر کی پہلی دو روایتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام مبارک کی جگہ اس زمانہ کے نقشہ کے پیش نظر بیان کی گئی اور دوسری روایت اس نقشہ کے پیش نظر ہے جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں تھا۔ جب خانہ کعبہ کے اندر چھ کھمبے تھے۔ جن پر چھت قائم تھی۔ چنانچہ اسی روایت میں اس کی تصریح بھی ہے۔
بخاری شریف ہی سے ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیے۔
مدینہ طیبہ میں عرصہ سے بارش نہیں ہوئی۔ کھیت سوکھ رہے ہیں۔ مویشی پیاسے ہیں۔ جمعہ کا دن

ہے۔ آنحضرت ﷺ خطبہ کے لیے ممبر پر تشریف فرما ہیں۔ ایک صاحب آتے ہیں۔ خشک سالی کی شکا
اور دعا کی درخواست کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ دعا فرماتے ہیں صحابہ کرام نماز سے فارغ ہوتے ہیں۔
موسلادھار بارش میں بھیگتے ہوئے اپنے اپنے مکان پہونچتے ہیں۔ حضرت انس ؓ اس واقعہ کو بیان کر
ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

ان رجلا دخل المسجد یوم الجمعة من باب کان نحو دار القضاء
(بخاری شریف ص ۱۳۸)

(یہ شخص جس نے دعا کی درخواست کی) اس دروازہ سے مسجد میں آیا تھا جو "دارالقضاء
کی جانب تھا۔

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں جب یہ واقعہ پیش آیا۔ یہاں دروازہ تھا۔ دارالقضاء نہیں تھا۔ جس
حضرت انس ؓ یہ واقعہ بیان فرما رہے تھے۔ مسجد کا وہ دروازہ نہیں رہا۔ اس کے قریب دارالقضاء
ہے۔ حضرت انس اس وقت کے نقشہ سے عہد نبوی علیٰ صاحبہ الصلوۃ والسلام کے واقعہ کا مقام اور
رہے ہیں۔

بہرحال اس طرح کی مثالیں بے شمار مل سکتی ہیں اور ہمارے رات دن کے محاورات گفتگو اور تذ
میں برابر اس کی مثالیں آتی رہتی ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کی حیثیت

سرسید صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

یہ دونوں روایتیں ابن عباس نے بیان کی ہیں۔ اور یہ نہیں بتایا کہ انہوں نے کس سے سنیں او
لیے ہرگز نہیں ثابت ہوتا کہ درحقیقت پیغمبر خدا ﷺ نے ان کو فرمایا تھا بلکہ صاف ظاہر ہوتا ہے
اتیں یہودیوں میں مشہور تھیں۔ انہیں کو ابن عباس نے بیان کیا ہے بس وہ روایتیں ایک مقامی رہنوا
سے زیادہ معتبر ہونے کا درجہ نہیں رکھتی ہیں۔ (خطبات احمدیہ ص ۱۰۶)

سرسید صاحب نے ان روایتوں کو بازاری قصوں کی حیثیت دی ہے کہ کس و ناکس سے سن کا
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیں اور امام بخاری نے محض اس بنا پر کہ حضرت ابن عباس
تک (رضی اللہ عنہما) ان کی سند ان کے اصول کے مطابق قابل وثوق تھی۔ ان روایتوں کے لیے بخاری
شریف کے صفحات وقف کر دیئے۔ مضمون اور مفہوم کا خیال نہیں کیا۔ لیکن یہ توہین آمیز تصور نہ حضرت
ابن عباس رضی اللہ عنہما کی شان کے شایان ہے نہ امام بخاری کی شان کے مناسب۔

جوابات

(۱) یہ درست ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پوری روایت کے متعلق یہ دعویٰ نہیں کیا۔ کہ یہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔ مگر اس روایت میں آنحضرت ﷺ کے ارشادات کے جو چند فقرے نقل کیے ہیں۔ ان سے اس روایت کی تائید ہوتی ہے۔ اور درحقیقت مسلمانوں کے مذہبی معتقدات کے حق میں وہی فقرے اس پوری روایت کی جان ہیں (۲۱۴)۔

مثلاً (الف) حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہما پانی کی تلاش میں۔ کوہ صفا پر چڑھیں۔ وہاں سے اتریں نشیبی حصہ کو دوڑ کر طے کیا۔ پھر مروہ پہاڑی پر چڑھ گئیں۔ وہاں سے بھی کہیں پانی نظر نہیں آیا تو اتریں اور نشیبی حصہ کو دوڑ کر طے کیا پھر صفا پر چڑھ گئیں اس طرح سات مرتبہ کیا۔ اتنا حصہ بیان کرنے کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلذلک سعی الناس بینھما (بخاری شریف ص ٤٧٥)

(اسی کی یادگار ہے کہ لوگ حج میں سعی بین الصفاء والمروہ کرتے ہیں)

یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ یہاں آنحضرت ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ مسلمان سعی بین الصفاء والمروہ کرتے ہیں۔ بلکہ "ناس" کا لفظ ارشاد فرمایا۔ کیونکہ سعی کا طریقہ اسلام نے ہی نہیں بتایا بلکہ دین ابراہیمی پر اعتقاد رکھنے والے یعنی حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کو اپنا مورث اعلیٰ ماننے والے عرب ہمیشہ سے اس پر عمل کرتے رہے ہیں۔

جس طرح زمانہ قدیم سے حج کا طریقہ رائج تھا اسی طرح سعی بیان الصفا و المروہ کا طریقہ بھی رائج تھا۔

(ب) پھر جب چشمہ زمزم کا ظہور ہوا۔ اور حضرت ہاجرہ نے جلدی جلدی کچھ پانی چلو میں لے کر بچہ کو پلایا۔ کچھ مشکیزہ میں بھرا۔ پھر ریت ہٹا کر اور زمین کو ہاتھوں سے کھود کر گرداگرد ڈول بنا دی کہ پانی بہہ کر ضائع نہ ہو تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ ام اسمٰعیل پر رحم فرمائے اگر وہ ڈول نہ بناتیں تو زمزم ایک چشمہ رواں ہوتا۔
(بخاری شریف ص ۴۷۵)

آنحضرت ﷺ کے یہ دو ارشاد صرف اتنے حصہ میں ہیں جتنا حصہ سرسید صاحب نے نقل کیا ہے۔ باقی پوری روایت میں اور بھی ارشادات ہیں۔ جن سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بیان کی تائید ہوتی ہے۔

(۲) ان دونوں باتوں کا تعلق یہود سے کچھ نہیں ہے۔ وہ نہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو اپنا مورث

مانتے تھے نہ ان کے کارناموں سے یہود کو دلچسپی تھی۔ بلکہ انہوں نے تو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو حضرت ہاجرہ کی سوکن کا لڑکا مان کر جہاں تک ہو سکا نظرانداز کیا ہے۔

البتہ عرب مستعربہ خصوصاً" مکہ کے باشندے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو اپنا مورث مانتے تھے۔ ان کی خدمات پر فخر کیا کرتے تھے اور باوجودیکہ بہت سی مشرکانہ رسوم اور شرکیہ عقائد کی آمیزش کر کے دین ابراہیمی کو مسخ کر دیا تھا۔ تاہم جو روایتیں ان تک آباؤ اجداد سے پہونچی تھیں ان پر ان کو ناز تھا۔ لہٰذا سر سید صاحب اگر یہ فرماتے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو کچھ مکہ کے لوگوں سے سنا تھا اس کو بیان کر دیا۔ تو کسی حد تک قرین قیاس بھی تھا باقی یہود کے یہاں ان باتوں کا اس طرح مشہور ہونا اور ان سے سن کر بیان کرنا "قطعاً" بے محل اور خلاف قیاس ہے۔ لیکن سرسید صاحب کے لیے غالباً" دشواری یہ تھی کہ جو روایتیں آباو اجداد سے مشہور چلی آتی ہیں۔ سرسید صاحب کے دوست مولانا عنایت رسول مرحوم ان کو صرف تسلیم ہی نہیں کرتے بلکہ ان کو استدلال میں پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ جب مولانا عنایت رسول نے یہ دعویٰ کیا کہ تورات میں جو "بیر سبع" ہے اس سے مراد صفا و مروہ کا مقام ہے۔ تو اس کی دلیل آپ یہ پیش فرماتے ہیں۔

> اب تک اہل اسلام بین الصفاء المروہ سات مرتبہ سعی کرتے ہیں یہ رسم برابر قریش میں بطور یادگار جاری ہے۔ حضرت اسمٰعیل و ہاجرہ کا جو حال ان کی اولاد سے ملے وہ موثق ہے۔ اس سے جو دوسری قوم سے ملے۔ ان بزرگوں کا حال مسلمانوں میں بہت شرح و بسط سے مشہور ہے یہ واقعہ یعنی ہاجرہ کا پریشان ہونا اور غلبہ تشنگی اور نمود زمزم بین الصفاء و المروہ مشہور ہے لہٰذا "بیر سبع" جو (تورات کی) اس آیت میں مرقوم ہے۔ اس سے مقصود بین الصفاء و المروہ ہے۔
>
> (البشریٰ ص ۵۶)

(۴) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت آیات توریت کی تردید کرتی ہے کیونکہ ان دونوں فضلا (چڑیا کوٹی اور سرسید صاحب) کے ارشادات کے مطابق تورات کی شہادت یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کے بعد پیش آیا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ترکہ یا جانشینی کی بحث چلی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت اسمٰعیل ابھی شیر خوار تھے کہ ان کو ان کی والدہ کے ساتھ یہاں لا کر چھوڑ دیا گیا۔ اب سرسید صاحب کی یہ انوکھی تحقیق یقیناً" تعجب انگیز ہے کہ یہود میں وہ بات مشہور تھی جو توریت کے خلاف تھی۔ سرسید صاحب کو اس عجیب و غریب تحقیق کے لیے ثبوت پیش کرنا چاہیے۔ مگر سرسید صاحب نے (کم از کم خطبات احمدیہ میں) اپنے لیے ایسا مقام طے کر رکھا ہے جہاں ان کے کسی دعوے کے لیے روانی قلم کے علاوہ اور کسی ثبوت کی ضرورت نہیں

ہے۔

(۵) اور اگر سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ باتیں یہود سے ہی سنی تھیں تو تحقیق طلب یہ ہے کہ وہ یہود کون تھے۔ بازاری قسم کے آدمی تھے جیسا کہ سرسید صاحب کے الفاظ سے مترشح ہوتا ہے۔ یا یہود کے وہ جید علماء اور حق پرست محقق و مبصرین جن کی تحقیق کا درجہ لامحالہ سرسید صاحب اور مولانا عنایت رسول صاحب کی تحقیق سے کہیں زیادہ ہے یہاں تک کہ کہا جا سکتا ہے۔

"چہ نسبت خاک را با عالم پاک"

ہمارا خیال بلکہ ہمارا یقین یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جیسا عظیم محقق و مبصر جس کی فراست و بصیرت اور فہم قرآن کے لیے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ روحی) کے لسان صداقت ترجمان پر کلمات دعائیہ جاری ہوئے ہوں اور سیدالکونین ﷺ کی پیغمبرانہ فراست و مردم شناسی نے جن کی قدر و عظمت یہاں تک بڑھائی ہو کہ سینہ مبارک سے اس کو چمٹا کر دعا فرمائی ہو۔

اللهم علمه الحكمة

(اے اللہ اس کو دانش عطا فرما۔)

کبھی یہ دعا فرمائی ہو۔

☆☆

(اے اللہ اس کو قرآن حکیم کا علم عطا فرما۔)

جو حضرت عمر فاروق ؓ کی تنقیدی نگاہوں میں یہاں تک جچا ہوا ہو۔ کہ سن رسیدہ اکابر صحابہ کی موجودگی میں حضرت فاروق ؓ ان سے آیات کتاب اللہ کے رموز اور اشارات دریافت فرماتے ہیں اس کی جلالت و عظمت اور اس کا غیر معمولی علمی وقار کبھی بھی گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ وہ بازاری قسم کی یہود کی باتوں پر التفات فرماتا۔ اور یہ تو قطعاً" ناممکن تھا کہ وہ ایسی بازاری روایتوں کو یہ حیثیت دیتا کہ ان کو مستفیضین کے حلقہ میں بیان کرتا۔

اور سعید بن جبیر جیسا محدث وفقیہ۔ زاہد و متقی اسکو نقل کر کے تلامذہ تک پہونچاتا (معاذ اللہ) تعجب ہوتا ہے۔ سرسید جیسے درایت و تحقیق کے مدعی کس طرح واقعات سے آنکھ بند کر لیتے ہیں۔ کیا سرسید صاحب اتنی بات نہیں جانتے تھے۔ کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بچپن ہی تھا۔ جب مدینہ طیبہ سے یہود نکالے جا چکے تھے۔ اور ابھی شروع جوانی تھی کہ سیدنا عمر فاروق ؓ نے یہود کو خیبر سے بھی جلاوطن کر دیا تھا۔ اور اب پورا "جزیرۃ العرب" ان کے وجود سے پاک ہو گیا تھا۔

سرسید صاحب حضرت عبداللہ بن عباس ؓ پر تو اعتراض کر رہے ہیں کہ انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ یہ "روایتیں انہوں نے کس سے سنیں" مگر خود یہ نہیں بتایا کہ یہ کیسے معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباس

رضی اللہ عنہما نے معمولی قسم کے عام یہودیوں سے یہ باتیں سنی تھیں اور قلم بند کر لی تھیں۔ کیا سید صاحب اس کی تحقیق کر چکے ہیں یا ان کے پاس کوئی قرینہ ہے ؟

اگر کوئی قیاس ہے تو دلیل قیاس کیا ہے؟

ہاں قیاس یہ ہے اور یہ قیاس صحیح ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ باتیں ان بزرگوں سے سنیں جو پہلے یہود کے جلیل القدر علماء محققین تھے۔ پھر ان کی صداقت پسندی نے ان کو مجبور کیا۔ کہ وہ دولت اسلام سے مشرف ہوں۔ مثلاً" سیدنا حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ یا حضرت کعب احبار رحمہ اللہ۔

حضرت کعب احبار کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب نہیں ہوئی۔ مگر بارگاہ فاروقی میں ان کو خاص مقام حاصل تھا اور حلقہ یہود میں ان کے تبحر علمی اور عالمانہ عظمت و وقار کی یہ شان تھی کہ ان کو "احبار" کا خطاب دے رکھا تھا۔ احبار حبر کی جمع ہے۔ حبر بڑے عالم کو کہتے ہیں۔ احبار۔ جلیل القدر علماء کی جماعت۔ گویا یہ تن تنہا۔ علماء جلیل القدر کی پوری جماعت کے ہم پلہ مانے جاتے تھے۔

اب آپ ہی فرمائیے۔ ایسے جلیل القدر تسلیم شدہ فاضل و محقق کا بیان مان جائے گا۔ یا سرسید صاحب اور مولانا عنایت رسول صاحب کی تحقیق و تفتیش قابل تسلیم ہو گی۔

"چہ نسبت خاک را باعالم پاک"

دوسرے بزرگ سیدنا عبداللہ بن سلام ہیں۔ یہ وہ ہیں جن کی عظمت و جلالت کے سامنے خامہ تحقیق و تفتیش جتنی مرتبہ بھی اور جتنا بھی سجدہ ریز ہو بجا اور درست ہے۔

ان کی عالمانہ عظمت اور فاضلانہ وقار کے طارم اعلیٰ تک نظر کی رسائی بھی مشکل ہے۔ اس سے بڑھ کر کون سی عظمت ہو سکتی ہے کہ رب العرش نے اپنے کلام پاک میں ان کو "شاہد" فرمایا ہے حق و صداقت کی شہادت دینے والا"

الراسخون فی العلم اور یتلونہ حق تلاوتہ جیسی آیتوں کے مصداق بھی عبداللہ بن سلام ہی ہیں۔

سرسید یا عنایت رسول صاحب نہیں بلکہ فاتح ایران سیدنا حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ جن کو دنیا ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی ہونے کی بشارت دیدی تھی اور بلامبالغہ بالکل صحیح بات ہے کہ تیرہویں یا چودہویں صدی کے تمام علماء اور محققین اس گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے جو بدر و حنین جیسے معرکوں میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے نعل مبارک سے اڑی تھی۔ انہیں سیدنا حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کی شہادت حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے بارے میں ملاحظہ فرمائیے۔

ماسمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول لاحد یمشی علی الارض

انه من اهل الجنة الا لعبد الله بن سلام وفيه نزلت هذه الاية وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ بَنِی اِسْرَائِيلَ الاية (بخاری شریف ص ۵۳۸)

"جو لوگ زمین پر چل رہے ہیں میں نے نہیں سنا کہ ان میں سے کسی کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ یہ جنتی ہے ان میں صرف عبداللہ بن سلام ایسے ہیں کہ ان کے متعلق میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہیں سنا تھا کہ یہ جنتی ہیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں انہیں عبداللہ بن سلام کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی جس میں اہل کتاب کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے۔

شَہِدَ شَاهِدٌ مِنْ بَنِی اِسْرَآئِيلَ - تا - وَاسْتَكْبَرْتُمْ (سورہ احقاف ع ۱)

"تم ہی بتاؤ تمہارا کیا فیصلہ ہو گا۔ اگر یہ قرآن خدا کی جانب سے ہو۔ تم اس کا انکار کر رہے ہو اور بنی اسرائیل کا ایک شاہد اس جیسی کتاب پر گواہی دے اور ایمان لے آئے اور تم تکبر میں ہی رہو (تو خود سوچو تمہارا انجام کیا ہوگا) اب پھر عدل و انصاف سے اپیل ہے کہ وہ فیصلے کرے کہ اس شاہد حق کی شہادت اور اس کا بیان معتبر ہو گا۔ یا سرسید صاحب یا مولانا عنایت رسول صاحب کے ہفوات قابل اعتنا ہوں گے۔ معاذ اللہ پھر یہی گذارش ہے۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

اہل جنت کیسے ہوتے ہیں

حضرت قیس بن عباد رحمہ اللہ جلیل القدر تابعی اور عالم حدیث ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔ میں مدینہ منورہ کی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک صاحب تشریف لائے جن کے چہرے پر خشوع خضوع کا نور جھلک رہا تھا۔ لوگوں نے کہا یہ اہل جنت میں سے ہیں۔ ان صاحب نے دو رکعتیں اختصار کے ساتھ پڑھیں پھر باہر تشریف لے جانے کے لیے نکلے۔ میں ان کے پیچھے چلا۔ میں نے ان سے کہا جب آپ مسجد میں تشریف لائے تھے تو لوگوں نے یہ کہا تھا کہ یہ شخص اہل جنت میں سے ہے۔

میری بات سن کر ان صاحب نے فرمایا۔ یہ بات تو کسی کے لیے بھی ممکن نہیں ہے کہ جس چیز کا پوری طرح علم نہ ہو اس کے متعلق اس طرح یقین سے کوئی بات کہدے۔

اچھا اب میں آپ کو بتاتا ہوں۔ یہ بات کیسے چلی۔

واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں میں نے ایک خواب دیکھی۔ وہ خواب میں نے

آنحضرت ﷺ سے بیان کی۔ میں نے خواب یہ دیکھی تھی۔ ایک بہت بڑا اور بہت شاداب و سرسبز باغ ہے اس کے بیچ میں لوہے کا ایک کھمبا (لاٹ) ہے۔ اس کا نیچے کا حصہ تو زمین میں ہے۔ اور اوپر کا حصہ آسمان میں ہے۔ اوپر کے حصہ میں ایک کڑا (کنڈا) ہے۔ مجھ سے کہا گیا اس (کھمبے) پر چڑھو۔ میں نے کہا۔ مجھ میں تو یہ طاقت نہیں ہے۔ اتنے میں ایک خادم آیا۔ اس نے میرے پیچھے سے کپڑے اٹھا لیے۔ میں چڑھنے لگا۔ یہاں تک کہ اوپر کے سرے تک پہنچ کر میں نے یہ کڑا پکڑ لیا۔ مجھ سے کہا گیا۔ مضبوط پکڑ لو۔ میں کڑا پکڑے ہوئے تھا کہ آنکھ کھل گئی۔

ان صاحب نے بیان کیا۔ میں نے یہ خواب آنحضرت ﷺ کو سنائی تو آپ نے فرمایا یہ وسیع اور سرسبز و شاداب باغ اسلام ہے۔ یہ کھمبا اسلام کا ستون ہے۔ اور یہ کڑا عروہ وثقیٰ ہے۔ (اس کو پکڑ لینے کے یہ معنی ہیں کہ اسلام کا مضبوط سہارا آپ نے حاصل کر لیا ہے ☆)

بس تم اسلام پر قائم رہو گے یہاں تک کہ موت آئے اور یہ شخص (جس کو آپ دیکھ رہے ہیں) عبداللہ بن سلام ہے۔ (بخاری شریف ص ۵۳۸)

آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ صادق مصدوق محمد رسول اللہ ﷺ خواب کی تعبیر بیان فرماتے ہیں۔ جس کو وحی خداوندی اور آسمانی فیصلہ کی حیثیت دی جا سکتی ہے۔ کیونکہ آپ کا ہر ایک ارشاد ☆ ارادہ خداوندی کی تعبیر اور منشاء خداوندی کی تفسیر ہوتا ہے۔

خود یہ عبداللہ بن سلام ان صداقت پرست فدا کاروں میں ہیں۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ صرف ارشاد بلکہ ہر ایک ایما اور اشارہ کو قطعی فیصلہ سمجھتے ہیں جس پر سو جان سے قربان ہونا ان کا ایمان و اذعان ہے۔ مگر جو بات خود ان کی شان میں ہے اس کی اہمیت کس طرح کم کر رہے ہیں گویا ان کو ناگوار ہے کہ ان کے متعلق اس طرح کا چرچا کیوں ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ مومن بالاخلاص جس طرح ارشاد رسول اللہ ﷺ کو برحق سمجھتے ہیں اسی طرح ان کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے بے نیاز ہونے کا بھی یقین ہے جو اپنے بندوں کے حق میں جب چاہے جو چاہے فیصلہ کر سکتا ہے اور زمین و آسمان بلکہ پوری کائنات میں کسی کی مجال نہیں کہ اس کے فیصلہ کے سامنے دم مار سکے۔

فعال لما یرید لایسئل عما یفعل

در ہر پیر زن ے زد پیمبر کہ اے زن درد عایم یاد آور
یقین میدان کہ شیران شکاری دریں رہ خواستند از مور یاری

مکہ معظمہ میں اصول کار

تیرہ برس گذر گئے۔ مکہ معظمہ میں دعوت الی اللہ اور تبلیغ کا کام ان اصول پر کیا جا رہا ہے۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (سورہ نمل ع ١٦)

(۱) (اے پیغمبرؐ اپنے پروردگار کی راہ کی طرف لوگوں کو بلاؤ۔ اس طرح کہ حکمت کی باتیں بیان کرو۔ اور اچھے طریقے پر پندو نصیحت کرو۔ اور مخالفوں سے بحث و نزاع کرو تو وہ بھی ایسے طریقہ پر کہ موقع اور محل کے لحاظ سے وہی سب سے بہتر طریقہ ہو (سورہ نمل ع ۱۶)

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِیْنَ (سورہ اعراف ع ٢٤)

(۲) نرمی اور درگذر سے کام لو۔ نیکی کا حکم دو۔ اور ان نادانوں سے کنارہ کرو (ان کی باتوں کی طرف دھیان نہ دو) (سورہ اعراف ع ۲۴)

وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْ اٰیَاتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ (سورہ انعام ع ٨)

(۳) اور جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں میں بے کار حجت کرتے ہیں۔ (بے ہودہ بکتے ہیں) تو ان سے کنارہ کر لو یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور بات میں لگیں۔ (سورہ انعام ع ۸)

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (سورہ انعام ع ١٣)

(۴) اور جو خدا کے سوا اور دوسری ہستیوں کو پکارتے ہیں تم ان کے معبودوں کو برا بھلا نہ کہو۔ (سورہ انعام ع ۱۳)

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ (حم سجدہ رکوع ٤)

(۵) برائی کا جواب ایسی خصلت (ایسے برتاؤ) سے دو کہ وہی سب سے بہتر برتاؤ ہو (جس کے نتیجہ میں یہ بات ہو سکے) کہ وہ شخص کہ تمہارے اور اس کے درمیان عداوت تھی وہ ایسا ہو جائے جیسے کوئی پکا دوست۔

یعنی برائی کا جواب دیتے وقت پیش نظر یہ ہو کہ برائی ختم ہو۔ دشمن دوست بنیں۔ اس مقصد کو سامنے رکھ کر کسی مخالف نے جو برائی کی ہے اس کا کوئی بہترین جواب سوچو اور اس پر عمل کرو۔

قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدتُّمْ وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ

(سورہ کافرون، پ ۳۰)

(۶) (اے پیغمبر) کہدیجئے۔ اے منکرو! میں ان کی پرستش نہیں کرتا۔ جن کو تم پوجتے ہو۔ اور نہ تم اس کی عبادت کرتے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں (میں پھر یہی کہتا ہوں) میں ان کی عبادت کرنے والا نہیں ہوں جن کی تم نے پوجا کی اور نہ تم اس کی پوجا کرنے والے ہو جن کی میں پرستش کرتا ہوں (جب صورت حال یہ ہے تو) تمہارے لیے تمہارا دین۔ اور میرے لیے میرا دین (پارہ۔ ۳۰ سورہ کافرون)

مکہ معظمہ میں جو سورتیں نازل ہوئیں ان میں یہی ہدایتیں بار بار دہرائی گئی ہیں۔ آنحضرت ﷺ مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ تو یہاں بھی اسی مضمون کی آیتیں بار بار نازل ہوئیں مثلاً" سورہ آل عمران میں ہے۔

لَتُبْلَوُنَّ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ (ع ۱۵)

ایسا ضرور ہوتا ہے کہ تم جان و مال کی آزمائشوں میں ڈالے جاؤ۔ یہ بھی ضرور ہونا ہے کہ اہل کتاب اور مشرکین سے تمہیں دکھ پہونچانے والی باتیں بہت کچھ سننی پڑیں اگر صبرو ضبط سے کام لیتے رہے اور تقوے کا شیوہ اختیار کرتے رہے (خلاف احتیاط کام سے بچتے رہے) تو یہ ہوں گے وہ کام جن کو (بڑی ہمت و حوصلہ اور) عزیمت کے کام کہا جاتا ہے۔

یہود کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۖ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ‎– وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ۚ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِمَا

تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ (سورہ بقرہ ع ۱۳)

اہل کتاب میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو چاہتے ہیں کہ تمہیں ایمان کے بعد پھر کفر کی طرف لوٹا دیں اور اگرچہ ان پر سچائی ظاہر ہو چکی ہے لیکن پھر بھی اس حسد کی وجہ سے جس کی جلن ان کے دلوں میں ہے پسند نہیں کرتے کہ تم راہ حق میں ثابت قدم رہو۔ پس چاہیے کہ (ان سے لڑنے جھگڑنے میں اپنا وقت ضائع نہ کرو اور) عفو و درگزر سے کام لو۔ یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ ظاہر ہو جائے بلاشبہ وہ ہر بات پر قادر ہے۔ اور نماز قائم کرو اور زکواۃ ادا کرو۔ یاد رکھو جو کچھ بھی تم اپنے لیے نیکی کی پونجی پہلے سے اکٹھی کر لو گے اللہ کے پاس اس کے نتیجے موجود پاؤ گے۔ تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔

مدینہ طیبہ کے معمول کا بیان کرتے ہوئے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے رفقاء کرام (مدینہ منورہ) میں مشرکین اور اہل کتاب سے درگذر کیا کرتے تھے اور ان کی طرف سے جو اذیتیں پہونچتی تھیں ان پر صبر کیا کرتے تھے۔ کیونکہ (۲۱۵) وحی الٰہی کی ہدایت یہی تھی۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہاں کے باشندے ملے جلے تھے مسلمان بھی تھے۔ بت پرست مشرک اور یہودی بھی تھے۔ یہ لوگ آنحضرت ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو اذیتیں پہونچایا کرتے تھے۔ مگر آنحضرت ﷺ اور آپ کے اصحاب کرام کو اللہ تعالٰی کا حکم یہ تھا کہ صبر کرو۔ چنانچہ یہ آیتیں (جو اوپر ذکر کی گئی ہیں) اسی سلسلہ میں نازل ہوئی تھیں۔(۲۱۶)

قریش کا طرز عمل اور قومی کونسل کا فیصلہ

جس شخص کا احترام یہاں تک تھا کہ نام لینے کے بجائے اس کو الصادق اور الامین کہا کرتے تھے انتہا یہ کہ اسی خطاب نے نام کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ نام اتنا مشہور نہیں تھا جتنی شہرت ان خطابوں نے پالی تھی۔ جب اس نے کہا اے لوگو غیر اللہ کی پوجا چھوڑو۔ خدا واحد کی عبادت کیا کرو۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) کا نام لیتے ہو' ان کی ملت پر فخر کرتے ہو تو اس پر عمل بھی کرو۔ تو کون نہیں جانتا کہ قریش کا بچہ بچہ اس "صادق" اور "امین" کا اور ان سب کا دشمن ہو گیا جنھوں نے آپ کو مانا۔

مارنا' پیٹنا' بدن پر غلاظت ڈالوا دینا' رسی باندھ کر شریر لڑکوں سے گلیوں کوچوں میں کھچوانا کسی کو تپتے

ہوئے ریت پر اور کسی کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا کر سینہ پر بھاری پتھر رکھ دینا۔ تقریر کے وقت ہڑبونگ کرنا۔ انفرادی بائیکاٹ۔ جماعتی مقاطعہ۔ غرض جو ایذا اور تکلیف و تذلیل ان کے تصور میں آ سکتی تھی۔ آنحضرت ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کے لیے پوری سنگدلی اور بے دردی کے ساتھ وہ عمل میں لائی گئی۔ لیکن حیرت انگیز بات یہ تھی کہ ان تمام سختیوں اور رکاوٹوں کے باوجود صداء حق کے اثرات بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ نور مقدس کی کرنیں تین سو میل کے فاصلہ پر مدینہ منورہ کو روشن کرنے لگیں۔

اسلام اور دعوت حق کی اس سخت جانی نے صنا دید قریش کو حواس باختہ کر دیا۔ تاریک مستقبل کی بھیانک تصویر ان کے سامنے آنے لگی اور اب انہوں نے آخری فیصلہ کی تیاری شروع کر دی۔

دارالندوہ کا اجتماع اور موضوع بحث (ایجنڈا)

قومی کونسل۔ یا پنچایتی عدالت جو "قصی" نے قائم کی تھی کہ مختلف خاندانوں اور قبیلوں کے سربر آوردہ نمائندوں کا اجتماع ہوتا تھا۔ جس کا فیصلہ پوری قوم کا فیصلہ مانا جاتا تھا۔ اسی پنچایت یا کونسل کا خصوصی اجلاس دارالندوہ میں کیا گیا۔ موضوع بحث یہی تھا کہ دین حنیف کے اس داعی (ﷺ) کا سدباب کس طرح کیا جائے اور اس دعوت حق کو کس طرح ختم کیا جائے۔

بیجا نہ ہو گا اگر ہم اس موقع پر یہ بھی تسلیم کرلیں کہ انداز وحی میں جو تہدید آمیز گرمی آ چلی تھی اس نے بھی قریش کو حواس باختہ اور مشتعل کر دیا تھا۔ اور وہ بھی اس وقت موضوع بحث تھی سورہ قمر میں آیت نازل ہوئی تھی۔

اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ نَحۡنُ جَمِیۡعٌ مُّنۡتَصِرٌ سَیُهۡزَمُ الۡجَمۡعُ وَیُوَلُّوۡنَ الدُّبُرَ (ع ۳۹)

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایسی جماعت ہیں کہ ہم غالب ہی رہیں گے (یہ فریب نفس ہے) عنقریب شکست کھائے گی (ان کی) جماعت اور بھاگیں گے پیٹھ پھیر کر (۲۱۷)۔

سورہ سجدہ میں فرمایا گیا ہے۔

وَلَنُذِیۡقَنَّهُمۡ مِّنَ الۡعَذَابِ الۡاَدۡنٰی دُوۡنَ الۡعَذَابِ الۡاَکۡبَرِ لَعَلَّهُمۡ یَرۡجِعُوۡنَ (ع ۲ سورہ سجدہ حم ۲۱)

(۲۱۸)

ہم ان کو چکھائیں گے۔ قریب کا (دنیا میں آنے والا) عذاب۔ بڑے عذاب سے پہلے (جو مرنے کے بعد آئے گا)

پھر اسی سورت کے آخر میں فرمایا گیا ہے۔

وَیَقُوۡلُوۡنَ مَتٰی هٰذَا الۡفَتۡحُ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ قُلۡ یَوۡمَ الۡفَتۡحِ لَا یَنۡفَعُ الَّذِیۡنَ

كَفَرُوْا اِيْمَانُهُمْ وَلَاهُمْ يُنظَرُوْنَ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ انْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ (۲۱۹)

اور کہتے ہیں کب ہو گی یہ فتح۔ اگر تم سچے ہو۔ آپ فرما دیجئے فتح کے دن کافروں کو ان کا ایمان لانا نفع نہیں دے گا۔ اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔ لہٰذا آپ ان کی باتوں کا خیال نہ کیجئے اور انتظار کیجئے وہ بھی (اپنے خیال کے بموجب اپنی کامیابی کا) انتظار کر رہے ہیں۔

یہ گرمی کیوں آئی

واقعہ یہ ہے کہ قریش کے ساتھ معاملہ دعوت اور تبلیغ کی حد تک محدود نہیں تھا بلکہ ایک دوسرا معاملہ بھی تھا کہ وہ غاصب۔ خائن اور قابض بالجبر بھی تھے۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ کے فرائض میں صرف انذار و تبشیر اور صرف دعوت و ارشاد نہیں تھا بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جانشین کی حیثیت سے تطہیر کعبہ بھی آپ کے فرائض میں داخل تھا۔ یعنی حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہم السلام کو حکم ہوا تھا۔ طھرا بیتی" بیت خدا کو پاک رکھو" اس کی ذمہ داری اس وقت آپ پر آ رہی تھی۔

کاش قریش صداء حق پر کان دھرتے' جو تیرہ برس سے برابر گونج رہی تھی۔ قرآن شریف آپ کے سامنے ہے۔ قرآن حکیم کا زیادہ حصہ وہ ہے جو مکہ معظمہ میں نازل ہوا۔ مکی سورتوں کا مطالعہ کیجئے۔ عاد۔ ثمود ۔ قوم لوط۔ اصحاب مدین۔ قوم تبع۔ قوم فرعون کے عبرت انگیز واقعات اور حوادث کو معجزانہ انداز میں بار بار دہرایا گیا ہے کس طرح ان قوموں نے عناد اور سرکشی سے کام لیا۔ اور کس طرح اس کے عبرت خیز اور لرزہ انگیز نتائج ان کو برداشت کرنے پڑے۔ تیرہ سال تک وحی الٰہی کی ہما ہمی اسی انذار اور تنبیہہ میں مصروف رہی۔ نہ صرف محمد رسول اللہ ﷺ بلکہ جو بھی آپ سے وابستہ تھے کلام اللہ کی انہیں رقت انگیز اور سبق آموز سورتوں کو پورے سوز و گداز اور ہمدردی کے بے چین و مضطرب جذبات کے ساتھ ان کو سناتے رہے اور بار بار دہراتے رہے۔ کاش یہ برگشتہ نصیب راہ راست پر آ جائیں۔ غفلت کی پٹیاں آنکھوں سے کھول لیں۔ عناد اور سرکشی سے دماغ ہلکا کریں۔ لیکن یہ تمام ہمدردانہ اور مخلصانہ کوششیں رائیگاں ہوتی رہیں۔

کیا اب بھی یہی ضروری تھا کہ عدم تشدد اور ہندی الفاظ میں "اہنسا" کو نصب العین قرار دیا جاتا۔

جہاں تک تبلیغ و ارشاد کا تعلق ہے۔ "لااکراہ فی الدین" نے یہی طے کر دیا ہے کہ یہاں تشدد اور جبر کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ایمان و یقین دل کی تبدیلی کا نام ہے جو افہام و تفہیم یا اخلاقی اور روحانی اثر

سے تو ہو سکتی ہے، جبرو اکراہ ظلم و تشدد سے نہیں ہو سکتی۔

لیکن اگر غاصب ناجائز قبضہ کیے ہوئے ہے۔ ظالم کسی کا حق پامال کر رہا ہے۔ خود غرض معاند اور خائن اپنے ناجائز مفاد کی خاطر سینہ زوری کر رہا ہے۔ انصاف کی بات قطعاً" نہیں سنتا بلکہ حق گو کو سانس لینے کی بھی اجازت نہیں دیتا۔ تو کیا اب بھی عدم تشدد اور اہنسا نصب العین بن سکتا ہے۔ ؟ اگر نصب العین بنا لیا گیا تو یہ کوئی مقدس نصب العین ہو گا۔ یا ظلم و عناد اور جبرو قہر کی در پردہ اعانت ہو گا؟۔

مختصر۔ یہ کہ معاملہ اگر دعوت و ارشاد تک محدود ہوتا تو ممکن تھا کہ آخر تک وہی پروگرام رہتا جو مکہ معظمہ میں اب تک رہا تھا یعنی "ہاتھ روکو۔ خدا سے رابطہ مضبوط کرو۔ نمازیں پابندی سے پڑھتے رہو" کفوا ایدیکم واقیموا الصلوۃ۔ لیکن تطہیر کعبہ کا فرض جس کے دوسرے معنی یہ تھے کہ تغلب، چیرہ دستی۔ خیانت۔ بدعہدی اور غداری کا خاتمہ کیا جائے۔ پامال شدہ حقوق زندہ ہوں۔ عدل و انصاف کا بول بالا ہو۔ اس کا تقاضا تھا کہ پروگرام میں کچھ تبدیلی کی جائے۔ اسی تبدیلی کے اشارات ان آیتوں میں تھے جو پہلے پیش کی گئیں۔ روساء قریش اہل زبان تھے اور اشارات کو بخوبی سمجھتے تھے، کہا جا سکتا ہے کہ یہ دوسرا سبب تھا جو دارالندوہ کے اس اجتماع کا محرک ہوا۔

دارالندوہ میں قومی کونسل نے جو فیصلہ کیا وہ ہر ایک کو معلوم ہے۔ فیصلہ کو فوراً" ہی عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی گئی نوجوانوں کا ایک دستہ مقرر کر دیا گیا کہ دنیا کی تاریخ میں ایک اولوالعزم رسول کے قتل ناحق کا اضافہ کر دے۔ مگر منظور خدا کچھ اور تھا اور اُن کی تدبیریں ناکام رہیں۔ تدبیر خداوندی کامیاب ہوئی۔ قریش نے دفعۃً" دیکھا کہ جس کی موت کا منصوبہ تھا وہ زندگی کے نئے میدان میں قدم بڑھا رہا ہے۔

مَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ

ہجرت کے بعد

قریش کی طرف سے یثرب میں مخالف محاذ۔ پورے عرب میں اشتعال انگیزی

قومی کونسل کے فیصلہ کی ناکامی پوری قوم کی ناکامی تھی۔ مگر اس سے قریش کے حوصلے پست نہیں ہوئے بلکہ جھونجل اور بڑھ گئی۔ قریش اپنے آپ کو پورے عرب کا سربراہ سمجھتے تھے۔ اسی زعم میں انہوں نے مدینہ طیبہ کے مشرکوں کے نام خط (۲۲۰) لکھا۔

"تم نے ہمارے آدمی کو اپنے یہاں پناہ دی ہے۔ اس سے جنگ کرو۔ یا اس کو

اپنے یہاں سے نکال دو۔ ورنہ خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم پہونچیں گے۔
تمہارے جوانوں کو موت کے گھاٹ اتاریں گے۔ عورتوں کی عزت خراب کریں گے۔"

یہ خط بے نتیجہ رہا۔ کیونکہ اس میں جنگ کی ہدایت کی گئی تھی۔ مگر جن کو جنگ کی ہدایت کی تھی ان کے خاندان بٹ چکے تھے۔ ایک ہی گھر میں اگر باپ مشرک تھا تو لڑکا مسلمان ہو چکا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے مشرکوں کو یہی سمجھایا کہ تمہاری تلواروں کے مقابلہ میں خود تمہارے لخت جگر ہوں گے۔ البتہ ایک ایسا محاذ قائم کرنے میں قریش کامیاب ہو گئے جس کو آج کل کی زبان میں پانچواں کالم (ففتھ کالم) کہا جاتا ہے۔ اس کا مواد موجود تھا۔ قریش نے اس سے کام لیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ مشرکین مدینہ کے دو قبیلے اوس اور خزرج جو سالہا سال سے آپس میں نبرد آزما تھے اور اسی خانہ جنگی میں اپنے تمام بڑے بڑے آدمیوں کو ختم کر چکے تھے' آپ کی جنگ سے چور ہو کر کچھ عرصہ پہلے انہوں نے اتحاد کا راستہ اختیار کیا تھا اور طے کیا تھا کہ کسی ایک رئیس کو اپنا بادشاہ بنا کر امن کی زندگی گذاریں گے وہ شخص جس کی بادشاہت پر دونوں قبیلے متفق ہو گئے تھے۔ "عبداللہ بن ابی ابن سلول" تھا بادشاہ کے لیے تاج بھی بنوایا گیا تھا اور جشن تاج پوشی کی تیاریاں ہو رہی تھیں کہ دعوت حق کی بھنک ان کے کانوں تک پہونچی۔ یہ ایک اطمینان بخش لہر تھی۔ پرامن زندگی کی بشارت۔ اخوت انسانی کی روح رواں۔ لڑائیوں سے تھکے ماندے دل۔ جو بادشاہت کو اتحاد کی شیرازہ بندی سمجھ رہے تھے اس روح اخوت سے متاثر ہوئے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ حقیقی اتحاد کا راستہ بادشاہت نہیں ہے بلکہ اس کی شاہراہ نصرت حق ہے۔ چنانچہ جشن تاجپوشی کے بجائے وہ استقبال مہاجرین کی تیاریاں کرنے لگے۔

دنیا اس احساس صحیح کی کتنی ہی تحسین و تعریف کرے مگر عبداللہ بن ابی ابن سلول کے لیے یہ بہت بڑا صدمہ تھا۔ بقول حضرت سعد بن عبادہ (رضی اللہ عنہ) یہ صدمہ اس کے حلق کا پھندا بن گیا جس کی گھٹن وہ ہر (۲۲۱) وقت محسوس کرتا تھا اور تمام عمر محسوس کرتا رہا۔

مدینہ کا یہ ناکام رئیس عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی۔ قریش کی سازش کے لیے بہترین مہرہ تھے۔ چنانچہ مذکورہ بالا خط انہیں کے نام تھا۔

دہشت انگیزی اور منافرت

یہ پانچواں کالم اور یہ مار آستین۔ جس کو قریش دودھ پلایا کرتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے باقاعدہ جنگ تو نہیں کر سکا۔ لیکن وہ اس کے لیے ہمیشہ تیار رہا۔ کہ دارالندوہ کا فیصلہ۔ جو مکہ میں نافذ نہیں ہو سکا تھا اس کو مدینہ میں جامہ عمل پہنا دیا جائے۔ چنانچہ ایک مدت ایسی گذری کہ رحمت عالم ﷺ کی ذات اقدس کو ہر وقت خطرہ رہتا تھا۔ یہاں تک کہ راتیں جاگ کر گذارنی پڑتی تھیں۔ چنانچہ حضرت یحییٰ

بن سعید کا بیان ہے۔

کان رسول الله صلى الله عليه وسلم اول ماقدم المدينة يسهرمن الليل (۲۲۲)

آنحضرت ﷺ جب اول اول مدینہ آئے تو جاگ کر رات گذارا کرتے تھے۔

دہشت انگیزی کے ساتھ دوسرا کام نفرت پھیلانا تھا۔ بخاری شریف کے حوالہ سے صرف ایک روایت پیش کی جاتی ہے۔ اس سے اس پارٹی کے عمل کا بھی اندازہ ہو گا۔ اور قریش کی ریشہ دوانی اور اس کی کامیابی کا بھی۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی کچھ طبیعت خراب ہو گئی وہ اپنے قبیلہ بنو حارث بن الخزرج میں مقیم تھے۔ آنحضرت ﷺ ان کی مزاج پرسی کے لیے تشریف لے گئے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ سواری پر بٹھا لیا۔ ایک جگہ کچھ آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں مسلمان بھی تھے یہودی بھی اور عبداللہ بن ابی اور اس کے کچھ ساتھی بھی تھے۔ آنحضرت ﷺ اس مجمع کے قریب پہونچے تو آپ کی سواری کی کچھ گرد لوگوں پر پڑ گئی۔ عبداللہ بن ابی نے فوراً چہرہ پر کپڑا ڈال کر حقارت سے کہا۔ ہم پر دھول مت اڑاؤ۔ آنحضرت ﷺ نے توقف فرمایا۔ سواری سے اترے بات چیت شروع کی کچھ نصحیتیں کیں کچھ آیتیں سنائیں۔ دفعۃً عبداللہ بن ابی کا پارہ چڑھ گیا۔ کتاب اللہ کی فصیح و بلیغ مرصع آیتیں جو صاحب ذوق عربوں کے لیے وجد آفریں ہوا کرتی تھیں اور جب رسول خداؐ (فداہ روحی) ﷺ کی زبان صداقت ترجمان سے پڑھی جاتی تھیں تو ان کی کیفیت عجیب ہوا کرتی تھی۔ قریش مکہ اس کیفیت کو ختم کرنے کے لیے شور شغب شروع کر دیا کرتے تھے۔ اس وقت عبداللہ بن ابی نے بھی اسی طرح کی حرکت کی۔ یعنی اس نے ترخ کر کہا۔ میاں یہ باتیں کتنی ہی اچھی سہی مگر ہمارے مجمع میں آ کر آپ ہمیں تکلیف نہ دیا کریں۔ اپنے گھر جاؤ۔ جو تمہارے پاس وہاں پہونچے اس کو سناؤ۔

اس مجمع میں مسلمان بھی تھے۔ مگر عبداللہ بن ابی نے خود ہی سب کا وکیل بن کر تلخ کلامی شروع کر دی۔ مومن صادق حضرت عبداللہ بن رواحہ جو اسی مجمع میں تھے ان کو عبداللہ بن ابی کی یہ گستاخی برداشت نہ ہو سکی۔ انہوں نے فرمایا۔ یارسول اللہ آپ اللہ کا کلام ضرور سنائیں۔ آپ ہمارے مجمع میں تشریف بھی لائیں اور ہمیں اللہ کی باتیں بھی بتائیں۔ ہمیں تکلیف نہیں ہوتی۔ ہمیں یہ کلام پیارا لگتا ہے۔ عبداللہ بن ابی اب بھی خاموش نہیں ہوا بلکہ اور گرم ہو گیا اس کے حمائتیوں نے بولنا شروع کیا۔ بات بڑھنے لگی۔ قریب تھا کہ ہاتھا پائی کی نوبت آ جائے۔ آنحضرت ﷺ خود بیچ میں پڑے فریقین کو ٹھنڈا کیا اور معاملہ کو رفع دفع کیا (۲۲۳)۔

پورے عرب میں اشتعال پھیلانا

خانہ کعبہ کی مجاورت اور حرم اطہر کی تولیت کے سبب سے قریش کا جو اثر و رسوخ پورے عرب میں تھا وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ تقریباً" نصف صدی پہلے اصحاب فیل کے واقعہ نے اس اثر میں تقدیس آمیز احترام کا اور اضافہ کر دیا تھا۔ بقول ابن اسحاق (۲۲۴) وہ مذہبی اور روحانی پیشوا (امام الناس) بھی تھے اور سیاسی رہبرو رہنما (ہادی وقادۃ العرب) بھی۔ آنحضرت ﷺ اور اسلام کی عداوت و مخالفت میں قریش نے اپنے اثر و رسوخ اور اپنی مقبولیت سے پورا فائدہ اٹھایا اور پورے عرب کو آنحضرت ﷺ کے برخلاف مشتعل کر دیا۔ چنانچہ ایک طرف خود مدینہ طیبہ میں یہ حالت ہو گئی کہ مسلمانوں کو ہروقت مسلح رہنا پڑتا تھا۔ رات کو سوتے بھی تھے تو ہتھیار لگا کر سوتے تھے۔ حضرت ابی بن کعب ؓ فرماتے ہیں۔

لما قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم و اصحابه المدينة و اوتهم الانصار رمتهم العرب عن قوس واحدة فكانوا لا يبيتون الا بالسلاح ولا يصبحون الا فيه (۲۲۵)

آنحضرت ﷺ اور آپ کے رفقاء مدینہ میں آئے اور انصار نے ان کے قیام کا انتظام کیا تو سارے عرب نے ان کو نشانہ بنا لیا۔ حالت یہ تھی کہ رات کو سوتے تو ہتھیار لگا کر اور صبح کو اٹھتے تو ہتھیار بند۔

دوسری طرف پورے عرب کی حالت یہ تھی کہ وفد عبدالقیس بحرین سے حاضر خدمت ہوا تو اس نے شکایت کی۔

یارسول الله انا لا نستطیع ان ناتیک الافی الشهر الحرام بیننا وبینک هذا الحی من کفار مضر (بخاری شریف ص ۱۰ ج ۱ باب اداء الخمس من الایمان)

یارسول اللہ ہم صرف شہر حرام میں (جب کہ عرب کے دستور اور عقیدے کے مطابق کسی پر حملہ" نہیں کیا جا سکتا) آپ تک پہونچ سکتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے اور آپ کے درمیان (بحرین اور مدینہ کے درمیان) مضر کا قبیلہ پڑتا ہے جو کفر پر قائم ہے۔

یہ وفد ۶ھ میں آیا۔ جس سال حدیبیہ کی صلح ہوئی تھی اور قسطلانی" شارح بخاری کا خیال ہے کہ ۸ھ ہجری میں آیا تھا۔ یعنی صلح حدیبیہ کے بعد بھی عرب کے مختلف علاقوں میں حامیان قریش کی طرف سے رکاوٹیں قائم رہی تھی۔

شبخون

ہجرت کا پہلا سال ختم ہو کر دوسرا سال شروع ہو رہا تھا کہ قریش کے ایک سردار "کرز بن جابر فہری" نے اچانک مدینہ طیبہ کی چراگاہ پر حملہ کیا (۲۲۶) اور مویشی لوٹ کر لے گیا۔ اس کا تعاقب کیا گیا مگر وہ بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ قریش کی طرف سے دہشت انگیزی کی تقویت تھی اور اپنی قوت کا مظاہرہ تھا کہ تین سو میل کے فاصلہ پر بھی وہ کامیاب حملہ کر سکتے ہیں اور فتح پا سکتے ہیں۔

قرآنی اصطلاح

پورے عرب میں اشتعال اور مدینہ میں دہشت پھیلانا۔ منافرت اور عداوت بڑھانا۔ چراگاہ پر حملہ ڈکیتی ۔ قرآن حکیم ان باتوں کو "فساد فی الارض" قرار دیتا ہے۔

صد عن سبیل اللہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مندرجہ ذیل روایت امام بخاریؒ نے کتاب المغازی کے شروع میں نقل کی ہے کہ۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جو قبیلہ اوس کے رئیس اعظم تھے' عمرہ کے لیے مکہ معظمہ گئے۔ حضرت سعد بن معاذ اور امیہ بن خلف کا پرانا یارانہ تھا۔ امیہ جب مدینہ آتے تھے تو حضرت سعد کے یہاں قیام کرتے تھے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ جب مکہ جاتے تھے تو امیہ کے یہاں ٹھیرا کرتے تھے۔ اسی تعلق کی بنا پر وہ اس مرتبہ بھی امیہ بن خلف کے مہمان ہوئے اور ایک روز ان کے ساتھ دوپہر کے وقت طواف کے لیے گئے کہ اس وقت بھیڑ کم ہوتی تھی۔ اتفاق سے ابوجہل سے ملاقات ہو گئی۔ ابوجہل نے امیہ سے دریافت کیا یہ آپ کے ساتھ کون ہیں ؟ امیہ نے جواب دیا "سعد" ہیں۔ ابوجہل نے کہا" میں کبھی یہ نہیں دیکھ سکتا کہ تم مکہ میں آکر امن سے طواف کرو۔ تم لوگوں نے صابیوں کو (جو ہمارے دین سے منحرف ہو گئے ہیں۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء کرام کو) اپنے یہاں پناہ دی ہے اور اور یہ بھی دعویٰ ہے کہ تم ان کی مدد کرو گے۔ خدا کی قسم اگر تم اس وقت امیہ کے ساتھ نہ ہوتے تو اپنے گھر صحیح سالم نہیں پہونچ سکتے تھے۔ "حضرت سعد نے کہا خدا کی قسم اگر تم نے ہمیں مکہ آنے سے روکا تو ہم وہ کریں گے جو تمہارے حق میں اس سے بہت زیادہ سخت بات ہو گی ہم تمہارا مدینہ کا راستہ روک دیں گے۔ (یعنی شام کی تجارت کا راستہ (بخاری شریف۔ باب ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم من یقتل ببدر)

ابوجہل کی یہ دھمکی وہ ہے جس کو قرآن حکیم نے صد عن سبیل اللہ کہا ہے یعنی عبادت سے

روک دینا۔ اور حرم شریف کے داخلہ میں رکاوٹ ڈالنا۔ فساد فی الارض کی طرح یہ بھی ایک مستقل جرم ہے۔ قریش جس کے مجرم تھے۔

اس صحیح السند روایت کا مفاد یہ بھی ہے کہ ابوجہل کی اس دھمکی سے پہلے مسلمانوں نے قریش کے تجارتی قافلوں کے راستہ میں رکاوٹ نہیں ڈالی تھی۔ اگر مسلمانوں کی طرف سے کوئی بھی مزاحمت اس وقت تک پیش آئی ہوتی تو اول تو حضرت سعد مکہ جانے کا ارادہ ہی نہ کرتے اور اگر وہ غلطی کر بھی لیتے تو ناممکن تھا ابوجہل اس برہمی میں اس کا تذکرہ نہ کرتا۔

فریقین کے اعمال کا جائزہ۔ فرد جرم

هَذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ

یہ دونوں فریق ہیں۔ جو اپنے رب کے بارے میں ایک دوسرے کے مخالف باتیں کہتے ہیں۔

اب آیئے۔ تذکرہ غزوات سے پہلے دونوں فریق کے اعمال کا جائزہ لے لیں۔

فرد جرم

محمد رسول اللہ (ﷺ) اور آپ کے رفقاء کا جرم کیا تھا۔ وحی کے الفاظ میں آپ کے جرم کی حقیقت یہ ہے۔

وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ- الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ (سورہ بروج)

ان کی طرف سے قابل اعتراض بات صرف یہی تھی کہ وہ ایمان لے آئے تھے اس اللہ پر جو غالب قدرت والا ہے ہر لحاظ سے اس کا مستحق ہے کہ اس کی حمد کی جائے وہ اللہ کہ آسمانوں اور زمین کی مملکت صرف اسی کے لیے ہے۔

قریش کا فرد جرم

(آیات کتاب اللہ اور تاریخی شہادتوں کی روشنی میں تفصیلی بحث عہد زریں ۳ میں گذر چکی ہے)

۱ ۔ تغلب ۔ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بسائے ہوئے شہر اور ان کے تعمیر کردہ "بیت

اللہ" پر ناجائز قبضہ۔

۲ - خیانت - بیت اللہ۔ مسجد حرام۔ اور حرم مکہ کو ایسے مقاصد کے لیے استعمال کرنا جو ان کے تصریح کردہ مقصد اور منشاء کے خلاف ہے۔

۳ - بغاوت - مرکز توحید میں شرک کا جھنڈا گاڑنا۔ جو شہر اقامت صلوۃ کے لیے آباد کیا گیا تھا اس کو شرک کا مرکز اور بت پرستی کی نمائش گاہ بنالینا۔

۴ - غدر۔ اور دھوکا - دعویٰ ملت ابراہیم کا اور عمل اس کے برخلاف۔ برعکس نہند نام زنگی کافور۔

۵ - مذہب کے بارے میں جبرو تشدد۔ آزادی رائے پر بندش۔ ضمیر کا خون

خدا واحد کے پرستاروں پر لرزہ خیز مظالم۔ جبرو تشدد۔ قہرو غضب۔ جو مکہ معظمہ میں تیرہ برس تک ہوتا رہا۔

۶ - معزز شہریوں کا بائیکاٹ

ایک قومی معاہدہ کے ذریعہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے ہمنوا آل ہاشم سے کلیۃً مقاطعہ کیا گیا ان کو شعب ابی طالب میں تین سال تک محصور ہو کر رہنا پڑا۔ کھانے پینے اور جملہ ضروریات زندگی کے لیے ناقابل بیان مصیبتیں اور پریشانیاں برداشت کرنی پڑیں۔

۷ - اہل وطن کا ان کے وطن سے اخراج

ایک جماعت کو یہاں تک مجبور کیا گیا کہ ان کو وطن سے نکل کر حبشہ جانا پڑا۔ پھر دوسری جماعت کو مدینہ میں آکر پناہ لینی پڑی۔

۸ - محمد رسول اللہ ﷺ کے قتل کا منصوبہ

دارالندوہ کا قومی فیصلہ

۹ - اقدام قتل

فیصلہ قتل کے بعد ایک جماعت کو مامور کیا گیا کہ وہ محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر میں گھس کر ان کو شہید کر ڈالیں۔ جب آنحضرت ﷺ بچ کر نکل آئے تو اعلان کیا گیا کہ جو شخص محمد (رسول اللہ ﷺ) کا سر لائے گا اس کو سو اونٹ انعام کے دیئے جائیں گے۔

تلک عشرۃ کاملۃ۔ قریش کے یہ جرائم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت تک تھے۔

ہجرت کے بعد

معاہدہ

آنحضرت ﷺ نے بقاء باہم کے اصول پر جملہ اہل مدینہ سے ایک معاہدہ کیا جس میں مدینہ کے بت پرست۔ مدینہ کے یہودی۔ اور مسلمان۔ اپنے مذہبی اختلافات کے باوجود برابر کے شریک تھے۔ حفاظت جان و مال اور امن و امان کے سلسلہ میں ان سب کے حقوق یکساں قرار دیئے گئے تھے۔ ابن ہشام نے یہ پورا عہد نامہ نقل کیا ہے۔ جس میں ہر فریق کے قبائل کے نام لے گئے ہیں اور یہ عہد کیا گیا ہے۔

(الف) ان یثرب حرام جو فھالاھل ھذہ الصحیفہ

(جوف یثرب (وہ تمام علاقہ جو حدود مدینہ کے اندر ہے) اس عہد نامہ کے جملہ فریقوں کے لیے واجب الاحترام ہو گا (اس میں کشت و خون یا بدامنی نہیں ہو گی)

(ب) ان النصر للمظلوم

جو مظلوم ہو گا اس کی مدد کرنی ہو گی

(ج) ان الجاد کالنفس خیر مضار ولا اثم

پڑوسی اور جو لوگ پناہ لینے والے ہیں ان کے وہی حقوق ہوں گے جو خود اپنی ذات کے حقوق ہیں نہ کسی کو کوئی نقصان پہونچایا جائے گا نہ کسی کے خلاف مجرمانہ حرکت کی جائے گی۔

(د) وان بینھم النصر علی من دھم یثرب

جو یثرب پر چڑھ آئے اس کے مقابلہ کے لیے آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنی ہو گی۔ (ہ) وان المومنین بعضھم مولی بعض وانہ من تبعنا من یھود فان لہ النصر والا سوۃ غیر مظلومین ولا متناصرین علیھم۔

مسلمان ایک دوسرے کے معاون و مددگار رہیں گے اور جو یہودی ہمارے زیر اثر ہوں گے ان کی مدد کی جائے گی ان کے ساتھ ہمدردی کا برتاؤ ہو گا ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا نہ ان کا ساتھ دیا جائے گا جو ان کے خلاف انتقامی کارروائی کریں گے۔

ک دفعہ یہ بھی ہے۔ وان یھود بنی عوف امۃ مع المومنین (بنو عوف کے یہودی ساتھ ایک امت (ایک قوم) رہیں گے۔

، کے نام علیحدہ علیحدہ شمار کیے گئے ہیں اور کہا گیا ہے "لھم مثل مالیھود بنی عوف

جو عہد یہود بنو عوف سے ہے اسی جیسا ان سے بھی ہے۔ یعنی جس طرح کے حقوق اور جو حیثیت یہود بنی عوف کی ہے وہی ان کی بھی ہو گی۔

(ز) پھر ایک عام دفعہ یہ ہے۔ وان بطانة (۲۲۷) الیہود کا نفسھم۔ یہود کے اہل و عیال اور ان کے خواص کی حیثیت بھی یہود جیسی ہو گی۔ پر حیثیت کی تفسیر کی گئی ہے۔ للیہود دینھم وللمسلمین دینھم۔ یہود اپنے مذہب میں آزاد رہیں گے اور مسلمان اپنے مذہب میں۔

و ان بینھم النصح و النصیحة و البر دو ن الاثم وانہ لم یاثم امرء بحلیفه

ان کے باہمی تعلقات خیر خواہی' خیر سگالی' نیکی اور بھلائی کے ہوں گے۔ جرم اور گناہ کے نہ ہوں گے۔ کوئی شخص اپنے معاہدہ کرنے والے کے خلاف کوئی مجرمانہ عمل نہیں کرے گا۔

(ح) ایک اہم دفعہ جس پر خاص زور دیا گیا ہے' یہ ہے۔

ان بینھم النصر علی من حارب اھل ھذه الصحیفه

شرکاء معاہدہ میں سے کسی شریک سے جو کوئی جنگ کرے گا تو سب کا باہمی فرض ہو گا کہ اس کی (شریک معاہدہ کی) امداد کریں

اس معاہدہ میں یہود کی طرح مشرکین کے نام بار بار نہیں لیے گئے کیونکہ ان کے قبیلے علیحدہ علیحدہ نہیں تھے وہ بنو نجار بنو ساعدہ۔ اوس اور خزرج جو انصار کے قبائل تھے انہیں میں سے کچھ مسلمان ہو گئے تھے کچھ مشرک تھے ہر ایک قبیلہ نے بحیثیت قبیلہ اس میں شرکت کی تھی۔ چنانچہ ہر ایک قبیلہ کے نام کے ساتھ یہ بھی ہے۔

(ط) علی ربعھم یتعاقلو ن معاقلھم الاولی و کل طائفه تفدی عانیھا بالمعرو ف و القسط بین المومنین

(۲۲۸)

جو ان کے طریقے پر چلے آ رہے ہیں وہ بدستور ان پر قائم رہیں گے۔ ان کے آپس میں خون بہا اور دیت ادا کرنے کا طریقہ جو پہلے سے چلا آ رہا ہے وہی بدستور رہے گا۔ ہر جماعت اپنے قیدی کے چھڑانے کا فدیہ عرف کے بموجب خود ادا کرے گی اس میں مسلمان اور غیر مسلمان سب برابر ہوں گے ہر ایک کو انصاف ملے گا۔ مسلمان ہونے کی بنا پر کسی کو محروم نہیں کیا جائے گا (۲۲۹)۔

جب کہ بحیثیت قبیلہ معاہدہ میں شرکت تھی تو فرقہ مشرکین کی صراحت کی ضرورت نہیں سمجھی گئی البتہ ایک دفعہ ایسی تھی جہاں تصریح ضروری سمجھی گئی۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

(ی) انه لا یجیر مشرک مالا لقریش ولا نفسا ولا یحول دونه علی مومن

کوئی مشرک نہ قریش کے مال کی حفاظت اپنے ذمہ لے گا اور نہ کسی قریشی کو جان کی پناہ دے گا اور نہ مسلمانوں کے اور قریش کے درمیان حائل ہو گا۔

(سیرۃ ابن ہشام ہجرۃ النبی ﷺ صفحہ ۳۰۱ تا ۳۰۴ مطبوعہ مطبع محمد علی صبیح میدان از ہر شریف (مصر)

یہ معاہدہ ان سے ہوا تھا جو مدینہ میں رہتے تھے۔ خلاصہ یہ تھا کہ سب مل کر ایک امت (قوم) کی طرح رہیں گے۔ کوئی کسی کو نقصان نہیں پہونچائے گا۔ باہر سے کوئی حملہ کرے گا تو سب مل کر اس کا مقابلہ کریں گے۔ مظلوم کی سب مدد کریں گے۔ ہر ایک فرقہ کو مذہبی آزادی حاصل ہو گی۔ یہود جو مدینہ کے قریب قلعوں اور گڑھیوں میں رہتے تھے وہ اس معاہدہ میں شریک تھے۔ اس معاہدہ کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے گرد و نواح کے قبائل سے اسی طرح کے معاہدہ کی کوشش شروع کی۔ چنانچہ آپ اسی سال "ودان" تشریف لے گئے جو مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کے درمیان ایک مقام تھا۔ قبیلہ بنی حمزہ بنی بکر جو یہاں آباد تھا اس سے اسی مضمون کا معاہدہ ہوا۔ ربیع الاول ۲ھ میں آپ "جبل رضوی کے اطراف میں تشریف لے گئے اور "کوہ بواط" (۲۳۰) کے باشندوں کو شریک معاہدہ کیا۔ پھر جمادی الاخری میں "ذی العشیرہ" تشریف لے گئے۔ یہ مقام ینبوع اور مدینہ کے درمیان ہے۔ یہاں بنو رلج سے معاہدہ کیا۔(۲۳۱)

جرائم قریش

حفاظت امن۔ مذہبی آزادی۔ صلح و آشتی۔ اور بقاء باہم کی جو کوشش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے اس کے برعکس قریش نے جو کوششیں کیں ان کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔ جس کے واضح عنوانات یہ ہیں۔

(۱) اہل مدینہ سے مطالبہ کہ آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کریں یا مدینہ سے نکال دیں۔

(۲) ...نہ میں آنحضرت ﷺ کے خلاف ایک محاذ قائم کرنا۔

...میں دہشت پھیلانا۔

...ہونچ کر شبخون مارنا۔

...استے بند کر دینا (وفد عبدالقیس کی شکایت)

(۶) پورے عرب میں مسلمانوں کے خلاف دہشت پھیلانا۔ فساد فی الارض (ملک میں تباہی مچانا)
(۷) حج اور عمرہ سے روکنا۔ (صدعن سبیل اللّٰہ)

اذن جہاد اور اس کی وجوہات

عجیب بات یہ ہے کہ وہ آیت جس میں جہاد کی اجازت دی گئی ہے سورہ حج میں ہے اور اس آیت سے پہلے تقریباً" ڈھائی رکوع میں حج اور خانہ کعبہ کے احترام اور قربانی کے متعلق احکام ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی۔ ان کو خانہ کعبہ کے پاک رکھنے کا حکم دیا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حج کے لیے نوع انسان کو دعوت دی۔ لوگ حج کے لیے آتے ہیں۔ قربانی کے جانور ساتھ لاتے ہیں۔ قربانی کا مقصد تقویٰ ہونا چاہیے۔ مسجد حرام میں جملہ نوع انسان کا حق یکساں ہے۔ یہاں مقامی اور بیرونی کی کوئی تفریق نہیں ہے۔ یہاں ظلم و جور برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ جو تغلب اور چیرہ دستی کرے گا وہ سخت سزا کا مستحق ہو گا۔ جو خیانت کرنے والے اور ناسپاس ہیں۔ اللہ ان کو پسند نہیں کرتا۔ ان تمام تصریحات کے بعد ارشاد ہے۔

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ (سورہ حج ع ۶) (۲۳۲)

اجازت دے دی گئی ان کو جن سے جنگ کی جا رہی ہے اس بنا پر کہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ ان کی مدد کرنے پر ضرور قادر ہے۔

کیا یہ آیت اس موقع پر بے محل ہے؟ آپ غزوات و سرایا کا پس منظر ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ جس کی تفصیل کے لیے اس کتاب کے تقریباً" سو صفحات رنگے گئے ہیں۔ اس پس منظر پر دوبارہ نظر فرمائیے۔ آپ کا فیصلہ یہی ہو گا۔ اس آیت کے لیے سب سے زیادہ موزوں اور مناسب مقام یہی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جس دستوری کتاب اور جس کانسٹی ٹیوشن کا اعلان یہ ہو۔ لَآ اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ (مذہب کے بارے میں کوئی جبر نہیں)

جو مذہب کے بارے میں جبر و اکراہ کے رجحان کو بھی ناپسند کرتا ہو اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰی یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ (۲۳۴) (سورہ یونس ع ۱۱) کیا آپ لوگوں پر جبر کریں گے کہ وہ مسلمان ہو جائیں)

جس کی ہدایت حامل کتاب رسول برحق ﷺ کے لیے یہ ہو۔

قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنِ اهْتَدٰی فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا وَمَاۤ اَنَا عَلَیْكُمْ بِوَكِیْلٍ (سورہ یونس ع ۱۱)

اے پیغمبر۔ کہہ دیجئے۔ اے لوگو تمہارے پروردگار کی طرف سے سچائی تمہارے پاس آ گئی پس جو ہدایت کی راہ اختیار کرے گا تو اپنے ہی بھلے کے لیے کرے گا اور جو بھٹکے گا تو اس کی گمراہی اس کے آگے آئے گی میں تم پر نگراں و مختار نہیں ہوں (سورہ یونس ع ۱۱)

وہ دستور اساسی اور وہ فرمان ربانی کبھی یہ فیصلہ ☆ نہیں کر سکتا تھا کہ قریش کے خلاف اس لیے اعلان جنگ کر دو کہ وہ مشرک ہیں۔ کافر ہیں۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت قبول نہیں کرتے۔ اس کی نظر میں کچھ اور اسباب اور وجوہات ہوں گے جن کی بنا پر جنگ کی اجازت دی جائے گی۔ چنانچہ کچھ وجوہات اس آیت کے تتمہ میں بیان کیے گئے ہیں' اور کچھ وجوہات اور اسباب تمہید میں بیان کیے گئے ہیں پھر عجیب بات یہ ہے کہ سلسلہ کلام میں فلسفہ جہاد پر بھی روشنی ڈالی گئی تو اختلاف عقائد کو نہ وجہ جہاد بتایا گیا نہ مقصد جہاد قرار دیا گیا۔ بلکہ جہاد کا مقصد۔ تحفظ قرار دیا گیا اور بتایا یہ گیا۔ اگر جہاد نہ ہوتا تو کلیسے۔ گرجے۔ خانقاہیں۔ اور مسجدیں سب ہی برباد ہو گئی ہوتیں۔ جو (۲۳۵) اپنے اپنے زمانہ میں ہدایت و ارشاد کے مرکز رہے ہیں۔

وجوہات و اسباب

اس آیت کے دوسرے حصہ (تتمہ) میں فرمایا گیا کہ جن کو جہاد کی اجازت دی گئی ہے۔

اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ (سورہ حج ع ٦)

یہ وہ مظلوم ہیں جو بغیر کسی حق کے اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے ان کا کوئی جرم نہ تھا اگر تھا تو صرف یہ کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔

سلسلہ کلام (سیاق) پر اگر زیادہ غور سے کام لیا جائے تو سورت کے شروع ہی سے تمہید کا آغاز ہو جاتا ہے مگر ہم صرف ان آیات کا ترجمہ پیش کرتے ہیں جن کا تعلق بیت اللہ' حج بیت اللہ اور بناء خلیل اللہ سے ہے جس سے اس پس منظر کی تصدیق ہوتی ہے جو تفصیل کے ساتھ پہلے بیان کیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو حصہ سوم)

ارشاد ربانی ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ (ع ۳ تا- اِنَّ اللّٰہَ یُدَافِعُ عَنِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ خَوَّانٍ کَفُوْرٍ (ع ٦)

ترجمہ ۔ جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی اور جو اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہیں۔ نیز مسجد حرام (۲۳۶) سے (لوگوں کو روکتے ہیں) جسے ہم نے بلا امتیاز تمام انسانوں کے لیے (عبادت گاہ) ٹھیرایا ہے خواہ وہاں کے رہنے والے ہوں یا باہر سے آنے والے ہوں (تو انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ ہم انہیں اور) ہر اس آدمی کو جو اس میں از راہ ظلم حق سے منحرف ہونا چاہے گا۔ عذاب دردناک کا مزہ چکھائیں گے۔

اور وہ وقت یاد کرو۔ جب ہم نے ابراہیم کے لیے خانہ کعبہ کی جگہ (۲۳۷) مقرر کر دی (اور حکم دیا کہ) میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ گردان۔ اور میرا یہ گھران لوگوں کے لیے پاک رکھ جو طواف کرنے والے ہوں۔ جو عبادت میں سرگرم رہنے والے ہوں۔ رکوع اور سجدہ میں جھکنے والے ہوں۔ اور (حکم دیا تھا) کہ لوگوں میں حج کا اعلان پکار دے لوگ تیرے پاس دنیا کی تمام دور دراز راہوں سے آیا کریں گے۔ پاپیادہ اور سوار ہو کر دبلی دبلی اونٹنیوں پر (جو مشقت سفر سے) تھکی ہوئی ہوں گی۔ وہ اس لیے آئیں گے کہ اپنے فائدہ پانے کی جگہ میں حاضر ہو جائیں۔ اور ہم نے جو پالتو چارپائے ان کے لیے مہیا کر دیئے ہیں ان کی قربانی کرتے ہوئے مقررہ دنوں میں اللہ کا نام لیں۔ پس قربانی کا گوشت خود بھی کھاؤ اور بھوکے فقیر کو بھی کھلاؤ۔ پھر قربانی کے بعد وہ اپنا میل کچیل دور کر دیں (یعنی احرام سے فارغ ہو جائیں) نیز اپنی نذریں پوری کریں اور اس خانہ قدیم (خانہ کعبہ) کا طواف کریں۔

یہ سن چکے (اب اور سنو) اور جو کوئی اللہ کی ٹھیرائی ہوئی حرمتوں کی عظمت مانے تو اس کے لیے اس کے پروردگار کے حضور بڑی ہی بہتری ہے۔ اور (یہ بات بھی یاد رکھو کہ) ان جانوروں کو چھوڑ کر جن کا قرآن میں حکم سنا دیا گیا ہے تمام چارپائے تمہارے لیے حلال کیے گئے ہیں۔ پس چاہیے کہ بتوں کی ناپاکی سے بچتے رہو اور بچتے رہو جھوٹی بات سے۔ صرف اللہ ہی کی طرف کے ہو کر رہو۔ اس کے ساتھ کسی ہستی کو شریک نہ کرو۔ جس کسی نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا تو اس کا حال ایسا سمجھو (۲۳۸)۔ جیسے بلندی سے اچانک نیچے گر پڑا۔ اور جو چیز اس طرح گرے گی اسے یا تو کوئی اچک لے گا یا ہوا کا جھونکا کسی دور دراز گوشہ میں لے جا کر پھینک دے گا۔

(حقیقت حال) یہ ہے۔ پس (یاد رکھو) جس کسی نے اللہ کی نشانیوں کی عظمت مانی تو اس نے ایسی بات مانی جو فی الحقیقت دلوں کی پرہیز گاری کی باتوں میں سے ہے۔

ان (چارپایوں) میں ایک مقررہ وقت تک تمہارے لیے (طرح طرح کے) فائدے ہیں پھر اس خانہ قدیم تک پہونچا کر ان کی قربانی کرنی ہے۔

اور (دیکھو) ہم نے ہر امت کے لیے قربانی کرنا اس غرض سے مقرر کیا تھا کہ وہ ان مخصوص چوپایوں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو عطا فرمائے تھے۔ پس (یاد رکھو) تمہارا معبود وہی ایک معبود یگانہ ہے (اور جب اس کے سوا کوئی نہیں تو چاہیے کہ) اسی کے آگے فرماں برداری کا سر جھکا دو۔ اور تم ہمہ تن اسی کے ہو کر رہو۔

اور (اے پیغمبر) عاجزی اور نیاز مندی کرنے والے بندوں کو (کامرانی اور سعادت کی) خوشخبری سنا دو۔ ان (نیاز مندان حق کو) جن کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل لرز اٹھتے ہیں۔ جو ہر طرح کی مصیبتوں میں صبر کرنے والے ہیں جو نماز کے پڑھنے اور اس کی درستگی میں کوشاں رہتے ہیں۔ جو اس رزق میں سے جو اللہ نے دے رکھا ہے۔ خرچ کرتے رہتے ہیں۔

اور (دیکھو قربانی کے یہ) اونٹ (جنھیں دور دور سے حج کے موقع پر لایا جاتا ہے تو ہم نے اسے ان چیزوں میں سے ٹھیرا دیا ہے (۲۳۹) جو تمہارے لیے اللہ کی (عبادت کی) نشانیوں میں سے ہیں۔ اس میں تمہارے لیے بہتری کی بات ہے۔ پس چاہیے کہ ان پر کھڑے کر کے (ذبح کرنے کے وقت) اللہ کا نام لیا کرو۔ پھر جب وہ کسی پہلو پر گر پڑیں (۲۴۰) (یعنی ذبح ہو چکیں) تو ان کے گوشت میں سے خود بھی کھاؤ اور فقیروں اور زائروں کو بھی کھلاؤ۔ اس طرح ہم نے ان جانوروں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا' تاکہ (احسان الٰہی کے) شکر گذار رہو۔ (یاد رکھو) اللہ تک ان قربانیوں کا نہ گوشت پہنچتا ہے نہ خون اس کے حضور جو کچھ پہنچتا ہے وہ صرف تمہارا تقویٰ (تمہارے دل کی نیکی) ہے۔ ان جانوروں کو اس طرح تمہارے لیے مسخر کر دیا کہ اللہ کی بڑائی بیان کرو اور شکر ادا کرو کہ اس نے تمہیں راہ ہدایت کی توفیق بخشی اور اخلاص والوں (نیک کرداروں) کو خوش خبری سنا دو۔

جو لوگ ایمان لائے ہیں یقیناً" اللہ (ظالموں کے ظلم و تشدد کی) ان کی طرف سے مدافعت کرتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ خیانت کرنے والوں کو جو ناسپاس (ناشکرے ہیں) کبھی پسند نہیں کرتا۔

جن مومنوں کے خلاف ظالموں نے جنگ کر رکھی ہے اب انہیں بھی (اس کے جواب میں) جنگ کی اجازت دی جاتی ہے۔ کیونکہ ان پر سراسر ظلم کیا گیا ہے اور اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے (سورہ حج از ع ۳ تا ۶)

خط کشیدہ جملوں پر نظر فرمائیے غزوات رسول اللہ ﷺ کی وجوہات اور ان کا پس منظر آپ کے سامنے آجائے گا۔

راہ خدا میں سب سے پہلا تیر

ایک صحابی کا اجتہاد۔ اور بالائے عرش سے اس کی تصویب

میں سب سے پہلا عرب ہوں جس نے راہ خدا میں سب سے پہلے تیر پھینکا۔ اور ہم ایسی حالت میں غزوہ کیا کرتے تھے کہ ہماری خوراک ببول کے پتے ہوتے تھے یا کیکر کی گکرولیاں اور بکری کی مینگنیوں کی طرح بالکل خشک فضلہ ہوا کرتا تھا (۲۴۱)۔

یہ سیدنا سعد بن وقاص زہری رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے۔ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں ایک احتساب (۲۴۲) کے جواب میں حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک بیان دیا تھا جس کے ابتدائی جملے یہ ہیں۔ حضرت خلیفہ دوم رضی اللہ عنہ نے اس کی تصدیق کی تھی۔

تفصیل واقعہ

یاد کیجئے جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ عمرہ کے لیے مکہ گئے تھے تو ابو جہل نے کس زور سے کہا تھا۔

(تم نے صابیوں (بے دینوں) کو اپنے یہاں پناہ دی ہے۔ میں نہیں دیکھ سکتا کہ تم لوگ مکہ میں آکر طواف کرو۔ اگر تم امیہ کے ساتھ نہ ہوتے تو یہاں سے زندہ نہیں جا سکتے تھے (۲۴۳)۔

ابو جہل نے جب اہل مدینہ پر کعبہ کا دروازہ بند کر دیا۔ تو اہل مدینہ کو لامحالہ ایسی کارروائی کرنی تھی جس سے قریش کا نشہ ہلکا ہو۔ حضرت سعد نے وہیں ابوجہل کے منہ پر کہہ دیا تھا کہ تم مکہ کا راستہ بند کرتے ہو تو ہم تمہاری تجارت کا راستہ بند کر دیں گے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جو کہا تھا اہل مدینہ نے اس کو کیا۔

اب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر اس غرض سے ہوتے تھے کہ بقاء باہم کے اصول پر جو معاہدہ مدینہ والوں سے ہوا تھا اس کے دائرہ کو وسیع کریں۔ چنانچہ پہلے گزر چکا ہے۔ ودان اور بواط وغیرہ کے سفر میں آپ نے وہاں کے قبائل سے معاہدے کیے اور مصالحت کے دائرے کو وسیع کیا۔ مگر ابوجہل کی اس بندش کے بعد توجہ عالی اس طرف بھی منعطف ہوئی اور سو سو پچاس پچاس کی ٹکڑیاں تجارتی قافلوں کے تعاقب کے لیے بھیجی جانے لگیں۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سب سے پہلے اسلامی جرنیل ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان ۱ھ میں جھنڈا عنایت کیا اور تیس رضا کار (مجاہد) ان کے ساتھ کیے کہ وہ قریش کے تجارتی قافلہ کا تعاقب کریں۔ قافلہ کا سردار ابو جہل تھا۔ غالباً" ابوجہل کو اس خطرہ کا احساس پہلے سے تھا اس لیے وہ اپنے ساتھ بڑی تعداد لے کر چلا تھا۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ اس کے ساتھ تین سو آدمی تھے وہ جنگ کے لیے آمادہ ہو گیا۔ تین سو کے مقابلہ میں تیس کی کیا حقیقت تھی مگر ان

سرمستان توحید کا یہ ولولہ تھا کہ قلت تعداد کے باوجود مقابلہ کے لیے صف آرا ہو گئے۔ مجدی بن عمرو جہنی اس علاقہ کا شیخ تھا جہاں یہ معرکہ ہونے والا تھا۔ وہ اتفاق سے دونوں فریق کا حلیف تھا اس لیے وہ بیچ میں پڑ گیا اور جنگ ملتوی کرا دی (۲۴۴)۔

زیادہ چھان بین کی جائے تو ایک یا دو دستوں کا اور پتہ چلے گا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارتی قافلہ کے تعاقب کے لیے بھیجے۔

اب دوسرے سالہ کا ربیع الاول آیا۔ یعنی ہجرت کا پہلا سال ختم ہوا تو اسی مہینہ میں "کرز بن جابر فہری" کا واقعہ پیش آگیا جس کا ذکر پہلے گذر چکا وہ مکہ سے سیدھا مدینہ پہونچا۔ چراگاہ پر حملہ کیا اور وہاں سے اونٹ ہنکا کر لے گیا۔ اس کا تعاقب بھی کیا گیا مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ وہ بچ کر نکل گیا۔

اسی ربیع الاول کا واقعہ ہے کہ آنحضرت ﷺ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ ابواء تک گئے جو ودان سے چھ یا آٹھ (۲۴۵) میل کے فاصلہ پر ہے اور جہاں آپ کی والدہ کا مزار ہے۔ ابواء کا صدر مقام فرع تھا جو ایک وسیع قصبہ تھا جو مدینہ سے تقریباً اسی میل کے فاصلہ پر تھا۔ ان کے اطراف میں قبیلہ بنو حمزہ آباد تھا۔ یہاں آپ ﷺ نے چند روز قیام کر کے بنو حمزہ سے معاہدہ کیا جس کا سردار مجدی بن عمرو (۲۴۶) ضمری تھا (۲۴۷)۔

آپ ﷺ یہیں تشریف فرما تھے کہ آپ ﷺ کو تجارتی قافلہ کا علم ہوا۔ آپ نے ساٹھ مہاجرین کا ایک دستہ اس کے تعاقب کے لیے بھیجا۔ عبیدہ بن حارث اس دستہ کے امیر تھے۔ اس دستہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ بھی تھے۔ اس دستہ کی کچھ مڈ بھیڑ تجارتی قافلہ سے ہوئی۔ دونوں طرف سے تیر اندازی ہوئی (۲۴۸)۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اسی موقع کی یہ بات فرما رہے ہیں کہ وہ سب سے پہلے عرب ہیں جس نے راہ خدا میں تیر پھینکا۔

جہاد فی سبیل اللہ میں ایک مسلمان کے ہاتھ سے سب سے پہلا قتل

تقریباً دو ماہ بعد جمادی الاخری ۲ھ میں (واقعہ بدر سے دو ماہ پہلے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ مجاہدین کا ایک دستہ اپنے پھوپی زاد بھائی حضرت عبداللہ بن جحش ؓ کی قیادت میں روانہ کیا اس قافلہ میں آٹھ مہاجر تھے۔ حضرت سعد بن وقاص بھی اس دستہ میں شامل تھے۔ ان بارہ آدمیوں کے پاس صرف ایک اونٹ تھا اس پر نمبروار سوار ہو جایا کرتے تھے۔

آپ ﷺ نے امیر سریہ حضرت عبداللہ ؓ کو ایک بند تحریر دی اور فرمایا بسم اللہ کہو اور روانہ ہو جاؤ اور جب دو دن سفر کر چکو تب اس کو کھول کر پڑھنا اپنے ساتھیوں کو بھی سنا دینا۔ پھر اس تحریر میں جو ہدایت دی گئی ہے اس پر عمل کرنا اور جو ساتھی آگے نہ جانا چاہے اس پر جبر نہ کرنا۔

دو دن سفر کر چکنے کے بعد حضرت عبداللہ ؓ نے نامہ گرامی کھولا تو اس میں تحریر تھا (۲۴۹)۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم- امابعد فسر علی برکة اللہ بمن تبعک من اصحابک تتنزل بطن نخلة فتر صدبھا عیز قریش لعلک تاتینا منه بخبر (۲۵۰)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ تعالیٰ کی برکت آپ کو نصیب ہو۔ آپ اور آپ کے جو ساتھی آپ کے ساتھ چلیں ان کو ساتھ لے کر آپ روانہ ہوں یہاں تک کہ آپ بطن نخلہ پہونچ کر قیام کریں وہاں قریش کے قافلہ کو جو غلہ لے جا رہا ہو گا' اس کی تاک رکھیں توقع ہے کہ اس کی کوئی خبر لے کر آپ ہمارے پاس آئیں گے۔

حضرت عبداللہ بن جحش ؓ نے تحریر پڑھتے ہی کہا۔ سمعا وطاعة (جو حکم ہے اس کی پوری پوری تعمیل ہو گی) پھر اپنے ساتھیوں کو سنایا۔ اور فرمایا۔ جو شہادت چاہتا ہے میرے ساتھ چلے اور جو اس کے لیے تیار نہ ہو واپس ہو جائے کسی پر جبر نہیں ہے اور مجھے ہدایت بھی یہی ہے کہ میں کسی کو مجبور نہ کروں لیکن بارہ نفوس میں سے کوئی ایک بھی واپس ہونے کو تیار نہیں ہوا۔ اب حضرت عبداللہ ؓ اپنے ساتھیوں کو لے کر آگے بڑھے۔ لیکن جب حجاز کے بالائی علاقہ میں فرع کے اوپر ایک معدن کے قریب اس جگہ پہونچے جس کو "نجران" کہا جاتا تھا۔ وہاں اتفاق سے اونٹ گم ہو گیا۔ یہ حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہما کا اونٹ تھا۔ یہ دونوں اونٹ کی تلاش میں پیچھے رہ گئے۔ باقی حضرات چلتے رہے اور "بطن نخلہ" پہونچ گئے اور حسب ہدایت یہاں قیام کر کے قریش کے قافلہ کا انتظار کرنے لگے۔ ان حضرات کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا قریش کا ایک قافلہ جو کشمش اور کچی کھال وغیرہ تجارتی مال لیے ہوئے تھا' سامنے آگیا عمرو بن (۲۵۱) حضرمی حکیم بن کیسان عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ مخزومی اور نوفل بن عبداللہ مخزومی' اس قافلہ کے ممتاز ارکان تھے۔(رضی اللہ عنہم)

آنحضرت ﷺ نے جو سر بمہر تحریر عنایت فرمائی تھی اس میں خبر لانے اور حالات معلوم کرنے کی ہدایت تھی۔ حملہ کے متعلق کوئی ہدایت نہیں تھی۔ البتہ جس اہتمام سے اس دستہ کو بھیجا گیا اور جس اہمیت اور راز داری کے ساتھ امیر دستہ حضرت عبداللہ بن جحش ؓ کو یہ تحریر دی گئی اس سے قیاس بہت کچھ کیا جا سکتا تھا۔ حضرت سعد بن وقاص ؓ کی تیر اندازی کا واقعہ اس سے پہلے ہو چکا تھا۔ ان کے تیر مارنے پر کوئی اعتراض نہیں کیا گیا تھا۔ اور اگرچہ ابھی تک حکم قتال نہیں ہوا تھا۔ مگر اذن قتال کی آیت۔ اذن للذین یقاتلون) یقیناً" اس سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔ امیر دستہ حضرت عبداللہ بن جحش ؓ نے ان سب باتوں سے یہی سمجھا کہ موقع ملے تو ان کو "اقدام" کی اجازت ہے۔ چنانچہ اس قافلہ پر تیر اندازی کی گئی۔ اتفاق کی بات ایک مجاہد (واقد بن عبداللہ سہمی) کا تیر عمر حضرمی کے لگا۔ اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا

جس سے قافلہ کے پیر اکھڑ گئے۔ مجاہدین فوراً آگے بڑھے اور انہوں گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ اور حکم بن کیسان۔ گرفتار ہوئے اور باقی بھاگ گئے۔ یہ مجاہد دستہ۔ قافلہ کا تمام سامان اور ان دونوں قیدیوں کو لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ اب صرف یہ بات نہیں تھی کہ اسلام کی تقریباً پندرہ سالہ تاریخ میں مسلمانوں کے ہاتھ سے غیر مسلم کا قتل پہلا واقعہ تھا بلکہ یہ بھی پہلا موقع تھا کہ اس طرح گرفتار شدہ قیدی اور ضبط شدہ مال۔ سامنے آیا جو آنحضرت ﷺ کی توقع کے خلاف تھا۔ چنانچہ دفعتہً زبان مبارک سے یہی صادر ہوا۔ "ما امرتکم بقتال" (یہ کیا؟) میں نے تو تمہیں لڑنے کو نہیں کہا تھا۔

حضرمی کے قتل کے نتائج کیا ہوں گے۔ ایک دور اندیش کے لیے یہ مسئلہ بھی غور طلب تھا۔ مگر رسول خدا ﷺ جن کا ہر فیصلہ "قانون" ہوتا ہے۔ آپ کے لیے غور طلب یہ تھا کہ ضبط شدہ مال کا کیا کیا جائے اور قیدیوں کو کیا حکم دیا جائے۔

چنانچہ اسی روایت کا ایک جز یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن جحش ؓ نے جب یہ ضبط کردہ مال بارگاہ رسالت میں پیش کیا تو آپ ﷺ نے اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں فرمایا۔ حتی کہ کچھ عرصہ بعد جب جنگ بدر کی غنیمت کے متعلق احکام نازل ہوئے تب آنحضرت ﷺ نے اس مال کو بھی انہیں احکام کے بموجب تقسیم فرمایا۔

فدیہ ادا کر کے قیدیوں کو چھڑا لینے کا طریقہ عرب میں پہلے سے رائج تھا۔ اسی رواج کے مطابق قریش نے فدیہ دے کر اپنے قیدیوں کو رہا کرانا چاہا۔ مگر چونکہ حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عتبہ بن غزوان جو اونٹ کی تلاش میں اس دستہ سے بچھڑ گئے تھے ابھی واپس نہ ہوئے تھے اور خطرہ تھا کہ شاید قریش کے شکنجہ میں پھنس گئے ہوں۔ اس لیے آنحضرت ﷺ نے ان کی واپسی سے پہلے ان قیدیوں کے بارے میں گفتگو مناسب نہیں سمجھی۔ جب یہ دونوں مجاہد بخیریت واپس آ گئے تب آنحضرت ﷺ نے فدیہ منظور فرما کر ان دونوں کو رہا کر دیا۔ چالیس اوقیہ۔ یعنی چار سو اسی درہم۔ ہر ایک اسیر کا فدیہ لیا گیا۔ عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ تو رہا ہو کر مکہ چلا گیا۔ پھر حالت کفر ہی میں اس کا انتقال ہوا۔ مگر حضرت حکم بن کیسان کچھ ایسے گرفتار ہوئے تھے کہ پھر رہائی پسند ہی نہیں کی۔ پہلے سیاسی اسیر تھے پھر کاکل رسالت کے خود ساختہ اسیر ہو کر مدینہ ہی میں رہنے لگے۔

نالہ از بہر رہائی نہ کند مرغ اسیر
خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نہ بود

بہت جلد آپ کا شمار ان صحابہ میں ہونے لگا جو تعلیم و تبلیغ کے لیے باہر بھیجے جاتے تھے۔ آپ کی سعادت نے اور آگے قدم بڑھایا۔ "ابو عامر بن مالک" کی تحریک پر جو حضرات قراء نجد کے علاقہ میں تعلیم و تبلیغ کے لیے بھیجے گئے تھے آپ بھی ان میں منتخب کیے گئے۔ ان داعیان حق نے چند منزلیں طے کی تھیں کہ بیر معونہ کے قریب سب کو شہید کر دیا گیا۔ سب کے ساتھ آپ نے بھی جام شہادت نوش فرمایا

اور ابدی سعادت سے ہم کنار ہو گئے۔ (۲۵۲) (رضی اللہ عنہم اجمعین)

موفقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ (سورہ عنکبوت ع ۷)

جو لوگ ہماری راہ میں محنت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستے ضرور دکھا دیں گے اور بے شک اللہ تعالیٰ اچھے کردار والوں کے ساتھ ہے۔

اس کی بہترین مثال (کہ راہ خدا میں محنت کرنے والوں کو اللہ کی طرف سے رہنمائی اور ہدایت میسر آتی ہے) وہ عمل یا وہ مشورے جو صحابہ کرام نے موقع بموقع پیش کیے اور وحی خداوندی نے انکی تصدیق فرمائی۔ ان کو موافقات صحابہ (۲۵۳) کہا جاتا ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی سیرۃ مبارکہ میں اس کی مثالیں تقریباً" بیس ہیں۔ مثلاً" حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ ازواج مطہرات پردہ میں رہا کریں۔ ابھی یہ مشورہ زیر غور تھا کہ آیت حجاب نازل ہو گئی۔

اسی طرح کی مثال حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام بھی ہے۔ قریش کے قافلہ پر حملہ کا حکم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دیا تھا۔ یہ خود حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کا ایک فیصلہ تھا۔ آپ کے خیال میں وقت آگیا تھا کہ قریش کی دراز دستی پر ایک ضرب لگائی جائے۔

ایک عجیب اتفاق یہ بھی ہوا کہ یہ ماہ جمادی الاخریٰ کی آخری تاریخ تھی۔ اگلے روز رجب کا مہینہ شروع ہونے والا تھا جو عرب کے آئین اور دستور کے بموجب ایسا مہینہ تھا جس میں جنگ و جدال کو حرام سمجھتے تھے ان حضرات نے اس امن پسندانہ دستور کی خلاف ورزی نہیں کی۔ خود حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے دربار رسالت میں یہ بیان دیا تھا۔

انا قتلنا ابن الحضرمی ثم امسینا فنظرنا الی هلال رجب فلاندری فی رجب اصبناه ام فی الجمادی (معالم التنزیل ص ۹۳)

ہم ابن حضرمی کو قتل کر چکے پھر جب شام ہوئی تو ہم نے رجب کا چاند دیکھا۔ اب نہیں معلوم کہ ہم نے اس کو رجب میں قتل کیا یا جمادی الاخریٰ میں۔

بلاشبہ ان حضرات نے اپنے علم اور اپنی دانست کے بموجب ماہ رجب کا پورا احترام کیا۔ ان کو یہی معلوم تھا کہ یہ جمادی الاخریٰ کی تاریخ ہے ابھی رجب کا چاند نہیں ہوا۔ مگر قریش جو بہانہ کی تلاش میں رہتے تھے ان کو پروپیگنڈے کا اچھا موقع مل گیا۔ وہ مسلمانوں کو صابی کہا کرتے تھے۔ (بے دین) اب تک

بے دینی یہ تھی کہ ان کے دیوتاؤں کے سامنے مسلمانوں کی گردنیں خم نہیں ہوتی تھیں۔ اب اس میں "اشہر حرم" کی بے حرمتی کا بھی اضافہ ہو گیا۔ چنانچہ مسلمانوں کو یہی طعنہ دیا گیا۔

یا معشر الصیاۃ استحللتم الشھر الحرام وقاتلتم فیه

بے دین لوگو! تم نے شہر حرام کی توہین کی۔ اس مقدس مہینہ میں تم نے جنگ کی۔

اب حضرت عبداللہ بن جحش اور ان کے رفقاء مجاہدین (رضی اللہ عنہم) کے نازک احساسات کے لیے بہت سخت ابتلاء اور آزمائش کا وقت تھا۔

دشمنان اسلام کا اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ مگر حضرت عبداللہ بن جحش اور ان کے رفقاء کرام رضی اللہ عنہم کو شدید احساس اس بات کا تھا کہ اس وقت ان کے ایک اقدام کی وجہ سے مخالفین کو یہ موقع ملا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے بارے میں ان کے احساسات اس سے بھی زیادہ نازک تھے۔ وہ محبوب و مقدس رہنما اور رہبر جس کے لیے انہوں نے سب کچھ قربان کر رکھا تھا۔ ان کا کوئی فعل اس محبوب آقا کے لیے بار خاطر ہو۔ یا ان کے عمل سے طبع مبارک غبار آلود ہو۔ ایک صحابی کے لیے اس سے زیادہ صدمہ اور ندامت کی کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن جحش کا یہ جرات مندانہ اقدام اس محبوب آقا کی پسندیدگی بھی نہیں حاصل کر سکا تھا۔ اب اندازہ لگانا مشکل ہے کہ ان مجاہدین کو کس قدر تشویش ندامت اور روحانی کوفت ہو گی۔

حضرت جندب بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ) جو اس واقعہ کے راوی ہیں' ان کے الفاظ یہ ہیں۔

فعظم ذلک علی اصحاب السریه وظنوا انھم قد ھلکوا وسقط فی ایدیھم وعنفھم اخوانھم المسلمون فیما صنعوا۔ (۲۵۴)' ۲۵۵)

اصحاب سریہ کو اس کا سخت احساس ہوا۔ وہ سمجھنے لگے کہ ہم برباد ہو گئے۔ ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ مسلمانوں نے بھی ان کے اس فعل پر ملامت کی۔

مگر ان نادم اور شرمساروں کی خوش نصیبی پر جتنا رشک کیا جائے کم ہے۔ ان کی شرمساری نہ صرف ان کے لیے بلکہ تمام ہی مسلمانوں کے لیے مشکل کشا بن گئی۔ خاص اس معاملہ کے متعلق چند آیتیں نازل ہوئیں جن میں ہمیشہ کے لیے ماہ حرام اور ماہ حرام کے احکام بیان فرما دیئے گئے۔ قریش اشہر حرام کی حرمت کا واسطہ دے کر پروپیگنڈہ کر رہے تھے۔ وحی الٰہی نے اشہر حرام کی حرمت کو ایک حد تک تسلیم کرتے ہوئے یہ رہنمائی فرمائی کہ لکیر کا فقیر بنے رہنا کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ سب سے اہم اور سب سے ضروری بات یہ ہے کہ فتنہ ختم ہو۔ اگر فتنہ کو ختم کرنے کے لیے اشہر حرام کی حرمت کو بھی قربان کرنا پڑے تو یہ قربانی درست اور صحیح ہو گی۔ وحی الٰہی نے یہ بھی واضح کر دیا کہ حضرت عبداللہ بن جحش کے اس اقدام کو پہل نہیں کہا جا سکتا۔ جنگ کی پہل عبداللہ بن جحش نے نہیں کی۔ بلکہ پہل ان کی طرف

سے ہو چکی ہے جنکی یہ مسلسل کوشش سالہا سال سے چلی آ رہی ہے اور آئندہ بھی یہ کوشش رہے گی کہ مسلمانوں کو ان کے دین سے برگشتہ کر دیں۔ وحی ربانی کے الفاظ یہ ہیں۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (سورہ بقرہ ع ۲۷)

آپ سے لوگ پوچھتے ہیں۔ جو مہینہ حرمت کا مہینہ سمجھا جاتا ہے۔ اس میں لڑائی لڑنا کیسا ہے؟ آپ کہدیجئے اس میں لڑائی لڑنا بڑی برائی کی بات ہے (مگر یہ بھی سمجھ لو) اللہ کے راستے سے روکنا اور اس کا انکار کرنا۔ اور مسجد حرام کی راہ بند کر دینا (وہاں نہ جانے دینا) نیز حرم (مکہ) کے رہنے والوں کو وہاں سے نکال دینا اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ برائی ہے اور فتنہ (اہل مکہ جس کے علمبردار ہیں) قتل سے بڑھ کر ہے (واقعہ یہ ہے کہ یہ سوال محض پروپیگنڈہ ہے ورنہ اصل یہ ہے کہ ان کو تمہارا ایمان و اسلام برداشت نہیں چنانچہ) یہ لوگ تم سے برابر لڑتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ اگر بن پڑے تو تمہارے دین سے برگشتہ کر دیں۔ اور (دیکھو) تم میں سے جو شخص اپنے دین سے برگشتہ ہو جائے گا اور اسی حالت پر برگشتگی میں دنیا سے جائے گا۔ تو (یاد رکھو) اس کا شمار ان لوگوں میں ہو گا جن کے تمام اعمال دنیا اور آخرت میں اکارت گئے اور ایسے ہی لوگ ہیں جن کا گروہ دوزخی گروہ ہے۔ ہمیشہ عذاب میں رہنے والا۔

رحمت خداوندی کی بشارت

مذکورہ بالا آیتوں میں چند ضابطے بیان فرما دیئے گئے۔ مگر سوال باقی رہا کہ یہ مجاہدین سرفروش کفن بردوش جو دین حق کی حمایت ہادی برحق کی اطاعت۔ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے رحم و کرم کی دولت حاصل کرنے کے شوق میں جان کی بازی لگا چکے ہیں اور یہی لگن تھی جس نے ان کو ایک سربند مکتوب لیے ہوئے بلا سروسامان اپنے گھروں سے نکالا اور تقریباً" تین سو میل کے فاصلہ پر پہونچایا' جہاں انہوں نے یہ سرفروشانہ کھیل کھیلا۔ ان کے اس اقدام کے متعلق وحی الہٰی کا فیصلہ کیا ہے۔ کیا انہیں (۲۵۶) حق ہے کہ وہ رضاء الہٰی کے متوقع اور رحمت خداوندی کے امیدوار رہیں تو بعد کی آیت نے اس کی وضاحت فرما

دی۔ یعنی رحمت الٰہی کی بشارت دیدی۔ ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (سورہ بقرہ ع ۲۷)

بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے۔ اور جنھوں نے وطن سے بے وطن ہونے کی مصیبتیں برداشت کیں اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ تو بلاشبہ یہی وہ لوگ ہیں (جو بجا طور پر) اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ تعالیٰ لغزشوں کو معاف کرنے والا اور اپنی رحمتوں سے نوازنے والا ہے (۲۵۷)۔

تفصیلات غزوہ بدر۔ آیات کتاب اللہ کی روشنی میں

رمضان شریف ۲ھ۔ فروری ۶۲۳ء

مرکز سے روانگی

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَیْتِكَ بِالْحَقِّ۔ وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَكٰرِهُوْنَ۔ (سورہ انفال ع ۱) (۲۵۸)

(یہ ایسے ہی ہے جیسے) تیرے پروردگار نے باہر نکالا تجھ کو تیرے گھر سے سچی حقیقت ساتھ لیے ہوئے اور یہ واقعہ ہے کہ مومنوں کا ایک گروہ اس بات سے ناخوش تھا۔

یہ کتاب اللہ کی آیتیں ہیں۔ کتاب اللہ کا مطمح نظر سب سے پہلے قلب مومن ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ بدر کا ذکر آیا تو سب سے پہلے اہل ایمان کی قلبی کیفیت پر روشنی ڈالی کہ۔

"یہ کوئی جنگجو انقلابی یا پیشہ ور فوجی نہیں تھے نہ ان کو اقتدار کی ہوس اور نمائش کا شوق تھا کہ فوجی مظاہرہ سے ان کو خوشی ہوتی اور وہ لڑائی بھڑائی اور کشت و خون کو پسند کرتے۔ یہ نہایت امن پسند صلح جو' صاحب ایمان تھے اور مومن کی وہ خصوصیات جو پہلی آیت میں بیان کی گئی ہیں ان میں مکمل طور پر پائی جاتی تھیں۔ وہ خصوصیات یہ ہیں۔"

جب (۲۵۹) اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل دہل جاتے ہیں اور جب اس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کی ایمانی قوت میں اضافہ کر دیتی ہیں۔ وہ ہر حال میں اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے جو کچھ دے رکھا

ہے۔ اس میں سے (حسب ہدایت خداوندی) خرچ کرتے رہتے ہیں۔

اسی امن پسندی اور صلح جوئی کا یہ اثر تھا کہ ایک گروہ کو یہ سفر ایسا ناگوار تھا جیسے کسی کو زبردستی موت کے منہ میں دھکیلا جا رہا ہو اور وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں۔

قریش کی روانگی

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا (الی قوله) وَاِنِّي جَارٌ لَكُمْ (سورہ انفال ع ٦)

دوسری جانب کفار قریش کی حالت تھی۔ جس کے تذکرہ سے پہلے ہی مسلمانوں کو یہ ہدایت فرما دی گئی۔ لاتکونوا (تم ایسے مت ہو جانا) (قریش کی حالت یہ تھی) (یہ) اپنے گھروں سے نکلے اتراتے ہوئے۔ لوگوں کی نظر میں نمائش کرتے ہوئے اس حال میں کہ اللہ کے راستہ سے روک رہے تھے (اور جو کچھ بھی یہ لوگ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ (اپنے علم و قدرت سے) اس پر چھایا ہوا ہے) اور جب ایسا ہوا کہ شیطان نے ان کے عمل ان کی نگاہوں میں خوشنما کر کے دکھا دیئے تھے اور کہا تھا۔ آج ان لوگوں میں کوئی نہیں، جو تم پر غالب آ سکے اور میں تمہارا پشت پناہ ہوں۔

محرکات اور اسباب

ابوجہل اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی سخت کلامی کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے کہ حضرت سعد بن معاذ عمرہ کے لیے مکہ معظمہ گئے اور حسب دستور سابق اپنے دوست امیہ بن خلف کے یہاں قیام کیا پھر جب عمرہ کر رہے تھے تو ابوجہل کی نظر ان پر پڑ گئی تو بڑی ناگواری اور ترشی سے کہا تھا کہ۔

"تم امیہ کی پناہ میں نہ ہوتے تو یہاں سے زندہ نہیں جا سکتے تھے۔ تم لوگوں نے بے دینوں (مسلمانوں) کو اپنے یہاں ٹھرا لیا ہے"

اس کے جواب میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بھی اتنی ہی ترشی سے کہا تھا کہ تم حرم مکہ کے دروازے ہم پر بند کرتے ہو تو ہم تمہاری شام کی تجارت بند کر دیں گے۔ (بخاری شریف کتاب المغازی)

تطہیر کعبہ کا بنیادی سوال پہلے سے وارث خلیل اللہ (حبیب خدا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے تھا۔ زعیم و قائد قریش "ابوجہل" کی اس دھمکی کے بعد ایک نیا سوال انصار مدینہ کے سامنے آ گیا کہ وہ جب تک قریش کے کسی سردار کی پناہ میں نہ ہوں حرم کعبہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ ورنہ وہ زندہ واپس نہیں جا سکیں گے۔

عربی یا قریشی ہونے کے رشتہ سے مسلمانوں کا جو تعلق خانہ کعبہ اور حرم شریف کے ساتھ تھا اسلام

نے اس کو کم نہیں کیا تھا بلکہ اور پختہ کر دیا تھا اور تقریباً" انہیں ایام میں کہ حضرت عبداللہ بن جحش کے دستہ کا واقعہ پیش آیا تھا (کہ ان کے ایک رفیق "واقد بن عبداللہ سہمی" کے تیر سے عمرو بن حضرمی مارا گیا تھا) تقریباً" یہی دن تھے جب تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا تھا۔ یعنی وحی خداوندی نے حتمی اور آخری طور پر طے کر دیا تھا کہ مسلمانوں کا قبلہ کعبہ ہو گا۔ عرش معلیٰ کے اس جدید فرمان نے مسلمانوں کا رشتہ خانہ کعبہ کے ساتھ اور بھی مضبوط کر دیا تھا۔

تہذیب و تمدن اور قانون و دستور کی دعویدار موجودہ دنیا میں کسی مطالبہ کے تسلیم کرنے کا پرامن اور معتدل ذریعہ اقتصادی ناکہ بندی ہے۔ صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) نے اس ذریعہ کو استعمال کیا چنانچہ تجارتی قافلوں کے تعاقب میں جو دستے روانہ ہونے شروع ہوئے تو ان کا منشاء (۲۶۰) صرف یہ تھا کہ قریش متاثر ہوں اور مکہ میں داخلہ بے خطر ہو سکے' جیسا کہ ہمیشہ ہمیشہ سے دستور رہا ہے۔

لیکن قریش۔ جنہوں نے اہل مدینہ کو پہلے ہی یہ حکم دیا تھا کہ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جنگ کرو۔ ورنہ اس کو اپنے یہاں سے نکال دو" وہ مسلمانوں کی یہ شوخ چشمی اور یہ جسارت کب برداشت کر سکتے تھے۔

اور جبکہ اہل مدینہ نے اس حکم کی تعمیل نہیں کی تھی تو اسی تحریر کی بنا پر قریش پر یہ لازم ہوتا تھا کہ مدینہ پہونچ کر جوانوں کو قتل کریں اور عورتوں کو باندیاں بنائیں۔ یعنی وقار کا سوال بھی پیدا ہو گیا تھا۔ کیونکہ اگر ایسا نہ کرتے تو سرزمین عرب میں قریش کی تسلیم شدہ عظمت و قیادت خطرہ میں پڑ گئی تھی۔

لیکن آنحضرت ﷺ نے مدینہ پہنچتے ہی اپنی پیغمبرانہ شان کے ساتھ جو سیاسی تدبیر اختیار کی تھی کہ ایسے اصول پر (جن کو آج کل کی زبان میں بقاء باہم کے اصول کہا جا سکتا ہے) معاہدات کا جال پھیلا کر ظاہر بینوں کے لیے مادی اسباب میں بھی ایک طاقت بنا لی تھی۔ اس نے قریش کو مجبور کر دیا تھا کہ اگر وہ مدینہ کا رخ کریں تو پہلے اپنی تیاری مکمل کر لیں۔

تیاری کے لیے سرمایہ کی ضرورت تھی۔ اس تاجر قوم نے چندہ کرنے کے بجائے تجارت کے ذریعہ فراہمی سرمایہ کا منصوبہ بنایا۔

تجارت کے نام پر قریش کے ایک ایک فرد سے حتیٰ کہ عورتوں سے بھی جو تجارت میں بہت کم حصہ لیتی ہیں۔ رقم (۲۶۱) لی گئی۔ ادھر یہ جذبہ تھا کہ تھوڑی سے تھوڑی رقم بھی جس کے پاس تھی وہ اس نے دے (۲۶۲) دی۔ مجموعی رقم پچاس ہزار دینار (۲۶۳) بیان کی گئی ہے۔

ہر ایک قافلہ کا نمائندہ قافلہ میں شریک ہوا۔ اس طرح صرف سربراہوں (۲۶۴) کی تعداد چالیس اور ایک روایت کے بموجب (۲۶۵) ستر تھی۔

ابو سفیان کو قافلہ کا امیر و رئیس بنایا گیا۔ اس تیاری کے ساتھ یہ قومی قافلہ روانہ ہوا۔ اسکیم کا دوسرا

حصہ یہ تھا کہ جب تک باقاعدہ جنگ کی تیاری ہو' مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ جاری رکھی جائے اور ان کو اطمینان کا موقع نہ دیا جائے۔ "کرز بن جابر فہری" کا چراگاہ مدینہ پر شبخون مارنا۔ اسی کی تمہید تھا جو تقریباً" اسی زمانہ میں ہوا تھا جب یہ قافلہ مکہ سے روانہ ہو رہا تھا۔

قافلہ کی یہ روانگی۔ اس کی یہ شان و شوکت۔ اور اس کا مقصد کوئی سربستہ راز نہیں تھا۔ اس کی خبریں مدینہ میں پہنچ رہی تھیں اور قدرتی طور پر خوف و ہراس پھیلا رہی تھیں۔ مگر کیا کوئی تدبر اجازت دے سکتا تھا کہ اس قافلہ کو اپنے منصوبہ میں کامیاب ہونے کے لیے آزاد چھوڑ دیا جائے اور کوئی رکاوٹ اس کے راستہ میں نہ ڈالی جائے۔

ممکن ہے امن اور عدم تشدد کے نمائشی دعوے دار اس قافلہ کی کامیابی کو پسند کریں۔ مگر کوئی باہمت قوم گوارا نہیں کر سکتی کہ اس کی تباہی اور بربادی کا انتظام کیا جائے اور وہ دم بخود تماشہ دیکھتی رہے خصوصا" ایسی صورت میں کہ ان قبائل کی ذمہ داری بھی آنحضرت ﷺ پر ہو جو بقاء باہم کے معاہدات میں آپ کے شریک ہو چکے تھے۔

باشندگان مدینہ کی کافی تعداد ابھی مسلمان ہوئی تھی۔ مگر جب انہوں نے قریش کی ہدایت پر عمل نہیں کیا تھا تو قریش کی نظر میں وہ بھی مجرم تھی۔ قریش اگر مدینہ پر حملہ کرتے تو حملہ کا نشانہ وہ بھی ہوتے کیونکہ قریش نے ان کو لکھا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نہیں نکالو گے تو ہم مدینہ پہونچ کر تمہارے جوانوں کو موت کے گھاٹ اتاریں گے وغیرہ وغیرہ۔

مختصر یہ کہ سوال صرف مسلمانوں کا نہیں تھا بلکہ تمام اہل مدینہ اور ان سب کا تھا جو معاہدات میں شریک ہوئے تھے۔ کیا کسی بھی باہمت و باحوصلہ قائد کے لیے جائز ہو سکتا تھا کہ وہ اپنے حلیف اور معاہد شہریوں کی حفاظت کا انتظام نہ کرے اور حفظ ماتقدم کے لیے قربانی پیش کرنے کی ضرورت ہو تو وہ امن اور آشتی کے نام پر جاں فشانی سے پہلو تہی کرے۔

بزدلانہ مکرو فریب۔ دھوکا اور دغا بازی کسی وقت بھی درست نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور ارشاد "الحرب خدعة" کا ترجمہ ہم یہ نہیں کرتے کہ "جنگ مکر اور دھوکہ کا نام ہے" البتہ جنگی تدبیر' مقابلہ کی چالیں لڑائی کے پینترے یقیناً" وہ قابل قدر خوبیاں ہیں جو بہادر جرنیل کے کمالات میں شمار کی جاتی ہیں اور یہی "الحرب خدعة" کا مقصود ہیں۔ وہ چیلنج جو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ مکہ معظمہ میں ابوجہل کو دے آئے تھے کہ" ہم تمہاری تجارت کا راستہ بند کر دیں گے۔" اس چیلنج کو کامیاب کرانے کا سب سے اہم اور سب سے زیادہ نازک وقت (۲۶۶) یہ تھا۔

لہٰذا نہایت بروقت برمحل اور بجا طور پر آنحضرت ﷺ نے یہ قصد فرمایا کہ اس قافلہ کا راستہ روکا جائے (۲۶۷)

غالباً" اسی وقت آنحضرت ﷺ نے یہ خواب بھی دیکھا تھا۔ جس کی تعبیر یہ ظاہر ہوئی کہ دو ٹولیوں (جماعتوں) میں سے ایک پر آپ کو کامیابی حاصل ہوئی جس کا اشارہ قرآن پاک (۲۶۸) میں بھی ہے۔

تجسّس

تجارتی قافلہ کی روانگی شام سے کب ہوئی اور کس طرف سے گذر رہا ہے اس کا صحیح علم نہیں تھا۔ البتہ یہ ممکن تھا کہ قافلہ راستہ بدل دے اور مدینہ کے قریب سے گذرنے کے بجائے اس شاہراہ سے گذرے جو ساحل سمندر کو چھوتی ہوئی۔ ینبع کے قریب سے (۲۶۹) بدر کی جانب مڑتی ہے بدر وہ مقام (جنکشن) تھا جہاں سے مدینہ منورہ کو بھی راستہ جاتا تھا اور مکہ معظمہ کو بھی (لہٰذا آنحضرت ﷺ نے دونوں طرف آدمی روانہ کر دیئے۔

حضرت بسبس بن عمرو جہنی کو بدر کی جانب اس راستہ پر بھیجا جو مدینہ سے مکہ معظمہ کو جاتا تھا۔ (۲۷۰) اسی طرف ان کا قبیلہ (جہینہ) آباد تھا۔ اور حضرت طلحہ بن عبیداللہ اور حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل کو شام کی جانب روانہ کیا۔

یہ دونوں صاحب شام (۲۷۱) کی طرف یعنی مدینہ منورہ سے شمال کی جانب روانہ ہوئے اور جب اس طرف پتہ نہیں چلا تو اس راستہ کی طرف مڑ گئے جو ساحل سمندر سے گذرتا تھا۔

ابن سعد کی روایت (۲۷۲) یہ ہے کہ جب یہ دونوں حضرات تجبار پہونچے جو "حوراء" (۲۷۳) کے علاقہ میں ہے تو قافلہ کی آمد آمد تھی۔

کشد جہنی اس علاقہ کا شیخ اور رئیس تھا۔ قبیلہ جہینہ آنحضرت ﷺ کا حلیف تھا۔ یہ حضرات "کشد جہنی" کے یہاں جا کر مقیم ہوئے "کشد" کو ان کے متعلق خطرہ محسوس ہوا تو اس نے ان کو محفوظ مقام پر پہونچا دیا اور جب قافلہ گذر گیا تو ان کو تنہا رخصت کر دینا مناسب نہیں سمجھا۔ ذوالمروہ (۲۷۴) تک ان کو پہنچانے کے لیے خود آیا۔ (۲۷۵)۔

ابن سعد کا بیان ہے کہ یہ حضرات دس دن تک "حوراء" میں مقیم رہے۔ (۲۷۶) حوراء ینبع سے تقریباً" پچاس میل کے فاصلہ پر تھا۔ (۲۷۷)

روانگی

دس دن گذر (۲۷۸) گئے۔ یہ حضرات مدینہ طیبہ واپس نہیں پہنچ سکے۔ (۲۷۹) البتہ بسبس بن عمرو جن کو دوسرے راستہ پر بھیجا تھا۔ وہ واپس آ گئے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت بسبس واپس پہونچے تو "تخلیہ" میں آنحضرت ﷺ سے

ملاقات کی "مافی البیت احد غیری و غیر النبی صلے اللہ علیہ وسلم" آنحضرت صلی اللہ علیہ اور میرے سوا بیت میں کوئی نہیں تھا۔ (۲۸۰)

آنحضرت ﷺ نے فوراً" ہی (۲۸۱) اعلان فرما دیا کہ ہمیں بطور دوش روانہ ہوتا ہے۔ لہٰذا جن کی سواریاں یہاں موجود ہوں وہ ہمارے ساتھ چلیں۔

انصار مدینہ دولت مند نہیں تھے۔ مگر اتنے مفلس اور تہی دست بھی نہیں تھے کہ سواری کے پورے اونٹ بھی ان کے پاس نہ ہوں۔ مگر وہ اپنے مویشی مدینہ سے باہر چراگاہوں میں رکھتے تھے جو آٹھ میل (۲۸۲) تک پھیلی ہوئی تھیں ان حضرات نے اتنی مہلت چاہی کہ وہ اپنے اونٹ لے آئیں مگر اس کی اجازت نہیں ملی۔ (۲۸۳)

بلاشبہ صحابہ کرام کو پوری امت میں سب سے زیادہ قوی ایمان عطا ہوا تھا اور وہ فراست عطا ہوئی تھی جس سے ایک مومن نور خدا کی عینک سے مستقبل کو دیکھنے لگتا ہے۔ لیکن یہ ذکاوت و فراست یقیناً" فراست نبوی کے ہم پلہ نہیں تھی۔ چنانچہ یہ دفعتاً" روانگی کچھ حضرات کو ناگوار ہوئی اور قافلہ کی جو شان و شوکت ان کے کانوں میں پڑ رہی تھی وہ اس سے خائف بھی تھے۔ اسی ذہنیت کا نقشہ قرآن حکیم میں ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے۔

كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ

جیسے تیرے پروردگار نے باہر نکالا تجھ کو تیرے گھر سے سچی حقیقت اور صحیح بنیاد پر حالانکہ اہل ایمان کا ایک گروہ اس کو پسند نہیں کر رہا تھا (اس سے ناخوش تھا)

سمت

حضرت انس ؓ نے تخلیہ کی گفتگو کا تذکرہ نہیں کیا۔ غالباً" یہ سن بھی نہیں سکے تھے لیکن سرور کائنات ﷺ نے شام کی طرف کوچ نہیں فرمایا (۲۸۴) بلکہ آپ ﷺ نے اس جانب کا قصد فرمایا جہاں سے یہ تجارتی قافلہ اب گذرنے والا تھا(۲۸۵)۔ یہ بدر کے قریب کا راستہ تھا جو ساحل سمندر تک پہونچتا ہے۔ یعنی اس راستہ سے ملتا ہے جو ابوسفیان نے اب اختیار کیا تھا جو ینبع سے تقریباً" پچاس میل کے فاصلہ پر حوراء کے مقام سے گذرتا تھا۔ جہاں حضرت طلحہ بن عبیداللہ اور سعید بن زید پہونچے تھے مگر واپس نہ ہو سکے تھے۔ دوسرے صفحہ پر ایک خاکہ دیا گیا ہے اس سے راستوں کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

جائزہ اور ضروری انتظامات

آنحضرت ﷺ کا طریقہ تھا کہ مدینہ سے باہر آکر کچھ قیام فرمایا کرتے تھے۔ وہاں آپ رفقاء کا جائزہ

شام

مدینہ منورہ سے شام جانے والا راستہ جو اب بھی مملکت سعودی کے اٹلس میں موجود ہے الاطلس العربی شائع کردہ دائرۃ المعارف مصر۔ مرتب کردہ محمد عوض ابراہیم بک و مصطفیٰ عامر بک و ڈاکٹر محمد عبدالمنعم۔

خیبر

مدینہ منورہ

ینبع

سمندر کے قریب قریب شام کو جانے والا راستہ

بدر

مستورہ

رابغ

عسفان

جدہ

مکہ مکرمہ

حدیبیہ

لیتے۔ ضروری انتظامات فرماتے اس کے بعد آگے بڑھتے تھے۔ اس مرتبہ "بیرابی عتبہ" پر جو مدینہ سے ایک میل کے فاصلہ پر تھا آپ ﷺ نے قیام فرمایا (۲۸۶)۔ منزل ابھی معین نہیں تھی کہ کہاں پہونچنا ہو گا۔ نتیجہ سفر کا بھی اندازہ نہیں تھا۔ البتہ یہ ظاہر تھا کہ اب تک جتنے سفر ہوئے ان سب میں اس سفر کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ (۲۸۸)

آپ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ اونٹوں کو پانی پلا دیا جائے۔ پکھالوں میں پانی بھر لیا جائے اور حضرت قیس بن صعصعہ رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ کنوئیں پر کھڑے ہو جائیں اور رفقاء سفر کو شمار کرتے رہیں۔ حضرت قیس نے تمام رفقاء سفر کو شمار کر کے بارگاہ رسالت میں رپورٹ پیش کی کل تعداد تین (۲۸۸) سو تیرہ ہے۔ پھر سواریاں شمار کرائی گئیں تو ان تین سو تیرہ کے پاس کل ستر اونٹ تھے۔ گھوڑے کل دو۔ ایک حضرت مقداد بن اسود کے پاس اور دوسرا حضرت زبیر بن العوام کے پاس۔ ابن سعد کی ایک روایت یہ ہے کہ ایک گھوڑا اور بھی تھا۔ یہ حضرت مرثد بن مرثد غنوی رضی اللہ عنہ کا گھوڑا تھا۔

اگر اس موقع پر معلوم ہو جاتا کہ ابوسفیان کا قافلہ نکل چکا ہے اور قریش ایک لشکر لے کر مکہ سے روانہ ہو گئے ہیں تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ بدر تک تقریباً" اسی میل کی مسافت طے کی جاتی بلکہ اس موقع پر پہلا سوال یہ ہوتا کہ غنیم کا مقابلہ مدینہ میں رہ کر کریں یا مدنیہ سے باہر نکل کر مورچہ بنائیں۔ اس کے علاوہ حضرات انصار کے جذبات (۲۸۹) فدائیت کب گوارا کرتے کہ صرف ایک تہائی کے قریب آنحضرت ﷺ کے ساتھ جائیں اور باقی مدینہ میں آرام کرتے رہیں۔ حضرات انصار نے اس سفر میں بھی موقع بموقع افسوس کیا اور بعد میں بھی افسوس کرتے رہے کہ اگر اس وقت جنگ کا خیال ہوتا تو حضرات انصار کی بڑی تعداد شرف ہمرکابی سے محروم نہ رہ جاتی۔

ابن سعد کی تحقیق یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ ۱۲ رمضان شنبہ کے روز مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے اور جمعہ کے روز غزوہ بدر کا یہ واقعہ پیش آیا۔ یعنی چار یا پانچ روز میں آنحضرت ﷺ نے یہ مسافت طے کی۔ جو عموماً" آٹھ (۲۹۰) دس روز میں طے کی جاتی تھی۔ یہ تیز رفتاری جستجو اور تعاقب کی صورت میں تو قرین قیاس ہے لیکن حملہ آور دشمن کے مقابلہ کے لیے پوری بے سروسامانی اور فاقہ کشی کے ساتھ دوڑ کر جانا اور پے در پے منزلیں طے کرنا کسی طرح قرین قیاس نہیں ہے۔

بیشک ہندوستان کے ایک جلیل القدر مصنف اور محقق کا اصرار یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ طیبہ ہی میں معلوم ہو گیا تھا کہ قریش ایک جمعیتہ عظیم لے کر مدینہ آ رہے ہیں۔ آنحضرت ﷺ اسی کے دفاع کے لیے مدینہ سے روانہ ہوئے اور مدینہ ہی میں آپ کو معلوم ہو گیا کہ مقابلہ کاروان تجارت سے نہیں ہے بلکہ قریش سے ہے۔ لیکن انہیں مصنف کا یہ ارشاد اور اعتراف بھی ہے کہ ان کی یہ رائے (۲۹۱) عام مورخین اور ارباب سیر (اور جملہ مفسرین) کے خلاف ہے۔ لہٰذا ہمیں افسوس ہے کہ

ہم وطن عزیز کے اس مایہ ناز جلیل القدر مصنف کی تقلید سے قاصر ہیں ہمارا خیال یہی ہے کہ صحیح وہی ہے جو عام مورخین اور ارباب سیر کی تحقیق یہ ہے۔

لڑکوں کو واپسی کی ہدایت

ابن سعد کی روایت ہے کہ کچھ نوخیز اور نو عمر بھی ساتھ ہو لیے تھے "بیرابی عتبہ" پر رفقاء کا جائزہ لیا گیا تو ان کو ہدایت ہوئی کہ یہ مدینہ واپس ہو جائیں۔ ان نارسیدہ مجاہدین کے نام یہ ہیں۔

عبداللہ بن عمر۔ اسامہ بن زید۔ رافع بن خدیج۔ براء بن عازب۔ اسید بن حضیر۔ زید بن ارقم زید بن ثابت عمیر بن ابی وقاص۔ ان سب کو حکم ہوا کہ واپس جائیں۔ لیکن حضرت عمیر بن ابی وقاص نے یہ حکم سنا تو رو پڑے۔ سیدالکونین ﷺ وسلم نے ان کی ناز برداری فرمائی۔ لیکن یہ ایک کشتہ ناز کی ناز برداری تھی۔ چنانچہ قربان گاہ بدر میں آپ نے جام شہادت نوش فرمایا اور صرف سولہ سال کی عمر میں طرہ امتیاز حاصل کر لیا جس کا نام ابدی کامیابی ہے۔

علم

اسلامی فوج یا دستہ کا کوئی خاص رنگ اور کوئی خاص نوعیت تو آخر تک متعین نہیں ہوئی۔ لیکن یہ طریقہ شروع سے رہا کہ جب بھی کوئی دستہ بھیجا گیا یا آپ خود کسی مہم میں تشریف لے گئے تو کوئی جھنڈا ضرور رکھا گیا۔ اس موقع پر بھی آپ نے سنت جاری فرمائی۔ دو سیاہ جھنڈے آنحضرت ﷺ کے سامنے رہتے تھے ایک علم بردار حضرت علی رضی اللہ عنہ ہوتے تھے آپ کے پاس جو جھنڈا تھا اس کا نام "عقاب" تجویز ہوا۔ (۲۹۲) دوسرے علم بردار کوئی انصاری ہوتے تھے۔ ایک جھنڈا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو عطا ہوا تھا اس کا رنگ سفید تھا اور ایک جھنڈا مستقل طور پر حضرات انصار کے لیے تجویز فرمایا تھا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما اس کے علم بردار ہوتے تھے۔ (ابن اسحاق و بدایہ و نہایہ ص ۲۶۰ ج ۳۔)

سفر کی منزلیں اور ارشادات

رفقاء سفر تین سو تیرہ تھے اور سواری کے اونٹ صرف ستر۔ رفقاء کے گروپ بنا دیئے گئے اور ایک ایک گروپ کو ایک ایک اونٹ دیدیا گیا سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی خوش نصیبی تھی کہ وہ فخر موجودات سرور کائنات ﷺ کے زمیل (۲۹۳) بنے۔ ان جاں نثاروں نے جن میں سے ایک سیدالانبیا ﷺ کے پروردہ بھی تھے۔ درخواست کی کہ حضرت اقدس ﷺ سوار رہیں اور ہم جاں نثار خدام ساتھ

چلیں گے۔ مگر یہ درخواست منظور نہیں ہوئی اور ارشاد ہوا۔

ما انتم اقوی منی علی المشی وما انا اغنی عن الاجر منکما (مسند احمد و طبقات ابن سعد)

نہ آپ میں مجھ سے زیادہ پیدل چلنے کی طاقت ہے اور نہ میں تم سے زیادہ ثواب سے بے نیاز ہوں (یعنی اجر و ثواب کی ضرورت جیسی آپ کو ہے مجھے بھی ہے)

رفقاء کی شکستہ حالی پر نظر پڑی تو زبان مبارک پر یہ دعا جاری ہوئی۔

اللھم انھم حفاۃ فاحملھم وعراۃ فاکسھم وجیاع فاشبعھم (ابن سعد غزوہ بدر)

الہ العالمین یہ برہنہ پا ہیں ان کو سواری عطا فرما۔ یہ برہنہ بدن ہیں ان کو لباس عطا فرما یہ تہی شکم ہیں ان کو سیر فرما۔

ابن سعد نے وہ منزلیں بھی شمار کرائی ہیں جہاں جہاں اس تقدس ماب لشکر کا قیام ہوا۔ "روحاء" مدینہ طیبہ سے چھتیس (۲۹۴) میل کے فاصلہ پر ہے۔ سرور کائنات ﷺ نے یہاں قیام فرمایا۔ پھر منصرف۔ ذات اجذال۔ معلات پر قیام ہوا۔ آخری منزل اثیل تھی جو بدر سے دو میل اس طرف تھی۔ مدینہ منورہ سے روانگی کے وقت عبداللہ بن ام مکتوم کو امام بنا دیا تھا۔ لیکن اب جب یہ طے ہو گیا کہ سفر طویل ہو گا اور کئی دن اس سفر میں لگ جائیں گے تو "حضرت ابولبابہ" کو نگراں اور حاکم بنایا اور ہدایت فرمائی کہ مدینہ واپس جائیں (۲۹۵)۔ عالیہ (مدینہ کی بالائی آبادی قبا وغیرہ) پر عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا (۲۹۶)

منجھلی صاجزادی حضرت رقیہ جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے منسوب تھیں وہ سخت بیمار تھیں اسی لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس وقت ساتھ نہیں چل سکے تھے (۲۹۷)۔ یہاں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خاص طور پر ہدایت بھیجی کہ وہ مدینہ ہی میں قیام کریں۔ اور اہلیہ کی تیمار داری کرتے رہیں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو ان کی مدد کے لیے مامور فرمایا۔ (۲۹۸) بسبس بن عمرو اور عدی بن ابی الرغباء جن کو پہلے بھیجا گیا تھا یہاں سے دوبارہ (۲۹۹) بھیجا گیا کہ ابوسفیان کے قافلہ کا پتہ لگائیں۔

ابن سعد کی روایت ہے کہ

انتھیا الی ماء بدر فعلما الخبر ورجعا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۳۰۰)

یہ دونوں صاحب بدر کے چشمہ پر پہونچے۔ وہاں ان کو ابوسفیان کی خبر معلوم ہوئی وہاں سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں واپس ہوئے۔

لیکن ابن اسحاق (۳۰۱) نے اس خبر کی تفصیل بھی بیان کی ہے کہ

یہ دونوں صاحب بدر پہونچ کر ایک ٹیلہ کے قریب ٹھیر گئے۔ پھر چشمہ پر گئے۔ مجدی بن عمرو جہنی یہاں کا نگراں اور شیخ تھا۔ وہ بھی چشمہ پر موجود تھا۔ وہاں دو باندیاں بھی پانی بھرنے آئی ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک مقروض تھی دوسری قرض خواہ جس کا قرض تھا وہ دوسری کو پکڑے ہوئے اس سے اپنے قرض کا مطالبہ کر رہی تھی۔ مقروض باندی نے اس کو اطمینان دلایا کہ کل پرسوں کو یہاں قریش کا تجارتی کاروان پہونچے گا۔ میں مزدوری کر کے کچھ جمع کر لوں گی۔ مجدی بن عمرو نے اسی شرط پر ان کا جھگڑا طے کرا دیا۔

یہ باندیاں جھگڑ رہی تھیں اور حضرت بسبس اور حضرت عدی معلومات فراہم کر رہے تھے جھگڑا ختم ہوا تو ان دونوں بزرگوں نے بھی اونٹوں کو پانی پلایا اور مرکز رسالت کی طرف واپس ہو گئے۔ ان کی رپورٹ سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ ابوسفیان ابھی بدر سے نہیں گذرا ہے۔ لیکن اسی اثناء میں یہ خبریں بھی آنے لگیں کہ قریش لشکر جرار لے کر آ رہے ہیں۔ ایک نہایت نازک اور سنجیدہ صورت پیدا ہو گئی تھی۔ ایک غیر مسلح جماعت جو قافلہ کو مرعوب کرنے کے لیے نکلی تھی ایک مسلح فوج کا خطرہ عظیم اس کے سامنے تھا۔ ایک قدرتی بات تھی کہ سرور کائنات ﷺ کو سخت تشویش ہوئی۔ لیکن اس سے پہلے کہ کوئی رائے قائم فرمائیں آپ ﷺ نے مناسب سمجھا کہ رفقاء سفر سے تذکرہ فرما کر ان کا عندیہ معلوم فرمالیں۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہماری اس جماعت نے سفر شروع کیا تو آنحضرت ﷺ نے۔ اگلے یا دوسرے روز (۳۰۲) فرمایا۔

ہماری روانگی کا علم اہل مکہ کو ہو گیا ہے اگر وہ جنگ کے لیے آ جائیں تو ہمیں کیا کرنا چاہیے۔

حضرات صحابہ اس وقت تک جنگ کے لیے تیار نہیں تھے۔ کچھ حضرات نے یہی معذرت کی کہ ہمارے سامنے صرف قافلہ کا معاملہ تھا۔ ہم جنگ کے لیے تیار ہو کر نہیں آئے۔

مالنا طاقة بقتال العدو – ولكنا اردنا العير

لیکن یہ چند حضرات کی بات تھی۔ ایک دوسرا جذبہ بھی اس مقدس جماعت کے دلوں میں موجزن تھا جس کا ظہور حضرت مقداد بن الاسود کی زبان سے ہوا جو اس موقع پر پہونچ گئے تھے۔

بخاری شریف کی روایت ہے کہ حضرت مقداد بن الاسود نے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سنا تو عرض کیا۔

لا نقول كما قال قوم موسى – اذهب انت وربك فقاتلا – ولكنا نقاتل عن يمينك وعن شمالك وبين يديك وخلفك

ہم وہ بات نہیں کہیں گے جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہی تھی کہ "آپ اور آپ کے خدا چلے جائیں اور جنگ کر لیں" ہم تو آپ کی داہنے جانب بھی لڑیں گے بائیں جانب بھی۔ آپ کے آگے بھی اور آپ کے پیچھے بھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو اس روایت کے راوی ہیں۔ وہ ایک طرف تو یہ فرماتے ہیں کہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا روئے انور چمک اٹھا۔ دوسری جانب خود اپنے جذبہ کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

شهدت من المقداد بن الاسود مشهدا لان اکون صاحبه احب الی مما عدل به (بخاری شریف ص ٥٦٤)

میں نے حضرت مقداد کی ایک ایسی ہمت مردانہ کا مشاہدہ کیا کہ اگر مجھے یہ نصیب ہوتی تو یہ ایک ایسی خوش نصیبی ہوتی جو مجھے ہر ایک دولت سے زیادہ محبوب ہوتی۔

لیکن صرف ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کی یہ تمنا نہیں ہوئی۔ بلکہ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ پوری جماعت انصار کی ترجمانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

فتمنینا معشر الانصار ان لو قلنا کما قال المقداد احب الینا من ان یکون لنا مال عظیم - (۳۰۳)

ہماری یعنی جماعت انصار کی یہ تمنا ہوئی کہ حضرت مقداد نے جو بیان دیا ہے کاش وہ ہمارا بیان ہوتا تو اس سے بہت محبوب تھا کہ ہمیں کوئی بہت بڑی دولت مل جاتی۔

یہاں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تاریک پہلو کی طرف توجہ دلا کر رفقاء کرام کا جائزہ لیا۔ پھر آپ روانہ ہوئے۔ چند منزلوں کا تذکرہ پہلے گذر چکا ہے۔ جن کو طے کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے قریب پہونچے۔ رفقاء کرام کے لیے ایک مقام تجویز فرما دیا کہ وہ وہاں ٹھہریں اور خود آگے بڑھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ منشا یہ تھا کہ قریش کے متعلق جو خبر سنی گئی تھی اس کی تحقیق فرمائیں۔ چنانچہ ایک بوڑھا عرب سامنے آیا۔ آپ نے اس سے دریافت کیا کہ تمہیں محمد اور محمد کے ساتھیوں کا یا قریش کا کچھ پتہ ہے؟

بوڑھے نے جواب دیا مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مدینہ سے فلاں روز اور قریش مکہ سے فلاں دن روانہ ہو چکے ہیں اور اگر یہ خبر صحیح ہے تو آج محمد کو اسی جگہ پہونچ جانا چاہیے (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ اور قریش کو اس مقام پر۔ بڑے میاں کا انداز بالکل صحیح تھا۔ دونوں فریق ان مقامات پر پہنچ چکے تھے جو بڑے میاں نے اپنے انداز سے بتائے تھے۔ (۳۰۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس گفتگو کے بعد فرودگاہ میں واپس تشریف لائے اور اب ایک پارٹی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ کی کہ بدر کی طرف جا کر حالات معلوم کرے۔ اس پارٹی کے خاص ارکان یہ تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔

یہ حضرات بدر کے قریب پہونچے تو ان کو دو غلام ملے۔ پارٹی کے ارکان نے ان کو پہچان لیا۔ ایک کا نام اسلم تھا جو بنی الحجاج کا غلام تھا اور دوسرے کا نام عریض ابویسار تھا جو بنی عاص بن سعید کا غلام تھا۔ یہ غلام اونٹ لے کر پانی بھرنے آئے تھے۔ اس پارٹی نے ان کو گرفتار کر لیا اور فرودگاہ کی طرف لے کر چلے (۳۰۵) مگر ان میں سے ایک تو کسی طرح نکل کر بھاگ گیا (۳۰۶)۔ ایک کو لے کر (۳۰۷) یہ فرودگاہ پہونچے۔ اس سے دریافت کیا کہ قافلہ کا پتہ بتاؤ۔ اس نے کہا مجھے ابوسفیان کی خبر نہیں ہے البتہ قریش کے سردار ابوجہل۔ عتبہ۔ شیبہ اور امیہ وغیرہ کا علم ہے۔ یہ لوگ یہاں قریب ہی ٹھیرے ہوئے ہیں۔

حضرت علی ؓ کی پارٹی کے ذہن میں یہ تھا کہ یہ غلام ابوسفیان کے تجارتی کارواں کے ساتھ آئے ہیں۔ یہ غلام اصل بات نہیں بتاتا اور ہمیں دھوکہ دے کر مرعوب کر رہا ہے۔ پارٹی کے افراد نے ڈانٹ ڈپٹ شروع کی مگر یہ غلام یہی کہتا رہا مجھے ابوسفیان کی خبر نہیں ہاں قریش کے سردار یہاں پہنچے ہوئے ہیں۔ ریت کی اس پہاڑی کے پیچھے (۳۰۸) جو سامنے نظر آ رہا ہے۔ آنحضرت ﷺ نوافل کی نیت باندھ رکھی تھی۔ ڈانٹ ڈپٹ کی آواز سمع مبارک تک پہونچی تو نماز کو مختصر کیا اور سلام پھیر کر فرمایا۔ "یہ غلام سچ بات کہتا ہے تو اسے پیٹتے ہو اور جھوٹ بولتا ہے تو چھوڑ دیتے ہو۔ میں اس ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ قریش یہاں پہونچ گئے ہیں اور یہ غلام صحیح اطلاع دے رہا ہے (۳۰۹)۔

اب آنحضرت ﷺ غلام کی طرف مخاطب ہوئے اور ان کی تعداد دریافت کی۔ غلام نے کہا مجھے تعداد معلوم نہیں ہے البتہ اتنا جانتا ہوں کہ بہت زیادہ ہے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا روزانہ کتنے اونٹ ذبح کیے جاتے ہیں۔ غلام نے کہا ایک روز دس' ایک روز نو۔ ارشاد ہوا' نو سو اور ہزار کے درمیان کی تعداد ہو گی۔ چنانچہ کل تعداد ۹۵۰ تھی۔

پھر آپ نے سرداران قریش کے نام دریافت کیے تو اس نے مکہ کے تمام ہی بڑے لوگوں کے نام بتا دیئے۔ عتبہ بن ربیعہ - شیبہ بن ربیعہ۔ ابوالبختری بن ہشام۔ حکیم بن حزام۔ نوفل بن خویلد۔ حارث بن عامر بن نوفل۔ طعیمہ بن عدی بن نوفل۔ ابوجہل۔ غرض قریش کے تمام بڑے لوگوں کے نام شمار کرا دیئے۔

سیدالانبیاء ﷺ نے رفقاء سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ "مکہ نے اپنے تمام جگر پارے تمہارے سامنے ڈال دیئے ہیں۔" (۳۱۰)

اجتماع۔ مشاورت اور حضرات انصار کے جذبات فدائیت

یہ موقع تھا کہ تردد ختم ہو کر یہ بات یقینی ہو گئی تھی کہ قریش کی فوج پہونچ گئی ہے۔ اب دو ہی راستے تھے۔ پسپائی یا مقابلہ۔ آنحضرت ﷺ نے آخری فیصلہ کے لیے حضرات رفقاء کو دعوت دی نہایت خاص اور نہایت اہم اجتماع ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صورت حال پیش فرمائی۔ اس مشاورتی

اجتماع میں سب ہی حضرات شریک تھے' البتہ غالب اکثریت حضرات انصار کی تھی۔

آنحضرت ﷺ کے خطاب کے جواب میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جذبات فدائیت کا اظہار فرمایا۔ حضرت مقداد (۳۱۱) بن عمرو رضی اللہ عنہ نے وہی تقریر یہاں بھی دہرائی جو پہلے فرما چکے تھے۔

"یارسول اللہ ہم وہ نہیں ہیں جنہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا کہ" آپ اور آپ کا خدا جا کر لڑلیں ہم تو یہیں بیٹھے ہیں" ہم وہ جاں نثار ہیں کہ دائیں بائیں۔ آگے اور پیچھے سب طرف سے آپ کی حمایت میں جانیں قربان کریں گے اور اگر آپ (سمندر پار) برک الغماد (حبشہ افریقہ کا ایک شہر) تک جائیں تو ہم اسی سرفروشی کے ساتھ آپ کے ساتھ رہیں گے۔"

مسلم کی روایت ہے کہ ان تقریروں سے آپ کا چہرہ مبارک چمک اٹھا۔ مگر ابھی کچھ انتظار باقی تھا۔

حضرات انصار نے اگرچہ بیعت عقبہ میں یہ عہد کیا تھا کہ وہ مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے سب کچھ قربان کر دیں گے مگر انہوں نے اس عہد پر جمود ایک دفعہ بھی نہیں کیا۔ بیشک آنحضرت ﷺ نے یہ احتیاط فرمائی کہ کسی دستہ میں کسی انصار کو اپنی طرف (۳۱۲) سے نہیں بھیجا۔ مگر جن غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لے گئے تو جاں نثاران انصار کے لیے ممکن نہ رہا کہ وہ لکیر کے فقیر بنے رہیں اور حضور ﷺ کے ساتھ نہ جائیں بلکہ جس کو موقع ملا وہ ساتھ ہو لیا۔ (۳۱۳) اور اس وقت بھی دوگنی سے زیادہ تعداد حضرات انصار ہی کی تھی۔

حضرات انصار کے عمل کو دیکھتے ہوئے اگرچہ ضرورت نہیں تھی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس احتیاط کے عادی تھے اس کا تقاضا یہی تھا کہ اس موقع پر حضرات انصار کی طرف سے بھی کوئی بات کہی جائے۔ اسی کا انتظار باقی تھا۔

حضرات مہاجرین کی تقریروں کے بعد بھی جب آنحضرت ﷺ نے رائے طلب کی اور فرمایا اشیروا علی ایہا الناس" تو حضرات انصار کو احساس ہوا کہ شاید حضرت اقدس ہمارے جواب کے منتظر ہیں۔ چنانچہ رئیس اور نمائندہ انصار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ (۳۱۴) کھڑے ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ کیا ہم سے دریافت فرماتے ہیں؟

ہم آپ پر ایمان لا چکے ہیں۔ آپ کی صداقت پر ایمان لا چکے ہیں۔ ہماری شہادت یہ ہے کہ جو کچھ آپ پیش فرما رہے ہیں وہ حق ہے۔ ہم اطاعت شعاری اور وفاداری کا عہد و پیمان کر چکے ہیں۔ یارسول اللہ۔ اللہ کا جو حکم ہے آپ اس پر عمل شروع کیجئے۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق و صداقت کا پیغامبر بنا کر بھیجا ہے۔ آپ کا

ارشاد چاہیے۔ ہم سمندر میں کودنے کو تیار ہیں۔ ہمارا ایک آدمی بھی پیچھے نہیں رہ سکتا۔ ہمیں کوئی ناگواری نہیں۔ اگر کل کو جنگ ہوتی ہے تو ہم بڑے حوصلہ سے مقابلہ کے لیے تیار ہیں۔ آپ دیکھیں گے ہم کس طرح جم کر لڑتے ہیں اور دعوی شجاعت کی تصدیق کس طرح اپنے عمل سے پیش کرتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے ہمارے کارنامے آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ثابت ہوں گے۔ آپ خدا کا نام لیجئے اور آگے قدم بڑھایئے۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا۔

یارسول اللہؐ! آپ کو غالباً" یہ احساس ہے کہ آپ ایک ارادہ سے چلے تھے اور دوسرا معاملہ آپ کے سامنے آگیا۔ آپ قطعاً" اس کا خیال نہ فرمائیں۔ یارسول اللہ ہم آپ کے ساتھ ہیں آپ جن سے چاہیں جوڑیں جن سے چاہیں توڑیں۔ جن سے چاہیں اعلان جنگ کریں اور جن سے چاہیں مصالحت کریں۔ ہم بہرحال آپ کے ساتھ ہیں۔ ہمارا مال آپ کا ہے۔ جو چاہیں لیں' جو چاہیں ہمیں دیں اور خدا کی قسم جو آپ منظور فرمالیں گے وہ ہمیں زیادہ محبوب ہو گا اس سے جو ہمارے پاس رہ جائے گا۔ (۳۱۵)

حضرت مہاجرین اور انصار کے جذبات فدائیت اور ان پر خلوص بیانات نے وہ کیفیت پیدا کی کہ جبین نبوت نور مسرت سے چمک اٹھا۔ اور کچھ پیغمبرانہ اسرار بھی بے نقاب ہو گئے۔ ارشاد ہوا۔

مجھے بشارت دی گئی ہے کہ دو جماعتوں میں سے ایک پر یقیناً" کامیابی حاصل ہو گی۔ مجھے یقین ہے کہ وہ جماعت یہی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ قریش کے یہ بڑے سردار جو چڑھ کر آ رہے ہیں۔ یہیں ڈھیر ہوں گے اور میں بتا رہا ہوں کہ فلاں شخص کی لاش وہاں ہوگی اور فلاں کی لاش وہاں (۳۱۶)

عزائم اور حوصلوں کی یہی بلندی تھی جس نے اقلیت کو اکثریت کے ہم پلہ کر دیا تھا۔ چنانچہ عالم رویاء میں ان کی تعداد تھوڑی معلوم ہوئی۔ ارشاد ربانی ہے۔

اِذْ یُرِیْکَھُمُ اللّٰہُ فِیْ مَنَامِکَ قَلِیْلًا وَلَوْ اَرٰکَھُمْ کَثِیْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ سَلَّمَ اِنَّہٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ

(اے پیغمبر) یہ وہ دن تھا۔ جب تجھے خواب میں ان کی تعداد تھوڑی کر کے دکھائی۔ اور اگر انہیں بہت کر کے دکھاتا تو (مسلمانو) تم ضرور ہمت ہار جاتے اور (عظیم الشان) کام (جو درپیش تھا اس) میں جھگڑنے لگتے (ہمت کی کمزوری چھپانے کے لیے بحثیں شروع کر دیتے) لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہیں (اس صورت حال سے) بچا لیا۔ یقین کرو جو کچھ

انسان کے سینوں میں چھپا ہوا ہے وہ اس کے علم سے پوشیدہ نہیں ہے وہ اسے خوب جانتا ہے۔

اب یہ فیصلہ اہل نظر کی سپرد ہے کہ ان مجاہدین اولوالعزم کی تائید اور تقویت مقصود تھی کہ خواب میں مخالفین کی تعداد تھوڑی دکھائی گئی یا ارادہ خداوندی کا یہ پرتو تھا کہ مجاہدین کے حوصلے اتنے بلند ہوئے کہ عالم رویا کو بھی انہوں نے متاثر کر دیا۔ یعنی مخالفین اگرچہ تعداد میں زیادہ تھے۔ مگر چونکہ مجاہدین کے حوصلوں کے مقابلہ میں ان کے حوصلے کم تھے اس لیے وہ تعداد میں کم دکھائے گئے دلوں کی بات کو خدا ہی جانتا ہے)

یہ ایک طرف کے حالات تھے۔ مذکورہ آیتوں میں ان کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اب اس سے پہلے کہ دوسری طرف یعنی ابوسفیان کے کاروان تجارت اور قریش کی روانگی کے حالات ذکر کئے جائیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات کے کچھ کے رموز واضح کر دیئے جائیں۔ وباللہ التوفیق۔

راز و نیاز کی باتیں ———— نزدیکاں رابیش بود حیرانی

ہم نے بزرگوں کو دیکھا ہے جن پر ان کی شفقت زیادہ ہوتی ہے' جن کو وہ اپنا سمجھتے ہیں ان پر ان کی نگاہ بھی کڑی رہتی ہے اور کوئی غلطی دیکھتے ہیں تو تنبیہہ کا انداز بھی سخت ہوتا ہے۔

ایک اصلاح پسند دانش مند۔ سنجیدہ مزاج باپ جو اپنی اولاد کو تہذیب و شرافت کا نمونہ دیکھنا چاہتا ہے وہ اپنے جگرپاروں کے ساتھ تکلف نہیں برتتا۔ ان کی معمولی غلطی پر بھی تنبیہہ کرتا ہے' تنبیہہ کا لہجہ درشت اور الفاظ عموماً" سخت ہوتے ہیں اور اولاد کی یہ سعادت مندی سمجھی جاتی ہے کہ باپ کی سختی کو تقاضاء شفقت سمجھے اور ناراضی کے بجائے حسن ادب اور نیاز مندانہ تسلیم و رضا سے اس کا استقبال کرے غالباً" یہ پرتو ہے اس سنت الہیہ کا جس کی جھلک آیات کتب اللہ میں نظر آتی ہے۔

خدا کی مخلوق میں انبیاء علیہم السلام سے زیادہ واجب الاحترام کون ہو سکتا ہے جن کے تقدس کا قرآن حکیم ثنا خواں اور جن کی عصمت کا علم بردار ہے جن کے احترام کو ہر ایک صاحب ایمان کے ایمان کا جزو لازم اور جن کی معمولی توہین کو بھی "کفر" قرار دیتا ہے۔ یہ خدا کے اپنے ہیں۔ مگر ان اپنوں کے متعلق اسلوب کلام اللہ کیا ہے؟

حضرت آدم علیہم السلام کی معصومیت ظاہر کرتے ہوئے ارشاد خداوندی ہے۔

نَسِیَ اٰدَمُ وَلَمْ نَجِدْلَهٗ عَزْمًا (سورہ طہٰ ع ۶) آدم بھول گئے۔ ہم نے ان کا ارادہ (اور عزم) نہیں پایا) لیکن جب تنبیہہ کا موقعہ ہے تو وحی الہٰی کی شدت ملاحظہ ہو۔ کتنے روکھے اور ہیبت انگیز انداز میں ارشاد ہے۔

عَصٰی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی (طہٰ ع ۷) نافرمانی کرد۔ آدم پروردگار خودرا۔ پس گم کرد رراہ را (حضرت شاہ ولی

اللہ")

حضرت یونس علیہ السلام جس کی حفاظت اور ناز پروری کے لیے قدرت نے معجزے ظاہر کیے کہیں مچھلی کو مامور فرمایا اور کہیں شجرۃ میں یقطین کا معجزہ ظاہر کیا۔ لیکن جب وہ قوم کے رویہ سے بد دل ہو کر اپنے علاقہ دعوت و تبلیغ سے باہر نکل کر تختہ جہاز پر سوار ہو گئے تھے اور چاہتے تھے کہ کسی غیر معروف مقام پر پہونچ جائیں۔ ان کے اس عاجلانہ اقدام پر تنبیہہ کی گئی تو غور فرمایئے وحی الہٰی کے عتاب آمیز الفاظ یہ ہیں۔

فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ

سمجھا کہ ہم نہ پکڑ سکیں گے (شاہ عبدالقادر صاحب)

حضرت حق جل مجدہ کے متعلق اس طرح کا تصور ایک نبی سے بعید از قیاس ہے۔ مگر بات وہی ہے کہ اپنے کو تنبیہہ کی جا رہی ہے تو اس طرح کے سخت الفاظ استعمال کئے جا رہے ہیں۔ یہ راز و نیاز کا معاملہ ہے اللہ اور اللہ کے نبی کے درمیان۔۔

کار پاکان را قیاس از خود مگیر

انبیاء علیہم السلام کو فرائض دعوت کی انجام دہی میں بے پناہ مشکلات پیش آئی ہیں۔ جب مخالفین کے ظلم و ستم کے طوفان اٹھتے ہیں تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ داعیان حق کے دل ٹوٹنے لگتے ہیں اور جب غیبی مدد اور نصرت خداوندی کے کچھ آثار نظر نہیں آتے تو فطری اور قدرتی بات ہے کہ یہ خیال گذرنے لگتا ہے کہ شاید منشاء الہٰی کے سمجھنے میں ہم سے کوئی غلطی ہو گئی ہے۔ کبھی جھونجل میں اس سے آگے بھی وسوسے آنے لگتے ہیں ۔ یہ فطرت بشری کا تقاضا ہوتا ہے اختیاری نہیں ہوتا بلکہ اضطراری ہوتا ہے اسی لیے عنداللہ مواخذہ سے بری ہوتا ہے۔ (لا یکلف اللہ نفسا الا وسعها) مگر یہ فطری بات اس فولادی عزم کے لیے موزوں نہیں ہوتی جو انبیاء علیہم السلام کو عطا کیا جاتا ہے تو اس غیر موزونیت کے اظہار کے لیے وحی الہٰی کے الفاظ ملاحظہ کیجیے۔ کتنے سخت ہیں۔

حَتّٰۤى اِذَا اسْتَيْاَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا

(سورہ یوسف ع ۱۲)

یہاں تک کہ جب ناامید ہونے لگے رسول اور خیال کرنے لگے کہ ان سے جھوٹ کہا تھا پہنچی ان کو مدد ہماری (شاہ عبدالقادر صاحبؒ)

انبیاء علیہم السلام کا یہ خیال یقیناً" نہیں ہوتا کہ نصرت الہٰی کا جو وعدہ کیا گیا تھا وہ غلط تھا۔ صرف وسوسہ ہوتا ہے جو اس شدید پریشانی کے وقت دل میں گذرتا ہے جس کو وحی الہٰی نے دوسرے موقع پر " زلزلوا" سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی یہ وسوسہ اس وقت آتا ہے جب ان کو مصائب اور مشکلات کے طوفانوں

میں جھنجوڑا جاتا ہے مگر یہ وسوسہ بھی پیغمبرانہ اولالعزمی کے لیے نازیبا ہے۔ ایسا ہی نازیبا جیسا ایک عام مسلمان کے لیے معاذ اللہ تکذیب نازیبا ہے۔ اسی غیر موزونیت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ ارشاد ہوا ہے۔

ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا

وہ سمجھنے لگے کہ ان سے جھوٹ کہا گیا تھا۔

ناز و انداز کا یہی مقام ہے جس کے لیے کہا جاتا ہے۔ نزدیکا رابیش بود حیرانی

اردو والے کہا کرتے ہیں۔ جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل۔

انبیاء علیہم السلام کے بعد حضرات صحابہ کی جماعت ہے جس کو ہم بجا طور پر کائنات کی آنکھ کا تارا کہتے ہیں۔ اور قرآن پاک میں اولیاء اللہ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ سو سے زیادہ آیتوں میں ان کی تحسین و ستائش ہے جن میں سے کچھ آیتیں پہلے حصوں میں گذر چکی ہیں باقی آئندہ حصوں میں آئیں گی (انشاء اللہ) ان کے متعلق بھی کلام ربانی کا یہی اسلوب ہے (۳۱۷)۔

معمولی غلطی جس کو عام مسلمانوں کے لحاظ سے گناہ صغیرہ کہنا بھی مشکل ہوتا ہے اگر جماعت صحابہ سے صادر ہو جاتی ہے تو وحی الٰہی اس کی گرفت کرتی ہے اور "تکلف برطرف" نہایت سخت الفاظ میں اس پر تنبیہہ کرتی ہے اس کی ایک مثال یہی آیت ہے جو غزوہ بدر کے سلسلہ میں نازل ہوئی۔

يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ

(یہ صحابہ) جھگڑتے ہیں آپ سے درست بات میں اس کے بعد کہ حق واضح ہو چکا۔ گویا ان کو ہانکا جا رہا ہے موت کی طرف اور وہ موت کو دیکھ رہے ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے کاروان تجارت کا راستہ روکنے کے لیے دفعتہ" سفر کا ارادہ فرما لیا اور اعلان کر دیا کہ جو ساتھ چل سکتے ہوں چلیں۔ وہ انصار جاں نثار جو معمولی اشارہ پر سمندر میں گھوڑے ڈالنے کے لیے تیار تھے ان میں سے کون تھا جو شرف رفاقت کا آرزو مند نہ ہوتا۔ لیکن بہت سے ایسے تھے کہ دفعتہ" روانگی ان کے لیے مشکل تھی۔ کھیتی باڑی کے کام بھی تھے جو خود اپنی طرف سے بھی کرتے تھے اور ان مہاجرین کی طرف سے بھی جن سے رشتہ اخوت قائم کیا گیا تھا۔ سب سے بڑی دشواری یہ تھی کہ سفر کا سب سے ضروری ذریعہ یعنی اونٹ اور گھوڑے مدینہ میں نہیں تھے چراگاہوں میں تھے جو دو تین میل سے لے کر آٹھ میل تک کے فاصلہ پر تھیں' اس کی اجازت نہیں دی گئی کہ ان کو لے آئیں۔ ایک لازمی بات تھی کہ یہ فوری روانگی ان کو ناگوار ہوئی۔ اس بات سے تکدر بھی ہو سکتا تھا کہ ان کے عذر کو نظر انداز فرمایا گیا۔ جو صحابہ کرام ساتھ چلے وہ بھی اس عجلت میں کہ بہت سوں کے کپڑے بھی پورے نہیں

تھے اسلحہ اگر ان کے پاس نہیں تھے تو دوسروں سے مستعار لے کر پورے کر سکتے تھے مگر اس کا موقع بھی نہیں دیا گیا۔ پھر کوئی فرشتہ نہیں آیا۔ وحی نہیں نازل ہوئی تھی۔ آنحضرت ﷺ کی رائے تھی جس پر یہ سب کارروائی ہو رہی تھی۔ رائے بھی شدت کے ساتھ نہیں تھی کہ ہر شخص پر روانگی لازم کی جا رہی ہو۔ بلکہ اختیار دیا گیا تھا خواب کے متعلق بھی یقین نہیں کہ وہ اسی وقت نظر آیا تھا یا اس کے بعد۔

اسی طرح جب ایک دو روز کے بعد آگے چل کر معلوم ہوا کہ ممکن ہے قریش سے مقابلہ ہو جائے تو فطری اور قدرتی بات تھی کہ کچھ حضرات کی زبان سے نکل گیا کہ جنگ کی ہم میں طاقت نہیں ہے۔ ہم جنگ کے ارادہ سے آئے بھی نہیں تھے۔

یہ واقعات کا ایک رخ تھا۔ دوسرا رخ یہ ہے کہ رسول خدا ﷺ ایک تحریک فرما رہے ہیں۔ اور ان سے فرما رہے ہیں جن کے ایمان کی شان یہ ہے کہ عرش معلٰی سے نازل ہونے والے کلام پاک میں ان کو "مومن" فرمایا گیا ہے۔ اس سے بڑھ کر عظمت کیا ہو سکتی ہے کہ "وحی الٰہی" کسی کو "مومن" کہے۔

اور اس سے پہلی آیت (۳۱۸) پر نظر ڈالئے تو حقیقت یہ ہے کہ انہیں کو کہا گیا ہے۔

أُولٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا

"یہی اور یہی ہیں سچے اور پکے مومن"

پہلی آیت (۳۱۹) میں جو اوصاف بیان کیے گئے ہیں جن کے حاملین کو بشارت دی گئی ہے۔ ھم المومنون حقا اس کے مصداق قطعاً" اور یقیناً" یہی حضرات ہیں۔ اور اگر معاذ اللہ یہ حضرات ان اوصاف کے حامل نہیں ہیں تو پھر پوری امت محمدیہ میں کوئی جماعت کوئی گروپ کوئی ٹولی یا پارٹی ایسی نہیں ہے جو ان اوصاف کی حامل اور ھم المومنون حقا" کی مصداق ہو سکے۔

ان حضرات کے ایمان و اذعان کا یہی بلند ترین درجہ وحی الٰہی کے پیش نظر ہے۔ یعنی اپنوں کا معاملہ ہے بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ چہیتوں کا معاملہ ہے۔ وہ چہیتے جن کے دلوں میں وہ سوزو گداز اور وہ حرارت ہے کہ جیسے ہی اللہ کا نام لیا جاتا ہے دل لرزنے لگتے ہیں۔ رقت طاری ہو جاتی ہے۔ جذبات۔ محبت بھڑکنے لگتے ہیں۔ اللہ کی آیتیں ان کے سامنے پڑھی جائیں تو شمع ایمان کا نور پھوٹنے لگتا ہے جن کا شیوہ اور خصوصی شعار توکل علی اللہ ہے۔

ایک طرف یہ ایمان و اذعان۔ یہ توکل اور اعتماد۔ دوسری طرف رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اعلان پر دل تنگی اور بے سروسامانی کا عذر غیر موزوں اور متضاد باتیں ہیں۔ اسی لیے جب وہ آیتیں نازل ہوئیں جن میں اس سفر پر تبصرہ ہے یا بعنوان دیگر جن میں روداد سفر کی طرف اشارے کیے گئے ہیں ان آیتوں میں صحابہ کی اس کوتاہی پر تنبیہہ کی گئی۔ تنبیہہ میں کوئی تکلف نہیں برتا گیا بلکہ نہایت کھلے الفاظ اور روکھے انداز میں تنبیہہ فرمائی گئی۔ اور اگرچہ یہ عذر چند نے کیا تھا مگر تنبیہہ پوری جماعت کو کی

گئی۔ ارشاد ہوا

کَمَآ اَخْرَجَکَ رَبُّکَ مِنْ بَیْتِکَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَکَارِھُوْنَ یُجَادِلُوْنَکَ فِی الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَیَّنَ کَاَنَّمَا یُسَاقُوْنَ اِلَی الْمَوْتِ وَھُمْ یَنْظُرُوْنَ (سورہ انفال ع ۱)

جیسے نکالا تجھ کو تیرے رب نے۔ تیرے گھر سے۔ درست کام پر۔ اور ایک جماعت ایمان والوں کی راضی نہ تھی۔

تجھ سے جھگڑتے تھے درست بات میں۔ واضح ہو چکنے کے بعد۔ گویا ان کو ہانکتے ہیں موت کی طرف آنکھوں دیکھتے۔ (شاہ عبدالقادرؒ)

عرش معلیٰ سے نازل ہونے والے کلام ربانی میں جو "ملوک الکلام" ہے اگر ذکر آئے گا تو کسی ایسی ہی بات کا آئے گا جو حد درجہ عجیب و غریب ہو۔ جو کھلے طور پر کرشمہ قدرت ہو۔ یا جو کسی غیر معمولی اہمیت اور عظمت کی حامل ہو۔

ایک کمزور جماعت اپنے مرکز سے تیاری کر کے چلے اور کامیاب ہو جائے۔ یہ بھی کرشمہ قدرت اور فضل خداوندی ہے۔ لیکن اس سے زیادہ کھلا ہوا کرشمہ یہ ہے کہ جنگ کی تیاری کے بغیر بے سروسامان چلے اور ایسی کامیابی حاصل کرے کہ پوری قوم کی قسمت کو پلٹ کر رکھ دے۔

فضل ربانی نے اس موقع پر بھی کرشمہ دکھایا اور یہی عجیب و غریب کرشمہ ہے کہ وحی الٰہی ناطق ہو رہی ہے۔

کَمَآ اَخْرَجَکَ رَبُّکَ مِنْ بَیْتِکَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَکَارِھُوْنَ الآیۃ

مفہوم آیت یہ ہے کہ آپ کی یہ دفعتہً روانگی (جو بظاہر ایک عاجلانہ حرکت تھی۔ جس سے ان کو ناگواری تھی۔ جو اسلام کے خیر خواہ پختہ کار مومن ہیں۔ جن کے ایمان و اذعان میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے یہ عنداللہ عاجلانہ حرکت نہیں تھی بلکہ منجانب اللہ تھی۔ بالکل برحق تھی۔

تعجب ہے ارباب ایمان نے بحث کیوں کی۔ جب کہ اس کی دعوت وہ دے رہا تھا۔ جو خدا کا رسول ہے جس کے متعلق طے ہے کہ اس کا فرمان فرمان خدا ہوتا ہے۔ اور بحث بھی کچھ ایسے انداز کی جو خوف زدہ کا انداز ہوتا ہے۔

یُجَادِلُوْنَکَ فِی الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَیَّنَ کَاَنَّمَا یُسَاقُوْنَ اِلَی الْمَوْتِ وَھُمْ یَنْظُرُوْنَ

تم سے بحث کر رہے ہیں حق بات میں اس کے بعد کہ حق واضح ہو چکا ہے (کہ ارشاد رسول خدا ہوتا ہے) بحث بھی ایسے انداز سے کر رہے ہیں گویا ان کو موت کے منہ میں دھکیلا جا رہا ہے اور وہ کھلی آنکھوں موت کو دیکھ رہے ہیں۔

فلسفہ فتح و شکست

اس سے زیادہ عجیب بات کیا ہو سکتی ہے کہ معرکہ احد کے لیے پوری تیاری کے ساتھ چلے اور شکست کھائی اور بدر کے لیے کوئی بھی تیاری نہیں تھی۔ پہلے سے جنگ کا خیال بھی نہیں تھا۔ ایک بھیڑ تھی جو قافلہ کا راستہ روکنے چلی تھی۔ لیکن اس نے اپنے سے تین گنی چار گنی مسلح طاقت کا مقابلہ کیا اور ایسی کامیاب ہوئی کہ پورے عرب کے سامنے نہیں بلکہ پوری دنیا کے سامنے کھلے طور سے ثابت کر دیا کہ زندہ یہی ہے اور زندگی کا حق اسی کو ہے۔

وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَا خْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعَادِ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّ اِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (سورہ انفال ع ۵)

اگر تم نے آپس میں لڑائی کی بات ٹھہرائی ہوتی تو ضرور میعاد جنگ سے گریز کرتے۔ (ان کی تعداد اور شان و شوکت ایسی تھی کہ مقابلہ کی ہمت نہ پڑتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے خلاف توقع یہ مقابلہ کرا دیا) تاکہ خدا کو جو کرنا تھا اسے کر کے دکھا دے نیز اس لیے کہ جسے ہلاک ہونا ہے وہ اتمام حجت کے بعد ہلاک ہو اور جسے زندہ رہنا ہے وہ ایک کھلی ہوئی شہادت کے ساتھ زندہ رہے اور بیشک اللہ تعالیٰ سب کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔

اسی طرح عجیب و غریب بات یہ تھی کہ صحابہ کرام کی یہ بے سروسامان جماعت آخر تک اسی خیال میں رہی کہ کاروان تجارت کی غیر مسلح طاقت کا راستہ روکنا ہے' اس سے کچھ فائدہ ہی ہو سکتا ہے' نقصان کا خطرہ برائے نام ہے۔

اس کاروان تجارت کا چرچا آج سے نہیں بلکہ تقریباً" تین ماہ سے ہو رہا تھا۔ جیسے ہی وہ شام سے روانہ ہوا اس کا کھوج لگانے کی کوششیں شروع ہو گئیں۔ ہر طرف آدمی بھیجے گئے۔ اس کا سراغ لگا اس کا تعاقب بھی کیا گیا۔ لیکن یہ کرشمہ قدرت کس قدر حیرت انگیز ہے کہ وہ قافلہ ہاتھ نہیں آیا اور اس کے بجائے ذات الشوکہ (مسلح طاقت) اپنے سے کئی گنی زیادہ۔ سامنے آ گئی۔ کیونکہ منشاء خداوندی یہ نہیں تھا کہ کچھ دولت مسلمانوں کے پلے پڑ جائے بلکہ منشاء خداوندی یہ تھا کہ کلمتہ اللہ سربلند ہو۔ حق کے پرچم

لہرائیں اور علم باطل سرنگوں ہو۔

تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِيْنَ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ (سورہ انفال)۔

اور تم چاہتے تھے جس میں کانٹا نہ لگے وہ ملے تم کو۔ اور اللہ چاہتا تھا کہ سچا کرے سچ کو۔ اپنے کلاموں سے اور کاٹے پیچھا کافروں کا۔ تا سچا کرے سچ کو اور جھوٹا کرے جھوٹ کو۔ اگرچہ نہ راضی ہوں گنہگار (حضرت شاہ عبدالقادرؒ)

ابوسفیان کی ہوشیاری اور چالاکی۔ اہل مکہ کی تیاری اور روانگی
لشکر قریش کا ٹھاٹ۔ ابوجہل کا جنگ کے لیے اصرار اور ضد

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ – تا – وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (سورہ انفال ع ۶)

اور ان کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کی نظر میں نمائش کرتے ہوئے نکلے اور جن کا حال یہ ہے کہ اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور یاد رکھو جو کچھ بھی یہ لوگ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ (اپنے علم و قدرت سے) اس پر چھایا ہوا ہے۔ اور (پھر) جب ایسا ہوا تھا کہ شیطان نے ان کے کرتوت ان کی نگاہوں میں خوش نما کر کے دکھا دیئے تھے اور کہا تھا کہ آج ان لوگوں میں کوئی نہیں جو تم پر غالب آ سکے اور میں تمہارا پشت پناہ ہوں۔ مگر جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو الٹے پاؤں واپس ہوا اور کہنے لگا مجھے تم سے سروکار نہیں۔ مجھے وہ بات دکھائی دے رہی ہے جو تم نہیں دیکھتے۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ بہت سخت سزا دینے والا ہے۔ (سورہ انفال ع ۶)

ابوسفیان جو بعد میں اسلام سے مشرف ہوئے اور اب بجا طور پر اس کے مستحق ہیں کہ ان کے اسم مبارک کے ساتھ رضی اللہ عنہ لکھا جائے۔ جس طرح ایک ہوشیار تاجر تھے۔ ایک حاضر حواس لیڈر اور صاحب حوصلہ جرنیل بھی تھے۔ قریش نے جنگ کا ایک منصوبہ طے کیا تھا۔ اسی کا ایک حصہ یہ تجارتی سفر تھا۔ ابوسفیان خوب سمجھتے تھے کہ جس قوم کا سرمایہ ان کے پاس ہے اس کی ہمدردیاں بھی ان کے ساتھ ہیں اور

وہ ان کے جذبات سے کام لے سکتے ہیں۔ ابوسفیان نے موقع سے پورا فائدہ اٹھایا اور جس جنگ کا منصوبہ بنایا گیا تھا اس کے لیے پورے قریش کو دفعتہ" میدان جنگ میں کھڑا کر دیا۔ ابوسفیان کی یہ ہوشیاری تھی کہ جیسے ہی اس کو خطرہ محسوس ہوا اس نے راستہ بدل کر قافلہ کو محفوظ بھی کر لیا اور مکہ میں یہ قیامت بھی برپا کر دی کہ قافلہ خطرہ میں ہے۔ جلد دوڑو۔

عربی محاورات میں ایک لفظ ہے۔ النذیر العریان (آگاہ کرنے والا برہنہ بدن) ابوسفیان نے اس محاورہ کو عملی جامہ پہنایا۔ ایک شخص ضمضم بن عمرو غفاری کو سونے کے بیس مثقال دیئے جن کا وزن ساڑے سات تولہ ہوتا ہے اور اس کو یہ پٹی پڑھائی کہ وہ فوراً" مکہ پہونچ کر اپنے اونٹ کی ناک کاٹ دے ۔ کپڑے پھاڑ کر برہنہ ہو جائے اور اونٹ پر الٹا بیٹھ کر (کہ منہ دم کی طرف ہو) پورے مکہ میں شور مچاتا ہوا گھوم جائے کہ محمد نے (ﷺ) ابوسفیان کے قافلے پر حملہ کر دیا ہے۔ ضمضم نے پوری ہوشیاری اور چالاکی سے اس پر عمل کیا۔

جب اس طرح خبر پھیلا دی گئی تو اب اہل مکہ کے جذبات کو کون روک سکتا تھا۔ جذبات کی ایک گھٹا اٹھی اور آندھی کے بادل کی طرح پورے مکہ پر چھا گئی۔ اب دارالندوہ کے اجتماع کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ ہر شخص دارالندوہ بنا ہوا تھا۔ ابوجہل ان کا امام تھا جو ابوسفیان سے بھی زیادہ چابک دست اور چالاک تھا اس نے فوراً" تیاری کا حکم صادر کر دیا۔ چنانچہ دو تین دن کے وقفہ میں قریش کی ایک مسلح فوج تیار ہو گئی۔

ارباب سیرت (۳۲۰) نے اس موقع پر حضرت عاتکہ (۳۲۱) کے ایک خواب کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ عاتکہ بن عبدالمطلب آنحضرت ﷺ کی پھوپی تھیں اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بہن۔ ان دونوں بہن بھائیوں کے دلوں میں ایمان تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے تھے۔ مگر باقاعدہ مسلمان نہیں ہوئے تھے اسی وجہ سے مکہ میں ٹھہرے ہوئے تھے مگر قریش کی نظر میں معتوب تھے۔

ابوسفیان کا قاصد۔ ضمضم جس روز مکہ معظمہ پہونچا۔ اس سے تین دن پہلے حضرت عاتکہ نے ایک بھیانک خواب دیکھا۔ جس سے گھبرا کر ان کی آنکھ کھل گئی۔ خواب ایسی تھی کہ ہر ایک سے بیان بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ دماغ کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے انہوں نے اپنے بھائی (حضرت عباس) سے خواب بیان کر دی۔ مگر یہ بھی تاکید کر دی کہ کسی سے نہ کہیں۔ لوگ ہمارے ویسے ہی مخالف ہیں یہ خواب سن کر اور دشمن ہو جائیں گے۔ ممکن ہے کوئی گزند پہونچا دیں۔

خواب میں دیکھا تھا کہ ایک شترسوار چلا آ رہا ہے۔ جب وہ مکہ کے میدان میں پہونچا تو ٹھہر گیا اور زور زور سے چیخ کر کہنے لگا۔

الا انفروا یاال غدر لمصارعکم فی ثلاث

اے آل (۳۲۲) غدر اپنے قتل گاہوں کی جانب تین دن کے اندر اندر کوچ کر جاؤ۔

میں نے دیکھا کہ لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے۔ پھر وہ مسجد حرام کی طرف چلا۔ مجمع بھی اس کے ساتھ ساتھ چلا۔ مسجد حرام میں پہونچ کر خانہ کعبہ کی پشت پر اس نے اونٹ کو کھڑا کر دیا۔ اور اسی طرح یہاں بھی اس نے بلند آواز سے پکارا۔ الا انفرو یا ال غدر لمصارعکم فی ثلاث پھر جبل ابی قیس کی چوٹی پر چڑھا اور وہاں بھی اسی طرح آواز لگائی۔ پھر اس نے پہاڑ کی چوٹی سے ایک بڑا پتھر نیچے دھکیل دیا۔ جب یہ پتھر زمین کے قریب پہونچا تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ پھر میں نے دیکھا کہ اس پتھر کے ٹکڑے مکہ کے مکانات میں پھیل گئے۔ مکہ کا کوئی مکان بھی ایسا نہیں رہا جس میں اس پتھر کا کوئی ریزہ نہ پہونچا ہو۔

یہ خواب سن کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی متاثر ہوئے اور انہوں نے فرمایا میں تو کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کروں گا۔ مگر عاتکہ تم بھی کسی سے نہ کہنا۔ بہن بھائی نے یہ طے کر لیا۔ مگر پھر حضرت عباس، جب باہر آئے تو انہوں نے اپنے دوست ولید بن عتبہ سے یہ خواب کہہ ڈالی۔ اگرچہ ان کو بھی تاکید کر دی کہ وہ کسی سے نہ کہیں۔ مگر انہوں نے اپنے بیٹے کو سنا دی۔ پھر رفتہ رفتہ پورے مکہ میں یہ پھیل گئی۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگلے روز میں مسجد حرام میں طواف کعبہ کے لیے گیا۔ ابو جہل وہاں اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے مجھے دیکھ کر کہا۔ میاں عباس جب طواف سے فارغ ہو جاؤ تو میرے پاس آنا۔ حضرت عباس طواف سے فارغ ہو کر ابو جہل کے پاس پہونچے تو اس نے ان سے مخاطب ہو کر کہا۔

جناب آپ کی نبیہ۔ کیا کہہ رہی ہیں۔ میں نے کہا۔ نبیہ کون۔ کہا یہی عاتکہ۔ میں نے انجان بن کر پوچھا عاتکہ کیا کہہ رہی ہیں۔ اس نے اس کا جواب تو کچھ دیا نہیں۔ کہنے لگا اے بنی عبدالمطلب۔ تمہارے مردوں نے تو نبوت کا دعویٰ کیا ہی تھا۔ اب عورتیں بھی نبی بننے لگیں اور دیکھو خواب میں تین دن کی مدت بتائی گئی ہے اگر تین دن کے اندر کوئی بات پیش نہ آئی تو ہم ایک تحریر لکھ دیں گے کہ تمہارا گھرانا پورے عرب میں سب سے زیادہ دروغ باف ہے۔ انکم اکذب اھل بیت فی العرب۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس وقت کوئی جواب میرے پاس نہیں تھا۔ بجز اس کے کہ میں انکار ہی کرتا رہا کہ غلط ہے ایسا کوئی خواب نہیں دیکھا۔ اور دل میں خیال کرتا رہا کہ کاش عاتکہ نے یہ خواب نہ دیکھا ہوتا۔ اب میں گھر پہنچا تو ایک نئی مصیبت سامنے آئی۔ خاندان عبدالمطلب کی عورتیں میرے پاس آنی شروع ہوئیں۔ غصہ میں بھری ہوئیں۔ جو بھی آتی یہی کہتی۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ تمہاری غیرت کہاں جاتی رہی۔ یہ ابو جہل خبیث مردوں کو تو سنایا ہی کرتا تھا اب اس نے عورتوں پر بھی زبان درازی شروع کر دی۔ افسوس۔ تم کان دبائے سنتے رہے اور تم سے کچھ نہ بن پڑا۔

اب میں سخت الجھن میں تھا کوفت بھی تھی اور غصہ بھی۔ آخر میں نے طے کر لیا کہ جو کچھ بھی ہو

اب اگر ابوجہل نے ایسی بات کہی تو میں دو بدو جواب دوں گا۔ یہی میں نے خاندان کی عورتوں کو اطمینان دلایا۔

اگلا دن ہوا۔ یعنی جس دن خواب دیکھا اس سے تیسرا دن۔ تو حرم شریف میں یہ طے کر کے گیا کہ ابوجہل نے آج کچھ کہا تو میں خوب خبرلوگوں گا کم از کم عورتوں میں تو یہ رسوائی نہیں رہے گی۔ جیسے ہی میں حرم میں داخل ہوا ابوجہل نظر پڑا۔ میں اس کی طرف چلا۔ دل میں سوچ رہا تھا کہ ابوجہل نے کچھ نہ کہا تو میں خود چھیڑ کر کوئی ایسی بات کروں گا کہ وہ کل والے الفاظ پھر دہرائے تو میں اس کو بتاؤں گا اور ایسا ضرور ہو جاتا کیونکہ وہ ایک تیز مزاج آدمی تھا۔ ہلکا پھلکا تھا مگر چہرے سے تیزی ٹپکتی تھی۔ زبان بھی اتنی ہی تیز تھی اور نظر بھی اتنی ہی تیز۔ مگر عجیب بات ہوئی۔ ابوجہل میری طرف مخاطب ہونے کے بجائے تیزی سے دوڑتا ہوا مسجد حرام کے دروازے کی طرف گیا۔ میرے دل میں خیال آیا کہ کہیں اس ملعون کو یہ خیال ہو گیا ہے کہ کل کا بدلہ میں آج لوں گا اس لیے دوڑا جا رہا ہے۔ مگر بات یہ نہیں تھی۔ ضمضم بن عمرو غفاری جو ابوسفیان کا فرستادہ تھا۔ وہ چیخ رہا تھا۔ اس کی آواز میرے کانوں میں تو پڑی نہیں۔ لیکن ابوجہل نے سن لی تھی۔ اس لیے وہ دروازہ کی طرف دوڑ کر گیا تھا۔ ضمضم مذکور وادی میں کھڑا چیخ رہا تھا۔ اونٹ کی ناک کاٹ ڈالی تھی۔ کجاوہ الٹا رکھا تھا۔ اپنا گریبان چاک کیے ہوئے تھا اور چیخ رہا تھا۔

یامعشر قریش اللطیمة اللطیمه – امو الکم مع ابی سفیان قد عرض
(۳۲۳) لها محمد فی اصحابه لا اری ان تدرکوها الغوث – الغوث (۳۲۴)

اس کے بعد خواب کا قصہ رل گیا۔ اور نیا ہنگامہ سامنے آگیا۔ ایک جوش اور غصہ تھا اور ہر ایک کی زبان پر تھا کہ کیا محمد نے (ﷺ) ابوسفیان کے قافلہ کو بھی حضرمی کا قافلہ سمجھ لیا ہے۔ اس مرتبہ ہم مزہ چکھا دیں گے۔ (۳۲۵)

ایک شیطان کا ظہور

قریش نے تیاری شروع کی تو انہیں خیال آیا کہ "بنو بکر" (۳۲۶) سے ہمارا جھگڑا چل رہا ہے۔ ایسا نہ ہو۔ ہمارے پیچھے وہ حملہ کر دیں۔ یہ اسی فکر میں تھے کہ ایک شخص نمودار ہوا۔ وہ سراقہ ابن مالک ابن جعشم مدلجی کے اتنا مشابہ تھا کہ لوگ اس کو سراقہ ہی سمجھے۔ سراقہ قبیلہ بنی کنانہ کا شیخ اور سردار تھا۔ اس نے اطمینان دلایا کہ میں ذمہ دار ہوں۔ اس نازک وقت میں بنو کنانہ ہرگز حملہ نہیں کریں گے۔ مفسرین کا خیال ہے کہ یہی شیطان تھا جس کی طرف قرآن (۳۲۷) حکیم میں اشارہ کیا گیا ہے۔

ابولہب اور امیہ بن خلف

سرداران قریش میں سے صرف ابولہب تھا جو اس جنگ میں شریک نہیں ہوا۔ مگر ایک شخص عاصی بن

ہشام کو اپنے بدلہ میں بھیج دیا۔ عاصی بن ہشام دیوالیہ ہو گیا تھا۔ پھر بھی لوگوں کے چار ہزار درہم اس کے ذمہ باقی تھے۔ یہ قرض خواہوں کے تقاضوں سے پریشان تھا۔ ابولہب نے چار ہزار درہم عاصی کو دیئے اور اپنے بدلہ فوج میں بھرتی کرا دیا۔

امیہ بن خلف کا تذکرہ پہلے گذر چکا ہے کہ حضرت سعد بن معاذ جب مکہ گئے تھے تو اسی کے یہاں ٹھہرے تھے۔ ابوجہل نے جب حضرت سعدؓ کو ڈانٹنا شروع کیا تھا تو اسی امیہ کا حوالہ دے کر کہا تھا کہ اگر تم امیہ کے یہاں نہ ہوتے تو یہاں سے بچ کر نہیں جا سکتے تھے۔ اس موقع پر حضرت سعد کی زبان سے یہ بھی نکل گیا تھا کہ میں نے لسان نبوت سے تمہارے متعلق یہ سنا ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہو گے۔

قریش کے ان سرداروں کو مخالفت اور عناد کے باوجود اس کا یقین تھا کہ محمد کی بات غلط نہیں ہوتی (ﷺ) چنانچہ اس وقت وہ سہا ہوا تھا۔ جانے کے لیے تیار نہیں تھا۔

مورخین نے بیان کیا ہے کہ امیہ کا ارادہ نہیں تھا مگر عقبہ بن معیط نے اس کو ایسا طعنہ دیا کہ اپنی لاج رکھنے کے لیے اس کو چار و ناچار جانا پڑا۔

یہ ایک لحیم سحیم بھاری بدن کا سن رسیدہ آدمی تھا۔ احاطہ حرم میں اپنے دوستوں کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا۔ عقبہ دھونی دینے کی چلچی (انگیٹھی) اور بخور (دھونی دینے کی خوشبو۔ نکھ یا لوبان) لے کر اس کے پاس پہنچا کہ اگر اس قومی جنگ میں شرکت نہیں کرتے ہو تو عورتوں کی طرح کپڑوں میں خوشبو بساتے رہو اور سنگار کرتے رہو۔

بھرے مجمع میں عقبہ نے اس طرح گفتگو کی اور یہ طعنہ دیا تو امیہ کی رگ غیرت بھی پھڑکنے لگی۔ وہ گھر پہونچا اور بیوی سے کہا۔ میں جا رہا ہوں۔ بیوی نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیشین گوئی یاد دلا کر روکا۔ مگر امیہ نے کہا اس وقت تو مجھے جانا ہی ہے۔ البتہ کوشش کروں گا کہ راستہ سے واپس آ جاؤں۔ (۳۲۸)

بہرحال تین دن میں تیاری مکمل ہوئی۔ اور نو سو پچاس جنگجو بہادروں کی فوج اس شان سے روانہ ہوئی کہ سب طرف جھنڈیاں لہرا رہی تھیں۔ سو شہسوار گھوڑوں پر آراستہ تھے۔ باجے بج رہے تھے گانے گائے جا رہے تھے۔ روسا قریش شاہانہ شان و شوکت کے ساتھ آگے آگے تھے۔ ناچ اور گانے کی چوکڑیاں ساتھ تھیں جو جذبات میں طوفان (۳۲۹) برپا کر رہی تھیں۔

مکمل اسلحہ کے ساتھ سامان رسد بھی بڑی افراط کے ساتھ بھیجا گیا۔ رؤسا داد شجاعت دے رہے تھے۔ ایک ایک رئیس کی طرف سے پورے لشکر کی دعوتیں ہو رہی تھیں۔ جیسے ہی مکہ سے نکلے تو ابوجہل نے دعوت کی اور دس اونٹ ذبح کرائے۔ (۳۳۰) عسفان پہونچے تو امیہ بن خلف نے نو اونٹ ذبح کرائے تیسرے دن مقام قدید پر سہیل بن عمرو نے دس اونٹ ذبح کرائے۔ یہاں قریب میں چشمے تھے۔ وہاں ایک

دن قیام کیا۔ اس روز شیبہ بن ربیعہ نے نو اونٹ ذبح کرا کر دعوت کی' پھر جحفہ پہونچے تو عتبہ بن ربیعہ نے دس اونٹ ذبح کرائے۔ اگلے روز ابواء مقام پر پڑاؤ ہوا تو فرزندان حجاج۔ بنبیہ اور منبیہ کی طرف سے دس اونٹ ذبح کرائے گئے۔ سخاوت کی اس نمائش میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بھی حصہ لیا اور دس اونٹ انہوں نے بھی ذبح کرائے۔ جب چشمہ بدر کے قریب پہونچے تو ابوالبختری نے دس اونٹ ذبح کرائے۔

اب یہاں اس قصہ کو چھوڑ کر ابوسفیان کی خبر لینی چاہیے کہ اس کے قافلہ پر کیا گذری اور وہ کس طرح مکہ پہونچا۔

ابوسفیان کا راستہ

ارباب سیرت اور مورخین کا بیان یہ ہے کہ ابوسفیان نے مدینہ کا راستہ چھوڑ کر وہ راستہ اختیار کیا جو ساحل سمندر کو چھوتا ہوا۔ ینبع کے قریب سے گذرتا ہے۔ پہلے گذر چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخبر۔ حضرت طلحہ بن عبیداللہ اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہما جب علاقہ حوارء میں "کشد" کے یہاں پہونچے تو قافلہ یہاں سے گذر رہا تھا۔ وہ یہاں سے بدر کی طرف مڑا۔ جہاں مشہور فرودگاہ تھا۔ اور یہاں سے سب طرف کو راستے جاتے تھے۔ ایک سڑک مکہ کی طرف جاتی تھی۔ جس سے آمدورفت رہتی تھی ابوسفیان کو بدر پہونچ کر اسی شاہراہ سے چلنا چاہیے تھا قریش کی فوج اسی شاہراہ سے آئی تھی۔ لیکن ابوسفیان نے یہ ہوشیاری کی کہ قافلہ کو لے کر بدر نہیں پہونچا بلکہ پہلے تنہا بدر پہونچا اور وہاں کے شیخ مجدی بن عمرو سے حالات معلوم کیے۔

پہلے گذر چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے "فرستادہ" بسبس بن عمرو اور عدی بن ابی الزغباء قافلہ کا پتہ لگانے کے لیے بدر پہونچے تھے۔ انہوں نے مجدی بن عمرو سے گفتگو نہیں کی۔ بلکہ باندیوں کی لڑائی سے ہی مطلب نکال لیا تھا۔ پھر اونٹ کو پانی پلا کر اور مشکیزہ میں پانی بھر کر واپس چلے آئے تھے۔ ابوسفیان نے بدر پہونچ کر "مجدی بن عمرو" سے دریافت کیا کہ مدینہ کے لوگ یہاں آئے تھے۔ آپ کو ان کے متعلق کچھ معلوم ہے؟

مجدی نے کہا۔ مدینہ کا کوئی آدمی اس طرف نہیں آیا۔ جو لوگ اس طرف سے گذرے ان کو میں پہچانتا ہوں۔ البتہ دو آدمی ایسے آئے تھے جن کو میں نہیں پہچان سکا۔ انہوں نے یہاں پہونچ کر ٹیلہ کے قریب اونٹ بٹھایا۔ پھر اس طرف آئے۔ پانی بھرا اور واپس ہو گئے۔ میں نہیں بتا سکتا کہ یہ کون تھے۔

ابوسفیان اس بیان سے چونکا۔ وہ وہاں گیا جہاں ان نامعلوم مسافروں نے اونٹ بٹھائے تھے۔ وہاں کچھ مینگنیاں پڑی ہوئی تھیں۔ ایک مینگنی اٹھا کر اس کو توڑا۔ اس میں سے گٹھلی نکلی۔ اس نے گٹھلی دیکھی اور

گھبرا کر بولا۔ ھذہ واللہ علائف یثرب۔ واللہ یہ یثرب کے راتب کی مینگنی ہے۔ پھر فوراً واپس ہو کر قافلہ میں پہونچا۔ اور اس راستہ کو چھوڑ کر دوسرے راستہ کو ہو لیا۔ اور جب آگے چل کر پوری طرح اطمینان ہو گیا کہ مسلمانوں کی زد سے بچ گیا ہے تو ابوجہل کو پیغام بھیجا۔ قافلہ محفوظ ہے۔ آپ بھی جنگ کا ارادہ ترک کر دیں۔ اور واپس ہو جائیں۔

جب بدر میں فریقین کا مقابلہ ہوا تو ابوسفیان کا قافلہ نشیبی حصہ میں سمندر کے کنارے کنارے مکہ جا رہا تھا۔ کما قال اللہ وَ الرَّکْبُ اَسْفَلَ مِنْکُمْ (سورہ انفال)

تفسیر آگے آ رہی ہے۔ انشاء اللہ

بطر و ارئاء اکڑ اور نمائش (ٹھاٹ)

ابوسفیان نے ضمضم بن عمر غفاری کو بھیج کر جس طرح اشتعال پھیلایا تھا اس کے بعد اس کا یہ پیغام کہ جنگ کا ارادہ ترک کر دیں اور واپس ہو جائیں ممکن ہے نمائشی ہو۔ مگر امن پسند سرداروں نے اس سے اثر لیا۔ چنانچہ قبیلہ بنی زہرہ اور بنی عدی کے شیوخ نے ابوجہل سے اصرار کیا کہ اب واپس ہو جانا چاہیے۔ مگر ابوجہل چاہتا تھا کہ اس وقت کے جوش و خروش سے اتنا فائدہ ضرور اٹھا لے کہ پورے عرب میں قریش کی دھاک بیٹھ جائے۔ چنانچہ ابوجہل نے سرداران بنی زہرہ و بنی عدی کے اصرار کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے۔ سفر پر اصرار کیا اور مصلحت یہ بیان کی۔

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَ الرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ۔ الآیة (سورہ انفال ع ۲) (۳۳۱)

عرب کے کانوں تک ہماری شان و شوکت۔ ہمارے سفر ہمارے اتحاد اور ہماری یکجہتی کی خبریں پہونچیں گی اس سے وہ متاثر ہوں گے۔ ہمیشہ ہم سے ہیبت کھاتے رہیں گے اور مرعوب رہیں گے اور پروگرام یہ تجویز کیا کہ :

بدر پہونچیں گے جو صرف فرودگاہ ہی نہیں ہے بلکہ عرب کا مشہور مقام ہے جہاں (۳۳۲) میلہ لگا کرتا ہے وہاں سہ روزہ (۳۳۳) جشن منائیں گے۔ اونٹ ذبح کیے جائیں گے۔ کھانے کھلائے جائیں گے شراب کے دور چلیں گے۔ ناچ گانے ہوں گے۔ (۳۳۴)

بہرحال اس مصلحت اور پروگرام سے قبیلہ بنی زہرہ اور بنی عدی (۳۳۵) کے سرداروں نے اتفاق

نہیں کیا وہ واپس چلے گئے اور ان کے ساتھ ان کے آدمی بھی واپس چلے گئے۔ ابن اسحاق نے اس سفر میں بھی ایک خواب کا تذکرہ کیا ہے۔

یہ خواب جہم بن الصلت نے دیکھا تھا جو عبد مناف کی اولاد میں سے تھے۔ یعنی ہاشم کے ہم جد تھے۔ بعد میں اسلام سے مشرف ہوئے۔ جہم بن الصلت کچھ جاگ رہے تھے کچھ سو رہے تھے کہ اچانک چونک کر اٹھے اور گھبرا کر ساتھیوں سے کہنے لگے۔ وہ سوار کہاں گیا۔ برابر والوں نے کہا۔ یہاں کوئی سوار نہیں آیا۔ کہنے لگے میں ابھی دیکھ رہا تھا۔ ایک اسپ سوار ہے۔ ایک اونٹ اس کے ساتھ ہے۔ وہ قریش کے سرداروں کے نام بتا رہا ہے اور خبر دے رہا ہے کہ یہ قتل کر دیئے گئے۔ پھر اس شخص نے اونٹ کے سینہ میں خنجر مار کر لشکر میں چھوڑ دیا۔ خون کے چھینٹے اڑ رہے تھے اور لشکر کے خیموں میں پہونچ رہے تھے ایک بھی خیمہ خون کے چھینٹے سے پاک نہیں رہا۔

ابو جہل نے خواب سنا تو مذاق بنانا شروع کر دیا کہ اولاد مطلب میں ایک اور نبی ہو گئے۔

بہر حال لشکر بدر کے قریب پہونچا اور اس نے وادی کے ایک کنارہ پر پڑاؤ ڈال دیا۔ یہاں کسی قدر نشیب تھا۔ پانی کی یہاں قلت نہیں تھی اور اگر جنگ پیش آتی تو اس کے لیے بھی یہ سب سے موزوں مقام تھا۔

ممکن تھا جشن کا کوئی پروگرام بنتا۔ مگر ان کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ مسلمان پہنچ گئے ہیں تو بجائے جشن کے جنگ کی تیاری شروع کر دی۔

ابو جہل کا جنگ کے لیے اصرار اور ضد

قبیلہ جمح کا ایک شخص عمیر بن وہب تھا۔ قریش نے اس کو بھیجا کہ وہ مسلمانوں کی تعداد کا اندازہ لگائے۔ عمیر مسلمانوں کے کیمپ کی طرف گھوڑا دوڑاتا ہوا گذرا اور تعداد کا اندازہ لگا لیا۔ پھر آس پاس گھوڑا دوڑا کر دیکھا کہ شاید کسی دوسرے مقام پر مسلمانوں نے کمین گاہ بنا رکھا ہو۔ مگر پورا میدان صاف تھا۔ عمیر واپس آیا۔ اس نے رپورٹ دی کہ تعداد زیادہ نہیں ہے۔ کم و بیش تین سو آدمی ہیں۔ ان کی حفاظت کا بھی کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ یہ بھی خطرہ نہیں ہے کہ کہیں سے کمک پہونچ جائے گی۔ سامان بھی پورا نہیں ہے۔ صرف تلواریں لیے ہوئے ہیں۔ مگر صاحبو۔ کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے مصائب کے لشکر (۳۴۶) ان کے ساتھ ہیں۔ یثرب کی اونٹنیاں جن سے پانی کھینچوایا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ پانی کی پکھال نہیں بلکہ موت کے انبار لادے ہوئے ہیں۔ یہ مسلمان خاموش ہیں مگر ان کی صورتوں سے وحشت برستی ہے۔ معلوم ہوتا ہے سب کچھ چھوڑ کر یہاں صرف قربان ہونے کے لیے آئے ہیں بال بچوں میں واپس جانے کا تصور بھی ان کو نہیں ہے۔ یہ یقینی بات ہے کہ ان میں کوئی ایک بھی مارے بغیر نہیں مرے گا۔

صاحبو! غور کرو اگر وہ ایک ایک کو مار کر ہی مرے تو سوچو۔ پھر تمہاری زندگی کیا ہو گی تم میں ہی کے کتنے عزیز ختم ہو چکے ہوں گے۔

حکیم بن حزام (۳۳۷) قریش کے سنجیدہ مزاج سردار تھے۔ وہ اس تقریر سے متاثر ہوئے۔ انہوں نے خود بھی غور کیا کہ تجارتی قافلہ کی حفاظت کے لیے ہم روانہ ہوئے تھے وہ مقصد پورا ہو گیا۔ ابوجہل نے یہاں پہونچ کر جشن کا ارادہ کیا تھا۔ اس کا امکان نہیں رہا۔ اب جنگ کا بہانہ اگر ہے تو صرف حضرمی کا خون ہے عرب کے دستور کے مطابق یہ ہو سکتا ہے کہ خون بہا دلوا دیا جائے اور جنگ کا قصہ ختم کیا جائے۔

حکیم بن حزام نے کچھ اور ساتھیوں سے بھی مشورہ کیا۔ سب نے اس کی تائید کی۔ پھر وہ "عتبہ بن ربیعہ" کے پاس آئے۔ عتبہ قریش کا سب سے بڑا سردار سب سے بڑا رئیس اور سب سے زیادہ عمر رسیدہ تھا۔ اس وقت فوج کا سپہ سالار وہی تھا۔ طبیعت (۳۳۸) کے لحاظ سے سنجیدہ اور امن پسند تھا۔ عمرو بن حضرمی کا حلیف تھا۔ عرب کے قاعدہ کے مطابق اگر کوئی حلیف اپنے پاس سے یا قاتل سے وصول کر کے خون بہا ادا کر دیتا تھا تو قصاص کا مطالبہ ختم ہو جاتا تھا۔

حکیم بن حزام نے عتبہ کے سامنے تجویز رکھی کہ عتبہ بحیثیت حلیف حضرمی کا خون بہا منظور کر لیں اور رقم اپنے پاس سے ادا کر دیں۔ اس میں ان کی نیک نامی ہو گی اور قوم قریش مصیبت سے بچ جائے گی۔

عتبہ بن ربیعہ نے بڑی خوشی سے یہ تجویز منظور کر لی اور وعدہ کر لیا کہ صرف خون بہا نہیں بلکہ عمرو بن حضرمی (مقتول) کا جو مالی نقصان ہوا تھا اس کی تلافی بھی کر دوں گا۔ لیکن ہیرو ابوجہل تھا زمام قیادت اسی کے ہاتھ میں تھی۔ اس کا متفق ہونا ضروری تھا۔ لہٰذا عتبہ نے حکیم بن حزام ہی کے سپرد کیا کہ وہ ابوجہل سے بات چیت کریں۔ اس وقت جو اجتماع وہاں ہو گیا تھا اس سے خطاب کرتے ہوئے عتبہ نے کہا۔

عزیزو! مجھے یہ یقین نہیں ہے کہ تم محمدؐ اور اس کے ساتھیوں کو نیست و نابود کر دو گے صرف یہی کر سکو گے کہ کچھ لوگوں کو مار ڈالو۔ لیکن غور کرو۔ وہ مرنے والے کون ہوں گے اگر وہ تمہارے ہی بھائی بند ہوئے تو ان کے رشتہ داروں کا سلوک تمہارے ساتھ کیا ہو گا۔ جس کے بھائی یا بیٹے کو تم مارو گے' اس کے عزیز جو تمہارے ہی ساتھیوں میں سے ہوں گے۔ تم سے ہمیشہ نفرت کیا کریں گے جب بھی تمہاری ملاقات ہوا کرے گی یہ احساس ان کے ذہن میں تازہ ہو جایا کرے گا کہ یہ میرے فلاں عزیز کا قاتل ہے۔ لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ جنگ ملتوی کر دو۔ حاضرین نے اس سے اتفاق کیا اب حکیم بن حزام ابوجہل کے پاس پہونچے۔ ابوجہل ترکش سے تیر نکال کر درست کر رہا تھا۔ عتبہ کا پیغام سنا تو غصہ سے آگ بگولا ہو گیا۔ اور بڑے طنز سے کہا۔ عتبہ کی ہمت ختم ہو گئی ہے اس کے حوصلہ نے جواب دیدیا ہے۔ اس کے پیٹ میں اس لیے مروڑ ہو رہا ہے کہ اس کا بیٹا (۳۳۹) مسلمان ہو چکا ہے۔ وہ محمدؐ کے ساتھ ہے کہیں مارا نہ جائے۔

پھر عمرو بن حضرمی کے بھائی عامر کو بلایا۔ اور اس سے کہا۔ تمہارے بھائی کا حلیف "عتبہ" تمہارے بھائی کے خون کا قصہ ختم کرنا چاہتا ہے۔ تم دیکھ رہے ہو "خون کا بدلہ خون" تمہارے سامنے ہے۔ مگر یہ موقع نکلا جا رہا ہے۔ اگر بھائی کا قصاص چاہتے ہو تو اٹھو اور اپنا مطالبہ لوگوں کے سامنے رکھو چنانچہ عرب کے دستور کے مطابق عامر نے کپڑے پھاڑ ڈالے اور گرد اڑا کر دہائی دینے لگا۔ وا عمراہ۔ واعمراہ (۳۴۰) اب کیا تھا۔ ساکن سمندر میں پھر طوفان آ گیا۔ عتبہ کو خبر پہونچی کہ ابوجہل نے یہ جواب دیا۔ تو ابوجہل کو گالی دے کر کہا۔ کل کو اگر جنگ ہوئی تو ابوجہل دیکھ لے گا کہ لڑائی سے کون جی چراتا ہے اور پیٹ میں مروڑ کس کے اٹھ رہا ہے۔ پھر جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ سر پر رکھنے کے لیے خود منگایا۔ مگر سر بڑا تھا خود چھوٹے تھے تو چادر ہی سر پر کس لی۔

قیام اور ترتیب میدان جنگ

اذ انتم بالعدوة الدنيا وهم بالعدوة القصوىٰ والركب اسفل منكم

العدوة الدنيا

یہ وہ دن تھا کہ تم ادھر قریب کے ناکے پر تھے۔ ادھر دشمن دور کے ناکے پر اور قافلہ تم سے نچلے حصہ میں تھا (سمندر کے کنارے جا رہا تھا)

وادی کے بیچ میں ریت کا ٹیلا ہے۔ قریش نے مکہ سے آ کر اس کے ایک جانب پڑاؤ ڈالا۔ یہ کنارہ مکہ کی طرف تھا۔ اس کو دور کا ناکا (العدوة القصوىٰ) فرمایا گیا ہے۔ دوسرا کنارہ وہ تھا جہاں سیدالانبیاء ﷺ نے اپنے قدسی صفات رفقاء کے ساتھ نزول فرمایا۔ مدینہ سے جاتے ہوئے یہ پہلے پڑتا تھا اس کو "العدوة الدنیا" قریب کا ناکا فرمایا گیا۔ یہ بدر کے اس طرف سب سے پہلا چشمہ تھا۔

حضرت خباب بن منذر بن جموح رضی اللہ عنہ نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا۔ کہ حضرت اقدس نے یہ جگہ کسی ربانی اشارہ سے منتخب فرمائی ہے یا جنگ کی مصلحت سے۔ ارشاد ہوا اتفاقی بات ہے وحی نہیں ہے۔ حضرت خباب نے عرض کیا کہ مجھے یہاں کے چشموں اور کنوؤں کا پورا علم ہے جہاں قریش کی فوج ہے اس کے قریب ایک چشمہ ہے۔ ہم آگے بڑھ کر اس چشمہ پر قبضہ کر لیں۔ وہاں ایک ایسا کنواں ہے جس کا پانی بہت شیریں ہے اور اتنا گہرا ہے کہ کبھی ٹوٹتا نہیں۔ ہم اس کے قریب حوض بنا کر اس میں پانی بھر لیں گے تاکہ سہولت رہے اور آس پاس کے کنوؤں کو بند کر دیں گے۔

کسی جماعت کو پانی سے محروم کر دینا رحمت عالم ﷺ کو گوارا نہیں تھا۔ مگر مصلحت جنگ کی بنا پر آپ نے حضرت خباب کی تجویز منظور فرمائی۔ (۳۴۱)

ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایک فرشتہ نازل ہوا اور اس نے بھی حضرت خباب کی تجویز کی تائید کی کہ

ارشاد ربانی یہی ہے۔ (۳۴۲)

چشموں پر قبضہ کر لینے سے تشنہ لبی کا خطرہ تو نہ رہا۔ لیکن پانی اتنا وافر نہ تھا کہ غسل وغیرہ کی ضرورتیں پوری ہو سکتیں۔ میدان کا ریت اور بھی زیادہ تکلیف دہ تھا۔ چلتے ہوئے پاؤں دھنستے تھے۔ دشمن سوار تھے اس کا کچھ نہ بگڑتا۔ مسلمان پیدل تھے ان کے پاؤں نہیں جم رہے تھے۔ کئی دن کے متواتر سفر سے خستگی چھائی ہوئی تھی۔ قدرتی طور پر ایک ذہنی کوفت بھی تھی کہ قافلہ نکل چکا اور ایک سخت معرکہ سامنے ہے ممکن تھا خلجان اور بڑھتا اور ہمتوں میں کوئی پستی نمودار ہو جاتی۔ لیکن جب ارادہ خداوندی یہ تھا کہ اس دن کو "یوم الفرقان" قرار دے' حق کو ثابت (۳۴۳) اور مستحکم کر دے اور دشمنان حق کا پیچھا کاٹ دے تو پھر فضل الٰہی اس طرح نمودار ہوا کہ بادل اٹھے اور زور کی بارش برس گئی۔ موسم نہایت خوشگوار ہو گیا ریت جم کر سخت ہو گیا۔ پاؤں دھنس جانے کا خطرہ جاتا رہا۔ صحابہ نے چھوٹے چھوٹے حوض بنا کر پانی جمع کر لیا۔ اطمینان سے نہائے دھوئے۔ صاف ستھرے ہو گئے۔ کوئی نہ تھا جو چست و چاق نہ ہو گیا ہو۔ پھر نیند ایسی آئی کہ رات بھر آنکھ نہ کھلی۔ تمام تھکان اور کسل جاتا رہا۔ ہر شخص تازہ دم ہو گیا یہ انعام خداوندی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسی فضل و کرم کا اظہار فرمایا ہے۔

اذ یغشیکم النعاس امنة منه وینزل علیکم (سورہ انفال' ع ۲)

جب ایسا ہوا تھا کہ اس نے (اللہ تعالیٰ نے) چھا جانے والی غنودگی تم پر طاری کر دی تھی کہ اس کی طرف سے یہ تمہارے لیے تسکین و بے خوفی کا سامان تھا اور آسمان سے تم پر پانی برسا دیا تھا کہ تمہیں پاک و صاف ہونے کا موقع دے اور تم سے شیطان (کے وسوسوں اور ذہنی کوفت) کی ناپاکی دور کر دے۔ نیز تمہارے دلوں کی ڈھارس بندھ جائے اور (ریتلے میدان میں تمہارے) قدم جما دے۔

یہ نیند یا غنودگی جس کا خاص طور سے کلام الٰہی میں تذکرہ ہے۔ غیر معمولی انعام تھا۔ معلوم ہے جس کے دل میں خوف اور خطرہ ہو وہ آرام سے سو نہیں سکتا۔ پس اس نیند کا طاری ہو جانا بے خوفی کا القاء تھا "امنة منه" یہ بے خوفی اور اطمینان من جانب اللہ تھا۔ (۳۴۴)

قرآن حکیم میں "النعاس" کا لفظ ہے۔ جس کے معنی غنودگی ہیں۔ اشارہ یہ ہے کہ اگرچہ آرام سوئے مگر چوکنا سوئے۔ کہ دشمن نقصان نہ پہنچا سکے۔

ایک چشم بیدار

حضرت علی رضی اللہ عنہ (۳۴۵) فرماتے ہیں۔ بارش سے ایسا سکون ہوا کہ سب کو نیند آ گئی۔ ہم میں سے

بھی تھا محو خواب تھا۔ مگر ایک ذات تھی سردار قافلہ کی ذات جو بیدار تھی۔ (وہی سب کی محافظ بھی تھی) سرتاج دو جہاں ﷺ ایک درخت کے نیچے رات بھریاد خدا میں مصروف رہے۔ چشم پرنم۔ دل پرسوز۔ گریہ طاری۔ زبان پر یاحی یاقیوم کا ورد۔ اسی حالت میں صبح ہو گئی۔ (۳۴۶) تو آپ ﷺ نے نماز صبح کے بعد تقریر فرمائی۔ لوگوں کو جہاد پر آمادہ کیا۔ (۳۴۷) (صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم)

بارش کا اثر دوسری جانب

قریش نے نشیبی حصہ پر قبضہ کیا تھا۔ وہاں ریت نہیں تھا۔ لیکن پانی کا بہاؤ اسی طرف تھا۔ بارش ہونے سے وہاں کیچڑ اور دلدل ہو گیا جس کی وجہ سے چلنا پھرنا مشکل ہو گیا

تیاری

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے رات ہی میں ہمیں تیار کر دیا تھا۔ (۳۴۸) کہ کون لوگ کہاں رہیں گے۔ حوصلہ افزائی کے لیے آپ نے تین پارٹیوں کے جھنڈے علیحدہ علیحدہ تین حضرات کو دیدیئے۔ مہاجرین کا علم حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمایا۔ خزرج کے علمبردار حضرت خباب بن منذر رضی اللہ عنہ اور اوس کے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ مقرر ہوئے۔ (رضوان اللہ علیہم اجمعین)

عریش نبوی کی حفاظت اسی دستہ نے اپنے ذمہ لی جس کے علمبردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ تھے۔ ایک عام ہدایت صادر فرمائی کہ جب تک دشمن قریب نہ آجائے تیر نہ چلاؤ۔ (۳۴۹) جنگ کے موقع پر آپس کی پہچان کے لیے الفاظ مقرر کر دیئے جاتے تھے ان کو شعار کہا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے مہاجرین کا شعار یا بنی عبدالرحمٰن مقرر فرمایا۔ خزرج کا یا بنی عبداللہ اوس کا یا بنی عبیداللہ اور عام صحابہ کا احد احد اور گھوڑے کا نام خیل اللہ تجویز فرمایا۔ (۳۵۰) اونٹوں کے گلوں میں گھونگرو اور تالیں پڑی ہوئی تھیں۔ ان کو کٹوا دیا۔ (۳۵۱) رمضان کا مہینہ تھا مگر آپ ﷺ نے حکم دیدیا تھا کہ افطار کرتے رہیں۔ (۳۵۲)

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے نماز صبح کے بعد آپ ﷺ نے تقریر فرمائی پھر صف بندی کا حکم دیدیا صفوف کی نگرانی خود آنحضرت ﷺ نے فرمائی۔ دست مبارک میں ایک تیر تھا۔ اس کے اشارہ سے صفیں درست فرما رہے تھے کہ کوئی شخص تل بھر آگے اور پیچھے نہ رہنے پائے۔ لڑائی میں شوروغل عام بات ہے لیکن منع فرما دیا تھا کہ کسی کے منہ سے آواز تک نہ نکلنے پائے۔

ایک زندہ دل کی ظرافت اور جذبہ شہادت

سواد بن غزیہ۔ کچھ آگے نکلے ہوئے تھے۔ آنحضرت ﷺ کا تیر جس سے آپ ﷺ اشارہ فرما رہے

تھے ان کے پیٹ پر لگ گیا۔ فوراً" دہائی دی۔ یارسول اللہ۔ آپ عدل و انصاف کے مرکز ہیں۔ آپ اگر زیادتی کا بدلہ نہ دیں تو انصاف کیسے قائم ہو سکتا ہے۔ آپ کا تیر میرے لگ گیا ہے۔ میں اس کا بدلہ لوں گا۔ آنحضرت ﷺ نے بدلہ لینے کی اجازت دی تو سوادؓ نے کہا کہ میرا پیٹ ننگا تھا۔ آپ بھی کرتہ ہٹائیے۔ تب انتقام صحیح ہو گا۔ آنحضرت ﷺ نے جیسے ہی پیراہن مبارک ہٹایا۔ حضرت سواد نے شکم مبارک پر لب رکھ دیئے اور عرض کیا۔ یارسول اللہ ہم یہاں قربان ہونے کے لیے حاضر ہیں۔ میری تمنا ہوئی کہ اس آخری وقت میں اس جسم حقیر کی چمڑی۔ جسد اطہر کی جلد پاک سے چھو جائے۔ یہ تمنا تھی۔ معاف فرمایئے محبت گستاخ (۳۵۳) ہو جاتی ہی سرور کائنات رحمتہ عالم ﷺ نے اس کو دعا دی۔

"صدق ووفا" ہمیں خدا کی مدد درکار ہے

مسلح دشمن کی تعداد تین گنی ہے۔ اپنی تعداد کم اور سامان اس سے بھی کم۔ ایسے موقع پر ایک دو آدمی کا اضافہ بھی بشارت عظیم تھا۔ لیکن اخلاقی قدریں اس وقت بھی واجب الاحترام تھیں۔ چنانچہ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ اور ان کے والد ابو حسین رضی اللہ عنہ کہیں سے آ رہے تھے۔ دشمنوں نے راستہ میں روک لیا کہ محمد کی مدد کو جا رہے ہو (ﷺ) انہوں نے جان چھڑانے کے لیے انکار کر دیا اور کہدیا کہ ہم مدینہ جا رہے ہیں۔ جنگ میں شرکت کے لیے نہیں جا رہے۔ انہوں نے اس کا وعدہ لیا تو انہوں نے وعدہ بھی کر لیا کہ ہم جنگ میں شریک نہ ہوں گے۔ پھر ان صاحبانؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر صورت حال عرض کی اور جہاد میں شرکت کی درخواست کی۔ ارشاد ہوا ہم ہر حال میں وعدہ وفا کریں گے۔ ہمیں صرف خدا کی مدد درکار ہے۔ (۳۵۴)

ہمیں کسی مشرک کی مدد درکار نہیں

ایک نامی گرامی بہادر جس کی زور آوری کی شہرت تھی حاضر خدمت ہوا کہ مسلمانوں کی مدد کروں گا۔ صحابہ کرام کو مسرت ہوئی۔ مگر آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ کیا آپ اللہ اور اس کے رسول کو مانتے ہیں۔ اس نے انکار کیا۔ ارشاد ہوا ہمیں کسی مشرک کی مدد کی ضرورت نہیں۔ یہ گفتگو حرۃ الوبرہ مقام پر ہوئی تھی۔ وہ واپس چلا گیا۔ پھر دوبارہ دوسرے مقام (الشجرہ) پر آیا اور یہی عرض کیا۔ آنحضرت ﷺ کا جواب وہی تھا۔ بیدار مقام پر تیسری مرتبہ حاضر خدمت ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے اب بھی یہی سوال کیا۔ تومن باللہ ورسولہ۔ (کیا اللہ اور رسول کو مانتے ہو) اس مرتبہ خوش بختی اور سعادت نے اس کی رہنمائی کی اور جواب دیا کہ مانتا ہوں۔ تب ارشاد ہوا۔ انطلق۔ ساتھ چل سکتے ہو۔ (۳۵۵)

عریش نبوی

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے تجویز پیش کی کہ ایک کنارے پر سائبان ڈال دیا جائے۔ آنحضرت ﷺ وہاں قیام فرمائیں۔ یہ تجویز منظور ہوئی۔ ایک ٹیلے پر جہاں سے پورا میدان سامنے تھا۔ (۳۵۶) ایک سائبان بنا دیا گیا۔ پھر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ انصار کی جماعت کے ساتھ پہرے پر کھڑے ہو گئے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا خیال تو یہ بھی تھا کہ اگر جنگ کا رخ ہمارے خلاف ہو تو آنحضرت ﷺ کو حفاظت کے ساتھ مدینہ طیبہ پہونچا دیا جائے۔ کیونکہ ایک بڑی تعداد بندگان خاص کی رہ گئی ہے جو ہر طرح کی خدمت انجام دے گی۔ اور اس وقت یہ لوگ صرف اس لیے نہیں آ سکے کہ ان کو یہ وہم بھی نہ تھا کہ جنگ پیش آ جائے گی۔ بہرحال حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا یہ مخلصانہ جذبہ قابل قدر تھا۔ آنحضرت ﷺ نے بھی اس جذبہ کی قدر کی۔ اس طرح گویا وہ اپنے اس عہد کی ذمہ داری پوری کرنا چاہتے تھے جو بیعت عقبہ میں کی تھی۔ لیکن وہ بہادر آقا جس نے احد میں روئے مبارک پر سب کچھ برداشت کیا۔ مگر رخ نہیں پلٹا اور غزوہ حنین میں جب ساتھیوں سے بچھڑ گیا تو "انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب" کا نعرہ لگاتا ہوا میدان میں کود پڑا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا یہ جذبہ اگرچہ مستحق شکریہ تھا۔ مگر اس آقا نامدار ﷺ کی افتاد طبع کے خلاف تھا۔ چنانچہ غزوہ بدر میں بھی جب گھمسان کی لڑائی ہونے لگی تو وہ سید الانبیاء ﷺ "عریش" میں نہیں بلکہ میدان میں تھے۔ (تفصیل آگے آ رہی ہے۔)

ساقی کوثر ﷺ کا فیض عام اور دشمن کی شرارت

پانی پر اگرچہ قبضہ کر لیا گیا تھا۔ مگر ساقی کوثر ﷺ کا فیض عام تھا اس لیے دشمنوں کو بھی پانی پینے کی اجازت تھی (۳۵۷) مگر دشمنوں کا منشا یہ تھا کہ پانی برباد کیا جائے۔ چنانچہ تیر برسانے شروع کر دیئے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حضرت مہجع' کے تیر لگا۔ (۳۵۸) وہ شہید ہو گئے۔ یہ اس معرکہ میں سب سے پہلے شہید تھے۔ "حارثہ بن سراقہ" (۳۵۹) پانی پینے جا رہے تھے ایک تیر ان کے لگا وہ بھی شہید ہو گئے۔

دشمن کی شرارت اور آگے بڑھی۔ اسود بن الاسد مخزومی جو ایک نہایت بدطینت اور بدخلق آدمی تھا۔ قسم کھا کر آیا کہ اس حوض کو تباہ کر دوں گا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس کو روکنے کے لیے آگے بڑھے تو اسود مقابلہ پر آ گیا۔ حضرت حمزہ نے تلوار کا جواب تلوار سے دیا۔ اسود کی ٹانگ پر تلوار لگی۔ لیکن وہ پھر بھی حوض کی طرف بڑھا تو حضرت حمزہ نے دوسری ضرب سے اس کا کام تمام کر دیا۔ یہ مشرکین کا سب سے پہلا قتیل تھا۔ (۳۶۰)

قریش کی طرف سے حق پرستی کی نمائش

قبیلہ غفار کے ایک رئیس (خفاف بن ایماء بن رمضہ یا ایماء ابن رمضہ) نے اپنے بیٹے کے ساتھ کچھ اونٹ ابوجہل کے پاس بھیجے اور یہ پیغام بھیجا کہ اگر اور مدد کی ضرورت ہو تو ہم اسلحہ بھی فراہم کر سکتے ہیں اور آدمی بھی ابوجہل نے اس رئیس کا شکریہ ادا کیا کہ آپ نے حق دوستی ادا کر دیا۔ باقی مزید کمک کے متعلق یہ جواب ہے کہ اگر معاملہ صرف انسانوں سے مقابلہ کا ہے تو ہماری طاقت بہت کافی ہے ہمیں کسی مدد کی ضرورت نہیں لیکن اگر معاملہ خدا سے مقابلہ کا ہے جیسا کہ "محمد (فداہ روحی)" کہتے ہیں تو خدا کے مقابلہ پر ہماری ہر ایک طاقت بیکار ہے۔

مبارزہ

هٰذٰانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ

یہ دو مقابل فریق ہیں۔ جو جھگڑتے ہیں اپنے رب میں۔ (۳۶۱)

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ اسود قتل ہوا تو عتبہ بن ربیعہ میدان میں آیا۔ عتبہ قریش کا رئیس اعظم (۳۶۲) فوج کا قائد اور آن بان کا آدمی تھا۔ ابوجہل کے طعنہ سے سخت برہم تھا اسی لیے سب سے پہلے وہی آیا اور اس شان سے آیا کہ سینہ پر شتر مرغ کے پر سج رہے تھے جو بڑے لوگوں کی امتیازی خصوصیت ہوا کرتے تھے۔ عتبہ کے ایک جانب اس کا بھائی شیبہ بن ربیعہ تھا دوسری جانب اس کا بیٹا ولید عرب کے دستور جنگ کے مطابق میدان میں نکل کر انہوں نے نعرہ لگایا ھل من مبارز۔ کس کی ہمت ہے جو مقابلہ پر آئے۔؟ تین بہادر انصاری فوراً" مقابلہ کو نکلے۔ عوف بن حارث۔ معاذ بن حارث اور عبداللہ بن رواحہ (رضی اللہ عنہم)

عتبہ نے ان صاحبان کا نام اور حسب نسب پوچھا اور جب یہ معلوم ہوا کہ یہ انصاری ہیں تو اس نے کہا۔ ہمیں آپ لوگوں سے غرض نہیں۔ ہمارے مقابلے پر ہمارے جوڑ کے ہمارے برادر آنے چاہیں پھر اس نے پکار کر کہا۔

محمد (ﷺ) ہمارے جوڑ کے بہادروں کو ہمارے مقابلہ پر بھیجو۔

عتبہ کا یہ مطالبہ سمع مبارک تک پہونچا تو ارشاد ہوا۔ عبیدہ بن حارث۔ حمزہ اور علی (رضی اللہ عنہم) میدان میں آئیں۔ یہ حضرات سپاہیانہ انداز میں آگے بڑھے۔ ہتھیار لگائے ہوئے۔ سر چھپائے ہوئے۔ چہرے نظر نہیں آتے تھے۔

عتبہ نے پوچھا۔ کون۔

ہر ایک نے اپنا نام خود بتایا۔ اب عتبہ نے کہا۔ ہمارا جوڑ یہ ہے۔

عتبہ حضرت حمزہ کے۔ ولید حضرت علی کے مقابلہ پر آیا۔ اور دونوں مارے گئے۔ عتبہ کے بھائی شیبہ نے حضرت عبیدہ کو زخمی کیا۔ حضرت علی نے بڑھ کر شیبہ کو قتل کر دیا۔ اور حضرت عبیدہ (رضی اللہ عنہ) کو کندھے پر اٹھا کر آقا دو جہان ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔

یہ آنحضرت ﷺ کے چچا زاد بھائی تھے۔ حارث بن عبدالمطلب کے بیٹے صحابہ کرام میں سب سے زیادہ سن رسیدہ (۳۶۳) ۔ سرور کائنات ﷺ نے ان کا سر زانوئے مبارک پر رکھ لیا۔ شہید عشق نے ناز برداری دیکھی تو عرض کرنے لگے۔ یارسول اللہ اگر آج ابو طالب زندہ ہوتے تو تسلیم کر لیتے کہ ان کے اس شعر کا مصداق میں ہوں۔

ونسلمه حتی نصرع دونه – ونذهل عن ابناء نا و الحلائل

ہم (محمد ﷺ کو) دشمن کے حوالے اسی صورت میں کر سکتے ہیں کہ ان کے گرد ہماری لاشیں پڑی ہوئی ہوں۔ بچے اور عورتیں سب فراموش ہوں۔

اس کے بعد بڑے مزے سے یہ شہید وفا دنیا سے رخصت ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

اشهد انک شهيد (میں شاہد ہوں کہ آپ شہید ہیں۔) (۳۶۴) زہے قسمت۔

بچہ ناز رفتہ باشد زجہان نیاز مندے
کہ بوقت جان سپردن بسرش رسیدہ باشی

عظیم الشان تاریخ کا عجیب و غریب عبرت آموز سبق

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا – فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَاءُ – اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ (آل عمران ع ۲)

بلاشبہ تمہارے لیے ان دو گروہوں میں بڑی نشانی تھی جو ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تھے۔

ایک گروہ لڑ رہا تھا راہ خدا میں اور دوسرا منکرین حق کا گروہ تھا

وہ ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ ان سے دو چند ہیں۔ (۳۶۵)

اور اللہ تعالیٰ جس کسی کو چاہتا ہے اپنی نصرت سے مدد پہونچاتا ہے۔
بیشک اس میں بڑی ہی عبرت ہے ان کے لیے جو چشم بینا رکھتے ہیں

وَاِذْ یُرِیْکُمُوْهُمْ اِذَا الْتَقَیْتُمْ فِیْٓ اَعْیُنِکُمْ قَلِیْلًا وَّیُقَلِّلُکُمْ فِیْٓ اَعْیُنِهِمْ لِیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا کَانَ مَفْعُوْلًا (انفال ع ۵)

اور جب تم دونوں فریق ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تھے اور اللہ نے ایسا کیا تھا کہ دشمن تمہاری نظر میں تھوڑے دکھائی دیئے (کیونکہ تمہارے دلوں میں ایمان و استقامت کی روح پیدا ہو گئی تھی) اور ان کی نظروں میں تم تھوڑی دکھائی دیئے (کیونکہ تعداد میں وہی زیادہ تھے) اور یہ اس لیے کیا تھا تاکہ جو بات ہونے والی تھی اسے کر دکھائے اور سارے کاموں کا دارو مدار اللہ کی ذات پر ہے۔

پہلے ہی مرحلہ میں قریش کا مایہ ناز رئیس عتبہ بن ربیعہ اپنے بھائی اور بیٹے کے ساتھ موت کے گھاٹ اتر گیا۔ (۳۶۶) یہ قریش کے لیے بہت سخت دھکا تھا۔ ان کے پاؤں اس دھکے سے اکھڑ سکتے تھے۔ مگر ابوجہل فوراً میدان میں نکلا اور پکار کر کہا۔ یہ لوگ (عتبہ وغیرہ) جلد بازی میں اپنی جانیں کھو بیٹھے تم گھبراؤ نہیں۔ آگے بڑھو۔ دشمن کی حقیقت کیا ہے۔ مٹھی بھر آدمی ہیں۔ انہیں پکڑو اور ان کو ان کے کرتوتوں کی سزا دو۔ یہ بھی کوئی بات نہ ہو گی کہ ان کو تلوار کے گھاٹ اتار دو۔ انہیں زندہ پکڑو اور پہاڑوں میں دھکیل دو۔ جہاں یہ زندگی بھر لاچار زندگی کی سزا بھگتتے رہیں۔ بھوکے پیاسے رہیں اور سسک سسک کر جان دیں۔ میں لات و عزیٰ کی قسم دیتا ہوں۔ انہیں بتا دو کہ لات و عزیٰ کو چھوڑ کر کس طرح ذلیل و خوار اور تباہ و برباد ہوئے۔ قسم ہے لات و عزیٰ کی میں انہیں ابھی ان کی کرتوتوں کا مزا چکھاتا ہوں۔ (۳۶۷)

وہ یہ تقریر کر رہا تھا اور بڑے زور میں یہ رجز پڑھ رہا تھا۔

ما نتقم الحرب الشموس منی باز ل عامین حدیث سنی لمثل هذا ولدتنی امی

دہشت انگیز لڑائیوں کو میری یہ بات ناگوار نہیں ہے کہ میں پختہ کار اور تجربہ کار نوجوان ہوں اسی جیسے معرکہ کے لیے ہی میری ماں نے مجھ کو جنا ہے۔

کبھی مذہب پرستوں کو متاثر کرنے کے لیے کہتا تھا اللهم اولانا بالحق فانصره۔ خداوند ہم میں سے جو حق کا زیادہ مستحق ہو اس کی مدد فرما۔ (۳۶۹)

ابوجہل کی گرج کامیاب رہی۔ قریش کے حوصلے پست نہیں ہوئے بلکہ وہ اسی حوصلہ کے ساتھ میدان میں ڈٹے ہوئے تھے۔ اپنے مقابل مسلمانوں پر جو فی الواقع کم تھے حقارت کی نظر ڈال رہے تھے۔ مسلمانوں

کے حوصلے ان کی پہلی کامیابی سے اگرچہ بلند ہوئے مگر وہ فی الواقع تھوڑے تھے اور یہ جذبات کا عجیب و غریب طوفان تھا جو دونوں طرف امنڈ رہا تھا۔ لیکن ایک خاص کیفیت نے مسلمانوں کو غیر مسلموں سے ممتاز کر دیا تھا نظر حقیقت پسند میں وہی کیفیت قابل قدر ہے اور وہی نشان صداقت ہے۔ اللہ کی کتاب نے اس کیفیت کی نشان دہی ان الفاظ میں کی ہے۔

اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّکُمْ (سورہ انفال ع ۱)

وہ وقت یاد کرو جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے۔

حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔

ضبح الصحابة بصنوف الدعاء الی رب الارض والسماء سامع الدعاء وکاشف البلاء (۳۷۰)

صحابہ کرام۔ اپنے اپنے انداز میں اس کی بارگاہ میں گڑگڑا رہے تھے جو رب ارض و سما ہے جو دعائیں سنتا اور مصیبت دور کرتا ہے۔

محبوب رب العالمین ﷺ کی بارگاہ احکم الحاکمین میں سجدہ ریزی اور گریہ و زاری

اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّکُمْ فَاسْتَجَابَ لَکُمْ اَنِّیْ مُمِدُّکُمْ بِاَلْفٍ مِنَ الْمَلٰئِکَةِ مُرْدِفِیْنَ (سورہ انفال)

لیکن ان کے سردار اور آقا۔ سرتاج دوجہان ﷺ کی شان سب سے نرالی تھی۔
وہی آقا جو کامیابی کی صرف بشارت ہی نہیں دے چکا تھا بلکہ یہ بھی بتا چکا تھا کہ کس کی نعش کہاں پڑی ہو گی اس کی حالت اس وقت یہ تھی کہ اپنے "عریش" میں قبلہ رو سربسجود تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ (۳۷۱) فرماتے ہیں۔ میں کئی بار عریش میں گیا۔ میں نے ہر مرتبہ یہی دیکھا کہ رحمت عالم ﷺ سربسجود ہیں یاحی یاقیوم زبان مبارک پر ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (۳۷۲) فرماتے ہیں۔ میں نے اس عاجزی اور زاری کے ساتھ کبھی کسی کو دعا کرتے نہیں دیکھا۔ جس طرح آپ دعا کر رہے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ (۳۷۳) فرماتے ہیں جیسے ہی سرور کائنات ﷺ کے سامنے یہ منظر آیا کہ ایک طرف آپ کے مٹھی بھر ساتھی ہیں۔ کمزور بے بس۔ تہی دست و تہی شکم۔ برہنہ بدن۔ برہنہ پا۔ دوسری طرف دشمن ہے کہ تعداد میں سہ چند۔ ہر طرح کا سامان انکے پاس موجود۔ ہر طرح کی سہولت اس کو

حاصل ہے۔ ان میں ہر ایک نفر چنیدہ بہادر ہے۔ ایسا مسلح گویا فولاد میں غرق۔ جیسے ہی میدان جنگ کا یہ منظر سامنے آیا۔ سردار دو عالم (فداہ نفسی) مصروف دعا ہو گئے۔ کبھی آپ سجدہ کرتے۔ کبھی ہاتھ پھیلا کر دعا مانگتے۔ محویت کا یہ عالم تھا کہ چادر شانہ مبارک سے ڈھل جاتی تھی اور آپ کو خبر نہیں ہوتی تھی۔ کبھی آپ فرماتے۔ خداوندا یہ مٹھی بھر جماعت اگر آج ختم ہو گئی تو کرہ زمین سے تیری عبادت کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ پھر قیامت تک تیرا سچا پرستار کوئی نہیں ہو گا۔ (۳۷۴)

دیر ہو گئی۔ تضرع اور زاری کی یہی کیفیت طاری رہی۔ تو وہی رفیق خاص جو غار ثور میں ثانی اثنین تھے اور اس عریش میں سایہ کی طرح ساتھ تھے (۳۷۵)۔ آگے بڑھے اور عرض کیا۔ یارسول اللہ۔ دعا بہت ہو چکی۔ اپنے خدا سے آپ کافی التجا کر چکے۔ آپ کی دعا یقیناً" قبول ہو گی۔ اب آپ باہر تشریف لے چلئے ادھر خود محبوب رب العالمین ﷺ نے قبولیت دعا کے آثار مشاہدہ فرمائے۔ یہ بھی روایت (۳۷۶) ہے کہ اس حالت میں کچھ غنودگی طاری ہو گئی۔ اس میں خاص بشارت ہوئی۔ اب سیدالانبیاء کی ہمت بے پناہ تھی۔ یقین ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کا رابطہ اپنے رب سے مضبوط ہے اور رب اکبر کی نصرت ان کے شامل حال ہے۔ چنانچہ آپ میدان کی طرف بڑھے۔ زرہ (۳۷۷) جسم مبارک پر ڈھلک رہی تھی۔ زبان پر وہی آیت تھی۔ جو چند سال پہلے مکہ معظمہ میں نازل ہو چکی تھی جب کہ نہ میدان جنگ کا تصور تھا نہ دشمن کی ہزیمت کا۔ مگر ارشاد یہ ہوا تھا۔

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ عنقریب اس گروہ کی شکست ہو گی اور یہ پشت پھیر کر بھاگیں گے۔

یہ آیت پڑھتے ہوئے آپ دشمنوں میں گھس گئے۔ آقا کے ساتھ ساتھ ان کے جانباز رفقاء بھی ٹوٹ پڑے۔ گھمسان کا رن پڑنے لگا۔ (۳۷۸)

رحمت عالم ﷺ نے اگرچہ ہمیشہ اس سے احتیاط برتی کہ آپ کی تلوار کسی کے خون سے رنگین ہو۔ آپ فرمایا (۳۷۹) کرتے تھے کہ خدا کا غضب سب سے زیادہ اس پر ہوتا ہے جو نبی کے ہاتھ سے مارا جائے۔ آپ اپنے ہاتھ سے کسی کو بدبخت بنانا پسند نہیں فرماتے تھے۔ لیکن صحابہ کرام نے ہمیشہ ہمیشہ یہ بھی دیکھا کہ خاص گھمسان کے وقت آپ دشمن کے نرغہ میں ایک چٹان کی طرح جمے ہوئے اپنے جان نثاروں کے "پناہ گاہ" بنے رہتے (۳۸۰) تھے۔

اس غزوہ کے متعلق بھی سیدنا حضرت علی ؓ کی شہادت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ دشمن سے بہت قریب ہم سب کی پناہ بنے ہوئے تھے ابوبکر صدیق ؓ آپ کے برابر تھے دشمن نرغہ کرتا تو ہم آپ کی آڑ لیتے تھے۔ (۳۸۱)

مقابلہ پوری شدت سے شروع ہوا۔ بہادر داد شجاعت دینے کے لیے آگے بڑھے لیکن تھوڑی ہی دیر بعد صحابہ کرام نے ایک عجیب بات دیکھی جس کی ان کو ہمیشہ حیرت رہی۔ وہی دشمن جن کو اپنی قوت پر ناز

تھا۔ دفعتہ" وہ اپنی طاقت کھو چکے تھے۔ وہ گردنیں جو غرور سے اکڑی ہوئی تھیں مولی گاجر کی طرح کٹ رہی تھیں۔ وہ فیل تن جو کئی کئی کے قابو میں نہیں آتے۔ ایک کمزور صحابی اس کی مشکیں کس رہا تھا اور وہ فیلتن دم بخود تھا۔

مقابلہ کے بعد جب بادل چھٹا تو ستر دشمن زمین پر ڈھیر تھے۔ ستر گرفتار۔ باقی فرار اور مسلمان صرف ۱۴ شہید۔ مختصر یہ کہ وہ دعا تھی اور یہ قبولیت دعا اب کلام اللہ کی چند آیتوں میں روداد جنگ مطالعہ کیجئے۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ
فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ (انفال ع ۱)
وَاِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ- فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ- وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ- ذٰلِكُمْ بِاَنَّهُمْ شَاقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ- وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ- ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ (انفال ع ۲)

جب ایسا ہوا تھا۔ تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے (کہ ہماری مدد کر)
اس نے تمہاری فریاد سن لی تھی (اور بتا دیا تھا) کہ میں ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا۔
یہ وہ وقت تھا کہ تیرے رب نے فرشتوں پر وحی کی تھی میں تمہارے ساتھ ہوں پس مومنوں کو جمائے رکھو
(ابھی ابھی) ایسا ہو گا کہ میں کافروں کے دلوں میں ہیبت ڈال دوں گا۔
(سو مسلمانو) ان کی گردنوں پر ضرب لگاؤ ان کے ہاتھ پاؤں کی ایک ایک انگلی پر ضرب لگاؤ (تمہیں پوری طرح قابو حاصل ہو گا)
یہ اس بنا پر کہ ان کافروں نے اللہ اور اس کے رسول کی سخت سے سخت مخالفت کی۔
اور جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا تو (یاد رکھو) اللہ کی سزا سخت ہوتی ہے۔
(حق کے دشمنو) یہ ہے سزا تمہاری۔ اس کو چکھو۔ اور (سمجھ لو) کہ منکرین حق کو آتش دوزخ کا عذاب بھی ملنے والا ہے۔

عجیب و غریب معاملات

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ (سورہ انفال)

تم نے ان کو قتل نہیں کیا۔ بلکہ اللہ نے ان کو قتل کیا۔ کیا آپ کو حیرت نہیں ہوئی۔ جو سید الانبیاء۔ ایک دن پہلے بتا چکا تھا کہ ابوجہل یہاں مردہ پڑا ہو گا۔ اور عتبہ کی لاش وہاں ہو گی۔ وغیرہ وغیرہ۔

آج جب میدان جنگ گرم ہونے والا ہے۔ وہ ایک جھونپڑی میں زمین پر پیشانی رکھے ہوئے کس طرح گڑگڑا رہا ہے۔

بلاشبہ مقام حیرت ہے۔ مگر یہ معاملہ ہے ان کا جو حقیقت شناس ہیں۔ جو خدا شناس ہیں جو صحیح معرفت رکھتے ہیں۔ جو خدا کو پہچانتے ہیں۔ اس کی عظمت کو پہچانتے ہیں۔ اس کی بے نیازی کو جانتے ہیں۔ بلاشبہ وہ صادق الوعد ہے۔ مگر وہ قادر ذوالجلال بھی ہے۔ وہ فعال لما یرید۔ ہے۔

بلاشبہ وہ کریم کار ساز ہے۔ وہ غفار وستار ہے۔ مگر وہ چاہے تو معمولی غلطی پر بڑے سے بڑے مقرب کی سخت سے سخت گرفت کر سکتا ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس کے سامنے دم مار سکے۔ لا یسئل عما یفعل۔ وہ جو کچھ کرے اس سے باز پرس نہیں کی جا سکتی۔ کوئی نہیں جو اس سے جواب طلب کر سکے۔

اچھا اب آپ خود اپنے ایمان کے اہم جزو پر غور فرمائیے۔

کلمہ شہادت ہمارے ایمان کا مدار ہے۔

اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا عبده و رسوله

محمد رسول اللہ بلاشبہ حبیب خدا ہیں۔ محبوب رب العالمین ہیں۔ سید الانبیاء ہیں۔ فخر موجودات ہیں۔ صاحب لولاک ہیں۔ لیکن کلمہ شہادت میں ان اوصاف و کمالات میں سے کسی کا ذکر نہیں ہے۔ ذکر ہے تو صرف "عبد" کا۔ اور پوری کائنات میں۔ انبیاء مرسلین کی پوری تاریخ میں۔ معراج کی سب سے بڑی فضیلت اس نزہت فرماء عرش بریں کو عطا ہوئی اور قرآن حکیم میں اس کا ذکر کیا گیا تو وہاں بھی آپ کے تذکرہ کے لیے لفظ عبد ہی استعمال فرمایا جا رہا ہے۔ سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ

حقیقت یہ ہے کہ خالق ذوالجلال کے مقابلہ میں مخلوق کی سب سے اعلیٰ صفت "عبدیت" ہے یعنی خود اپنی حقیقت کی معرفت۔ وہ مخلوق جو ایک امر کن کی مرہون منت ہے' خالق کے مقابلہ میں کیا اس کی بھی کوئی حقیقت ہے؟ کیا اس کی بھی مجال ہے کہ وہ اپنی کوئی حقیقت سمجھے۔ اور اس کو نظر میں لائے۔ مخلوق کا سب سے اعلیٰ کمال یہ ہے کہ وہ اپنی اسی حقیقت کو پہچانے کہ وہ بے حقیقت ہے عبد کامل وہ ہے جس کی نظر سے اپنی یہ حقیقت بے حقیقت کبھی بھی اوجھل نہ ہو۔ محض سخن سازی اور عبارت آرائی یا واعظانہ فلسفہ سنجی کی حد تک نہیں بلکہ اس طرح کہ یہ اس کا اذعان و یقین ہو اور وہ اس اذعان و یقین سے ایسا ہی متاثر ہو جیسے برف کی ٹھنڈک یا آگ کی تپش سے ہمارا جسم متاثر ہوتا ہے یا دل کی بڑھی ہوئی دھڑکن سے بدن کا ایک ایک جوڑ لرزنے لگتا ہے۔

اب جب آپ اس عریش مقدس میں سرور کائنات ﷺ کی سجدہ ریزی اور تضرع و زاری پر نظر ڈالیں

تو اس پر بھی نظر ڈالیں کہ سید المرسلین کا وہ کمال نقطہ عروج پر ہے جس کا نام "عبدیت کاملہ" ہے جس نے اس کو سید المرسلین بنایا۔ امام الانبیاء بنایا۔ صاحب معراج بنایا۔ جس نے چند سال پہلے عرش بریں پر رب العالمین سے وہ مناجات کی تھی جس کا ظہور قیامت تک کروڑوں اربوں بندگان حق پرست کی نمازوں کی شکل میں ہوتا رہے گا۔

اس عبد کامل کی کمال عبدیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ معبود حقیقی نے تمام معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ فرشتوں کو مامور فرمایا کہ مسلمانوں کے حوصلے بلند کریں۔ ثبات و استقلال کے انجکشن سے ان کے دلوں کو مضبوط کریں۔ دوسری طرف کافروں کے دلوں سے حوصلے سلب کیے۔ انہیں مرعوب کیا۔

اپنے نبی کو اشارہ فرمایا کہ گولہ بارود کا کام مٹی کے ریزوں سے لیں۔ ایک مٹھی اٹھا کر دشمنوں کی طرف پھینک دیں۔ ہر ایک کی آنکھ گرد آلود ہو جائے گی۔ اشک آور گیس کا کام مشت خاک سے لیا جائے گا۔

چنانچہ محبوب رب العالمین (ﷺ) نے کنکریوں کی ایک مٹھی لی اور دشمن کی طرف پھینک دی زبان مبارک سے صادر ہوا "شاھت الوجوہ" اب لشکر قریش کے ہر فرد کی آنکھ خاک آلود تھی اور دل ہیبت زدہ۔ مقابلہ پھر بھی ہوا۔ تلواریں پھر بھی چلیں۔ مگر اس کی نوعیت ایسی تھی کہ جو کمزور تھے وہ طاقتور تھے۔ اور طاقتور گویا مجروح تھے۔ اقلیت کا اقدام دلیرانہ تھا۔ اور اکثریت کا جواب حرکت مذبوحانہ۔ ابوجہل نے جن کو کہا تھا کہ ان مٹھی بھر مسلمانوں کو گرفتار کر لیں' وہ خود پابند سلاسل تھے۔

ذیل کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اسی احسان عظیم کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۔ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۔

پھر کیا تم نے جنگ میں انہیں قتل کیا (نہیں) خدا نے انہیں قتل کیا (محض اس کی تائید سے ایسا ہوا)

(اے پیغمبر) تم نے جب (میدان جنگ میں مٹھی بھر خاک) پھینکی تو حقیقت یہ ہے کہ وہ تم نے نہیں پھینکی تھی خدا نے پھینکی تھی۔

وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ۔ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (سورہ انفال ع ۲)

اور یہ اس لیے ہوا تھا تاکہ ایمان والوں کو ایک آزمائش میں ڈال کر ان پر احسان عظیم فرمائے بیشک اللہ سننے والا اور علم رکھنے والا ہے۔

ولیبلی المومنین منه بلاء حسنا"

(تاکہ اس (۳۸۲) کے ذریعہ ایمان والوں کو بہتر آزمائش میں ڈال کر آزمالے)

جس طرح حق پرستوں کے حق میں اللہ تعالیٰ کا یہ انعام تاریخ عالم کا عجیب واقعہ ہے ایسے ہی حق پرستوں کا ایثار بھی فدائیت اور فنائی الحق کی تاریخ میں سب سے زیادہ حیرت انگیز کارنامہ ہے اس سے زیادہ ایثار کیا ہو سکتا ہے کہ خود اپنے عزیز و قریب اپنے جگر کے ٹکڑے سامنے ہیں اور تلواریں ان کے مقابلہ کے لیے اٹھ رہی ہیں۔

حضرت ابوبکر کے لخت جگر "عبدالرحمٰن" نے میدان میں نکل کر آواز دی ھل من مبارز (میرے مقابلہ کے لیے کون آتا ہے) تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تلوار سونت کر مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے۔ (۳۸۳)

عتبہ میدان میں آیا تو ان کے فرزند "ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ" (۳۸۴) اس کے مقابلے کو نکلنے (۳۸۵) لگے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تلوار ماموں کے خون (۳۸۶) سے رنگین تھی۔

حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے والد نے بیٹے پر حملہ کیا۔ بیٹے نے مدافعت کی تو بیٹے کی تلوار سے باپ مقتول تھا۔ (۳۸۷)

حضرت عوف بن حارث رضی اللہ عنہ نے مسئلہ پوچھا۔ یارسول اللہ۔ اللہ تعالیٰ کس بات سے خوش ہوتا ہے ارشاد ہوا۔ غمسہ یدہ فی العدو حاسرا" (یعنی کپڑے اتار کر دشمن سے گتھ جاؤ۔ یہ ہے رب ذوالجلال کی خوشنودی کا ذریعہ) حضرت عوف کے بدن پر زرہ تھی۔ یہ سنا تو اس کو بھی گوارا نہیں کیا کپڑوں کے ساتھ زرہ بھی اتار دی۔ پھر تلوار لے کر دشمنوں کے جتھے میں گھس گئے اور جان قربان کر دی۔ (۳۸۸)

مشرکین کا ہجوم ہوا تو لسان مبارک سے یہ جملے صادر ہوئے۔

قوموا الی جنة عرضها السموات والارض

(او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم)

لوگو جنت کے لیے اٹھ کھڑے ہو۔ (جو اتنی وسیع ہے کہ) آسمان و زمین اس کا عرض ہیں۔

ایک انصاری جانباز عمیر بن حمام کے کانوں میں یہ الفاظ پڑے تو کہنے لگے بخ بخ۔ خوب خوب۔ پھر عرض کیا۔ اگر میں جان دیدوں تو کیا یہ جنت نصیب ہو گی؟ ارشاد ہوا ضرور حضرت عمیر نے جھولے سے کچھ کھجور نکالے کہ پیٹ میں سہارا لے کر حملہ کریں گے۔ لیکن دفعتہ" خیال آیا کہ ان کے چبانے اور

نکلنے میں تو دیر لگ جائے گی۔ داخل جنت ہونے میں دیر کیوں کی جائے چھوارے پھینکے۔ تلوار سنبھالی اور دشمنوں کی صف میں گھس گئے۔ تابڑ توڑ حملہ کرتے ہوئے خود اپنی جان بھی دیدی۔ یعنی خاتمہ جنگ سے پہلے ہی اپنی مراد میں کامیاب ہو گئے۔ چھوارے پھینک کر تلوار سنبھالی تو لوگوں نے سنا ان کی زبان پر یہ رجز تھا۔

رکضا الی اللہ بغیر زاد الا التقی وعمل المعاد والصبرفی اللہ علی الجہاد وکل زاد عرضۃ النفاد غیر التقی والبر والرشاد رضی اللہ عنہ

کوئی توشہ نہیں ہے۔ خدا کی طرف دوڑ رہا ہوں ہاں توشہ ہے۔ خوف خدا۔ اور وہ کام جو آخرت کے لیے کیے گئے۔ اور راہ خدا میں جہاد کرتے ہوئے صبرو استقلال۔ جو بھی توشہ ہے ختم ہونے کے لیے ہے۔ باقی رہنے والا توشہ یہ ہے۔ تقویٰ۔ نیکی اور ہدایت (ابن جریر۔ سیرۃ حلبیہ ص ۱۸۵)

ایک جانباز مہاجر معبد بن وہب تھے ؓ۔ انہوں نے دونوں ہاتھوں میں تلواریں لے رکھی تھیں اور دو طرفہ حملہ کر رہے تھے۔ یہ ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہ کے بہنوئی تھے۔

نصرت خداوندی اور امداد غیبی کی صورتیں اور مشاہدہ آثار

(۱) ۔ تعلیمات قرآنی کا مرکزی نقطہ ہے۔ سعی کامل۔ اور اعتماد علی اللہ۔

سعی کامل۔ یعنی اپنی تمام صلاحیتوں کو لگا دینا اور مصروف عمل کر دینا۔ جہاد کہلاتا ہے۔ انسان کا فرض یہی ہے۔ لیکن سعی کامل کے لیے کامیابی ضروری نہیں۔ کامیاب کرنا خدا کا کام ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے صرف اعتقاد نہیں۔ ایک منکر' خدا سے انکار کر سکتا ہے۔ مگر اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ جس طرح وہ سعی اور جدوجہد پر قادر ہے۔ اسی طرح کامیابی اس کے قابو کی چیز نہیں ہے۔ ایک ماہر اور تجربہ کار ڈاکٹر سب کچھ کرنے کے باوجود بسا اوقات ناکام رہتا ہے اور مریض کو موت کے پنجہ سے نہیں چھڑا سکتا ایک مومن کا فرض ہے کہ اس حقیقت کو اپنے اذعان و یقین کا محور بنا لے۔ یعنی اپنی آخری اور انتہائی کوشش کے باوجود۔ نظر اپنی کوشش پر نہ رکھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر رکھے۔

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْم ۔

۲ ۔ بلاشبہ۔ اللہ تعالیٰ صرف امر "کن" سے ناکام کو کامیاب اور کامیاب کو ناکام بنا سکتا ہے وہ ایک معمولی اشارے سے قوموں کی قسمتیں پلٹ سکتا ہے۔ مگر اس عالم

اسباب میں وہ ایسا نہیں کرتا۔ بلکہ وہ قوموں کو آزماتا ہے۔ صلاحیتوں کا موازنہ کرتا ہے۔ اور عمل اور صلاحیت کے معیار پر نتائج سے بہرہ ور کرتا ہے۔

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ

تاکہ جسے ہلاک ہونا ہے وہ اتمام حجت کے بعد ہلاک ہو اور جو زندہ رہنے والا ہے وہ اس طرح رہے کہ اس کے پاس زندگی کی دلیل اور اپنے باقی رہنے کی حجت موجود ہو۔

۳ - عمل اور صلاحیت کے معیار پر جو قوم صحیح ثابت ہوتی ہے اس کو کامیابی بخشتا ہے مگر یہ بھی امر "کن" سے نہیں۔ بلکہ یہ کامیابی بھی ذرائع اور اسباب کے راستے ہی سے عطا کرتا ہے۔

۴ - کلام الٰہی مختلف عنوانوں سے یہ بھی واضح کرتا ہے کہ عالم صرف ایک نہیں بلکہ بہت سے عالم ہیں اور ذرائع اور اسباب صرف وہی نہیں جو ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ جن کو ہم روز مرہ کی زندگی میں ذرائع اور اسباب مانتے ہیں بلکہ ذرائع اور اسباب کچھ اور بھی ہیں۔ اگر ہم ان کو دیکھ نہیں سکتے تو ہمارے لیے درست نہیں ہے کہ ہم ان کے وجود کا صرف اس لیے انکار کر دیں کہ وہ ہمیں نظر نہیں آتے۔

ملیریا کے جراثیم اگر ہمیں نظر نہیں آتے اور اگر اطباء اور حکماء قدیم ان سے ناواقف تھے تو یہ کسی طرح درست نہیں ہے کہ ہم اس جہل اور ناواقفیت کو ہمیشہ کے لیے علم قرار دیں۔ اور جراثیم جیسی حقیقت کے تسلیم کرنے میں پس و پیش کریں۔

۵ - حق اور باطل۔ خیر اور شر۔ نتائج ہوتے ہیں' ان نتائج کے لیے جس طرح ظاہری اسباب ہیں اور جس طرح ظاہری اسباب کے لشکر ہیں۔ اسی طرح باطنی اسباب کے بھی لشکر اور ان کے بھی جنود مجندہ ہیں۔

۶ - یہ غزوہ بدر، جو یوم الفرقان تھا۔ اس میں جس طرح حق اور باطل کے ظاہری علم بردار ٹکرائے اسی طرح ان کے باطنی اسباب و ذرائع اور ان کے حاملین و عوامل میں بھی تصادم ہوا۔

۷ - وہ پوشیدہ طاقتیں جو باطل کی مددگار ہوا کرتی ہیں جن کی قیادت شیطان کرتا ہے۔ اپنے ہمنواؤں کی امداد کے لیے میدان میں آئیں۔ مکہ میں جب قافلہ لوٹنے کی افواہ پھیلی اور قریش نے جنگ کی تیاری کی تو اس شیطان نے اپنے ہمنواؤں اور ہم جنسوں کو اطمینان دلایا تھا۔

لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ (سورہ انفال ع ۶)

آج ان لوگوں میں کوئی نہیں جو تم پر غالب آسکے اور میں تمہارا پشت پناہ ہوں۔

لیکن ان کا حشر یہ ہوا کہ۔

فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتَانِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَالَا تَرَوْنَ (انفال ع ٦)

جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو (شیطان) الٹے پاؤں واپس ہوا اور کہنے لگا مجھے تم سے سروکار نہیں مجھے وہ بات دکھائی دے رہی ہے جو تم نہیں دیکھتے۔ (۳۸۹)

۸ - لیکن ان کے مقابلہ میں خیر اور حق کی طاقتیں نہ صرف اپنے کاموں میں مشغول رہیں بلکہ وہ سب کچھ کرتی رہیں جو ایک حق پرست جماعت اپنی کامیابی کے لیے کر سکتی ہے۔ نصوص قرآنی میں ان کی تصریحات یہ ہیں۔

(الف) جب اہل حق نے اپنے رب سے مدد کی دہائی دی اور ان کی دعا قبول ہوئی تو ایک ہزار ملائک یکے بعد دیگرے ان کی مدد کے لیے بھیجے گئے اور رسول خدا ﷺ کے ذریعہ اس کی اطلاع دیدی گئی۔

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ (سورہ انفال ع

یہ صرف اس لیے کہ مسلمانوں کو بشارت ہو ان کے دل مطمئن ہوں۔

(ب) جماعت ملائک کو بتا دیا گیا کہ

اِنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

میں (رب العالمین) تمہارے ساتھ ہوں تمہارا کام یہ ہے کہ اہل ایمان کو جمائے رکھو۔

یعنی مقابلہ پر جمنا اور ثابت قدم رہنا مسلمانوں کا فرض تھا ان ملائک کے سپرد یہ ہوا کہ وہ باطنی طور پر ایسا تصرف کرتے رہیں (آج کل کی اصطلاح میں روحانی طور پر ایسا انجکشن لگاتے رہیں کہ ان کے دل مضبوط رہیں اور ان کے قدموں میں جنبش نہ آئے۔

(ج) علماء کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ یہ حکم بھی فرشتوں ہی کو دیا گیا تھا۔

فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ (سورہ انفال ع ۲)

ان کی گردنوں پر ضرب لگاؤ اور ہاتھ پاؤں کی ایک ایک انگلی پر

مندرجہ ذیل روایتیں اس کی تائید کرتی ہیں۔

سہل بن حنیف ؓ بیان فرماتے ہیں۔ بدر کے دن کچھ ایسا تھا کہ ہم حملہ کے لیے تلوار اٹھاتے تھے اور اس سے پہلے کہ تلوار مشرک کی گردن تک پہونچے اس کا سر جسم سے الگ ہو کر گر پڑتا تھا۔ (۳۹۰)

ابو واقد لیثی ؓ خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر میں میں ایک مشرک کا تعاقب کر رہا تھا ابھی میری تلوار اس تک نہیں پہونچی تھی کہ اس کی گردن جسم سے الگ جا پڑی۔ میں نے محسوس کیا کہ میرے سوا کسی اور نے اس کو قتل کیا ہے۔ (۳۹۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے غزوہ بدر کے ایک مجاہد نے بیان کیا کہ ایک مشرک آگے تھا۔ میں اس کے پیچھے دوڑ رہا تھا کہ مجھے ایسی آواز آئی کہ کسی نے زور سے کوڑا مارا ہے۔ ساتھ ہی یہ آواز بھی کانوں میں پڑی "اقدم خیزوم" خیزوم آگے بڑھ۔ اب دیکھا تو یہ مشرک چت پڑا ہوا تھا اور اس کی ناک بیٹھ گئی تھی۔ چہرہ پھٹ گیا تھا جیسے کوڑا لگا ہو اور رنگ نیلا پڑ گیا تھا۔ (۳۹۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے قبیلہ غفار کے ایک شخص نے بیان کیا کہ غزوہ بدر کے روز میں اور میرا ایک چچا زاد بھائی اپنے گھر سے آئے اور ایک پہاڑ پر بیٹھ گئے تھے۔ ہمارا ارادہ یہ تھا کہ جس فریق کو شکست ہو گی جب وہ بھاگیں گے تو ہم ان کا سامان لوٹیں گے۔ ہم وہاں بیٹھے تھے کہ بادل کا ایک ٹکڑا نمودار ہوا۔ جب وہ پہاڑ کے قریب ہوا تو ہم نے گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سنی۔ ساتھ ہی ایک گھوڑے سوار کی کرخت آواز سنی "اقدم خیزوم" آواز ایسی ہیبت ناک تھی کہ فوراً" میرے بھائی کا دل بیٹھ گیا اور وہیں مر گیا۔ میں بھی موت کے کنارے پہونچ گیا تھا۔ پھر کسی طرح زندہ رہ گیا۔ (۳۹۳)

حضرت ربیع بن انس فرماتے ہیں۔ غزوہ بدر کے مقتولین میں ایسے بھی تھے جن کی گردنوں اور بدن کے جوڑوں پر ایسے نشان تھے جیسے آگ سے جل گئے ہوں۔ جن کو مجاہدین نے قتل کیا تھا۔ (۳۹۴) ان میں یہ بات نہیں تھی' یہ مجاہدین اور ملائک کے مقتولین کے درمیان ایک امتیازی نشان تھا۔

حضرت ابوبردہ بن نیار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ بدر کے بعد تین آدمیوں کے سر میں نے آنحضرت ﷺ کے سامنے لا کر رکھے اور عرض کیا یارسول اللہ ان دو کو میں نے قتل کیا ہے اس تیسرے شخص کو ایک دراز قامت سفید رنگ کے انسان نے قتل کیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ یہ انسان نہیں تھا۔ فرشتہ تھا۔ (۳۹۵)

حضرت عباس ڈیل ڈول کے آدمی تھے ایک لاغر جسم پستہ قد انصاری ابوالیسر کعب بن عمر نے پکڑ کر ان کی مشکیں کس دیں۔ اس پر سب کو تعجب ہوتا تھا۔ بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ابوالیسر کو عباس مٹھی میں بند کر سکتے تھے۔ (۳۹۶) آنحضرت ﷺ نے ابوالیسر سے دریافت کیا تم نے عباس کو کیسے گرفتار کر لیا۔ ابوالیسر نے عرض کیا۔ یارسول اللہ ایک شخص نے میری مدد کی ہے وہ ایک اجنبی تھا نہ میں نے پہلے کبھی اس کو دیکھا تھا نہ بعد میں وہ نظر پڑا۔ فرمایا۔ فرشتہ نے تمہاری مدد کی (۳۹۷) خود حضرت عباس فرمایا کرتے تھے کہ مجھے جس نے گرفتار کیا وہ ایک کشادہ پیشانی حسین و جمیل آدمی تھا (۳۹۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ غزوہ بدر کی خصوصیت ہے کہ فرشتوں نے بھی قتال میں حصہ لیا۔ بدر کے علاوہ دیگر غزوات میں فرشتے عدد اور مدد رہے کہ ان کی آمد سے مجاہدین کے حوصلے بلند ہوئے۔ ان کی ہمتیں بڑھیں۔ (۳۹۹)

۹ - فرشتوں کو حکم ہوا کہ مسلمانوں کو جمائے رکھیں۔ ان کے حوصلے بڑھائیں اور حضرت حق جل

مجدہ نے خود اپنے متعلق ارشاد فرمایا۔

سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ

میں ڈال دوں گا کافروں کے دلوں میں دہشت

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحبؒ فرماتے ہیں۔ کافروں کے دل قابل نہیں فرشتوں کے الہام کے سو رعب ڈالنا اپنی طرف لیا (موضح القرآن)

نظر آنے میں فرق

گھبراہٹ میں انسان کو کچھ کا کچھ نظر آتا ہے اور جب انسان مطمئن ہوتا ہے اور اس کا حوصلہ بلند ہوتا ہے تو اپنی تھوڑی تعداد زیادہ اور دشمن کی بڑی بھیڑ قلیل اور حقیر نظر آتی ہے۔ غزوہ بدر میں عجیب ترتیب کے ساتھ نظروں میں فرق ہوتا رہا یہ بھی نصرت خداوندی کا جلوہ تھا۔ کلام اللہ نے معجزانہ انداز میں اس پر روشنی ڈالی ہے۔

سب سے پہلا مرحلہ خواب کا تھا۔ کہ آنحضرت ﷺ کو غنیم کی تعداد تھوڑی اور کم دکھائی گئی۔ مقصد یہ تھا کہ مجاہدین کے حوصلے بلند ہوں اور وہ اپنی تھوڑی اور بے سروسامان تعداد کے ساتھ وہ کارنامہ انجام دیدیں جو حق و باطل میں نشان امتیاز ثابت ہو۔ اور اس بات کی کھلی ہوئی دلیل اور برہان قاطع ہو کہ زندہ رہنے کا حق اسی قلت کو ہے جو کثرت پر غالب آ رہی ہے۔

إِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ (سورہ انفال ع ۵)

اے نبی یہ وہ وقت تھا کہ اللہ تعالیٰ دکھا رہا تھا ان کو آپ کی خواب میں تھوڑا (۴۰۰) اور اگر آپ کو بہت (زیادہ) دکھاتا تو تم (مسلمان) ضرور ہمت ہار دیتے۔ (یہ سب سے پہلا موقع تھا ایک امن پسند سنجیدہ جماعت اس موقع پر یقیناً" پس و پیش کرتی) اور اس موقع پر جھگڑنے لگتے لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس صورت حال سے بچا لیا۔ یقین کرو جو کچھ انسانوں کے سینوں میں چھپا ہوا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح واقف رہتا ہے۔

دوسرا مرحلہ خاص میدان جنگ تھا۔ مقابلہ کے آغاز تک فریق ثانی کے حوصلے پست نہیں ہوئے۔ مسلمان تھوڑے تھے اور ان کو تھوڑے ہی نظر آ رہے تھے۔ یہاں تک کہ ابوجہل نے اعلان کیا یہ صرف "اکلۃ جزور" ( ) ہیں (تقریباً" سو ہیں) ((۴۰۲) مارنے اور قتل کرنے کے بجائے انہیں گرفتار کر لو۔ اور

پہاڑوں میں منتشر کر دو۔ جہاں ان پر عرصہ حیات تنگ ہو جائے اور لات و عزیٰ کے احترام سے سرتابی اور سرکشی کا مزہ چکھ لیں۔

لیکن دفعتہ" اس موقع پر مسلمانوں کے حوصلے یہاں تک بڑھتے ہیں کہ غنیم جو تعداد میں تین گنا تھا خود اپنی تعداد سے بھی کم۔ یعنی (تین سو تیرہ کا تہائی یا چوتھائی) نظر آنے لگتا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے اپنے برابر کے ساتھی سے کہا کہ شاید یہ سب کافر ستر ہوں گے۔ (تفسیر روح المعانی)

کتاب اللہ کی مندرجہ ذیل آیتیں انہیں حالتوں کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ الْتَقَيْتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ (سورہ انفال ع ۵)

اور جب تم کو دکھائی وہ فوج وقت ملاقات کے (مقابلہ کے آغاز میں) تمہاری آنکھوں میں تھوڑی اور تم کو تھوڑا دکھایا ان کی آنکھوں میں تاکہ کر ڈالے اللہ ایک کام جو (طے) ہو چکا تھا۔

دوسرے موقعہ پر ارشاد ہے۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا - فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُمْ مِثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ - وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَنْ يَشَاءُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِأُولِي الْأَبْصَارِ (سورہ آل عمران ع ۲)

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کے ٹھیٹ الفاظ میں اس کا ترجمہ یہ ہے۔

ابھی ہو چکا ہے۔ تم کو نمونہ دو فوجوں میں جو بھڑی تھیں۔ ایک فوج ہے کہ جو لڑتی ہے اللہ کی راہ میں اور دوسری منکر ہے یہ (مسلمان) ان کو دیکھتے ہیں اپنے دو برابر (۴۰۳) (اپنے سے دو چند) (۴۰۴) صریح آنکھوں اور اللہ زور دیتا ہے اپنی مدد کا جس کو چاہے۔ اسی میں خبردار ہو جائیں وہ جن کو آنکھ ہے۔

آیت کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ کافر دیکھتے تھے مسلمانوں کو اپنے سے دو چند۔ یعنی تین سو تیرہ مسلمان تقریباً" دو ہزار نظر آ رہے تھے۔ یہ اس وقت ہوا جب کچھ مقابلہ ہو چکا۔ دشمنان خدا پر مجاہدین حق کا رعب چھا گیا۔

غزوہ بدر سے بھاگ کر جب قریش مکہ پہونچے تو ایک شخص نے ابولہب سے روائیداد جنگ بیان کرتے ہوئے کہا تھا۔ ہم نے دیکھا کہ بہت سے گورے چٹے آدمی ابلق گھوڑوں پر سوار تھے جو زمین سے

لے کر آسمان تک فضا پر چھائے ہوئے تھے (۴۰۵)۔ اس کے برخلاف مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ کامیاب واپسی پر جب مجاہدین بدر کا استقبال کرتے ہوئے لوگ مبارک باد دے رہے تھے تو ایک مجاہد (حضرت سلمہ بن سلامہ) نے فرمایا۔ مبارک باد کی کیا بات ہے۔ واللہ جو ہمارے مقابلہ پر تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بوڑھی عورتیں ہیں یا پابستہ اونٹنیاں ہیں جن کو ہم بلاتکلف ذبح کر رہے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے یہ جواب سنا تو مسکرا کر فرمایا یہ ملا اعلیٰ کی نصرت کی برکت تھی۔ (۴۰۶)

قتل ابوجہل

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جنگ بدر کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے (۴۰۷) کہ میدان جنگ میں میں نے نظر ڈالی تو دو نو عمر میرے دائیں بائیں تھے۔ یہ دونوں نوخیز اور ناتجربہ کار تھے۔ مجھے خیال ہوا کہ بڑے آدمی میرے دائیں بائیں ہوتے تو مجھے ان سے تقویت ہوتی۔ اب یہ چھوکرے ہیں مجھے ان کا بھی خطرہ ہے اور ان کی وجہ سے خود اپنا بھی خطرہ ہے کہ اگر دشمن نے دھاوا کر دیا تو ان کو بچاؤں گا یا اپنا بچاؤ کروں گا۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ ایک لڑکے نے چپکے سے پوچھا۔ چچا جان ابوجہل کون سا ہے۔ میں نے کہا برادر زادے تم ابوجہل کا پوچھ کر کیا کرو گے۔ لڑکے نے جواب دیا۔ میں نے سنا ہے کہ ابوجہل ہمارے حضرت (ﷺ) کا سخت دشمن ہے۔ وہ حضور ﷺ کی شان میں گالیاں بکتا ہے۔ ہمیشہ آپ کے درپے رہتا ہے اس لیے میں نے طے کر رکھا ہے کہ جیسے ہی ابوجہل سامنے پڑے گا میں اس پر وار کروں گا۔ پھر یا وہ نہیں رہے گا یا میں نہیں رہوں گا۔ دوسرے لڑکے نے بھی اسی طرح یہی سوال کیا۔ میں نے اس کو بھی یہی جواب دیا۔ اس نے بھی ان ہی الفاظ میں اپنے عہد کا ذکر کیا۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ابوجہل سامنے آگیا۔ میں نے ان دونوں کو اشارہ کیا کہ جس کی تمہیں تلاش ہے وہ یہ ہے۔

میرا اشارہ کرنا تھا کہ یہ دونوں باز کی طرح جھپٹے اور ابوجہل کو جا کر گھیر لیا۔ (۴۰۸) یہ دو نوجوان معاذ اور معوذ تھے۔ ماں کا نام عفراء تھا۔ باپ کا نام حارث۔ مگر ماں کے نام سے مشہور تھے ان کو ابناء عفراء کہا جاتا تھا تیسرے بھائی کا نام عوف تھا۔ (۴۰۹) وہ بھی اس مہم میں شریک ہو گیا۔

معاذ بن عفراء نے تلوار کی ضرب سے ابوجہل کو گھائل کر دیا۔ لیکن ابوجہل بھی ایک بہادر عرب تھا اس نے پلٹ کر حملہ کیا تو معوذ اور عوف دونوں صہباء شہادت سے سرشار تھے۔ (۴۱۰) ایک چوتھے انصاری بہادر معاذ بن عمرو بن جموح نے تڑپ کر ابوجہل پر حملہ کیا تو وہ زمین پر ڈھیر تھا۔ (رضی اللہ عنہم)

ابوجہل کا بیٹا عکرمہ بھی وہاں پہونچ گیا تھا۔ اس نے اپنے باپ کے قاتل معاذ بن عمرو کے مونڈھے پر تلوار ماری جس سے ان کا بازو کٹ گیا۔ صرف ایک تسمہ باقی رہ گیا۔ حضرت معاذ عکرمہ کی طرف جھپٹے تو عکرمہ پینترا بدل کر نکل گیا۔

جانباز معاذ میدان سے پھر بھی نہیں ہٹے۔ لٹکے ہوئے بازو کو کمر کے پیچھے ڈال لیا اور لڑنا شروع کر دیا اور جب تکلیف اور الجھن زیادہ ہوئی تو ہاتھ پیر کے نیچے دبا کر تسمہ الگ کر دیا۔ اب یہ سخت جان مجاہد ہلکا تھا۔ ایک ہی ہاتھ سے لڑتا رہا۔ پھر خدا نے ان کو صحت بخشی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور تک زندہ رہے۔ (۴۱۱)

جنگ کا بادل چھٹنے لگا تو آقا دو جہاں ﷺ نے فرمایا۔ ابوجہل کو دیکھو کیا ہوا۔ اب یہ دونوں بہادر (معاذ بن عفراء اور معاذ بن عمرو) جو ایک ہی نام کے تھے۔ دربار رسالت میں حاضر ہوئے۔ ہر ایک کا دعویٰ یہ تھا کہ ابوجہل کو میں نے قتل کیا ہے۔ آپ نے (صلی اللہ علیہ وسلم) دونوں کی تلواریں منگا کر دیکھیں۔ ابھی خون ان پر جما ہوا تھا اور پھر دونوں کی دلداری کے لیے فرمایا۔ تم دونوں نے ہی قتل کیا ہے لیکن سلب (۴۱۲) معاذ بن عمرو بن جموح کے لیے نامزد فرمایا۔ (۴۱۳) کیونکہ جان لیوا (کاری) زخم انہیں کی تلوار کا تھا۔

ابوجہل کی موت

ابوجہل سخت مجروح ہو گیا تھا مگر ابھی تک ختم نہیں ہوا تھا۔ وہ ایک جھاڑ (۴۱۴) کے نیچے پڑا ہوا دم توڑ رہا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے کچھ سراغ لگا تو میں ابوجہل کے سر پر پہونچ گیا اور اس کی داڑھی پکڑ کر میں نے کہا۔

تو۔ دشمن خدا۔ ابوجہل۔

ابوجہل نے اسی ترنگ میں جواب دیا۔ کیا اس مرد بہادر (ابوجہل) سے بھی کوئی بڑا ہے جس کو تم نے قتل کیا ہو۔ (۴۱۵)

پھر کہا۔ افسوس یہ ہے مجھے کسانوں نے مار ڈالا۔ کاش میرا قاتل کوئی اور ہوتا۔ (۴۱۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ابوجہل بہت سخت سست کہا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ لات بھی ماری تھی۔ اس وقت وہ باتیں یاد آگئیں۔ آپ نے ابوجہل کی گردن پر پاؤں رکھ دیا ابوجہل نے چونک کر کہا۔ او ذلیل بکری چرانے والے دیکھ کہاں پاؤں رکھ رہا ہے۔ (۴۱۷)

حضرت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) نے اس کا سر تن سے جدا کرنا چاہا۔ مگر آپ کی تلوار خراب تھی "ابوجہل" کی تلوار بہت عمدہ تھی۔ آپ نے ابوجہل کی تلوار ہی سے اس کا سر قلم کیا۔ یہ بھی روایت ہے کہ خود ابوجہل نے اشارہ کیا تھا کہ اس کھنڈل تلوار سے نہیں میری تیز تلوار سے اپنا کام پورا کرو۔ (۴۱۸)

ابوجہل کا سر تن سے جدا ہوا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کو اٹھا کر لائے اور رسول خدا ﷺ کے قدموں میں ڈال دیا۔ آپ نے تین مرتبہ فرمایا۔ الحمدللہ الذی اعز الاسلام واھلہ۔ (۴۱۹)

سلسلہ غزوات میں یہ اسلام کی سب سے پہلی عظیم الشان فتح تھی کہ فرعون ھذہ الامۃ قتل ہوا۔ لیکن

اس فتح عظیم کے لیے حضرت عفراء (رضی اللہ عنہا) بھی مستحق مبارک باد ہیں کہ انہوں نے اپنے دولخت جگر قربان کر دیئے (معاذ اور عوف رضی اللہ عنہما)

بیہقی کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ان دونوں کے جنازوں پر تشریف لے گئے اور فرمایا۔

رحم الله ابنی عفراء فهما شركاء فی قتل فرعون هذه الامة۔ (۴۲۰)

اللہ تعالیٰ عفراء کے دونوں بیٹوں کو نوازے۔ انہوں نے اس شخص کے قتل میں حصہ لیا جو اس امت کا فرعون اور پیشوایان کفر کا سرغنہ تھا۔

حضرت عفراء کی غیر معمولی سعادت

مگر حضرت عفراء رضی اللہ عنہا کے صحیفہ سعادت میں آب زر سے لکھی جانے والی ایک خصوصیت اور بھی ہے اور ممکن ہے اسلام کی پوری تاریخ اس کی نظیر نہ پیش کر سکے۔ وہ یہ کہ حضرت عفراء رضی اللہ عنہا کے سات لڑکے تھے۔ یہ ساتوں فرزندان توحید معرکہ بدر میں حاضر تھے۔ ایاس۔ عاقل۔ خالد اور عامر۔ بکیر بن یالیل کی صلب سے تھے اور تین فرزند۔ معاذ۔ معوذ اور عوف دوسرے شوہر حارث کی صلب سے تھے۔ یہ سب میدان جنگ میں حاضر تھے۔ غالباً" حضرت عفراء رضی اللہ عنہا کے اسی اخلاص کی برکت ہے کہ اس معرکہ کے وقت بھی زبانوں پر یہی تھا اور بعد میں احادیث اور سیرت کی کتابوں میں بھی یہی مشہور ہے کہ ابوجہل کو "ابناء عفراء" نے قتل کیا حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ زخم کاری حضرت معاذ بن عمرو بن جموح کی تلوار سے لگا تھا جن کو آنحضرت ﷺ نے مال غنیمت کے قاعدہ کے مطابق "سلب" عطا فرمایا اور سر تن سے جدا کرنے والے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے۔

فرعونیت میں درجات اور فرق مراتب

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرعون کا دل پھر بھی کمزور تھا کہ جب ڈوبنے لگا تو بے اختیار کہدیا تھا۔ امنت بما امنت به بنو اسرائیل وانا من المسلیمن مگر کمال فرعونیت یہ ہے کہ فرعون هذه الامة یعنی ابوجہل اس وقت بھی نہیں پسیجا۔ بدن زخمی ہے۔ جان نکل رہی ہے۔ گردن کٹنے والی ہے۔ فرشتہ موت سر پر ہے لیکن اپنی عظمت کا زعم باطل اور اونچ نیچ کا فرق جو فطرت کا داغ بن چکا ہے اب بھی ابھر رہا ہے اور اب بھی صدمہ ہے تو اس بات کا کہ کسانوں نے اسے مار ڈالا۔

درجات

فرعونیت کے ان درجات سے ان مصائب اور تکالیف کا اندازہ ہو سکتا ہے جو حضرات انبیاء علیہم السلام

کو برداشت کرنے پڑے۔ فرعون ہذہ الامت کی فرعونیت بڑھی ہوئی تھی تو لامحالہ اس کی ایذا بھی زیادہ ہو گی۔ کما قال صلی اللہ علیہ وسلم اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالا مثل۔

قتل امیہ بن خلف

یہ وہی امیہ ہے جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر وحشیانہ مظالم کی مشق کیا کرتا تھا۔ پھر جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ مکہ تشریف لے گئے اور ان سے معلوم ہوا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کی پیش گوئی کی ہے تو اب جنگ میں آنے کے لیے تیار نہیں تھا اور جب ابوجہل کے اصرار سے تیار ہوا اور بیوی نے محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی تنبیہہ یاد دلائی تو اس نے کہا تھا میں آگے تک نہیں جاؤں گا۔ چند منزل چل کر واپس آ جاؤں گا۔ لیکن کارپردازان' قضاء و قدر اس کو کشاں کشاں بدر لے آئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اس کے ہم وطن اور پرانے دوست تھے۔ جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اس وقت اس سے ایک کاروباری معاہدہ ہوا تھا کہ مدینہ میں امیہ کے مال کی حفاظت حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کیا کریں گے اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کا جو مال مکہ میں رہ گیا تھا اس کی حفاظت کا ذمہ دار امیہ ہو گا۔

یہ معاہدہ جان کی پناہ کے لیے نہیں تھا مال کی حفاظت کے لیے تھا مگر مسلمان کا معاہدہ پتھر کی لکیر ہوتا ہے اور اس کی پناہ کا دامن زیادہ سے زیادہ وسیع ہو سکتا ہے چنانچہ اسی معاہدہ کی بنا پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ اس کی جان بچ جائے' چنانچہ جب مسلمان مصروف تھے تو یہ اس کو اور اس کے بیٹے کو نظر بچا کر ایک پہاڑی پر لے گئے۔ اتفاق سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا۔ فوراً" انصار کو خبر کر دی وہ اس کے پیچھے دوڑے۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے امیہ کے لڑکے کو آگے کر دیا۔ لوگوں نے اسے قتل کر دیا۔ لیکن امیہ کو چھوڑ دینا اس پر بھی گوارا نہ کیا۔ امیہ بھاری آدمی تھا دوڑ نہیں سکتا تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ جب یہ لوگ قریب پہونچ گئے تو میں نے امیہ سے کہا تم بیٹھ جاؤ۔ امیہ بیٹھ گئے اور میں اس کے اوپر اوندھا پڑ گیا کہ اس کی جان بچ جائے۔ مگر لوگوں نے بیچ میں سے تلواریں پہونچانی شروع کر دیں آخر کار اس کو قتل کر دیا۔ اس کو بچانے میں ایک زخم حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی ٹانگ پر بھی آ گیا۔

عبیدہ (۴۲۲) ۔ (ابن سعید بن العاص) بڑی ہمت کر کے میدان میں نکلا۔ اور پکارا۔ میں ہوں "ابو ذات الکرش" کون ہے جو مقابلہ پر آئے۔ یہ سر سے پاؤں تک لوہے میں ڈوبا ہوا تھا صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔

سیدنا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور پہلا ہی وار اس طرح کیا کہ برچھی "ابوذات الکرش" کی آنکھ

میں گڑ گئی۔ "ابوذات الکرش" فوراً ٹھنڈا ہو گیا۔ مگر برچھی بڑی مشکل سے نکل سکی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے لاش پر پاؤں اڑا کر پورا زور صرف کیا تب برچھی نکلی۔ مگر دونوں سرے خم ہو گئے تھے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ "ابوذات الکرش" سے فارغ ہوئے تو ہجوم میں گھس گئے۔ لڑتے لڑتے تلوار کر (۴۲۳) گئی اور خود بھی زخموں سے چور چور ہو گئے۔ دو زخم بہت گہرے تھے۔ شانہ پر جو زخم تھا وہ اتنا گہرا تھا کہ اچھے ہو جانے پر بھی اس میں انگلی چلی جاتی تھی۔ ان کے چھوٹے صاحبزادے (حضرت عروہ رضی اللہ عنہ) بچپن میں ان زخموں سے کھیلا کرتے تھے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے جسم مبارک پر ایسا ہی گہرا زخم اور تھا جو "غزوہ یرموک" میں لگا تھا جس طرح یہ تین زخم۔ تاریخی نشان تھے۔ آپ کی یہ برچھی اور یہ تلوار بھی یادگار بن گئی۔ برچھی کو خود حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے مانگ لیا۔ پھر چاروں خلفاء میں منتقل ہوتی رہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کے صاحبزادوں کے پاس تھی۔ ان سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے خلف اکبر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے لے لی۔ ان کی شہادت کے وقت تک یہ برچھی انہیں کے یہاں ہی رہی۔

یہ تلوار جو غزوہ بدر میں لڑتے لڑتے کر گئی تھی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے پاس رہی اور جب وہ شہید کر دیئے گئے اور حملہ آور فوج نے ان کا سامان ضبط کیا تو خلیفہ عبدالملک بن مروان نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے کہا تم وہ تلوار پہچان لو گے۔ حضرت عروہ نے فرمایا۔ ضرور۔ عبدالملک نے دریافت کیا اس کی شناخت کیا ہے۔ حضرت عروہ نے جواب دیا۔ وہ دندانے جو غزوہ بدر میں اس میں پڑ گئے تھے اس جواب میں اس عظیم الشان تاریخ کا حوالہ تھا جس نے عبدالملک کو بھی متاثر کر دیا۔ چنانچہ فوراً عربی کا یہ مصرعہ عبدالملک نے پڑھا۔ بھن فلول من قراع الکتائب" پھر یہ تلوار حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کو دے دی۔ (۴۲۴)

اعتراف خدمات اور پاس وفا

ابوالبختری بن ہشام مکہ کے ان سرداروں میں سے تھا جو کبھی کبھی مسلمانوں کے لیے آڑ بن جاتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور بنو ہاشم سے بائیکاٹ کا جو ایک معاہدہ لکھا گیا تھا جس کی بنا پر بنو ہاشم تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور رہے اور تہید ستی اور کس مپرسی کی مصیبتیں برداشت کرتے رہے اس معاہدہ کو ختم کرنے کی جن لوگوں نے کوشش کی ان میں بھی مطعم بن عدی کے بعد ابوالبختری کا حصہ نمایاں تھا۔ اسی طرح حضرت عباس رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم۔ اگرچہ اب تک اسلام کا اعلان نہیں کر سکے تھے۔ مگر خواجہ ابوطالب کے بعد مکہ میں آپ ہی کی ذات تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پشت پناہ بنی رہی۔

یہاں تک کہ بیعت عقبہ کے وقت جب انصار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ تشریف لے چلنے کی درخواست کی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا۔

"اے اہل خزرج و اوس اگر تم مرتے دم تک "محمد ﷺ" کا ساتھ دے سکو تو لے جاؤ ورنہ محمد ﷺ اپنے شہر اور اپنے خاندان میں اپنا ایک مقام رکھتے ہیں ہم ان کے لیے ہمیشہ سپر رہے ہیں اور اب بھی نہیں تھکے ہیں"

ان حضرات کی خدمات کا لحاظ کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے معرکہ کے وقت اعلان فرما دیا تھا کہ

ابوالبختری اور عباس کو قتل نہ کیا جائے۔ ان کے علاوہ خاندان ہاشم کے لوگوں کو بھی گرفتار کر لیا جائے قتل نہ کیا جائے کیونکہ مجھے معلوم ہے یہ لوگ مجبوراً آئے ہیں۔

سرور کائنات ﷺ کے اعلان پر عمل کیا گیا۔ چنانچہ حضرت عباس قتل نہیں کئے گئے بلکہ گرفتار کر لیے گئے۔ اسی طرح ابوالبختری جب حضرت مجذر انصاری رضی اللہ عنہ کے سامنے پڑا۔ تو آپ نے بتا دیا کہ ہمارے مولا اور آقا کا حکم یہ ہے کہ آپ کو گرفتار کر لیا جائے۔ قتل نہ کیا جائے۔ ابوالبختری نے کہا۔ میرے ساتھ جبادہ بن ملیحہ بھی ہے جو مکہ سے میرے ساتھ میرے ہی اونٹ پر آیا ہے۔ حضرت مجذر رضی اللہ عنہ نے معذرت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف آپ کے متعلق ہدایت فرمائی ہے ہم آپ کے ساتھی کو معاف نہیں کر سکتے۔

یہ یقینی (۴۲۵) بات ہے کہ یہ معاملہ اگر دربار رحمت میں پیش ہوتا تو ابوالبختری کے ساتھ اس کے ساتھی کو بھی گرفتار ہی کیا جاتا۔ لیکن ابوالبختری نے جیسے ہی حضرت مجذر رضی اللہ عنہ کا جواب سنا اس کا مزاج بگڑ گیا۔ اس نے کہا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ مکہ کی عورتیں یہ بات کہیں کہ ابوالبختری نے اپنی جان کی خاطر اپنے ساتھی کو چھوڑ دیا۔ پھر برجستہ ایک رجز پڑھتا ہوا حضرت مجذر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ پر آ گیا۔ رجز یہ تھا۔

لن یسلم ابن حرۃ ذمیلہ - حتی یموت اویری سبیلہ

شریف زادہ اپنے ساتھی کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتا۔ یہاں تک کہ جان دیدے یا اپنا راستہ دیکھ لے

اب حضرت مجذر رضی اللہ عنہ کے لیے بھی مقابلہ کے سوا چارہ کار نہیں تھا۔ حضرت مجذر نے کاٹ کرتے ہوئے ابوالبختری پر حملہ کیا اور اس کو ختم کر دیا۔

اب حضرت مجذر رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو شرمندہ تھے۔ قسم کھا کر کہا کہ یا رسول اللہ میں نے بہت کوشش کی کہ گرفتاری کے لیے تیار ہو جائیں مگر انہوں نے حملہ کر دیا تو میں مجبور تھا۔ (۴۲۶)

معرکہ کے بعد

آنحضرت ﷺ کا طریقہ تھا کہ معرکہ میں کامیابی کے بعد آپ تین روز تک وہیں قیام فرماتے تھے۔ اس میں رفقاء کرام کو آرام بھی مل جاتا تھا اور اس علاقہ میں حسب ضرورت نظم و نسق کی صورتیں بھی قائم کر دی جاتی تھیں۔ شہداء کے دفن کرنے کا کام بھی بہت اہم ہوتا تھا جو اس قیام میں انجام پذیر ہوتا تھا۔

مردوں کے دفن کرنے میں صرف مسلمانوں کی تخصیص نہیں تھی بلکہ سنن بیہقی کی روایت ہے۔

كان من سنته صلى الله عليه وسلم في مغازيه اذا مر بجيفة انسان امر بدفنه لايسال عنه مومنا كان او كافرا (السيرة الحلبيه ص ۱۹۹ ج ۲)

آنحضرت ﷺ کا طریقہ غزوات کے سلسلہ میں یہ تھا کہ کسی بھی انسان کی نعش پر آپ کا گذر ہوتا تھا تو آپ اس کے دفن کرنے کا حکم دیتے تھے۔ یہ نہیں دریافت کرتے تھے کہ یہ مومن تھا یا کافر (۴۲۷)۔

اگر ہر ایک کے لیے قبر کھودنا مشکل ہوتا تھا تو ایک ایک قبر میں کئی کئی دفن کر دیئے جاتے تھے اس سنت پر غزوہ بدر میں بھی عمل ہوا مسلمان شہداء صرف ۱۴ تھے مگر مشرکین کی تعداد ستر تھی ان کے لیے علیحدہ علیحدہ قبریں کھودنی مشکل تھیں۔ لہٰذا کئی کئی کو ایک ایک جگہ دفن کیا گیا۔ وہاں قبیلہ بنی (۴۲۸) نار کے کسی شخص کا کھودا ہوا کنواں بھی تھا۔ (۴۲۹) جو اب خراب پڑا تھا۔ اس کنوئیں کو قبر کے کام میں لایا گیا۔ کچھ نعشیں وہاں ڈالدی گئیں جن کی تعداد ۲۴ تھی۔ ابوجہل وغیرہ روساء قریش کی لاشیں اسی کنوئیں میں ڈالی گئیں۔ (۴۳۰) دن گرم تھا۔ دھوپ سے رنگ بدل گیا تھا۔ (۴۳۱) اسی حالت میں ان کو کنوئیں میں ڈالا گیا۔ لیکن امیہ بن خلف کی لاش پھول کر زرہ میں ایسی پھنس گئی تھی کہ زرہ اتارنی چاہی تو گوشت بھی ساتھ ساتھ اترنے لگا۔ اس لیے اس کو وہیں چھوڑا اور مٹی سے چھپا کر اس پر پتھر رکھ دیئے گئے۔

جب عتبہ بن ربیعہ کی لاش اٹھا رہے تھے۔ تو آنحضرت ﷺ کی نظران کے فرزند حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر پڑی کہ رنج اور صدمہ چہرہ پر چھایا ہوا ہے۔ رنگ فق ہو گیا ہے آنحضرت ﷺ نے دلداری کے لیے کچھ فرمایا تو ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ رسول خدا ﷺ! صدمہ اس کا نہیں کہ وہ مارے گئے۔ صدمہ اس کا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو فکرو دانش اور اصابت رائے ان کو عطا فرمائی تھی مجھے توقع تھی کہ وہ رہنما ثابت ہو گی اور اللہ تعالیٰ ان کو مسلمان ہونے کی توفیق بخش دے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے اس احساس کی تحسین فرمائی اور ان کو دعا دی۔

کفران نعمت

ارشاد ربانی ہے

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ

(سورہ ابراھیم ع ۵)

کیا تم نے ان لوگوں کی حالت پر نظر نہیں کی جنہیں اللہ نے نعمت عطا فرمائی تھی مگر انہوں نے کفران نعمت سے اسے بدل ڈالا اور اپنے گروہ کو ہلاکت کے گھر میں جا اتارا۔

سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے۔ روساء قریش اس آیت کا مصداق ہیں۔ (۴۳۳)

اللہ تعالیٰ کا یہ انعام کیا کم تھا کہ حرم کعبہ کی تولیت ان کو ملی ہوئی تھی جس کی وجہ سے پورے عرب کی قیادت ان کو حاصل تھی اور بڑے بڑے سرکش قبیلہ کی گردن بھی ان کی تعظیم کے لیے خم رہتی تھی دولت و ثروت اور کاروبار کے لحاظ سے بھی پورے عرب میں یہ سب سے برتر تھے اپنے اسی زعم میں مدینہ کے لوگوں کو کسان اور چرواہا کہا کرتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے اس عظیم احسان اور اس غیر معمولی انعام کا جواب صنادید قریش نے کیا دیا۔ تمرد۔ سرکشی۔ حق کے مقابلہ میں سخت ترین عناد۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پوری قوم کو ہلاکت کے اس حسرت ناک مقام پر پہونچا دیا کہ غزوہ بدر میں قتل کیے گئے۔ گرفتار کیے گئے۔ جو بچے وہ بری طرح جان بچا کر بھاگے۔

حسرت و مسرت کے ملے جلے جذبات

جنگ بدر میں بلاشبہ بہت بڑی کامیابی ہوئی۔ فتح مبین حاصل ہوئی۔ یہ فتح کا دن "یوم فرقان" تھا۔ جس نے ثابت کر دیا کہ "حق" زندہ ہے اور زندہ رہنے کا حق اہل حق ہی کو ہے۔ لیکن یہ دوسرے کون تھے جن کے لیے بربادی' رسوائی اور ہلاکت مقدر ہوئی کیا وہ قطعاً" اجنبی تھے یا ان سے خون کا رشتہ بھی تھا اور وہ اپنے قبیلہ اور برادری کے باعزت بھی تھے جن سے زندگی کی کش مکش میں تقویت بھی حاصل ہو سکتی تھی۔

ملوکیت پسند کہا کرتے تھے کہ سلطنت اور بادشاہت "عقیم" ہوتی ہے خون کے رشتے یہاں ختم ہو جاتے ہیں۔ صرف وہی رشتے باقی رہ جاتے ہیں جو ملوکیت اور بادشاہت کے لیے ہوں جنانچہ باپ کے مقابلہ میں بیٹا بغاوت کرتا ہے اور ایک دوسرے کے خون کا پیاسا ہو جاتا ہے باغی بیٹے کو تلوار کے گھاٹ اتارا جاتا

ہے اور وفادار جرنیل کو جشن فتح کا ہیرو بنا دیا جاتا ہے۔ لیکن کیا باپ کو بیٹے کی ناکام و نامراد موت کا صدمہ نہیں ہوتا؟

بیشک اسلام یا حق پرستی بھی تمام رشتوں کو ختم کر دیتی ہے اور صرف وہی رشتہ باقی رہ جاتا ہے جو حق کے لیے ہو۔ وحی الٰہی اعلان کر رہی ہے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ الاية (سورہ مجادلہ ع ۳)

لیکن اگر دشمنان خدا کی ہلاکت کا صدمہ نہ ہو تو کیا ان کی ناکام و نامراد موت کا افسوس بھی نہیں ہو گا اور اس کی حسرت بھی نہ ہو گی کہ کاش یہ اس گلشن کے باغبان ہوتے جس کو برباد کرنے کے جرم میں ان کو موت کے گھاٹ اتارا جا رہا ہے۔ کاش یہ آج اس طرح مبتلا (۴۳۴) عذاب نہ ہوتے۔

نص قرآن کی روشنی میں یہ کہنا بیجا نہ ہو گا کہ امت کا ایک ایک فرد نبی کا لاڈلا بیٹا ہوتا ہے اور جب سیدالانبیاء ﷺ رحمتہ للعالمین ہیں اور آپ ﷺ پوری نوع انسان کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا تو لامحالہ نوع انسان کے ایک ایک فرد پر آپ کی شفقت وہی ہو گی جو حقیقی باپ کو بیٹے پر ہوتی ہے۔

یہ ابوجہل جو "فرعون ہذہ الامتہ" ہو کر مرا وہی ابوجہل بن ہشام ہے جس کے لیے بار بار دست دعاء دراز ہوا تھا اور کار پردازان قضاء و قدر نے اپنے کانوں سے سنا تھا کہ ارشاد ہو رہا ہے خداوندا۔ ابوجہل بن ہشام یا عمر بن الخطاب کے ذریعہ سے اسلام کو تقویت پہونچا۔ ☆ آج یہ لوگ ذلت کی موت مارے جا رہے ہیں اور ان کی لاشیں کوئیں میں دھکیلی جا رہی ہیں تو رحمت عالم (ﷺ) کے جذبات شفقت پر کیا گذر رہی ہو گی۔ ظاہر ہے اس کا اندازہ وہ جج ہی کر سکتا ہے جس نے اپنے بیٹے کے خلاف سزائے موت کا فیصلہ صادر کیا ہو۔ سیدالانبیاء ﷺ کو اس وقت غصہ بھی ہے اور صدمہ بھی حق پرستوں کی فتح مبین کی مسرت بھی ہے اور ان کی ناکام موت پر حسرت بھی۔ اس تمہید کے مطالعہ کے بعد آپ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سنئے۔

> معرکہ بدر کو دو دن ہو چکے تھے تیسرے دن کوچ کا حکم ہوا۔ سواریاں تیار کی گئیں۔ سفر کے لیے قدم اٹھنے والے تھے کہ ہم نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کہیں تشریف لے جا رہے ہیں کچھ خدام بھی ساتھ ہو لیے خیال یہ تھا کہ آپ کسی ضرورت سے جا رہے ہیں۔ دفعتہ" آپ اس کنویں کے کنارے جا کر کھڑے ہو گئے جہاں صنادید قریش کے لاشے ڈالے گئے تھے۔ وہاں آپ نے ان سب کو نام بنام پکارا۔ ان کے آباء کے نام بھی لے رہے تھے۔ فلاں بن فلاں۔ فلاں بن فلاں۔ پھر آپ نے فرمایا۔ (۴۳۶)

ایسرکم انکم اطعتم الله ورسوله فانا قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقا فهل وجدتم ما وعد ربكم حقا

تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے تو کیا تمہیں (آج) مسرت نہ ہوتی۔

ہم سے جو ہمارے رب نے وعدہ کیا تھا۔ اس کو سچ پایا۔ کیا تم نے بھی دیکھ لیا کہ خدا نے جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ سچ ہے۔ (۴۳۷)

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔

تم اپنے نبی کی برادری اور خاندان کے بہت برے آدمی ثابت ہوئے تم نے تکذیب کی لوگوں نے تصدیق کی۔ تم نے نکالا۔ لوگوں نے پناہ دی۔ تم نے لڑائی لڑی لوگوں نے میری مدد کی۔ (۴۳۸)

مدینہ طیبہ اور مکہ معظمہ میں فتح وشکست کی خبریں

آنحضرت صلی اللہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن رواحہ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کو مامور فرمایا کہ مدینہ منورہ پہونچ کر کامیابی کی اطلاعت دیدیں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ کو مدینہ کی بالائی بستیوں میں گشت کر کے اطلاع دینے کی ہدایت فرمائی اور حضرت زید بن حارثہ ؓ کو نشیبی بستیوں میں اطلاع دینے کے لیے مامور فرمایا۔ ایک ناقہ۔ جس کو غضباء کہا جاتا تھا آنحضرت ﷺ اکثر اس پر سوار ہوا کرتے تھے۔ حضرت زید بن حارثہ ؓ کو اسی اونٹنی پر روانہ کیا۔

حضرت زید بن حارثہ ؓ کے فرزند ارجمند حضرت اسامہ ؓ (جو حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی تیمار داری کے لیے مدینہ منورہ ہی میں رہے تھے بیان فرماتے ہیں کہ ہم لخت جگر رسالت ماب ﷺ کو سپرد خاک کر کے فارغ ہوئے تھے کہ فتح کی خبر پہونچی۔ (۴۴۰)

منافقین کا شاخسانہ

اسلام کے بدخواہ جو مسلمانوں کی شکست کا یقین کئے ہوئے تھے انہوں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کی ناقہ (عضباء) پر حضرت زید بن حارثہ ؓ آ رہے ہیں تو انہیں یقین ہو گیا کہ نصیب دشمناں رسول اللہ ﷺ شہید ہو گئے۔ مسلمان تتر بتر ہو گئے۔ اس لیے زید بن حارثہ ؓ غضباء پر سوار ہو کر بھاگ آئے۔ انہوں نے اپنی اس من گھڑت کو پھیلانا شروع کر دیا۔ حضرت اسامہ ؓ کے کان میں پہلے یہی افواہ پڑی۔ صاحبزادی محترمہ کی وفات سے دل شکستہ پہلے سے تھے اس خبر نے اور پریشان کر دیا۔ لیکن جب عید گاہ کے میدان میں پہونچے تو دیکھا کہ ان کے والد ماجد حضرت زید ؓ کھڑے ہوئے ہیں۔ لوگ ان کو گھیرے

ہوئے ہیں اور وہ خبر دے رہے ہیں رؤسا قریش عتبہ بن ربیعہ ۔ ابوجہل بن ہشام۔ زمعہ بن اسود۔ ابوالبختری امیہ بن خلف وغیرہ وغیرہ مارے گئے اور سہیل بن عمرو وغیرہ گرفتار ہو گئے تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو یقین نہیں آیا اپنے والد صاحب کو علیحدہ لے جا کر دریافت کیا کہ کیا واقعی یہ خبر صحیح ہے جو آپ دے رہے ہیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر فرمایا۔ بیٹا جو کچھ کہہ رہا ہوں صحیح ہے۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب خبر کی تصدیق ہو گئی تو میں نے اس منافق سے کہا کہ تم نے یہ غلط افواہ کیوں پھیلائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے تو میں اس کی شکایت کروں گا تو اس نے جواب دیدیا کہ میں نے ایسا ہی سنا تھا۔ (۴۴۱)

مکہ معظمہ میں شکست کی خبر اور اس کا رد عمل

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ جو (مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے لقب سے مشہور ہیں ان کا بیان ابن اسحاقؒ نے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

میں اس زمانہ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا غلام تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ مکہ معظمہ ہی میں رہتے تھے انہوں نے اس وقت تک ہجرت نہیں کی تھی مگر یہ گھرانا دعوت اسلام سے پوری طرح متاثر تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ "ام الفضل" تو وہ خاتون تھیں جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد سب سے پہلے اسلام سے مشرف ہوئی تھیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ دل سے مسلمان تھے اگرچہ اب تک اس کا اعلان نہیں کیا تھا۔ ہمارے ان جذبات و احساسات کو قریش جانتے تھے اور اس لیے وقتاً فوقتاً ہمیں پریشان بھی کرتے رہتے تھے۔ غزوہ بدر کے موقع پر قریش مکہ سے روانہ ہوئے تو حضرت عباس کو بھی جانا پڑا تھا اور اپنی پوزیشن اور حیثیت کو بالا رکھنے کے لیے دوسرے روسا کی طرح یہ بھی خرچ کے لیے کافی رقوم لے کر گئے تھے۔ جب بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی تو قدرتی بات تھی کہ ہم نے اپنے اندر قوت محسوس کی اور ہمارے حوصلے بڑھے۔

ابولہب شرارت پسندوں کا امام لشکر قریش کے ساتھ نہیں گیا تھا۔ اس نے اپنا ایک بدل بھیج کر جان بچالی تھی۔

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک کمزور انسان تھا۔ میں بھی لشکر قریش میں شریک نہیں ہوا۔ میں تیر بنایا کرتا تھا۔ زمزم کے قریب ایک حجرہ تھا میں وہیں بیٹھ کر اپنا کام کیا کرتا تھا۔ جس روز یہ خبر پہونچی اس دن ایسا ہوا کہ میں حجرہ میں بیٹھا ہوا تیر تراش رہا تھا کہ ابولہب بھی آگیا۔ اور حجرہ کے کھمبے کے قریب اس طرح بیٹھ گیا کہ اس کی کمر میری کمر سے چھو رہی تھی۔ دفعتہً مغیرہ بن حارث بن عبدالمطلب (جن کو ابوسفیان بن حارث بھی کہا جاتا تھا) مقام بدر سے واپس پہونچا۔ لوگ اس کے پاس اکٹھے ہو گئے۔ مگر مغیرہ بن حارث ابھی کچھ کہنے نہیں پایا تھا کہ ابولہب نے اس کو دیکھ لیا فوراً اپنے پاس بلا لیا اور غزوہ

بدر کے حالات اس سے دریافت کرنے لگا۔ مغیرہ بن حارث کا جواب یہ تھا۔

عجیب ماجرا دیکھنے میں آیا۔ ہماری فوج گویا بے جان بھیڑ تھی۔ تھوڑے سے مسلمان ہم پر حاوی تھے۔ ہم نے گویا اپنے مونڈھے اور اپنی گردنیں ان کے حوالے کر دی تھیں کہ جس طرح چاہیں وہ قتل کر ڈالیں اور جس طرح چاہیں گرفتار کر لیں اور ہماری مشکیں کس دیں۔ میں اپنے آدمیوں کا قصور بھی نہیں بتا سکتا۔ خدا کی قسم عجیب بات یہ تھی کہ بیشمار مرد سفید رو ابلق گھوڑوں پر سوار آسمان تک چھائے ہوئے تھے ان کے سامنے نہ کوئی چیز ٹھیر سکتی تھی اور نہ کوئی ان کا مقابلہ کر سکتا تھا۔

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مغیرہ کی زبان سے جیسے ہی یہ الفاظ نکلے۔ میں بول پڑا۔ تلک واللہ الملائکۃ خدا کی قسم یہ فرشتے تھے۔

میرے اس لفظ سے ابولہب جھنجلا گیا۔ اس نے طمانچہ کھینچ کر میرے منہ پر مارا۔ میں کمزور تھا پھر بھی میں اس کو چمٹ گیا۔ مگر اس نے مجھے ڈھا لیا اور میرے سینہ پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ اور میری کوکھوں میں کے مارنے لگا۔ ام الفضل نے دیکھا کہ اس طرح وہ مجھے مار ڈالے گا تو وہ کھڑی ہوئیں ایک کھونٹا ان کے ہاتھ میں آ گیا انہوں نے اس زور سے ابولہب کے سر پر مارا کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ اسی جلال میں انہوں نے کہا۔ اس کا مالک (عباس) یہاں موجود نہیں ہے تو تو نے اسے کمزور سمجھ لیا ہے۔ اس کو مار ڈالنا چاہتا ہے۔ جب ابولہب کے سر پر چوٹ پڑی تب اس نے مجھے چھوڑا۔ مگر پھر وہ کوئی سات دن ہی زندہ رہا۔ پھر اسے چیچک ہو گئی اور اسی میں مر گیا۔ (۴۴۲)

ابتدائی خبر پر یہ ہنگامہ ہوا۔ رفتہ رفتہ تحقیق ہو گئی تو گھر گھر ماتم تھا۔ حضرت عاتکہ رضی اللہ عنہا کے خواب کی تعبیر لوگوں کی نگاہوں کے سامنے تھی کہ قریش کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں اس جنگ کا چھینٹا نہ پہنچا ہو۔

عرب میں نوحہ اور ماتم کا عام دستور تھا اور جتنا بڑا آدمی مرتا تھا ایسا ہی اس کا ماتم بھی دھوم دھام سے ہوتا تھا اور عموماً سال بھر تک ماتم کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ مگر اس موقع پر قریش نے غیرت کی وجہ سے منادی کرا دی تھی کہ کوئی شخص رونے نہ پائے۔ اس لڑائی میں اسود بن مطلب کے تین (۴۴۳) لڑکے مارے گئے تھے اس کا دل امنڈا تا رہتا تھا مگر قومی غیرت کے خیال سے رو نہیں سکتا تھا۔ اتفاق سے ایک روز کسی طرف سے رونے کی آواز آ گئی۔ اسود سمجھا کہ رونے کی اجازت مل گئی ہے۔ غلام سے کہا جا کر دیکھو کون روتا ہے۔ کیا رونے کیا اجازت ہو گئی ہے۔ غلام نے آ کر جواب دیا کہ ایک عورت کا اونٹ گم ہو گیا ہے وہ اس پر رو رہی ہے۔ اسود کی زبان سے بے اختیار یہ شعر نکلے۔

ابتکی ان یضل لھا بعیر۔ ویمنعھا من النوم السھود فلا تبکی علی بکر
ولکن علی بدر تقاصرت الجدود علی بدر سراۃ بنی ھصیص

ومخزوم و رهط ابی الولید وبکی ان بکیت علی عقیل وبکی حارثا
اسد الاسود وبکیهم ولا تسمی جمعیا ومالابی حکیمة من ندید الاقد
ساد بعدهم رجال ولولا یوم بدر لم یسودوا (۴۴۴)

کیا اونٹ کے گم ہونے پر رو رہی ہے اور اس غم میں بیدار رہتی ہے رات کو نیند نہیں آتی جوان لڑکے جو مارے گئے ان پر نہیں رو رہی۔ بات یہ ہے کہ بدر پر ہمتیں پست ہو گئیں۔ قسمتیں ہار گئی۔ رونا ہو تو بدر پر رو۔ بنی ہصیص کے سرداروں پر گریہ کر بنی مخزوم پر اور ابو الولید کے لوگوں پر ماتم کر اور رونا ہو تو عقیل پر نوحہ کرو خوب رو اور حارث پر نوحہ کرو جو شیروں کا شیر تھا۔ اور ان سب کو۔ اور کسی کو بھی فراموش نہ کر۔ اور ابی حکیمہ پر ماتم کر جن کی کوئی ٹکر کا نہیں تھا۔ ہاں دیکھو۔ بدر کے بعد وہ لوگ سردار بن گئے کہ اگر بدر کا واقعہ نہ ہوتا تو کبھی بھی ان کو سرداری نصیب نہ ہوتی۔

اصلاحات و ہدایات

انفال۔ اساری۔ فدیہ

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ فَاتَّقُوْا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَاَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ - تا - رِزْقٌ كَرِيْمٌ
(سورہ انفال۔ع۔۱)

اے پیغمبر۔ آپ سے لوگ پوچھتے ہیں۔ انفال (مال غنیمت) کے بارے میں (کیا ہونا چاہیے) آپ کہہ دیجئے۔ مال غنیمت۔ اللہ اور اس کے رسول کا ہے پس اگر تم صاحب ایمان ہو تو تمہارا کام یہ ہے کہ اللہ سے تقویٰ کرو۔ اور اپنے آپس کے معاملات ٹھیک رکھو۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں سرگرم رہو (اور یہ بات ذہن نشین کر لو کہ) صاحب ایمان وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل دہل جائیں اور جب اس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جائیں تو وہ ان کے ایمان و یقین کو زیادہ کر دیں۔ اور وہ ہر حال میں اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے جو کچھ ان کو دے رکھا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے رہتے ہیں۔ بلاشبہ ایسے ہی لوگ ہیں حقیقی مومن۔ ان کے لیے ان کے پروردگار کے

یہاں مرتبے ہیں اور بخشائش اور بڑی خوبی اور عزت کی روزی ہے۔ (سورہ انفال ع ۱)

تشریحات

(۱) انفال۔ نفل کی جمع ہے۔ نفل زائد چیز کو کہتے ہیں۔ فرض اور واجب کے علاوہ جو نماز پڑھی جاتی ہے وہ زائد نماز ہے اس کو نفل کہتے ہیں۔ فرض زکوۃ اور واجب صدقہ کے علاوہ جو خیرات دی جائے وہ صدقہ نافلہ کہلاتا ہے کیونکہ وہ فرض سے زائد ہوتا ہے اور نفل انعام کو بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ بھی استحقاق سے زیادہ ہوتا ہے۔

(۲) جنگ اور جہاد کے موقع پر جو مال ضبط ہو کر تقسیم کیا جائے وہ بھی نفل کہلاتا ہے۔ مال غنیمت کو بھی نفل کہتے ہیں کیونکہ وہ جہاد کا مقصد نہیں ہوتا۔ وہ ایک زائد شے ہوتا ہے جو اللہ کی طرف سے انعام ہوتا ہے۔

(۳) قرآن پاک کی یہ سورت جس میں غزوہ بدر کا تذکرہ ہے اس کا نام سورہ "انفال" رکھا گیا اور عجیب بات یہ ہے کہ غزوہ بدر کے کسی واقعہ سے نہیں بلکہ انفال (مال غنیمت) کے احکام سے اس سورت کا آغاز ہوا۔ کیونکہ "مال غنیمت" اور انفال اس امت کی خصوصیت ہے۔ آپ "عہد زریں" کے نمبر ۳ میں بڑی تفصیل سے ملاحظہ فرما چکے ہوں گے کہ جہاد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور نبوت میں شروع ہوا۔ لیکن دشمن کے کیمپ سے جو مال ہاتھ لگتا تھا اس کو آگ لگا کر جلا دیا جاتا تھا۔ مجاہدین کو لینے کا حق نہیں ہوتا تھا۔ یہ اجازت صرف امت محمدیہ ﷺ کو عطا ہوئی کہ وہ اس کو اپنے کام میں لائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

لم تحل الغنائم لسود الروس غیرنا ہمارے علاوہ کسی کے لیے مال غنیمت حلال نہیں کیا گیا۔ (۴۴۵)

بخاری اور مسلم کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں مخصوص طور پر عنایت فرمائی گئی ہیں۔ مجھ سے پہلے کسی نبی کو یہ خصوصیتیں عطا نہیں ہوئیں۔

(الف) رعب کی نصرت مجھے عطا ہوئی۔ دشمن ایک ماہ کی مسافت پر ہوتا ہے کہ اس کے دل میں میرا رعب ڈال دیا (۴۴۶) جاتا ہے۔

(ب) میرے لیے تمام روئے زمین مسجد (سجدہ گاہ) اور طہور بنا دی گئی۔ ایک مسلمان جہاں وقت ہو جائے نماز پڑھ سکتا ہے۔ مسجد کی قید نہیں ہے۔ جس پاک مٹی سے چاہے تیمم کر سکتا ہے۔

(ج) میرے لیے مال غنیمت حلال کیا گیا۔ مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کیا گیا تھا۔

(د) اور مجھے شفاعت (عام) عطا کی گئی۔

(۵) مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام اپنی قوم کے لیے معبوث ہوا کرتے تھے مجھے پوری نوع انسان کے لیے مبعوث کیا گیا۔ (۴۴۷)

یہی خصوصیت ہے جس کی بنا پر غزوہ بدر کے تذکرہ میں سب سے پہلے انفال یعنی مال غنیمت کی حیثیت اور اس کے احکام پر روشنی ڈالی گئی اور اس سورت کا نام بدر کے بجائے انفال رکھا گیا۔

(۴) بعض جنگجو قبائل میں اب بھی رواج ہے کہ لڑائیوں میں جو کچھ ہاتھ لگتا ہے اس کا ایک حصہ اپنے چودہری یا مکھیا کو دیتے ہیں۔ عربی قبائل شیخ قبیلہ کو چوتھائی حصہ دیا کرتے تھے۔ جس کو "مرباع" کہا کرتے تھے اور باقی جس کے ہاتھ لگتا تھا اس کا ہوتا تھا۔ موجودہ مدعیان تہذیب کی فوجیں مفتوحہ علاقوں کے باشندوں کو خوب لوٹتی ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ فوجیوں کے گروپ بن جاتے ہیں جو مفتوحہ علاقہ میں برابر وحشت و بربریت کا مظاہرہ کرتے ہیں اور جو کچھ لوٹتے ہیں وہ آپس میں بانٹ لیتے ہیں۔

سورہ انفال میں مال غنیمت کو حلال قرار دیا گیا تو سب سے پہلے نظریہ کی اصلاح فرمائی گئی کہ مال غنیمت کا ایک حبہ بھی کسی فرد کا ملک نہیں ہے۔ غنیمت کے مال کا ایک بال بھی کسی نے چھپا کر رکھا تو اس کا تمام جہاد اکارت ہے وہ عذاب دوزخ کا مستحق ہے۔ ایک ایک حبہ اور ایک ایک پیسہ ہی نہیں بلکہ ایک ایک دھاگا بھی جس کے ہاتھ لگتا ہے وہ امانت ہے اس کا فرض ہے کہ اپنے امیر کے سامنے پیش کرے۔ یہ جو کچھ بھی ہے اللہ کا ہے۔ اللہ کے (نائب) رسول خدا ﷺ کا ہے۔

قُلِ الْاَنفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ آپ کہدیجئے کہ تمام مال غنیمت اللہ اور اس کے رسول کا ہے۔

(۶) اس آیت کے شان نزول میں بیان کیا گیا ہے کہ غزوہ بدر میں اکثر نوجوان جنہوں نے دشمنوں کو قتل کیا تھا انہوں نے ان کا مال بھی لے لیا۔ وہ صحابہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے تاکہ دشمن ایذا نہ پہونچا سکیں انہیں کچھ نہیں ملا۔ اس پر بحث ہوئی اور مطالبہ ہوا کہ مال سب کو تقسیم ہونا چاہیے۔ چنانچہ یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ اب یہ صحابہ کرام کے ایمان کامل کی شان تھی کہ جیسے ہی یہ آیتیں نازل ہوئیں سب کی گردنیں ہی نہیں بلکہ دل جھک گئے اور جس مال پر بحث کر رہے تھے اس کا ایک ایک حبہ لا کر پیش کر دیا۔ نہ کوئی تلخی تھی نہ ناگواری بلکہ خوشی تھی کہ وہ احکام ربانی کی تعمیل کر رہے ہیں۔

(۶) پہلے گذر چکا ہے کہ جہاد کی حقیقت فنا ہے۔ یعنی اپنا سب کچھ قربان کر کے دست قدرت کا آلہ کار بن جانا۔ اپنی ہر ایک غرض اور منفعت کے جذبہ کو ختم کر کے سراسر رضا خدا کے تابع ہو جانا۔ ایسا ایثار شیوہ۔ بے غرض جانباز اگر رائی کا ایک دانہ بھی اپنی کسی غرض سے چھپاتا ہے تو وہ اپنی مجاہدانہ حیثیت کو ختم کر رہا ہے اور دعوئ ایثار و قربانی کی تردید خود کر رہا ہے۔ ایک شخص جس کا نام کرکرہ تھا مارا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے افسوس کیا کہ یہ عذاب نار میں مبتلا ہو گیا۔ لوگوں نے اس کے سامان کا

جائزہ لیا تو اس میں ایک "عبا" ہاتھ لگا جو اس نے چھپا لیا تھا۔ (۴۴۸)

(۷) یہ احتیاط صرف اسی شکل میں پیدا ہو سکتی ہے کہ انسان کے دل میں خدا کا خوف ہو لہٰذا اس اعلان کے بعد کہ مال غنیمت اللہ اور اس کے رسول کا ہے۔ سب سے پہلا حکم مندرجہ بالا آیات میں یہ ہے۔ فاتقوا اللہ اللہ سے ڈرو۔

(۸) مال اور دولت۔ بقول سید المرسلین ﷺ (حلوۃ خضرۃ) شیریں اور سرسبز و شاداب چیز ہے۔ مگر اس سرسبز پودے میں فساد ذات البین کے کانٹے بھی ہوتے ہیں لہٰذا جب مال غنیمت کا انعام خداوندی میسر ہو تو سب سے مقدم یہ ہے کہ آپس کے معاملات میں خرابی نہ آنے دو۔ آپس کے معاملات کو ٹھیک رکھو اور "اصلاح ذات البین" کی کوشش کرتے رہو۔ چنانچہ آیات بالا میں دوسرا حکم ہے۔

وَ اَصۡلِحُوۡا ذَاتَ بَیۡنِکُمۡ

(۹) مال غنیمت اللہ اور اس کے رسول کا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے بعد جو مسلمانوں کا امیر اور سربراہ ہو گا وہ ان پر خرچ کرے گا جن کا تعلق اللہ اور اس کے رسول سے ہے اور اس طرح خرچ کرے گا جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں بتا دیا ہے بیشک یہ مجاہدین بھی اللہ اور اس کے رسول سے تعلق رکھتے ہیں اور میدان جہاد میں اس تعلق کا ثبوت بھی پیش کر چکے ہیں۔ لہٰذا تین حصے ان کے ہوں گے۔ جو مساوی طور پر شرکاء جہاد کو تقسیم کر دیئے جائیں گے۔ دو حصے ملی اور جماعتی ضرورتوں کے لیے ہوں گے۔ ان میں سے ذوی القربیٰ۔ یتامیٰ اور مساکین اور ابن السبیل کی امداد حسب ضرورت اور حسب صوابدید کی جائے گی۔ رسول یا امام کی ملک صرف وہ منتخب چیز ہوتی تھی جس کو صفی کہا جاتا تھا۔

اسلام کے مشہور جرنیل۔ فاتح ایران و عراق سیدنا حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میدان بدر میں میں نے سعید بن العاص کو قتل کیا اور اس کی نہایت عمدہ تلوار جس کا نام اس نے ذوالکتیعہ رکھ رکھا تھا میں نے لے لی۔ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یہ تلوار مجھے عنایت فرما دیجئے۔ آپ نے منع فرما دیا اور ارشاد ہوا کہ یہ تلوار نہ میری ہے نہ تمہاری۔ اس کو وہیں رکھ دو جہاں اور سامان رکھا ہوا ہے۔ مجھے افسوس ہوا اور میں نے دل میں خیال کیا کہ نہ معلوم یہ تلوار کس کو مل جائے گی جو کام اس تلوار سے میں لے سکتا ہوں ہر ایک کا نہ اتنا حوصلہ ہے نہ ہر ایک کو اتنی مہارت ہے کہ میری طرح اس تلوار سے کام لے سکے اور کوئی کارنامہ انجام دے سکے مگر ارشاد رسول اللہ ﷺ کی تعمیل ضروری تھی۔ میں نے اس تلوار کو انبار میں ڈال دیا۔ تھوڑی دیر میں مجھے پھر خیال آیا۔ میں پھر خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ یہ نہایت عمدہ تلوار ہے جو کارنامے اس تلوار کے ذریعہ میں انجام دے سکتا ہوں دوسرا شخص انجام نہیں دے سکتا۔ آنحضرت ﷺ نے پھر یہی جواب دیا۔ اور سختی

سے فرمایا کہ تلوار وہیں رکھ دو۔ اب مجھے اور زیادہ افسوس ہوا۔ میرے بھائی عمیر رضی اللہ عنہ اسی روز اسی جنگ میں شہید ہوئے تھے۔ ان کی شہادت کا بھی قلق تھا۔ ساتھ میں اس محرومی کا صدمہ۔ میں کبیدہ خاطر واپس ہو رہا تھا کہ مجھے بلایا گیا۔ اور سورہ انفال کی یہ آیتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت فرمائیں۔ کہ یہ ارشاد ربانی ابھی نازل ہوا ہے۔ اس ارشاد خداوندی سے پہلے یہ تلوار میری نہیں تھی۔ مجھے دے دینے کا بھی حق نہیں تھا۔ اس لیے میں نے کہا کہ امانت کو اپنی جگہ رکھ دو اب وحی الٰہی نے مجھے اس کا اختیار دیدیا ہے۔ لہٰذا اب یہ تلوار میں تمہیں دیتا ہوں۔ (۴۴۹)

(۹) وحی الٰہی نے اگرچہ امم سابقہ کے لیے مال غنیمت حلال نہیں کیا تھا۔ مگر متحارب اقوام اور جنگجو قبائل نے خود اپنے طور پر اس کو جائز تسلیم کر لیا اور اس میں "مرباع" (چوتھ) وغیرہ کے حصے بھی قائم کر دیئے تھے۔ ایٹمی دور کی تباہ کاری نے اگرچہ لوٹ کے امکانات ختم کر دیئے ہیں ۔ لیکن پھر بھی جہاں موقع ملتا ہے فوجی گروپ کوتاہی نہیں کرتے۔ بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ خود اپنے ہی ملک کے لوگوں کو لوٹتے ہیں اور ان کی عزت برباد کرتے ہیں۔

اسلام نے جب مال غنیمت کو جائز قرار دیا تو اس کے ضابطے بھی مقرر کر دیئے۔ پرامن شہریوں کو لوٹنے کا تو کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ متحارب فوجوں اور جماعتوں کی منقولہ اور غیر منقولہ جائیدادیں ضبط کی جائیں گی تو ان کی تقسیم کے ضابطے مقرر کر دیئے ہیں۔ ان ضابطوں کی خلاف ورزی نہ کسی سپاہی کے لیے جائز ہے نہ کسی کمانڈر اور جرنیل کے لیے۔ سورہ انفال کے پانچویں رکوع اور سورہ حشر وغیرہ میں کچھ اصول بیان کیے گئے ہیں مگر ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ جب جماعت صحابہ کے نظام حکومت کو پیش کیا جائے گا اس وقت اس کی تفصیلات بھی پیش کی جائیں گی۔ (انشاء اللہ)

(۱۰) جہاد وہی ہے جس کا محرک جذبہ ایمانی ہو۔ مگر جذبہ ایمانی کی بنیادی شرط خوف خدا ہے بات بات پر مشتعل ہو جانا جذبہ ایمانی نہیں ہے۔ بلکہ جذبہ ایمان یہ ہے۔

اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا

کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل دہل جائیں اور جب اس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جائیں تو ان کے ایمان اور یقین کو اور زیادہ کر دیں۔

پھر یہ کیفیت وقتی اور عارضی نہیں ہوتی بلکہ طبیعت ثانیہ اور ملکہ راسخہ ہوتی ہے جو ان کی زندگی کو اسی رنگ میں رنگ دیتی ہے۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ ان کی سرگرمیاں اس میں مصروف رہتی ہیں کہ "اقامت صلوۃ" کریں یعنی ایسی فضا پیدا کریں کہ نماز اپنی جملہ خصوصیات کے ساتھ اس طرح ادا کی جائے کہ نماز کی تاثیر جماعتی اور انفرادی زندگی میں نمایاں ہو۔ اللہ کی عبادت کے بعد ان کی سرگرمی کا دوسرا محور۔ اعانت حق اور خدمت خلق ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ خدا کے دیئے ہوئے رزق میں سے راہ

خدا میں خرچ کرتے ہیں اور فقرو فاقہ یا تنگ دستی کا کوئی وسوسہ ان کے حوصلہ کو پست نہیں کرتا کیونکہ وہ خدا پر توکل اور اس کی شان کارسازی پر پورا اعتماد رکھتے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ۔ اُولٰئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا

(۱۱) سورہ انفال کی مذکورہ بالا آیتوں میں جو اوصاف بیان کیے گئے ہیں وہ تصور نہیں بلکہ تصویر ہیں۔ یعنی یہ مطلب نہیں ہے کہ ان آیتوں میں کچھ تصورات پیش کیے گئے ہیں جن کے بموجب ایک جماعت تیار کی جائے گی اور ایک عرصہ کے بعد یہ تصورات بروئے کار آئیں گے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ مجاہدین بدر وہ مومنین صادقین تھے جو ان اوصاف اور خصوصیات کے حامل تھے۔ ان کی پاک زندگی ان کمالات کا آئینہ تھی اور اس بنا پر وحی الٰہی کی یہ شہادت ان کے بارے میں بالکل صحیح اور بجا تھی۔

اُولٰئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَھُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَمَغْفِرَۃٌ وَّ رِزْقٌ کَرِیْمٌ۔

کہ یہی ہیں حقیقی مومن ان کے لیے ان کے پروردگار کے یہاں مرتبے ہیں اور بخشائش اور بڑی خوبی اور عزت کی روزی۔

اسیران بدر اور فدیہ

تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا وَاللّٰہُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَۃِ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ (سورہ انفال ع ۹)

تم دنیا کی متاع چاہتے ہو۔ اور اللہ چاہتا ہے (تمہیں) آخرت کا اجر دے اور اللہ غالب ہے حکمت والا

بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے کی اجازت دی گئی۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ پہلے اس جذبہ کی پوری حوصلہ شکنی کی گئی۔ پھر اس طرح اجازت دی گئی جیسے کسی غیر پسندیدہ بات کی۔ اس سے زیادہ حوصلہ شکنی کیا ہو سکتی تھی کہ جو لوگ اُولٰئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا کے صحیح مصداق تھے ان سے فرمایا جا رہا ہے۔ ''تم متاع دنیا چاہتے ہو''

واقعہ یہ ہے کہ اسیران جنگ بدر کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا کہ ان کا کیا کیا جائے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ ان سے فدیہ لیا جائے کیونکہ یہ اپنے ہی خاندان اور قبیلے کے لوگ ہیں بہت ممکن ہے آگے چل کر دولت اسلام سے مشرف ہو جائیں۔ اس طرح ان کے ساتھ حسن سلوک بھی ہو گا جو ان کو متاثر کرے گا اور فدیہ کی رقم مسلمانوں کے کام آئے گی۔

فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اس کے برعکس مشورہ یہ دیا کہ یہ لوگ "ائمہ کفر" ہیں ان کی تمام کوششیں اسلام کے برخلاف رہی ہیں ان کو ختم ہی کر دینا چاہیے تاکہ کفر کا زور ٹوٹے۔ اور جن مسلمانوں سے ان کی قرابت ہے وہی ان کو ختم کر دیں اور میں اس کے لیے تیار ہوں کہ جو میرے عزیز ہیں وہ میرے حوالے کیے جائیں میں ان کو ختم کر دوں تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ توحید پرستوں کے دل جس طرح شرک سے بیزار ہیں ان کے دلوں میں شرک پرستوں کے لیے بھی کوئی گنجائش نہیں۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جو میدان جنگ میں عریش کے محافظ تھے وہ اسی وقت یہ چاہتے تھے کہ گرفتار کسی کو نہ کیا جائے بلکہ یہیں قتل کر دیا جائے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے تجویز پیش کی کہ کسی وادی میں آگ بھڑکا کر ان سب کو نذر آتش کر دیا جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تجویزیں سنیں پھر حجرہ شریفہ میں تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر میں تشریف لائے اور مختصری تقریر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی دل کو اتنا نرم کر دیتا ہے کہ دودھ سے بھی زیادہ رقیق ہو جاتا ہے اور کسی کے دل کو پتھر سے بھی زیادہ سخت کر دیتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جذبات کی مذمت نہیں فرمائی۔ ہر ایک کے جذبہ کی تحسین کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابوبکر صدیق کی مثال ایسی ہے جیسے فرشتوں میں حضرت میکائیل علیہ السلام ہیں کہ وہ خدا کی رحمت ہی بن کر نازل ہوتے ہیں اور انبیاء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال ایسی ہے جیسی حضرت ابراہیم علیہ السلام یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا۔

مَنْ تَبِعَنِیْ فَإِنَّهٗ مِنِّیْ وَمَنْ عَصَانِیْ فَإِنَّکَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (سورہ ابراہیم ع ٦)

جو میرے پیچھے چلا وہ میرا ہے اور جس نے میری بات نہیں مانی وہ تیرے حوالہ ہے تو چاہے تو بخش دے کیونکہ تو بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا۔

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُکَ وَاِنْ تَغْفِرْلَهُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ

اگر تو ان کو (جنہوں نے مجھے ابن اللہ مانا) عذاب دے تو (بیشک تجھے اس کا اختیار ہے) وہ تیرے بندے ہیں (تو مالک و آقا ہے) اور اگر تو ان کو بخش دے تو (یہ بھی بعید نہیں ہے) کیونکہ تو غالب ہے اور صاحب حکمت ہے (ان کو عذاب دینا سراسر عدل ہے اور معاف کر دینا فضل و انعام ہے)

پھر حضرت فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ تمہاری مثال فرشتوں میں ایسی ہے جیسے جبرئیل علیہ السلام جو قوموں

پر خدا کا عذاب نازل کرتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام میں تمہاری مثال ایسی ہے جیسے نوح علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کی۔

حضرت نوح علیہ السلام نے کہا تھا۔

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكَافِرِيْنَ دَيَّارًا۔

اے رب مت باقی رکھ زمین پر کسی بسنے والے کو (سورہ نوح)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی۔

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ

اے رب مٹا دے ان کے مال اور سخت کر دے ان کے دل اور یہ ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ دیکھ لیں عذاب درد ناک۔

آنحضرت ﷺ نے ان رفقاء کرام کے جذبات کی نہ صرف تحسین فرمائی بلکہ اس تمثیل پر جس قدر فخر کیا جائے کم ہے کہ جلیل القدر ملائکہ اور عظیم المرتبت انبیاء علیہم السلام سے ان کو تشبیہ دی آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر آپ ﷺ اپنی ان تجویزوں کو نافذ کریں تو میں کسی کی مخالفت نہیں کروں گا۔ لیکن پھر آپ نے فیصلہ یہی صادر فرمایا کہ فدیہ لیا جائے۔

مقدار فدیہ

فدیہ حسب حیثیت لیا گیا۔ قریش کو پہلے شرم آئی کہ وہ فدیہ پیش کر کے اپنے عزیزوں کو رہائی دلائیں۔ ایک خیال یہ تھا کہ فدیہ ہرگز نہ دیا جائے اس سے مسلمانوں کے حوصلے بڑھیں گے۔ لیکن بنو سلیم کے ایک رئیس اور سوداگر "مطلب" ابن ابی وداعہ سہمی کا باپ بھی اسیر تھا۔ اس نے قریش کی اس مصلحت بینی کی پرواہ نہیں کی اور رات کے وقت مکہ معظمہ سے پوشیدہ نکل کر مدینہ پہونچا اور چار ہزار درہم فدیہ دے کر اپنے باپ (حارث ابووداعہ) کو چھڑا کر لے گیا۔ (۴۵۰)

اس کے بعد اور لوگ بھی دوڑے اور فدیہ دے کر اپنے عزیزوں کو چھڑانے لگے۔ کم سے کم ایک ہزار فدیہ لیا گیا۔ زیادہ سے زیادہ چار ہزار۔ جو نادار کچھ بھی ادا نہیں کر سکتے تھے ان میں سے جو لکھنا جانتے تھے ان سے طے کر دیا گیا کہ وہ دس دس بچوں کو لکھنا سکھا دیں اور رہا ہو جائیں۔ (۴۵۱)

گرفتاران جنگ میں آنحضرت ﷺ کے چچا عباس بھی تھے۔ جن کو حضرت ابوالیسر انصاری نے گرفتار کیا تھا۔ کچھ لوگوں کو خیال ہوا کہ ان کو قتل کر دیا جائے۔ اس کی کن فن آنحضرت ﷺ تک پہونچی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ صرف عم محترم ہی نہیں تھے بلکہ دل سے مسلمان تھے۔ اور آنحضرت ﷺ کے بہت بڑے

معاون تھے۔ اس خبر سے آپ کو تشویش ہوئی۔ آپ نے (ﷺ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اشارہ فرمایا کہ اس کی روک تھام کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے پاس پہونچے جو قتل کا ارادہ کیے ہوئے تھے' اول ان لوگوں نے کچھ تامل کیا اور جب معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کا گوشہ خاطر یہی ہے تو سب نے سر تسلیم خم کر دیا (۴۵۲) پھر حضرات انصار کی ایک جماعت کا یہ اصرار ہوا کہ حضرت عباس ؓ سے کچھ نہ لیا جائے۔ یہ ہمارے بھانجے ہیں۔ مگر آنحضرت ﷺ نے اس کی اجازت نہیں دی۔ (۴۵۳) اور چونکہ حضرت عباس ؓ دولت مند تھے تو ان سے بھی چار ہزار درہم وصول کیے گئے جو اس حیثیت کے دوسرے قیدیوں سے وصول کیے گئے تھے۔ (۴۵۴)

حضرت علی ؓ کے برادر حقیقی عقیل بن ابی طالب بھی اسیر تھے' یہ اپنا فدیہ نہیں ادا کر سکتے تھے تو ان کا فدیہ بھی مبلغ چار ہزار درہم حضرت عباس ؓ ہی سے وصول کیا گیا۔ حضرت عباس ؓ نے معذرت کی کہ میرے پاس اتنی رقم نہیں ہے اور میں نے قریش کی فوج پر بھی کافی رقم خرچ کی ہے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ وہ رقم تو ہے جو آپ روانگی کے وقت اپنی زوجہ (ام الفضل) کو دے آئے تھے کہ ضرورت کے وقت کام آئے گی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یہ ارشاد سنا تو پھڑک اٹھے کہ واقعی آپ سچے ہیں یہ رقم میں نے ضرور دی تھی مگر میرے اور ام الفضل کے علاوہ اور کسی کو اس کی خبر نہیں تھی۔ (۴۵۵)

ابوسفیان کا ایک لڑکا۔ عمرو بن سفیان بھی گرفتار تھا۔ حضرت علی ؓ نے اس کو گرفتار کیا تھا۔ ابوسفیان نے اس کا فدیہ نہیں بھیجا۔ اس سے کہا گیا تو جواب دیا کہ دو نقصان ایک ساتھ قابل برداشت نہیں ہیں۔ میرا ایک لڑکا حنظلہ مارا گیا۔ دوسرا کا فدیہ ادا کروں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ مسلمان جو چاہیں کریں۔

(طبیعت میں بخل تھا۔ خود ان کی بیوی نے مسلمان ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ سے شکایت کی تھی کہ "رجل سیک" بخیل آدمی ہیں' اولاد پر خرچ نہیں کرتے۔ (بخاری شریف)

اتفاق سے قبیلہ بنو عمرو بن عوف کا ایک شخص "سعد بن نعمان" عمرہ کی غرض سے مکہ پہونچ گیا یہ شخص مشرک تھا مگر چونکہ قبیلہ بنو عمرو بن عوف مسلمانوں کا حلیف تھا تو اس کی اعانت اور حفاظت کی ذمہ داری مسلمانوں پر تھی چنانچہ ابوسفیان نے سعد بن نعمان کو پکڑ لیا اور کہلا بھیجا کہ مسلمان میرے بیٹے عمرو کو رہا کر دیں تو میں سعد کو رہا کر دوں گا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ابوسفیان کے بیٹے کو بھجوا دیا۔ اور سعد کو رہائی دلوا دی۔ (۴۵۶)

شوق شہادت اور ہمدردی نوع انسان

صحیح السند روایت (۴۵۷) ہے۔ کہ آنحضرت ﷺ نے جب صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا تو عالم قضا وقدر کے اس مخفی راز کی طرف بھی اشارہ فرما دیا تھا کہ اگر ان قیدیوں کا قتل نہیں کیا جاتا اور فدیہ منظور کر لیا جاتا ہے تو آئندہ جنگ میں اتنے ہی مسلمان شہد کیے جائیں گے لیکن شہادت فی سبیل اللہ اور ہمدردی

نوع انسان کا یہ جذبہ بے پناہ بھی اپنی نظیر نہیں رکھتا کہ خدائے قدوس کے ان برگزیدہ بندوں نے شہادت منظور کی اور ان سیروں کو قتل منظور نہیں کیا۔

ابوالعاص

اسیران جنگ میں آنحضرت ﷺ کے ایک داماد "ابوالعاص (۴۵۸) بن الربیع" بھی تھے۔ اگرچہ صاحب حیثیت تاجر تھے۔ قریش کے اونچے خاندان سے تعلق تھا۔ مگر اس موقع پر ان کے پاس فدیہ کی رقم نہیں تھی۔ ان کی اہلیہ محترمہ (آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی زینب رضی اللہ عنہا) مکہ میں تھیں انہوں نے اپنے شوہر کی رہائی کے لیے جو فدیہ بھیجا اس میں وہ ہار بھی تھا جو ان کی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے شادی کے وقت ان کو دیا تھا۔ آنحضرت ﷺ کی نظر اس ہار پر پڑی تو ایک جان نثار باوفا خاتون کی یاد تازہ ہو گئی۔ جس نے اپنا سب کچھ اسلام پر قربان کر دیا تھا۔

واقعات کی رفتار نے عجیب رقت انگیز صورت پیدا کر دی تھی۔ وہ حق پرست و صداقت پسند خاتون رضی اللہ عنہا جو غار حرا میں آپ کو ناشتہ پہونچایا کرتی تھیں۔ جس نے نزول وحی کے وقت آپ کی ڈھارس بندھائی۔ آپ کی دلداری کی۔ سب سے پہلے آپ کی تصدیق کی۔ پھر اپنی تمام دولت دعوت حق کی تائید و حمایت میں صرف کر دی۔ آج اسلام کی سب سے پہلی فتح کے موقع پر اسی باوفا خاتون کا ہار ایک قیدی کے فدیہ میں پیش ہو رہا ہے۔ رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر اس کا اثر ہوا۔

مسلمانوں کا یہ امیر مطاع جس کے معمولی اشارہ پر مسلمان جانیں چھڑکنے کو اپنی سعادت اور کامیابی سمجھتے تھے۔ جس کی احسان شناسی کا یہ عالم تھا کہ مطعم بن عدی کے چند احسانوں کی بنا پر اس نے اسی جنگ کے خاتمہ پر میدان بدر میں فرمایا تھا کہ اگر آج مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور ان اسیران جنگ کے لیے سفارش کرتا تو میں سب کو چھوڑ دیتا۔ یہ احسان شناس رحمتہ عالم (ﷺ) اس موقعہ پر بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفاداری اور خدمات کی بنا پر خود اپنی رائے سے یہ ہار واپس کر سکتا تھا اور ابوالعاص کو بلا فدیہ رہائی بخش سکتا تھا۔ مگر اس معاملہ کا تعلق آنحضرت ﷺ کی ذات خاص سے تھا۔ آپ کی بیٹی اور داماد کا معاملہ تھا۔ آپ نے بذات خود کوئی فیصلہ نہیں فرمایا۔ بلکہ ضابطہ اور قاعدہ کی پابندی اور آج کل کی اصطلاح میں جمہوری تقاضے کی مراعات ضروری سمجھی۔ آپ نے معاملہ مسلمانوں کے سامنے رکھا۔ جیسے ہی مسلمانوں کو اس رقت انگیز صورت حال کا احساس ہوا سب نے درخواست کی کہ ماں کی یادگار بیٹی کو واپس کر دی جائے۔ چنانچہ مسلمانوں کے فیصلہ کے بموجب ابوالعاص بلافدیہ رہا کر دیئے گئے۔ (۴۵۹)

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی واپسی

اب تک مسلم اور مشرک کا باہمی نکاح حرام نہیں ہوا تھا اور اسی بنا پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا

ابوالعاص کے یہاں تھیں۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے مناسب یہی سمجھا کہ صاحبزادی "حضرت زینب" مدینہ آ جائیں۔ چنانچہ آپ نے ابوالعاص سے فرمایا اور انہوں نے وعدہ کر لیا کہ حضرت "زینب" رضی اللہ عنہا کو بھیج دیں گے۔ آنحضرت ﷺ نے غزوہ بدر سے تقریباً" ایک ماہ بعد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مکہ بھیجا کہ وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو لے آئیں اور ایک انصاری جان نثار کو ساتھ کر دیا۔ یہ حضرات مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے تھے۔ مکہ کے قریب ایک (۴۶۰) جگہ آپ نے بتا دی تھی کہ وہاں پوشیدہ طور پر ٹھیر جائیں اور جب زینب رضی اللہ عنہا وہاں پہونچیں تو ان کو ساتھ لے کر مدینہ چلے آئیں۔

ابوالعاص نے وعدہ پورا کیا۔ اپنے بھائی کنانہ بن ربیع کے سپرد کیا وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اس مقام پر پہونچا آئیں جہاں یہ دونوں صاحب تھے۔

عرب کی معزز خواتین پردہ کے ساتھ ہودج (ہودہ) میں سفر کیا کرتی تھیں جو اونٹ پر کسا جاتا تھا۔ کنانہ بن ربیع نے بھی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ہودج میں سوار کیا۔ تیر اور ترکش ساتھ لیا۔ دوسرے اونٹ پر خود سوار ہوا اور دوپہر کے وقت مکہ سے روانہ ہو گیا۔ لیکن ابھی ذی طویٰ ہی پہونچے تھے کہ قریش کے کچھ لوگ پہونچ گئے اور ہودج کو گھیر لیا۔ ہبار بن اسود نے آگے بڑھ کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے اونٹ کے نیزہ مارا۔ جس سے اونٹ تڑپا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا زمین پر گر گئیں۔ حضرت زینب حاملہ تھیں۔ اس صدمہ سے حمل بھی ساقط ہو گیا۔

کنانہ نے یہ ہنگامہ دیکھا تو فوراً" ترکش سنبھالا اور تیر اندازی شروع کر دی۔ مگر ہبار بچ کر نکل گیا ابوسفیان جو کچھ آدمیوں کو لے کر یہاں پہونچ گیا تھا۔ اس نے اشارہ سے کنانہ کو روکا کہ تیر اندازی بند کریں وہ کچھ بات کرنا چاہتے ہیں۔ کنانہ رک گئے تو ابوسفیان نے پاس آ کر کہا ہم یہ نہیں چاہتے کہ زینب رضی اللہ عنہا کو اس کے باپ سے چھڑا دیں۔ مگر تمہاری یہ حرکت قابل برداشت نہیں ہے۔ رات کی تاریکی میں نکال کر لیجاتے اور ہمیں خبر نہ ہوتی تو ہمارے لیے عذر کا موقع تھا لیکن دن دہاڑے تم لیجا رہے ہو تو لوگ یہی کہیں گے کہ قریش اتنے مرعوب ہو چکے ہیں کہ کھلم کھلا ان کے سامنے عورتیں نکال لی جاتی ہیں اور وہ دم نہیں مار سکتے۔ یہ ہماری بھی بدنامی ہے اور تمہاری بھی۔ اب میرا مشورہ یہ ہے کہ تم زینب رضی اللہ عنہا کو واپس لے چلو۔ پھر جیسا موقع ہو کام کرنا۔

کنانہ نے موقع اور مصلحت کو سمجھا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اس وقت واپس لے آئے پھر چند روز بعد موقع پا کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو بطن یاجج پہونچا دیا۔ جہاں حضرت زید بن حارثہ اور ان کے رفیق منتظر تھے وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو لے کر مدینہ آ گئے۔ (۴۶۱)

حضرت ابو العاص دائرہ اسلام میں

ابو العاص بہت بڑے تاجر تھے۔ چند سال کے بعد بڑے سرو سامان سے شام کی تجارت کو نکلے۔ واپسی میں مسلمانوں کے ایک دستہ سے مقابلہ ہو گیا۔ ابو العاص نے بھاگ کر جان بچائی سارے سامان اور مال تجارت پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ ابو العاص بہت پریشان تھے کہ مکہ میں جا کر کیا منہ دکھائیں گے۔ لیکن ایک تدبیر ان کی سمجھ میں آئی جو کامیاب رہی۔ آپ رات کی اندھیری میں مدینہ میں داخل ہو کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس پہونچ گئے اور ان کے ذریعہ "امان" کی درخواست کی۔ اسلامی اصول جنگ کے بموجب ہر مسلمان امان اور پناہ دے سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے خود ہی ان کو امان (پناہ) دیدی۔ اور نماز صبح کے وقت جیسے ہی جماعت شروع ہوئی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے "صفتہ النساء" سے (جہاں عورتیں نماز پڑھا کرتی تھیں۔ وہیں سے) اعلان کر دیا "مسلمانو! میں نے ابو العاص بن ربیع کو پناہ دیدی ہے" آنحضرت ﷺ نے سلام پھیرا تو جماعت کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔

میرے کانوں میں جو آواز پڑی ہے وہ آپ صاحبان نے بھی سنی ہو گی۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں اس سے پہلے میرے علم میں کوئی بات نہیں آئی۔ اب جب کہ ایک مسلمان خاتون (زینب) امن دے چکی ہے تو اس کو تسلیم کرنا ہر مسلمان پر لازم ہو گیا۔

پھر آپ ﷺ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے یہاں تشریف لے گئے اور ان کو ہدایت فرمائی کہ ابو العاص رضی اللہ عنہ کی خاطر مدارات پوری طرح کریں۔ لیکن خلوت سے اجتناب کریں۔

ابو العاص رضی اللہ عنہ کو جان کی پناہ مل گئی تھی' لیکن مال کی پریشانی اب بھی باقی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو جمع کر کے فرمایا۔ مناسب سمجھو تو ابو العاص رضی اللہ عنہ کا مال و اسباب بھی واپس کر دو۔ سب طرف سے تسلیم کی گردنیں جھک گئیں اور جو کچھ چھینا گیا تھا ایک ایک دھاگا تک واپس کر دیا گیا۔ ابو العاص ایک بہادر شریف زادے تھے۔ میدان بدر میں تلواروں کی جھنکار نے ان پر یہ اثر نہیں کیا جیسا اس اخلاقی کرشمہ نے ان کا دل موہ لیا۔

ابو العاص رضی اللہ عنہ مکہ واپس آئے۔ تمام شرکاء کو حساب سمجھایا جس جس کی امانت ان کے پاس تھی پوری احتیاط سے واپس کی۔ یہ بھی دریافت کر لیا کہ کچھ اور تو باقی نہیں ہے۔ جب سب نے تصدیق کر دی کہ آپ کے ذمہ اب کچھ نہیں رہا۔ تب آپ رضی اللہ عنہ نے اعلان فرما دیا۔

اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا رسول الله۔

اہل مکہ سے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں صرف اس لیے آیا تھا کہ ہر ایک کی چکتائی کر دوں تاکہ کل کو کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ابو العاص ہمارا روپیہ مار کر مسلمان ہو گیا۔ اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ مدینہ تشریف لے آئے۔

اسیران جنگ کے ساتھ سلوک

عرب کے اس دور معصوم میں جیل خانہ نہیں تھا۔ لوگ قیدی کو تسمہ سے باندھ دیا کرتے تھے۔ اسی لیے اس کو اسیر کہتے تھے یعنی تسمہ والا۔ کیونکہ "اسر" تسمہ کو کہا جاتا ہے۔ جو گرفتار کرتا تھا وہی اس کی حفاظت کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ خورد نوش کا انتظام بھی وہی کیا کرتا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ہدایت فرمائی تھی کہ قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ (۴۶۲) اس ہدایت پر یہاں تک عمل کیا گیا کہ صحابہ کرام ان قیدیوں کو کھانا کھلاتے تھے اور خود کھجوریں کھا کر رہ جاتے تھے۔ ان قیدیوں میں ابو عزیز بن عمیر بھی تھے جو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔ ان کا بیان ہے کہ میں جن انصار کے یہاں قید تھا جب وہ کھانا لاتے تو روٹی میرے سامنے رکھ دیتے تھے اور خود کھجوریں اٹھا لیتے تھے۔ مجھے شرم آتی اور میں روٹی ان کے ہاتھ میں دیدیتا لیکن وہ ہاتھ بھی نہ لگاتے اور مجھ ہی کو واپس کر دیتے تھے۔ (۴۶۳)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو قید کی حالت میں مسجد میں رکھا گیا۔ تسمہ سخت کسا ہوا تھا۔ تکلیف سے کراہ نکلنے لگی۔ آنحضرت ﷺ نے کراہ کی آواز سنی تو نیند جاتی رہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے چینی کا احساس خدام کو ہوا۔ اور جب معلوم ہوا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بے چینی کی وجہ سے سرور کائنات ﷺ بے چین ہیں تو تسمہ ڈھیلا کر دیا۔ اور جب حضرت عباس کا تسمہ ڈھیلا کیا گیا تو تمام اسیروں کے تسمے اسی طرح ڈھیلے کر دیئے گئے۔ (۴۶۴)

اسیران جنگ کے پاس کپڑے نہیں تھے۔ آنحضرت ﷺ نے کپڑے دلوائے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا قد لانبا تھا۔ کسی کا کرتہ ان کے بدن پر ٹھیک نہ آیا۔ عبداللہ بن ابی (رئیس المنافقین) ان کا ہم قد تھا۔ اس نے اپنا کرتہ منگا کر دیا۔ صحیح بخاری (۴۶۵) میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عبداللہ بن ابی کے کفن کے لیے جو اپنا کرتہ عنایت فرمایا وہ اسی احسان کا معاوضہ تھا۔

ابو عزہ عمرو الجمحی۔ مشہور شاعر تھا۔ آنحضرت ﷺ کے خلاف اشعار اور قصیدے کہا کرتا تھا وہ بھی گرفتار ہوا۔ اور جب فدیہ کا مطالبہ کیا گیا تو معذرت پیش کر دی کہ تہی دست ہوں۔ پانچ لڑکیوں کا خرچ میرے ذمہ ہے۔ مجھے تو آپ بلا فدیہ ہی رہا کر دیجیے۔ رحمت عالم ﷺ نے درخواست منظور فرمائی اور اس کو رہا کر دیا۔ اس نے مکہ جا کر آپ کی تعریف میں اشعار کہے۔ مگر پھر بدبختی سوار ہوئی جنگ احد کے موقع پر مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیز اشعار کہے اس بدعہدی کا بدلہ بھی ہاتھ در ہاتھ مل گیا۔ جنگ احد میں گرفتار ہوا۔ پھر بصد ناکامی قتل ہوا۔ (۴۶۶)

سہیل بن عمرو۔ مکہ کا مشہور خطیب اور شاعر تھا۔ اس کا نیچے کا ہونٹ کٹا ہوا تھا۔ مگر پھر بھی تقریر دھواں دھار کیا کرتا تھا۔ اور آنحضرت ﷺ کے خلاف زہر اگلا کرتا تھا۔ جنگ بدر میں گرفتار ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ اس سے آگے کے دو دانت توڑ

دیئے جائیں تاکہ تقریر نہ کر سکے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں مثلہ کی اجازت نہیں دے سکتا۔ میں "نبی" ہوں۔ مگر مثلہ ایسا فعل ہے کہ مجھے ڈر لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے انتقام میں خود میرا مثلہ نہ کر دے۔ (معاذ اللہ)

مکرز بن حفص نے اس کی رہائی کی کوشش کی مگر زرفدیہ پاس نہیں تھا تو مکرز نے خود اپنی ضمانت پیش کر دی کہ میرے پاؤں میں تسمہ ڈال دیا جائے اور سہیل کو مہلت دی جائے کہ وہ رقم فدیہ فراہم کر کے لے آئے۔ رحمت دو جہان (ﷺ) کے دربار میں یہ ضمانت منظور ہوئی اور سہیل کو رہا کر دیا گیا کہ وہ زر فدیہ فراہم کر لے۔ (۴۶۷)

اسیران جنگ کی دلداری اور دعوت الی اللہ کا معجزانہ انداز

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّمَن فِي أَيْدِيكُم مِّنَ الْأَسْرَىٰ إِن يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّا أُخِذَ مِنكُمْ -- تا -- عَلِيمٌ حَكِيمٌ (سورہ انفال ع ۱۰)

۱ - اے نبی۔ لڑائی کے قیدیوں میں سے جو لوگ تمہارے قبضہ میں ہیں ان سے کہدو اگر اللہ نے تمہارے دلوں میں کچھ نیکی پائی تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے کہیں بہتر چیز تمہیں عطا فرمائے گا۔ اور تمہیں بخش دے گا۔ وہ بڑا بخشنے والا رحمت والا ہے۔

۲ - اور اگر ان لوگوں نے چاہا کہ تمہیں دغا دیں (تو کوئی وجہ نہیں کہ اس اندیشے سے تم اپنا طرز عمل بدل ڈالو کیونکہ) یہ اس سے پہلے خود اللہ کے ساتھ خیانت کر چکے ہیں (لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے) تمہیں ان پر قدرت دیدی۔ اور (یاد رکھو) اللہ سب کچھ جانتا اور (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے۔

یہ سورہ انفال کے دسویں رکوع کی آیتیں ہیں۔ ان سے پہلے نویں رکوع کے آخر میں وہ آیتیں ہیں جن میں مسلمانوں کو ان قیدیوں سے فدیہ لینے کی اجازت دی گئی ہے۔ مگر پہلے گذر چکا ہے کہ اجازت کا انداز بہت زیادہ حوصلہ شکن ہے۔ انتہا یہ کہ جن لوگوں کو کہا گیا تھا۔ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا "یہی ہیں سچے اور حقیقی مومن" فدیہ کے سلسلہ میں ان کو کہدیا گیا تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا "تم متاع دنیا چاہتے ہو" ایک طرف مسلمانوں کے حق میں یہ حوصلہ شکن انداز بیان ہے۔ دوسری طرف ان اسیران جنگ کو اطمینان دلایا جا رہا ہے کہ۔

(الف) تمہارے دلوں میں کچھ بھی نیکی ہوئی تو اطمینان رکھو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے کہیں بہتر تم کو دے دیا جائے گا۔

(ب) اگر تم نے نیکی پر عمل کیا تو اللہ کی مغفرت کا دامن وسیع ہے۔ اس کی رحمت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں تمہارے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے اور تمہیں رحمت کے سایہ میں لے لیا جائے گا۔

فضیلت

یہ آیت ان صحابہ کرام کے حق میں مغفرت اور رحمت کی دستاویز ہے جو اس وقت قید ہوئے تھے۔ پھر اسلام سے مشرف ہوئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ انہیں بزرگوں میں ہیں جو ہر طرح اس آیت کے مصداق ثابت ہوئے۔ آپ اسلام سے بھی مشرف ہوئے اور جتنا مال ان سے فدیہ میں لیا گیا تھا اس سے کہیں زیادہ ان کو عطا کیا گیا۔ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ بحرین سے طے شدہ رقم آئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ صحن مسجد میں اس کو بکھیر دو۔ اس وقت تک اس سے زیادہ دولت کبھی نہیں آئی تھی۔ پھر آپ ﷺ نے اس کو تقسیم کرنا شروع کیا۔ اس وقت حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی آ گئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ مجھے بھی عنایت فرمایئے۔ میں نے جنگ بدر کے موقع پر اپنا بھی فدیہ ادا کیا تھا اور برادرزادہ "عقیل" کا بھی فدیہ ادا کیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اٹھا لو۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا کپڑا پھیلایا اور اتنے درہم بھر لیے کہ جب اٹھانے لگے تو ان سے اٹھے نہیں۔ حضرت عباس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ کسی سے کہہ دیجئے کہ یہ اٹھا کر میرے ساتھ لے چلیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ کسی کو بھیجا نہیں جائے گا آپ خود جتنے درہم لے جا سکیں لے جائیں۔ حضرت عباس نے آنحضرت ﷺ سے کہا آپ اٹھوا دیجئے۔ فرمایا یہ بھی نہیں ہو گا۔ آپ خود اٹھایئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کچھ درہم کم کر دیئے تب بھی اتنا وزن باقی رہ گیا کہ بہت ہی مشکل سے مونڈھے پر اٹھا کر لے جا سکے۔

بہرحال اس آیت میں جو دعوت دی گئی تھی۔ جس نے اسے قبول کیا۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے وہ وعدہ بھی پورا فرمایا کہ جو رقم ان سے وصول کی گئی تھی اس سے بہت زیادہ ان کو عطا کر دی گئی۔ پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے حق میں تو یہ بشارت اس طرح بھی پوری ہوئی کہ انہیں کے اخلاف تھے جو خلفاء عباسیہ کے نام سے تقریباً چار صدی تک اسلامی ممالک پر حکومت کرتے رہے۔

آیت کا دوسرا حصہ عفو و درگذر کے معاملہ میں انتہائی سیر چشمی کی دعوت دے رہا ہے۔ ارشاد یہ ہے کہ۔

> اس طرح کا کوئی خدشہ کہ آج ان کو چھوڑا گیا تو کل کو پھر مقابلہ پر آ جائیں گے رکاوٹ نہ بننا چاہیے۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ امن پسندی صلح مصالحت اور اعلیٰ اخلاق کے جوہر پیش کریں۔ اگر مخالفین نے اس کی قدر نہیں کی اور پھر خیانت اور بغاوت پر آمادہ ہوئے تو جس طرح اللہ تعالیٰ نے آج تمہیں ان پر قابو عطا فرمایا ہے وہ

آئندہ بھی تمہیں قدرت بخشے گا اور تمہیں ان پر غلبہ عنایت فرمائے گا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

خصوصی مجرم اور ان کو سزائیں

اس وقت کوئی فوجی عدالت قائم نہیں تھی۔ البتہ آنحضرت ﷺ اور حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم کے اقوال و افعال ایسی نظیریں قائم کر رہے تھے جو فوجی عدالتوں کے لیے ضابطہ بن سکیں۔

کفر۔ شرک۔ مسلمانوں کو ایذا پہونچانا۔ آنحضرت ﷺ کی شان میں گستاخی۔ یہ ایسے جرائم تھے جو ان سب پر ثابت تھے جو قریش کی فوج میں آئے تھے۔ مگر ان جرائم کی بنا پر کسی کو قتل نہیں کیا گیا۔ معرکہ میں جو لوگ مارے گئے ان کے علاوہ جو ہاتھ لگے وہ گرفتار کر لیے گئے اور جو بھاگ گئے ان کا تعاقب بھی نہیں کیا گیا۔ صرف عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث یہ دو مجرم تھے جو گرفتاری کے بعد قتل کیے گئے کیونکہ ان کے جرم خاص نوعیت کے تھے۔

عقبہ بن ابی معیط

کا یہ جرم بھی خاص نوعیت رکھتا تھا کہ جب حرم کعبہ میں محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم سر بسجود تھے تو اس نے اونٹ کی بھاری اوجھ سر مبارک پر رکھ دی تھی۔ ایک مرتبہ آپ کے گلے میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچی کہ آپ کا دم گھٹنے لگا۔ اور آپ گھٹنوں کے بل گر گئے۔ (ﷺ) لیکن ان جرموں کے علاوہ ایک اور جرم تھا جس کی بنا پر اس کے قتل کا حکم صادر کیا گیا۔ اس نے اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ کیا۔ پھر بدستور بدترین معاند اور دشمن اسلام بن گیا۔

ابتداء میں یہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر رہا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ آپ کی دعوت کی۔ آنحضرت ﷺ نے معذرت کر دی۔ اس نے اصرار کیا تو آپ نے فرمایا۔ مسلمان ہو جاؤ تو کھانا کھا لوں گا۔ اس نے فوراً کلمہ شہادت پڑھ لیا۔ آنحضرت ﷺ نے کھانا تناول فرما لیا۔

ابی بن خلف۔ عقبہ کا یار غار تھا۔ اسے معلوم ہوا کہ عقبہ نے کلمہ پڑھ لیا ہے تو وہ اس پر بہت ناراض ہوا۔ عقبہ نے اس کو خوش کرنا چاہا تو اس نے یہ شرط لگائی کہ محمد (ﷺ) کی گردن پر پاؤں رکھو اور اس کے منہ پر تھوکو۔ عقبہ نے یہ شرط پوری کی۔ اور ایمان سے دامن جھاڑ کر کفر اختیار کیا (۳۶۸) (معاذ اللہ)

نضر بن حارث

کا جرم اپنی نوعیت میں اس سے بھی سخت تھا۔

حضرت حق جل مجدہ نے اپنے رسول۔ اپنے کلام (فرقان حمید) کی صداقت کے لیے خود قرآن حمید کو پیش کیا ہے۔ قرآن پاک کی متعدد آیات میں یہ چیلنج شروع سے آج تک گرج رہا ہے کہ "اگر تم کو اس کے کلام الٰہی ہونے میں شک ہے تو اس جیسی کوئی ایک سورت بنا کر لے آؤ۔ اور اگر سرزمین عرب کے فصحاء اور بلغاء اس پر قادر نہ ہوں تو خدا کے سوا جتنی طاقتیں وہ فراہم کر سکتے ہیں سب کو فراہم کر لیں اور اس جیسی ایک سورت بنا کر پیش کر دیں" (۴۶۹)

قریش کے مایہ ناز خطیب اور شعراء اس چیلنج کو برابر سنتے رہے لیکن کسی ایک سورت کی مثال وہ نہیں پیش کر سکے۔ البتہ انہوں نے ہر طرح شورش برپا کر کے اس صداء حق کو بند کرنا چاہا۔ یہ ایک عام جرم تھا۔ لیکن نضر بن حارث نے عجیب شرارت کی۔ اس نے یہ سیدھی راہ تو اختیار نہیں کی کہ وہ کوئی سورت بنا کر چیلنج کا جواب دیتا۔ اس نے آیات کلام اللہ کو بگاڑ کر لوگوں سے کہنا شروع کیا کہ کلام اللہ یہ ہے۔

وَ الْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا- فَالْعَاصِفَاتِ عَصْفًا-

اس نے دو جملے اپنی طرف سے ملا لیے۔ و الطاحنات طحنا و العاجنات عجنا (۴۷۰) اور پروپیگنڈہ شروع کیا کہ کلام اللہ یہ ہے۔

اب ایک طرف قریش کی یہ منظم کوشش کہ کلام اللہ شریف عربوں کے کانوں تک پہنچنے نہ پائے دوسری طرف یہ شرارت کہ ایک جعلی کلام پیش کر کے بتایا جائے کہ محمد ﷺ کو جس کو معجزانہ کلام کہتے ہیں وہ یہ ہے جس میں و الطاحنات طحنا و العاجنات عجنا جیسے جملے ہیں۔ جن کو ہر ایک عربی بولنے والا بنا سکتا ہے۔ ظاہر ہے اس طرح دعوت حق کا تمام نظام درہم برہم ہو جاتا تھا۔ اور طالبان حق کے سامنے چیلنج اصلی شکل میں پیش نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ شرارت آمیز "جعل" نضر بن حارث کا خاص جرم تھا جس کی سزا اس کو قتل کی صورت میں دی گئی۔

کسی حکومت کے دستور اساسی کو مسخ کر کے پیش کیا جائے تاکہ لوگ بغاوت پر آمادہ ہوں تو کیا یہ جرم گردن زدنی نہیں ہو گا۔

تقاضاء بشریت

حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ وہ راسخ الایمان جاں نثار تھے کہ جب ان کے باپ عتبہ بن ربیعہ سب سے پہلے میدان میں نکل کر آئے اور اعلان کیا کہ کس کی ہمت ہے جو میرے مقابلہ پر آئے تو یہ جاں نثار باپ کے مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے تھے۔ اگر آنحضرت ﷺ منع نہ فرماتے تو ممکن تھا باپ کا سر یہی قلم کرتے۔

پھر جس قدر یہ راسخ الایمان تھے۔ ایسا ہی ان کا امتحان بھی سخت ہوا کہ پہلے ہی نمبر پر ان کے باپ

(رئیس قریش عتبہ بن ربیعہ) حقیقی بھائی "ولید بن عتبہ" اور چچا "شیبہ بن ربیعہ" مارے گئے۔

لیکن جب عام مقابلہ شروع ہوا تو آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو ہدایت فرما دی کہ عباس وغیرہ ہاشمی افراد کو قتل نہ کیا جائے (۴۷۱) کیونکہ ان کو زبردستی جنگ میں گھسیٹا گیا ہے تو ابو حذیفہ کا پیمانہ صبر چھلک گیا اور ان کی زبان سے نکل گیا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ہمارے باپ بھائی سب مارے جائیں اور بنو ہاشم کی جانیں محفوظ رکھی جائیں۔ میرے سامنے کوئی آگیا تو میں ضرور قتل کروں گا۔

آنحضرت ﷺ کے سمع مبارک تک یہ جملہ پہونچا تو آپ کو ملال ہوا۔ آپ نے عمر فاروق ؓ سے اس کی شکایت کی۔ فاروق اعظم ؓ شمشیر برہنہ تھے۔ فوراً" عرض کیا۔ یہ تو منافق ہے یا رسول اللہ۔ اجازت دیجئے اس کی گردن اڑا دوں "مگر یہ اضطراری جملے جو فوری تاثر کی بنا پر سرزد ہوئے تھے اس قابل کب تھے کہ ان کی وجہ سے گردن اڑا دی جاتی۔ چنانچہ جیسے ہی حضرت ابو حذیفہ ؓ کو احساس ہوا کہ بنو ہاشم کے متعلق یہ ہدایت اس بنا پر نہیں ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے رشتہ دار ہیں بلکہ اس بنا پر ہے کہ وہ مسلمانوں کے حامی مانے جاتے ہیں۔ قریش ان کو مکہ معظمہ میں اس بنا پر پریشان کرتے رہتے ہیں اور اس وقت ان سے زبردستی رقومات بھی اینٹھی گئی ہیں اور ان کو زبردستی جنگ میں اس لیے گھسیٹا گیا ہے کہ ان کے مکہ میں رہنے سے قریش کو خطرہ تھا۔ تو ابو حذیفہ خود نادم ہوئے پھر آپ جب بھی اس کا تذکرہ کرتے ندامت کے ساتھ ہی تذکرہ کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اس کی تلافی صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ میں راہ حق میں جان دیدوں۔ چنانچہ آپ کی تمنا پوری ہوئی اور جنگ یمامہ میں آپ نے درجہ شہادت حاصل کیا۔ (۴۷۲) ؓ۔

اسی طرح کا واقعہ ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ ؓ کا بھی ہے۔ جب اسیران بدر مدینہ میں لائے گئے ان میں ان کے عزیز سہیل بن عمر بھی تھے ان پر نگاہ پڑی تو بے ساختہ بول اٹھیں کہ تم نے عورتوں کی طرح مشکیں کسوالیں یہ نہ ہو سکا کہ لڑ کر مر جاتے۔

آنحضرت ﷺ قریب ہی تشریف فرما تھے۔ آپ نے حضرت سودہ کے جملے سنے تو فرمایا۔ سودہ رسول اللہ کے مقابلہ پر اشتعال پھیلا رہی ہو۔

حضرت سودہ دم بخود ہو گئیں۔ فوراً" معذرت کی۔ یا رسول اللہ یہ جملے بے اختیار زبان سے نکل گئے۔ (۴۷۳)

نجاشی کی مسرت اور اظہار مسرت کا عجیب طرز

حضرت جعفر بن ابی طالب ؓ اور دوسرے حضرات جو مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے وہ ابھی حبش ہی میں تھے کہ یہاں بدر کا یہ معرکہ پیش آگیا حضرت جعفر ؓ کی روایت ہے کہ ایک

روز نجاشی نے ہمیں اپنے یہاں طلب کیا۔ ہم محل میں پہونچے تو دیکھا کہ نجاشی پرانے کپڑے پہنے ہوئے مٹی پر بیٹھا ہے۔ ہمیں حیرت ہوئی اور تشویش بھی ہوئی کہ ماجرا کیا ہے۔ لیکن نجاشی کے چہرے پر مسرت کے آثار تھے اور اس نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے، ہم سے کہا کہ میں نے آپ صاحبان کو ایک بشارت دینے کے بلایا ہے۔

نجاشی نے کہا ہمارے خفیہ آدمی جو حجاز میں رہتے ہیں۔ انہوں نے سرکاری طور پر اطلاع دی ہے کہ اہل اسلام کی قریش سے جنگ ہوئی۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی قریش کو شکست ہوئی۔ اور قریش کے فلاں فلاں سردار مارے گئے اور فلاں فلاں گرفتار ہوئے۔

نجاشی نے کہا۔ میدان بدر میرا دیکھا ہوا ہے۔ یہاں اراک کے درخت بہت ہیں۔ جب میں قبیلہ بنی ضمرہ کے ایک سردار کا غلام تھا تو اس کے اونٹ وادی بدر میں چرایا کرتا تھا۔

ہم نے اس خبر پر خدا کا شکر ادا کیا۔ پھر نجاشی سے دریافت کیا کہ آپ نے یہ صورت کیا بنا رکھی ہے کہ مٹی پر بیٹھے ہوئے ہیں میلے کچیلے کپڑے ہیں کوئی فرش بھی نہیں ہے۔

نجاشی نے کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جو وحی نازل ہوا کرتی تھی اس میں یہ تھا کہ اللہ کے بندوں کا یہ فرض ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا کوئی انعام میسر آئے تو وہ انتہائی تواضع اور عاجزی ظاہر کریں یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام و احسان ہے کہ اس نے نبی برحق کو فتح عطا فرمائی۔ اس لیے میں نے اظہار شکر کے لیے یہ صورت اختیار کی ہے۔ (۴۷۴)

خدا خود میر سامانست ارباب توکل را

احادیث رسول اللہ ﷺ سے تعلق رکھنے والے اہل علم عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ سے بخوبی واقف ہیں۔ جب آنحضرت ﷺ نے بشارت دی تھی کہ میری امت میں سے ستر ہزار ایسے ہوں گے جو بلا حساب و کتاب جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے تو فوراً" حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ اٹھے تھے اور عرض کیا تھا کہ یارسول اللہ دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں شامل فرما دے۔ آپ نے دعا فرمائی تھی۔ اللھم اجعلہ منھم اے اللہ عکاشہ کو ان میں شامل کر دے۔

پھر ایک صاحب اور اٹھے اور یہی درخواست کی کہ میرے لیے بھی دعا فرمائیے۔ آنحضرت ﷺ نے جواب دیا۔ سبق بہا عکاشہ یہ درجہ تو تم سے پہلے عکاشہ حاصل کر چکے۔

ان ستر ہزار کی خصوصیت آنحضرت ﷺ نے یہ فرمائی تھی کہ یہ ارباب توکل ہوں گے۔ (۴۷۵)

(جن کی نظر اسباب پر قطعاً" نہیں ہو گی۔ ان کا پورا اعتماد حضرت حق جل مجدہ کی کارسازی پر ہو گا۔)

انہیں حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ یہ ہے کہ جنگ بدر کے موقعہ پر لڑتے لڑتے ان کی تلوار ٹوٹ گئی یہ

آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سرور کائنات صلی اللہ علی وسلم نے لکڑی کا ایک ڈنڈا دیدیا اور فرمایا۔ قاتل بھذا یا عکاشہ۔ عکاشہ اس سے لڑو۔

یہ آنحضرت ﷺ کا معجزہ اور حضرت عکاشہ کے توکل کا کرشمہ تھا کہ وہ لکڑی کا ڈنڈا آبدار تلوار بن گیا۔ حضرت عکاشہ نے اس کا نام "عین" رکھا اور معرکہ بدر میں اس سے کام لیا۔ پھر یہ معجزہ والی تلوار حضرت عکاشہ کے پاس رہی۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں طلیحہ اسدی سے جنگ ہوئی۔ اس میں حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ (۴۷۶)

سازش قتل اور بطریق معجزہ اس کی ناکامی

عمیر بن وہب جمحی۔ اسلام کا موذی دشمن تھا۔ آنحضرت ﷺ اور مسلمان جب مکہ میں تھے تو ان کو بہت پریشان کیا کرتا تھا۔ طرح طرح سے ایذا پہونچایا کرتا تھا۔ معرکہ بدر میں اس کا بیٹا وہب بھی گرفتار ہو گیا۔ ایک روز یہ عمیر اور صفوان بن امیہ ایک جگہ بیٹھے ہوئے معرکہ بدر کی باتیں کر رہے تھے۔ ان دو کے علاوہ وہاں اور کوئی نہیں تھا۔ صفوان نے کہا۔ خدا کی قسم اب جینے کا مزہ نہیں۔ عمیر نے کہا سچ کہتے ہو۔ اگر مجھ پر قرض نہ ہوتا اور بچوں کا خیال نہ ہوتا تو میں مدینہ پہونچتا اور محمد ﷺ کو قتل کر آتا۔ میرا بیٹا بھی وہاں قید ہے۔ صفوان نے کہا تم قرض اور بچوں کی فکر نہ کرو۔ ان کا میں ذمہ دار ہوں۔ عمیر نے کہا اچھا میں جاتا ہوں۔ مگر آپ اس کا تذکرہ کسی سے بھی نہ کریں۔ صفوان نے وعدہ کیا

عمیر نے گھر آ کر تلوار زہر میں بجھائی اور مدینہ پہونچ گیا۔ جیسے ہی اس نے مسجد کے دروازہ کے سامنے اونٹنی بٹھائی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ (۴۷۷) کی نظر اس پر پڑ گئی۔ یہ تلوار لگائے ہوئے تھا۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کچھ کھٹکے۔ انہوں نے تلوار پر قبضہ کیا اور تلوار کے پر تلہ کو جو اس کی گردن میں تھا کھینچتے ہوئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے گئے۔

آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عمیر بن وہب کو اس طرح کھینچے ہوئے لا رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا عمر! ان کو چھوڑ دو۔ پھر عمیر سے فرمایا میرے قریب آؤ۔

آنحضرت ﷺ نے عمیر کو اپنے پاس بٹھا کر فرمایا۔ کس لیے آئے ہو۔ عمیر نے جواب دیا میرا لڑکا قید ہے۔ اسے چھڑانے آیا ہوں۔ کچھ نظر کرم ہو جائے۔ فرمایا یہ تلوار کیوں حمائل ہے۔ عمیر نے جواب دیا تلوار لے آیا ہوں۔ مگر یہ کس کام کی تلوار ہے۔ بدر میں اس نے کیا کام کیا؟

فرمایا بات مت بناؤ۔ سچ بات کہو۔ کیا تم نے اور صفوان نے مکہ میں میرے قتل کی سازش نہیں کی۔ اور کیا تم صفوان سے عہد معاہدہ کر کے نہیں آئے۔

عمیر آپ ﷺ کی بات سن کر سناٹے میں آگیا۔ بے اختیار ہو کر بولا۔ محمد ﷺ بیشک تم پیغمبر ہو۔ بخدا

میرے اور صفوان کے علاوہ اس معاملہ کی اور کسی کو خبر نہیں تھی۔ اب مجھے یقین آیا۔ آپ جو فرماتے ہیں۔ صحیح ہے۔ میں اگرچہ برے ارادہ سے آیا تھا۔ مگر خدا کا شکر ہے اس نے میری آنکھیں کھول دیں۔ اب میں آپ کی دعوت قبول کرتا ہوں۔

آنحضرت ﷺ نے حاضرین سے فرمایا۔ اپنے بھائی عمیر کو اپنے پاس رکھو۔ انہیں دین کی باتیں بتاؤ۔ قرآن شریف یاد کراؤ۔ اور اس کے بیٹے کو رہا کر دو۔

اب عمیر حلقہ بگوش اسلام تھے۔ قریش جو آنحضرت ﷺ کے قتل کی خبر کے منتظر تھے۔ دفعتہً انہیں معلوم ہوا کہ عمیر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

عمیر مسلمان ہو کر بہادرانہ مکہ میں آئے۔ جہاں کا ہر ذرہ اس وقت مسلمانوں کے خون کا پیاسا تھا ان کو اسلام کے دوستوں سے جس شدت کے ساتھ عداوت تھی اسی شدت سے اب وہ دشمنان اسلام کے دشمن ہو گئے۔ یہاں پہونچ کر انہوں نے اسلام کی دعوت کو پھیلایا۔ اور ایک مجمع کثیر کو اس کی روشنی سے منور کر دیا۔ (۴۷۸)

اقدامات غزوہ بدر کی دوسری ترتیب و توجیہہ

اور اس پر تبصرہ

یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ کا اصرار ہے کہ یہ تسلیم کیا جائے کہ قریش کی روانگی کی اطلاع آنحضرت ﷺ کو مدینہ منورہ (۴۷۹) ہی میں ہو گئی تھی۔ اسی وقت آپ نے اجتماع کیا۔ تبادلہ خیالات اسی وقت ہوا۔ پھر جو طاقت مہیا تھی اس کی تیاری کے ساتھ آپ کی روانگی مدینہ منورہ سے ہوئی۔ کاروان تجارت پر حملہ پیش نظر نہیں تھا بلکہ قریش کے حملہ کا دفاع مقصود تھا۔

آپ نے سیرۃ النبی میں غزوہ بدر کے سادہ واقعات بیان کرنے کے بعد "غزوہ بدر پر دوبارہ نظر" کا ایک عنوان قائم کیا ہے اور غزوہ بدر کے مقصد پر طویل بحث کی ہے۔

اس فقیر بے نوا۔ قلیل البضاعت اور تہی مایہ کی یہ ہمت نہیں کہ حضرت علامہ کی محققانہ بحث کے مقابلہ پر قلم اٹھائے مگر حسن اتفاق یہ ہے کہ خود علامہ موصوف کے ارشاد کے بموجب جملہ مورخین اور ارباب سیرت کی حمایت اس فقیر بے مایہ کو حاصل ہے اور ان کی تحقیقات کی طاقت اس کی پشت پر ہے۔

گدایاں را ازیں معنے خبر نیست
کہ سلطان جہاں با ماست امروز

علامہ تحریر فرماتے ہیں۔

اس بات کا مجھ کو مطلق خوف نہیں کہ اس فیصلہ میں عام مورخین اور ارباب سیر (۴۸۰) میرے حریف ہیں۔ بہت جلد نظر آ جائے گا کہ حق اکیلا تمام دنیا پر فتح پا سکتا ہے۔ (سیرۃ النبی ص ۳۱۷ طبع سوم)

علامہ کا ارشاد بجا ہے۔ بیشک حق اکیلا تمام دنیا پر فتح پا سکتا ہے۔ مگر سوال یہی ہے کہ حق کیا ہے حضرت علامہ کے محققانہ دلائل میں سب سے زیادہ مضبوط دلیل جس کو بنیادی دلیل کہا جا سکتا ہے یہی آیتیں ہیں جن کی تفسیر و تشریح ان صفحات میں کی گئی ہے۔ جو پہلے گذرے ہیں۔

حضرت علامہ ان آیات کو پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"لیکن کتب سیر۔ تاریخ اور تمام دیگر شہادتوں سے بالا تر ایک اور چیز ہمارے پاس موجود ہے "قرآن" جس کے آگے ہم سب کو گردن جھکا دینی چاہیے۔

كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ الایتہ

حضرت علامہ پہلے آیت کی ترکیب نحوی کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

معنی یہ ہیں کہ مسلمانوں کا ایک گروہ جو لڑائی سے جی چراتا ہے یہ موقع عین وہ موقع تھا۔ جب آپ مدینہ سے نکل رہے تھے۔ نہ کہ مدینہ سے نکل کر جب آگے بڑھے"

مختصر یہ کہ حضرت علامہ کے ارشاد کے بموجب یہ بالکل بجا ہے کہ قرآن حکیم کے آگے ہم سب کو گردن جھکا دینی چاہیے۔ لیکن قرآن حکیم میں صرف یہ ہے۔

إِنَّ فَرِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ

اس کے معنی خود حضرت علامہ نے چند صفحہ پہلے یہ تحریر فرمائے ہیں۔

حالانکہ مسلمانوں کا ایک گروہ اس (۴۸۱) سے ناخوش تھا۔ ص ۳۱۲

پھر اس موقع پر یہ آیت پیش کی ہے تو ترجمہ یہ فرمایا ہے۔ مسلمانوں کا ایک گروہ اس کو پسند نہیں کرتا تھا مطلب یہ ہے کہ جی چرانے کا مفہوم آیت کے ترجمہ میں نہیں ہے۔ وہ حضرت علامہ کی طرف سے مستزاد ہے۔ نیز لڑائی سے" بھی قرآن میں نہیں ہے۔

حضرت علامہ نے ترجمہ تو یہ فرمایا۔ اس سے ناخوش تھا۔ اور استدلال کے موقع پر اس کا مطلب یہ لیا۔ جو لڑائی سے جی چراتا تھا۔

اب مودبانہ گذارش ہے کہ ہم سب کو قرآن پاک کے سامنے گردن جھکا دینی چاہیے یا حضرت علامہ کے بیان کردہ مطلب کے سامنے جو خود بقول علامہ تمام مورخین اور ارباب سیرت کے خلاف ہے۔

آپ حضرت علامہ کے بیان کردہ مطلب کو نہیں بلکہ پیش کردہ ترجمہ کو سامنے رکھئے اور ارباب سیرت

و مورخین کے بیانات ملاحظہ فرمایئے جن کا خلاصہ ہم نے پیش کیا ہے کہ ناگواری اس عاجلانہ اقدام سے تھی جنگ سے نہیں۔ کیونکہ جنگ کا ابھی کوئی تذکرہ نہیں تھا۔

ترکیب نحوی کے لحاظ سے بھی گفتگو کی جائے تو غور طلب یہ ہو گا کہ ناخوشی کا تعلق کس بات سے مانا جائے۔ قرآن حکیم میں صرف "کارھون" کا لفظ ہے۔ جس کے معنی علامہ کے الفاظ میں یہ ہیں کہ۔ ناخوش تھے "پسند نہیں کرتے تھے" اس سے " کا لفظ بھی علامہ نے بڑھا دیا۔ ترجمہ صرف یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت کراہیت کر رہی تھی۔ اور بقول علامہ۔ ناخوش تھی۔

سوال یہ ہے کہ کراہیت کس چیز سے کر رہی تھی ؟ قرآن پاک میں اس کی وضاحت نہیں ہے۔ اس آیت میں جنگ یا قتال کا نہ کوئی لفظ ہے نہ کوئی ضمیر یا اشارہ ہے جس سے جنگ اور لڑائی مراد لی جائے کہ لڑائی سے کراہیت کر رہی تھی۔ یا بقول علامہ 'جی چرا رہی تھی۔ البتہ ابتداء آیت میں خروج کا تذکرہ ہے۔ لہٰذا ترکیب نحوی کے اعتبار سے متبادر یہ ہے لکارھون عن الخروج۔ یعنی نکلنے سے ناخوش تھے۔ جنگ کا لفظ حضرت علامہ نے خود بڑھایا۔ اس کی ذمہ داری حضرت علامہ پر ہے قرآن اس کی شہادت نہیں دیتا۔

آپ نے غور فرمایا۔

حضرت علامہ کے استدلال کا مدار اس پر ہے کہ آیت کو ایک خاص معنی پہنائے جائیں جن کا اشارہ الفاظ میں نہیں ہے اور اگر الفاظ کا سادہ مفہوم لیا جائے تو وہ حقیقت سامنے آتی ہے جو عام مورخین اور ارباب سیرت نے بیان کی۔ جس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

اسی آیت کے سلسلہ میں حضرت علامہ تحریر فرماتے ہیں۔

(۴) اب واقعہ کی نوعیت پر غور کرو۔ واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ سے اس سروسامان کے ساتھ نکل رہے ہیں کہ تین سو سے زیادہ جانباز مہاجر و انصار ساتھ ہیں۔ ان میں فاتح خیبر اور حضرت امیر حمزہ سید الشہداء رضی اللہ عنہما بھی ہیں۔ جن میں سے ہر ایک بجائے خود ایک لشکر ہے۔ باوجود اس کے (جیسا کہ قرآن میں بتصریح مذکور ہے) ڈر کے مارے بہت سے صحابہ کا دل بیٹھا جاتا ہے اور ان کو نظر آتا ہے کہ کوئی ان کو موت کے منہ میں لیے جاتا ہے۔

وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَکٰرِھُوْنَ یُجَادِلُوْنَکَ فِی الْحَقِّ بَعْدَ مَاتَبَیَّنَ کَاَنَّمَا یُسَاقُوْنَ اِلَی الْمَوْتِ۔

مسلمانوں کی ایک جماعت کارہ تھی وہ تجھ سے حق ظاہر ہوئے پیچھے جھگڑا کرتی تھی گویا کہ موت کی طرف ہنکائے جا رہے ہیں۔

"اگر صرف قافلہ تجارت پر حملہ کرنا مقصود ہوتا تو یہ خوف یہ اضطراب یہ پہلوتہی کس بنا پر تھی۔ اس سے پہلے بارہا (بقول ارباب سیر) قافلہ قریش پر حملہ کرنے کے لیے تھوڑے تھوڑے آدمی بھیج دیئے گئے

تھے۔ اور کبھی ان کو ضرر نہیں پہونچا تھا۔ اس دفعہ اس قافلہ کا اتنا ڈر ہے کہ تین سو چیدہ اور منتخب فوج ہے اور پھر لوگ ڈر کے مارے سہمے جاتے ہیں" سیرۃ النبی ص ۳۲۱

حضرت علامہ اپنے اس سلسلہ ارشاد کو اس جملہ پر ختم کرتے ہیں :

"یہ قطعی دلیل ہے کہ مدینہ ہی میں خبر آ گئی تھی کہ قریش مکہ سے جمعیۃ عظیم لے کر مدینہ پر آ رہے ہیں" ص ۳۲۲

ہم نہایت ادب سے عرض کریں گے کہ۔ یہ قطعی دلیل ہے کہ مدینہ میں قریش مکہ کی روانگی کی خبر نہیں آئی تھی۔ جنگ اور جہاد کا نقشہ سامنے نہیں تھا۔ نہ ان جاں نثاران حق کو راہ خدا میں جان دینے اور سر کٹانے سے گھبراہٹ ہوتی تھی۔ معاملہ تجارتی قافلہ کا تھا۔ اور ناگواری اس کی تھی کہ بے سروسامانی میں اتنی عجلت کے ساتھ روانگی کی فرمائش ہے۔

وحی الٰہی کے لہجہ میں سختی اس بنا پر ہے کہ ظہور حق کے بعد یہ بحث اور بقول علامہ یہ جھگڑا کیوں ہے۔ حق کا مطلب اور مفہوم حضرت علامہ نے واضح نہیں فرمایا۔ حضرات مفسرین نے حق کا مفہوم امر رسول۔ فرمایا ہے اور تفسیر یہ کی ہے۔

بعد ماتبین لهم انک لا تفعل الا ما امرک الله بها (ابن کثیر)

اس کے بعد کہ کھلے طور پر ان کو واضح ہو چکا ہے کہ آپ (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) وہی فعل کرتے ہیں۔جس کا حکم اللہ تعالیٰ آپ کو دیتا ہے (لہٰذا یہ روانگی اگرچہ عاجلانہ ہے مگر حکم الٰہی یہی ہو گا لہٰذا اس کی تعمیل کرنی چاہیے)

حضرت علامہ نے دوسرے رخ پر نظر نہیں ڈالی۔ اگر واقعی مدینہ طیبہ میں قریش کی فوج کا علم ہو گیا تھا اور یہ معلوم ہو گیا تھا کہ سرور کائنات ﷺ روحی فداہ اس کے مقابلہ کے لیے تشریف لے جا رہے ہیں تو پھر سوال یہ ہے کہ محبوب رب العالمین اور آقاء دو جہان کے ساتھ چلنے والے صرف تین سو تیرہ کیوں تھے کیا اس وقت مہاجر صرف ۱۷۶ اور بقول علامہ صرف ۶۰ تھے۔ (۴۸۲)

کیا انصار کی تعداد صرف ڈھائی سو تھی۔ کیا انصار واقعی اتنے تہی دست تھے کہ ان کے پاس پورے اونٹ بھی نہیں تھے۔

یہ انصار۔ یعنی اوس اور خزرج کچھ عرصہ پہلے تک ایک دوسرے کے مقابلہ میں نبرد آزما رہے تھے۔ بڑے بڑے معرکے ہوئے۔ کیا وہ اسلحہ کے بغیر ہوتے تھے۔ یا وہ اسلحہ کہیں ختم ہو گئے تھے کہ اس وقت اسلحہ بھی پورے ساتھ نہیں تھے۔

وہ حضرات انصار جو ایک سال بعد جنگ احد کے موقع پر مچل گئے تھے کہ ہمیں بدر کے موقع پر شرکت نصیب نہیں ہوئی تھی۔ اب جب کہ غنیم آ رہا ہے شہر میں محصور ہو کر لڑنا پست ہمتی ہے۔ ہم باہر

نکل کر دشمن سے مقابلہ کریں گے اور اپنی حسرت پوری کریں گے۔ (۴۸۳)

اگر قریش کی آمد کی اطلاع مدینہ میں ہو گئی تھی اور یہ مشورہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں فرمایا تھا تو یہ بہادر اس وقت کہاں چلے گئے تھے۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیوں نہیں تشریف لے گئے اور جنگ احد کے موقع پر ان کا یہ کہنا کس طرح درست ہوا کہ ہمیں بدر کے موقع پر اطلاع نہیں ہوئی۔ ہم شرکت سے محروم رہ گئے۔ ہم اس وقت اپنی حسرت نکالیں گے۔

یہ حضرت مولانا کا کمال ہے کہ جن کو مورخین اور ارباب سیرت پراگندہ اور خستہ حال تسلیم کرتے ہیں قرآن حکیم نے بھی جنہیں اذلہ (۴۸۴) فرمایا ہے۔ (کمزور) حضرت علامہ اپنے استدلال کو مضبوط کرنے کے لیے ان کو "تین سو چیدہ منتخب فوج" سے تعبیر کر رہے ہیں۔

حضرت علامہ فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے بھی بارہا قافلہ قریش پر حملہ کرنے کے لیے تھوڑے تھوڑے آدمی بھیجے گئے اور کبھی ان کو ضرر نہیں پہونچا تھا اس دفعہ اس قافلہ کا اتنا ڈر کیوں ہے ؟

مگر حضرت علامہ کا یہ ارشاد خود ان کی تحقیق کے خلاف ہے۔ حضرت علامہ نے "سلسلہ غزوات" کے زیر عنوان ثابت کیا ہے کہ کسی تجارتی قافلہ پر حملہ کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پہلے کوئی سفر ہی نہیں کیا۔ آپ کے سفر معاہدہ صلح کے مقصد سے ہوتے رہے۔ (۴۸۵)

جہاں تک سرایا کا تعلق ہے جن میں آنحضرت ﷺ تشریف نہیں لے گئے تو خود مولانا کو اعتراف ہے کہ ان میں کبھی کسی انصاری کو نہیں بھیجا۔ (۴۸۶)

علاوہ ازیں اس حقیقت کو حضرت علامہ کیوں نظرانداز فرماتے ہیں کہ اس شان و شوکت کا کوئی تجارتی قافلہ اس سے پہلے نہیں گذرا جس کے پاس پچاس ہزار اشرفیوں کا سامان ہو۔ جو ایک ہزار اونٹوں پر لدا ہوا ہو۔ ظاہر ہے ایسے قافلہ کے آڑے آنا خطرہ سے خالی نہیں تھا۔

كَاَنَّهُمْ يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ

علامہ نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے۔

گویا وہ موت کی طرف ہنکائے جا رہے ہیں۔ اور وہ موت کو دیکھ رہے ہیں ص ۳۱۲۔

ان آیات میں صرف یہ الفاظ ہیں جن سے جنگ کا تصور قائم کیا جا سکتا ہے۔ اور اس نظریہ کی تصدیق کی جا سکتی ہے کہ یہ سفر حملہ قریش کے دفاع کے لیے تھا اور غالباً" انہیں الفاظ کی بنا پر مولانا نے " لکارھون" کا مفہوم یہ قرار دیا تھا کہ "لڑائی سے جی چراتے ہیں"

مگر ہمارا خیال اس کے برعکس یہ ہے کہ مدینہ سے روانگی کے وقت جنگ کا نقشہ سامنے نہیں تھا صرف تجارتی قافلہ پر حملہ پیش نظر تھا۔ فوج قریش کی مدافعت ذہنوں میں نہیں تھی۔ اور ان الفاظ سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے کہ روانگی کے وقت باضابطہ جنگ کا تصور نہیں تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ کلام ربانی کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ وہ طفل تسلی سے کام لے اور غلط اطمینان دلائے۔

جب میدان جنگ سامنے ہوتا ہے تو ظاہر ہے سپاہیوں کو موت کے منہ میں دھکیلا جاتا ہے اس وقت اگر لوگوں کے ذہنوں میں موت کا تصور ہو تو وہ ناقابل ملامت ہے نہ اس پر تنبیہہ کرنا درست ہے ملامت یا تنبیہہ اسی وقت درست ہے جب موت کا خطرہ نہ ہو یا ہو تو معمولی ہو اور لوگ دہشت زدہ ہوں۔

پس یہ الفاظ اس کا قطعی ثبوت نہیں ہیں کہ مدینہ منورہ سے روانگی فوج قریش کے دفاع کے لیے تھی۔ بلکہ قطعی ثبوت اس کا ہے کہ فوج قریش کا خوف نہیں تھا۔ صرف کاروان تجارت کی شان و شوکت کی خبروں سے متاثر تھے اور بے سروسامان اچانک روانگی پسند نہیں کر رہے تھے۔

کلام الٰہی سے زیادہ حقیقت نواز کون سا کلام ہو سکتا ہے۔ کلام الٰہی میں وہ آیتیں موجود ہیں جن کا تعلق جنگ یا خطرات جنگ سے ہے۔ ان آیتوں میں خطرہ موت پر ملامت نہیں کی گئی۔ نہ غلط تسلی دلائی گئی ہے۔ بلکہ کہیں دنیا کی بے ثباتی بیان کی گئی ہے اور کہیں قتل فی سبیل اللہ کے فضائل بیان کر کے راہ خدا میں مرنے اور قربان ہونے کا شوق دلایا گیا ہے۔

یہ اطمینان نہیں دلایا گیا کہ موت نہیں آئے گی۔ تمہارا دہشت زدہ ہونا اور سہمنا بے موقع ہے بلکہ زور اس پر دیا گیا ہے کہ موت فی سبیل اللہ موت نہیں ہے۔ حیات ہے۔

لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ع ۱۸-

جو لوگ راہ خدا میں قتل کیے جاتے ہیں ان کو یہ نہ کہو کہ وہ مردہ ہیں، نہیں وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں ان کی زندگی کا پتہ نہیں چلتا۔

سورہ نساء رکوع ۱۱۔ کی پہلی آیت ملاحظہ فرمائیے اس میں دنیا کی بے ثباتی اور موت کو یقینی بات ظاہر کر کے جہاد فی سبیل اللہ پر آمادہ کیا گیا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ الاية

ترجمہ ۔ کیا آپ نے ان کو نہیں دیکھا۔ جن سے کہا گیا تھا کہ ہاتھ روکو۔ اور نماز قائم کرو۔ اور زکوٰۃ ادا کرو۔ پھر جب (ایسا ہوا) کہ ان پر جہاد فرض کیا گیا تو ان میں کا ایک گروہ انسانوں سے ایسا ڈرنے لگا جیسے خدا سے ڈرنا (چاہیے) بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ وہ کہتے ہیں۔ خدایا تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا۔ کیوں نہ ہمیں تھوڑے دنوں کی مہلت دی۔ آپ فرما دیجئے۔ دنیا کا سرمایہ بہت تھوڑا ہے۔ اور آخرت بہتر ہے ان کے

لیے جو (اپنے دل میں خوف خدا رکھتے ہیں) صاحب تقویٰ ہیں۔ وہاں رائی برابر بھی کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں ہو گی۔ تم کہیں بھی ہو موت تمہارا ٹھکانا پا کر رہے گی۔ خواہ تم کتنے ہی مضبوط اور اونچے قلعوں میں محفوظ ہو کر بیٹھو۔

سورہ توبہ میں جہاد کے لیے آمادہ کیا جا رہا ہے تو ارشاد ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَالَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ الاية ع ٦

مسلمانو! کیا ہو گیا ہے۔ جب تم سے کہا جاتا ہے۔ راہ خدا میں کوچ کرو تو ڈھے جاتے ہو (بوجھل بن جاتے ہو) زمین پر۔ کیا آخرت چھوڑ کر دنیاوی زندگی پر ریجھ گئے ہو (یاد رکھو) دنیاوی زندگی کا سرمایہ آخرت میں بہت ہی قلیل و حقیر ہے۔

قرآن حکیم میں اس مضمون کی اور بھی آیتیں ہیں۔ آپ غور فرمائیے۔ جہاں جہاد اور جنگ کا تذکرہ ہے وہاں طفل تسلی سے کام نہیں لیا گیا کہ چلو موت نہیں آئے گی ایسے کیوں سہمے جا رہے ہو۔ بلکہ وہاں خطرہ موت کو ایک حقیقت قرار دے کر موت فی سبیل کو سعادت عظمیٰ اور حیات ابدی قرار دے دیا گیا ہے یا دنیا کی بے ثباتی اور موت کی آمد کو قطعی اور یقینی امر قرار دے کر تمنا حیات سے بے نیاز کیا گیا ہے۔

کتاب اللہ کا یہ اسلوب پیش نظر ہو تو واضح ہو جاتا ہے کہ مدینہ سے روانگی کے وقت باضابطہ جنگ کا تصور نہیں تھا۔ اسی لیے تنبیہہ کی جا رہی ہے کہ صرف ایک تجارتی قافلہ کی یہ دہشت کیوں ہے کہ معلوم ہوتا ہے موت کے منہ میں دھکیلے جا رہے ہو۔ اگر اس وقت جنگ کا تصور ہوتا تو اس دہشت پر ملامت نہ کی جاتی بلکہ جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت بیان کی جاتی یا دنیا کی بے ثباتی کا یقین دلایا جاتا۔ (واللہ اعلم)

اس میں کیا شک ہے کہ حضرت علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ انشا پردازی کے امام ہیں۔ نظم اور نثر دونوں ہی میں آپ کو اعلیٰ کمال حاصل ہے۔ مگر ظریفانہ نکتہ یہ ہے کہ ایک مضمون کو آپ نے صرف انشا پردازی سے دلیل قرار دیا ہے۔ ادیبانہ نکتہ سنجی اگر نظرانداز کر دی جائے تو وہ دلیل دلیل ہی نہیں رہتی ارشاد ہے۔

(۴) سب سے زیادہ قابل لحاظ یہ امر ہے کہ قرآن مجید کی آیت مذکورہ بالا میں کفار کے دو فریق کا خدا نے بیان کیا ہے۔ ایک قافلہ تجارت۔ دوسرا صاحب شوکت یعنی کفار قریش جو مکہ سے لڑنے کے لیے آ رہے تھے۔ آیت میں تصریح ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت ایسی تھی جو چاہتی تھی کہ کاروان تجارت پر حملہ کیا جائے۔ خدا نے ان لوگوں پر ناراضی ظاہر کی اور فرمایا۔

تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ (سورہ انفال رکوع ۱)

تم چاہتے ہو کہ بے خرخشہ والا گروہ تم کو ہاتھ آ جائے۔ اور خدا یہ چاہتا ہے کہ اپنی باتوں سے حق کو قائم کرے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔

حضرت علامہ فرماتے ہیں۔ ایک طرف وہ لوگ ہیں جو قافلہ تجارت پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ دوسری طرف خدا ہے جو چاہتا ہے حق کو قائم کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔ اب سوال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان دونوں میں سے کس کے ساتھ ہیں۔ عام روایتوں کے مطابق اس سوال کا کیا جواب ہو گا۔ میں اس تصور سے کانپ اٹھتا ہوں۔ سیرۃ النبیؐ ص ۳۲۱

اس پوری دلیل میں انشا پردازی کے علاوہ اور کیا ہے۔

اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ یہ اجتماع مدینہ منورہ میں ہوا اور مدینہ میں فوج قریش کی خبر آ گئی تھی۔

آیت میں ایک رجحان کی نشان دہی ضرور ہے۔ مگر یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ کب تھا اور کب تک رہا۔ آیت میں کوئی ایسا لفظ بھی نہیں ہے جس سے ناراضی ظاہر ہو۔

آیت میں یہ تو ظاہر کیا گیا ہے کہ جو کچھ واقع ہوا اس میں ایک خاص مصلحت تھی جو سامنے آ گئی لیکن اس آیت میں یا اس کے سیاق و سباق میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے جس سے ثابت ہو کہ یہ رجحان مستحق ناراضی تھا اور اللہ اس رجحان سے ناراض ہے۔ اور مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس سے توبہ کریں یا یہ کہ یہ رجحان اگرچہ غلط تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف فرما دیا۔

تعجب ہے مولانا نے اس موقع پر پوری آیت نہیں پیش کی۔ آیت کا پہلا حصہ مولانا نے حذف کر دیا۔ آیت کا پہلا جملہ یہ ہے۔ واذیعد کم اللہ احد الطئفین انھا لکم مولانا نے چند صفحہ پہلے اس پوری آیت کا ترجمہ پیش کیا ہے۔ ہم مولانا کا ترجمہ لفظ بہ لفظ پیش کرتے ہیں اور آپ سے اپیل کرتے ہیں کہ آپ خود فیصلہ فرمائیں کہ کیا کسی بھی حصہ سے ناراضی ظاہر ہوتی ہے مولانا کا ترجمہ یہ ہے۔

اور جب خدا تم سے قریش کے قافلہ اور قریش کی فوج میں سے ایک کا وعدہ کرتا ہے کہ وہ تمہارے لیے ہے۔ تم چاہتے ہو کہ بے خرخشہ والا گروہ تم کو مل جائے (یعنی قافلہ) اور خدا یہ چاہتا ہے کہ حق کو اپنے حکم سے ثابت کر دے اور باطل کو مٹا دے۔
سیرۃ النبی ص ۳۱۲۔

غور فرمائیے کیا کسی لفظ میں ناراضی کا کوئی شائبہ بھی ہے۔

کلام الٰہی فطرت کی عکاسی کرتا ہے۔ کم محنت اور زیادہ منفعت ایک فطری جذبہ ہے۔ یہ باعث ناراضی نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ نے بھی کچھ منزلیں اس تصور میں طے کی ہوں کہ تجارتی قافلہ ہاتھ لگے۔ تو نہ وہ فطرت کے خلاف ہے نہ عصمت کے۔ بلکہ جب وعدہ الٰہی میں یہ گنجائش موجود ہو تو اھون

البلیتین کا اختیار کرنا ہی تقاضاء فطرت اور تعلیم نبوت ہے۔ یہ باعث ناراضی قطعاً" نہیں ہو سکتا۔ (۴۸۷)

حضرت علامہ اسی آیت کے تحت ایک دوسری دلیل پیش کرتے ہیں۔ ارشاد ہے۔

(۲) آیت مذکورہ میں یہ تصریح موجود ہے کہ یہ جس وقت کا واقعہ ہے اس وقت دو گروہ سامنے تھے۔ ایک کاروان تجارت۔ ایک قریش کی فوج جو مکہ سے آ رہی تھی۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ آیات قرآنی میں یہ اس وقت کا واقعہ مذکور ہے جب آنحضرت ﷺ بدر کے قریب پہنچ چکے تھے لیکن بدر کے قریب پہنچ کر تو کاروان تجارت صحیح سالم بچ کر نکل گیا تھا۔ اس وقت یہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ دونوں میں سے ایک کا وعدہ ہے۔ اس لیے یہ بالکل ظاہر ہے کہ قرآن مجید کی نص کے مطابق یہ واقعہ اس وقت کا ہونا چاہیے جب دونوں گروہ کے ہاتھ آنے کا احتمال ہو سکتا ہو۔ اور یہ صرف وہ وقت ہو سکتا ہے جب آنحضرت ﷺ مدینہ میں تھے اور دونوں طرف کی خبریں آ گئی تھیں۔ کہ ادھر ابوسفیان کاروان تجارت لے کر چلا ہے اور ادھر قریش جنگ کے سروسامان کے ساتھ مکہ معظمہ سے نکل چکے ہیں۔ (سیرت النبی ص ۳۲۰ ج ۱ طبع سوم)

حضرت علامہ کا استدلال سنجیدہ ہے۔ مگر ہمیں شکایت یہ ہے کہ مولانا نے "تصریح" کا دعویٰ کر دیا۔ حالانکہ تصریح کہیں بھی نہیں۔ دوسری شکایت یہ ہے کہ مولانا نے اسلوب کلام اللہ کا لحاظ نہیں فرمایا۔ اس آیت کا ترجمہ ابھی چند سطر پہلے گذر چکا ہے۔ اس پر نظر ڈالئے۔ وعدہ کی صراحت ضرور ہے۔ مگر نہ اس کا وقت بیان کیا گیا ہے نہ موقع۔

مولانا فرماتے ہیں کہ بدر کے قریب پہونچ کر تو کاروان تجارت صحیح سالم بچ کر نکل گیا تھا۔ اس وقت یہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ دونوں میں سے ایک کا وعدہ ہے۔

لیکن گذارش یہ ہے کہ اگر مدینہ ہی میں یہ معلوم ہو گیا تھا کہ قریش کی فوج آ رہی ہے اور یہ طے ہو گیا تھا کہ قریش کے حملہ کو روکنے کے لیے سفر کرنا ہے تو وعدہ کب ہوا تھا۔ اور حضرات صحابہ سے کاروان تجارت یعنی گروہ بے خرخشہ کی طلب اور چاہ کب صادر ہوئی۔ جس کا تذکرہ آیت میں صراحت کے ساتھ ہے۔ حضرت علامہ کی یہ دلیل باوزن ضرور ہے مگر قطعی نہیں۔ اس کے مقابلہ پر حضرات مورخین۔ ارباب سیرت اور حضرات مفسرین جو تفصیل بیان فرماتے وہ باوزن بھی ہے اور اسلوب کلام اللہ کے مطابق بھی۔

حضرت علامہ خود بھی پوری طرح سمجھتے ہیں کہ قرآن حکیم کوئی روزنامچہ نہیں ہے۔ نہ واقعات نگاری اس کا مطمح نظر ہوتا ہے۔ وہ کتاب الہدیٰ ہے۔ واقعات اپنی ترتیب کے ساتھ ہو چکے ہیں۔ ہو چکنے کے بعد

کبھی کچھ وقفہ کے بعد اور کبھی فوراً ہی ان پر کلام ربانی تبصرہ کرتا ہے۔ تبصرہ میں واقعات کی ترتیب ملحوظ نہیں ہوتی۔ منشاء تبصرہ اصلاح ہوتا ہے۔ بیشک تبصرہ میں کبھی ناراضگی اور ناپسندیدگی کا اظہار بھی ہوتا ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسانی کمزوری کی نشان دہی کی جاتی ہے اور منشاء الٰہی کے فوائد اور مصالح بیان کیے جاتے ہیں۔

یہ ظاہر ہے کہ ان آیتوں کا نزول بروقت نہیں ہوا۔ بلکہ واقعات ہو چکنے کے بعد ان کا نزول ہوا۔ ان میں ترتیب ملحوظ نہیں ہے۔ چنانچہ تقسیم غنیمت کا معاملہ جو جنگ بدر ختم ہونے کے بعد پیش آیا۔ اس پر سب سے پہلے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اب ایک صورت وہ ہے جو حضرت علامہ پیش فرما رہے ہیں جس میں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وعدہ کب ہوا تھا اور گروہ بلا خرخشہ کی طلب کب صادر ہوئی۔

دوسری تفصیل وہ ہے جو حضرات مفسرین' مورخین اور ارباب سیرت نے بیان فرمائی ہے کہ وعدہ کسی الہامی صورت سے مدینہ طیبہ میں ہوا۔ کم محنت اور زیادہ منفعت فطرت انسانی ہے۔ اھون البلیتین کو اختیار کرنا عنداللہ محمود ہے۔ چنانچہ کاروان تجارت کی تلاش جاری رہی۔ اور جب بدر پر پہنچ کر اس سے مایوسی ہوئی تو جنگ کی تیاری کی گئی۔ اس پوری سرگذشت پر آیات کلام اللہ میں تبصرہ فرمایا گیا ہے اور آپ غور فرمائیں' حکمۃ بالغہ" کا مظاہرہ اسی صورت میں ہوتا ہے کہ جس چیز کی دوڑ دھوپ تھی' وہ ہاتھ نہیں لگی اور ہاتھ وہ لگی جس سے بچنا چاہتے تھے۔ اس تبصرہ میں اسی "حکمۃ بالغہ" کی وضاحت کی گئی ہے۔

کار ساز ما بفکر کار ما
فکر ما درکارما آزار ما

حضرت علامہ نے ایک اور آیت سے بھی استدلال کیا ہے۔ نیز حضرات مورخین اور ارباب سیرت کی بھی کچھ روایتیں پیش کی ہیں۔ مگر ہمارا مقصود مناظرہ نہیں ہے۔ حضرت علامہ کی شان تو بہت بلند ہے۔ ہم کسی معمولی شخص سے بھی مناظرہ کرنا نہیں چاہتے۔ اس کے علاوہ چند دلیلوں کے جوابات گذشتہ تحریر میں موقع بموقع ضمنی طور پر آگئے ہیں۔

کچھ دلیلیں (۴۸۸) ایسی ہیں کہ ہر ایک صاحب فہم ان کا جواب خود سمجھ سکتا ہے۔ بلکہ بعض دلیلیں (۴۸۹) تو ایسی کمزور ہیں کہ سیرۃ النبی میں درج نہ ہوتیں تو ہمیں یہ باور کرنا بھی مشکل ہوتا کہ حضرت علامہ جیسا مبصر یہ دلیل پیش کر سکتا ہے۔ بہرحال حضرت علامہ نے بنیادی طور پر قرآن پاک کی آیات کو پیش فرمایا تھا اور یہ ارشاد فرمایا تھا کہ "قرآن جس کے آگے ہم سب کو گردن جھکا دینی چاہیے" ہم نے یہ چند صفحات اس لیے سیاہ کیے کہ ہمیں قرآن کے سامنے گردن جھکا دینی چاہیے یا حضرت علامہ کے اختراعات کے سامنے۔ ان صفحات کے مطالعہ کے بعد آپ آسانی سے فیصلہ کر سکیں گے۔

اسماء اصحاب البدر رضوان اللہ علیہم اجمعین

شہداء اور مجاہدین غزوہ بدر کے اسماء گرامی

علماء حدیث کا عقیدہ ہے کہ حضرات اصحاب بدر کے اسماء گرامی باعث برکت ہیں۔ جب مجاہدین غزوہ بدر کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے اور جو دعا مانگی جاتی ہے وہ قبول ہوتی ہے۔ حضرت امام دوائیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا تجربہ بارہا ہو چکا ہے۔ (۴۹۰)

حضرات شہداء رضوان اللہ علیہم اجمعین

شہداء بدر میں سب سے پہلے اس کم سن مجاہد کا نام زبان قلم پر آتا ہے۔ جن کو آنحضرت ﷺ بیرابی عتبہ سے واپس بھیج رہے تھے۔ لیکن وہ مچل گئے تھے۔ یہ حضرت عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہیں فاتح ایران حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی۔ جب آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم بچے ہو۔ مکان واپس چلے جاؤ تو یہ رونے لگے تھے۔ بالاخر ان کی گریہ و زاری کام آئی۔ ان کو ساتھ چلنے کی اجازت ملی اور انہوں نے اس غزوہ مبارک میں جام شہادت نوش کر کے ابدی کامیاب حاصل کی۔ (۴۹۱) (رضی اللہ عنہ)

(۲) انہیں کے ہم نام عمیر بن حمام انصاریؓ تھے۔ جب انہوں نے غزوہ کے وقت لسان رسالت سے (علی صاحبہ الصلوۃ والسلام) یہ سنا :

"جنت میں داخل ہونے کے لیے اٹھو جس کا عرض زمین اور آسمان کے برابر ہے" تو ان سے اتنا صبر بھی نہ ہو سکا کہ جو کھجور ہاتھ میں تھے ان کو کھالیں۔ وہ فوراً" دشمن کے ہجوم میں گھسے اور فرمان رسالت کی تصدیق کے لیے جان قربان کر دی۔ (۴۹۲) رضی اللہ عنہ

(۳) حضرت مہجع رضی اللہ عنہ کا نام نامی۔ یہاں تیسرے نمبر پر آ رہا ہے۔ مگر شہداء معرکہ بدر میں سب سے پہلے شہید یہی ہیں۔ یہ تیر کے زخم سے شہید ہوئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ (۴۹۳)

(۴) حارث بن سراقہ رضی اللہ عنہ۔ حوض پر پانی پی رہے تھے۔ تیر آ کر لگا۔ شہید ہو گئے۔ ان کی والدہ کو تشویش تھی کہ جب معرکہ میں نہیں پارے گئے تو درجہ شہادت میسر آیا یا نہیں۔ وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یارسول اللہ مجھے بتایئے حارثہ کو جنت نصیب ہوئی ہے تو میرے لیے صبر کا موقع ہے۔ اور اگر خدانخواستہ ایسا نہیں ہے تو پھر آپ دیکھ لیں گے میں کیا کرتی ہوں (یعنی دل کھول کر ماتم کروں گی جو اس وقت تک ممنوع نہیں ہوا تھا) آنحضرت ﷺ نے مشفقانہ بے تکلفی سے ارشاد فرمایا۔ کیا بے وقوف ہو گئی ہو۔ کیا جنت صرف ایک ہے جنتیں بہت سی ہیں۔ وہ جنت الفردوس میں ہے۔

(۵) شہداء بدر میں خاندان اور عمر کے لحاظ سے سب سے ممتاز شخصیت عبیدہ بن حارث بن مطلبؓ

کی تھی۔ عمر میں سب سے بڑے تھے۔ سب سے پہلے مقابلہ اور مبارزہ میں عتبہ کے حملہ سے مجروح ہوئے۔ پھر اس حالت میں صہباء شہادت نوش فرمایا کہ ان کا سر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زانو مبارک پر تھا۔ رضی اللہ عنہ (۴۹۴)

(۶) و (۷) حضرت عفراء رضی اللہ عنہا کے دو صاحبزادے معوذ اور عوف جو ابوجہل کی تلوار سے شہید ہوئے (رضی اللہ عنہم) (۸) حضرت عاقل بن ابی البکیر (۹) حضرت صفوان بن بیضاء (۱۰) حضرت سعد بن خشیمہ (۱۱) حضرت مبشر بن عبدالمنذر (۱۲) حضرت رافع بن معلے (۱۳) حضرت یزید بن الحارث بن قسحم (۱۴) حضرت ذوالشمالین بن عبد عمرالخزاعی رضی اللہ عنہم اجمعین۔ (۴۹۵)

مندرجہ ذیل حضرات مہاجر تھے۔ باقی حضرات انصار کرام رضی اللہ عنہم اجمعین۔

(۱) عبیدہ بن حارث (۲) عمیر بن ابی وقاص (۳) ذوالشمالین بن عبد عمرو خزاعی (۴) صفوان بن بیضاء (۵) عاقل بن بکیر لیثی (۶) مہجع۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

مجاہدین بدر

سرفہرست یہ اسم گرامی درخشاں ہے۔

(سیدالانبیاء و فخر المرسلین) محمد بن عبداللہ الہاشمی (ﷺ) (۴۹۶) اس کے بعد حروف ہجا کی ترتیب کے بموجب (۴۹۷) اسماء گرامی (۴۹۸) یہ ہیں۔

(الف)

سید القراء حضرت ابی بن کعب النجاری رضی اللہ عنہ

حضرت ارقم بن ابی الارقم مہاجر رضی اللہ عنہ (۴۹۹)

حضرت اسعد بن یزید بن الفاکہ رضی اللہ عنہ

حضرت اسود بن زید بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ

حضرت اسیر بن عمرو الانصاری رضی اللہ عنہ

حضرت انس بن قتادہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہ

حضرت انس بن معاذ بن انس بن قیس رضی اللہ عنہ

حضرت انسۃ الحبشی مولی رسول اللہؐ (مہاجر) رضی اللہ عنہ

حضرت اوس بن ثابت المنذر النجاری رضی اللہ عنہ

حضرت اوس بن حضرمی بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

حضرت اوس بن الصامت الخزرجی رضی اللہ عنہ

حضرت ایاس بن البکیر بن عبد یالیل رضی اللہ عنہ

(ب)

حضرت بجیر بن ابی بجیر رضی اللہ عنہ

حضرت بحاث بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ

حضرت بسبس بن عمرو رضی اللہ عنہ

کاروان تجارت کی خبر لانے کیلئے بھیجے گئے تھے

حضرت بشیر بن البراء رضی اللہ عنہ

(سنہ ۷ ھ میں خیبر میں مسموم گوشت کی وجہ سے وفات پائی)

حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ

حضرت بشیر بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ

مقام روحا سے مدینہ طیبہ کا انتظام سنبھالنے کے لئے واپس کردیئے گئے تھے مگر شریک بدر کی حیثیت دی گئی اور غنیمت میں ان کا حصہ لگایا گیا۔

(ت)

حضرت تمیم بن یعار بن قیس رضی اللہ عنہ

حضرت تمیم مولی خراش بن الصمہ رضی اللہ عنہ

حضرت تمیم مولی بنی غنم بن السلم رضی اللہ عنہ

(ث)

حضرت ثابت بن اقرم بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ

حضرت ثابت بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ

حضرت ثابت بن خالد بن النعمان رضی اللہ عنہ

حضرت ثابت بن خنساء بن عمرو رضی اللہ عنہ

حضرت ثابت بن عمرو بن زید رضی اللہ عنہ

حضرت ثابت بن ہزال الخزرجی رضی اللہ عنہ

حضرت ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ

حضرت ثعلبہ بن عمرو بن عبید رضی اللہ عنہ

حضرت ثعلبہ بن عمرو بن محسن الخزرجی رضی اللہ عنہ

حضرت ثعلبہ بن عنمتہ بن عدی رضی اللہ عنہ

حضرت ثقف بن عمرو رضی اللہ عنہ

(ج)

حضرت جابر بن خالد رضی اللہ عنہ

حضرت جابر بن عبداللہ بن رباب رضی اللہ عنہ

حضرت جابر بن عبداللہ بن عمرو بن حرام السلمی رضی اللہ عنہ

(ذکرہ البخاری فی مسندہ عن سعید بن منصور)

حضرت جبار بن صخر السلمی رضی اللہ عنہ

حضرت جبر بن عتیک الانصاری رضی اللہ عنہ

حضرت جبیر بن ایاس الخزرجی رضی اللہ عنہ

(ح)

حضرت حارث بن انس بن رافع رضی اللہ عنہ

حضرت حارث بن اوس بن معاذ رضی اللہ عنہ

حضرت حارث بن حاطب بن عمرو رضی اللہ عنہ

کسی خدمت کے لئے مامور فرمائے گئے جس کی وجہ سے جنگ میں شریک نہیں ہوئے مگر شریک کی حیثیت دی گئی چنانچہ مال غنیمت میں حصہ دیا گیا۔

حضرت حارث بن خزمتہ بن عدی رضی اللہ عنہ

حضرت حارث بن الصمتہ (۵۰۰) الخزرجی رضی اللہ عنہ

حضرت حارث بن عرفجتہ الاوسی رضی اللہ عنہ

حضرت حارث بن قیس بن خلدہ رضی اللہ عنہ

حضرت حارث بن النعمان بن امیہ انصاری رضی اللہ عنہ

حضرت حارثہ بن سراقہ النجاری رضی اللہ عنہ

(شہید ہوئے)

حضرت حارثہ بن النعمان بن رافع انصاری رضی اللہ عنہ

حضرت حاطب بن ابی بلتعۃ اللخمی رضی اللہ عنہ

حضرت حاطب بن عمرو بن عبد رضی اللہ عنہ

حضرت خباب بن المنذر الخزرجی رضی اللہ عنہ

خزرج کے علمبردار تھے اور محل نزول کے متعلق بہترین مشورہ دیا تھا جس کی تصدیق غیبی اشارات نے بھی کی۔

حضرت حبیب بن اسود مولی بنی حرام رضی اللہ عنہ

حضرت حبیب بن اسلم مولی آل جشم رضی اللہ عنہ
(فی رائی ابن ابی حاتم)
حضرت حریث بن زید بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ
حضرت حصین بن الحارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ
سید الشہداء حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ بن ہاشم
عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رضی اللہ عنہ

(خ)

حضرت خالد بن البکیر رضی اللہ عنہ
حضرت خالد بن زید ابو ایوب رضی اللہ عنہ
حضرت خالد بن قیس بن سالک رضی اللہ عنہ
حضرت خارجہ بن الحمیر رضی اللہ عنہ
حضرت خارجہ بن زید الخزرجی رضی اللہ عنہ
حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ
(مہاجرین اولین میں سے ہیں)
حضرت جناب مولی عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ
(مہاجرین اولین میں سے ہیں)
حضرت خراش بن الصمتہ السلمی رضی اللہ عنہ
حضرت خبیب بن اساف بن عتبہ الخزرجی رضی اللہ عنہ
حضرت خویم بن فاتک رضی اللہ عنہ
حضرت خلیفہ بن عدی الخزرجی رضی اللہ عنہ
حضرت خلید بن قیس رضی اللہ عنہ
حضرت خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ
شہید ۔۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے داماد تھے
(یعنی ام المومنین حضرت حفصہؓ کے سابق شوہر)

حضرت خوات بن جبیر الانصاری رضی اللہ عنہ
حضرت خولی بن ابی خولی العجلی رضی اللہ عنہ
(مہاجرین اولین میں سے تھے)
حضرت خلاد بن رافع
حضرت خلاد بن سوید الخزرجی رضی اللہ عنہم
حضرت خلاد بن عمرو بن الجموح

(ذ)

حضرت ذکران عبد قیس الخزرجی رضی اللہ عنہ
حضرت ذوالشمالین بن عبد بن عمرو رضی اللہ عنہ
شہید ۔۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالشمالین کا
خطاب پسند نہیں فرمایا آپ ذوالیدین فرمایا کرتے تھے

(ر)

حضرت رافع بن الحارث الاوسی رضی اللہ عنہ
حضرت رافع بن عنجدہ رضی اللہ عنہ
حضرت رافع بن العلی بن لوذان خزرجی شہید رضی اللہ عنہ
حضرت ربعی بن رافع بن حارث رضی اللہ عنہ
مہاجرین اولین میں سے تھے
حضرت ربیع بن ایاس الخزرجی رضی اللہ عنہ
حضرت ربیعہ بن اکثم رضی اللہ عنہ
حضرت رخیلہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ
حضرت رفاعہ بن رافع الزرقی رضی اللہ عنہ
حضرت رفاعہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ
حضرت رفاعہ بن عمرو بن زیدالخزرجی رضی اللہ عنہ

(ز)

سیدنا حضرت زبیر بن العوام بن خویلد رضی اللہ عنہ
(مہاجرین اولین اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں)
حضرت زیاد بن عمرو رضی اللہ عنہ
(فیہ اختلاف الرواۃ)
حضرت زیاد بن لبید الزرقی رضی اللہ عنہ
حضرت زیاد بن المزین بن القیس الخزرجی
حضرت زیاد بن اسلم رضی اللہ عنہ
حضرت زید بن حارثہ بن شرحبیل رضی اللہ عنہ
(مہاجرین اولین میں سے ہیں)
حضرت زید بن الخطاب بن نفیل رضی اللہ عنہ
(مہاجرین اولین میں سے ہیں)
برادر سیدنا فاروق اعظمؓ
حضرت زید بن سہل بن الاسود البخاری (ابو طلحہ) رضی اللہ عنہ

حضرت سعد بن حیثمہ الاوسی (شہید) رضی اللہ عنہ
حضرت سعد بن الربیع الخزرجی (شہید) رضی اللہ عنہ
حضرت سعد بن زید بن مالک الاوسی رضی اللہ عنہ
حضرت سعد بن سہل بن عبدالاشہل النجاری رضی اللہ عنہ
حضرت سعد بن عبیدالانصاری رضی اللہ عنہ
حضرت سعد بن عثمان بن خلدۃ الخزرجی رضی اللہ عنہ
حضرت سعد بن معاذ الاوسی رضی اللہ عنہ
(قبیلہ اوس کے علمبردار)
حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
(مہاجرین اولین اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں)
حضرت سعد بن مالک ابوسہل رضی اللہ عنہ (۵۰۱)
حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل العدوی رضی اللہ عنہ
(مہاجر) حضرت فاروق اعظم کے چچا زاد بھائی رضی اللہ عنہ

(س)

حضرت سالم بن عمیر الاوسی رضی اللہ عنہ
حضرت سالم بن (غنم بن) عوف الخزرجی رضی اللہ عنہ
حضرت سالم بن معقل مولی ابی حذیفۃ رضی اللہ عنہ
حضرت سائب بن عثمان بن مظعون الجمحی رضی اللہ عنہ
حضرت سبیع بن قیس بن عائذ الخزرجی رضی اللہ عنہ
حضرت سبرۃ بن فاتک رضی اللہ عنہ
حضرت سراقہ بن عمرو النجاری رضی اللہ عنہ
حضرت سراقہ بن کعب النجاری رضی اللہ عنہ
حضرت سعد بن خولہ مولی بن عامر بن لوی رضی اللہ عنہ
(مہاجرین اولین میں سے ہیں)

حضرت سفیان بن بشرا لخزرجی رضی اللہ عنہ
حضرت سلمۃ بن اسلم الاوسی رضی اللہ عنہ
حضرت سلمۃ بن ثابت بن وقش رضی اللہ عنہ
حضرت سلمۃ بن سلامۃ بن وقش رضی اللہ عنہ
حضرت سلیم بن حارث النجاری رضی اللہ عنہ
حضرت سلیم عمرو السلمی رضی اللہ عنہ
حضرت سلیم بن قیس بن فہد الخزرجی رضی اللہ عنہ
حضرت سلیم بن ملحان النجاری رضی اللہ عنہ
حضرت سماک بن اوس بن خرشہ (ابودجانہ) رضی اللہ عنہ
حضرت سماک بن سعد الخزرجی رضی اللہ عنہ

حضرت سہل بن حنیف الاوسی رضی اللہ عنہ
حضرت سہل بن عتیک النجاری رضی اللہ عنہ
حضرت سہل بن قیس السلمی رضی اللہ عنہ
حضرت سہل بن رافع النجاری رضی اللہ عنہ
(مسجد شریف کے لئے زمین انہیں سے لی گئی تھی)
حضرت سہل بن وہب الفہری رضی اللہ عنہ
حضرت سنان بن ابی سنان بن محصن رضی اللہ عنہ
حضرت سنان بن صیفی السلمی رضی اللہ عنہ
حضرت سواد بن زریق بن زید انصاری رضی اللہ عنہ
حضرت سواد بن غزیہ بن اہیب البلوی رضی اللہ عنہ
حضرت سویبط بن سعد بن حرملہ العبدری رضی اللہ عنہ
حضرت سوید بن مخشی ابو مخشی الطائی رضی اللہ عنہ

(ش)

حضرت شجاع بن وہب بن ربیعہ الاسدی رضی اللہ عنہ
(مہاجرین اولین میں سے ہیں)
حضرت شماس بن عثمان المخزومی (مہاجر) رضی اللہ عنہ
حضرت شقران مولی رسول صلی اللہ علیہ وسلم (مہاجر)
یہ اسیران بدر کے نگراں تھے ان کو
مال غنیمت میں باضابطہ حصہ نہیں دیا گیا تھا مگر
فدیہ لینے والے حضرات میں سے ہر ایک نے ان کو
جو انعام دیا وہ اتنا ہو گیا کہ غنیمت کا ایک حصہ
اس سے کم تھا

(ص)

حضرت صہیب بن سنان الرومی رضی اللہ عنہ
(مہاجرین اولین میں سے ہیں)
حضرت صفوان بن وہب بن ربیعہ الفہری (شہید) رضی اللہ عنہ
حضرت صخر بن امیہ بن خنساء السلمی رضی اللہ عنہ

(ض)

حضرت ضحاک بن حارثہ بن زید السلمی رضی اللہ عنہ
حضرت ضحاک بن عبد عمرو النجاری رضی اللہ عنہ
حضرت ضمرۃ بن عمرو الجہنی (فیہ اختلاف) رضی اللہ عنہ

(ط)

حضرت طلحہ بن عبیداللہ التیمی رضی اللہ عنہ
مہاجرین اولین اور عشرہ مبشرہ میں ہیں۔ غزوہ بدر کے زمانہ میں یہ شام گئے ہوئے تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو شریک کی حیثیت دی اور غنیمت میں ان کا حصہ لگایا۔
حضرت طفیل بن الحارث (مہاجر) رضی اللہ عنہ
حضرت طفیل بن مالک بن خنساء السلمی رضی اللہ عنہ
حضرت طفیل بن النعمان بن خنساء السلمی رضی اللہ عنہ
حضرت طلیب بن عمیر رضی اللہ عنہ
(صرف واقدی نے اصحاب بدر میں شمار کیا ہے)

(ظ)

حضرت ظہیر بن رافع الاوسی رضی اللہ عنہ
(صرف بخاری نے اپنی تاریخ میں ان کو بدریوں میں شمار کیا ہے)

(ع)

حضرت عاصم بن ثابت بن ابی الاقلح انصاری رضی اللہ عنہ

حضرت عاصم بن عدی بن الجد بن عجلان رضی اللہ عنہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی مقام روحاء سے مدینہ کے انتظامات کے لئے بھیج دیا تھا۔ مگر شریک بدر کی حیثیت دی اور مال غنیمت میں ان کا حصہ لگایا

حضرت عاصم بن قیس بن ثابت الخزرجی رضی اللہ عنہ

حضرت عاقل بن البکیر رضی اللہ عنہ

حضرت عامر بن امیہ بن زید بن حسحاس النجاری رضی اللہ عنہ

حضرت عامر بن الحارث الفہری رضی اللہ عنہ

حضرت عامر بن ربیعۃ بن مالک العنزی (مہاجر)

حضرت عامر بن مسلمۃ بن عامر رضی اللہ عنہ

حضرت عامر بن عبداللہ (ابوعبیدۃ بن الجراح) رضی اللہ عنہ (عشرہ مبشرہ میں سے ہیں)

حضرت عامر بن فہیرہ مولی ابی بکر (مہاجر) رضی اللہ عنہ

حضرت عامر بن مخلد النجاری رضی اللہ عنہ

حضرت عائذ بن ماعص بن قیس الخزرجی رضی اللہ عنہ

حضرت عباد بن بشر بن وقش الاوسی رضی اللہ عنہ

حضرت عباد بن قیس بن عامر الخزرجی رضی اللہ عنہ

حضرت عباد بن قیس بن عبشہ الخزرجی رضی اللہ عنہ

حضرت عباد بن الخشخاش القضاعی رضی اللہ عنہ

حضرت عبادۃ بن صامت الخزرجی رضی اللہ عنہ

حضرت عبادۃ بن قیس بن کعب بن قیس رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن امیہ بن عرفطہ رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن ثعلبہ خزمہ رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن جحش (مہاجر) رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن جبیر بن النعمان الاوسی رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن الجد بن قیس السلمی رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن حق بن اوس الساعدی رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن الحمیر رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن الربیع رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن رواحہ الخزرجی رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ عنہ جن کو خواب میں اذان و تکبیر کی تلقین ہوئی تھی۔

حضرت عبداللہ بن سراقہ العدوی رضی اللہ عنہ (مختلف فیہ)

حضرت عبداللہ بن سلمۃ رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن سہل بن رافع رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ

مشرکین کے لشکر میں اپنے والد کے ساتھ آئے تھے مگر جنگ کے وقت مسلمانوں میں آکر شریک ہوگئے۔

حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی بن سلول الخزرجی رضی اللہ عنہ (راس المنافقین عبداللہ بن ابی ابن سلول کے لڑکے)

حضرت عبداللہ بن الاسد رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن عبد مناف رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن عبس رضی اللہ عنہ
حضرت امیرالمومنین سیدنا حضرت عبداللہ بن عثمان بن عامر ابوبکرن الصدیق رضی اللہ عنہ
حضرت عبداللہ بن عرفطتہ بن عدی الخزرجی رضی اللہ عنہ
حضرت عبداللہ بن عمر بن حرام رضی اللہ عنہ
حضرت عبداللہ بن عمیر بن عدی الخزرجی رضی اللہ عنہ
حضرت عبداللہ بن قیس بن خالد النجاری رضی اللہ عنہ
حضرت عبداللہ بن قیس بن مخر بن حرام السلمی رضی اللہ عنہ
حضرت عبداللہ بن کعب بن عمر رضی اللہ عنہ
حضرت عبداللہ مخرمتہ بن عبدالعزیٰ رضی اللہ عنہ
مہاجرین اولین میں سے ہیں
حضرت عبداللہ بن مسعود الہذلی رضی اللہ عنہ
مہاجرین اولین میں سے ہیں
حضرت عبداللہ بن مظعون الجمحی رضی اللہ عنہ
حضرت عبداللہ بن النعمان رضی اللہ عنہ
حضرت عبداللہ بن انیسہ رضی اللہ عنہ
حضرت عبدالرحمٰن بن جبر رضی اللہ عنہ
حضرت عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ
حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بن عبد عوف رضی اللہ عنہ
عشرہ مبشرہ اور مہاجرین اولین میں سے ہیں
حضرت عبس بن عامر بن عدی السلمی رضی اللہ عنہ
حضرت عبید بن التیہان رضی اللہ عنہ
حضرت عبید بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ

حضرت عبید بن زید رضی اللہ عنہ
حضرت عبید بن ابی عبید رضی اللہ عنہ
حضرت عبید بن الحارث بن المطلب رضی اللہ عنہ
(مہاجر و شہید بدر)
حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ
حضرت عتبہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہ
حضرت عتبہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ
حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ
مہاجرین اولین میں سے ہیں
امیرالمومنین سیدنا حضرت عثمان بن عفان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ (مہاجرین اولین اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں)
حضرت عثمان بن مظعون الجمحی رضی اللہ عنہ
مہاجرین اولین میں سے ہیں
حضرت عدی بن ابی الزغباء الجہنی رضی اللہ عنہ
حضرت بسبس بن عدی کے ساتھ بھیجا تھا کہ کاروان تجارت کی خبر لائیں
حضرت عصمتہ بن الحصین رضی اللہ عنہ
حضرت عصمتہ حلیف بنی الحارث بن سوار رضی اللہ عنہ
حضرت عطیتہ بن نویرہ رضی اللہ عنہ
حضرت عقبتہ بن عامر رضی اللہ عنہ
حضرت عقبہ بن عثمان رضی اللہ عنہ
حضرت عقبہ بن عمر رضی اللہ عنہ
حضرت عقبہ بن وہب بن ربیعتہ الاسدی رضی اللہ عنہ

حضرت عقبہ بن وہب بن کلدۃ رضی اللہ عنہ
حضرت عکاشہ بن محصن الغنمی رضی اللہ عنہ
مہاجرین اولین میں سے ہیں۔
ان کو بشارت دی گئی کہ
قیامت کے روز یہ ان متوکلین
میں شامل ہوں گے جو بلا
حساب و کتاب جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے
امیرالمومنین سیدنا حضرت علی بن ابی
طالب بن عبدالمطلب
الہاشمی (عشرہ مبشرہ اور مہاجرین اولین
میں سے ہیں) کرم اللہ وجہہ
حضرت عمار بن یاسر العنسی المذحجی رضی اللہ عنہ
(مہاجرین اولین میں سے ہیں)
حضرت عمارۃ بن حزم رضی اللہ عنہ
امیرالمومنین سیدنا حضرت عمر بن
الخطاب (الفاروق الاعظم)
(عشرہ مبشرہ اور مہاجرین اولین میں سے ہیں رضی اللہ عنہ
حضرت عمر بن عمرو بن ایاس (یمنی) رضی اللہ عنہ
حضرت عمرو بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ
حضرت عمرو بن الحارث رضی اللہ عنہ
حضرت عمرو بن سراقہ (مہاجر) رضی اللہ عنہ
حضرت عمرو بن ابی سرح الفہری (مہاجر) رضی اللہ عنہ
حضرت عمرو بن طلق بن زید رضی اللہ عنہ
حضرت عمرو بن الجموح بن حرام الانصاری رضی اللہ عنہ
حضرت عمرو بن قیس بن زید رضی اللہ عنہ

(ق)

حضرت عمرو بن قیس بن مالک رضی اللہ عنہ
حضرت عمرو بن عامر بن الحارث الفہری رضی اللہ عنہ
حضرت عمرو بن معبد بن الازعر الاوسی رضی اللہ عنہ

حضرت عمرو بن معاذ الاوسی رضی اللہ عنہ
حضرت عمیر بن الحارث (فیہ اختلاف) رضی اللہ عنہ
حضرت عمیر بن حرام بن الجموح السلمی رضی اللہ عنہ
حضرت عمیر بن الحمام بن الجموح السلمی (شہید) رضی اللہ عنہ
حضرت عمیر بن عامر بن مالک رضی اللہ عنہ
حضرت عمیر بن عوف مولی سہل بن عمرو رضی اللہ عنہ
حضرت عمیر بن مالک بن اہیب رضی اللہ عنہ
مہاجر۔ شہید (حضرت سعد بن ابی وقاص کے بھائی
مالک کی کنیت ابو وقاص تھی)
حضرت عنترہ مولٰی بنی سلیم رضی اللہ عنہ
حضرت عوف بن الحارث (شہید) رضی اللہ عنہ
جو ابو جہل کے حملے سے شہید ہوئے
حضرت عویم بن ساعدۃ الانصاری رضی اللہ عنہ
حضرت عیاض بن غنم الفہری رضی اللہ عنہ

(غ)

حضرت غنم بن اوس الخزرجی (مختلف فیہ) رضی اللہ عنہ

(ف)

حضرت فاکہ بن بشر بن الفاکہ الخزرجی رضی اللہ عنہ
حضرت فروۃ بن عمرو بن دوفہ الخزرجی رضی اللہ عنہ
حضرت قتادہ بن النعمان رضی اللہ عنہ
حضرت قدامتہ بن مظعون الجمحی (مہاجر) رضی اللہ عنہ
حضرت قطبۃ بن عامر بن حدیدۃ السلمی رضی اللہ عنہ

حضرت قیس بن السکن النجاری رضی اللہ عنہ
حضرت قیس بن ابی معصعة رضی اللہ عنہ
حضرت قیس بن محصن بن خالد الخزرجی رضی اللہ عنہ
حضرت قیس بن مخلد بن ثعلبہ النجاری رضی اللہ عنہ

(ک)

حضرت کعب بن حمان رضی اللہ عنہ
حضرت کعب بن زید بن قیس النجاری رضی اللہ عنہ
حضرت کعب بن عمرو ابو الیسر السلمی رضی اللہ عنہ
حضرت کلفہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ
حضرت کناز بن حصین بن یربوع
(مہاجرین اولین میں سے ہیں) رضی اللہ عنہ

(م)

حضرت مالک بن الدخشم رضی اللہ عنہ
حضرت مالک بن ابی خولی الجعفی رضی اللہ عنہ
حضرت مالک بن ربیعہ ابواسید الساعدی (مہاجر) رضی اللہ عنہ
حضرت مالک بن عمر (مہاجر) رضی اللہ عنہ
حضرت مالک بن قدامتہ الاوسی رضی اللہ عنہ
حضرت مالک بن مسعود الخزرجی رضی اللہ عنہ
حضرت مالک بن ثابت بن نمیلہ المزنی رضی اللہ عنہ
حضرت مبشر بن عبدالمنذر (شہید) رضی اللہ عنہ
حضرت المجذر بن زیاد البلوی رضی اللہ عنہ
حضرت محرز بن عامر النجاری رضی اللہ عنہ
حضرت محرز بن نضلہ الاسدی (مہاجر) رضی اللہ عنہ
حضرت محمد بن مسلمتہ رضی اللہ عنہ

حضرت مدلج بن عمرو رضی اللہ عنہ
حضرت مرثد بن ابی مرثد الغنوی رضی اللہ عنہ
حضرت مسطح بن اثاثہ بن عباد رضی اللہ عنہ
(مہاجرین اولین میں سے ہیں)
حضرت مسعود بن اوس الانصاری رضی اللہ عنہ
حضرت مسعود خلدة الخزرجی رضی اللہ عنہ
حضرت مسعود بن ربیعہ القاری (مہاجر) رضی اللہ عنہ
حضرت مسعود بن سعد بن عامر رضی اللہ عنہ
حضرت مسعود بن سعد بن قیس الخزرجی رضی اللہ عنہ
حضرت مصعب بن عمیر العبدری (مہاجر) رضی اللہ عنہ
(علم بردار مہاجرین)
حضرت معاذ بن الحارث النجاری (ابن عفراء) رضی اللہ عنہ
حضرت معاذ بن عمرو بن الجموح الخزرجی رضی اللہ عنہ
حضرت معاذ بن ماعض الخزرجی رضی اللہ عنہ
حضرت معبد بن عبادة
حضرت معبد بن قیس بن صخرا السلمی رضی اللہ عنہ
حضرت معتب بن عبید قضاعی رضی اللہ عنہ
حضرت معتب بن عوف الخزاعی (مہاجر) رضی اللہ عنہ
حضرت معتب بن قشیر الاوسی رضی اللہ عنہ
حضرت معقل بن المنذر السلمی رضی اللہ عنہ
حضرت معمر بن الحارث الجمحی (مہاجر) رضی اللہ عنہ
حضرت معن بن عدی الاوسی رضی اللہ عنہ
حضرت معوذ بن الحارث الجمحی رضی اللہ عنہ
حضرت معوذ بن عمرو بن الجموح السلمی رضی اللہ عنہ

حضرت مقداد بن عمرا لبہرانی (مقداد بن الاسود) رضی اللہ عنہ (مہاجر).
جن کی بہادرانہ تقریر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک خوشی سے چمکنے لگا تھا
حضرت ملیل بن دبرۃ الخزرجی رضی اللہ عنہ
حضرت منذر بن عمرو بن خنیس الساعدی رضی اللہ عنہ
حضرت منذر بن قدامتہ بن عرفجۃ الخزرجی
حضرت منذر بن محمد بن عقبتہ الانصاری رضی اللہ عنہ
حضرت مہجع مولی عمر الخطاب رضی اللہ عنہما
غزوہ بدر کے سب سے پہلے شہید (یمنی الاصل تھے)

(ن)

حضرت نضر بن الحارث رضی اللہ عنہ
حضرت نعمان بن عبد عمرو النجاری رضی اللہ عنہ
حضرت نعمان بن عمرو بن رفاعۃ النجاری رضی اللہ عنہ
حضرت نعمان بن عصر بن الحارث رضی اللہ عنہ
حضرت نعمان بن مالک بن ثعلبتہ الخزرجی رضی اللہ عنہ
حضرت نعمان بن یسار مولی لبنی عبید رضی اللہ عنہ
حضرت نوفل بن عبید اللہ بن نضلہ الخزرجی رضی اللہ عنہ

(ہ)

حضرت ہانی بن نیار ابوبردۃ البلوی رضی اللہ عنہ
حضرت ہلال بن امیہ الواقفی (مختلف فیہ) رضی اللہ عنہ
حضرت ہلال بن المعلی الخزرجی رضی اللہ عنہ

(و)

حضرت واقد بن عبداللہ السیمی رضی اللہ عنہ
حضرت ودیعتہ بن عمرو بن جراد الجہنی رضی اللہ عنہ
حضرت ورقہ بن ایاس خزرجی رضی اللہ عنہ
حضرت وہب بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ

(ی)

حضرت یزید بن الاخنس بن خباب رضی اللہ عنہ
یہ، ان کے فرزند، اور ان کے والد۔ تینوں غزوہ بدر میں حاضر تھے
حضرت یزید بن الحارث رضی اللہ عنہ
حضرت یزید بن عامر بن حدیدۃ رضی اللہ عنہ
حضرت یزید بن المنذر بن سرح السلمی (شہید) رضی اللہ عنہ

باب الکنی

ان بزرگوں کے اصل نام صحیح معلوم نہیں۔ ان کی کنیت ہی مشہور و معروف ہے۔

حضرت ابوالاعور بن الحارث بن ظالم النجاری رضی اللہ عنہ
حضرت ابو حبتہ بن عمرو بن ثابت رضی اللہ عنہ
حضرت ابو حذیفہ بن عتبتہ بن ربیعتہ (مہاجر) رضی اللہ عنہ
حضرت ابوالحمراء مولی الحارث بن رفاعۃ رضی اللہ عنہ
حضرت ابوخزیمہ بن اوس بن اصرم البخاری رضی اللہ عنہ
حضرت ابوسبرہ مولی ابی رھم بن عبدالعزیٰ رضی اللہ عنہ (مہاجر))
حضرت ابوسنان بن محصن بن حرثان رضی اللہ عنہ
حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔ غزوۂ بدر میں اپنے لڑکے سنان کے ساتھ حاضر تھے۔

حضرت ابو الصیاح النعمان رضی اللہ عنہ
حضرت ابو عرفجہ حلیف بنی عجمی رضی اللہ عنہ
حضرت ابو کبشہ۔ مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ـ۔ مہاجر

حضرت ابولبابۃ بشیر بن عبدالمنذر (تقدم) رضی اللہ عنہ
حضرت ابو مرثد الغنوی کناز بن حصین (تقدم) رضی اللہ عنہ
حضرت ابو مسعود البدری عقبہ بن عمرو (تقدم) رضی اللہ عنہ
حضرت ابو ملیل بن الازعر بن زید الاوسی رضی اللہ عنہ
(ان چار حضرات کے اسماء گرامی پہلے بھی گزر چکے ہیں)

دوسرا محاذ

یہود۔ یثرب و خیبر

روحانی اقتدار۔ اور انقلاب

تاریخ' ایک ہی اقتدار سے واقف ہے اور اسی کے انقلاب کے قصے بیان کرتی ہے۔ دنیاوی یا مادی اقتدار' دولت و ثروت' فوجی طاقت' وسائل و ذرائع کی فراوانی' مملکت و حدود مملکت' تاریخ کے دلچسپ پہلو ہیں۔ انہیں میں ردو بدل کا نام انقلاب ہے۔ تاریخ اسی انقلاب کے افسانے سناتی رہتی ہے۔ تاریخ گویا جانتی ہی نہیں کہ کائنات انسانیت میں ایک اور اقتدار بھی ہے۔ اس کے بھی اسباب اور وسائل و ذرائع ہوتے ہیں۔ یہاں بھی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ یہاں بھی انقلاب آتے رہتے ہیں۔ یہ روحانی اقتدار ہے۔ کتاب اللہ کے پیش نظر اکثر یہی انقلاب رہتا ہے وہ بہت سی آیتوں بلکہ اکثر سورتوں میں اسی انقلاب سے بحث کرتی ہے۔ اس کی نظر میں اقتدار یہی ایک اقتدار ہے جس کو روحانی اقتدار کہا جا رہا ہے۔ انبیاء علیہم السلام اسی اقتدار کے علمبردار ہوا کرتے تھے۔ نوح علیہ السلام کے بعد یہ اقتدار حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا کیا گیا۔ (۵۰۲) پھر آل ابراہیم میں سے بنو اسرائیل کو ۔ پوری بائبل (توریت) اس اقتدار کے قصوں اور افسانوں سے بھری پڑی ہے۔ قرآن حکیم نے بھی بلیغانہ اور معجزانہ انداز میں اس اقتدار کے کچھ واقعات بیان فرمائے ہیں۔

یوں تو ہر قوم اور ملت میں نبی آتے رہے۔ خود خالق کائنات ارحم الراحمین کا ارشاد ہے۔

لکل قوم ھاد۔ (سورہ رعد رکوع ۱) ۔ ہر قوم کے لیے ہوا ہے راہ بتانے والا۔

اِنْ مِنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (سورہ فاطر رکوع ۳) اور کوئی فرقہ نہیں جس میں نہیں ہو چکا کوئی نذیر۔ (۵۰۳)

لیکن یہ بات کہ پوری قوم یا نسل بحیثیت نسل اس اقتدار کی مالک ہو۔ ہدایت وارشاد اور دعوت الی

اللہ کا فریضہ اس کے سپرد ہو۔ قرآن حکیم میں جن قوموں کا تذکرہ آیا ہے ان میں صرف بنی اسرائیل ہی وہ قوم تھی جس کو من حیث القوم یہ اقتدار عطا ہوا تھا۔ قرآن حکیم میں ایک جگہ نہیں بار بار ارشاد ہوا ہے۔

يَا بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْ أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِيْنَ (سورہ بقرہ ع ٦ و ع ١٥ (وغیرھا)

اے بنی اسرائیل جو نعمت میں نے تم کو بخش رکھی تھی کہ تم کو پورے عالم انسانیت پر فضیلت دے رکھی تھی (ہر قوم اور ہر ملت تمہارے روحانی اقتدار کے سامنے سر جھکائے ہوئے تھی) اللہ کے اس انعام عظیم کو یاد کرو۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ أَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُلُوْكًا وَّاٰتَاكُمْ مَّالَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِيْنَ (سورہ مائدہ ع)

یاد کرو اللہ کے انعام کو جس سے تمہیں سرفراز کیا۔ اس نے تم میں نبی پیدا کیے تمہیں بادشاہ بنایا اور تمہیں وہ کچھ عطا فرمایا جو دنیا جہان میں (ابتک) کسی کو نہیں دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزندان نامور اسماعیل اور اسحاق (علیہما السلام) حضرت اسحاق کے جانشین اور خلف اکبر "یعقوب" علیہ السلام جن کا دوسرا نام اسرائیل تھا۔ انہیں اسرائیل کی اولاد۔ (بنو اسرائیل) جو کئی ہزار سال تک ایوان دعوت و ارشاد میں مسند آرا رہی۔ ہزاروں انبیاء ان میں پیدا ہوئے۔ ان میں ایوب جیسے صابر و قانع بھی تھے۔ یوسف جیسے منتظم موسیٰ جیسے انقلاب انگیز' داؤد جیسے بہادر اور سلیمان جیسے تاج پوش بھی تھے (صلوات اللہ علیہم اجمعین)

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔ ان اللہ لایمل حتی تملوا

(اللہ تعالیٰ ثواب دینے سے نہیں اکتاتا۔ یہاں تک کہ تم ہی عمل کرنے سے نہ اکتا جاؤ۔)

فضل خداوندی کی یہ کرم فرمائیاں بنو اسرائیل پر برابر جاری رہیں یہاں تک کہ وہ خود ہی ان نوازشوں کی قدر کرنے سے یہاں تک اکتا گئے کہ خود اپنے ہاتھوں خدا کے بھیجے ہوئے نبیوں کو جو انہیں میں کے ہوتے تھے قتل کرنے لگے۔

حد ہو گئی۔ بڑے فخر سے دعویٰ کیا کرتے تھے۔

إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ (سورہ نساء ع ٢٢)

بیشک (۵۰۴) ہم نے قتل کیا ہے مسیح کو وہی مسیح جو ابن مریم تھے۔ جو اللہ کے رسول تھے۔

کیا یہی قوم آئندہ بھی روحانی اقتدار کی مالک رہے۔ دعوت و ارشاد کا نظام اسی کے سپرد رہے یا اس میں تبدیلی ہو۔ یہ ایک قدرتی سوال تھا۔

لطف یہ ہے کہ اپنی ان تمام شرمناک حرکتوں اور نفرت انگیز کرتوتوں کے باوجود یہود یہی سمجھتے تھے کہ یہ اقتدار ہمارے ہی حوالہ رہے گا اور آنے والے نبی ہم میں سے مبعوث ہوں گے۔ اور ہمیں صرف اسی نبی کی اتباع کرنی چاہیے جو ہم میں سے ہو۔

مگر کیا قدرت خداوندی کا دامن تنگ ہے۔ کیا ہماری طرح اس کو بھی قحط الرجال کی شکایت رہتی ہے (معاذ اللہ) وہاں تنگی دامن کی شکایت نہیں ہے۔ نوشتگان قضا و قدر کا کھلا اعلان ہے

"کوئی قوم اگر روگردانی کرتی ہے تو وہ دریائے فیض کا رخ کسی دوسری قوم کی طرف موڑ دیتا ہے" اور اس منہ موڑنے والی جماعت نے جس طرف اپنا رخ کیا ہے وہ اسی رخ پر اس کو چلاتا رہتا ہے یہاں تک اس کو جہنم میں دھکیل دیتا ہے جو اس کی آخری منزل ہوتی ہے۔

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا (سورہ نساء ع ۱۷)

جس پر ہدایت کی رہ کھل جائے اس کے بعد بھی وہ اللہ کے رسول سے مخالفت کرے۔ اور مومنوں کی راہ چھوڑ کر دوسری راہ چلنے لگے تو ہم اسی طرف لیجائیں گے جس طرف وہ خود پھر گیا ہے اور داخل کر دیں گے اس کو جہنم میں اور یہ بہت ہی بری جگہ ہے جو اس کی آخری منزل اور مرجع ہو گی۔

اسباب انقلاب

ایشیا چودھویں صدی عیسوی کے آخر تک تمام دنیا پر چھایا ہوا تھا وہ دنیا کا کمزور بازو کس طرح بنا۔ اور کس طرح یورپ نے ایشیا کے مقابلہ میں اقتدار اور غلبہ حاصل کیا۔ اور اس کے اسباب اور وجوہات کیا تھے۔ یہ ایک مورخ کے لیے بہت دلچسپ اور تحقیق طلب موضوع ہے اس طرح روحانیات کے مفکر کے لیے نہایت دلچسپ اور تحقیق طلب موضوع یہ ہے کہ وہ کیا اسباب تھے کہ روحانی اقتدار جو ہزاروں سال سے بنو اسرائیل کی میراث بنا ہوا تھا وہ ان سے چھین کر بنو اسماعیل کے حوالہ کیا گیا۔ جن کے ہادی اعظم محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

بیشک حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنے فرزند ارجمند اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر دعا کی تھی۔ (۵۰۵)

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ (سورہ بقرہ ع ۱۵)

اے ہمارے رب ان (مکہ کے رہنے والوں) میں مبعوث فرما ایک رسول جو انہیں میں سے ہو۔ وہ تیری آیتیں پڑھ کر لوگوں کو سنائے۔ کتاب اور حکمت (دانش) کی تعلیم دے اور روحانی تربیت سے ان کے دلوں کو مانجھ دے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا یقیناً" قبول ہوئی۔ محمد رسول اللہ (فداہ روحی) صلی اللہ علیہ وسلم آل اسماعیل میں خاتم الانبیاء بن کر مبعوث ہوئے اور مسند ارشاد و ہدایت آپ کی امت کے (۵۰۶) حوالہ ہوا۔ لیکن یہ دنیا عالم اسباب ہے۔ یہاں دعا کی قبولیت بھی سبب کا نتیجہ بن کر ظاہر ہوتی ہے۔ پس یہ سوال اپنی جگہ رہا کہ وہ کیا اسباب ہیں کہ بنو اسرائیل اس نبی آخر الزماں کی بعثت سے محروم رہے اور یہ سعادت بنو اسماعیل کے حصہ میں آئی اور ان کو نصیب ہوئی۔

کلام الٰہی میں اس سوال کو نہایت اہمیت دی گئی ہے اور یقیناً" وہ آیتیں سو سے زیادہ ہیں جن میں اس سوال کے جواب پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ایسے انداز سے محرومی بنی اسرائیل کے اسباب بیان کیے گئے ہیں جو بنی اسرائیل کے بارے میں تاریخی حقائق ہیں اور نوع انسان کے لیے درس عبرت۔

دوسری طرف وہ اوصاف اور وہ اخلاق و خصائل بیان کیے گئے ہیں جو کسی قوم کی ترقی کا زینہ ہوا کرتے ہیں اور چونکہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ الصلاۃ والسلام (خصوصاً" جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم) ان اوصاف کی حامل ہوئی۔ لہٰذا اس کی ترقی اور کامرانی کے وجوہات اور اسباب بھی سامنے آ جاتے ہیں۔

یہود مدینہ اگر عقل و دانش سے کام لیتے تو وہ کلام پاک کے دونوں سبق سامنے رکھ کر فلاح اور کامیابی کی راہ اختیار کر سکتے تھے۔ مگر وہ روحانی امراض جو قوم یہود کے لیے کینسر بن چکے تھے' قوم یہود ان سے نجات نہ پا سکی۔ ان امراض میں سب سے زیادہ بنیادی اور سب سے زیادہ سخت مرض تھا۔ اتباع ھوی" یعنی اپنی من مانی باتوں پر چلنا اور انہیں کو مذہب مان لینا اور خدا کو چھوڑ کر انہیں کو معبود کی حیثیت دیدینا۔

دنیا شاید اس بغاوت اور کور باطنی کی مثال نہ پیش کر سکے کہ یہودی اپنی ہی قوم کے نبی معصوم عیسیٰ علیہ السلام (جن کی عصمت اور صداقت کے آثار ان کی پیدائش کے وقت سے ان کے سامنے تھے' ان کو قتل کرنے کی کوشش میں اپنی تمام سرگرمیاں صرف کر دیتے ہیں اور پھر اس تصور کی بنا پر کہ ان کی سرگرمیاں کامیاب ہوئی ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام قتل کر دیئے گئے ہیں۔ بڑے فخر سے کہتے ہیں۔

اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى بْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللّٰهِ۔

جرات اور جسارت کی بھی حد ہو گئی کہ اظہار جرم کے وقت صرف ایک نام نہیں بلکہ (مسیح و عیسیٰ)

دونوں نام لیتے ہیں۔ کنیت بیان کرتے ہیں (ابن مریم) خطاب اور منصب (رسول اللہ) سب کچھ ظاہر کرتے ہیں۔ تاکہ سننے والا ان کی سینہ زوری اور ہیکڑی سے پوری طرح مرعوب اور متاثر ہو جائے۔

کور باطنی کی یہ بحرانی کیفیت اسی وجہ سے پیدا ہوئی کہ انہوں نے تورات کو نہیں بلکہ اپنے اختراعات کو مذہب سمجھ لیا تھا اور ان کی گردنیں خالق کائنات کی عظمت کے سامنے نہیں بلکہ اپنے مزعومات باطلہ کے سامنے خم رہتی تھیں۔ (۵۰۷)

اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشَاوَةً الاٰیة (سورہ جاثیہ ع ۳)

(ترجمہ) تمہاری کیا رائے ہے ایسے شخص کے متعلق جس نے اپنا معبود بنا لیا اپنے نفس کی خواہش (دل کی چاہ) کو اور باوجود یہ کہ وہ علم رکھتا تھا مگر اللہ نے گمراہی اس کے لیے مقرر کر دی (کیونکہ وہ علم کے باوجود ایسا جاہل اور عقل پرست بن گیا گویا) اس کے کان اور دل پر مہر لگ گئی ہے اور آنکھوں کی بینائی پر پردہ پڑ گیا ہے۔ (۵۰۸)

قرآن حکیم میں اس بنیادی مرض کی تشریح کرتے ہوئے ان خصلتوں کا بھی تجزیہ کیا گیا ہے جو ان کے اندر جڑ پکڑ گئی تھیں۔ مثلاً" وہ متمردانہ اور باغیانہ نظریات اور نہایت غلط عقیدوں پر یہاں تک پختہ تھے اور ایسے مطمئن تھے کہ ان کے دماغ اس تصور سے بھی خالی تھے کہ ان میں کوئی تبدیلی آسکتی ہے۔ وہ خود کہا کرتے تھے۔

قُلُوْبُنَا غُلْفٌ (سورہ بقرہ ع ۱۱) ہمارے دلوں پر غلاف ہے۔ یعنی کوئی سوراخ ایسا نہیں ہے جس کے راستہ سے دعوت اسلام ان کے دلوں کی پینڈی تک پہنچ سکے

وہ ناقابل تغییر عقائد و نظریات اور ناقابل تبدیل خصلتیں کیا تھیں جن کی پختگی پر ان کو ناز تھا کتاب اللہ کے مطالعہ سے ان کا بھی انکشاف ہو جاتا ہے۔ مثلاً"

(۱) بہت بڑی گمراہی یہ تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر قیاس کیا کرتے تھے مثلاً" "دست قدرت" کا اطلاق کرتے تو یہ بھی سمجھتے تھے کہ (معاذ اللہ) ہمارے ہاتھ کی طرح دست قدرت میں بھی انگلیاں ہیں۔ وہ اپنا ہاتھ سامنے کر کے بتایا کرتے تھے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس انگلی پر آسمان رکھے گا۔ اس پر سمندر۔ اس پر پہاڑ۔ اس پر تمام درخت۔ پھر ان کو ٹکرا دے (۵۰۹) گا۔ (معاذ اللہ) سبت (شنبہ کے دن) یہودی تعطیل کیا کرتے تھے۔ اور عقیدہ یہ تھا کہ اللہ میاں نے بھی اس دن آرام کیا تھا یعنی اللہ تعالیٰ نے اتوار کے دن سے زمین و آسمان کی پیدائش شروع کی۔ جمعہ کے روز یہ سلسلہ ختم ہوا تو اللہ میاں کو (معاذ اللہ) تھکان ہو گیا۔ شنبہ کے روز اس نے آرام کیا۔ (۵۱۰) لہٰذا ہمیں بھی اس روز آرام کرنا چاہیے۔

سبت کو یہودی مقدس مانتے تھے۔ یہ دن ہر ہفتہ آتا تھا تو ہر ہفتہ اس شرمناک عقیدہ کی تجدید ہو جاتی تھی۔ اور اس طرح کے تصورات پختہ ہو جاتے تھے۔

(۲) یہود کے کچھ فرقوں نے باپ بیٹے کا رشتہ بھی خدا سے قائم کر دیا تھا۔ وہ حضرت عزیز (علیہ السلام) کو اللہ میاں کا بیٹا مانتے تھے۔

(۳) فرشتوں کو خود مختار مانتے تھے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اپنا دشمن سمجھا کرتے تھے کہ اس نے یہود پر بار بار تباہی ڈالی ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ کا علم بھی کچھ اپنے ہی جیسا مانتے تھے جن حقائق کو اور توریت کی جن آیتوں کو چھپا لیتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ علم خدا کے احاطہ سے بھی وہ خارج ہو گئی ہیں۔ اگر کوئی یہودی کسی مسلمان کو توریت کی کوئی بات بتا دیتا تھا تو وہ اس پر خفا ہوا کرتے تھے کہ قیامت کے روز یہ مسلمان اللہ میاں کو بتا دے گا تو ہمارے لیے عذر کرنے کا موقع نہیں رہے گا کہ "ہمیں خبر نہ تھی" (۵۱۱)

(۵) تنگ نظری اور گروہ پرستی کی انتہا تھی کہ اللہ میاں کی وسیع جنت کو صرف (۵۱۲) اپنی ٹولی کے لیے مخصوص کر لیا تھا۔

اخلاق و اعمال

ان عقائد و نظریات کے ساتھ اخلاق و اعمال کی حالت یہ تھی کہ حرص۔ طمع۔ خود غرضی نفع اندوزی۔ بخل اور سود جیسی خصلتیں جو آج بھی دنیا کی تمام قوموں سے زیادہ اس جماعت کے اندر پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے "یہودی" ان خبیث خصلتوں کی تصویر و مثال اور لفظ یہودیت ان کے ہم معنی اور مترادف مانا جاتا ہے۔ یہ خصلتیں پورے شباب کے ساتھ ان بدبختوں کے اندر بھی موجود تھیں جو آفتاب ہدایت کے سامنے بیٹھ کر بھی نور آفتاب کو نہ دیکھ سکے اور ان کی نگاہیں چکا چوند رہیں۔

ان خبیث خصلتوں نے یہ عقیدہ پختہ کر دیا تھا کہ غیر یہودی کا مال جس طرح بھی ہاتھ لگ جائے، وہ ان کے لیے حلال و طیب ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَمِنْهُمْ مَنْ اِنْ تَأْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ تاوَهُمْ يَعْلَمُوْنَ (سورہ آل عمران رکوع ۸)

(مطلب) ان اہل کتاب میں ایک گروہ ایسا ہے کہ اگر ایک دینار کے لیے بھی ان پر بھروسہ کر لو تو کبھی وہ تمہیں واپس نہ دیں جب تک (تقاضے کے لیے) ہمیشہ ان کے سر پر کھڑے نہ رہو۔ ان لوگوں میں یہ بد معاملگی اس لیے پیدا ہو گئی کہ وہ کہتے ہیں امیوں سے معاملہ کرتے ہوئے ہم کچھ کر لیں ہم پر کوئی مواخذہ نہیں۔ فی الحقیقت (وہ ایسا کہہ

کر) اللہ پر تہمت باندھتے ہیں اور اچھی طرح جانتے ہیں کہ حقیقت حال کیا ہے (آل عمران ع ۸)

طماعی اور حرص کی انتہا یہ تھی کہ دو چار روپے کے زیور کے لیے معصوم بچوں کا سر کچل دیتے تھے۔ (۵۱۳) اور چونکہ تنہا یہی صاحب دولت تھے۔ اس لیے نہایت بے رحمی سے سود کی بڑی شرحیں مقرر کرتے تھے اور قرضہ کی کفالت میں لوگوں کے بال بچے یہاں تک کہ مستورات کو رہن رکھواتے تھے۔ (۵۱۴)

سود کے علاوہ رشوت کا مرض صرف عوام میں نہیں بلکہ خواص حتی کہ ان کے زاہد و عابد علماء میں جن کو وہ احبار کہا کرتے تھے' یہاں تک رائج تھا کہ جب وہ چاہتے توریت کی آیت (۵۱۵) چھپا لیتے تھے۔ کبھی معنی بدل (۵۱۶) دیتے تھے۔ کبھی کسی اور طرح تاویل کر لیا کرتے تھے۔ کبھی خود اپنی طرف سے کوئی بدعت رائج کر کے اس کو اللہ کا حکم کہتے اور اس پر رقمیں وصول کیا کرتے تھے۔ (۵۱۷)

تلبیس الحق بالباطل۔ یعنی غلط بات کو صحیح قرار دینا اور صحیح کو غلط کا جامہ پہنا دینا۔ صداقت پر پردہ ڈال دینا۔ ضمیر کے خلاف پوری دلیری سے شہادت دینا۔ پھر اسی پر اصرار کرتے رہنا۔ وہ عیوب اور امراض تھے جو یہودیت کی سرشت اور ان کی فطرت بن گئے تھے۔ ان امراض نے صرف اسی قوم یا جماعت کو گمراہ نہیں کیا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ نوع انسان کے بہت بڑے طبقہ کو "نجات" اور فلاح و کامیابی سے محروم کر دیا۔ دوسری طرف داعیان حق کے کام کو زیادہ سے زیادہ دشوار اور پر خطر بنا دیا۔

عہد زریں کے پہلے حصہ (۵۱۸) میں وہ بشارتیں نقل کی گئی ہیں جو انبیاء سابق علیہم السلام اور ارباب باطن نے نبی آخر الزماں۔ خاتم الانبیاء فداہ روحی ﷺ کے متعلق دی تھیں۔ اگر ان بشارتوں میں تحریف نہ کی جاتی تو نوع انسان کا وہ طبقہ جو آسمانی صحیفوں کو اپنا دین و ایمان سمجھتا تھا۔ اور جو نبی آخر الزماں کی آمد کا منتظر تھا۔ جب خاتم الانبیاء ﷺ نے اعلان کیا تھا۔

يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (سورہ اعراف) (۵۱۹)

وہ اس دعوت کا انکار نہ کرتا بلکہ کھلے دل سے اس کا استقبال کرتا اور عیسائیوں (۵۱۰) کے حق پرست راہبوں اور قسیسین کی طرح اس کا کردار بھی یہ ہوتا۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ (سورہ مائدہ ع ۱۱)

اور جب یہ (پادری اور راہب (جن میں گھمنڈ اور خود پرستی نہیں ہے) وہ کلام سنتے ہیں

جو اللہ کے رسول پر نازل ہوا۔ تو تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھیں جوش گریہ سے بہنے لگتی ہیں کیونکہ انہوں نے سچائی کو پہچان لیا ہے وہ (بے اختیار) بول اٹھتے ہیں۔ خدایا ہم ایمان لائے۔ پس ہمیں بھی ان میں لکھ لے جو سچائی کی شہادت دینے والے (حق کو مان لینے والے) ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں ہمیں کیا ہو گیا ہے (یہ کیسے ممکن ہے) کہ ہم اللہ پر اور اس کلام پر جو سچائی کے ساتھ ہمارے پاس آیا۔ ایمان نہ لائیں اور اس بات کی طمع کرتے رہیں کہ ہمارا رب ہم کو نیک کردار اور صالح لوگوں میں داخل کر دے (یہ قطعاً ناممکن ہے کہ ہم ایمان سے محروم رہیں اور صالح اور نیک کردار لوگوں میں ہمارا شمار ہونے لگے۔ ایمان سے محرومی (کفر) اور صلاح اور نیک کرداری ساتھ ساتھ جمع نہیں ہو سکتے)

لیکن اس مغضوب علیہم قوم نے ان بشارتوں میں تحریف کر کے نہ صرف اس آفتاب جیسی حقیقت کو مشتبہ کر دیا بلکہ اس کے خلاف طرح طرح کے بہتان (۵۲۱) تراش کر نادان عقیدت مندوں کے جذبات کو یہاں تک برا فروختہ کر دیا کہ دعوت و تبلیغ کا میدان داعی حق کے لیے آتش کدہ بن کر رہ گیا۔

یہ حقیقت کس قدر عجیب ہے کہ اوس و خزرج منزل پر جا پہنچے اور جن کے اشاروں سے ان جاہل و مشرک قبیلوں نے راستہ کے نشانات معلوم کیے تھے وہ خود راہ یابی سے محروم رہ گئے۔

مدینہ کے یہودی آنے والے نبی کی پیشین گوئی کیا کرتے تھے۔ اس کے اوصاف اور علامتیں بتایا کرتے تھے۔ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ اس کی آمد سے ہماری قوت بڑھے گی۔ ہمیں عروج حاصل ہو گا۔ اوس و خزرج کے جنگجو قبائل جو تقریباً سوا صدی پوری آپس کی لڑائی (۵۲۲) میں گزار چکے تھے نہ نبوت سے واقف تھے نہ وحی اور نہ فرشتہ وحی سے۔ یہود کی بتائی ہوئی باتیں کانوں میں پڑی ہوئی تھیں۔ اپنے مشرکانہ دستور کے مطابق حج کے لیے مکہ گئے۔ وہاں ایک داعی حق کی آواز سنی۔ اس پر کان لگائے۔ قریب پہونچے۔ باتیں کیں باتوں میں سچائی معلوم ہوئی۔ یہود کی بتائی ہوئی باتوں سے مطابقت پائی۔ طلب صادق کا جذبہ ابھرا۔ توفیق خداوندی نے دستگیری کی شک و شبہ کے تمام پردے چاک ہو گئے۔ ایمان و اذعان کی روشنی نمودار ہوئی۔ اور السابقون الاولون میں داخل ہو گئے۔

نومیدم مباش کہ رندان بادہ خوار
ناگہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

لیکن اس کے برخلاف خود ان پیشین گوئی کرنے والوں کا کردار کیا رہا۔ (ملاحظہ فرمایئے)

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ وَقَدْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ

عَلَى الْكَافِرِيْنَ - (سورہ بقرہ ع ۱۱)

اور جب ایسا ہوا کہ اللہ کی طرف سے ان کی ہدایت کے لیے ایک کتاب نازل ہوئی اور وہ اس کتاب کی تصدیق کرتی تھی جو پہلے سے ان کے پاس موجود ہے۔ تو باوجود یکہ وہ (توارت کی پیشین گوئیوں کی بنا پر اس کے منتظر تھے اور) کافروں کے مقابلہ میں اس کا نام لے کر فتح و نصرت کی دعائیں مانگتے تھے لیکن جب وہی جانی بوجھی بات سامنے آگئی تو صاف انکار کرنے لگے۔ پس اللہ کی لعنت ان کافروں پر۔

اس طرح ہٹ دھرمی اور عناد کی وجہ کیا تھی۔ وجہ یہ تھی کہ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل و انعام اور اس کی رحمت کو صرف اپنی ہی بدکار ٹولی میں بند کر کے رکھنا چاہتے تھے۔ پس

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (سورہ بقرہ ع ۱۱)

(افسوس ان کی بدبختی اور شقاوت پر) کیا ہی بری قیمت ہے جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانوں کا سودا چکایا۔ انہوں نے اللہ کی نازل کی ہوئی سچائی سے صرف اس ضد پر انکار کیا کہ (اللہ میاں ایسا کیوں کرتا ہے) کہ وہ اپنے بندوں میں جس کسی پر چاہتا ہے اپنا فضل نازل کر دیتا ہے (ان ہی کی ٹولی میں بند کر کے اور تالا ڈال کر کیوں نہیں رکھتا)

اس ہٹ دھرمی عناد بدکرداری اور کور باطنی کے باوجود لطف یہ ہے کہ عقیدہ یہ تھا کہ

○ ہم فرزندان خدا اور اس کے محبوب (۵۲۳) ہیں۔

○ جنت میں صرف یہودی جائیں گے جو یہودی نہ ہو وہ جنت میں ہرگز داخل نہ ہو سکے گا۔ (۵۲۴) ہمیں آتش دوزخ ہرگز نہیں چھو سکتی۔ اگر ہم دوزخ میں داخل کیے گئے تو صرف گنتی کے چند دونوں کے لیے۔

لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً (سورہ بقرہ ع ۹)

یہود کے ساتھ غیر معمولی مراعات

یہ چند خصلتیں جو اوپر بیان کی گئیں (اور اس جیسی بہت سی خصلتیں) جو اس جماعت کی قومی خصلتیں تھیں، اس بات کا یقین کرنے کے لیے کافی ہیں کہ یہ گروہ ایک ایسا پھوڑا تھا کہ ڈاکٹر کا پہلا کام یہ تھا کہ سب سے پہلے اس کا آپریشن کر دیتا۔ تا کہ جسم انسانیت اس کے متعدی اثرات سے محفوظ رہ سکے۔ لیکن اتفاق سے ڈاکٹر وہ تھا جس کو خالق کائنات نے "روف رحیم" اور "رحمتہ للعالمین" فرمایا ہے۔ جب

اس نے مدینہ طیبہ میں نزول اجلال فرمایا تو تاریخ شاہد ہے کہ اس نے اس گروہ کو وہ رعایتیں عطا فرمائیں جو آج کی دنیا میں بھی جو تہذیب اور شائستگی کی دعویدار ہے بہت ہی مشکل ہے کہ کسی بااختیار و بااقتدار کی طرف سے کسی جماعت کو نصیب ہو سکیں۔ یہودیوں کے تین مشہور قبیلے مدینہ کے قریب دو دو تین تین میل کے فاصلہ پر آباد تھے۔ بنو قینقعاع (۱) بنو نضیر (۲) اور بنو قریظہ (۳)

ہر ایک قبیلہ کی آبادی گویا ایک قلعہ تھی اس میں ان کے محل اور تجارتی کوٹھیاں تھیں۔ باہر ان کے باغات تھے۔

اس حصہ (۵) کی ابتدا میں وہ معاہدہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے جملہ قبائل سے کیا تھا۔ جس کی رو سے

> ہر قبیلہ کا جو نظام پہلے سے تھا وہ بدستور قائم رکھا گیا تھا۔ باہمی معاملات و مقدمات طے کرنے کے لیے ان کی پنچائتیں یا جو بھی نظام تھا وہ بدستور قائم رکھا گیا۔ معاملات طے کرنے کے اصول بھی بدستور قائم رکھے گئے تھے تعلیم گاہیں۔ عبادت گاہیں بدستور قائم رکھی گئیں۔ خود ان کی رضامندی سے یہ حق تسلیم کیا گیا کہ اپنے معاملات کی آخری اپیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر سکیں گے۔

ان عمومی رعایتوں کے علاوہ چند رعایتیں خاص اس گروہ کے ساتھ مخصوص تھیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ گروہ اگر ان کی کچھ بھی قدر کرتا تو نہ صرف یہ قبائل اور مسلمان بلکہ اسلام اور یہودیت دنیا میں شیر و شکر ہو کر نمودار ہوتے۔ (مراعات کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں)

(۱) آنحضرت ﷺ کا نصب العین اگرچہ ملت ابراہیم کا احیاء تھا۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت مدون اور مرتب کبھی بھی نہیں ہوئی تھی۔ اس کے طریقے جو بطور رسم و رواج مکہ میں رائج تھے وہ کفر و شرک کی آمیزش سے اتنے مشتبہ ہو چکے تھے کہ اصل حقیقت کا پتہ چلانا مشکل تھا۔ اس کے مقابلہ میں یہود کے پاس توریت تھی۔ ان کا دین ایک مرتب دین تھا۔

پس جن مسائل کی تشریح وحی الہٰی سے نہیں ہوتی تھی۔ آنحضرت ﷺ ان مسائل میں اہل کتاب کی موافقت (۵۲۵) پسند فرماتے تھے۔

(۲) باہمی گفتگو اور بحث و مباحثہ میں یہ گوارا نہیں تھا کہ اہل کتاب کے پیشواؤں کی توہین ہو۔ ایک مرتبہ ایک یہودی نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (۵۲۶) سے بحث شروع کر دی اور دوران بحث میں ایسے جملے استعمال کیے جن سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں آنحضرت ﷺ کی توہین ہوتی تھی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو غصہ آگیا۔ آپ نے یہودی کے طمانچہ مار دیا۔ یہودی نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر شکایت کی۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو تنبیہہ فرمائی بلکہ یہ بھی تاکید فرما دی کہ حضرت

موسیٰ علیہ السلام کی شان تو بہت بلند ہے کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ حضرت یونس علیہ السلام کے مقابلہ میں (جن کو یہودی معمولی درجہ کا نبی سمجھتے ہیں) مجھے بڑھانے کی بات کرے۔ (۵۲۷)

(صلی اللہ تعالیٰ علی جمیع الانبیاء والمرسلین)

(۳) جو معاملہ خود ان کی پنچایت میں طے نہیں ہوتا تھا اور اس کا مرافعہ (اپیل) بارگاہ رسالت (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) میں پیش ہوتا تو آپ ﷺ کی کوشش یہ ہوتی کہ اس بارے میں توریت کا صحیح حکم معلوم ہو جائے تو اس کے بموجب آپ ﷺ فیصلہ صادر فرمائیں۔

(۴) تہذیب و ثقافت کی باتوں میں بھی آپ ﷺ یہود کے ساتھ اتفاق (۵۲۸) فرماتے اور ان کی مذہبی توقیر باقی رکھنا چاہتے تھے۔ اہل عرب کی عادت تھی کہ بالوں میں مانگ نکالا کرتے تھے۔ یہودی مانگ نہیں نکالتے تھے سیدھے بال رکھتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ابتدا میں اسی کو پسند (۵۲۹) فرمایا۔

(۵) صوم عاشور۔ ۱۰ محرم الحرام کے روزہ کا رواج مکہ معظمہ میں بھی تھا۔ آنحضرت ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو دیکھا یہودی بھی روزہ رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے یہود سے اس روزہ کی وجہ دریافت فرمائی۔ علماء یہود نے بتایا کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کامیابی کی یادگار ہے۔ اس روز فرعون غرق ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فتح بخشی تھی۔ آپ ﷺ نے بھی اس روزہ کا حکم دیدیا اور فرمایا۔

انا اولی بموسی منھم

یعنی (۵۳۰) اہل کتاب کی بہ نسبت مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ تعلق ہے۔

(۶) سلسلہ معاشرت میں' طعام' ذبیحہ اور نکاح کے مسائل کو بھی لے لیجئے۔

کتاب اللہ میں ارشاد ہے۔

طَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ

(سورہ مائدہ ع ۱)

(الف) اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارے یہاں کا کھانا ان کے لیے حلال ہے

(ب) اور تمہارے لیے مسلمان خواتین اور وہ خواتین جو اس گروہ کی ہیں جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی۔ (یعنی جو عورتیں اہل کتاب ہیں) حلال ہیں (ان سے باضابطہ نکاح کر سکتے ہو)

ان سب سے اہم بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ نماز بھی اسی طرف پڑھا کرتے تھے جس طرف یہود کا قبلہ تھا۔ حالانکہ بنو اسماعیل کا قبلہ خانہ کعبہ تھا۔ اور جو لوگ اس وقت

تک دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے وہ بھی عموماً" بنو اسماعیل ہی تھے۔

مختصر یہ کہ صرف تہذیب و ثقافت سماجی اور معاشرتی تعلقات میں نہیں بلکہ عبادات میں بھی اشتراک کا پہلو ہی نمایاں تھا۔

وحی الہی نے یہود و نصاریٰ کو جس انداز میں دعوت اسلام پیش کرنے کی تلقین کی ہے اس میں بھی اشتراک کے پہلو ہی کو مقدم رکھا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

قُلْ یَا اَھْلَ الْکِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِکَ بِهٖ شَیْئًا وَلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
(سورہ آل عمران ع ۷)

اے رسول۔ کہدو۔ اے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) ایسی بات (اصول) کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں طور پر مسلم ہے۔ (یعنی یہ کہ) اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کرے کہ گویا اس نے خدا کو چھوڑ کر اسے اپنا رب (پروردگار) بنا لیا ہے۔

ان کو یہ بھی بشارت دیدی جاتی تھی کہ اگر وہ اسلام سے مشرف ہوتے ہیں تو ان کو دوگنا اجرو ثواب (۵۳۱) ملے گا۔ یعنی اب تک جس کتاب پر ایمان لائے ہوئے تھے وہ ضائع نہیں ہو گا۔ یہ پژمردہ درخت بھی شاداب ہو جائے گا اور نبی آخر الزماں ﷺ پر ایمان لانے کا ثواب مستزاد ہو گا۔

منجانب اللہ مسلمانوں کی زبان بندی

عملی اور مثبت شفقت اور روا داری کے ساتھ۔ نہایت ہی عجیب بات یہ ہے کہ ایسی تمام چیزوں سے مسلمانوں کی زبان بند کر دی گئی تھی جس سے یہود اور مشرکین کے مذہبی جذبات کو ٹھیس لگے۔

مشرکین کے حق میں جو ہدایت دی گئی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

لَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (سورہ انعام ع ۱۳) (الف)

اے مسلمانو۔ جو لوگ خدا کے سوا دوسری ہستیوں کو پکارتے ہیں تم ان کے معبودوں کو برا بھلا نہ کہو۔

جہاں تک اہل کتاب کا تعلق ہے تو خود اہل کتاب کے دعوے کے بموجب عقیدہ توحید میں اشتراک تھا توحید کے بعد دوسرا مسئلہ انبیاء علیہم السلام کے احترام کا تھا۔ جن کے متعلق اہل کتاب کے عقائد نازک

ہونے چاہئیں۔ تو ہر ایک صاحب نبوت کے متعلق قرآن پاک اور وحی الٰہی کی مستقل اور مسلسل تعلیم یہ ہے۔

كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ
(سورہ بقرہ ع ۴۰)

اللہ کا رسول محمد (ﷺ) اور ہر ایک مسلمان اللہ پر ایمان رکھتا ہے اس کے فرشتوں اس کی کتابوں اور اس کے تمام رسولوں اور نبیوں پر۔ کسی رسول یا نبی کے بارے میں یہ تفریق گوارا نہیں کر سکتا کہ بعض کو مانے اور بعض کو نہ مانے (جو اس طرح کی تفریق کرے وہ مسلمان نہیں بلکہ پکا کافر ہے)

چنانچہ ارشاد ہے

(ب) اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا (سورہ نساء ع ۲۱)

جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں میں فرق کر دیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور اس کے درمیان ایک راستہ اختیار کرتے ہیں یہ لوگ کافر ہیں پکے۔ سورہ نساء ع ۲۱)

اس پر مستزاد یہ کہ مسلمانوں کو تاکید تھی کہ مشرک و اہل کتاب جو کچھ بھی کہیں ان کے جملوں اور فقروں سے تمہیں خواہ کتنی ہی تکلیف ہو مگر تمہارا فرض ہے کہ تم ضبط و تحمل سے کام لو اور صبر کرو (سورہ آل عمران ع ۲۰۱)

یہ تھا فیاضانہ اور رحیمانہ سلوک غیر معمولی شفقت اور ملاطفت۔ اور یہ تھی بے نظیر روا داری جس کی کوئی مثال موجودہ دور میں (جو اپنی روشن خیالی اور تہذیب پر نازاں ہے جب کہ جمہوریت مساوات اور بقاء باہم کے نعروں سے فضائے سیاست پر شور ہے) دنیا کے کسی گوشہ میں' ہزار جستجو کے بعد بھی نہیں مل سکتی۔ اور ان تمام ناز برداریوں کے جواب میں مطالبہ صرف یہ تھا کہ

مکہ کے وہ مشرک جنہوں نے مسلمانوں کو اپنے وطن عزیز "مکہ معظمہ" سے نکلنے پر مجبور کیا ہے (جو) مسلمانوں کی بیخ کنی کے درپے ہیں (جن سے یہود کا نہ کوئی مذہبی رشتہ ہے نہ وطنی اور نسلی) وہ اگر حملہ آور ہوں تو معاہدے کے دوسرے شرکاء کی طرح یہود کا بھی فرض ہو گا کہ مسلمانوں کی مدد کریں۔ حملہ

آوروں کو کسی قسم کی کوئی مدد نہ دیں۔ (۵۳۲)

یہود کا طرز عمل

رحیمانہ ' فیاضانہ ' مشفقانہ سلوک غیر معمولی روا داری اور ناز برداری کا جواب یہودیوں نے کیا دیا اور کس طرح دیا۔ ذیل کی چند مثالیں اس کا جواب پیش کریں گی۔

بالمواجہ گستاخی

عرب میں انعم صباحا" جیسے پر تکلف جملے رائج تھے۔ اسلام نے ان کے مقابلہ میں "السلام علیکم" کا نہایت سادہ اور معنی خیز طریقہ رائج کیا۔ یہود جب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو بظاہر اسی تعلیم پر عمل کرتے۔ مگر چھچھور پن یہ کرتے کہ السلام علیکم کے بجائے السام علیکم کہتے۔ السلام علیکم کے معنی ہیں آپ پر سلامتی ہو اور سام موت کو کہتے ہیں السام علیک۔ تجھے موت آئے۔ السلام علیکم دعا سلامتی ہے اور السام علیک دعا موت۔

مجلس مبارک میں گستاخانہ حرکتیں۔ فقرے بازی

کوئی مقرر تقریر کر رہا ہے۔ آپ یہ فرمائیں مکرر ارشاد۔ یا بار بار فرمائیں۔ اس طرف بھی توجہ کیجئے۔ اس طرح کے فقرے طنز اور مضحکہ سمجھے جاتے ہیں۔ غیر سنجیدہ مجلسوں میں اوچھے آدمی ایسے جملے بول کر مقرر کا مذاق بنایا کرتے ہیں۔ یہودی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں حاضر ہوتے تو صرف یہ نہیں کہ بار بار بول کر سلسلہ کلام کو منقطع کرنے کی کوشش کرتے اور اس مداخلت سے ایک طرح کا انتشار پیدا کیا کرتے تھے بلکہ جدت اور فن کاری یہ تھی کہ سیدھے سادے لفظ انظرنا کے بجائے راعنا کہتے تھے۔ اور کبھی کبھی "عین" کے زیر کو کھینچ کر "راعینا" (۵۳۳) کر دیتے تھے اور اپنے اس تمسخر پر نیچے نیچے ہنستے بھی رہتے تھے۔

انظرنا۔ یعنی ہماری طرف توجہ فرمایئے۔

راعنا۔ کے معنی بھی یہی ہیں۔ جب کہ اس کو دو لفظوں کا مرکب سمجھا جائے یعنی راع اور نا کا لیکن اگر یہ ایک لفظ راعن سمجھا جائے تو اس کے معنی ہیں "او احمق" او بے وقوف" اور اسی بنا پر یہود کے محاورہ میں یہ لفظ گالی سمجھا جاتا تھا اور کبھی کھینچ کر ""راعینا" ☆کر دیتے تھے جس کے معنی ہیں ہمارا چرواہا۔

مسلمانوں نے ابتدا میں یہود کے اس تمسخر کو نہیں سمجھا۔ انہوں نے بھی یہ لفظ استعمال کرنا شروع کر

دیا۔ مگر وحی الٰہی ناموس انبیاء علیہم السلام کی پاسبان ہوتی ہے۔ ارشاد خداوندی نے اس موقع پر یہود سے تو تعرض نہیں کیا۔ البتہ مسلمانوں کو ہدایت فرمائی۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا (سورہ بقرہ ع ۱۳)۔

اے مسلمانو! رسول خدا (ﷺ) کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہو تو (راعنا مت کہو۔ سیدھا لفظ) انظرنا کہو۔ (ہماری طرف التفات کیجئے) (اور حق تو یہ ہے کہ پوری توجہ سے) سنو (کہ فرمائش التفات کی ضرورت ہی پیش نہ آئے) (سورہ بقرہ ع ۱۳

اس طرح مجلس مبارک میں اور بھی غیر سنجیدہ باتیں کی جاتی تھیں جو بسا اوقات شر انگیز بھی ہوتی تھیں۔ مگر کلام اللہ شریف نے مسلمانوں کو جو ہدایت فرمائی وہ بلاشبہ ایک ورس عبرت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس گستاخ اور آبرو باختہ جماعت کے ساتھ کس درجہ رعایت کی جاتی تھی اور کہاں تک اس کی ناشائستہ حرکتوں پر مسلمانوں کو چشم پوشی کی تاکید تھی۔

ارشاد خداوندی ہے۔

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ تا وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (سورہ بقرہ ع ۱۳)

اہل کتاب میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو چاہتے ہیں کہ تمہیں ایمان کے بعد پھر کفر کی طرف لوٹا دیں اور اگرچہ ان پر سچائی ظاہر ہو چکی ہے۔ مگر پھر بھی اس حسد کی وجہ سے جس کی جلن ان کے اندر ہے وہ پسند نہیں کرتے کہ تم راہ حق پر ثابت قدم رہو۔ پس چاہیے کہ (ان سے لڑنے جھگڑنے میں اپنا وقت ضائع نہ کرو اور) عفو و درگذر سے کام لو۔ یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ ظاہر ہو جائے (اور وہ بتا دے کہ کون حق پر تھا اور کون باطل پرست تھا) بلاشبہ وہ ہر بات پر قادر ہے اور نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو۔ اور (یاد رکھو) جو کچھ بھی تم اپنے لیے نیکی کی پونجی پہلے سے اکٹھی کر لو گے اللہ کے پاس اس کو موجود پاؤ گے (کوئی اچھا کام برباد نہیں ہو گا) تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔

مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش

مجلس مبارک کے علاوہ مسلمانوں کے کسی مجمع میں شرکت کرتے تو کوشش کرتے تھے کہ ان کی پرانی دشمنی کی بجھی ہوئی چنگاریاں پھر کسی طرح بھڑک اٹھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے

اسلام کے طفیل میں جو محبت، موانست، یکجہتی اور باہمی اتحاد پیدا ہو گیا ہے وہ ختم ہو۔ ایک مثال ملاحظہ فرمایئے۔

ایک موقع پر اوس اور خزرج کے حضرات کا اجتماع تھا۔ دونوں قبیلوں کے بہت سے آدمی وہاں موجود تھے۔ یہودیوں کا ایک سردار شاس بن قیس وہاں سے گذرا ان دونوں قبیلوں کے لوگوں کا یہ دوستانہ اجتماع اس کو شاق گذرا۔ اس نے کچھ آدمیوں کو بھیج دیا کہ جنگ بعاث کا ذکر چھیڑ دیں جو ان قبیلوں کے درمیان بہت سخت ہوئی اور عرصہ تک چلتی رہی تھی اور قبیلہ "اوس" کا پلہ اس میں بھاری رہا تھا۔ چنانچہ شاس کے آدمیوں نے اس مجلس میں پہونچ کر اس لڑائی کا ذکر اس طرح چھیڑا کہ دونوں قبیلوں کے آدمی مشتعل ہو گئے اور اشتعال یہاں تک بڑھا کہ دونوں فریق جنگ کے لیے تیار ہو گئے سرور کائنات محبوب رب العالمین ﷺ کو خبر پہونچی تو آپ فوراً تشریف لے گئے دونوں فریق کو ٹھنڈا کیا۔ اور فرمایا "میں زندہ موجود ہوں اور تم میری موجودگی میں لڑنے لگے۔"

حضرات انصار کے مبارک قلوب میں جو عشق رسول اللہ ﷺ کی سوزش پنہاں تھی آنحضرت ﷺ کے چند عبرت آموز کلموں نے اس کو شمع سوزاں بنا دیا۔ غصہ اور جہالت کی تاریکی فوراً فنا ہو گئی۔ محبت کی رقت اور دل گیری پیدا ہوئی۔ اب ہر دو فریق کی زبانوں پر توبہ و استغفار کے جملے تھے۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور گلے مل کر اس تلخی کو مٹا رہے تھے۔ (۵۳۵) ایسے ہی موقعوں کے لیے وحی الٰہی نے نصیحت فرمائی۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تُطِیْعُوْا فَرِیْقًا مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ ـــ تا ـ
فَقَدْ ھُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُسْتَقِیْمٍ (سورہ آل عمران ع ۹)

اے مسلمانو اہل کتاب میں ایک فریق (۵۳۶) (ایسا ہے کہ اگر تم اس فریق کی بات مانتے رہو تو وہ تمہیں ایمان کے بعد پھر کفر میں مبتلا کر دے گا۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم (اب پھر) کفر کی راہ اختیار کرو۔ جب کہ تمہارا حال یہ ہے کہ اللہ کی آیتیں تمہیں سنائی جا رہی ہیں اور اس کا رسول تم میں موجود ہے (اور یاد رکھو) جو مضبوطی کے ساتھ اللہ کا ہو رہا تو بلاشبہ اس پر سیدھی راہ کھل گئی۔

صحیح فیصلہ کرنے میں رکاوٹ ڈالنا۔ اور "کتمان حق" کی شرمناک مثال

یہود کے یہاں دولت کی کثرت تھی تو اس کا لازمی خاصہ یعنی زنا کا بھی بکثرت رواج ہو گیا تھا۔ زنا کی سزا توریت میں سنگساری مقرر کی گئی تھی۔ لیکن امراء کو سزا دینے کے لیے بے لوث جرات کی ضرورت تھی۔ یہود کے "احبار و رہبان" اس جرات کو طماعی کے عوض فروخت کر چکے تھے۔ چنانچہ پہلے تو یہ رہا

کہ کوئی غریب زنا کرتا تو اس پر توریت کا حکم نافذ کیا جاتا تھا اور امیر کے لیے کوئی حیلہ کر دیا جاتا جس سے وہ اس سزا سے چھوٹ جاتا تھا۔ اس پر اعتراض کیے گئے تو پھر علماء یہود نے اس سزا کو (توریت کی تصریح کے خلاف) بدل دیا صرف درہ مارنے کی سزا باقی رکھی۔ منہ کالا کر دیا جاتا تھا اور درے مار دیئے جاتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کے دور مسعود میں زنا کا ایک مقدمہ چلا۔ ایک بڑے دولت مند پر الزام تھا۔ اس نے حسب معمول دولت خرچ کر کے سنگساری سے نجات حاصل کر لی۔ مگر فریق ثانی کا اصرار ہوا کہ توریت کا فیصلہ نافذ کیا جائے۔ چنانچہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مرافعہ (اپیل) دائر کر دیا۔ دوسری طرف سے بحث کے لیے خیبر کے بہت بڑے یہودی عالم "ابن صوریا" کو لایا گیا۔ آپ نے اس سے دریافت کیا کہ زنا کے متعلق توریت کا حکم کیا ہے۔ ابن صوریا نے جواب دیا کہ توریت کا حکم یہ ہے کہ کالا منہ کر کے تشہیر کریں۔ اور درے لگائیں۔ سیدنا حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جو توریت کے بہت بڑے عالم تھے مگر خدا ترس تھے اور اب اسلام سے مشرف ہو چکے تھے' وہ بھی مجلس میں حاضر تھے۔ انہوں نے فوراً جواب دیا کہ ابن صوریا غلط کہتا ہے توریت میں صراحت موجود ہے کہ زانی کو سنگسار کیا جائے ابن صوریا حجت کرنے لگا تو توریت منگوائی گئی۔ "ابن صوریا" کی شرمناک حرکت یہ تھی کہ حکم زنا کی آیت پر اس نے ہاتھ رکھ لیا اور آگے پیچھے کی آیتیں پڑھنی شروع کر دیں۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاتھ ہٹاؤ۔ اور یہ آیت پڑھو۔ آیت میں سنگساری کا حکم صاف تھا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے توریت کے فیصلہ ہی کو نافذ فرمایا۔

مگر علماء یہود برہم ہو گئے اور ان کے ساتھ یہود کا بد طینت طبقہ بھی برا فروختہ ہو گیا۔ (۷۔۵۴۳) کتاب اللہ کی مندرجہ ذیل آیتوں میں یہود کی اسی بدطینتی اور کج طبعی کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتَابِ یُدْعَوْنَ اِلٰی کِتَابِ اللّٰہِ لِیَحْکُمَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ وَھُمْ مُّعْرِضُوْنَ (آل عمران ع ۳)

(اے رسول) کیا آپ نے ان کی حالت نہیں دیکھی جنہیں کہ اب اللہ کے علم میں سے کچھ حصہ ملا ہے (یعنی علماء یہود جو رات دن تورات کی تلاوت کرتے رہتے ہیں اور بظاہر اس کو کتاب مقدس سمجھتے ہیں) انہیں خدا کی کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے کہ (یہ کتاب) ان کے درمیان فیصلہ کرے (اور جو اس کا واضح حکم ہے وہ نافذ کیا جائے۔ (لیکن عقیدہ تقدس کے بلند بانگ دعویٰ کے باوجود ہوتا یہ ہے) کہ ان کا یہ گروہ اس سے ہٹ جاتا ہے۔ واقعہ یہ ہے (صرف فیصلہ سے نہیں بلکہ اصل کتاب اللہ سے) وہ

منہ موڑے ہوئے ہیں۔
اسی قسم کا ایک واقعہ قصاص کے سلسلہ میں بھی پیش آیا۔
یہود مدینہ کے دو قبیلے بنو نضیر اور بنو قریظہ اگرچہ دونوں کا مذہب ایک تھا۔ ایک ہی نسل اور ایک ہی وطن سے ان کا تعلق تھا۔ مگر بنو نضیر اپنے آپ کو بنو قریظہ سے بالا سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کا کوئی آدمی بنو قریظہ کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تھا تو اس کا خون بہا صرف پچاس وسق (تقریباً" دو سو ساٹھ من) کھجور دیا کرتے تھے اور کبھی بنو قریظہ کے کسی آدمی سے یہ جرات ہو جاتی تھی کہ وہ بنو نضیر کے کسی آدمی کو قتل کر دے تو خون کا بدلہ خون لیا کرتے تھے۔
آنحضرت ﷺ کے اس دور مسعود و مبارک میں ان قبیلوں میں قتل کا واقعہ پیش آگیا انہوں نے سابق طریقہ کو رائج کرنا چاہا۔ مگر دوسرا فریق راضی نہ ہوا۔ علماء یہود نے یہ جھگڑا آنحضرت ﷺ کے حوالہ کرنا چاہا۔ مگر اس وقت بھی ان کی خواہش یہی تھی کہ آپ ﷺ فیصلہ ان کے دستور کے مطابق کریں۔ ایسا نہ ہو کہ معاملہ زنا کی طرح یہاں بھی توریت کا حکم نافذ فرما دیں۔ جس میں تصریح ہے کہ "جان کے بدلہ جان"
اپنے اطمینان کے لیے علماء یہود نے در پردہ آنحضرت ﷺ کی رائے معلوم کرنی چاہی کہ اگر فیصلہ ان کی خواہش کے مطابق ہو تو آنحضرت ﷺ کے یہاں اپیل دائر کریں۔
ابھی یہ معاملہ دربار رسالت میں پیش نہیں ہوا تھا کہ وحی الٰہی نے ان کے فریب کا پردہ چاک کرتے ہوئے ہدایت فرما دی۔

> "اگر آپ کے یہاں مقدمہ آئے اور آپ فیصلہ کرنا چاہیں تو آپ فیصلہ انصاف کے بموجب کریں۔ یہود کے خیالات و خواہشات کا لحاظ قطعاً" نہ ہو"

ارشاد خداوندی تلاوت کیجئے۔

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ - تا- قوله تعالى فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (سورہ مائدہ ع ٦، ٧)

ترجمہ! یہ (علماء یہود) توریت کے کلموں کو باوجودیکہ ان کا صحیح محل ثابت ہو چکا ہے صحیح محل سے پھیر دیتے ہیں (اور ان کا مطلب کچھ سے کچھ بنا دیتے ہیں) یہ لوگوں سے کہتے ہیں کہ (جو کچھ ہم نے تورات کا حکم بتا دیا ہے) اگر یہی حکم دیا جائے تو قبول کر لینا۔ اور اگر یہ حکم نہ دیا جائے تو اس سے اجتناب کرنا۔ (نظر انداز کر دینا)
اس کے بعد ارشاد ہے۔

یہ لوگ جھوٹ کو کان لگا کر سنتے ہیں (غلط فتوؤں کے نذرانوں اور غلط فیصلوں کی رشوت کا مال حرام بے دھڑک کھاتے ہیں (اس کو اپنا پیشہ بنا لیا ہے) (اے رسول) یہ لوگ اگر تمہارے پاس آئیں (اور اپنے قصیے تمہارے سامنے پیش کریں) تو (تمہیں اختیار ہے کہ) ان کے درمیان فیصلہ کر دو۔ یا ان سے کنارہ کش ہو جاؤ یہ تمہیں کچھ نقصان نہ پہونچا سکیں گے۔ اور اگر کنارہ کش نہ ہو اور فیصلہ کرو۔ تو انصاف کے بموجب فیصلہ کرو (اور ان کی شرارتوں کی کچھ پرواہ نہ کرو) بلاشبہ انصاف کرنے والوں کو اللہ دوست رکھتا ہے۔ اور یہ لوگ کس طرح آپ کو منصف بناتے ہیں جب کہ ان کے پاس تورات موجود ہے۔ اس کے باوجود حالت یہ ہے کہ تورات کے حکم سے روگردانی کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ یہ ایمان سے محروم ہیں (نہ آپ پر ایمان ہے نہ اپنی کتاب تورات پر ان کا ایمان ہے۔)

اس کے بعد ارشاد ہے۔

ہم نے یہودیوں کے لیے تورات میں یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان۔ آنکھ کے بدلے آنکھ ناک کے بدلے ناک۔ کان کے بدلے کان۔ دانت کے بدلے دانت اور زخموں کے بدلے ویسے ہی زخم۔ پھر جو کوئی بدلہ لینا معاف کر دے تو یہ اس کے لیے (گناہوں کا) کفارہ ہو گا۔ اور جو لوگ خدا کی نازل کی ہوئی کتاب کے مطابق حکم نہیں دیں گے تو ایسے ہی لوگ ہیں (صحیح معنی میں) ظالم۔

دوسروں کو حق پوشی (کتمان حق) کی تاکید اور اظہار حق پر ناراضگی و برہمی

تورات کی جو باتیں یہودیوں کو معلوم تھیں اور اب ان کے علماء نے ان پر پردہ ڈال دیا تھا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ جب اس طرح کی باتیں آنحضرت ﷺ اپنی مجلس میں اپنے علم اور وحی کے بموجب ارشاد فرماتے تو یہودی اس کی تصدیق کرتے اور یہ بھی کہہ بیٹھتے تھے کہ تورات میں بھی یہی ہے۔ لیکن یہ اضطراری تصدیق احبار یہود کو ناگوار گذرتی تھی وہ اس کو بھی برداشت نہیں کر سکتے کہ ان کے کسی ماننے والے کی زبان سے کوئی بات ایسی نکل جائے جس سے کسی وقت مسلمان حجت پکڑ سکیں خواہ وہ بات کتنی ہی حق اور سچ ہو۔

پھر ان احبار اور علماء یہود کی کور باطنی اور کج فہمی کی انتہا یہ تھی کہ وہ سمجھتے تھے کہ ہمارا یہ جہل اور حقائق کی پردہ پوشی۔ عنداللہ بھی کامیاب ہو گی۔ اور ہم جس چیز کو چھپالیں گے اللہ کے یہاں بھی ہم کہہ سکیں گے کہ ہمیں اس کا علم نہیں تھا۔

کتاب اللہ نے ان کی کج فہمی۔ کور باطنی اور ان کی پوشیدہ سرگرمیوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے ارشاد

فرمایا۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْا اٰمَنَّا (تا) وَمَا یُعْلِنُوْنَ (سورہ بقرہ ع ۹) (۵۳۸)

(مطلب) ان کا حال یہ ہے کہ جب ایمان والوں سے ملتے ہیں (اور ان کی ایمان افروز باتیں سنتے ہیں تو بول اٹھتے ہیں) ہم بھی ایمان لائے ہیں (اور تصدیق کرتے ہیں کہ یہ باتیں ہماری کتابوں میں بھی ہیں) لیکن جب اکیلے میں ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ جو کچھ خدا نے (تورات کا) علم دیا ہے وہ ان لوگوں پر کیوں ظاہر کرتے ہو۔ کیا اس لیے کہ وہ تمہارے برخلاف تمہارے پروردگار کے حضور اس سے دلیل پکڑیں۔ کیا (اتنی موٹی سی بات بھی) تم نہیں سمجھتے (اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتے ہیں افسوس ان کے دعوے ایمان و حق پرستی پر) کیا یہ علماء یہود نہیں جانتے کہ (معاملہ انسان سے نہیں بلکہ اللہ سے ہے اور) اللہ تعالیٰ کے علم سے کوئی بات چھپی نہیں وہ جو کچھ چھپا رکھتے ہیں اسے بھی جانتا ہے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں وہ بھی اس کے سامنے ہے۔

مشرکین کو اسلام سے روکنے کے لیے غلط بیانی

اپنے حلقہ کے لوگوں کو جس طرح صحیح بات کے تسلیم کرنے سے روکتے تھے اس کی چند مثالیں (قرآن حکیم کے حوالہ سے) پہلے پیش کی جا چکی ہیں۔ مگر یہ عمل اپنے گروہ کے ساتھ ہی مخصوص نہیں تھا حلقہ مشرکین میں اہل شرک کے مذاق کے مطابق اسلام کے خلاف پراپیگنڈہ کرتے تھے مثلاً" اسلام کے مقابلہ میں ان کے مذہب کی تعریف کرتے اور کہتے

هٰؤُلَاءِ اَهْدٰی مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَبِیْلًا (سورہ نساء ع ۹)

(مسلمانوں سے تو کہیں زیادہ یہی لوگ سیدھے راستے پر ہیں)

اسلام کے وقار اور اعتماد کو ختم کرنے کے لیے ایک راستہ یہ نکالا تھا کہ کچھ لوگ مسلمان ہوتے چند روز مسلمان رہتے۔ پھر (معاذ اللہ) مرتد ہو جاتے۔ اور اسلام کی قباحتیں بیان کرنے لگتے قرآن حکیم نے اس تلبیس اور غلط کاری کو بھی بیان کر دیا ہے تاکہ آنے والے مسلمانوں کو بھی دشمنوں کے کید و مکر کا اندازہ رہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ (سورہ آل عمران ع ۸)

اور اہل کتاب کے ایک گروہ نے کہا مسلمانوں پر جو کچھ نازل ہوتا ہے اس پر صبح کو ایمان لے آؤ اور شام کو اس سے پھر جاؤ۔ شاید وہ (مسلمان) بھی اس طرح بدل ہو جائیں اور پھر جائیں (اور اسلام کی عظمت اور اس کا وقار لوگوں کی نظر میں کم ہو)

حق پرست علماء یہود

یہود کی قباحتوں اور اسلام دشمن حرکتوں کو بیان کرنے کے ساتھ حقیقت پسندی یہ تھی اور سچائی کا تقاضا یہ تھا کہ یہ بھی ظاہر کر دیا جاتا کہ ایک جماعت اگرچہ مختصر ہی تھی مگر وہ بھی تھی جس نے دین کو دنیا پر ترجیح دی تھی اس جماعت نے جیسے ہی سید العالمین ﷺ کی ذات و صفات قدسیہ میں صداقت کی جھلک نمایاں پائی تھی وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئی تھی۔
قرآن حکیم جو حقائق کا مرقع ہے۔ اس کا اسلوب یہی ہے اس نے صرف اس مختصر ارشاد پر ہی قناعت نہیں کی کہ

مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُقْتَصِدَةٌ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ (۵۳۹)

بلکہ جہاں یہود کی قباحتوں اور ان کی بداعمالیوں کا ذکر کیا ہے اس حق پرست و انصاف پسند جماعت کے اعلیٰ کردار کو بھی بڑی شان سے نمایاں کیا ہے۔
سورہ نساء کے بائیسویں رکوع میں یہود کی اس جماعت کا تذکرہ نہایت سخت الفاظ میں کیا گیا ہے جو قتل انبیاء جیسے بدترین جرائم کی مرتکب ہوئی۔ اور رشوت اور سود وغیرہ کی وہ عادی مجرم تھی۔ اسی کے ساتھ ایک مستثنیٰ جماعت کے متعلق یہ عظیم الشان تحسین بھی اسی رکوع میں موجود ہے۔

لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ۔ تا۔ اَجْرًا عَظِيْمًا۔

مطلب۔ لیکن ان میں سے جو لوگ علم میں پکے ہیں تو وہ اور مسلمان (ان گمراہیوں سے) الگ ہیں۔ یہ اس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں جو تم پر نازل ہوئی ہے اور ان تمام کتابوں پر بھی جو تم سے پہلے نازل ہو چکی ہیں۔ یہ لوگ نماز قائم کرنے والے ہیں زکوۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں انہیں ہم عنقریب ان کا اجر عطا فرمائیں گے۔ ایسا اجر جو بہت ہی بڑا اجر ہو گا۔

سورہ آل عمران کے آخری رکوع میں بلند ترین معجزانہ انداز میں دانشمند اہل ایمان کی خصوصیات اور ان کے عظیم الشان اجر و ثواب کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔ آخر میں صاحب ایمان اہل کتاب کی تحسین اور

حوصلہ افزائی بھی ان کلمات طیبات میں فرمائی گئی ہے۔

وَاِنَّ مِنْ اَھْلِ الْکِتَابِ لَمَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰہِ ۔ تا ۔ اِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ

اور یقیناً" اہل کتاب میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ پر سچا ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ تم پر نازل ہوا ہے اور جو کچھ ان پر نازل ہو چکا ہے سب پر ان کا ایمان ہے۔ ان کے دل اللہ کے آگے جھکے رہتے ہیں وہ ایسا نہیں کرتے کہ دنیا کی حقیر دولت کے بدلے خدا کی آیتیں فروخت کر ڈالیں۔ ایسے ہی لوگ ہیں جن کے لیے ان کے پروردگار کے حضور ان کا اجر ہے۔ اللہ تعالیٰ بہت تیزی سے حساب لینے والا ہے۔

سورہ آل عمران کے آٹھویں رکوع میں ان متعصبین کا ذکر ہے جو غیر یہودی کے مال کو جس طرح ان کو مل جائے حلال اور جائز سمجھتے تھے۔ اگر ایک روپیہ بھی کسی غیر یہودی کا ہوتا تو اس کو شدید تقاضوں کے بغیر ادا نہیں کرتے تھے۔ اس آیت کے شروع میں ان اہل کتاب کی تعریف فرمائی گئی ہے جو ادائیگی میں دیانت دار ہیں۔ بڑی سے بڑی رقم بھی وہ دیانت داری سے ادا کر دیتے ہیں۔ ارشاد ہے۔

وَمِنْ اَھْلِ الْکِتَابِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْہُ بِقِنْطَارٍ یُّؤَدِّہٖ اِلَیْکَ

کچھ ایسے دیانت دار بھی ہیں کہ اگر چاندی سونے کا پورا ڈھیر بھی ان کے پاس چھوڑ دو تو وہ خیانت نہ کریں اور پورا پورا ادا کر دیں۔

مختصر یہ کہ جب بھی یہود کی برائی کی جائے قرآن پاک کی تعلیم یہ ہے کہ جو یہودی قابل تعریف تھے ان کی تعریف بھی کی جائے اور جماعت یہود پر جو الزامات ہیں ان سے انہیں مستثنیٰ سمجھا جائے۔

یہود کی طرف سے عہد شکنی اور جنگ کے لیے تیاری

یہودیوں کی یہ تمام گستاخیاں تمرّد اور سرکشی اور غیر معمولی رعایتوں کے جواب میں غیر معمولی دیدہ دلیری سینہ زوری اور ایذا رسانی۔ دعوت اسلام کی راہ میں مشکلات پیدا کر رہی تھیں۔ مگر حق و صداقت کے راستہ میں ایسی مشکلات لازمی ہیں۔ داعی حق کا فرض ہے کہ ضبط و تحمل سے ان کو برداشت کرے۔ اگر مشکلات نہ ہوں تو دعوت و تبلیغ کے فضائل ہی ختم ہو جائیں اور جوہر صبرو استقامت کی ساری چمک دمک ماند پڑ جائے۔ اس طرح کی ایذا رسانیوں کے متعلق وحی الٰہی کی واضح ہدایت اس وقت بھی یہ تھی اور اب بھی یہی ہے۔

لَتُبْلَوُنَّ فِیْ اَمْوَالِکُمْ (تا) مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (سورہ آل عمران ع ۱۹)

یہ یقینی اور ضروری بات ہے کہ تم جان و مال کی آزمائشوں میں ڈالے جاؤ اور یہ بھی ضرور ہونا ہے کہ اہل کتاب اور مشرکین کی طرف سے تمہیں دکھ پہونچانے والی باتیں بہت کچھ سنی پڑیں اگر تم نے صبر(ضبط و تحمل اور برداشت) سے کام لیا اور تقوے اور پرہیز گاری کی راہ چلتے رہے تو بیشک یہ ایسا کام ہو گا کہ ایسے کاموں کو بڑی ہمت کے کام کہا جاتا ہے۔

چنانچہ یہود کی طرف سے یہ تمام تکلیف دہ' دل شکن اور روح فرسا حرکتیں ہوتی رہیں مگر نہ ان کو عہد شکنی قرار دیا گیا اور نہ ان کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی کی گئی۔ لیکن غزوہ بدر کے بعد اس تمرد اور ایذاء میں بغاوت اور عہد شکنی کا رنگ پیدا ہو گیا۔ بغاوت اور عہد شکنی کے جواب میں خاموشی اور چشم پوشی نہ صرف سیاسی جرم ہے۔ بلکہ اخلاقی نقطہ نگاہ سے بھی جرم عظیم ہے۔ کیونکہ اس سے "معاہدہ" کا احترام ختم ہو جاتا ہے۔ مجرم کو جرم کرنے کی چھوٹ دیدینا خود جرم ہے۔ عہد شکنی ایک فساد ہے اور فساد جہاں بھی پیدا ہو اس کو روکنا فرض ہے۔ البتہ تقاضا عدل و انصاف یہ ہے کہ سزا صرف مفسد کو دی جائے اگر مذہب۔ وطن یا نسل کے نام پر غیر مفسدوں کو بھی سزا کے شکنجہ میں کس لیا جائے تو اس کو وحشت و بربریت کہا جاتا ہے۔ پہلی مرتبہ یہود کے ایک قبیلہ بنو قینقاع کی طرف سے کھلی ہوئی عہد شکنی ہوئی تو دارو گیر اور سزا بھی اسی کی حدود تک محدود رکھی گئی۔ یہود کے دیگر قبائل اسی طرح محفوظ اور مامون رہے جیسے اب تک تھے۔ اب تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔

(ا) قریش کی پالیسی یہ تھی کہ ایسی صورت پیدا کی جائے کہ خود مدینہ کے باشندے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیں یا اپنے یہاں سے نکال دیں۔ چنانچہ بہت تفصیل سے گذر چکا ہے کہ جیسے ہی آنحضرت ﷺ مدینہ طیبہ میں سکونت پذیر ہوئے تو قریش نے عبداللہ بن ابی بن سلول کے نام خط لکھا تھا جس میں مشرکین مدینہ (اوس اور خزرج) سے مطالبہ کیا تھا کہ محمد (ﷺ) کو نکال دو یا قتل کر دو ورنہ ہم مدینہ پہونچ کر تمہارے جوانوں کو قتل کر دیں گے اور عورتوں کو باندیاں بنا لیں گے" (وغیرہ وغیرہ)

لیکن چونکہ ان دونوں قبیلوں کے سنجیدہ افراد خصوصاً" نوجوانوں کی بڑی تعداد دائرہ اسلام میں داخل ہو کر آنحضرت ﷺ کی جاں نثار و جاں باز خادم بن چکی تھی تو عبداللہ بن ابی اور اس کے ہمنوا سرداروں کے لیے یہ ناممکن ہو گیا کہ وہ قریش کی فرمائش پوری کریں کیونکہ فرمائش کی تکمیل جنگ کے بغیر نہیں ہو سکتی تھی اور اگر جنگ ہوتی تو مقابلہ میں خود ان کے عزیز و اقارب اور خود ان کے جگرپارے آتے۔

غزوہ بدر کے بعد قریش نے اپنے اس منصوبہ کو دوبارہ زندہ کیا اور اب یہود کے سرداروں کو یہ تہدید آمیز خط بھیجا۔ انکم اهل الحلقه و الحصون وانکم لتقاتلن صاحبنا اولنفعلن کذ اوکذا ولا یحول بیننا وبین خدم نساء کم شئی هی الخلائل

آپ لوگ اسلحہ اور قلعوں کے مالک ہیں ضروری ہے کہ آپ لوگ ہمارے حریف (رسول اللہ ﷺ) سے جنگ کریں ورنہ ہم تمہارے ساتھ جو کچھ کر سکیں گے کریں گے (انتہا یہ کہ تمہاری عورتوں کو ذلیل کریں گے) اور کوئی چیز ایسی نہ ہو گی جو ہمارے اور تمہاری عورتوں کے پیروں کے زیور (پازیبوں) میں حائل ہو سکے (یعنی ان کی ٹانگیں کھینچیں گے اور آبرو ریزی کریں گے) (۵۴۰)

یہودی اور ان کی ٹیڑھی گردن والے رئیس اور ان کے ہٹ دھرم علماء اور گستاخ نوجوان جو بارگاہ رسالت کی مہذب مجلسوں میں شوخیوں سے باز نہ آتے تھے۔ اگر ان میں کچھ غیرت ہوتی تو وہ اس توہین آمیز دھمکی کا جواب دینے کے لیے ان مسلمانوں اور ان کے ہادی اعظم ﷺ سے رابطہ مضبوط کرتے جو ہر طرح ان کی دلداری اور رعایت میں مصروف تھے اور ان کے اعزاز میں کمی نہیں کر رہے تھے اور اگر انہوں نے چشم عبرت پر سیاہ پٹی نہ کس لی ہوتی تو قریش کو جواب دینے کے لیے خود قریش کا حشر سامنے تھا جو غزوہ بدر میں بھگت چکے تھے۔ وحی رحمانی نے اشارہ بھی کر دیا تھا۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا (آل عمران ع ۳)

مگر یہ دولت کے پجاری جن کے نزدیک سب سے بڑی عزت بھرپور تجوری تھی۔ وہ اپنی خود داری اور غیرت کا دیوالیہ پہلے ہی نکال چکے تھے۔ غالباً یہی سبب تھا کہ قریش نے ان کو اس ڈھنگ سے خطاب کیا اور اگرچہ ان کے پاس دولت کے انبار تھے۔ جگہ جگہ تجارتی کوٹھیاں بھی تھیں۔ مگر جہاں تک حجاز عرب کی سیاست کا تعلق تھا وہ (۵۴۲) ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ کے مصداق تھے۔ وہ اسی پر آپے سے باہر ہو گئے کہ قریش مکہ نے ان کو خطاب سے نوازا۔ گویا یثرب کی سیاست کا نیا نقشہ یہود کے سامنے آ گیا کہ قریش کی مدد سے مسلمانوں کو ختم کریں اور اس علاقہ کے تنہا حکمراں (۵۴۳) بن جائیں۔

(۲) بدقسمتی یہ تھی کہ ان سرمایہ داروں کو اپنی بہادری کا بھی زعم تھا۔ چنانچہ غزوہ بدر کے بعد جب آنحضرت ﷺ نے بازار قینقعاع میں یہود کی ایک کانفرنس کی اور بہت ہی خیر خواہانہ انداز میں ان کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے بڑی تلخی سے جواب دیا تھا۔

"محمد (فداہ روحی) اس سے دھوکہ نہ کھاؤ کہ قریش کو شکست دیدی ہے۔ قریش کو جنگ کا تجربہ نہیں تھا ہم سے مقابلہ ہوا تو ہم بتا دیں گے کہ جنگ کسے کہتے ہیں جنگجو کیسے ہوتے ہیں۔ (۵۴۴)

(۳) جبکہ خود یہود کا جذبہ یہ تھا تو قریش کا یہ خط ان کی نظر میں گویا ایک تائید غیبی تھا۔ انہوں نے خط کے تلخ لہجہ کو بھی شیر مادر سمجھا اور لبیک کہنے کے لیے آمادہ ہو گئے چنانچہ امام المغازی موسیٰ بن عقبہ کی روایت (۵۴۵) یہ ہے۔

فدسوا الی قریش وحضوهم علی قتال رسول الله صلی الله علیه وسلم و دلوهم علی العورة
(۵۴۶)

انہوں نے قریش کے ساتھ ساز باز شروع کر دی ان کو آنحضرت ﷺ کے خلاف جنگ پر آمادہ کیا اور پوشیدہ راز ان کو بتائے۔

(۴) آمادہ کرنے کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس کو ارباب تاریخ اور اہل سیر نے بیان کیا ہے کہ غزوہ بدر کے بعد "کعب بن الاشرف" مکہ معظمہ پہونچا۔ مقتولین بدر کی تعزیت کی۔ ان کے غم میں مرثیے لکھے وہ مکہ کے لوگوں کو جمع کر کے یہ مرثیے پڑھتا تھا۔ خود بھی روتا تھا ان کو بھی رلاتا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ ستر (۵۴۷) نمائندے بھی ساتھ لے گیا تھا۔ وہاں قریش اور یہود میں یکجہتی پیدا کرنے کے لیے اپنے آدمیوں کو یہ سمجھاتا۔

هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا (سورہ نساء)

مسلمانوں کی بہ نسبت ان (مشرکین مکہ) کا راستہ زیادہ سیدھا ہے اور یہ لوگ زیادہ ہدایت یافتہ اور راہ راست پر ہیں

اور اگر اپنے عقیدہ کے لحاظ سے احترام کعبہ کا قائل نہیں تھا۔ مگر قریش کے دلوں کو موہنے کے لیے ان کے ساتھ کھڑے ہو کر کعبہ شریف کا پردہ تھاما۔ اور عہد کیا کہ (۵۴۸) بدر کا انتقام لیں گے۔

(۵) ان برخود غلط آبرو باختہ یہود کو اکسانے اور در پردہ ان کی امداد کے لیے مدینہ کے وہ "مار آستین" بھی پر تولے ہوئے تھے جن کے دل نفاق کے زہر میں ڈوبے ہوئے تھے۔

(۶) یہود اور منافقین کی ساز باز سے خاص مدینہ میں یہ حالت ہو گئی کہ جان دو عالم آنحضرت ﷺ کو جان کا خطرہ رہنے لگا۔ صحابہ کرام خاص خیال رکھتے کہ آنحضرت ﷺ کہیں تنہا تشریف نہ لے جائیں اور رات کے وقت تو یہ بھی مناسب نہ سمجھتے تھے کہ اپنے خاص حلقہ سے باہر قدم رنجہ فرمائیں۔

ایک جاں نثار (۵۴۹) "حضرت طلحہ بن براء" رضی اللہ عنہ کی وفات ہونے لگی تو آپ نے وصیت کر دی کہ اگر میری روح رات کو قبض ہو تو خود ہی نماز (۵۵۰) پڑھ کر دفن کر (۵۵۱) دینا۔ آنحضرت ﷺ کو خبر نہ کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ آپ تشریف لائیں اور نصیب دشمناں یہود کی طرف سے کوئی حادثہ آپ پر گذر جائے۔

یہ حرکتیں ایسی تھیں جن کی بناء پر تمام معاہدے منسوخ کیے جا سکتے تھے۔ لیکن سید الانبیاء ﷺ کے جملہ اقوال و اعمال۔ قانون قدرت کے مظہر ہوتے تھے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ (تا) وَلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ (سورہ نحل ع ۷)

اگر ایسا ہوتا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے ظلم پر (فوراً) پکڑ لیا کرتا (اور ہاتھ در ہاتھ ان سے مواخذہ کیا کرتا) تو ممکن نہیں تھا کہ سطح زمین پر حرکت کرنے والی کوئی ایک ہستی بھی باقی رہ جاتی لیکن وہ انہیں ایک خاص ٹھیرائے ہوئے وقت تک ڈھیل دیتا ہے۔ جب وہ مقرر وقت آ پہونچا تو نہ ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے ہیں نہ ایک گھڑی آگے بڑھ سکتے ہیں۔

بنو قینقاع کی عہد شکنی اور بغاوت

پہلے گذر چکا ہے کہ غزوہ بدر کے بعد آنحضرت ﷺ نے بازار قینقاع کے اجتماع میں جب یہود کو دعوت دی تھی کہ "اسلام کی مشترک اور مساوات پسند برادری میں داخل ہو جاؤ" تو یہود نے نہایت بے باکی اور بے ادبی سے جواب دیا تھا کہ "جنگ بدر کی کامیابی سے آپ دھوکا نہ کھائیں ہم سے اگر مقابلہ ہوا تو ہم بتائیں گے کہ جنگ کسے کہتے ہیں اور جنگجو کیسے ہوتے ہیں" اب یہود کی سیاست کا تقاضا یہ تھا کہ یہ مقابلہ جلد ہو اور مسلمانوں کو اتنی مہلت نہ دی جائے کہ وہ زیادہ مضبوط ہو سکیں۔ چنانچہ غزوہ بدر کے بعد ابھی ایک مہینہ بھی پورا نہیں ہوا تھا کہ بقول ابن سعد ماہ شوال (۵۵۲) کے نصف پر (تقریباً ۱۵ شوال) انہوں نے علم بغاوت بلند کیا اور عہد نامے کے پرخچے اڑا دیئے۔

فلما كانت وقعة بدر اظهروا البغى- والحسد ونبذوا العهد والمرة (طبقات ابن سعد ص ۱۹ ج ۳)
(۵۵۳)

جب بدر کا واقعہ ہو چکا تو ان لوگوں نے بغاوت اور حسد کا اظہار کیا اور عہد و پیان کو پھینک مارا۔

واقعہ کی ابتداء ایک انصاری خاتون کی سر بازار بے حرمتی سے ہوئی۔ یہ خاتون دودھ فروش تھی۔ بازار قینقاع میں دودھ فروخت کرنے گئی تھی۔ وہ ایک سنار کی دوکان پر بیٹھی ہوئی تھی کہ چند یہودیوں نے اس سے منہ کھولنے کی فرمائش کی اور اس پر اصرار کیا۔ اس عورت نے بے حجاب ہونے سے انکار کیا تو سنار نے پیچھے سے اس کے کپڑے کچھ اس طرح الجھا دیئے کہ جب وہ کھڑی ہوئی تو برہنہ ہو گئی۔ عورت اس شرمناک حرکت پر چیخ اٹھی۔ قریب ہی کوئی مسلمان تھا۔ وہ عورت کی چیخ و پکار سن کر موقع پر پہونچ گیا۔ اسے غیرت (۵۵۴) آئی اس نے یہودی سنار کو زدو کوب کیا اتفاق سے وہ مرگیا۔ یہودی جو پہلے سے بھرے بیٹھے تھے۔ جمع ہوئے اور انہوں نے اس مسلمان کو شہید کر دیا۔

مسلمان کا فعل اضطراری تھا۔ اگر شورش اور ہنگامہ برپا کرنا مقصود نہ ہوتا تو یہود "مقتول سنار" کی دیت

کا مطالبہ (۵۵۵) کر سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے قانون ہاتھ میں لیا اور بلوہ کی صورت پیدا کر کے مسلمان کو قتل کر دیا۔ معاملہ آگے بڑھا تو خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے گئے گفتگو فرمائی تو جواب نہایت تلخ تھا۔ آپ ﷺ نے سمجھانے کی کوشش فرمائی۔ یہ حقیقت بھی سامنے رکھی کہ آپ جان بوجھ کر میری مخالفت کر رہے ہیں۔ خود آپ کی کتابوں سے میری نبوت اور رسالت ثابت ہے لیکن آپ لوگوں کی ضد ہے کہ حق بات نہ مانی جائے یہود نے نہایت توہین کے ساتھ وہی جواب دہرا دیا جو پہلے اجتماع کے موقع پر کہہ چکے تھے۔

یامحمد- انک تری ان قومک لا یغرنک انک لقیت قوما لا علم لهم بالحرب فاصبت منهم فرصة انا و الله لئن حاربنا لتعلمن انا نحن الناس (سیرة ابن ہشام ص ۵٦ ج ۲)

محمد (فداہ روحی)! تم سمجھ لو۔ تم اپنی قوم سے فریب میں مبتلا نہ ہو جانا تم نے ایسی قوم کو شکست دی ہے جو جنگ سے واقف نہیں ہے ان کی ناواقفیت سے ایک موقع تمہیں مل گیا۔ یاد رکھو! ہم خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں ہم تم سے جنگ کریں گے تو اس وقت یہ حقیقت ضرور تمہارے سامنے آئے گی کہ بیشک آدمی ہم (قینقاع والے) ہی ہیں۔

یہود بنی قینقعاع نے اس جواب پر بھی کفایت نہیں کی بلکہ بقول ابن سعد جنگ شروع کر دی اور اپنی حفاظت کے لیے قلعہ بند ہو گئے۔

جب اعلان جنگ یا آغاز جنگ کے بعد قلعہ میں محفوظ ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی اقدام (۵۵٦) ضروری ہو گیا۔ آپ نے مدینہ کے انتظامات حضرت ابو لبابہ بن عبدالمنذر عمری (رضی اللہ عنہ) کے سپرد کیے اور خود مسلمانوں کی جمعیت لے کر بنو قینقاع پہونچے اور انکے قلعہ کا (۵۵۷) محاصرہ کر لیا۔ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو علم بردار بنایا۔ پندرہ روز تک محاصرہ رہا اور بروایت ابن سعد یکم ذی القعدہ کو اس کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ بنو قینقاع نے ہتھیار ڈال دیئے۔

نصرت بالرعب

بن قینقاع کو اپنی بہادری پر اگر ناز تھا تو بے جا نہیں تھا وہ واقعی بہادر تھے چنانچہ ابن سعد وغیرہ مورخین نے اعتراف کیا ہے کانوا اشجع یہود (یہود میں سب سے زیادہ بہادر تھے) مگر عجیب بات یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محاصرہ کیا تو ایک دفعہ بھی ہمت نہیں ہوئی کہ مسلمانوں پر حملہ کریں اور حصار سے باہر قدم رکھیں۔ غزوہ بدر میں اگرچہ قریش کے ستر آدمی مارے گئے تھے مگر

انہوں نے چودہ مسلمانوں کو بھی شہید کر دیا تھا۔ مگر قریش کو ناتجربہ کار اور جنگ سے ناواقف کہنے والے بنو قینقاع کسی ایک مسلمان کی نکسیر بھی نہیں پھوڑ سکے۔ اپنے گھروں میں ڈرے سہمے بیٹھے رہے آخر کار یکم ذی قعد ۲ھ کو اپنا معاملہ رسول اللہ ﷺ کے حوالہ کر دیا۔

یہود بنو قینقاع کے اس طرح مفلوج اور عاجز ہو جانے کا سبب یہ ہے کہ جس نبی برحق کو اللہ تعالیٰ نے رحمتہ عالم بنایا تھا اس کو وقار اور حق پرستی کی وہ شوکت و حشمت بھی عطا فرمائی تھی جو مخالف کو مرعوب اور ہیبت زدہ کر دیتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد بار اللہ تعالیٰ کے اس احسان کا اظہار فرمایا ہے کہ نصرت بالرعب مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ نصرت عطا فرمائی ہے کہ دشمن مرعوب اور ہیبت زدہ ہو جاتا ہے۔

فیصلہ

غداروں کی سزا قتل ہو سکتی تھی مگر آنحضرت ﷺ نے نہ قتل کی سزا دی نہ قید و بند یا غلام بنانے کی بلکہ فیصلہ یہ فرمایا کہ وہ مدینہ چھوڑ دیں اور کسی اور جگہ چلے جائیں۔ چنانچہ وہ اذرعات (۵۵۸) چلے گئے جو شام کے علاقہ میں ہے۔ یہ سات سو آدمی تھے جن میں تین سو زرہ پوش تھے۔ (۵۵۹) چونکہ ان کے یہاں زیورات کا کام ہوتا تھا تو ان کے باغات یا کھیت نہیں تھے۔ لہٰذا مسلمانوں کو کوئی جائداد نہیں ملی۔ البتہ قلعہ میں بہت سا اسلحہ محفوظ تھا وہ مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ کچھ زیور بنانے کے اوزار (آلات الصیاغہ) ہاتھ آئے اسی طرح کا کچھ اور سامان تھا وہ ضبط کیا گیا اور غنیمت کے اصول کے بموجب مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ آنحضرت ﷺ نے چند اسلحہ اپنے لیے منتخب فرمائے۔ ابن سعد نے ان کی مندرجہ ذیل تفصیل دی ہے۔

کمانیں ۳ ۔ جن میں سے ایک کا نام کتوم تھا جو اگلے سال جنگ احد میں ٹوٹ گئی' دوسری کا نام روحاء تیسری کا نام بیضاء

زرہیں ۲ ۔ ایک کا نام صغدیہ۔ دوسری کا نام فضہ۔

تلواریں ۳ ۔ قلعی۔ بتار۔ تیسری کا نام معلوم نہیں۔

نیزے ۳۔

سریہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اور قتل کعب بن اشرف

سلسلہ واقعات کا تقاضا ہے کہ سریہ (۵۶۰) محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ بھی اسی موقع پر کر دیا جائے۔

اگرچہ سرایا کی پوری تفصیل کسی اور موقع پر کی جائے گی۔ (انشاء اللہ)

حضرت محمد بن مسلمہ ؓ کی سرکردگی میں یہ سریہ کعب بن اشرف پر حملہ آور ہوا تھا اور رات کو قلعہ میں پہونچ کر اس کو قتل کیا تھا۔

کعب مذہباً یہودی تھا لیکن رشتہ اور قرابت کے لحاظ سے اس کا تعلق عرب سے بھی تھا اور یہود سے بھی۔ اس کا باپ "اشرف" نسلاً عرب تھا اور اس کی ماں "عقیلہ" عرب کے مشہور سیٹھ یا راجہ ابوالحقیق کی بیٹی تھی۔

اشرف کا خاندانی تعلق "بنی نبہان" سے تھا جو قبیلہ "طے" کی ایک شاخ ہے۔ جس طرح قبیلہ طے کے کچھ آدمی عیسائی (۵۶۱) ہو گئے تھے اشرف نے مذہب "یہود" اختیار کر لیا تھا۔ پھر اس نے وہاں ایک قتل کر دیا اور جب اپنی جان کا خطرہ ہوا تو بھاگ کر یثرت آ گیا تھا۔ یہاں آ کر یہود بنی نضیر اور بنو قریظہ کا حلیف بن گیا اور سودی کاروبار شروع کر دیا۔ پھر رفتہ رفتہ اتنی دولت اور شہرت حاصل کر لی کہ خیبر کے سردار ابوالحقیق کی لڑکی سے نکاح کر لیا جس کے بطن سے کعب پیدا ہوا۔ (۵۶۲)

اشرف نے اپنی اولاد کی شادیاں یہود کے علاوہ عرب قبائل میں بھی کیں۔ (۵۶۳) اس طرح اس کے تعلقات عرب اور یہود دونوں میں وسیع ہو گئے۔

کعب بن اشرف جس کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے مالدار باپ کا بیٹا تھا۔ شاعر تھا۔ قیادت اور لیڈری کا شوق رکھتا تھا۔ اس نے اپنے تعلقات اور زیادہ وسیع کیے۔ سودی کاروبار سے دولت بڑھائی نام پیدا کرنے اور اثر جمانے کے لیے مدرسوں کی امدادیں جاری کیں اور یہودی علماء کے وظائف مقرر کیے سونے پر سہاگہ شاعری کے ذوق نے اس کی شہرت میں چار چاند لگا دیئے۔

لیکن بدقسمتی یہ تھی کہ پہلے دن سے اسلام کا دشمن تھا۔ مدینہ میں اسلام کی ترقی اس کے لیے ایک خار تھا جس کی خلش سے ہر وقت بیتاب رہتا تھا۔ آنحضرت ﷺ جب مدینہ میں تشریف لائے تو آپ ﷺ کی صداقت سے وہ علماء یہود بھی متاثر ہوئے جو کعب کے وظیفہ خوار تھے لیکن جب یہ علماء اپنے وظائف لینے آئے تو کعب بن اشرف نے ان کو برگشتہ کر دیا۔ اور جب تک ان کو آنحضرت ﷺ کی مخالفت پر آمادہ نہیں کر لیا ان کی تنخواہیں جاری (۵۶۴) نہیں کیں۔

اسلام کے خلاف یہود کی حرکتیں جن کا تذکرہ آیات کتاب اللہ کے حوالہ سے پہلے گذر چکا ہے ان کی ڈور اسی کے ہاتھ میں رہتی تھی یہی کہا کرتا تھا۔ لیس علینا فی الامیین سبیل۔ (۵۶۵) (سورہ آل عمران) یعنی ان امیوں کا مال جس طرح چاہو ہضم کر لو۔ کوئی گناہ نہیں ہے۔

وہ ڈرامہ اسی کے اشارے پر کھیلا جاتا تھا کہ کچھ یہودی مسلمان ہو گئے اور چند روز کے بعد معاذ اللہ منحرف ہو کر اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ وغیرہ وغیرہ (۵۶۶)

غزوہ بدر میں مسلمانوں کی فتح اس کے لیے سانحہ عظیم تھی۔ جیسے ہی اس کو مسلمانوں کی فتح اور سرداران قریش کے قتل کی خبر پہونچی بے اختیار اس کی زبان سے نکلا۔

لبطن الارض خیر من ظہرھا ۔ (۵۶۷) پشت زمین کے اوپر رہنے سے زمین میں گڑ جانا بہتر ہے۔

پھر اسی بوکھلاہٹ میں وہ مکہ پہونچا۔ کم و بیش ستر آدمیوں کو اپنے ساتھ لے گیا۔ وہاں پہونچ کر مقتولین بدر کی تعزیت کی۔ ان کے مرثیے کہے۔ لوگوں کو جمع کر کے ان مرثیوں کو سناتا تھا۔ خود روتا تھا۔ دوسروں کو رلاتا اور مشتعل کرتا تھا۔ (۵۶۸) یہود اور مشرکین مکہ کے گٹھ جوڑ کے لیے ان کے مذہب کی تعریف کرتا تھا۔ ان کو اطمینان دلاتا تھا کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں تم راہ راست پر ہو۔ (۵۶۹) ان کے ساتھ خانہ کعبہ میں پہونچتا اور مکہ مکرمہ کے پردے تھام کر عہد کرتا کہ بدر کا انتقام لیں (۵۷۰) گے۔ انتہا یہ کہ تاریخ و سیرت کے دو امام موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحاق۔ ان کی شہادت یہ ہے۔

لم یخرج من مکۃ حتی اجمع امرھم علی قتال رسول اللہ صلی اللہ وسلم (۵۷۱)

مکہ سے نہیں نکلا جب تک ان کو اس بات پر متفق نہیں کر دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کریں گے۔

پھر ان دونوں اماموں کی متفقہ روایت ہے کہ :

قدم المدینۃ یعلن بالعداوۃ ویحرض الناس علی الحرب (۵۷۲)

مدینہ واپس پہونچا تو کھلم کھلا عداوت کا اظہار کرتا تھا اور لوگوں کو جنگ پر آمادہ کرتا تھا۔

(۵۷۲)

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ کھانا پکوا کر دعوت میں آنحضرت ﷺ کو مدعو کیا اور اس کا انتظام کر دیا کہ جب آنحضرت ﷺ تشریف لائیں تو ان کو شہید کر دیا جائے۔ (۵۷۳)

اسی عداوت میں آنحضرت ﷺ کی ہجو میں اشعار کہا کرتا تھا۔ ان اشعار میں مسلمانوں کی محترم خواتین کی ناموس پر حملے کرتا تھا۔ اس زمانہ میں پریس نہیں تھا۔ البتہ شعراء پریس کی طاقت رکھتے تھے۔ شعر کا ذوق عرب میں عام تھا۔ کوئی شاعر کسی کی ہجو یا مدح میں شعر کہتا تو وہ بچہ بچہ کی زبان پر ہو جاتا تھا۔ ہمارے زمانہ کے پوسٹر اور پمفلٹ وہ کام نہیں کرتے جو اس زمانہ میں شعراء کے اشعار اثر پیدا کر دیا کرتے تھے۔

پہلے گذر چکا ہے کہ یہود' مشرکین مکہ اور منافقین یثرب کے گٹھ جوڑ سے مدینہ کی فضا اتنی خطرناک ہو گئی تھی کہ آنحضرت ﷺ کی جان عزیز و مقدس کے متعلق ہر وقت خطرہ رہتا تھا۔

فیصلہ

اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ خود کعب بھی کسی معاہدہ میں شریک تھا۔ البتہ اس لحاظ سے شریک ضرور تھا کہ یہ بنو نضیر کا حلیف تھا پس اس کی ذمہ داری بنو نضیر پر آتی تھی کہ وہ اس کو ان حرکتوں سے روکیں لیکن روکنے کے بجائے وہ اس کے شریک رہے۔ پھر ابو جہل کا جو خط آیا وہ بھی اسی قبیلہ کے سرداروں کے نام تھا۔ (۵۷۴) یقیناً" آنحضرت ﷺ کے لیے موقع تھا کہ وہ پورے قبیلہ کے معاہدہ کو منسوخ کر دیتے اور بنو قینقاع کی طرح بنو نضیر کو بھی مدینہ بدر کر دیتے۔ مگر آنحضرت ﷺ کی شفقت عامہ نے ابھی اس کی اجازت نہیں دی۔ آپ نے صرف ان کے حلیف اور رئیس کعب بن اشرف کے خاتمہ کا فیصلہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

من لی لکعب بن اشرف فانه قد اذی الله و رسوله

کعب بن اشرف کی ذمہ داری کون لیتا ہے وہ اللہ اور رسول کی ایذاء (۵۷۵) حد کو پہونچا چکا ہے۔ (۵۷۶)

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ ایسے موذی کو ختم کرنے کے لیے میں تیار ہوں۔ (۵۷۷)

ابن اسحاق کی روایت یہ ہے کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اس وقت ذمہ داری لے لی۔ مگر پھر حالت یہ ہوئی کہ کھانا پینا بند ہو گیا۔ تین دن اسی طرح گذر گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ نے طلب فرما کر فاقہ کا سبب معلوم کیا۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے فکر ہے کہ میں یہ خدمت کس طرح انجام دے سکوں گا۔ آپ ﷺ نے جواب دیا تمہارا کام کوشش کرنا ہے۔ (۵۷۸) آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ اپنے قبیلہ کے سردار حضرت سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہ) سے بھی مشورہ کر لو۔ (۵۸۰)

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ مجھے اجازت دیجئے میں اس سے ذو معنی بات کہہ سکوں فرمایا اجازت ہے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اپنے قبیلہ (اوس) کے چند اور دوستوں کو ساتھ لیا جو کعب بن اشرف سے تعارف اور تعلق رکھتے تھے۔ ان کے نام یہ ہیں :

(۱) سلکان بن سلامہ بن وقش۔ ان کی کنیت ابو نائلہ تھی۔ انہوں نے اسی دایہ کا دودھ پیا تھا جو کعب بن اشرف کی دایہ رہی تھی (۲) عباد بن بشر بن وقش (۳) حارث بن اوس بن معاذ (۴) ابو عبس بن جبر۔ (۵۸۱)

کعب بن اشرف کا محل ایک قلعہ تھا۔ اس کے باقاعدہ دربان اور چوکیدار مقرر تھے۔ وہاں پہونچنا

مشکل تھا اور ہتھیار لیجانا تو ممکن ہی نہیں تھا۔ اب پہلا کام یہ تھا کہ اسلحہ اندر لے جانے کی صورت پیدا کریں۔ طے یہ ہوا کہ کعب بن اشرف کے پاس پہونچ کر قرض کی بات چیت کریں کہ وہ اسلحہ رہن رکھ لے اور قرض دیدے۔

گفتگو

یہ حضرات پہونچے۔ گفتگو کی۔ بات چیت سنئے اور اس یہودی مہاجن کی ذہنیت کا اندازہ کیجئے اس سے آپ کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ ان مہاجنوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے اتنی عداوت کیوں تھی۔

محمد بن مسلمہ اور ان کے رفقاء - یہ شخص (محمد ﷺ) ہم سے صدقہ کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ہمیں تھکا دیا۔ (۵۸۲) ہے ہم آپ کے پاس قرض کے لیے آئے ہیں۔
کعب بن اشرف اکتا گئے؟ خدا کی قسم اور اکتاؤ گے۔
محمد بن مسلمہ ہم ان کے پیچھے لگ لیے ہیں۔ اب جب تک نتیجہ (۵۸۳) سامنے نہ آئے چھوڑنا بھی ٹھیک نہیں ہے۔ آپ ہمیں ایک دو وسق (۵۸۴) قرض دیدیجئے
کعب بن اشرف اچھا قرض دیدوں گا۔ کوئی چیز رہن رکھ دو۔
محمد بن مسلمہ کیا چیز۔
کعب بن اشرف اپنی عورتیں رکھ دو
محمد بن مسلمہ عورتیں! آپ عرب کے سب سے زیادہ جمیل و حسین انسان ہیں۔ ہماری عورتیں آپ کو دیکھیں گی تو لٹو ہو جائیں گی پھر ہمیشہ کے لیے ہاتھ سے نکل جائیں گی۔ کبھی قابو میں نہیں آئیں گی۔
کعب بن اشرف اچھا لڑکے رہن رکھ دو
محمد بن مسلمہ سیٹھ جی ہماری عزت و آبرو کا خیال کرو۔ اپنے لڑکوں کو رہن رکھ دیں گے تو ہمیشہ کے لیے ہماری ناک بھی کٹ جائے گی اور ان لڑکوں کی بھی۔ جہاں کوئی بات ہوا کرے گی لوگ لڑکوں کو طعنہ دیا کریں گے۔ تم وہی ہو جو ایک وسق کے بدلے میں گروی پڑے رہے تھے یہ ہمارے لیے بڑی شرم کی بات ہو گی۔ مہربانی فرما کر آپ ایسا کیجئے، ہم اپنے ہتھیار لاتے ہیں وہ گروی رکھ لیجئے۔ آپ کو خود اندازہ ہے آج کل ہتھیار کی کیسی ضرورت ہے۔
کعب بن اشرف اچھا ہتھیار لے آؤ۔ کب لاؤ گے۔
محمد بن مسلمہ آج ہی رات کو لے آئیں گے۔

بہرحال یہ طے ہو گیا کہ رات کو ہتھیار لائیں گے۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق یہ حضرات رات کو ہتھیار لے کر پہونچے۔ کعب بن اشرف اندر زنانخانہ میں تھا اس کو آواز دی۔ اس نے نئی شادی کی تھی اس کی بیوی کا نام تو معلوم نہیں ہو سکا۔ مگر خود کعب بن اشرف کی گفتگو سے پتہ چلتا ہے کہ بہت نازک اور نفاست پسند تھی۔ ہر وقت عطر میں بسی رہتی تھی۔

کعب بن اشرف آواز سن کر باہر آنے لگا تو بیوی نے منع کیا کہ اس وقت باہر نہ جاؤ۔ آپ جیسے نامی گرامی آدمی کے لیے ہزار خطرے رہتے ہیں۔ کعب بن اشرف نے جواب دیا محمد بن مسلمہ اور ابو نائلہ ہیں دونوں میرے رشتہ دار (۵۸۵) ہیں۔ بیوی نے پھر کہا کہ۔ مجھے تو یہ آواز ایسی معلوم ہوتی ہے کہ اس سے خون ٹپک (۵۸۶) رہا ہے۔

کعب بن اشرف۔ نہیں کوئی پرواہ کی بات نہیں ہے اور اگر خطرہ بھی ہو تو بہادر خطرہ سے نہیں ڈرا کرتے۔ بہادر کو رات کے وقت بھی جنگ کے لیے بلایا جائے تو وہ فوراً لبیک کہتا ہے۔ اچھا میں ہتھیار لگائے لیتا ہوں۔ کعب بن اشرف مسلح ہو کر باہر آیا۔ (۵۸۷)

(واقعہ یہ ہے کہ بیوی کو خبر نہیں تھی کہ رہن اور گروی رکھنے کا سودا طے ہو چکا ہے۔ کعب بن اشرف کو یقین تھا کہ گاہک آئے ہیں۔ کعب سودے کے لالچ میں باہر آ رہا تھا۔ بیوی کو اصل بات نہیں بتائی۔ اکڑ کی باتیں کرتا رہا۔ مگر بیوی کی باتوں سے کچھ شبہ بھی ہو گیا تو ہتھیار لگا لیے)

بہرحال کعب بن اشرف باہر آیا۔ چاندنی رات تھی۔ عطر سے مہک رہا تھا۔ سر پر نہایت خوشبودار تیل لگا رکھا تھا۔ عام طور پر مشک استعمال کیا کرتا تھا۔ محمد بن مسلمہ ؓ وغیرہ نے کہا۔ کعب آپ تو خوشبو سے مہک رہے ہیں۔ کعب بن اشرف نے جواب دیا کیوں نہیں۔ میری بیوی عرب کی عورتوں میں سب سے زیادہ نفاست پسند ہے۔ ہر وقت مشک اور عنبر میں بسی رہتی ہے۔

محمد بن مسلمہ ؓ۔ آپ نے سر پر تیل کیسا لگا رکھا ہے۔ یہ تو بہت ہی خوشبو دار ہے۔ طبیعت چاہتی ہے آپ کے بال سونگھوں۔

کعب بن اشرف۔ ضرور سونگھیے اس نے سر آگے کر دیا۔

محمد بن مسلمہ ؓ نے سر کے بال سونگھے۔ خوشبو کی تعریف کی۔ پھر کہا۔ جی نہیں بھرا۔ ایک دفعہ اور اجازت دیجیے۔ انہوں نے اس کو اس طرح باتوں میں لگایا۔ ساتھیوں نے حملہ کر دیا۔ یہ ذرہ پہنے ہوئے تھا۔ حملہ مشکل سے کامیاب ہوا۔ اس میں خود ایک ساتھی کے بھی چوٹ آئی (۵۸۸)۔ بہرحال اس کا کام تمام کر دیا گیا۔

یہ صاحبان فوراً واپس پہونچے۔ آنحضرت ﷺ نوافل میں مشغول تھے۔ سلام پھیرا تو ان حضرات

سلام عرض کر کے واقعہ سنایا (۵۸۹)۔ ایک روایت ہے کہ جب یہ لوگ رات کے وقت اس مہم پر جانے لگے تو آنحضرت ﷺ ان کو پہونچانے کے لیے بقیع غرقد تک تشریف لے گئے تھے۔ (۵۹۰)

مسئلہ کی نوعیت

حضرات علماء کرام نے اس قتل پر بحث کی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ میں جب فتنوں کا آغاز ہوا تو یہ قتل بھی زیر بحث آیا۔ اعتراض یہ تھا کہ معاہد کا قتل کرنا درست نہیں ہے۔ حضرت علی ؓ نے معترض کو سخت تنبیہہ فرمائی۔ (۵۹۱)

واقعہ یہ ہے کہ ان تمام حرکتوں کے بعد جو کعب نے کیں اس کو معاہد کہنا حق پسندی نہیں ہے بلکہ عناد ہے اور حقیقت یہ ہے کہ کعب بن اشرف کسی معاہدہ میں شریک ہی نہیں ہوا تھا۔ حضرت کعب بن مالک ؓ کی روایت سے جس کو ابو داؤد (۵۹۲) میں نقل کیا گیا ہے یہی ثابت ہوتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اس کو "اہل الحرب" (غیر معاہد) قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم (۵۹۳)

بنو نضیر کو احساس جرم اور تجدید معاہدہ

واقعہ یہ ہے کہ کعب بن اشرف نے جو حرکتیں کیں ان سے نہ صرف یہ کہ تنہا اس نے معاہدہ کو پامال کیا اور اس کے پرخچے اڑائے بلکہ اس کی ذمہ داری بنو نضیر پر بھی عائد ہوتی تھی کیونکہ یہ ان کا حلیف تھا اگر کعب بن اشرف کسی معاہدہ میں شریک نہیں ہوا تھا تب بھی حلیف ہونے کی بنا پر بنو نضیر کا فرض تھا کہ کعب کو غدارانہ حرکتوں سے روکتے۔ لیکن اس کے برخلاف بنو نضیر کے سردار کعب بن اشرف کی امداد اور حوصلہ افزائی کرتے رہے۔ کعب بن اشرف مکہ گیا تو یہ اس کے ساتھ تھے۔ کعب نے سرداران قریش کے ساتھ خانہ کعبہ کے پردے تھام کر عہد کیا تو برابر میں یہ سرداران بنو نضیر بھی کھڑے ہوئے تھے۔ کعب نے سرداران قریش کے جزوی اختلافات ختم کرا کر ان کو مسلمانوں پر حملہ کے لیے آمادہ کیا تو بنو نضیر کے نمائندے بھی ہمت افزائی کے لیے موجود تھے۔

مدینہ میں واپس آ کر کعب بن اشرف نے لوگوں کو آنحضرت ﷺ کے خلاف مشتعل کرنا شروع کیا تو یہ اس کے ہم نوا بلکہ مکبر الصوت بنے ہوئے تھے۔

اب یہ صورت پیش آئی کہ چند جاں بازوں نے قلعہ میں گھس کر اس کو قتل کر دیا تو بنو نضیر کے پیروں تلے سے زمین کھسکنے لگی۔ وہ پریشان ہوئے اور اپنے ضمیر کے جرم عظیم کا ان کو احساس ہوا۔ چنانچہ حضرت کعب بن مالک ؓ کی روایت ہے کہ۔

"کعب بن اشرف کو جب محمد بن مسلمہ ﷺ اور ان کے ساتھیوں نے قتل کر دیا تو یہود اور مشرک (منافق) گھبرا گئے۔ یہ لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ ہمارا آدمی رات قتل کر دیا گیا۔ آنحضرت ﷺ نے ان حرکتوں سے آگاہ کیا جو کعب نے کی تھیں۔ پھر فرمایا کہ آپ لوگ کچھ شرطیں طے کر لیں جن کی پابندی کرتے رہیں اور نبھا سکیں۔ چنانچہ ایک عہد نامہ لکھا گیا جس کے فریق یہ تین تھے۔ آنحضرت ﷺ۔ یہود بنی نضیر۔ مسلمان (۵۹۴)۔

لیکن اس معاہدہ کی عمر بھی زیادہ نہیں ہوئی۔ بنو نضیر نے خود رحمتہ للعالمین ﷺ کو شہید کرنے کی کوشش کی جس پر یہ معاہدہ ختم کر دیا گیا۔ تفصیل غزوہ بنی نضیر کے سلسلہ میں آئے گی۔ انشاء اللہ

جلد اول ختم ہوئی' الحمد للہ' غزوہ احد اور اس کے بعد کے غزوات و سرایا کا تذکرہ جلد ثانی میں ملاحظہ فرمائیے۔ (وباللہ التوفیق وبہ نستعین)

محتاج دعاء حقیر فقیر

محمد میاں

۱۸ شعبان ۱۳۸۵ھ - ۱۳ دسمبر ۱۹۶۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غزوہ احد

اہل مکہ کی طرف سے تحریک اور تیاری

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ لِیَصُدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَسَیُنْفِقُوْنَھَا ثُمَّ تَکُوْنُ عَلَیْھِمْ حَسْرَۃً ثُمَّ یُغْلَبُوْنَ (سورہ انفال ع ٤)

جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی وہ اپنا مال اس لیے خرچ کرتے ہیں کہ لوگوں کو خدا کی راہ سے روکیں تو یہ لوگ آئندہ بھی (اسی طرح) خرچ کریں گے (لیکن) پھر وقت آئے گا کہ یہ مال خرچ کرنا ان کے لیے سراسر پچھتاوا ہوگا اور پھر (بالاخر) مغلوب ہوں گے۔

یہ سورہ انفال کے چوتھے رکوع کی آیتیں ہیں۔ اس سورت میں زیادہ تر غزوہ بدر کے گذشتہ واقعات پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ لیکن ان آیات میں آئندہ کے متعلق پیشین گوئی ہے کہ جس طرح یہ کفار قریش اب تک اپنی دولت اس پر خرچ کرتے رہے ہیں کہ جس طرح بھی ہو لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکیں، عنقریب ایسا ہوگا کہ یہ اپنے اموال اور اپنی دولت کو پھر اسی کام کے لیے خرچ کریں گے۔ (مگر اس کا نتیجہ آخر میں حسرت اور افسوس ہوگا) چونکہ اس دولت کا بدر کے اقدامات سے خاص تعلق تھا اس لیے سلسلہ بدر میں اس کے خرچ کا بھی خاص طور پر تذکرہ فرمایا کیونکہ ایک ہی منصوبہ تھا جس کے تحت یہ دولت فراہم کی جارہی تھی اور اسی منصوبہ کی کڑی بدر کا یہ معرکہ بھی تھا۔

پہلے گذر چکا ہے کہ منصوبہ یہ تھا کہ "مدینہ منورہ" پر حملہ کر کے مسلمانوں کا قلع قمع کر دیا جائے اس حملہ کے لیے رقم کی ضرورت تھی تو اس تاجر قوم نے مشترک تجارت کے ذریعہ یہ رقم فراہم کرنی چاہی تھی۔ چنانچہ ابوسفیان کی زیر نگرانی تجارتی قافلہ شام بھیجا گیا۔ جس کی واپسی کے وقت بدر کا معرکہ پیش آ گیا۔ اور بجائے اس کے کہ مسلمان تباہ ہوں خود قریش کے سردار تباہ و برباد ہوئے۔ اور مسلمانوں نے ثابت کر دیا کہ زندہ رہنے کا حق ان ہی کو ہے۔

لیہلک من ھلک عن بینۃ ویحیٰی من حیی عن بینۃ

غزوۂ بدر میں شکست کھا کر جب قریش مکہ واپس پہنچے تو وہی وقت تھا کہ ابوسفیان کا کاروان تجارت بھی مکہ پہونچا تھا۔ تجارت کا یہ مال ابھی کھولا بھی نہیں گیا تھا بلکہ "دارالندوہ" (کارپوریشن یا میونسپلٹی ہال) میں محفوظ کر دیا گیا تھا (۵۹۵)۔ پہلے گذر چکا ہے کہ ایک ہزار اونٹوں پر یہ سامان لدا ہوا تھا اور مشترک سرمایہ پچاس ہزار دینار تھا۔ یہ پورا مال سو فیصدی نفع کے ساتھ اٹھا دیا گیا۔ (۵۹۶)

حصہ داران کی اصل رقم واپس کر دی گئی اور نفع کے پچاس ہزار دینار جنگ کے لیے محفوظ کر دیئے گئے (۵۹۷)

سب سے پہلا کام پروپیگنڈہ تھا۔ چنانچہ دو آدمی مقرر کیے گئے کہ قبائل میں دورہ کر کے اشعار اور تقریروں سے لوگوں کے جذبات جنگ کے لیے ابھاریں۔ ان میں ایک وہی ابو عزہ اچھا شاعر تھا جو غزوۂ بدر میں گرفتار ہو گیا تھا اور جب اس نے اپنے افلاس و تہیدستی اور پانچ لڑکیوں کے خرچ کا رونا رویا تو اس کو بلا فدیہ اس وعدہ پر رہا کر دیا گیا تھا کہ آئندہ اسلام کے خلاف کسی کی مدد نہیں کرے گا۔ (۵۹۸) اس وقت جب صفوان بن امیہ نے اس کو یہ خدمت سپرد کی تو اس نے عذر کیا کہ محمد (ﷺ) سے اسلام کے خلاف مدد نہ کرنے کا وعدہ کر چکا ہوں۔ صفوان نے جواب دیا کہ ہم آپ سے حملہ کرانا نہیں چاہتے صرف آپ کی زبان کی مدد چاہتے ہیں۔ آپ اپنی زبان سے ہماری مدد کیجئے۔ صفوان اس کے مصارف کا متکفل ہوا اور یہ بھی وعدہ کر لیا کہ اگر وہ کہیں مارا بھی جائے گا تب بھی اس کی لڑکیوں کا وہ ذمہ دار ہو گا اور اپنی اولاد کی طرح ان کو رکھے گا۔ دوسرا شخص مسافع بن عبد مناف تھا جس کو یہ خدمت سپرد کی گئی۔

رؤساء قریش

اب روساء قریش یہ تھے۔ عبداللہ بن ابی ربیعہ۔ عکرمہ بن ابی جہل صفوان بن امیہ اور ابوسفیان۔ ابو سفیان کو سربراہ اور قائد قوم تسلیم کیا گیا۔

ابو سفیان کا عہد اور غزوۂ سویق

ابوسفیان کو زمام قیادت سپرد کی گئی تو اس منصب کا سب سے بڑا فرض غزوۂ بدر کا انتقام تھا۔ ابوسفیان نے عہد کیا کہ جب تک مقتولان بدر کا انتقام نہ لے گا نہ غسل جنابت کرے گا نہ سر میں تیل ڈالے گا چنانچہ دو سو ستر سواروں کو ساتھ لے کر مدینہ کی طرف کوچ کیا۔ یہود کے متعلق ابوسفیان کا خیال یہ تھا کہ وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں اس کی مدد کریں گے۔ چنانچہ رات کی تاریکی میں وہ بنی نضیر کی آبادی میں پہونچا۔ پہلے حی بن اخطب" کے یہاں جا کر دستک دی' مگر اس نے دروازہ ہی نہ کھولا' تو مایوس ہو کر سلام بن مشکم کے یہاں آیا وہ یہود بنی نضیر کا سردار تھا اور تجارتی خزانہ اسی کے زیر اہتمام رہتا تھا۔ اس نے بڑے جوش سے استقبال کیا۔ پر تکلف کھانے کھلائے۔ شراب پلوائی۔ مدینہ کے مخفی راز بتائے۔ آخر شب میں ابوسفیان "عریض" پر حملہ آور ہوا جو مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے ایک انصار کو جن کا نام "سعد بن عمرو" تھا شہید کیا (رضی اللہ عنہ) چند مکانات اور گھاس کے انبار جلا دیئے۔ ان باتوں سے اس کے نزدیک قسم پوری ہو گئی۔

آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے تعاقب کیا۔ مگر ابوسفیان یہ بہادری دکھا کر اتنی تیزی سے بھاگا کہ ہاتھ نہ آیا۔ اس کے پاس رسد کے لیے ستو کے بورے تھے گھبراہٹ میں ستو کے بورے پھینکتا گیا جو مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ اسی لیے یہ واقعہ """غزوۂ سویق" کے نام سے مشہور ہے کیونکہ "سویق" عربی میں ستو کو کہتے ہیں۔

ابن سعد کی تحقیق کے بموجب یہ حملہ ہجرت سے ۲۲ ماہ بعد اتوار کے روز ۵ ذی الحجہ کو ہوا تھا۔ اس تعاقب میں آنحضرت ﷺ کے پانچ دن صرف ہوئے۔ (۵۹۹)

غزوۂ احد کے لیے قریش کی روانگی

غزوۂ سویق کے نو ماہ اور ہجرت سے اکتیس ماہ بعد جب .بتیسواں مہینہ شروع ہوا یعنی شوال ۳ھ کے آغاز (۶۰۱) میں قریش کا لشکر جرار پوری تیاری کے ساتھ مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ قریش کے علاوہ حلیف قبائل کے جنگ جو (۶۰۲) بہادر بھی اس میں شریک تھے۔ مجموعی تعداد تین (۶۰۳) ہزار سے زیادہ تھی۔ جس کی تفصیل یہ تھی۔

شتر سوار تین ہزار۔ گھوڑے سوار دو سو۔ زرہ پوش سات سو۔ تیر انداز ایک سو۔ (۶۰۴)

یہ تیاری ,ور روانگی پوری راز داری کے ساتھ ہوئی۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو قریش کے حالات سے باخبر رہنے کی کوشش کرتے رہتے تھے آپ کو بھی اس لشکر کا علم مکہ کے ایک خط کے ذریعہ اس وقت ہوا جب ایک شب پہلے یہ لشکر مدینہ سے چند میل ذوالحلیفہ کے قریب پڑاؤ ڈال چکا تھا یہ لشکر بدھ کے روز کسی وقت ذوالحلیفہ پہونچ چکا تھا اور آنحضرت ﷺ کے پاس حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا قاصد جمعرات کے روز اول (۶۰۵) وقت پہونچا۔

خواتین قریش

جنگ کے لیے تیار کرنے میں عورتیں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی تھیں۔ پندرہ (۶۰۶) سرداروں کی عورتوں نے طے کیا تھا کہ اپنے شوہروں کے ساتھ وہ بھی میدان جنگ میں جائیں گی۔ ان میں پیش پیش ابوسفیان کی بیوی ہند (۶۰۷) تھیں جن کے باپ عتبہ بن ربیعہ اور چچا اور بھائی جنگ بدر میں کام آئے تھے۔ ان کے علاوہ عکرمہ پسر ابوجہل کی بیوی "ام حکیم" حضرت خالد کی بہن "فاطمہ" رئیس طائف مسعود ثقفی کی بیٹی "برزہ" عمرو بن العاص کی اہلیہ "ریطہ" حضرت معصب بن عمیر کی والدہ "خناس" کے نام بھی شمار کرائے گئے ہیں۔ (۶۰۸) ان ہودج نشین خواتین (ظعن (۶۰۹)) کا بیج بھی لشکر کا ایک جزو تھا۔

مدینہ طیبہ میں اطلاع

حضرت عباس رضی اللہ عنہ ابھی تک مکہ میں مقیم تھے انہوں نے تمام حالات لکھ کر ایک قاصد کو دیئے اور طے کر دیا کہ تین (۶۱۰) دن کے اندر مدینہ پہونچ کر یہ خط آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبا میں تشریف فرما تھے۔ یہ قاصد وہیں باریاب ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لفافہ کی مہر توڑی اور حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے ان کو خط دیا۔ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے خط پڑھ کر سنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید کر دی کہ ابھی اس کی کسی کو خبر نہ ہو۔ البتہ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس راز سے آگاہ کر دیا۔(۶۱۱)

اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس قریش کے حالات معلوم کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ چنانچہ ۵ شوال پنج شنبہ کے روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو خبر رساں "انس اور مونس" خبر لانے کے لیے بھیجے انہوں نے آکر اطلاع دی کہ لشکر قریش مدینہ کے قریب آگیا ہے اور مدینہ کی چراگاہ "عریض" کو ان کے گھوڑوں نے صاف کر دیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "خباب بن منذر" (رضی اللہ عنہ) کو بھیجا کہ فوج کی تعداد معلوم کریں انہوں نے آکر رپورٹ دی کہ تین ہزار کا لشکر ہے۔ مدینہ میں صحابہ کرام نے فوراً ہی حفاظت کے انتظامات کر لیے۔ حضرت سعد بن معاذ۔ حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت اسید بن حضیر اور چند صحابہ مسجد میں حاضر ہو گئے اور شب بھر باب رسالت پر پہرہ دیتے رہے۔ (۶۱۲) رضی اللہ عنہم۔

امرھم شوریٰ بینھم

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ۔ راز دارانہ اظہار خیال۔ کثرت رائے پر فیصلہ اپنی ذاتی رائے کے خلاف فیصلہ پر سرگرمی سے عمل کی نادر مثال

حیلہ بہانہ کی ایک بدترین صورت

۶ شوال جمعہ کے روز صحابہ کرام کے ایک عام اجتماع میں اس مسئلہ پر غور ہوا کہ فوج قریش کا مقابلہ مدینہ میں کیا جائے۔ یا باہر نکل کر۔ یہ بات واضح نہیں ہے کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت دے کر بلایا تھا یا خود پہنچ گیا تھا۔ لیکن یہ بات قطعی ہے کہ وہ اس اجتماع میں شریک تھا۔ اپنی جماعت کی نمائندگی کر رہا تھا اور اتفاق سے اس کی رائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید میں تھی۔

مدینہ طیبہ کے دو طرف چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کا سلسلہ ہے۔ مدینہ کے ناکوں پر دیواریں چن کر پورے مدینہ کو محفوظ قلعہ بنایا جا سکتا تھا۔ عورتیں اور بچے قریب کی پہاڑیوں پر پہونچا دیئے جاتے۔ اگر موقع ہوتا تو وہ وہاں سے دشمن پر سنگ باری بھی کر سکتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے یہی تجویز پیش فرمائی کہ شہر کے اندر رہ کر مقابلہ کریں۔ دشمن چند روز حملہ کرے گا پھر خود پریشان ہو کر چلا جائے گا۔ انصار اور مہاجرین کے اکثر اکابر نے اس تجویز کو پسند کیا۔ (۶۱۳) عبداللہ بن ابی بن سلول نے بھی اسی کی تائید کی اور یہ بھی بتایا کہ مدینہ کی روایات یہ ہیں کہ جب اہل مدینہ نے شہر میں رہ کر کسی دشمن کا مقابلہ کیا ہے وہ کامیاب رہے ہیں اور دشمن کو ہمت نہیں ہوئی کہ شہر میں گھس سکے اور جب کبھی وہ باہر نکلے انہوں نے نقصان اٹھایا۔ (۶۱۴) لیکن بڑی تعداد ان مومنین بااخلاص کی تھی جن کو حسرت تھی کہ وہ جنگ بدر میں شریک نہیں ہو سکے اور اس فضیلت سے محروم رہے۔ ان کا احساس یہ تھا کہ اگر ہم مدینہ ہی میں رہے تو دشمن سے ڈٹ کر مقابلہ کرنے کا موقع نہیں ملے گا حضرت حمزہ ؓ اگرچہ بدر میں شریک رہے تھے مگر اس وقت ان کا جذبہ بھی یہی تھا (۶۱۵) اور وہ اسی رائے کے حامی تھے۔

عبداللہ بن ابی بن سلول نے جو مدینہ کی روایات پیش کی تھیں اس کے جواب میں ان حضرات کا خیال یہ تھا کہ اس طرح "شہر بند" ہو جائے گا۔ نہ دشمن پر اچھا اثر پڑے گا نہ عرب کے قبائل پر کیونکہ یہ سمجھا جائے گا کہ مسلمانوں میں مقابلہ کی ہمت نہیں ہے اور بدر کی فتح بھی ایک اتفاقی بات تھی اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ غزوۂ بدر کی فتح سے جو ہیبت مسلمانوں کی قائم ہوئی ہے وہ ختم ہو جائے گی بہرحال آزادی کے ساتھ طرفین نے دلائل پیش کیے پھر اتفاق سے یہی رائے غالب (۶۱۶) رہی۔

یہ گفتگو نماز جمعہ سے پہلے ہوئی اور طے ہو گیا کہ مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے گا۔ نماز جمعہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے تقریر فرمائی اور مسلمانوں کے جذبات جہاد کو تازہ کیا ان کو تیاری کا حکم دیا اور یہ بشارت دیدی کہ مسلمانوں نے صبرو استقلال سے کام لیا تو وہ یقیناً" کامیاب ہوں گے۔ اب مسلمانوں میں شوق جہاد کے ساتھ کامیابی کی امنگ بھی تھی۔ (۶۱۷)

اسی روز قبیلہ بنو نجار کے ایک انصار "حضرت مالک بن عمرو" کا انتقال ہو گیا تھا۔ نماز جمعہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کے جنازہ کی نماز بھی پڑھائی۔ (۶۱۸)

سیدالانبیاء (صلوات اللہ علیہم اجمعین) فوجی لباس میں

نماز جمعہ اور تقریر کے بعد (۶۱۹) آنحضرت ﷺ راحت کدہ میں تشریف لے گئے۔ صدیق اکبر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کے ساتھ تھے وہاں ان دونوں نے عمامہ شریف بندھوایا۔ پوشاک زیب تن کرائی۔ اب سیدالانبیاء (علیہم الصلوۃ والسلام) باہر تشریف لائے تو دوہری (۶۲۰) زرہیں زیب تن تھیں۔

پشت مبارک چمڑہ کے پٹکے سے کسی ہوئی تھی۔ گردن کے ایک طرف تلوار کا تلہ تھا دوسری جانب کمان۔ پشت پر ترکش اور دست مبارک میں نیزہ۔ (۶۲۱) سر پر اس وقت عمامہ تھا۔ لیکن میدان جنگ میں جب آپ صفیں درست فرما رہے تھے تو خود بھی سر مبارک پر تھا اس کے ساتھ مغفر (۶۲۲) بھی تھا۔ (۶۲۳)

اس وقفہ میں اہل عوالی۔ (قبا وغیرہ کے باشندے) بھی آ گئے تھے اور بیچ میں راستہ چھوڑ کر حجرہ مبارکہ اور منبر کے درمیان دو رویہ صفیں لگا کر کھڑے ہو گئے تھے۔ (۶۲۴)

اظہار معذرت

حضرت سعد بن معاذ اور حضرت اسید بن حضیر جیسے بزرگوں کو اس کا احساس تھا کہ آنحضرت ﷺ کی مرضی کے خلاف اصرار کیا گیا ہے اور مدینہ سے باہر جنگ کا فیصلہ آپ کی منشاء کے خلاف ہوا ہے۔ چنانچہ جب آپ اندر تشریف لے گئے تو ان اکابر نے لوگوں کو توجہ دلائی کہ جس رسول برحق پر آسمان سے وحی نازل ہوتی رہتی ہے آپ نے اس کی منشاء کے خلاف ایک بات پر اصرار کیا جو مناسب نہیں تھا۔ اب بہتر یہ ہے کہ آپ حضرات یہ فیصلہ واپس لے لیں اور آنحضرت ﷺ کو اختیار دیدیں کہ جو رائے عالی ہو اس پر عمل فرمائیں۔ یہ احساس ان اصرار کرنے والوں کو بھی ہوا چنانچہ جب آپ ﷺ باہر تشریف لائے تو ندامت ظاہر کرتے ہوئے معذرت کی کہ ہمارا اصرار بے محل تھا۔ حضرت والا کو اختیار ہے کہ منشاء عالی کے مطابق عمل فرمائیں۔

سرور کائنات ﷺ نے لوگوں کی معذرت سنی تو فرمایا۔

نبی کے لیے مناسب نہیں ہے کہ جب وہ زرہ پہن چکا ہو تو جنگ کے فیصلہ سے پہلے اتار دے۔ (۶۲۵) اب جو فیصلہ ہو چکا ہے اس پر عمل کرو۔ خدا کا نام لے کر چلو۔ جو میں ہدایتیں دیتا رہوں ان پر عمل کرو۔ جب تک تم صبر و استقامت سے کام لیتے رہو گے اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال رہے گی۔

پھر آپ ﷺ نے تین جھنڈے منگوائے۔ قبیلہ اوس کا جھنڈا حضرت اسید بن حضیر۔ قبیلہ خزرج کا جھنڈا' حباب بن منذر کو اور مہاجرین کا جھنڈا حضرت علی کو عنایت فرمایا۔ رضی اللہ عنہم اور ایک روایت ہے کہ خزرج کا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ کو عطا ہوا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کو مدینہ کے انتظامات سپرد فرمائے اور اپنے گھوڑے پر جس کا نام سکب تھا سوار ہو کر کوچ کا حکم دے دیا۔ دونوں سعد (یعنی سعد بن عبادہ رئیس خزرج) اور حضرت سعد بن معاذ "رئیس اوس" آگے آگے روانہ ہوئے۔ اس وقت کل تعداد ایک ہزار تھی۔ جس میں سو زرہ پوش تھے۔ (۶۲۶)

ایک خواب اور اس کی تعبیر

اسی شب (شب جمعہ میں) آنحضرت ﷺ نے خواب بھی دیکھا تھا جس کو صبح کے اجتماع میں بیان فرمایا

کہ آپ ایک مضبوط زرہ زیب تن کیے ہوئے ہیں ہاتھ میں ذوالفقار تلوار ہے جس کی دھار جھڑ گئی ہے۔ ایک گائے ذبح کی جا رہی ہے اس کے پیچھے ایک مینڈھا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی تعبیر دریافت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا مضبوط زرہ' مدینہ ہے اور تلوار کی دھار جھڑنے کا مطلب یہ ہے کہ مجھے کوئی گزند پہنچے گا۔ گائے ذبح کی جا رہی ہے یعنی کچھ مسلمان شہید ہوں گے اور اس کے پیچھے مینڈھا ہے یہ لشکر دشمن کا کوئی سرغنہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ ختم کر دے گا۔ (۶۲۷)

چند سبق

سیرت مقدسہ کا ہر ایک واقعہ بلکہ ہر ایک پہلو اور ہر ایک جزو مسلمانوں کے لیے سبق ہے۔ فقہ کی اصطلاح میں اس کو "سنت" کہتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی یہ سنتیں آیات کتاب اللہ کی تفسیر اور تشریح ہوا کرتی ہیں۔ مشورہ کے اسی واقعہ میں سنت مقدسہ نے چند باتوں کی تعلیم دی ہے جو جماعتی زندگی میں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔

(۱) پہلی تعلیم یہ ہے کہ جماعت کا جو فیصلہ ہو وہی اپنا فیصلہ ہونا چاہیے اگرچہ اپنی ذاتی رائے اس کے مخالف ہو۔

(۲) اس جماعتی فیصلہ کے لیے بھی وہی جذبہ اور وہی سرگرمی ہونی چاہیے جو اپنے ذاتی فیصلہ کے متعلق ہو۔

ارشاد خداوندی امرھم شوریٰ بینھم کی تفسیر سنت مبارکہ نے یہی پیش کی۔

(۳) اکابر کی واجب الاحترام شخصیتوں کے مقابلہ میں بھی فیصلہ کثرت رائے سے ہو گا۔

(۴) جمہوریت اور مساوات کے بلند بانگ مدعیوں کے لیے سب سے بڑا سبق یہ ہے کہ مشورہ اور رائے شماری کے وقت سیدالانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کی حیثیت بھی (۶۲۸) وہی ہے جو عام رائے دہندہ کی ہے باوجودیکہ اس ذات مقدس کے متعلق مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ۔

"بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

(۵) آنحضرت ﷺ کے دور مسعود میں جتنے غزوے ہوئے ان میں کسی میں مسلمانوں کو اتنا نقصان نہیں پہنچا تھا جتنا غزوۂ احد میں پہنچا۔ اس جنگ میں ستر مسلمان شہید ہوئے۔ خود آنحضرت ﷺ سخت مجروح ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم حضرت حمزہ ؓ شہید ہوئے جن سے' آنحضرت ﷺ کو ذاتی طور پر بہت انس تھا۔ تقریباً" ہم عمر تھے بچپن سے ساتھ رہا تھا۔ دودھ شریک بھائی بھی تھے (۶۲۹)۔ حضرت حمزہ ؓ کو بھی اس پیارے بھتیجے سے اتنی محبت تھی کہ ان کی توہین یا تکلیف برداشت نہیں ہوتی تھی اور حقیقت یہ ہے یہی حمیت (۶۳۰) ان کے اسلام کا سبب بنی تھی۔ آنحضرت ﷺ کسی

وقت ان حضرات کو سرزنش کر سکتے تھے جنہوں نے آپ کی رائے کے خلاف باہر نکل کر جنگ کرنے پر اصرار کیا تھا۔ مگر احادیث مقدسہ کا پورا ذخیرہ سامنے ہے۔ کسی روایت سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو کوئی سرزنش کی ہو یا کبھی حرف شکایت زبان مبارک پر آیا ہو۔

(۶) میدان جنگ کا جو نقشہ آپ ﷺ نے مرتب فرمایا تھا۔ اس میں جن کو درہ کی حفاظت کے لیے مامور فرمایا تھا۔ انہوں نے اگرچہ ایک غلط فہمی کی بنا پر غلطی کی تھی جس کو خطاء اجتہادی کہا جا سکتا ہے جو معاف ہونی چاہیے۔ مگر کتاب اللہ نے ان پر سخت تنقید کی ہے اور اس ہزیمت کا ذمہ دار انہیں کو ٹھیرایا ہے۔ مگر کتاب اللہ میں کوئی حرف بھی اس تجویز کے متعلق وارد نہیں ہوا جو آنحضرت ﷺ کی رائے اور منشاء کے مخالف تھی اور جس پر ان حضرات نے اصرار کیا تھا۔ بلکہ اس کے برخلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آئندہ کے متعلق بھی ہدایت یہ فرمائی گئی۔ وشاورھم فی الامر۔ (معاملات دین و ملت میں ان سے مشورہ کا سلسلہ جاری رکھئے۔)

(۷) آنحضرت ﷺ کی یہ پیغمبرانہ دیانت بھی سبق آموز ہے کہ آپ ﷺ نے اس اجتماع میں خواب کا تذکرہ تو فرمایا مگر اس سے متاثر کرنے کی کوشش نہیں فرمائی۔ حالانکہ مورخ ابن سعد کی تحقیق کے بموجب اس خواب کی بنا پر ہی آپ ﷺ کی یہ رائے ہوئی تھی کہ مدینہ منورہ میں رہ کر مقابلہ کیا جائے۔ آنحضرت ﷺ سمجھتے تھے کہ خواب کا منشاء تشریع نہیں ہے اس کی بنا پر کوئی حکم نہیں دیا جا سکتا۔ لہٰذا نہ آپ ﷺ نے اس سے متاثر فرمانے کی کوشش کی نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے اثر لیا۔

اس کے برخلاف رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کا عمل ہے کہ وہ اپنی پارٹی کو لے کر میدان جنگ سے واپس ہو گیا اور بہانہ یہی کیا کہ ہماری رائے نہیں مانی گئی۔ نوجوانوں کی رائے پر عمل کیا گیا۔

رات کو قیام اور پہرے کا انتظام

ابن سعد کی تحقیق یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز عصر کے بعد مدینہ سے روانہ ہوئے۔ تھوڑی دور چل کر ایک میدان میں قیام فرمایا جہاں دو ٹیلے تھے جن کو شیخین کہا جاتا تھا۔ مغرب کا وقت ہوا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کہی اور امام الانبیاء علیہم السلام نے نماز پڑھائی۔ رات کو یہیں قیام رہا۔ پھر عشاء کی اذان ہوئی اور نماز کے بعد آرام کیا گیا۔

لشکر کی حفاظت کے لیے پچاس مجاہدین کا دستہ مقرر فرما دیا گیا جو رات بھر گشت کرتا رہا۔ حضرت "محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ" اس دستہ کے افسر تھے (۶۳۱)۔ راستہ میں یہودیوں کی ایک بڑی جماعت ملی۔ یہ یہودی عبداللہ بن ابی کے حلیف تھے اور اس جنگ میں مدد کرنا چاہتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے یہ پیشکش منظور نہیں فرمائی کہ ہم اہل شرک کے مقابلہ میں اہل شرک سے مدد نہیں لینا چاہتے۔ (۶۳۲) اس موقع پر

اسلامی لشکر کا بھی جائزہ لیا گیا۔ جو کم عمر تھے' ان کو واپس کر دیا گیا۔ ان میں حضرت زید بن ثابت' براء بن عازب' ابوسعید خدری' اسامہ بن زید و زید بن ارقم و اسید بن ظہیر' عبداللہ بن عمرؓ (۶۳۳) اور عرابہ بن اوس ؓ بھی تھے لیکن جاں نثاری کا یہ ذوق تھا کہ نوجوانوں میں سے جب رافع بن حدیج ؓ سے کہا گیا کہ تم عمر میں چھوٹے ہو واپس جاؤ تو وہ انگوٹھوں کے بل تن کر کھڑے ہو گئے کہ قد اونچا نظر آئے اور جب ان کی یہ ترکیب چل گئی اور وہ لے لیے گئے تو سمرہ بن جندب ؓ ایک نوجوان جو ان کے ہم عمر تھے انہوں نے یہ دلیل پیش کی کہ میں رافع کو لڑائی میں ڈھا لیتا ہوں۔ اس لیے اگر ان کو اجازت ملتی ہے تو مجھے بھی ملنی چاہیے۔ دونوں کا مقابلہ کرایا گیا اور سمرہ نے رافع کو پچھاڑ دیا۔ اس بناء پر ان کو اجازت مل گئی۔ (۶۳۴)

نماز صبح اور روانگی

جیسے ہی نماز صبح سے فراغت ہوئی۔ ارشاد ہوا ہمیں قریب کے راستہ سے پہونچنا ہے مگر راستہ ایسا ہو کہ فوج قریش سے بچتا ہوا نکل جائے۔ حضرت ابو خشیمہ ؓ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مربع بن قیتلی کے باغ سے گذرتا ہوا راستہ جاتا ہے یہ قریب بھی ہے اور فوج قریش سے بچا ہوا بھی ہے آپ ﷺ نے یہ راستہ منظور فرمایا۔ مگر جب باغ میں پہنچے تو مالک باغ مربع بن قیتلی مزاحمت کرنے لگا۔ یہ بظاہر مسلمان تھا مگر دل سے منافق اور آنکھوں سے اندھا تھا۔ اس نے آنحضرت ﷺ کی شان میں گستاخانہ کلمات بھی بکے۔ صحابہ کرام ؓ نے اس کو سزا دینی چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا چھوڑو۔ یہ کور چشم بھی ہے اور کور باطن بھی۔ تب بھی ایک صاحب سعد بن زبدہ اشہلی کی کمان اس کے سر پر پڑ گئی۔ جس سے سر میں زخم آ گیا۔ (۶۳۵)

لو نعلم قتالا لاتبعناکم

اگر ہم جانتے کہ فی الواقع لڑائی ہوگی تو ہم ضرور تمہارا ساتھ دیتے

عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کی پارٹی کی واپسی

اکثریت کا فیصلہ جس کے متعلق سرور کائنات ﷺ یا اکابر صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی زبان پر کبھی شکایت کا ایک حرف بھی نہیں آیا۔ عبداللہ بن ابی بن سلول کے لیے بہانہ بن گیا۔
یہ تین سو آدمیوں کی پارٹی لے کر مدینہ منورہ سے آنحضرت ﷺ کے ساتھ چلا تھا رات کو مسلمانوں کے ساتھ قیام کیا اور صبح کو احد کے قریب مقام شوط (۶۳۶) تک ساتھ ساتھ پہنچ گیا لیکن بحث کا سلسلہ بند

نہیں کیا بالآخر یہ کہہ کر واپس ہو گیا کہ جب ہماری بات نہیں مانی اور ہمارے بجائے نوجوانوں کی باتیں مانیں تو ہم اپنی جانیں کیوں کھپائیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد ماجد حضرت عبداللہ بن عمرو بن حزام رضی اللہ عنہ (جو قبیلہ بنی سلمہ کے ممتاز انصار اور عبداللہ بن ابی کے ہم قبیلہ (خزرجی) تھے جو اسی غزوۂ میں شہید بھی ہوئے) عبداللہ بن ابی کے پیچھے چلے اور اس کو سمجھانے کی کوشش کی کہ اس نازک وقت میں مسلمانوں کی مدد چھوڑنا کسی طرح درست نہیں ہے تو ان کو یہ کہہ کر مایوس کر دیا کہ۔

"ہمیں معلوم ہے۔ لڑائی بھڑائی کچھ نہ ہو گی۔ خواہ مخواہ کی باتیں ہیں اگر واقعی جنگ ہوتی تو ہم کبھی ساتھ نہ چھوڑتے"

جس طرح واقعات نے رئیس المنافقین کے اس بہانہ کی تردید کی' کتاب اللہ نے صرف تردید ہی نہیں کی بلکہ اس کے دل کے چور کا بھی پتہ دے دیا۔

عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے کہا تھا :

لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا" لَّاتَّبَعْنَاكُمْ

اگر ہم جانتے کہ واقعی لڑائی ہو گی تو ہم ضرور تمہارا ساتھ دیتے

کتاب اللہ نے جواب دیا۔

هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّالَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ (سورہ آل عمران ع ۱۷)

جس وقت انہوں نے یہ بات کہی وہ کفر سے زیادہ نزدیک تھے بمقابلہ ایمان کے۔ (یہ ایمان کی بات نہیں تھی بلکہ کفر کی بات تھی) یہ لوگ زبان سے ایسی بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے اور جو کچھ دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے۔

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتَانِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ (آل عمران ع ۱۳)

جب تم میں سے (منافقوں کے علاوہ باقی مسلمانوں میں سے) دو جماعتوں نے ارادہ کیا تھا کہ ہمت ہار دیں (اور واپس لوٹ چلیں) حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کا مدد گار ہے اور

جو صاحب ایمان ہیں ان کو چاہیے کہ ہر حال میں اللہ پر بھروسہ رکھیں۔

بنو حارثہ اور بنو سلمہ کا تذبذب

عین معرکہ کے وقت جب کہ دشمن کی کئی گنی خونخوار فوج سامنے ہے۔ تقریباً" ایک تہائی لوگوں کا الگ ہو جانا اور میدان چھوڑ کر چلا جانا معمولی بات نہیں تھی۔ اس سے پورے لشکر کے پاؤں اکھڑ سکتے تھے اور کچھ بعید نہیں کہ عبداللہ بن ابی کی یہ حرکت دشمن کے اشارہ سے اسی غرض سے ہو۔ مگر حضرات صحابہ کرام کا (رضوان اللہ علیہم اجمعین) جذبہ صادق وہ نشہ نہیں تھا جسے ترشی اتار دے۔

عبداللہ بن ابی کی اس غداری نے مایوسی کے بجائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جذبات ایثار کو زیادہ برانگیختہ اور پہلے سے زیادہ پختہ کر دیا۔ صرف دو ٹکڑیوں میں کچھ تذبذب پیدا ہوا۔ ایک ٹکڑی بنو سلمہ کی تھی جس کا تعلق اسی قبیلہ خزرج سے تھا جو عبداللہ بن ابی بن سلول کا قبیلہ تھا دوسری ٹکڑی بنو حارثہ کی جس کا تعلق قبیلہ اوس سے تھا۔ (۶۳۷)

لیکن یہ زلزلہ کا ایک جھٹکا تھا جس نے ان دونوں ٹولیوں کی سرزمین کو متحرک کیا۔ مگر یہ ایسا خفیف اور معمولی تھا کہ اگر قرآن حکیم اس کا پردہ فاش نہ کرتا تو اس کا پتہ چلنا بھی مشکل تھا۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ وحی الٰہی صحابہ کرام ؓ کی کسی کمزوری پر پردہ نہیں ڈالتی۔ بلکہ ان کی گرفت دوسروں سے زیادہ کرتی ہے۔ کیونکہ یہ اللہ والے ہیں اور وہ اللہ والوں کو زیادہ سے زیادہ پاک اور صاف رکھنا چاہتی ہے۔

وَلٰکِنْ یُرِیْدُ لِیطھر کم وَلیتم نعمتہٗ علیکم لعلکم تشکرو ن (۶۳۸)

سورۂ آل عمران کی مذکورہ بالا آیت میں اسی کمزوری کی طرف اشارہ ہے جو ان دو ٹولیوں سے پائی گئی تھی۔ ساتھ ساتھ ان کو تسکین بھی دیدی گئی اللّٰہ ولیھما اللہ ان دونوں کا ولی اور مددگار ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ ؓ فرمایا کرتے تھے یہ آیت ہمارے بارے ہی میں نازل ہوئی جس میں ہماری کمزوری ظاہر کی گئی ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی ولایت اور مدد کا اظہار فرما کر ایک ایسی قابل فخر سند عطا فرما دی کہ اب میرے لیے یہ خوشی کی بات نہیں ہے کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل نہ ہوئی ہوتی۔ (۶۳۹) (کیونکہ وہ کمزوری اتنی باعث شرم نہیں جتنی یہ سند قابل مسرت ہے۔)

اے ترا باہر دلے رازے دگر
ہر گدا را بر درت نازے دگر

وعلی اللہ فلیتوکل المومنون

عبداللہ بن ابی کی ٹولی واپس چلی گئی تو حضرات انصار نے عرض کیا کہ کچھ یہودی ہمارے حلیف ہیں' ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم ان سے امداد کی اپیل کریں۔ ارشاد ہوا ہمیں ان کی ضرورت نہیں۔ (۶۴۰)

مشرکین کا محاذ

قریش بدھ کے دن مدینہ کے قریب پہنچ گئے تھے اور ذوالحلیفہ (۶۴۱) میں پڑاؤ ڈالا تھا جو مدینہ سے تقریباً" چھ میل ہے۔ فوج کی تعداد تین ہزار سے زیادہ تھی جس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔ معزز خاندان کی پندرہ خواتین کا بھی ذکر آ چکا ہے جو ترانوں اور ہیجان انگیز فقروں سے بہادروں کے حوصلے بڑھا رہی تھیں۔

مدینہ کا ایک مقبول عام شخص عبد عمرو بن صیفی جو ابو عامر کی کنیت سے مشہور تھا اور اس کے زہد اور پارسائی کی وجہ سے اہل مدینہ اس کی عزت کیا کرتے تھے۔ لیکن جیسے ہی مدینہ میں اسلام کا نور چمکا اس کے نمائشی زہد نے عناد و مخالفت کی شکل اختیار کر لی یہاں تک کہ مدینہ چھوڑ کر مکہ میں آباد ہو گیا اور گھوم پھر کر اسلام کے خلاف ایک پارٹی بنانے لگا۔ یہ بھی اپنی پارٹی سمیت قریش کے ساتھ تھا۔ یہ بھی روایت ہے کہ اس کے ساتھ قبیلہ اوس کے بھی پچاس آدمی تھے۔ (۶۴۲)

صف بندی

شنبہ کی صبح کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے انہوں نے میدان احد میں صفیں قائم کیں۔ میمنہ پر خالد بن ولید کو مقرر کیا۔ میسرہ عکرمہ (۶۴۳) کو دیا جو ابوجہل کے فرزند اور جانشین تھے۔ سواروں کا دستہ صفوان ابن امیہ کی کمان میں تھا۔ جو قریش کا مشہور رئیس تھا۔ تیر اندازوں کے دستے الگ تھے جن کا افسر عبداللہ بن ابی ربیعہ تھا۔ علم برداری ایک خاص اعزاز تھا۔ اگرچہ نہایت خطرناک اور ایثار طلب تھا۔ جھنڈا ہی فتح و شکست کا نشان ہوتا تھا' جیسے ہی جھنڈا سرنگوں ہوتا تھا' فوج کے پاؤں اکھڑ جاتے تھے۔ قریش میں یہ اعزاز بنو عبدالدار کے لیے مخصوص تھا۔ بدر میں بھی اسی خاندان کے بہادر علم بردار رہے تھے۔ اس وقت ابوسفیان نے ان کو علم سپرد کرنے کا ارادہ کیا تو ضروری سمجھا کہ ان سے عہد بھی لے لے چنانچہ جب حوالے کرنے کا وقت آیا تھا تو اس نے کہا۔

بدر میں جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ اس وقت اگر آپ کے بہادر تیار ہیں کہ اس جھنڈے کی عظمت برقرار رکھنے کے لیے اپنی جانوں کی پروا نہ کریں تو بے شک علم برداری آپ صاحبان کا حق ہے' اس حق

حاصل کیجئے اور اگر یہ ہمت نہ ہو تو ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم اپنی جانوں کی قیمت پر اس کی عزت برقرار رکھیں اور اس فرض کو انجام دیں۔

آل عبدالدار نے ابوسفیان کی طنز آمیز تقریر سنی تو بھڑک اٹھے اور غصہ اور جوش کے لہجہ میں جواب دیا یہ کیسے ممکن ہے ہم اپنا خاندانی اعزاز آپ کے حوالے کر دیں۔ ہم موت سے جان چرانے والے نہیں ہیں۔ جھنڈا ہمارے حوالے کیجئے اور میدان جنگ میں دیکھ لیجئے ہم کیا کرتے ہیں۔ (۶۴۴)

ابوسفیان یہی کہلوانا چاہتا تھا اس نے جھنڈا بنی عبدالدار کے نمائندہ طلحہ بن (۶۴۵) ابی طلحہ کے حوالہ کر دیا۔ قریش کے مشیر کار ابو عامر نے میدان کے اس حصہ میں جہاں مسلمان پہنچ سکتے تھے گڑھے کھدوا کر ہلکے پٹاؤ سے ان کو چھپا دیا تھا کہ اس پر پیر پڑے تو پٹاؤ نیچے بیٹھ جائے اور چلنے والا گڑھے میں گر جائے۔ (۶۴۶)

لشکر اسلام کی صف بندی اور مورچے

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَھْلِکَ تُبَوِّیُٔ الْمُؤْمِنِیْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (آل عمران ع ۱۳)

اے نبی وہ وقت یاد کرو جب تم صبح سویرے اپنے گھر سے نکلے تھے کہ بٹھا رہے تھے مسلمانوں کو لڑائی کے ٹھکانوں (مورچوں) پر اور اللہ سنتا جانتا ہے۔

رات جہاں قیام رہا تھا۔ نماز صبح کے بعد (۶۴۷) آنحضرت ﷺ وہاں سے روانہ ہوئے حضرت ابو خثیمہ حارثی کی رہنمائی میں دشمن کی فوج سے بچتے ہوئے قریب کے راستے سے کوہ احد کے دامن میں پہنچ گئے۔

دشمن کو تین راتیں اس علاقہ میں گزر گئی تھیں۔ اب وہ جنگ کے لیے تیار تھا۔ آنحضرت ﷺ نے بھی میدان میں پہونچتے ہی تیاری شروع کر دی۔ مگر طاقت کا توازن غزوۂ بدر کی نسبت سے بھی کم تھا۔

غزوۂ بدر میں تین سو تیرہ کا مقابلہ نو سو پچاس سے تھا۔ یعنی ایک اور تین کی نسبت تھی لیکن اس وقت سات سو کا مقابلہ تقریباً" بتیس سو سے تھا۔ یعنی ایک اور تقریباً" پانچ کا مقابلہ تھا دشمن کی فوج میں تین ہزار اونٹ اور دو سو گھوڑے تھے۔ مگر مسلمانوں کا یہ سفر پا پیادہ ہوا تھا اونٹ ایک بھی نہیں تھا۔ گھوڑا صرف ایک تھا یا زیادہ سے زیادہ دو۔ (۶۴۸)

دشمن کی فوج میں سات سو زرہ پوش تھے اور ایک سو تیر انداز۔ اسلامی فوج میں صرف سو زرہ پوش تھے اور پچاس تیر انداز۔

اس تھوڑی تعداد اور قلیل سامان کے باوجود آنحضرت ﷺ نے جنگ کا نقشہ ایسا قائم کیا تھا کہ کامیابی

یقینی تھی۔ فوج کے دائیں بائیں میمنہ اور میسرہ مقرر فرمایا اور کوہ احد سے حصار کا کام لیا۔ یعنی پہاڑ کو پشت کی طرف رکھا۔ صرف ایک گھاٹی سے غنیم کے گھس آنے کا خطرہ تھا۔ وہاں پچاس تیر اندازوں کا دستہ مقرر فرما دیا۔ حضرت عبداللہ بن جبیر (رضی اللہ عنہ) کو اس دستہ کا "امیر" اور "افسر" مقرر فرمایا اور بہت سخت ہدایت فرمائی کہ میدان میں مسلمانوں کو فتح ہو یا شکست وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹیں اگر وہ دیکھ لیں کہ ہماری لاشیں تڑپ رہی ہیں' جانور ان کو نوچ رہے ہیں تب بھی اپنی جگہ سے نہ ہلیں۔ اس طرح صرف پچاس تیر اندازوں کے ذریعہ آنحضرت ﷺ نے "عقب" کو محفوظ فرما دیا۔ جس کے لیے تقریباً" ایک تہائی فوج درکار ہوا کرتی ہے۔ صرف ایک جانب یعنی سامنے کی جانب باقی تھی جس کے لیے حضرات مجاہدین کی موجودہ تعداد کافی تھی۔

علم برادری ایک خاص اعزاز ہے۔ قریش میں یہ اعزاز بنی عبدالدار کے لیے مخصوص تھا۔ آنحضرت ﷺ نے بھی اس کا لحاظ فرمایا۔ آپ نے مہاجرین کا علم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمایا تھا۔ لیکن جب آپ کو معلوم ہوا کہ ابوسفیان نے روایات قریش کا لحاظ کرتے ہوئے جھنڈا بنی عبدالدار کے سپرد کیا تو آپ نے بھی اسی خاندان کے ایک ممتاز مہاجر و مجاہد حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو طلب فرما کر علم ان کے حوالے کر دیا اور فرمایا۔ نحن احق بالوفاء منهم" (۶۴۹) ان کے مقابلہ میں ہم پر زیادہ حق ہے کہ ہم وفا کریں (خاندانوں کے روایتی احترامات کو باقی رکھیں) (۶۵۰)

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے بڑی قوت اور شدت سے دشمن کا مقابلہ کیا اور جب آپ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تب آنحضرت ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا (۶۵۱)

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ زرہ پوش رسالے کے افسر مقرر ہوئے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ان کی کمان سپرد ہوئی جو زرہ پوش نہ تھے۔

ابن سعد نے تصریح کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پاپیادہ گھوم کر صفیں قائم فرمائیں۔ (۶۵۲) جسد اطہر پر دو زرہیں تھیں سرمبارک پر مغفر اور اس کے اوپر خود تھا۔ شانہ اقدس پر ایک طرف تلوار کا پرتلا تھا دوسری جانب کمان' پشت پر ترکش اور دست بیضاء میں نیزہ (ﷺ)

وعدہ نصرت اور نصرت جنگ کا ابتدائی دور

(۱) اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ (سورہ آل عمران ع ۱۳)

(۲) وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ (سورہ آل عمران ع ۱۶)

(اے پیغمبرؐ وہ وقت یاد کرو) جب تم ایمان والوں سے کہہ رہے تھے کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ (دشمن کے تین ہزار کے مقابلہ میں) تین ہزار نازل کیے ہوئے فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے

(اور دیکھو) یہ واقعہ ہے۔ اللہ نے اپنا وعدہ نصرت سچا کر دکھایا۔ جب کہ تم اس کے حکم سے دشمنوں کو بے دریغ تہ تیغ کر رہے تھے۔

دونوں طرف صفیں آراستہ ہو گئیں تو خاتونان قریش نے پہل کی۔ دف پر اشعار پڑھتی ہوئی آگے بڑھیں۔ جن میں کشتگان بدر کا ماتم اور انتقام خون کے رجز تھے۔ ہند (ابوسفیان کی بیوی اور رئیس قریش عتبہ بن ربیعہ کی لڑکی) آگے آگے تھی اور چودہ عورتیں ساتھ ساتھ تھیں۔ اشعار یہ تھے (۶۵۳)۔

نَحْنُ بَنَاتِ طَارِقِ نَمْشِیْ عَلَی النَّمَارِقِ اِنْ تَقْبَلُوْا نُعَانِقِ اِنْ تَدْبُرُوْا
نُفَارِقِ فِرَاقَ غَیْرَ وَامِقِ

ہم آسمان کے تارے کی بیٹیاں ہیں (ہمارے خاندان سب سے اعلیٰ ہیں) ہم قالینوں پر چلا کرتی ہیں (ہمارے محلوں میں قالینوں کے فرش ہوتے ہیں) اگر تم آگے بڑھو گے ہم تمہیں گلے لگائیں گی۔ اگر تم پیٹھ دکھاؤ گے تو تم سے فراق ہو گا۔ ایسا فراق جس میں محبت کا نام و نشان نہ ہو گا۔

بنو عبدالدار جو علم بردار تھے۔ ان کو خطاب کرتے ہوئے یہ رجز پڑھتی تھیں۔

وَیُھَا بَنِیْ عَبْدِالدَّارِ وَیُھَا حُمَاۃَ الْاَدْبَارِ ضَرْبًا بِکُلِّ تَبَارِ

شاباش بنو عبدالدار شاباش بہادرو! جو اپنی پیٹھ بچاتے ہیں (سینہ پر زخم کھاتے ہیں) جو تیز تلواروں سے بھرپور ضرب لگاتے ہیں۔

لڑائی کا آغاز اس طرح ہوا کہ ابو عامر جو اپنے نمائشی زہد اور پارسائی کی وجہ سے مدینہ میں اسلام سے پہلے مقبول تھا۔ پھر مدینہ چھوڑ کر مکہ میں آباد ہو گیا تھا۔ ڈیڑھ سو آدمیوں کے ساتھ میدان میں آیا۔ چونکہ اس کو خیال تھا کہ انصار جب اس کو دیکھیں گے تو رسول اللہ ﷺ کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ اس نے میدان میں آ کر پکارا مجھے پہچانتے ہو۔ میں "ابو عامرؔ" ہوں انصار نے جواب دیا۔ او بدکار۔ نمائشی زاہد ہم تجھے پہچانتے ہیں۔ ہم میں سے کوئی بھی تجھے مرحبا کہنے کو تیار نہیں ہے۔ ابو عامر نے خلاف توقع یہ جواب سنا تو کہنے لگا۔ میرے بعد قوم کا مزاج بگڑ گیا پھر اس نے اور اس کے ساتھیوں نے مسلمانوں پر سنگ باری شروع کر دی۔ مسلمانوں نے ڈھیلے کا جواب پتھر سے دیا اور تھوڑی ہی دیر میں ان کا منہ پھیر دیا۔ (۶۵۴)

اب باقاعدہ جنگ شروع ہوئی۔ قریش کا علمبردار طلحہ میدان میں آیا اور پکار کر کہا۔ کوئی ہے جو میرے

ہاتھ سے جنت میں پہنچ جائے یا اپنے ہاتھ سے مجھے دوزخ میں پہنچا دے۔ (۶۵۵)
سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور سر پر ایسی تلوار ماری کہ عمامہ کو چیرتی ہوئی گردن تک پہنچ گئی۔
ظفریابی کی مسرت نے زبان مبارک پر کلمہ تکبیر جاری کر دیا۔ مسلمانوں نے بھی تکبیر کہی۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے خواب میں جو کبش الکتیبہ دیکھا تھا وہ یہی ہے جو پہلے ہی ذبح کر دیا گیا ہے۔ (۶۵۶)

طلحہ کے بعد اس کے بھائی عثمان نے علم ہاتھ میں لیا اور یہ رجز پڑھتا ہوا حملہ آور ہوا۔

اِنَّ عَلٰی اَھْلِ اللّوَاءِ حَقًّا ان تخضب الصعدة اوتندقا

علم بردار کا فرض ہے کہ نیزہ کو خون میں رنگتا رہے یہاں تک کہ نیزہ ٹوٹ جائے

خواتین قریش اس کی پشت پر اشعار پڑھ کر جوش دلا رہی تھیں۔

حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ فوراً آگے بڑھے اور شانہ پر ایسی تلوار ماری کہ کمر تک اتر آئی۔ پیٹ چاک ہو گیا۔ تمام انتڑیاں باہر نکل آئیں۔ ساتھ ہی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی زبان سے نکلا انا ابن ساقی الحجیج۔ میں ہوں ساقی (۶۵۷) حجاج کا بیٹا۔ (۶۵۸)

عثمان کے بعد طلحہ اور عثمان کے تیسرے بھائی ابوسعد بن ابی طلحہ نے جھنڈا ہاتھ میں لیا تو سیدنا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اس کو تیر کا نشانہ بنا لیا۔ تیر ابو سعد رضی اللہ عنہ کے چہرہ اور گردن میں اس طرح پیوست ہوا کہ ابوسعد رضی اللہ عنہ کی زبان آگے نکل آئی۔ پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر اس کا کام تمام کر دیا۔ لیکن بنو عبدالدار نے پھر بھی جھنڈا نہیں گرنے دیا۔ ابوسعد کے بعد علم بردار اول طلحہ کے بیٹے' مسافع بن طلحہ نے علم کو بلند کیا۔ لیکن ابھی پوری طرح سنبھالنے بھی نہیں پایا تھا کہ حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے تیر مار اس کو ہلاک کر دیا۔

مسافع کے بعد اس کے بھائی کلاب بن طلحہ نے جھنڈا سنبھالا۔ جس کو حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی ایک تلوار نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پھر طلحہ کے تیسرے بیٹے جلاس بن طلحہ نے جھنڈا ہاتھ میں لیا لیکن ساتھ ہی حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کی تلوار نے اس کو موت کا گھونٹ پلا دیا۔

خاص طلحہ کے گھر کے چھ آدمی یکے بعد دیگرے جھنڈے پر قربان ہو چکے تو قریش کی لاج رکھنے کے لیے "ارطاۃ بن شرجیل" (۶۵۹) نے جھنڈا اٹھایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فوراً ہی ارطاۃ پر حملہ کر کے اس کو ختم کر دیا۔ ارطاۃ کے بعد ابو طلحہ کے غلام صواب نے جھنڈا بلند کیا مگر وہ فوراً تہ تیغ کر دیا گیا اور جھنڈا متاع بے مایہ بن کر زمین پر گر گیا۔ (۶۶۰)

عام جنگ

علم بردار یکے بعد دیگرے قتل کیے جا رہے تھے اور عام جنگ کی شدت بڑھتی جا رہی تھی۔
آنحضرت ﷺ نے ایک تلوار (۲۶۱) دست مبارک میں لی اور فرمایا کہ کون اس کا حق ادا کرتا ہے۔ اس سعادت کے لیے دفعتہً" بہت سے ہاتھ بڑھے۔ حضرت عمر حضرت زبیر اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سب ہی کے ہاتھ آگے بڑھے ہوئے تھے۔ مگر یہ فخر ابودجانہ (رضی اللہ عنہ) کے نصیب میں تھا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو جب تلوار نہیں ملی تو انہیں تعجب ہوا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو اس کا احساس تھا کہ میں قریش کا مشہور شمشیر زن ہوں۔ آنحضرت ﷺ سے رشتہ بھی بہت قریب کا رکھتا ہوں میری والدہ آنحضرت ﷺ کی پھوپی ہیں پھر بھی مجھے تلوار عطا نہیں ہوئی۔ آنحضرت ﷺ نے میرے مقابلہ میں ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کی درخواست منظور فرمائی ہے۔ یقیناً" کوئی بات ہے جس کی وجہ سے ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ نے ترجیح دی ہے۔ اچھا اب مجھے چاہیے کہ میں ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے چلوں اور دیکھوں کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ حضرت زبیر فرماتے ہیں۔ میں نے دیکھا ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے ایک رومال (سربند) نکالا۔ جس کا رنگ سرخ تھا اور اس کو سر پر کس لیا۔ لوگوں نے کہا یہ "عصابتہ الموت" ہے جب ابو دجانہ رضی اللہ عنہ مرنے کی ٹھان لیتے ہیں تب یہ ہی باندھا کرتے ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ اس پر ایک طرف لکھا ہوا تھا نصر من اللہ وفتح قریب اور دوسری جانب یہ فقرہ تھا الجبانۃ فی الحرب عار ومن فرلم ینج من النار (۲۶۲) (جنگ میں بزدلی عار ہے اور جو فرار اختیار کرے وہ عذاب دوزخ سے نہیں بچ سکتا۔)

ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے یہ سرخ رومال سر پر باندھا "تلوار ہاتھ میں لی اور اکڑتے تنتے ہوئے دشمن کی فوج کی طرف چلے۔ آنحضرت ﷺ نے یہ رفتار دیکھی تو فرمایا۔ یہ چال خدا کو ناپسند ہے۔ لیکن اس موقع پر جب دشمنان خدا سے مقابلہ ہو) پسندیدہ رفتار یہی ہے۔ بہادرانہ ولولہ کا اثر جس طرح رفتار پر تھا گفتار بھی ایسی ہی پرجوش تھی۔ قدم دشمن کی طرف بڑھ رہے تھے اور زبان پر یہ اشعار (۲۶۳) تھے۔

اَنَا الَّذِیْ عَاھَدَنِیْ خَلِیْلِیْ وَنَحْنُ بِالسَّفْحِ لَدَی النَّخِیل اَن لَا اَقُوم
الدَّھْرَ فِی الکیول اَضْرِبْ بِسَیْفِ اللّٰہِ وَ الرَّسُوْلِ

میں وہ ہوں کہ میرے جگری حبیب نے مجھ سے عہد لیا ہے کہ جب کہ ہم دامن کوہ میں کھجور کے باغ کے پاس تھے۔ میں کبھی بھی فوج کی پچھلی صف میں نہیں رہوں گا میں اللہ اور رسول کی تلوار سے (دشمنوں کو) مارتا رہوں گا۔

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابو دجانہ فوجوں کو چیرتے لاشوں پر لاشے گراتے چلے جاتے تھے یہاں تک کہ "ہند" سامنے آ گئی۔ حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کی تلوار اس کے سر تک پہنچ گئی تھی مگر جیسے

ہی احساس ہوا کہ عورت ہے۔ تلوار روک لی کہ سیف رسول اللہ ﷺ کی یہ شان نہیں کہ کسی عورت پر آزمائی جائے (۶۶۴)

حضرت حمزہ ؓ دو دستی تلوار مارتے جاتے تھے۔ قریش کا علمبردار عثمان بن ابی طلحہ آپ کی تلوار کی نذر ہو چکا تھا۔ اسی حالت میں سباع بن عبدالعزی غبشانی سامنے آگیا۔ پکارا اور مقطعۃ البظور (۶۶۵) کے بچے کہاں جاتا ہے یہ کہہ کر تلوار ماری اور اس کو افسانہ ماضی بنا دیا۔

وحشی ایک حبشی غلام تھا۔ اس کے آقا "جبیر بن مطعم" نے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ حمزہ کو قتل کر دے تو آزاد کر دیا جائے گا۔ وہ حضرت حمزہ ؓ کی تاک میں تھا۔ حضرت حمزہ ؓ جیسے ہی سباع بن عبدالعزیٰ کو پچھاڑ کر پلٹے حبشی نے چھوٹا سا نیزہ جس کو حربہ کہتے تھے جو حبشیوں کا خاص ہتھیار ہوتا تھا حضرت حمزہ ؓ کے پھینک کر مارا جو ناف میں لگا اور پار ہو گیا۔ حضرت حمزہ ؓ نے اس پر حملہ کرنا چاہا لیکن لڑکھڑا کر گر پڑے اور روح پرواز کر گئی۔ (۶۶۶)

غسیل الملائکہ

حضرت حنظلہ نوجوان مجاہد تھے۔ نئ شادی ہوئی تھی۔ اہلیہ کے پاس خلوت کدہ میں تھے کہ حملہ کی خبر پہونچی۔ فوراً میدان کی طرف دوڑے۔ "ابوعامر" جس نے حملہ میں پہل کر کے سنگ باری کی تھی۔ حنظلہ کے باپ تھے۔ حضرت حنظلہ نے اجازت (۶۶۷) چاہی کہ یہ باپ پر حملہ کر دیں۔ لیکن رحمت عالم (صلی اللہ علیہ علیہ وسلم) نے یہ گوارا نہ کیا کہ بیٹا باپ پر تلوار اٹھائے آپ نے اجازت نہیں دی۔ حنظلہ نے کفار کے سپہ سالار "ابوسفیان" پر حملہ کر دیا اور قریب تھا کہ ان کی تلوار ابوسفیان کا فیصلہ کر دے۔ "دفعتہً" شداد بن الاسود" نے جھپٹ کر حضرت حنظلہ کے وار کو روکا اور حملہ کر کے انہیں شہید کر دیا۔ (۶۶۸) رضی اللہ عنہ۔ یہ وہ حنظلہ ہیں جنہیں "غسیل الملا نکہ" کہتے ہیں جن کے جنازہ کو فرشتوں نے غسل دیا تھا(۶۶۹)۔ عجیب کرشمہ قدرت ہے باپ فاسق اور بیٹا غسیل الملا نکہ (ؓ)

نماز ایک وقت کی نہیں اور جنت میں داخلہ

بنی عبدالاشہل کا ایک نوجوان عمرو بن ثابت بن وقش جس کو اصیرم۔ کہا کرتے تھے اس کے سامنے اسلام کا تذکرہ ہوا کرتا تھا مگر وہ مسلمان نہیں ہوا تھا۔ اس کے قبیلہ کے آدمی کفار قریش کے ساتھ میدان احد میں آئے مگر یہ اپنے قبیلہ ہی میں رہ گیا تھا۔ خاص اس صبح کو جب یہاں میدان جنگ گرم ہونے والا تھا۔ ایک جذبہ ابھرا۔ اس نے اسلام قبول کیا اور احد کی طرف روانہ ہوگیا۔ دیکھا کہ یہاں رن پڑ رہا ہے۔ وہ بھی تلوار سونت کر دشمنان اسلام پر حملے کرنے لگا آخر کار خود زخمی ہوا اور گر پڑا۔ قبیلہ کے لوگوں نے

دیکھا کہ زخموں سے چور ہے دم توڑ رہا ہے۔ ان کو تعجب ہوا کہ یہ میدان میں کب پہنچا اور کیوں پہنچا۔ اس سے دریافت کیا۔ یہاں کیسے اور کیوں آئے ہماری حمایت میں یا اسلام کی حمایت میں جواب دیا۔ میں ایمان لاچکا ہوں اور رسول خدا (ﷺ) کا جاں نثار بن کر جان دے رہا ہوں یہ جواب دیا اور اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ آنحضرت ﷺ نے بشارت دی۔ انه لمن اہل الجنة یہ جنتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ دلچسپ سوال کیا کرتے تھے ایسے شخص کا نام بتاؤ جس نے نماز بالکل نہیں پڑھی اور جنت میں پہنچ گیا۔ پھر خود اصیرم کا نام لے کر یہ قصہ سنایا کرتے تھے۔ (۶۷۰)

نومید مباش کہ رندان بادہ خوار
ناگہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

لنگڑا جنت میں

عمر بن جموح ؓ لنگڑے تھے۔ لنگ کی وجہ سے چلنا بھی مشکل تھا ان کے چار لڑکے تھے۔ چاروں بہت بہادر جیسے شیر کے بچے غزوۂ احد کے موقع پر لڑکوں نے منع کیا' آپ پاشکستہ ہیں۔ چلنا مشکل ہے۔ مکان میں رہیں یہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ لنگڑا ہوں مگر قربان ہونے کے لیے تو میدان جہاد میں جا سکتا ہوں۔ ممکن ہے اپنے لنگڑے پاؤں سے جنت ہی میں پہنچ جاؤں۔

گر نتواں بدوست راہ بردن
شرط یاری ست در طلب مردن

آنحضرت ﷺ نے ان کو تو یہ جواب دیا کہ آپ معذور ہیں آپ پر جہاد فرض نہیں اور لڑکوں کو اشارہ فرما دیا کہ بڑے میاں اگر شوق پورا کرنا چاہتے ہیں تو آپ کیوں روکتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ سے مسئلہ پوچھنے کے بعد بھی بڑے میاں سے نہ رہا گیا۔ میدان جنگ میں پہونچے اور شوق شہادت پورا کیا۔ (۶۷۱)

جانے ست ہر آئینہ بخواہدر فتن
اندر غم عشق تو رود اولی

بہترین یہودی

قبیلہ بنی ثعلبہ بن غیطون کا ایک یہودی مخیریق اپنے مذہب کا بہت پابند اور قبیلہ کا مشہور آدمی تھا۔ حق و باطل کا یہ معرکہ برپا ہوا تو اس کو بھی جوش آگیا اور یہودیوں کو للکار کر کہا تم خوب سمجھتے ہو کہ محمد (ﷺ) کی مدد ہم سب پر لازم اور ضروری ہے۔ لوگوں نے کہا آج یوم السبت (شنبہ کا دن ہے اس دن جنگ وغیرہ درست نہیں ہے) مخیریق نے جواب دیا۔ جب مدد کرنی ضروری ہے تو سبت کی کوئی پابندی نہیں

پھر تلوار لے کر چلا اور ساتھیوں سے کہہ گیا کہ اگر میں مارا جاؤں تو تم میرا ترکہ محمد ﷺ کو دے دینا۔ یہ کہہ کر میدان جنگ میں پہونچا اور مارا گیا۔ پھر اس کی تمام جائیداد آنحضرت صلی اللہ وسلم کے حوالے کر دی گئی۔ یہ سات باغ تھے آنحضرت ﷺ نے ان سب کو وقف فرما دیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ مخیرق یہودیوں میں سب سے بہتر تھا۔

محمد بن کعب قرظی فرمایا کرتے تھے کہ یہ اسلام میں سب سے پہلا وقف تھا۔ (بدایہ ونہایہ ص ۳۷ ج ۴)

مشرکین کا جھنڈا سرنگوں

مجاہدین کے پے در پے کامیاب حملوں نے دشمن کے پیر اکھاڑ دیئے۔ ناز پروردہ خواتین جو بہادری کی ہوا بھرنے کے لیے آگے آگے تھیں حواس باختہ پیچھے ہٹنے لگیں۔

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ ابوسفیان کی بیوی ہندہ دامن سمیٹے ہوئے بھاگ رہی ہے۔ پنڈلیاں کھلی ہوئی ہیں۔ پازیب ڈھلک رہے ہیں اور پہاڑ پر بدحواس چڑھی جا رہی ہے اس کی سہیلیاں پیچھے پیچھے ہیں۔

بنی عبدالدار کا آخری شخص ارطاہ بن شرجیل تھا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو بھی قتل کر دیا تو بنی عبدالدار میں سے کسی کی ہمت نہیں ہوئی کہ جھنڈا سنبھالے۔ البتہ ابو طلحہ کے حبشی غلام صواب کو غیرت آئی۔ اس نے آقاؤں کی لاج رکھنے کے لیے جھنڈا سنبھالا۔ لیکن جیسے ہی علم ہاتھ میں لیا کسی نے بڑھ کر اس زور سے تلوار ماری کہ دونوں ہاتھ ایک ساتھ کٹ کر گر پڑے پھر بھی اس نے گوارا نہ کیا کہ وہ علم خاک پر سرنگوں دیکھے۔ جیسے ہی ہاتھ نیچے گرے وہ جھنڈے کو سینہ سے لگائے ہوئے زمین پر بیٹھ گیا اور گردن کے سہارے سے اس کو کھڑا رکھا۔ اس حالت میں یہ کہتا ہوا مارا گیا کہ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ (۶۷۲)

جھنڈا دیر تک زمین پر پڑا رہا۔ پھر جب بھاگنے والے کچھ سنبھلے (جس کی تفصیل آگے آتی ہے) تو ایک خاتون عمرہ بن علقمہ دلیرانہ بڑھی اور علم کو ہاتھ میں لے کر بلند کیا۔ (۶۷۳)

تعاقب اور غنیمت

دشمن کے علم بردار قتل ہو چکے۔ جھنڈا گر چکا۔ پیش رو خواتین بدحواس بھاگ رہی ہیں۔ یہاں تک کہ پہاڑوں اور ٹیلوں پر چڑھ گئیں۔ دشمن کے جتھے ٹوٹ گئے۔ میدان خالی ہو گیا۔ مسلمان ان کا تعاقب کرتے ہوئے ان کے خیموں تک پہنچ گئے جنگ بدر کا سماں آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ کامیابی یقینی ہو گئی۔ آنحضرت ﷺ کے پاس صرف چند حضرات رہ گئے جو حفاظت کی غرض سے ساتھ رہا کرتے تھے۔ بلاشبہ اللہ کا وعدہ پورا ہو گیا۔ مسلمانوں نے ایک ہی مرحلہ میں تیئس مشرکیں کو تہ تیغ کر دیا۔

ہزیمت و انتشار اور اس کی وجہ

(دست بدست پاداش عمل)

(۱) وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهُ اِذْ تَحُسُّونَهُمْ بِاِذْنِهِ حَتّٰى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا اَرٰاكُمْ مَا تُحِبُّونَ مِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الْاٰخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللّٰهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ اِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُونَ عَلٰى اَحَدٍ وَّالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي اُخْرَاكُمْ (سورہ آل عمران ع ۱۶)

(۲) اَوَلَمَّا اَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِثْلَيْهَا - قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (سورہ آل عمران ع ۱۷)

(ا) یہ واقعہ ہے اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ نصرت سچا کر دکھایا تھا جب کہ تم اس کے حکم سے دشمنوں کو بے دریغ تہ تیغ کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ جب تم نے کمزوری دکھائی اور جو کام تمہارے ذمہ تھا اس میں جھگڑنے لگے (ایک گروہ نے کہا اب مورچے پر ٹھیرنے کی ضرورت نہیں ہے' دوسرے نے کہا نہیں ہم تو آخر تک یہیں جمے رہیں گے) اور نافرمانی کر بیٹھے (اپنے سردار (رسول اللہ ﷺ) کے حکم کی) یہ سب کچھ اس کے بعد کیا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں وہ (نصرت اور کامیابی) دکھا چکا تھا جو تمہیں محبوب ہے۔ تم میں سے کچھ تو ایسے تھے جو دنیا کے خواہش مند تھے (یعنی مال غنیمت کے پیچھے پڑ گئے (جو اگرچہ ناجائز نہیں تھا مگر اس وقت اس کے لیے دوڑنا بے موقع تھا) کچھ ایسے تھے جن کی نظر آخرت پر تھی (یعنی مال غنیمت سے بے پروا ہو کر اپنی جگہ جمے رہے اور شہید ہوئے) پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارا رخ دشمن سے پھیر دیا۔ اس طرح تمہاری فتح شکست سے بدل گئی تاکہ تمہیں (اس حادثہ سے) آزمائے (بہرحال) خدا نے تمہارا قصور معاف کر دیا۔ اور بلاشبہ وہ مومنوں کے لیے بڑا ہی فضل رکھنے والا ہے۔ یاد کرو یہ وہی وقت تھا جب تم (میدان جنگ سے) بھاگے جا رہے تھے اور حال یہ تھا کہ کسی کو پیچھے مڑ کر دیکھتے نہ تھے اور اللہ کا رسول تم کو تمہاری پہلی جماعت میں (عقب میں) پکار رہا تھا۔

(۲) اور جب تم پر مصیبت پڑی اور یہ مصیبت ایسی تھی کہ اس سے دوگنی مصیبت تمہارے ہاتھوں (بدر میں) دشمنوں پر پڑ چکی تھی تو تم بول اٹھے یہ مصیبت ہم پر کہاں سے آ پڑی۔ اے نبی (ﷺ) لوگوں سے کہہ دو (بیشک مصیبت ضرور پڑی مگر) خود تمہارے ہی ہاتھوں آئی (یاد رکھو) اللہ کو ہر بات پر قدرت حاصل ہے۔

کتاب اللہ کی مندرجہ بالا آیتوں نے ہزیمت و انتشار کا اجمالی نقشہ بھی پیش کر دیا۔ اور اس کی وجہ بھی بتا دی۔ تفصیل اور تشریح سے پہلے چند باتیں قابل توجہ ہیں۔

(۱) غلطی چند افراد کی تھی۔ مگر کتاب اللہ نے مخاطب پوری جماعت کو کیا۔ کیونکہ پوری جماعت جسد واحد اور ایک جسم ہے۔ ایک عضو کی کمزوری پورے بدن کو کمزور کر دیتی ہے۔

(۲) منشا یہ بھی ہے کہ گناہگاروں کی پردہ پوشی ہو۔ کیونکہ جرم قصداً" نہیں تھا۔ ایسا جرم تھا جس کو خطاء اجتہادی یا غلط فہمی بھی کہا جا سکتا ہے۔ اور شان ستاری یہ ہے کہ ایسے مجرموں کی پردہ پوشی کی جائے۔ البتہ غلطی کی وضاحت ضروری تھی تاکہ آئندہ کے لیے تنبیہہ ہو اور یہ خامی باقی نہ رہے۔

(۳) بعض الفاظ سخت ہیں کیونکہ کلام اللہ کا اسلوب ہی یہ ہے کہ وہ جن کو اللہ والا قرار دیتا ہے ان کی گرفت سخت کرتا ہے۔ لیکن اس اسلوب کی بنا پر کسی گستاخ مصنف کے لیے جائز نہیں کہ اللہ اور اولیاء اللہ (صحابہ کرام) کے باہمی معاملہ میں مداخلت کر کے واقعہ احد یا اس جیسے کسی واقعہ کی تعبیر کے لیے ان کے حق میں توہین آمیز الفاظ استعمال کرے جن کے متعلق حضرت حق جل مجدہ کی شہادت یہ ہے۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرَّاشِدُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً (سورہ حجرات۔ع ۱)

والزمهم كلمة التقوى وكانوا احق بها واهلها وكان الله بكل شئى عليما

اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایمان کی محبت دی۔ اور اس کو تمہارے دلوں میں سجا دیا۔ اور کفر، فسق اور عصیان کو تمہارے لیے بہت زیادہ قابل نفرت چیز بنا دیا۔ یہی ہیں وہ جو راہ راست پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور انعام سے (سورہ حجرات ع ۱)

تقویٰ کی بات کا اور ان کا دامن چولی کا ساتھ کر دیا اور وہ اس کے بہت زیادہ مستحق اور اہل ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہر ایک بات کا پورا علم رکھتا ہے۔ (سورہ فتح ع ۳)

قصہ عزیمت و شکست

وہ پچاس تیر انداز جن کو درہ کی حفاظت کے لیے مامور فرمایا گیا تھا۔ انہوں نے میدان پر نظر ڈالی۔ دشمن کا جھنڈا گرا ہوا تھا آس پاس علم برداروں کی لاشوں کا انبار تھا۔ قریش کے سورما سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ رہے تھے اور مسلمان ان کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ جوش دلانے والی خواتین کو خیموں میں بھی پناہ نظر نہ آئی تو وہ پہاڑوں اور ٹیلوں پر چڑھی جا رہی تھیں۔ میدان خالی ہو چکا تھا۔ مسلمان دشمن کے خرگاہ اور اصطبل تک پہونچ چکے تھے۔ کامیابی کا حسین چہرہ جو مسلمانوں کو محبوب تھا بے نقاب ہو کر سامنے آ چکا تھا۔

اب یہاں ٹھیرنے کی کیا ضرورت؟ چلو ہم بھی آگے بڑھیں۔ غنیمت میں حصہ لیں۔ دشمن کو زیادہ سے زیادہ ذلیل کریں۔ ارشاد رسول اللہ ﷺ (یا امیر و سپہ سالار) کی ہدایت واجب التعمیل ہے۔ مگر جب منشاء ہدایت پورا ہو گیا تو فریضہ تعمیل بھی ادا ہو چکا۔ اب ہم آزاد ہیں۔

اس حفاظتی دستہ کے بیشتر مجاہدین کا فیصلہ یہی ہوا۔ ان کے امیر عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ منشاء ہدایت کچھ بھی ہو ہمیں ہدایت پر عمل کرنا ہے۔ ہدایت یہ تھی کہ میدان میں مسلمانوں کو فتح ہو یا شکست۔ اس دستہ کا فرض ہے کہ وہ اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ اسی مورچے پر قائم رہے۔ لہٰذا ہمیں اسی مورچہ پر رہنا ہے۔ مگر صرف چند حضرات نے حضرت عبداللہ بن جبیر کی رائے کی موافقت کی وہ یہیں رہے آگے نہیں بڑھے۔

قرآن حکیم نے ان حضرات کی تحسین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ منکم من یرید الاخرۃ (تم میں وہ بھی تھے جو آخرت چاہتے تھے)

باقی تینتالیس آدمی مورچے سے ہٹ کر میدان میں پہنچ گئے اور غنیمت میں حصہ لینے لگے اگرچہ ان کے پاس عذر تھا کہ وہ اپنی فہم کے مطابق اپنی ڈیوٹی انجام دے چکے اور مورچہ سے ہٹنے کے بعد بھی مصروف جہاد ہیں۔ کیونکہ دشمن کو زک دینے کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ اس کو زیادہ سے زیادہ مالی نقصان پہنچایا جائے۔ اور جب یہ طے ہے کہ مال غنیمت پہلے اللہ اور اس کے رسول کا ہے اس کے بعد وہ ان کو دیا جائے گا جو مستحق قرار دیئے جائیں گے کوئی مجاہد بے ضابطہ ایک دھاگا بھی نہیں رکھ سکتا ورنہ اس کا جہاد اکارت اور وہ مستحق دوزخ ہو گا۔ تو مال غنیمت کی فراہمی خود غرضی یا نفع اندوزی نہیں بلکہ اللہ اور رسول کے فنڈ کے لیے رضا کارانہ خدمت ہے چونکہ ان کا متعین حصہ لا محالہ ان کو ملے گا لہٰذا حرص کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ بہرحال ان کے پاس اگرچہ یہ عذر تھے مگر کتاب اللہ نے ان سب کو نظر انداز کر کے یہ تنقید فرمائی۔ منکم من یرید الدنیا۔ بعض تم میں سے وہ ہیں جو دنیا چاہتے ہیں۔ کیونکہ صورت ایسی

ہی تھی کہ گویا خواہش دنیا اس خطا کاری کا سبب اور محرک بنی تھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کے دامن تقدس کے لیے یہ بھی نازیبا ہے کہ دنیا طلبی کا معمولی دھبہ بھی اس کے کسی شکن پر پڑ جائے۔
لیکن اللہ تعالیٰ دلوں کا حال جانتا ہے۔ ان کے عذر اگرچہ قابل پذیرائی نہیں ہوئے مگر دلوں کی پاکی نے سند معافی حاصل کرلی۔ چنانچہ اس تنقید کے ساتھ یہ تسلی بھی دیدی گئی۔

ولقد عفا عنکم و اللّٰہُ ذو فضلٍ علی المؤمنینَ

بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کے لیے بڑا ہی فضل رکھنے والا ہے۔

وعصیتم تم نے عصیان کیا

لیکن ایک نہایت نازک صورت حال اور بھی تھی (روحی فداہ) محمد (ﷺ) نے میدان جنگ میں' جب کہ فوجی لباس زیب تن تھا' ایک ہدایت دی تھی۔ اس ہدایت کی خلاف ورزی اگر کسی عذر کی بنا پر تھی اور دل میں کوئی کھوٹ نہیں تھا تو روحانی اعتبار سے نظر انداز کی جا سکتی تھی۔ یعنی یہ گناہ معاف ہو سکتا تھا۔ جیسا کہ معاف کر دیا گیا۔ مگر فوجی نظم و نسق کے لحاظ سے۔خرابی آئی وہ بے نتیجہ نہیں رہ سکتی تھی۔ پانی کا بند قصداً" توڑا جائے یا غلطی سے ٹوٹ جائے سیلاب ضرور آئے گا۔ چنانچہ جیسے ہی یہ مورچہ ٹوٹا دشمن کے سیلاب نے لشکر اسلام کو تہ و بالا کر دیا۔ یہی نتیجہ پیش نظر ہے جس کی بنا پر "لقد عفا عنکم" کے ساتھ لفظ عصیتم بھی تاریخ کا آئینہ بن کر لوح قرآن میں کندہ ہے۔

غلطی کا نتیجہ

مورچہ چھوڑنے والے مجاہدین کو اس کا اندازہ نہیں تھا کہ دشمن کی فوج کو ایسے جرنیل میسر ہیں جو اپنی عقابی نگاہوں سے تحت الثری کی چیزیں بھی دیکھ سکتے ہیں اور جنگی تدبیروں سے اپنے حریف کی فتح کو شکست سے بدل سکتے ہیں۔
خالد بن ولید۔ عکرمہ بن ابی جہل۔ جو بعد میں اسلام کے جلیل القدر جرنیل ہوئے' اس وقت فوج قریش کے ممتاز کمانڈر تھے۔ خالد بن ولید کی نظر اس مورچہ پر پڑی جو کمزور ہو چکا تھا۔ وہ سواروں کا دستہ لے کر دوڑے اور پہاڑ کے پیچھے سے اس مورچہ پر حملہ کر دیا۔ جو مجاہدین یہاں موجود تھے' انہوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور جب تک وہ زندہ رہے' سواروں کے قدم آگے نہیں بڑھ سکے۔ بالآخر یہ سب جانباز شہید ہوئے اور سواروں کا دستہ دندناتا ہوا منتشر مسلمانوں کے سروں پر پہنچ گیا۔ مسلمانوں کی صفیں ٹوٹی ہوئی تھیں اور یہ دستہ شیرازہ بند تھا۔ مسلمان پاپیادہ۔ یہ سوار۔ عربی گھوڑوں کی ٹاپوں نے گرد اڑایا تو غبار

کا بادل سروں پر چھا گیا۔ ایک دوسرے کی پہچان مشکل ہو گئی۔

قریش کی ایک بہادر خاتون (عمرہ بنت علقمہ) کو امید کی کرن نظر آئی تو اس نے گرا ہوا جھنڈا بلند کر دیا۔ جو مشرک آس پاس تھے وہ سب جھنڈے کے گرد جمع ہو گئے۔ پھر آوازیں (۶۷۴) بلند ہوئیں پیچھے پلٹو۔ تو مسلمان اور مشرک دونوں ہی پیچھے پلٹے۔ مگر تعداد میں ایک اور پانچ کا فرق تھا اور حوصلوں میں یہ تفاوت کہ مشرک پر امید اور مسلمان قدرتاً" مایوس۔

یہاں آیت بالا کے پہلے حصہ کی دوبارہ تلاوت کر لیجئے۔ جس کا مضمون ہے۔ تم دیکھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا تھا وہ پورا ہو رہا ہے۔ چنانچہ تم دشمنوں کو بے دریغ تہ تیغ کر رہے تھے یہاں تک کہ جب تم نے محبوبہ کامیابی کا نظارہ کر لیا تو تم بزدل بن گئے۔

ایک سخت جھٹکا

لشکر اسلام کو ہزیمت۔ رحمت عالم ﷺ مجروح۔ دندان مبارک شہید۔ مسلمانوں کی سراسیمگی۔ پھر اطمینان۔ صحابہ کرام کا جذبہ ایمان۔ ذات اقدس محبوب رب العالمین ﷺ کے سامنے ہر ایک مصیبت ہیچ

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ - ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ (سورہ آل عمران ع ۱۶)

جب تم دوڑے چلے جا رہے تھے اور کسی کو پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتے تھے اور اللہ کا رسول تم کو پکار رہا تھا۔ تمہارے عقب میں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک غم کے بعد دوسرے غم کا بدلہ دیا (رنج پر رنج پہنچایا) تاکہ غم نہ کھاؤ اس پر جو ہاتھ سے جاتا رہا نہ اس پر جو تم پر پڑا۔ اور یاد رکھو جو تم کرتے ہو اللہ اس کی خبر رکھنے والا ہے۔

پھر (ایسا ہوا) کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر نازل کیا غم کے بعد اطمینان (یعنی) اونگھ۔ جو تمہاری ایک جماعت پر چھا رہی تھی اور ایک جماعت تھی ان کو فکر پڑا تھا اپنی جانوں کا خیال کرتے تھے اللہ کی جناب میں ناحق خیال جو عہد جاہلیت کے خیال تھے۔

عجیب افراتفری کا وقت تھا۔ میدان میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ صرف وہ چند صحابہ تھے جو محافظ دستہ کے طور پر وہاں حاضر تھے۔ باقی مجاہدین میدان جنگ سے آگے غنیم کے خیموں تک پہونچے ہوئے تھے کہ

دفعتہً خالد بن ولید کا اسپ سوار دستہ درہ سے گذر کر حملہ آور ہوا۔ عمرہ بنت علقمہ نے قریش کا گرا ہوا جھنڈا بلند کر دیا۔ جو مشرک میدان میں باقی تھے وہ فوراً جھنڈے کے گرد جمع ہو گئے۔ بڑی تعداد جو بھاگی جا رہی تھی اس کو آواز دینے لگے۔ وہ بھی پلٹ پڑی۔ مسلمان پہلے سے تعداد میں ایک چوتھائی سے بھی کم تھے مگر وہ جتھہ بند تھے۔ صفیں اس طرح قائم کی گئی تھیں کہ ایک مضبوط حصار کی شکل پیدا ہو گئی تھی۔ مگر اب یہ قلیل طاقت بھی منتشر تھی اور اسی انتشار کی حالت میں پلٹی تو دشمن کی فوج میں پھنس کر رہ گئی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جب یہ واقعہ بیان فرمایا کرتے تھے تو دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسری میں پھنسا کر سمجھایا کرتے تھے کہ مسلمان اس طرح مشرکوں کے جال میں (۶۷۵) پھنس گئے تھے۔

دشمن کی کثرت کے علاوہ گردو غبار نے نہ صرف چہروں کو مشتبہ کر دیا تھا بلکہ فضا کو بھی یہاں تک تاریک کر دیا تھا کہ ایک دوسرے کی پہچان مشکل ہو گئی تھی' اسی کش مکش میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد "یمان رضی اللہ عنہ" خود مسلمانوں (۶۷۶) کے نرغہ ہی میں آ گئے۔ ان پر تلواریں برس پڑیں۔ حضرت حذیفہ چلائے کہ "میرے والد" ہیں۔ مگر جب تک ان کی آواز کانوں میں پڑے حضرت "یمان رضی اللہ عنہ" شہید ہو چکے تھے۔ اب پچھتانے سے کیا ہو سکتا تھا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بھی شکایت کا موقع نہ تھا۔ انہیں حسرت سے یہی کہنا پڑا۔ مسلمانو! خدا تمہیں بخش دے۔ (۶۷۷)

اسی ہلچل اور اضطراب میں عبداللہ بن قمیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئے۔ اس نے تلوار سے آپ پر حملہ کیا۔ اسلام کی بہادر خاتون حضرت ام عمارہ مازنیہ سامنے آ گئیں۔ تلوار ان کے مونڈھے پر پڑی جس سے اتنا گہرا زخم ہوگیا کہ اس کا گڑھا ہمیشہ یادگار' حضرت ام عمارہ نے بھی تلوار کا جواب تلوار سے دیا۔ مگر وہ زرہ پہنے ہوئے تھا اس پر اثر نہیں ہوا۔ (۶۷۸)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب پسلیوں پر بھی ابن قمیہ کی تلوار پڑی۔ آہنی زرہوں کی وجہ سے (جو جسد اطہر پر تھیں) زخم تو نہیں ہوا مگر اس کی دکھن بہت بعد تک باقی رہی۔ (۶۷۹) اس مرتبہ حضرت طلحہ نے تلوار کو ہاتھ سے روکنا چاہا۔ حضرت طلحہ کی انگلیاں کٹ گئیں مگر تلوار نہ رک سکی۔ (۶۸۰)

مہاجرین اسلام کے علم بردار "حضرت مصعب بن عمیر" نے ابن قمیہ کا مقابلہ بڑی ہمت سے کیا مگر جان بچانے میں کامیاب نہ ہو سکے البتہ جام شہادت نوش کرنے میں کامیاب ہو گئے'

علم بردار شہید ہوئے جھنڈا گرا۔ ابن قمیہ نے شور مچا دیا۔ میں نے "محمد" صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیا۔ (۶۸۱)

مسلمان جو پہلے سے گھرے ہوئے اور سراسیمہ تھے اس آواز سے ان کے حواس اور بھی خطا ہو گئے۔ کسی نے ہمت ہار دی مگر جو ہمت والے تھے ان کا بھی زور نہیں چل رہا تھا۔ جو جہاں تھا وہیں کھڑا ہوا تھا۔ کچھ وہ تھے جو اس گھمسان سے باہر تھے مگر ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ کہ اس بھیڑ میں گھسیں۔ بعض نے

پہاڑوں کا راستہ لیا۔ ایک دو مدینہ کی طرف چل دیئے۔

حضرت عمر فاروق اور حضرت طلحہ بن عبیداللہ جیسے باحوصلہ بہادروں کے بھی دل ٹوٹ گئے تھے۔ میدان کے ایک کنارہ پر پریشان حال کھڑے تھے۔ کچھ اور مہاجر و انصار بھی ان کے ساتھ تھے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے چچا حضرت انس بن نضر (۶۸۲) اس طرف پہونچے ان سے دریافت کیا کیسے کھڑے ہو۔ جواب ملا۔ رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) شہید ہو چکے۔

حضرت انس بن نضر نے فوراً" جواب دیا۔

آپ کے بعد جی کر کیا کریں گے۔ جس پر رسول اللہ نے جان دی تم بھی اس پر مرمٹو۔ (۶۸۳) یہ کہہ کر تلوار سنبھالی' غنیم کی فوج کی طرف لپکے۔ راستہ میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا کہاں جاتے ہو۔ جواب دیا۔ رب نضر کی قسم احد کے اس طرفہ بوئے جنت سونگھ رہا ہوں۔ پھر دشمن کی فوج میں گھس گئے اور لڑ کر جان دیدی۔ شہادت کے بعد ان کی لاش دیکھی گئی۔ تو اسی سے زیادہ تیر' تلوار اور نیزہ کے زخم تھے۔ کوئی پہچان نہیں سکتا تھا۔ صرف ان کی ہمشیرہ نے انگلی (یا) تل دیکھ کر پہچانا۔ (۶۸۴)

گر نثار قدم یار گرامی نہ کنم
گوہر جاں بچہ کارے دگرم باز آید

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی انہیں مشتاقان شہادت میں سے تھے۔ یہ رات ہی کو اپنے لخت جگر جابر سے کہہ چکے تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جاں نثاران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے جو سب سے پہلے قربان ہوں گے میں ان میں سب سے پہلا شخص ہوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ سینہ پر بہت سے زخم کھا کر آپ نے جامِ شہادت نوش کیا۔ کینہ پرور دشمنوں نے ان کے ناک کان بھی کاٹ ڈالے تھے۔ (۶۸۵)

حضرت ثابت بن دحداح انصاری نے انصاری دوستوں کو مخاطب کر کے کہا۔

جماعت انصار! اگر محمد رسول اللہ شہید کر دیئے گئے ہیں تو رب محمد تو حی لایموت ہے آگے بڑھو۔ حی قیوم کے دین کی حمایت میں جانیں قربان کر دو۔ یہ کہہ کر آگے بڑھے۔ انصاری دوستوں کی جماعت ساتھ ساتھ تھی۔ قریش کے ایک جتھ پر حملہ کر دیا۔ جس میں خالد بن ولید۔ عکرمہ بن ابی جہل عمرو بن العاص اور ضرار بن الخطاب وغیرہ تھے۔ تلواروں اور نیزوں سے سخت مقابلہ کیا اور ایک ایک کر کے تمام ساتھی شہید ہو گئے۔ (۶۸۶)

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

رحمت عالمین دشمنوں کے نرغہ میں

رسول خدا ﷺ نے جب لوگوں کو آواز دی الی عباد اللہ۔ الی عباد اللہ اس وقت تیس صحابہ آپ کی خدمت میں حاضر (۶۸۷) تھے۔ لیکن دشمن کا دباؤ بڑھا تو اس ریلے میں یہ حضرات بھی جدا ہو گئے' ایک (۶۸۸) درجن یا اس سے بھی کم آپ ﷺ کے ساتھ رہ گئے۔ لیکن جب اور گھمسان ہوا تو یہ بھی بچھڑ گئے۔ آنحضرت ﷺ ان سب سے الگ تھے۔ جب پتھر آکر لگا' اس گھمسان میں تیر اور تلوار کا ہوش ان دشمنوں کو بھی نہیں تھا اس لیے پتھراؤ شروع کر دیا تھا۔ تین بدبخت تھے جن کے پتھر یکے بعد دیگرے آپ ﷺ کے لگے۔ عتبہ بن ابی وقاص۔ عبداللہ بن شہاب زہری۔ ابن قمیہ حارثی۔

عتبہ بن ابی وقاص کا پتھر چہرہ مبارک پر دہنی جانب لگا۔ جس سے نیچے کے دو دانت دہنی جانب کے شہید ہو گئے۔ نیچے کا ہونٹ چھٹ گیا۔ عبداللہ بن شہاب زہری کا پتھر پیشانی مبارک پر لگا۔ عبداللہ بن قمیہ جو پہلے بار بار حملے کر چکا تھا اور حضرت مصعب بن عمیر کو شہید کر کے شور مچا چکا تھا کہ میں نے محمد کو قتل کر دیا۔ جب اس نے یہ دیکھا کہ یہ "زندہ جاوید" موجود ہے (ﷺ) تو دور ہی سے پتھر پھینک کر مارا جو جھالر سے ٹکراتا ہوا چہرہ پر لگا جس سے جھالر کی دو کڑیاں رخسار انور میں گھس گئیں۔ (۶۸۹) (ﷺ)

ابو عامر فاسق نے جو گڑھے کھدوائے تھے ان میں کا ایک گڑھا یہاں بھی تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (روحی فداہ) اس میں گر گئے (۶۹۰)۔ جس سے آپ ﷺ کے دونوں گھٹنے بھی چھل گئے (۶۹۱)۔ اب تھوڑا سا وقفہ ایسا گذرا کہ یہ قبلہ دین و ایمان آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ تحریر میں نہیں لایا جا سکتا کہ شمع نبوت کے پروانوں پر یہ لمحات کیسے گذرے۔ ایک ہیجان انگیز اضطراب تھا جس نے سب کچھ بھلا دیا تھا۔ یہی وہ وقفہ ہے جس میں پچاس (۶۹۲) سے زیادہ سرفروش شہید ہو گئے۔

جستجو اور کامیابی

جاں نثاران بااخلاص کے دل مضطرب دست و بازو دشمنوں کے دفاع میں مصروف مگر نگاہیں آقاء رحمت کو ڈھونڈھ رہی تھیں۔ سب سے پہلے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی نظر پڑی۔ خود کے ڈھلکے ہوئے جھالر (مغفر) سے چہرہ مبارک چھپا ہوا تھا صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔ حسن جہاں آراء اور جمال روح آفریں کے انہیں دو چشموں سے حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے کعبہ مقصود کو پہچانا۔

بے تابانہ زبان سے نکلا۔ مسلمانو! بشارت ہو۔ رسول اللہ یہ ہیں (ﷺ) آنحضرت ﷺ نے فوراً" اشارہ کیا۔ شور نہ کریں (۶۹۳)۔ مگر اس مژدہ جاں بخش کی بھنک جس کے کان میں پڑی وہ اس آواز کی طرف دوڑا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس طرف دوڑے۔ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا جو ان کے آگے تھا بڑی دلیری اور بے جگری سے لڑ رہا تھا اور دشمنوں کو دھکیل رہا تھا۔ خیال ہوا یہ طلحہ ہیں۔ دیکھا تو حضرت طلحہ

تھے۔ ؓ۔

حضرت صدیق اکبر کا بیان ہے کہ ایک اور شخص پر میری نظر پڑی۔ اس کے سب طرف دشمن تھے پچھلی طرف میں تھا۔ یہ دشمنوں پر تلوار چلا رہا تھا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کھسک رہا تھا۔ میں آنحضرت ﷺ کے قریب پہنچ گیا تھا۔ یہ صاحب میرے بعد پہنچے۔ میں نے پہچانا یہ ابو عبیدہ بن جراح تھے۔ ؓ۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ فرماتے ہیں۔ اسی طرح دشمنوں کو ہٹاتے ہوئے ہم شاہ دوجہان ﷺ تک پہنچ گئے۔ روئے مبارک مجروح تھا۔ دندان مبارک شہید تھا مغفر کی کڑیاں رخسار مبارک میں گڑی ہوئی تھیں۔

حضرت ابوبکر ؓ نے کڑیاں نکالنے کا ارادہ کیا تو حضرت ابوعبیدہ ؓ نے قسم دے کر کہا۔ اس خدمت کا موقع انہیں دیجئے۔ ہاتھ سے کڑیاں نکالنے میں تکلف زیادہ ہوئی تو دانتوں میں دبا کر ایک کڑے کو کھینچا۔ کڑی نکل آئی۔ مگر ساتھ ہی حضرت ابوعبیدہ ؓ کا دانت بھی ٹوٹ گیا۔

دوسری کڑی حضرت صدیق نکالنا چاہتے تھے۔ حضرت ابوعبیدہ ؓ نے پھر قسم دے کر کہا کہ مجھے ہی موقعہ دیجئے۔ حضرت ابوعبیدہ ؓ نے دوسرے دانت سے دبا کر کڑی نکالی تو ساتھ ساتھ ابوعبیدہ کا دوسرا دانت بھی شہید ہو گیا۔

ابوعبیدہ ؓ کے دو دانت ٹوٹ گئے۔ مگر چہرے کی رونق ایسی بڑھ گئی کہ کوئی دنداں شکستہ ایسا حسین نہیں معلوم ہوتا تھا۔ (۶۹۴)

دشمنوں کو جیسے ہی اندازہ ہوا۔ انہوں نے اس طرف تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ یہ دونوں بزرگ دانت نکالنے میں مصروف تھے۔ حضرت طلحہ ؓ تیروں کو اپنے بازو پر لیتے رہے۔ اسی سے زیادہ تیروں اور تلواروں کے زخم بدن پر لگے۔ ایک بازو بالکل شل (۶۹۵) ہو گیا۔ یہی ایثار تھا جس کی بنا پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ ذلک یوم کلہ لطلحۃ۔ (۶۹۶)

اسی اثناء میں آنحضرت ﷺ نے چاہا کہ گڑھے سے نکل کر اوپر تشریف رکھیں مگر ضعف اور نقاہت کے علاوہ دوزرہوں کا بوجھ بھی تھا' جو آپ ﷺ پہنے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے چڑھنا چاہا مگر چڑھا نہیں گیا تو حضرت طلحہ ؓ نیچے بیٹھ گئے اور آقا دوجہان کو پشت پر بٹھا کر اوپر چڑھا دیا۔ (۶۹۷) آنحضرت ﷺ نے خوش ہو کر فرمایا۔ اوجب طلحۃ (۶۹۸) طلحہ نے جنت پکی کر لی۔

اس وقت حضرت علی ؓ بھی حاضر تھے آپ نے آنحضرت ﷺ کو اوپر چڑھنے میں سہارا دیا۔ (۶۹۹)

سرکار دو عالم ﷺ کے ایک شیدائی مالک ؓ بن سنان نے (حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے والد) چہرہ مبارک سے خون بہتے ہوئے دیکھا۔ اس وقت اور کچھ نہیں کر سکتے تھے تو لب لگا کر خون چوس (۷۰۰) لیا اور جب منہ بھر گیا تو تھوکنے کے بجائے نگل لیا۔ (۷۰۱)

چٹان کے اوپر سے میدان سامنے تھا۔ جیسے ہی مضطرب جان نثاروں کو دیدار نصیب ہوا مسرت کی لہر

دوڑ گئی۔ شکست و ناکامی کا سارا غم جاتا رہا اور دیوانہ وار شمع رسالت کی طرف دوڑنے لگے۔ لیکن ساتھ ساتھ دشمنوں نے بھی اس طرف کا رخ کیا۔ تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی اور آگے بڑھ بڑھ کر تلواروں سے حملے کرنے لگے۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اپنا شانہ اور پہلو تیروں کی طرف کیے ہوئے تھے۔ حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ بھی پہونچے اور ڈھال بن کر کھڑے ہو گئے۔ سینہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر جھکائے ہوئے تھے اور کمر پر تلواریں پڑ رہی تھیں تیر برس رہے تھے۔ (۷۰۲)

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ آگے آئے اور نشست صحیح کر کے دشمنوں پر تیر برسانے لگے۔ آنحضرت ﷺ تیر اٹھا اٹھا کر دیتے جاتے تھے اور حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ تاک تاک کر مار رہے تھے۔

اس وقت معرکہ حق و باطل کی تاریخ میں ایک نہایت نادر مثال کا اضافہ ہو رہا تھا۔ یعنی ابو وقاص کے ایک بیٹے عتبہ نے پتھر مار کر روئے انور کو مجروح کیا تھا۔ دوسرا بیٹا "سعد" اس کی حفاظت کے لیے تیر اندازی کا کمال دکھا رہا تھا اور لسان مقدس سے کلمات تحسین سن رہا تھا کہ تم پر میرے ماں باپ قربان۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا خود اپنا بیان ہے۔

نثل لِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ کمتانته یَوۡمَ اُحُد وَقَالَ ارم فِدَاکَ اَبِیۡ وَ اُمِّیۡ

آنحضرت ﷺ نے میرے سامنے اپنے ترکش سے تیر نکال کر ڈال دیئے اور فرمایا میرے ماں باپ تم پر قربان۔ تیر مارو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے میرے کانوں نے کبھی نہیں سنا کہ آنحضرت ﷺ نے کسی کے لیے اپنے ماں اور باپ دونوں جمع کر کے "فداک ابی و امی" فرمایا ہو۔ یہ شرف صرف حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا۔ (۷۰۳)

حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ مشہور تیر انداز تھے۔ کمان پر آپ کا ہاتھ بہت بھاری پڑتا تھا۔ بڑی زور سے تانت کھینچتے تھے۔ مضبوط کمان ہی آپ کا ہاتھ سہار سکتی تھی۔ آپ کا تیر نشانہ کو پار کرتے ہوئے بہت دور پہونچتا تھا۔ اس روز کئی کمانیں آپ کے ہاتھ میں ٹوٹ گئیں۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ایک طرف تھے۔ دوسری طرف حضرت ابو طلحہ نے اپنے ڈھال سے آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک کے سامنے آڑ کر رکھی تھی۔ اب طلحہ رضی اللہ عنہ کے تیر کو خود آنحضرت ﷺ بھی دیکھتے کہ کہاں پہونچا لیکن جیسے ہی آنحضرت ﷺ گردن اٹھاتے، ابو طلحہ عرض کرتے۔ رسول خدا۔ آپ پر جان عزیز قربان۔ آپ گردن نہ اٹھائیں۔ نصیب اعداء کہیں کوئی تیر نہ لگ جائے۔ یہ میرا سینہ آپ کے سامنے ہے۔ (۷۰۴)

تیر ختم ہونے لگے تو جس جس کے پاس ترکش تھے آنحضرت ﷺ اس سے ترکش لیتے اور حضر

ابو طلحہ کے سامنے تیر ڈال دیتے تھے۔ (۷۰۵)

یہ قدر انداز تھے۔ اسی طرح تیغ زن اپنے جوہر دکھا رہے تھے۔ اسی میں مشتاقان شہادت کے ارمان جان نثاری بھی پورے ہو رہے تھے۔ ایک مرتبہ دشمنوں کا ہجوم ہوا۔ آپ نے فرمایا من رجل یشری لنا نفسه (۷۰۶) کوئی مرد ہے جو میرے لیے اپنی جان قربان کرے۔ دفعتہ" سات جان نثار انصاری۔ (۷۰۷) سامنے آئے اور شمشیر زنی کے جوہر دکھاتے ہوئے سب شہید ہو گئے۔ ان میں پیش قدمی کرنے والے بہادر زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ انصاری تھے۔ یہ سب سے آخر میں مجروح ہو کر گرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان کو اٹھا کر میرے سامنے لاؤ۔ ابھی کچھ جان باقی تھی۔ جیسے ہی قریب پہونچے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر سر رکھ دیا اور جان دے دی (رضی اللہ عنہ)

منم و ہمیں تمنا کہ بوقت جاں سپردن
بہ رخ تو دیدہ باشم تو درون دیدہ باشی

ایک بہادر مسلمان۔ بے پروائی سے کھڑا کھجوریں کھا رہا تھا۔ اس نے بڑھ کر پوچھا۔ یارسول اللہ میں مارا جاؤں تو کہاں رہوں گا۔ ارشاد ہوا۔ جنت میں۔ یہ بشارت کانوں میں پڑی تو بے خود تھا کھجوریں پھینکیں کہ اتنی دیر بھی کیوں ہو۔ تلوار سنبھالی۔ کفار پر ٹوٹ پڑا اور جان دے دی۔ (۷۰۸) رضی اللہ عنہ۔

گر مشاہدہ دوست از پس مرگ است
حیات خضر و مسیحا نصیب دشمن باد

اس مدافعت اور بے نظیر جان نثاری کے باوجود دشمنوں کا ہجوم ذات اقدس پر اتنا تھا کہ تقریبا" ستر مرتبہ آپ پر تلواروں کے حملے ہوئے۔ (۷۰۹)

حفاظت کے غیبی اسباب

سیدنا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر موجود رہے اور دشمنوں پر تیر برساتے رہے بڑے وثوق سے فرماتے ہیں کہ میں برابر دیکھتا رہا کہ دو شخص آپ کے ساتھ ہیں اور بڑی سختی سے مدافعت کر رہے ہیں۔ ان کے لباس سپید تھے۔ ان کو نہ میں نے پہلے کبھی دیکھا تھا نہ اس کے بعد کبھی دیکھا۔ (۷۱۰)

رئیس مکہ امیہ بن خلف غزوہ بدر میں مارا گیا تھا۔ اس کا بھائی "ابی بن خلف" مکہ میں کہا کرتا تھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو میں قتل کروں گا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کا یہ دعویٰ سنتے رہتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ یہ بھی فرمادیا تھا۔ وہ نہیں بلکہ انشاء اللہ میں اس کو قتل کروں گا۔

اس وقت جب دشمنوں کی طرف سے پے در پے حملے ہو رہے تھے اور جاں نثار خدام اپنی جانوں پر

کھیل کر مدافعت کر رہے تھے۔ ابی بن خلف گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا۔ صحابہ اس کی طرف بڑھنے لگے تو آپ نے سب کو منع فرما دیا۔ اور فرمایا اس کو میرے پاس آنے دو۔ جب وہ قریب پہنچ گیا تو آپ نے حضرت حارث بن صمہ سے جو برابر میں کھڑے تھے' حربہ لے لیا اور ابی بن خلف کے اوپر پھینک مارا۔ وہ حربہ ابی کی گردن پر اچٹتا ہوا لگا جس سے خراش آگیا مگر اس معمولی خراش کا یہ اثر ہوا کہ ابی تڑپ کر گھوڑے سے گر پڑا۔ فوراً اٹھا' سوار ہوا پھر گر گیا۔ اس طرح گرتا پڑتا چنگھاڑتا ہوا بھاگا۔ اپنے ساتھیوں کے پاس پہونچا تو انہوں نے کہا۔ پریشان ہونے کی بات نہیں' نہ اتنے چیخنے کی کوئی وجہ ہے' معمولی خراش ہے۔ تم بلاوجہ اتنے بے تاب ہو رہے ہو۔ ابی نے کہا یہ معمولی ضرب نہیں۔ یہ محمد ﷺ کے ہاتھ کی ضرب ہے۔ اگر وہ تھوک بھی دیتا تو (۷۱۱) مجھے مار ڈالتا۔ مجھے جو تکلیف ہے اگر سارے مکہ والوں پر تقسیم کر دی جائے تو سب کی جان نکل جائے۔

ابی بن خلف اسی طرح تڑپتا رہا۔ یہاں تک کہ واپسی میں جب "سرف" (۷۱۲) پہونچا تو اس نے دم توڑ دیا۔ وہیں اس کو دبا دیا گیا۔ (۷۱۳)

صرف یہی ایک بدنصیب تھا جس کو دست نبی سے گزند پہونچا۔ ورنہ آپ پر تیر برستے رہے تلواریں پڑتی رہیں۔ مگر آپ ﷺ نے ہاتھ نہیں اٹھایا۔ کیونکہ سب سے زیادہ بدنصیب وہ ہے جو نبی کے ہاتھ سے مارا جائے۔ (۷۱۴) آپ نہیں چاہتے تھے کہ کسی کو اپنے ہاتھ سے بدنصیب و بدبخت بنائیں۔

بے خودی عشق و محبت

رہرواں را خستگی راہ نیست
عشق ہم راہ ست و ہم خود منزل ست

فَاَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَافَاتَكُمْ وَلَا مَا اَصَابَكُمْ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ - ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُعَاسًا يَغْشٰى طَائِفَةً مِنْكُمْ (سورہ آل عمران ع ۱۶)

پس بدلہ میں دیا تم کو غم پر غم (اندوہ بالا اندوہ) (۷۱۵) تاکہ تم غم نہ کرو اس پر جو تم سے جاتا رہا اور نہ اس (مصیبت) پر جو تم پر پڑی اور اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو پھر نازل کیا تم پر غم (ابتری اور پریشانی) کے بعد امن (اطمینان و سکون اور بے خوفی) ایک غنودگی جو تمہارے ایک گروہ پر چھا رہی تھی۔

یہ حصہ دامن کوہ میں تھا جہاں جان دو عالم (ﷺ) تشریف فرما تھے۔ دشمن اوپر سے حملہ کر سکتا تھا۔

اس لیے آنحضرت ﷺ وہاں سے ہٹ اوپر ٹیلے پر تشریف لے گئے۔ یہاں ایک چٹان کے پیچھے کچھ مسلمان تھے جو مایوس ہو کر اور ہمت ہار کر یہاں بیٹھ گئے تھے اور سوچ رہے تھے کہ مستقبل کیا ہو گا۔ کسی کا خیال یہ بھی تھا کہ عبداللہ بن ابی سے کچھ بات چیت کی (۷۱۶) جائے کہ دفعتہ" ایک مسلح شخص زرہ پوش خود لگائے ہوئے سامنے آیا۔ اس کے ساتھ اور بھی آدمی تھے۔ یہ پہلے سے سہمے ہوئے تھے۔ خیال کیا کہ دشمن یہاں بھی حملہ آور ہو گیا۔ فورا" کمانیں سنبھالیں اور تیر سیدھے کرنے لگے۔ آنحضرت ﷺ نے پکار کر فرمایا۔ میں محمد رسول اللہ ہوں۔ (۷۱۷) اب کیا تھا مردہ قالبوں میں جان پڑ گئی۔ مسرت کی لہر دوڑ گئی سارے غم غلط ہو گئے۔ جان دو جہان (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شہادت کی خبر شور محشر تھا جس نے زندوں کو مردہ بنا دیا تھا۔ اب سلامتی کی خبر ہی نہیں پہونچی بلکہ جمال جاں پرور کی زیارت ہو گئی تو مردہ روحیں زندہ ہو گئیں جو بچھڑ گئے تھے وہ مل گئے۔ رحمتہ للعالمین کا دامن شفقت سب پر سایہ فگن ہوا تو مضطرب روحوں کو وہ سکون اور بے چین دلوں کو وہ چین نصیب ہوا کہ نیند آنے لگے غنودگی طاری ہو گئی۔ وحی الٰہی نے اسی انعام بیکراں کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے جو سر عنوان ہیں۔ جن کا مفہوم یہ ہے۔

> ایک (۷۱۸) رنج شکست کا تھا۔ اس پر دوسرا صدمہ اس افواہ سے پہونچا کہ رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) شہید کر دیئے گئے۔ یہ غم اور صدمہ پہلے کے مقابلہ میں اتنا سخت تھا کہ پچھلی تمام مصیبت اور پریشانی فراموش ہو گئی اور جب یہ خبر غلط ثابت ہوئی اور آنحضرت ﷺ کا جلوہ روح پرور نظر آیا تو پہلا غم ختم ہو گیا۔ اب نہ صدمہ رہا نہ افسوس۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ایک اطمینان اور سکون عطا فرمایا ایسا سکون جس کا اثر صرف دل پر نہیں بلکہ دماغ پر بھی پڑا اور غنودگی طاری ہو گئی۔ (جو میدان جنگ میں ایمان کی علامت ہوتی ہے)

وہی حضرت ابو طلحہ ؓ جنہوں نے تیر پھینکتے پھینکتے کئی کمانیں توڑ دی تھیں فرمایا کرتے تھے اس وقت جو سکون میسر ہوا تو خود میری حالت یہ تھی کہ ایسی غنودگی طاری ہوئی کہ تلوار میرے ہاتھ سے بار بار گر جاتی تھی۔ میں اٹھاتا تھا پھر گر جاتی تھی۔ (۷۱۹)

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ جیسے اکابر کا ارشاد ہے کہ میدان جنگ میں نیند ایمان کی علامت ہے (اللہ پر مکمل بھروسہ ہوتا ہے جس سے دل بے خوف اور مطمئن ہو جاتا ہے) اور نماز میں نیند شیطان کے اثر سے ہوتی ہے۔ (۷۲۰)

انصار میں سے ایک محترمہ کے باپ۔ بھائی۔ شوہر سب اس معرکہ میں شہید ہو گئے تھے ان تین جان کاہ حادثوں کی خبرباری باری اس کے کانوں میں پڑتی جاتی تھی وہ ہر بار صرف یہ پوچھتی تھی کہ رسول اللہ (ﷺ) کیسے ہیں۔ لوگوں نے کہا بخیر ہیں۔ پاس آکر روئے انور کی زیارت سے آنکھیں ٹھنڈی کیں اور بے

اختیار پکار اٹھی۔

کل مصیبة بعدک جلل آپ سلامت ہیں تو ہر مصیبت ہیچ ہے۔ (۷۲۱)

اے شہ دیں ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم (۷۲۲)

حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ اور ان کا آخری پیغام

آنحضرت ﷺ جاں نثاروں کے حلقہ پر نظر ڈال رہے تھے اور حالات دریافت فرما رہے تھے۔ اسی میں ارشاد ہوا۔ سعد بن ربیع نظر نہیں آ رہے۔ انہیں تلاش کرو۔ زندہ ہیں یا یہ بھی شہید ہو گئے۔ انصار میں سے ایک صاحب اٹھے کہ میں پتہ لگاتا ہوں۔ کشتگان راہ حق کی لاشیں جو ابھی میدان میں منتشر تھیں ان کو دیکھا ان میں حضرت سعد بن ربیع بھی ہیں۔ قریب پہونچے تو ابھی رمق باقی تھی۔ میں نے آواز دے کر کہا مجھے رسول اللہ ﷺ نے بھیجا ہے کہ آپ کو دیکھوں۔ آپ کس حال میں ہیں۔ فرمایا۔ رخصت ہو رہا ہوں۔ محبوب آقا محبوب رب العالمین کو میرا سلام پہونچا دیجئے اور شکریہ ادا کر دیجئے کہ ہمیں حق کا راستہ بتایا۔

امتوں کی اصلاح اور رہنمائی کی جو جزا انبیاء علیہم السلام کو دی جائے گی میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب سے بہتر جزا ہمارے آقا ﷺ کو عطا فرمائے۔ اور دیکھو میرا یہ پیغام ہے'

جب تک کوئی ایک جھپکنے والی آنکھ بھی تم میں رہے۔ اگر دشمن نے آقاء دوجہان ﷺ کا بال بیکا کر دیا تو تمہارے پاس کوئی عذر نہیں ہو گا کہ خدا کے حضور میں پیش کر سکو۔

یہ آخری پیغام سنایا اور رخصت ہو گئے۔ میں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پورا ماجرا سنا دیا۔ (۷۲۳)

یہ سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ ان متقدمین سے تھے جو مدینہ منورہ میں آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے تقریباً" دو سال پہلے سے ایک نقیب کے فرائض انجام دے رہے تھے مہاجرین کی آمد کے بعد آنحضرت ﷺ نے جب مہاجر اور انصار کے درمیان رشتہ اخوت قائم کیا تھا تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو انہیں سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کا بھائی قرار دیا تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنی املاک کا نصف حصہ اس بھائی چارہ کی بنا پر حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو دیدیا تھا اور یہ پیش کش بھی کی تھی کہ ان کی دو بیویوں میں سے جس کو مناسب سمجھیں مجھے بتا دیں میں اس کو طلاق دیدوں گا جب عدت گذر جائے تو وہ نکاح کر لیں۔ (۷۲۴)

ایک صاحب نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ایک لڑکی کو چھاتی پر بٹھائے ہوئے ہیں اور چمکار رہے ہیں۔ کسی نے دریافت کیا کہ یہ کس کی صاحبزادی ہیں۔ فرمایا اس شخص کی جو مجھ سے بہتر تھے۔ جو بعیت عقبہ کے وقت نقیب بنائے گئے۔ جنگ بدر میں شریک ہوئے اور احد میں شہید ہوئے۔ (۷۲۵)

ایک اور جھڑپ

آنحضرت ﷺ ٹیلے پر تشریف فرما تھے۔ گرداگرد جاں نثار حاضر تھے تو دیکھا۔ ابو سفیان پہاڑ کی بلندی پر چڑھا ہوا ہے۔ سواروں کا ایک دستہ ساتھ ہے۔ خالد بن ولید آگے آگے ہیں اور مسلمانوں پر حملے کے لیے تیار ہو رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر وہی جملے آ گئے جو غزوہ بدر کے موقع پر بار بار صادر ہوئے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ اِنْ تَشَاءُ لَا تُعْبَدُ فِی الْاَرْضِ

خداوند اگر تیری مشیت یہی ہے تو روئے زمین سے تیری عبادت ختم ہو جائے گی۔

قلب مبارک مصروف دعا تھا اور فدا کار حضرت عمرؓ کی قیادت میں اس پہاڑ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ معمولی سا مقابلہ ہوا۔ دونوں طرف سے تیر اور پتھر برسائے گئے۔ مگر دشمن ٹھیر نہیں سکا۔ (۷۲۶) وہ پسپا ہو کر یہاں سے ہٹا اور دوسرے پہاڑ پر پہونچ کر فقرہ بازی شروع کر دی۔

ابوسفیان نے پکار کر پوچھا محمد ہیں (ﷺ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا دیا' کوئی جواب نہ دے۔ پھر اسی طرح ابن ابی قحافہ (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) ابن خطاب (عمر فاروق ؓ) کو پکارا۔ اور جب جواب نہ ملا تو پکار کر کہا' سب مارے گئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ضبط نہ ہو سکا۔ بولے۔ دشمن خدا۔ غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو محفوظ رکھا ہے جو تجھے رسوا کریں گے۔

پھر ابوسفیان نے نعرہ لگایا۔ اعل ھبل ہبل (بت کا نام) اونچا رہ (تیری جے ہو) آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ جواب دو اللہ اعلیٰ واجل۔ خدا سب سے اونچا اور سب سے بڑا ہے۔

پھر ابوسفیان نے پکارا۔

لَنَا الْعُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ

ہمیں عزیٰ (بت کا نام) نصیب ہے تمہارے پاس عزیٰ نہیں (تم عزیٰ کی حمایت سے محروم ہو)

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ جواب دو۔

اَللّٰہُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ

اللہ ہمارا مددگار ہے۔ تمہارا کوئی مددگار نہیں

ابوسفیان نے کہا۔ آج کا دن۔ بدر کے دن کا جواب ہے۔ اور جنگ کنوئیں کا ڈول ہوا کرتی ہے۔ کبھی ایک کا ڈول اوپر کبھی دوسرے کا۔ تم دیکھو گے کچھ مردوں کے ناک کان کاٹ دیئے ہیں۔ میں نے اس کا حکم نہیں کیا تھا۔ مگر میں اس سے ناراض بھی نہیں ہوں۔ (۷۲۸)

لشکر قریش واپس

غزوہ احد کا ہنگامہ ظہر کے وقت تک ختم ہو چکا تھا۔ ظہر کی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر پڑھی۔ بہت سے صحابہ کرام جو مجروح مضروب تھے انہوں نے بھی بیٹھ کر نماز پڑھی۔ (۴۲۹)
تقریباً" یہی وقت تھا کہ لشکر قریش میدان احد سے روانہ ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہدایت فرمائی کہ پتہ لگائیں قریش کس طرف جا رہے ہیں۔ اگر مدینہ کا رخ کر رہے ہیں تو ہم فوراً" مدینہ پہونچ کر ان کا مقابلہ کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرما دیا کہ اگر وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر روانہ ہوں گے اور اونٹوں کو ہنکا کر لے چلیں گے تو وہ مدینہ جائیں گے اور اگر مکہ کا قصد کریں گے تو جیسا کہ لمبے سفر کا قاعدہ ہے اونٹوں پر سوار ہوں گے اور گھوڑوں کو ساتھ لے چلیں گے۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے اور واپس آ کر خبر دی کہ اونٹوں پر سوار ہو کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے ہیں۔ (۴۳۰)
اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی زخمی حالت میں میدان میں تشریف لائے۔ زخمیوں کی خبر گیری فرمائی۔ شہداء کی لاشوں کو دیکھا۔ ان کے جو عزیز پہنچ رہے تھے ان کو دلاسا دیتے رہے اور تعزیت فرماتے رہے۔

فاتح مرعوب اور ہیبت زدہ شکست خوردہ مطمئن اور بے خوف

(۱) سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَالَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطَانًا (سورہ آل عمران ع ۱۶)

ثم انزل علیکم من بعد الغم امنة نعاسا

وہ وقت دور نہیں کہ ہم منکرین حق کے دلوں میں تمہاری ہیبت بٹھا دیں گے یہ اس لیے ہو گا کہ انہوں نے خدا کے ساتھ ان کو بھی شریک ٹھیرا لیا جن کے لیے (معبود حقیقی) نے کوئی سند نہیں نازل کی۔
منطق سر بگریباں ہے' دلائل کی زبان بند ہو گئی ہے' کوئی وجہ نہیں بتائی جا سکتی کہ قریش کا یہ لشکر جرار کامیابی کے بعد ناکام کیوں ہو گیا۔
لڑائی کی مصروفیت میں زیادہ دن نہیں لگے۔ بدھ یا جمعرات کو یہ لشکر مکہ سے چلا تھا۔ بدھ کو ذوالحلیفہ پہنچ گیا۔ جمعرات جمعہ آرام کیا۔ آج رات بھی آرام سے گذری۔ خوب سونے کا موقع ملا۔ صبح کو بھیڑ

ہوئی' پہلے قریش کو ایک جھٹکا لگا۔ پھر ایسے سنبھلے کہ کئی درجن مسلمانوں کو شہید کر ڈالا۔ جو باقی تھے۔ وہ چوگنی پچ گنی تعداد کے لشکر میں پھنس گئے۔ ایک کو دوسرے کی خبر نہیں رہی۔ مسلمان نے مسلمان کو مار دیا۔ جھنڈا گر گیا۔ محمد رسول اللہ (ﷺ) مجروح ہو گئے۔ ان کے ساتھی منتشر ہو گئے۔ کچھ پہاڑوں پر چڑھ گئے۔ کسی نے مدینہ کی راہ لی۔ جو شہید ہوئے قریش کی عورتوں نے بڑے اطمینان سے دل کھول کر ان کی بے حرمتی کی۔ ان کے کانوں اور ناکوں کے ہار بنا کر گلے میں ڈالے۔ کامیابی کے ترانے گائے۔

سوال یہ ہے کہ مسلمان جب نیم جان ہو چکے تھے تو کیا بات ہوئی فوج قریش نے تلوار کیوں روک لی سب کو تہ تیغ کیوں نہیں کر دیا۔

مدینہ یہاں سے صرف دو تین میل کے فاصلہ پر تھا۔ وہ اس وقت تقریباً" خالی تھا۔ مجاہدین میدان جہاد میں خستہ اور شکستہ پا تھے۔ مدینہ میں وہ تھے جو مجاہدین کو میدان جنگ میں چھوڑ گئے تھے۔ وہ دل سے مشرکین کے ساتھ تھے۔ وہ یقیناً" قریش کا استقبال کرتے جن کو وہ حرم کا محافظ اور اپنا مذہبی پیشوا سمجھتے تھے۔

اگر وہ استقبال نہ کرتے۔ بالفرض مقابلہ کرتے تو یہ طاقت جو مسلمانوں کو میدان میں شکست دے چکی تھی' ان بھگوڑوں کو آسانی سے شکست دے سکتی تھی۔ دو سو مسلح سوار مدینہ میں قیامت برپا کر سکتے تھے۔ وہ دھمکی جو مکہ سے لکھ کر بھیجی تھی کہ "مدینہ کے جوانوں کو قتل کریں گے' عورتوں کو باندیاں بنائیں گے" اس وقت بہت آسانی سے پوری کی جا سکتی تھی۔ مشرکین کی فوج رہنماؤں سے بھی خالی نہیں تھی۔ بہترین جرنیل اس میں موجود تھے۔ خود ابو سفیان معمولی درجہ کا لیڈر اور جرنیل نہیں تھا پھر خالد بن الولید اور عکرمہ بن ابی جہل' صفوان بن امیہ جیسے باہمت جرنیل اس کے رفیق اور مددگار تھے۔ قریش کے بہترین دماغ اس کے مشیر تھے۔ لیکن یہ کیا ہوا کہ میدان جنگ میں ان کی تلواریں رک گئیں۔ پھر پہاڑ کی بلندی سے مسلمانوں پر حملہ کا ارادہ کیا تو اگرچہ پوزیشن بہت اچھی تھی کہ قریش کی فوج بلندی پر تھی۔ مسلمان نیچے تھے۔ مگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کچھ ساتھیوں کے ساتھ جیسے ہی جوابی حملہ کیا تو تعجب ہوتا ہے کہ ابوسفیان اور حضرت خالد بن الولید جیسے بہادر جرنیل اتنی بہترین پوزیشن بھی نہ سنبھال سکے اور پسپا ہو کر دوسرے پہاڑ پر چڑھ گئے۔ وہاں سے کچھ فقرے کسے پھر تیزی کے ساتھ اتر کر مکہ کا راستہ لیا۔ غور کیجئے یہ کیا تماشہ ہے۔ اس مضحکہ خیز تماشہ کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ پورا ہو رہا تھا جو جنگ کے آغاز میں کیا تھا اور اس کے پورے ہونے میں کچھ تاخیر اس لیے ہو گئی تھی کہ کچھ مسلمانوں نے حکم عدولی کر کے کم ہمتی اور نزاع باہمی کا وہ راستہ اختیار کر لیا تھا جو ان کے لیے زیبا ہی نہیں تھا بلکہ اس امت خیر کی منشاء بعثت کے خلاف تھا۔ اس پر فی الفور تنبیہہ ضروری تھی تاکہ دامن تقدس پر جو دھبہ لگا ہے وہ ہاتھ در ہاتھ صاف ہو جائے اور عظیم الشان مستقبل کے لیے راہ ہموار ہو جائے۔

کتاب اللہ کی مندرجہ بالا آیات کا بغور مطالعہ فرمائیے جن کا مفہوم یہ ہے کہ :

ہم عنقریب ان کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی۔ بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس معرکہ حق و باطل میں انہوں نے اس کو چھوڑ دیا جو امداد و نصرت کا حقیقی مرکز ہے۔ جس کی مدد مدد ہوتی ہے اور ان کو لے لیا۔ (۷۳۱) اور ان کو خدا کا شریک گردان دیا جو خود تہی دامن ہیں۔ جو خود اپنے لیے مدد کے محتاج ہیں' جن کے پاس کوئی صحیح دلیل کوئی حجتہ اور برہان نہیں ہے۔ بس قدرتی بات ہے کہ ان کے دل عزم و ہمت سے خالی ہوں اور صاحب عزم وہ ہوں جو حق کے حامی اور رب حقیقی کے پرستار ہیں۔

یہ تھے فاتح۔ جو حقیقت سے محروم تھے۔ حقیقی طاقت سے منہ موڑے ہوئے تھے۔ ان کو جو فتح میسر آئی وہ صرف مسلمانوں کی ایک غلطی کے نتیجہ میں تھی۔ جس طرح یہ غلطی عارضی تھی۔ یہ فتح بھی عارضی اور محض نمائشی تھی۔ ان کے ضمیر خود غیر مطمئن تھے۔ لہٰذا مزید فتح حاصل کرنے کے بجائے ابو سفیان اور اس کے باطل پرست ساتھیوں نے اسی کو غنیمت سمجھا کہ جو "نمائش" میسر آگئی ہے وہ باقی رہ جائے۔

ان کے بالمقابل وہ خدا پرست تھے جو سب کو چھوڑ کر اپنے رب اور اپنے مالک حقیقی سے رشتہ جوڑ چکے تھے وہی ان کا محبوب حقیقی اور معبود برحق تھا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محبوب حقیقی کے محبوب تھے اس لیے ان کے بھی محبوب تھے۔ جو محبوبؐ حقیقی کے لیے قربان ہونا اپنا نصب العین بنا چکے تھے۔ کچھ لغزش ہوئی کہ وہ دشمن کے خیموں میں جا گھسے۔ دنیا اگرچہ مطلوب نہیں تھی کیونکہ دشمن اور اس کے خیموں سے جو کچھ لے رہے تھے وہ خدا کے لیے لے رہے تھے۔ مگر صورت ایسی ہی ہو گئی تھی جو طالبان دنیا کی ہوتی ہے۔ لیکن جیسے ہی انہوں نے پیچھے سے محبوب رب العالمین (ﷺ) کی آواز سنی۔ الی عباد اللّٰہ" اللہ کے بندو میری طرف آؤ" وہ فورا" چونک اٹھے۔ دنیا طلبی کا یہ غبار فورا" جھڑ گیا۔ محبت کی چنگاریاں بھڑکنے لگیں۔ کچھ مسلمان جو ان کے عزیز و قریب یا مخلص دوست تھے شہید ہوئے۔ ان کے غم و اندوہ کی اوس ان چنگاریوں پر پڑی لیکن جیسے ہی شہادت رسول اللہ ﷺ کی افواہ اڑی۔ اس نے تیل کا کام کیا اور محبت کی چنگاریاں شعلہ بن کر تن من کو بھسم کرنے لگیں۔ لیکن جیسے ہی ساقی کوثر کا جلوہ نظر پڑا (ﷺ) دھڑکتے ہوئے دلوں کو آب حیات میسر آگیا۔ بھڑکتے ہوئے شعلوں پر حوض کوثر کے چھینٹے پڑ گئے۔ اب جو بھی تھا مخمور تھا۔ سکون کی نیند اس پر طاری تھی۔ خوف و ہراس کافور ہو گیا تھا۔ امن و اطمینان کی پھریری نے ہر سوختہ جگر کو بے خود کر دیا:

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ

پھر نازل کیا تم پر اس غم کے بعد امن اور اطمینان "ایک غنودگی" جو تمہاری ایک جماعت پر چھا رہی

تھی۔ مگر وہ مردہ دل جو سوزش عشق سے ناآشنا تھے۔ وہ اس تمام کیف و سرور سے محروم رہے۔
یہی عشق و محبت کا فلسفہ تھا (جس کی قرآن حکیم ترجمانی کر رہا ہے) جس نے فاتح کو مرعوب اور ہیبت زدہ بنا دیا۔ اور مفتوح و شکست خوردہ کو امن و اطمینان کے جام جان آفرین سے سرشار کر دیا۔
وہ مال غنیمت جو ان کے ہاتھ سے جاتا رہا تھا اس کا ان کو غم نہ تھا کیونکہ وہ قطعاً" مقصود نہ تھا ستر ساتھیوں کی جدائی کی مصیبت بھی باعث اندوہ نہ رہی تھی کیونکہ وہ اگرچہ نظروں سے اوجھل ہوئے مگر اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے تھے۔ موت ان کو ضرور آئی مگر اس موت نے حیات ابدی کا وہ چولا ان کو پہنا دیا کہ اب ان کو مردہ سمجھنا بھی درست نہیں رہا۔ کتاب اللہ نے تنبیہہ فرما دی۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا- بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَا اٰتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ- وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ- يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ (سورہ آل عمران ع ۱۶)

جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے گئے ان کی نسبت یہ خیال ہرگز نہ کرو کہ وہ مردہ ہیں (نہیں وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے حضور میں روزی پا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے جو کچھ انہیں عطا فرمایا ہے وہ اس سے خوش حال ہیں اور جو لوگ ان کے پیچھے (دنیا میں) رہ گئے اور ابھی ان سے ملے نہیں ہیں ان کے لیے خوش ہو رہے ہیں کہ نہ تو ان کے لیے کسی طرح کا کھٹکا ہو گا نہ کسی طرح کی غمگینی۔ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل کے عطیوں سے مسرور ہیں نیز اس بات سے کہ انہوں نے دیکھ لیا کہ اللہ ایمان رکھنے والوں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتا۔
مگر برا ہو کفر و نفاق اور ضعف ایمان کا جس نے سیاہ بختوں کو اب بھی رسوا کیا۔

وَطَائِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَا قُتِلْنَا هٰهُنَا

یہ وہ جماعت (۳۲/۷) تھی جسے اس وقت بھی اپنی جانوں کی پڑی تھی۔ وہ اللہ کے جناب میں عہد جاہلیت کے سے ظنون و اوہام رکھتی تھی۔ یہ کہتی تھی جو کچھ ہوا کیا اس میں ہمارا کوئی دخل تھا۔

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ شدت خوف و ہراس کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہم حاضر تھے اور ہم پر نیند کا غلبہ ہوا۔ اور حالت یہ ہو گئی کہ ہر ایک کی ٹھوڑی سینہ سے لگی ہوئی تھی' اس غنودگی کی حالت میں معتب بن قیشر" کی یہ آواز میرے کانوں میں پڑی کہ وہ کہہ رہا تھا۔

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِيْنَ (۷۳۳)

اگر اس مہم میں ہمارا بھی کوئی دخل ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے۔

مدینہ طیبہ میں خبر خواتین کی آمد اور ان کی خدمات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کا غل ہوا تو جو مایوس ہو کر پلٹے تھے یہ وحشت انگیز خبر انہوں نے مدینہ میں پہنچا دی تو اب عورتوں سے بھی نہ رہا گیا۔ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نکلیں۔ یہی خبر دینے والا ان کے سامنے آ گیا۔ آپ نے دونوں ہاتھوں میں مٹی بھر کر اس کے منہ پر ماری اور فرمایا۔ تلوار مجھے دو اور سوت کی انٹی تم لو۔ گھر میں بیٹھ کر سوت کاتو۔ پھر آپ میدان میں پہونچیں اور پیاسے زخمیوں کو پانی پلانا شروع کر دیا۔ ایک شخص حباب بن عرفہ تیر پھینک رہا تھا۔ اس کا تیر آپ کے لگ گیا تو آپ گر پڑیں اور بند کھل گیا۔ جس پر حباب خوب ہنسا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بے پھل کا ایک تیر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو دیا کہ حباب کے ماریں۔ وہ تیر حباب کے سینہ میں جا کر لگا جس سے وہ بھی چت گر گیا اور اس کا ستر کھل گیا۔ اس کلہ بکلہ انتقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا پڑے۔ (سیرۃ حلبیہ)

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتے ہوئے دشمن پر تیر برسا رہے تھے اور کئی کمانیں ان کے ہاتھ میں ٹوٹ چکی تھیں ان کی اہلیہ محترمہ (۷۳۴) ام سلیم اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پہونچیں اور مشکیزے بھر کر پیاسے زخمیوں کو پانی پلانے کی خدمت انہوں نے بھی شروع کر دی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا۔ والد ماجد (رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ چہرہ مبارک کے زخموں سے خون بہہ رہا تھا۔ رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم احتیاط فرما رہے تھے کہ زمین پر کوئی قطرہ نہ گرے۔ خون کپڑوں ہی پر لے رہے تھے اب حضرت علی رضی اللہ عنہ پانی لائے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے زخم دھونے شروع کیے۔ مگر خون برابر بہہ رہا تھا۔ تو چٹائی جلا کر اس کی راکھ زخموں پر رکھ دی خون بند ہو گیا۔

حضرت ام سلیط رضی اللہ عنہا (حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی والدہ) میدان میں پہونچیں اور تیروں کی بارش میں زخمیوں کی خدمت کی (رضی اللہ عنہا)

شہیدوں کی لاشیں۔ تجہیز و تکفین اور نماز

قریشی عورتوں کے دلوں پر جو غزوہ بدر کی چوٹ تھی اس کا بدلہ انہوں نے احد کے شہیدوں سے لیا۔
اس تھوڑے سے وقفے میں کہ مسلمان سمٹ کر پہاڑ کی طرف چلے گئے تھے وہ میدان میں گھومیں اور جو لاش سامنے آئی اس کے ناک کان کاٹ لیے۔

ابوسفیان کی بیوی "ہند" جو بدر میں اپنے باپ بھائی اور چچا کے مارے جانے کا (۷۳۵) خار کھائے ہوئے تھی (جب اپنے باپ کے قاتل) سیدا لشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش پر پہونچی تو ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا۔ نگلنا چاہتی تھی۔ مگر گلے سے نہ اترا تو چبا کر اگل دیا۔ (۷۳۶) پھر شہیدوں کی ناکوں اور کانوں کا ہار بنایا اور یہ پھولوں کا ہار گلے میں ڈالا۔ (۷۳۷)

ابوسفیان پہونچا۔ اس نے حمزہ رضی اللہ عنہ شہید کے منہ پر نیزہ کی بھال مار کر کہا۔ ذق عقق۔ ((اے نافرمان اس کو چکھ (قبیلہ بنو حارث کے ایک سردار حلیس بن زمان نے یہ حرکت دیکھی تو اس کو ملامت کی کہ تمہارے ہی خاندان کا ایک بڑا آدمی تھا اس کی لاش کو اس طرح ذلیل کر رہے ہو۔ حلیس کے اس جملہ سے ابوسفیان چونکا۔ فورا" معذرت کرنے لگا۔ واقعی غلطی ہوئی۔ اس کا چرچا نہ کیجئے۔ (

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کی یہ حالت دیکھی تو فرمایا۔

میرا جذبہ تو یہ ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش اسی حالت میں پڑی رہے۔ اور قیامت کے روز اس کے اجزا درندوں کے پیٹ اور پرندوں کے پوٹوں سے جمع ہوں (جو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی انتہائی مظلومیت کی شہادت دیں) مگر اس جذبہ پر عمل اس لیے نہیں کرتا کہ پھر یہ ایک سنت (۷۳۸) مان لی جائے گی۔ اس کے علاوہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بہن صفیہ اس کو برداشت نہیں کریں گی۔

پھر آپ نے فرمایا۔ مجھے جبرئیل علیہ السلام نے خبر دی ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا یہ لقب ساتوں آسمانوں میں لکھ دیا گیا ہے۔ اسد اللہ واسد رسولہ۔ (۷۳۹)

حضرت صفیہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہا کی حقیقی بہن۔ شکست کی خبر سن کر مدینہ سے نکلیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے فرزند ارجمند حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بن العوام سے فرما دیا کہ وہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہیں تسلی تشفی دیدیں۔ لاش کے پاس نہ جانے دیں۔ اپنے بھائی کی یہ حالت نہ دیکھ سکیں گی۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت کی خبر اپنی والدہ کو دیدی۔ فرمایا میں اپنے بھائی کا ماجرا سن چکی ہوں۔ راہ خدا میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں ہے۔ تم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان دلا دو میں صبر سے کام لوں گی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کو اجازت دیدی۔ وہ لاش پر گئیں۔ خون کا جوش تھا اور عزیز بھائی کے ٹکڑے بکھرے پڑے تھے۔ لیکن ان للہ وانا الیہ راجعون۔ کہہ کر خاموش ہو گئیں اور مغفرت و ترقی مراتب کی دعا مانگی۔ (۷۴۰)

مثلہ کی ممانعت

ناک کان کاٹ دینے اور صورت بگاڑ دینے کو عربی زبان میں مثلہ کہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ شہداء احد کا عموماً" اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا خصوصاً" "مثلہ" کیا گیا ہے تو روایت ہے کہ آپ ﷺ نے (۷۴۱) فرمایا۔ اگر خدا نے مجھے قریش پر فتح عطا فرمائی تو میں ان کے تیس آدمیوں کا مثلہ کروں گا (۷۴۲)۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے زبان مبارک سے یہ الفاظ سنے تو ہر ایک نے عہد کر لیا کہ جب بھی ہمیں موقع ملے گا ہم ایسا مثلہ کریں گے کہ تاریخ عرب میں اس کی نظیر نہ ہو گی۔ لیکن پھر فوراً" ہی ان ارشادات خداوندی نے ان سب حضرات کو چونکا دیا۔

وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به ولئن
صبرتم فهو خير اللّصابرين

وَ اصْبِرْ وَ مَا صَبْرُکَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَکُ فِيْ ضَيْقٍ مِمَّا يَمْکُرُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّ الَّذِيْنَ هُمْ مُحْسِنُوْنَ (سورہ نحل ع ۱۶)

اور مخالفوں کی سختی کے جواب میں اگر سختی کرو تو ایسی ہی اور اتنی ہی کرو جتنی تمہارے ساتھ کی گئی اور اگر تم نے صبر سے کام لیا تو بلاشبہ صابرین کے لیے صبر ہی بہتر ہے۔

اے نبی۔ صبر کر۔ اور تیرا صبر کرنا نہیں ہے مگر اللہ کی مدد سے اور ان (دشمنان حق) کے حال پر غم نہ کھا نہ ہی ان کی مخالفانہ تدبیروں سے دل تنگ ہو۔ یقیناً اللہ انہیں کے ساتھ ہے جو متقی ہیں اور نیک عملی میں سرگرم رہتے ہیں۔

اس کے بعد نہ صرف یہ کہ آپ نے اپنے اس قول سے رجوع فرمایا۔ بلکہ آپ کا طریقہ یہ ہو گیا کہ جب بھی آپ کوئی فوج یا فوج کا دستہ کسی محاذ پر روانہ فرماتے تھے تو سب سے پہلے ان کو ہدایت یہ ہوتی تھی کہ مثلہ کسی کا نہ کریں۔ دوسری ہدایت یہ ہوتی کہ صدقہ کرتے رہیں۔ (۷۴۳)

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہمشیر زادے (امیمہ بنت عبدالمطلب کے فرزند) حضرت عبداللہ بن جحش دعا مانگا کرتے تھے کہ راہ خدا میں قربان ہوں اور اللہ کے راستے میں ان کے ناک کان کاٹے جائیں اور اسی وجہ سے ان کو "المجدع فی سبیل اللّٰہ" کہا گیا۔ ان کی لاش بھی یہیں پڑی ہوئی تھی۔ ان کا پیٹ چاک نہیں کیا گیا تھا۔ البتہ ناک کاٹ لی گئی تھی۔ (۷۴۴)

حضرت جابر کے والد حضرت عبداللہ نے رات ہی کو اپنے لخت جگر (جابر) کو پاس بٹھا کر وصیت کی تھی کہ۔ صبح کو جاں نثاران رسول اللہ ﷺ میں سے جو سب سے پہلے قربان ہوں گے مجھے توقع (۷۴۵)

ہے کہ میں ان میں سب سے پہلا شخص ہوں گا۔ پھر فرمایا تم یہ یقین رکھو میں جن کو چھوڑ کر رخصت ہوں گا ان میں محبوب رب العالمین آقا دو جہان کے بعد سب سے زیادہ عزیز تم ہو (دیکھو) میں اپنے ذمہ قرض چھوڑ رہا ہوں اس کو تم ادا کرو گے۔ اپنی بہنوں کا پورا خیال رکھنا (سات بہنیں تھیں) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ والد ماجد رضی اللہ عنہ کا جو جذبہ تھا وہ پورا ہوا' وہ انہیں میں تھے جو سب سے پہلے شہید ہوئے۔ (۷۴۶)

شہادت کے بعد ان پر کپڑا ڈال دیا گیا تھا۔ میں رو رہا تھا اور بار بار کپڑا ہٹا کر زیارت کر رہا تھا مجھے لوگوں نے منع بھی کیا مگر مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں نے دو تین مرتبہ اسی طرح زیارت کی۔ پھر آنحضرت ﷺ نے جنازہ اٹھانے کا حکم دیا۔ جنازہ اٹھایا جانے لگا تو میری پھوپھی کی چیخ نکل گئی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ کیوں روتی ہو' جب تک جنازہ اٹھا میں برابر دیکھتا رہا کہ فرشتے ان پر سایہ کیے ہوئے ہیں۔ (۷۴۷)

مہاجرین کے علم بردار حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا جنازہ سامنے آیا تو آقا دوجہان (ﷺ) نے فرمایا کہ یہ وہ ہیں کہ خدا سے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دکھایا۔ (۷۴۸)

غسل اور کفن

شہیدوں کو غسل نہیں دیا جاتا۔ خون شہادت کے چھینٹے اللہ کے یہاں مشک و عنبر سے بھی زیادہ عطر افشاں اور قیمتی ہوتے ہیں ان کو دھویا نہیں جاتا کپڑے بھی نہیں بدلے جاتے۔ کفن بھی نہیں پہنایا جاتا۔ انہیں کپڑوں میں دفن کر دیا جاتا ہے۔ البتہ زرہ وغیرہ جو بدن پر ہو یا کپڑے کچھ زائد ہوں تو وہ اتار لیے جاتے ہیں اور اگر کپڑے کفن مسنون (۷۴۹) سے کم ہوں تو ان کو پورا کر دیا جاتا ہے۔ شہداء احد کے تجہیز و تکفین میں بھی یہی عمل ہوا لیکن سیدا لشہداء حمزہ اور علمبردار مہاجرین مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہما کی لاشوں کے ساتھ جو سلوک کیا گیا اس میں ان کے کپڑے (۷۵۰) بھی پورے نہیں رہے تھے اس لیے اضافہ کیا گیا۔ مگر اضافہ کی نوعیت کیا تھی۔ اس حدیث غم کو آپ کان لگا کر سنئے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اکابر صحابہ میں سے تھے۔ جملہ فضائل کے مالک غزوہ بدر میں بھی شریک تھے اور غزوہ احد میں صرف شریک ہی نہیں رہے بلکہ تقریباً" بیس (۷۵۱) زخم بھی کھائے تھے۔ ان کے صاحبزادے حضرت ابراہیم بن عبدالرحمٰن (رضی اللہ عنہما) بیان کرتے ہیں۔ والد صاحب (حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ) کا روزہ تھا۔ افطار کا وقت ہوا۔ کھانا لایا گیا۔ فرمانے لگے۔ مصعب بن عمیر مجھ سے بہتر اور افضل تھے۔ غزوہ احد میں شہید کیے گئے۔ مگر تنگدستی کی یہ حالت تھی کہ پورا کفن فراہم نہ ہو سکا۔ صرف ایک چادر میسر آئی۔ وہ بھی پوری نہیں تھی۔ سر چھپاتے تو پیر کھل جاتے تھے اور پیر چھپاتے تو سر کھل جاتا تھا۔

حضرت حمزہ (رضی اللہ عنہ) مجھ سے بہتر اور افضل تھے وہ بھی شہید ہوئے پورا کفن ان کے لیے بھی میسر نہیں آیا۔ صرف ایک کپڑا تھا وہ بھی اتنا چھوٹا کہ سر اور پیر دونوں نہیں چھپ سکتے تھے۔ (۷۵۲)

بالآخر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سر چھپا دیں اور پیروں پر اذخر (۷۵۳) (گھاس) ڈالدیں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ان بزرگوں نے جو کچھ کمایا تھا اس کو صحیح سالم بچا کر لے گئے۔ اس کا کوئی فیض ان کو دنیا میں نہیں ملا۔ لیکن آج ہمیں وہ فراخی میسر ہے کہ خیال ہوتا ہے کہ آخرت کا بدلہ کہیں دنیا میں تو نہیں مل رہا۔ حضرت ابراہیم فرماتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف یہ واقعہ بیان فرما رہے تھے اور گریہ ان پر طاری تھا یہاں تک کہ ان سے کھانا نہیں کھایا گیا۔ چھوڑ دیا۔ (۷۵۴)

یہ بھی کچھ ان دونوں کی خصوصیت تھی کہ ایک ایک کپڑا ان کو الگ الگ دیدیا گیا۔ ورنہ ایسا بھی ہوا کہ ایک ہی کپڑے سے دو دو شہیدوں کا کفن پورا کیا گیا۔ (۷۵۵)

دفن

وقت تنگ تھا' دشمن کا خطرہ موجود' شہداء کی تعداد زیادہ' مدینہ کی زمین سخت (۷۵۶) کام کرنے والے تھکے ماندہ اور زخموں سے چور تھے۔ لہٰذا رائے یہ ہوئی کہ ایک ایک قبر میں دو دو دفن کیے جائیں۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ ایک قبر میں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام اور حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہما ایک قبر میں دفن کیے گئے۔ (۷۵۷) اسی طرح دو دو شہید ایک ایک قبر میں دفن کیے گئے۔ جن کو قرآن زیادہ یاد ہوتا تھا ان کو مقدم کیا جاتا تھا۔ (۷۵۸) کتنے مبارک تھے وہ الفاظ جو اس وقت لسان رسالت سے صادر ہوتے تھے۔ اناشہید علی ہولاء یوم القیامۃ (۷۵۹) (قیامت کے روز میں ان کی گواہی دوں گا) کچھ شہیدوں کے وارثوں نے اپنے شہیدوں کو مدینہ لیجا کر دفن کرنا چاہا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بہنوں کے اصرار پر میرے بھی والد صاحب کے جنازہ کو لانے گیا تھا مگر پھر آنحضرت ﷺ کی طرف سے اعلان فرما دیا گیا کہ سب کو یہیں دفن کیا جائے گا۔ جو لے جا رہے ہیں وہ بھی واپس لے آئیں۔ چنانچہ میں بھی والد صاحب کے جنازہ کو واپس لے گیا۔ (۷۶۰)

نماز

دفن کی طرح نماز میں بھی اختصار کیا گیا۔ چنانچہ دس دس شہیدوں کی نماز ساتھ ساتھ پڑھائی گئی جنازے یکے بعد دیگرے قبلے کی طرف رکھ دیئے جاتے تھے اور نماز کے بعد ان کو اٹھا دیا جاتا تھا۔ سیدا لشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا جنازہ برابر رکھا رہا۔ ان پر نماز سات مرتبہ پڑھائی گئی۔ (۷۶۱)

خصوصی دعائیں

جب لشکر قریش واپس ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا برابر میں آ جاؤ ہم سب مل کر خدا کر شکر ادا کریں اور دعا مانگیں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آگے اور تمام صحابہ پیچھے صف بستہ ہو گئے۔ آپ نے دعا (۷۶۲) فرمائی۔

(۷۶۳) اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کُلُّہٗ اَللّٰھُمَّ لَا قَابِضَ لِمَا بَسَطْتَ وَلَا بَاسِطَ لِمَا قَبَضْتَ وَلَا ھَادِیَ لِمَنْ اَضْلَلْتَ۔ وَلَا مُضِلَّ لِمَنْ ھَدَیْتَ۔ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُقَرِّبَ لِمَا بَاعَدْتَ وَلَا مُبْعِدَ لِمَا قَرَّبْتَ اَللّٰھُمَّ ابْسُطْ عَلَیْنَا مِنْ بَرَکَاتِکَ وَ رَحْمَتِکَ وَفَضْلِکَ وَ رِزْقِکَ اَللّٰھُمَّ اَسْئَلُکَ النَّعِیْمَ الْمُقِیْمَ الَّذِیْ لَا یَحُوْلُ وَلَا یَزُوْلُ اَللّٰھُمَّ اَسْئَلُکَ النَّعِیْمَ یَوْمَ الْعَیْلَۃِ والامن یوم الخوف۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ عَائِذٌبِکَ مِنْ شَرِّمَا اَعْطَیْتَنَا وَ شَرِّمَا مَنَعْتَنَا۔ اَللّٰھُمَّ حَبِّبْ اِلَیْنَا الْاِیْمَانَ وَزَیِّنْہُ فِیْ قُلُوْبِنَا وَکَرِّہْ اِلَیْنَا الْکُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْیَانَ وَ اجْعَلْنَا مِنَ الرَّاشِدِیْنَ۔ اَللّٰھُمَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ وَ اَحْیِنَا مُسْلِمِیْنَ وَ اَلْحِقْنَا بِالصَّالِحِیْنَ۔ غَیْرَ خَزَایَا وَلَا مَفْتُوْنِیْنَ۔ اَللّٰھُمَّ قَاتِلِ الْکَفَرَۃَ الَّذِیْنَ یُکَذِّبُوْنَ رُسُلَکَ وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِکَ وَ اجْعَلْ عَلَیْھِمْ رِجْزَکَ وَعَذَابَکَ۔ اَللّٰھُمَّ قَاتِلِ الْکَفَرَۃَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ اِلٰہَ الْحَقِّ

اس کے بعد جب بھی اس طرف گذر ہوتا آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے۔ السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار۔ (۷۶۴) پھر اس واقعہ سے کئی سال بعد وفات سے کچھ پہلے آنحضرت ﷺ نے شہداء احد کے لیے اسی طرح نماز پڑھی جیسے جنازہ کی نماز پڑھی جاتی ہے۔ اس کے بعد آپ منبر پر تشریف لے گئے اور حاضرین سے خطاب کر کے فرمایا۔ (۷۶۵)

اِنِّیْ فَرَطٌ لَکُمْ وَ اَنَا شَھِیْدٌ عَلَیْکُمْ۔ وَاِنِّیْ وَ اللّٰہِ لَاَنْظُرُ اِلٰی حَوْضِیَ الْاٰنَ وَاِنِّیْ اُوْتِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ اَوْ مَفَاتِیْحَ الْاَرْضِ۔ وَاِنِّیْ وَ اللّٰہِ مَا اَخَافُ عَلَیْکُمْ اَنْ تُشْرِکُوْا بَعْدِیْ وَلٰکِنْ اَخَافُ عَلَیْکُمْ اَنْ تَنَافَسُوْا فِیْھَا۔

میں تمہارا ہراول ہوں (تم سے پہلے جا رہا ہوں کہ انتظام کروں) میں تمہارا گواہ ہوں گا۔ واللہ میں اپنے حوض کو اس وقت دیکھ رہا ہوں (میری آنکھوں کے سامنے

ہے) مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دیدی گئی ہیں (یا یہ فرمایا) مجھے زمین کی کنجیاں دیدی گئی ہیں۔ مجھے واللہ اس کا خوف نہیں ہے کہ تم میرے بعد مشرک بن جاؤ گے البتہ مجھے یہ خوف ہے کہ تم دنیا میں پھنس جاؤ گے اور ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرو گے۔

مدینہ شریف کو واپسی

آنحضرت ﷺ گھوڑے پر سوار ہوئے۔ مسلمان گرداگرد تھے' جن میں اکثر مجروح تھے۔ وہ خواتین جو میدان میں پہنچ گئی تھیں اور رفتہ رفتہ ان کی تعداد چودہ ہو گئی تھی' وہ بھی ساتھ تھیں۔ جب جبل احد کے کنارے پر پہنچے تو سب نے صف بستہ ہو کر دعا کی۔ عورتوں کی صف سب سے پیچھے تھی (۷۶۶)۔ دعا پہلے گذر چکی ہے) دعا کے بعد روانگی ہوئی۔ قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے گھوڑے کی باگ سنبھالی۔ کچھ راستہ طے کیا تھا کہ ایک خاتون سامنے آئیں یہ حمنہ بنت جحش تھیں۔ (ام المومنین حضرت زینب بنت جحش کی بہن رضی اللہ عنہا) ان کو خبر دی گئی کہ آپ کے بھائی حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے۔ پھر خبر دی گئی' آپ کے ماموں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ اس صابر خاتون نے ہر مرتبہ خبر سن کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا دعاء مغفرت کی اور خاموش ہو گئیں۔ پھر ان کو بتایا گیا کہ ان کے شوہر معصب بن عمیر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو دامن صبر ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ تڑپ گئیں اور بے اختیار ان کی چیخ نکل گئی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ ایک خاتون کی نظر میں شوہر کا جو مقام ہوتا ہے وہ کسی اور نہیں ہوتا۔ (۷۶۷) ان سے دریافت کیا گیا کہ ماموں اور بھائی کی شہادت پر آپ بے تاب نہیں ہوئیں شوہر کی شہادت سے اتنی بے تاب کیوں ہو گئیں۔ جواب دیا بچوں کی یتیمی کے خیال (۷۶۸) نے تڑپا دیا آنحضرت ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی۔ (۷۶۹)

آگے بڑھے تو ایک سن رسیدہ خاتون دوڑتی ہوئی آئیں۔ حضرت سعد بن معاذ نے (جو گھوڑے کی باگ سنبھالے ہوئے تھے) عرض کیا۔ یارسول اللہ۔ یہ میری والدہ ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ مرحبا مرحبا۔ گھوڑا روک لیا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بھائی۔ حضرت عمرو بن معاذ رضی اللہ عنہ اسی روز اسی غزوہ میں شہید ہو گئے تھے۔ ان کی والدہ قریب آئیں تو آنحضرت ﷺ نے تسکین بخش کلمات ارشاد فرمائے۔ اس جاں نثار صابر خاتون نے جواب دیا۔ یارسول اللہ! آپ سلامت چاہییں ہر ایک قربانی ہیچ ہے۔

گر فنا شد من و دلم چہ باک
غرض اندر جہاں' سلامت تست

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ تمہیں بھی بشارت ہے اور سب کو بشارت دے دو کہ انشاء اللہ جنت میں سب ساتھ ہوں (۷۷۰) گے۔

عرب میں نوحہ کا عام دستور تھا۔ اس میں مرنے والے کا اعزاز سمجھا جاتا تھا۔ اب تک نوحہ کی ممانعت نہیں ہوئی تھی۔ آپ ﷺ آبادی میں داخل ہوئے تو مدینہ کے ہر کوچہ اور گلی سے رونے کی آواز آ رہی تھی۔ آپ ﷺ کی زبان مبارک سے صادر ہوا۔ حمزة لا بواكی له (ایک حمزہ ہیں کہ ان کو رونے والیاں نہیں ہیں) ممکن ہے کہ آپ ﷺ کا منشا عبرت دلانا ہو کہ شہداء میں ایسے بھی ہیں۔ جن کے رونے والے عزیز بھی ان سے چھوٹے ہوئے ہیں) مگر حضرات انصار نے اس جملہ سے یہی اثر لیا کہ حضرت حمزہ کا بھی نوحہ ہونا چاہیے۔ چنانچہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے اپنے یہاں کی عورتوں کو در دولت پر بھیج دیا۔ (۷۷۱)

آنحضرت ﷺ کی سواری کا شانہ نبوت پر پہونچی تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سعد بن عبادة رضی اللہ عنہ نے دونوں طرف سہارا دے کر آپ ﷺ کو گھوڑے سے اتارا۔ آپ مکان میں تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر بعد مغرب کی اذان ہو گئی۔ آپ نے انہیں دونوں سرداران انصار کے سہارے مسجد میں تشریف لا کر نماز مغرب ادا فرمائی۔ واپس پہنچے تو دیکھا حجرہ مبارکہ میں خواتین کا ہجوم ہے اور حضرت حمزہ کا نوحہ ہو رہا ہے۔ آپ ﷺ نے ان کی ہمدردی پر ان کے لیے دعائے خیر فرمائی اور ان کو رخصت کیا اور فرمایا۔ میرا یہ منشاء قطعاً" نہیں تھا۔ آپ ﷺ نے ویسے بھی سمجھایا کہ نوحہ ٹھیک نہیں ہے۔ (۷۷۲)

اس کے بعد جب تک نوحہ کی ممانعت نہیں ہوئی انصاری خواتین کا یہ دستور ہو گیا کہ جس کسی عزیز کا نوحہ کرتی تھیں پہلے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا نام لے کر نوحہ کیا کرتی تھیں۔ پھر اپنے عزیز کا نوحہ کیا کرتی تھیں۔ (۷۷۳)

نماز عشاء کے بعد آرام فرمانے کا وقت ہوا تو قبیلہ اوس اور خزرج کے جاں نثار مسجد میں آ گئے اور شب بھر مسجد میں قیام فرمایا کہ قریش کی طرف سے اچانک کوئی حملہ نہ ہو جائے۔ (۷۷۴)

پیشین گوئی

منافقوں کو اس وقت موقع مل گیا تھا۔ طرح طرح کے شگوفے شروع کیے حضرت علی (۷۷۵) رضی اللہ عنہ ان باتوں سے کچھ دل تنگ ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

لن ینالوا منا مثل ھذا الیوم حتی نستلم الرکن (۷۷۶)

قریش نے جتنا نقصان ہمیں آج پہنچایا ہے ایسا نقصان آئندہ کبھی نہیں پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ ہم حجر اسود کو بوسہ دیں گے (یعنی مکہ فتح کر لیں گے) (۷۷۷)

رحمتہ للعالمین ﷺ کی غیر معمولی شفقت و رافت

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُمْ (سورہ آل عمران ع ۱۷)

آنحضرت ﷺ کا رجحان یہ ہے کہ مقابلہ مدینہ میں رہ کر کیا جائے۔ آپ ﷺ اس کو ظاہر بھی فرما دیتے ہیں۔ ساتھ ہی ایک خواب بھی بیان فرماتے ہیں۔ جس کی تعبیر میں یہ بات صاف ہے کہ مدینہ گویا ایک زرہ اور آہنی پیراہن ہے۔ اس کو اتار دینا خطرہ سے خالی نہیں ہے ہماری تہذیب کے تکلفات جو بڑوں کے سامنے لب کشائی کی اجازت نہیں دیتے ان کا فتویٰ ان نوجوانوں کے بارے میں کیا ہو گا جو اس متین اور سنجیدہ رائے کے خلاف کھلے میدان میں دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے مچل رہے تھے۔

آنحضرت ﷺ پچاس مجاہدین کا دستہ درہ پر مقرر فرما دیتے ہیں اور یہ ہدایت فرما دیتے ہیں کہ ہمیں فتح ہو یا شکست تم یہاں سے نہ ہٹنا۔ اگر تم دیکھو کہ دشمن ہمارے تکے بوٹی کر رہا ہے پرندے ہماری بوٹیاں نوچ رہے ہیں تب بھی تمہیں یہیں رہنا ہے۔ جب تک میں اجازت نہ دے دوں یہاں سے نہیں ہٹنا۔ (۷۷۸)

جس وقت آپ یہ حکم فرما رہے ہیں تو شان رسالت کے ساتھ نئی شان یہ ہے کہ آپ ﷺ فوجی لباس میں ملبوس ہیں۔ دو زرہیں جسد مبارک پر ہیں۔ سر پر خود اور خود کے ساتھ مغفر ہے۔ ایک جانب تلوار آویزاں ہے' دوسری جانب کمان لگی ہوئی ہے۔ شانہ مبارک پر ترکش پڑا ہوا ہے۔ ہاتھ میں نیزہ ہے۔ (۷۷۹)

قانون جنگ کے ماہر بتا سکتے ہیں کہ ایک کمانڈر جب جملہ نشانات سے آراستہ ہو کر حکم کرے تو اس کی خلاف ورزی کو کیا کہا جاتا ہے اور اس کے بارے میں فیصلہ کیا ہوتا ہے۔ غالباً" یہ انتہائی جرم ہے۔ فوجی عدالت اس کی سزا سخت سے سخت تجویز کرے گی۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ یہاں عدالت وہ ہے جس کے متعلق ارشاد ربانی ہے۔

عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ (سورہ توبہ ع ۱۶)

بہت ہی شاق ہے اس پر تمہاری تکلیف اور زحمت۔ تمہارے نفع کا لالچی ہے مسلمانوں کے لیے بہت بڑا مشفق بہت بڑا صاحب رحم

ایک حاکم ماتحت کی شوخی برداشت نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر حاکم باپ ہو۔ یا وہ ہو جس کی شفقت باپ سے بھی کہیں زیادہ ہو۔؟

یہاں یہی عجیب و غریب ماجرا ہے۔ جس کی طرف کتاب اللہ میں اشارہ فرمایا گیا ہے اور عربی ادب سے ذوق رکھنے والے محسوس کر سکتے ہیں کہ اشارہ کا انداز کس قدر عجیب ہے جو سراسر معجزانہ ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ (سورہ آل عمران ع ۱۷)

خدا کی بڑی ہی رحمت ہے کہ تم ان کے لیے اس قدر نرم مزاج واقع ہوئے ہو۔

پھر نہایت ہی عجیب و غریب معنوی اور روحانی لطیفہ یہ ہے کہ جس طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں۔ ان کو رحمت عالمین بنا کر بھیجنے والا ارحم الراحمین ہے۔

لہٰذا صرف یہی نہیں ہوا کہ ان کوتاہیوں اور لغزشوں پر درگذر کو حضرت حق جل مجدہ نے پسند فرمایا ہو۔ بلکہ ساتھ ہی یہ سفارش بھی فرما دی کہ ان خطا کاروں پر جو اعتماد پہلے تھا اس میں کمی نہ آئے۔ اسی طرح اعتماد کرو۔ جس طرح پہلے کرتے تھے۔ اور جس طرح پہلے مشورہ کرتے تھے۔ ایسے ہی آئندہ بھی ان سے مشورہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ سابق مشورہ کا تلخ تجربہ۔ مشورہ کی اہمیت کو کم کر دے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ (سورہ آل عمران ع ۱۷)

پس ان کو معاف کرو۔ ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے بخشش (مغفرت) طلب کرو۔ اور جو کام درپیش ہو اس میں ان سے مشورہ کرو۔

پس جن کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرمایا اور خود معاف ہی نہیں فرمایا بلکہ اپنے رسول محبوب ﷺ سے بھی معاف کرنے کی سفارش فرمائی۔ کس کی ہمت ہے کہ ان کی شان میں لب کشائی کرے۔

اس سے بڑھ کر گمراہی اور کور باطنی کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول برحق کو ہدایت کرے کہ ان پر پورا اعتماد کرو۔ جو معاملات درپیش ہوں ان میں ان سے مشورہ کرو اور کوئی دریدہ دہن شوخ چشم ان پر بے اعتمادی ظاہر کرے ان کو معاذ اللہ خائن اور ناقابل اعتبار قرار دے۔ معاذ اللہ کبرت کلمۃ تخرج من افواہھم

لغزش پاء کی معافی

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ – تا – غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (سورہ آل عمران ع ۱۱)

تم میں سے جن لوگوں نے اس دن لڑائی سے منہ موڑ لیا تھا' جس دن دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تھے تو ان کی لغزش کا باعث صرف یہ تھا کہ بعض کمزوریوں کی وجہ سے جو انہوں نے پیدا کر لی تھیں۔ شیطان نے ان کے قدم ڈگمگا

دیئے تھے (یہ بات نہیں تھی کہ ایمان میں کوئی فتور آ گیا ہو۔ بہرحال) یہ واقعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ لغزش معاف کر دی۔ وہ یقیناً" بخش دینے والا اور بہت بڑا بردبار ہے (سورہ آل عمران ع ۱۶)

یہ کوئی قابل قدر خدمت نہیں ہے کہ آج جب کہ چودھویں صدی قریب الختم ہے ان کی مکمل فہرست مرتب کی جائے جو پہلی صدی ہجری کے صرف تیسرے سال میں غزوہ احد کے موقع پر ڈگمگا گئے تھے۔ اور کوئی کسی پہاڑ پر چڑھ گیا تھا اور کسی نے مدینہ کی راہ لی تھی۔ حافظ جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان کو شمار کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر وہ صرف آٹھ نام تحریر کر سکے ہیں اور بظاہر اس سے زیادہ فہرست مرتب بھی نہیں ہو سکتی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ' حضرت رافع بن المعلی۔ حضرت حارثہ بن زید رضی اللہ عنہ۔ ابو حذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ۔ ولید بن عتبہ رضی اللہ عنہ۔ خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ۔ سعد بن عثمان رضی اللہ عنہ۔ عتبہ بن عثمان رضی اللہ عنہ۔ (۷۸۰) لیکن جب عرش معلیٰ سے ان کی معافی کا اعلان صادر ہو گیا تو کیا کسی کی ہمت ہے کہ ان حضرات کو مطعون کر کے رب العرش کا مقابلہ کرے۔ (معاذ اللہ)

غداروں سے چشم پوشی

فَمَالَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ وَاللَّهُ أَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوا أَتُرِيدُونَ أَنْ تَهْدُوا مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ (سورہ نساء ع ۱۶)

مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم منافقوں کے بارے میں دو فریق بن گئے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان بد عملیوں کی وجہ سے جو انہوں نے کمائی ہیں' انہیں الٹ دیا ہے۔ کیا تم چاہتے ہو۔ ایسے لوگوں کو راہ دکھاؤ جن پر خدا نے راہ گم کر دی ہے۔

وہ تیر انداز جن کی ڈیوٹی درہ پر لگائی گئی تھی اور وہ وہاں سے بلا اجازت چلے آئے تھے ان کی غلطی بہت بڑی غلطی تھی۔ اس کا بہت برا نتیجہ پوری جماعت کو بھگتنا پڑا۔ مگر یہ غلطی سمجھ کی غلطی تھی۔ ان کے دل میں کوئی کھوٹ نہیں تھا۔ ان کا ایمان۔ کھرا سونا تھا۔ ان کو معاف کیا گیا۔ اور ان پر اعتماد بحال کیا گیا۔ خود حضرت حق جل مجدہ نے اس کی سفارش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ تمام مسلمانوں سے فرمائی۔ لیکن عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین جو عین جنگ کے وقت اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر میدان سے پلٹا تھا اس کے دل میں چور اور نیت میں فتور تھا۔ تمام مسلمان اس بات کو جانتے تھے چنانچہ جب مسلمان شکستہ حال مدینہ میں واپس آئے تو ان منافقوں نے آوازے کسے۔ "ہمیں معاملہ میں دخل دینے کا موقع نہیں دیا' اگر ہماری بات مانی جاتی تو میدان جنگ میں بے بسی کی موت نہ مرتے"

لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا (سورہ آل عمران ع ۱۷)

اگر وہ ہماری بات مانتے تو قتل نہ کیے جاتے

ایسے غدار جو جنگ کی نازک حالت میں شکست کی صورت پیدا کریں وہ لامحالہ مستحق "گردن زدنی" ہوتے ہیں۔ فوجی قانون ان کے قتل کا فیصلہ کرتا ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام کے درمیان بحث چلی کہ کیوں نہ ان غداروں کو تہ تیغ کیا جائے۔ ایک جماعت ان کے حق میں بھی قبول معذرت کی رائے رکھتی تھی دوسری جماعت کی رائے یہ بھی کہ ان کو سخت سے سخت سزا دی جائے۔ ان کی گردنیں اڑا دی جائیں اس بحث کا خاتمہ کتاب اللہ کی اس آیت سے ہوا۔ فما لکم فی المنافقین الایتہ (سر عنوان ملاحظہ فرمائیے)

مگر کیا اس آیت میں کوئی سزا تجویز کی گئی ہے۔ کوئی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ رحمت کا وہ چشمہ جو رحمت عالم ﷺ کے منبع فیض سے ابل رہا تھا اور ارحم الراحمین کی رحمت کاملہ اس کی موجوں میں اضافہ کر رہی تھی جس طرح اس نے ان خطا کاروں کو معاف کیا جن کی غلطی فہمی تھی۔ اس موقع پر ان غداروں کو بھی نظرانداز کر دیا اور ان کا معاملہ دنیا کے بجائے آخرت کے حوالے کر دیا۔ جن کا غدر واقعی غدر تھا۔

بحث کرنے والے کا جوش اس جملہ پر ڈھیلا پڑ گیا۔ اتریدون ان تھدوا من اضل اللّٰہ "کیا تم چاہتے ہو کہ ان کو راہ دکھا دو، جن کی راہ خدا نے گم کر دی۔

آنحضرت ﷺ نے تسکین کی ایک اور صورت اختیار فرمائی۔ ارشاد ہوا۔

اِنَّهَا طِيْبَةُ تَنْفِي الْخُبْثَ كَمَا تَنْفِي النَّارُ خُبْثَ الْفِضَّةِ -

یہ مدینہ (طیبہ) ہے وہ کھوٹ کو نکال باہر کرے گا۔ جیسے آگ کی بھٹی چاندی کا کھوٹ باہر کر دیتی ہے۔

حکمت درگذر

ان پلٹنے والے تین سو میں اکثر و بیشتر وہ تھے جو رفتہ رفتہ باخلاص مومن ہو گئے۔ سرور کائنات ﷺ کی چشم فراست اس کو دیکھ رہی تھی۔ وہ کب گوارا کر سکتی تھی کہ ان کی جڑیں کاٹ دے جو کچھ عرصے کے بعد شجر طوبے بننے والے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے غداروں کے اخراج یا ان کو سزا دینے کا مسئلہ خصوصیات مدینہ طیبہ کے حوالہ فرما دیا۔ ارشاد مبارک کا منشا یہ ہے کہ وہ بدباطن جن کے دل حق و صداقت کے لیے ہموار نہیں ہوں گے۔ یہ ارض پاک خود ان کو نکال پھینکے گی۔

حملہ آوروں کے مستقبل کی فکر

اسی شفقت و رافت کا یہ اثر تھا کہ اس روف رحیم کو اپنے زخموں کی فکر نہیں تھی، بلکہ فکر قوم کی

تھی اور پریشانی اس کی تھی کہ اس قوم کی فلاح و کامیابی کی کیا صورت ہوگی جس نے اپنے نبی کی شان میں یہ گستاخی کی۔ (۷۸۲)

اس طرح کے مواقع اور بھی آئے کہ آنحضرت ﷺ کو مستقبل امت کی فکر حد سے فزوں ہوئی اور صورت اضطراب پیدا ہوگئی۔ چنانچہ کبھی ارشاد ربانی یہ ہوا۔

لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَنْ لَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ (سورہ شعراء رکوع اول)

شاید تم اپنی جان گھونٹ لو گے اس پر کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لائے (آپ کی بات کا یقین کیوں نہیں کرتے۔) (سورہ شعراء رکوع اول)

کبھی ارشاد ہوا :

فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِھٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا (سورہ کہف ع ۱)

(شاید تم گھونٹ ڈالو گے اپنی جان ان کے پیچھے اگر وہ نہ مانیں اس بات کو پچتا پچتا کر) (شاہ عبدالقادر صاحب رحمتہ اللہ علیہ)

اسی طرح اس موقع پر بھی حضرت حق جل مجدہ نے ان الفاظ میں رحمت دو عالم کی تسکین فرمائی۔

لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْھِمْ اَوْ یُعَذِّبَھُمْ فَاِنَّھُمْ ظٰلِمُوْنَ (سورہ آل عمران ع ۱۴)

اس معاملہ میں کہ (قوم کو فلاح اور کامیابی میسر آتی ہے یا نہیں) تمہیں کوئی دخل نہیں ہے (تمہارا کام یہ ہے کہ ان لوگوں کو راہ حق کی دعوت دو اور کسی حال میں بھی ان کی طرف سے مایوس نہ ہو) یہ کام اللہ کا ہے کہ) چاہے ان سے درگذر کرے (اور ان کو کامیابی اور فلاح بخش دے) اور چاہے انہیں عذاب دے (جس کے وہ مستحق ہیں کیونکہ) بلاشبہ وہ ظالم ہیں۔

ذات اقدس پر حملہ کرنے والے

ان کی فہرست بہت طویل ہو سکتی ہے جنہوں نے حضرت اقدس (ﷺ) پر تیروں یا تلواروں سے حملے کیے۔ حدیث کے مشہور امام "زہری" کا اندازہ یہ ہے کہ اس ہنگامہ میں ستر (۷۸۳) مرتبہ آپ پر تلوار کے حملے ہوئے مگر اللہ تعالیٰ نے سب سے محفوظ رکھا۔ ان حملہ کرنے والوں کی کوئی فہرست اصحاب سیرت نے مرتب نہیں کی اور جب مطمح نظر عفو و درگذر ہو تو ایسی فہرست مرتب کرنے کی ضرورت ہی کیا ہو سکتی ہے البتہ چار آدمیوں کے نام ارباب سیرت کی زبان پر آ گئے۔

(۱) امیہ بن خلف۔ مگر یہ حملہ کرنے کے لیے آیا تھا حملہ نہیں کر سکا۔ بلکہ آنحضرت ﷺ نے اس کے اوپر حربہ پھینک مارا۔ جس کی خراش اگرچہ معمولی تھی مگر اس کے حق میں وہی مہلک ثابت ہوئی۔

(۲) ابن قمیہ۔ اس کی تلوار آنحضرت ﷺ کی گردن کے قریب مونڈھے پر لگی۔ لیکن زرہ میں اٹک کر رہ گئی اس سے جسد مبارک پر کوئی زخم نہیں آیا۔ البتہ ضرب کی تکلیف ایک ماہ سے زیادہ تک رہی۔ پھر اس نے پتھر پھینک مارا جس سے مغفر کی کڑیاں رخسار مبارک میں گھس گئیں یہ شخص اس جنگ سے واپس ہو کر گھر پہونچا۔ کچھ دنوں بعد اپنے ایک بکرے کی تلاش میں پہاڑ پر چڑھا وہاں پکڑنے لگا تو اس نے ٹکر ماری جس سے یہ گر گیا اور لڑھکتا ہوا پہاڑ کے نیچے پہنچا۔ اس میں اس کا بدن پھٹ گیا۔ یہ بھی ایک روایت ہے کہ وہ پہاڑ سے نیچے گرا تو یہاں ایک پہاڑی بکرے نے اس کو سینگ مار مار کر ہلاک کر دیا۔ (۷۸۴)

(۳) عتبہ بن ابی وقاص' ایک روایت یہ ہے کہ اسلام سے مشرف ہوئے پھر ان کا انتقال ہوا مگر ان کے پتھر سے دندان مبارک شہید ہوئے تھے تو اس واقعہ کے بعد جتنے بیٹے پوتے پیدا ہوئے' قدرتی طور پر ان کے یہ دانت نہیں تھے۔ (۷۸۵)

(۴) عبداللہ بن شہاب زہری۔ یہ اسلام سے مشرف ہوئے اور حدیث کے مشہور حافظ امام زہری انہیں کے خاندان (۷۸۶) سے تعلق رکھتے ہیں۔

احتیاطی تدبیریں۔ ایثار اور غیر معمولی مستعدی

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰہِ وَالرَّسُوْلِ مِنْ بَعْدِ مَا اَصَابَھُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْھُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ (سورہ آل عمران ع ۱۸)

جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی پکار کا جواب دیا۔ اس کے بعد کہ ان کو لگ چکا تھا زخم۔ ان میں جو لوگ نیک کردار اور متقی ہیں ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔

فراست نبویؐ

حضرت علی ؓ نے جب میدان احد میں یہ اطلاع دی تھی کہ غنیم مکہ کی طرف روانہ ہوا ہے تو اگرچہ اطمینان ہو گیا تھا کہ مدینہ محفوظ ہے۔ لیکن پھر بھی خطرہ تھا کہ دشمن راستہ سے پلٹ کر دوبارہ حملہ کر دے۔ لہٰذا بطور حفظ ماتقدم یہ بھی ضرور تھا کہ ایک دستہ دشمن کے تعاقب میں بھیج دیا جائے تاکہ اگر وہ پلٹنا چاہے تو یہ دستہ روک تھام کر سکے۔ پھر یہ بھی ضروری تھا کہ شب میں مدینہ کی حفاظت کا پورا انتظام کیا جائے۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ نے پورے لشکر کے متعلق یہ طے فرمایا کہ مدینہ پہنچے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ

جملہ مجاہدین کے ساتھ مغرب سے پہلے مدینہ طیبہ رونق افروز ہو گئے۔ اور وہاں حفاظت کے انتظامات فرما دیے۔ یہ یقینی بات تھی کہ دشمن اگر رات کو مدینہ پر حملہ کرتا تو سب سے پہلے کاشانہ نبوت کا رخ کرتا۔ چنانچہ حضرات انصار کے عمائدین۔ بارگاہ نبوت کے آستانہ پر حاضر ہو گئے اور رات وہیں گذاری۔ زخمیوں کی تعداد کافی تھی۔ رات کو لوگوں نے زخمیوں کی مرہم پٹی کی (۷۸۷)۔ یہ اس لشکر کا ماجرا تھا جو مدینہ میں آیا لیکن :

دشمن کے تعاقب میں دستہ

میدان احد ہی میں روانگی سے پیشتر آپ ﷺ نے اعلان فرمایا۔ من یذہب فی اثرھم (۷۸۸)۔ ان کا تعاقب کون کرے گا۔ فورا" ستر صحابہ کرام ؓ کی جماعت اس مہم کے لیے تیار ہو کر روانہ ہو گئی۔ (۷۸۹)

حمراء الاسد تک یورش

مدینہ طیبہ میں رات خیریت سے گذر گئی۔ دشمن نے مدینہ طیبہ پر یورش نہیں کی۔ لیکن یہ خطرہ باقی تھا کہ دشمن راستہ سے پلٹ کر دوبارہ حملہ کر دے۔ کوئی شخص اسی روز مکہ معظمہ سے مدینہ پہونچا تھا۔ راستہ میں ابوسفیان سے بھی اس کی ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے بھی آکر ذکر کیا کہ لشکر قریش میں یہ بات چل رہی تھی کہ ہمیں دوبارہ حملہ کرنا چاہیے۔ کچھ لوگ کہہ رہے تھے کہ ہم سخت غلطی کر رہے ہیں کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر جا رہے ہیں وہ نیم جان ہو چکے ہیں' ان پر فورا" حملہ کر دیا جائے تو ان کا قلع قمع کیا جا سکتا ہے۔ ہم اسی مقصد سے آئے تھے۔ جب کہ اس مقصد کے پورا ہونے کا موقع ہے تو ادھورا کام کر کے واپس ہوجانا نہ دانش مندی ہے نہ تقاضاء' شجاعت ہے۔ ابوسفیان کا رجحان یہی تھا۔ مگر صفوان بن امیہ اس کی مخالفت کر رہا تھا۔ اس کی دلیل یہ تھی کہ مدینہ میں اور مسلمان بھی ہیں جو تازہ دم ہوں گے۔ ہماری یہ فتح بھی مسلمانوں کی خود اپنی ایک غلطی کے باعث ہوئی ہے۔ اب دوبارہ حملہ کرنے میں خطرہ ہے کہ ہم کامیاب نہ ہو سکیں گے' پھر ہماری یہ شہرت ختم ہو جائے گی۔ رسوائی اور بدنامی پلے پڑے گی۔ (۷۹۰)

بہرحال رات گذرنے کے بعد اتوار کی صبح کو جیسے ہی آنحضرت ﷺ نماز سے فارغ ہوئے حضرت بلال ؓ کو حکم فرما دیا کہ اعلان کر دیں۔ (۷۹۱)

"رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے دشمن کے تعاقب میں چلو اور حکم ہے کہ صرف وہی لوگ چلیں جو کل ہمارے ساتھ جنگ میں شریک تھے۔ (۷۹۲)

نواجون مجاہد صادق

حضرت جابر بن عبداللہ ﷛ جن کے والد ماجد کل شہید ہو چکے تھے انہوں نے یہ اعلان سنا تو وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ کل میں اس لیے حاضر نہیں ہو سکا تھا کہ والد صاحب جہاد میں تشریف لے گئے تھے اور مجھے فرما گئے تھے کہ میں بہنوں کے پاس رہوں۔ والد صاحب کی وصیت ختم ہو چکی۔ اب طبیعت گوارا نہیں کرتی کہ حضرت اقدس جہاد میں تشریف لے جائیں اور میں گھر پر پڑا رہوں۔ مجھے بھی اجازت دی جائے کہ یہ سعادت حاصل کر سکوں' خدا کرے مجھے بھی شہادت میسر آ جائے آنحضرت ﷺ نے نوجوان کا جذبہ دیکھا تو ان کو اجازت دیدی۔ (۷۹۳)

عبداللہ بن ابی اور اس ٹائپ کے کچھ اور آدمیوں نے بھی ساتھ چلنے کی اجازت چاہی آنحضرت ﷺ نے ان کو منع فرما دیا۔ (۷۹۴)

آنحضرت ﷺ نے جھنڈا طلب فرمایا۔ جو اسی طرح بندھا ہوا تھا۔ اس کا پھریرہ ابھی تک اتارا نہیں گیا تھا۔ یہ جھنڈا حضرت علی ﷛ کو عطا فرما دیا (۷۹۵)۔ آپ نے حمراء الاسد کا قصد فرمایا۔ یہ مدینہ طیبہ سے آٹھ دس میل تھا۔ حضرت ثابت بن ضحاک۔ راستہ بتانے کے لیے آ گر آگے چلے۔ (۷۹۶)

الذین اصابھم القرح
(مجروحین)

جن کو ساتھ چلنے کا حکم ہوا تھا جو کل کی جنگ میں شریک تھے ان میں زیادہ تر مجروح اور مضروب تھے جو رات بھر زخم سینکتے اور مرہم پٹی کرتے رہے تھے' ان میں سب سے مقدم خود سرور کائنات کا اسم گرامی تھا (ﷺ) پیشانی اور رخسار مبارک مجروح دندان مبارک شہید۔ لب مبارک چھتے ہوئے۔ دہنے مونڈھے پر چوٹ کا اثر۔ اس کا درد و کرب باقی۔ دونوں گھٹنوں میں چوٹ لگی ہوئی اور کھال چھلی ہوئی۔ (۷۹۷)

آنحضرت ﷺ کے علاوہ :

حضرت اسید بن حضیر ﷛ کے بدن پر نو زخم۔ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے بدن پر نو جگہ چوٹ اور زخم۔ خرش بن صمہ ﷛ کے بدن پر دس زخم۔ کعب بن مالک ﷛ اس سے زیادہ زخم بدن پر لیے ہوئے۔ عبدالرحمٰن بن عوف ﷛ کے بدن پر بیس زخم۔ طلحہ بن عبیداللہ ﷛ (جو آنحضرت ﷺ کے سامنے ڈھال بن کر تیر اپنے اوپر لیتے رہے اور ایک مرتبہ بے ہوش (۷۹۸) ہو گئے تھے تو حضرت ابوبکر صدیق ﷛ نے ان پر پانی کے چھینٹے ڈالے اور ہوش میں لانے کی کوشش کی تھی) ان کے بدن پر ستر سے زیادہ زخم۔ ایک انگلی کٹی ہوئی۔ ہاتھ اتنا مجروح کہ وہ بیکار ہو گیا۔ کبھی اس میں طاقت ہی نہیں آئی۔ اسی طرح کم و بیش اور

رفقاء کرام بھی تھے جو اس وقت اپنے مشفق آقا کی زیر قیادت' حمرا اسد کی طرف روانہ ہو رہے تھے۔ قرآن حکیم کی آیت بالا جن کی تحسین و آفرین کر رہی ہے۔

اس مجروح مگر باحوصلہ لشکر نے حمراء اسد پہونچ کر قیام کیا دشمن آگے "روحاء" پہنچ چکا تھا جو مدینہ سے تقریباً" چھتیس میل ہے۔ وہ وہاں سے پلٹنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ وہاں قبیلہ خزاعہ کے رئیس "معبد" پہنچ گئے۔ اس پورے قبیلہ کو مسلمانوں سے اور اسلام سے ہمدردی تھی۔ اگرچہ یہ سب ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ معبد کے متعلق بھی ابوسفیان کو یہی یقین تھا کہ وہ مسلمان نہیں ہیں۔

معبد خزاعی نے ابوسفیان کو خبردی کہ مدینہ کے مسلمانوں کو جب احد کی شکست کا علم ہوا تو ان میں ہر ایک آگ بگولا ہو گیا۔ اور قریش پر دانت پیسنے لگا۔ یہ سب لوگ انتقام لینے کے لیے نکل پڑے ہیں۔ ممکن ہے آج ہی تم تک پہنچ جائیں۔ ابوسفیان کا رجحان اگرچہ یہ ہو گیا تھا کہ پلٹ کر حملہ کرے۔ لیکن صفوان بن امیہ اس کی مخالفت کر رہے تھے۔ اب معبد خزاعی کے اس بیان سے صفوان کی بات پکی ہو گئی۔ اور یہی طے ہوا کہ پلٹنے کے بجائے مکہ کی طرف تیزی سے بڑھنا چاہیے۔ (۷۹۹)

حمراء اسد میں قیام ایک تدبیر اور اس کا اثر

آنحضرت ﷺ نے اس مقام پر تین روز قیام فرمایا۔ زخموں کو سینکنے کے لیے رات کو آگ کی ضرورت بھی پڑتی تھی۔ لیکن جنگی مصلحت کے لحاظ سے بھی یہ مناسب تھا کہ رات کو جگہ جگہ آگ جلائی جائے۔ چنانچہ پانچ سو پوار آگ کے لگ جاتے تھے۔ جن کی روشنی دور دور تک جاتی تھی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ بہت بڑی فوج پڑی ہوئی ہے۔ (۸۰۰)

دشمن واپس اور مسلمان اتنی تعداد میں موجود اور اطمینان سے وسیع میدان میں پڑاؤ ڈالے ہوئے یہ ایسی تدبیر تھی جس نے شکست کے باوجود آس پاس کے قبائل میں مسلمانوں کی حیثیت قائم رکھی۔ اور بڑی حد تک مسلمان شکست کے نتائج بد سے محفوظ ہو گئے۔ (۸۰۱)

مسلمانوں کی خوراک کھجور تھی۔ لیکن یہاں حضرت سعد بن عبادہ ؓ رئیس خزرج نے تیس اونٹ بھی بھیج دیئے تھے جو ذبح کیے گئے۔

دو شہیدوں کی قبر

آنحضرت ﷺ نے تین آدمیوں کو بطور مخبر بھیجا تھا کہ دشمن کی فوج کا جائزہ لیں۔ اسی مقام (حمراء اسد) پر ان میں سے دو آدمی دشمن کے ہاتھ لگ گئے۔ ان دونوں کو شہید کر دیا۔ آنحضرت ﷺ جب وہاں پہونچے تو ان کی لاشیں دیکھیں۔ غزوہ احد کے شہداء کی طرح ان دونوں کو بھی ایک ہی قبر میں دفن کر دیا گیا۔ (۸۰۲)

شوق بے پناہ

عبداللہ بن سہیل رضی اللہ عنہ اور رافع بن سہیل رضی اللہ عنہ۔ دو بھائی تھے۔ جنگ احد میں شریک رہے تھے۔ دونوں زخمی ہو گئے تھے۔ حضرت رافع رضی اللہ عنہ کی ٹانگ میں ایسی ضرب آئی تھی کہ ان کو چلنا مشکل تھا۔ مگر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا اعلان کانوں میں پڑا تو آپس میں کہنے لگے۔ آج تک کبھی کسی غزوہ میں ہم پیچھے نہیں رہے۔ کیا آج ہم اس غزوہ اور اس سفر کی شرکت سے محروم رہ جائیں گے۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ بلا سواری۔ پاپیادہ یہ دونوں روانہ ہو گئے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے زخم کم تھے ان میں طاقت تھی۔ جب ان کے بھائی رافع رضی اللہ عنہ چلنے سے معذور ہو جاتے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ان کو چڈھی چڑھا کر لے چلتے تھے اسی طرح یہ سفر ختم کیا۔ مغرب بعد عشاء کے قریب حمراء الاسد پہنچے' جب لوگ آگ کے پوار لگا رہے تھے محافظین نے ان دونوں کو گرفتار کر لیا۔ جب معلوم ہوا کہ یہ انصاری صاحبان ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تاخیر کی وجہ دریافت کی۔ جب ان صاحبان نے پورا واقعہ بیان کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی (۸۰۳)۔

براہ عشق گر دریا خلد خارے نباید از رہش پرہیز کردن
کہ از خارش لبے گلہا شگوفد قدم برخار باید تیز کردن

الحب فی اللہ اور البغض فی اللہ کے عملی نمونے

فضیلت صحابہ رضی اللہ عنہم پر قرآنی شہادت

ارشاد ربانی ہے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ (سورہ مجادلہ ح ۲۸ ع ۳)

جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھیں جو اللہ اور رسول کے برخلاف ہیں خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے یا بھائی یا ان کے کنبہ کے' یہی ہیں وہ جن کے دلوں میں لکھ دیا ہے (اللہ تعالیٰ نے) ایمان اور ان کی مدد کی اپنے غیب کے فیض سے اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی۔ وہ ہیں جتھا (گروہ) اللہ کا خوب سن لو جتھا ہے اللہ کا وہی ہے مراد کو پہنچنے والا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

لَایُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ۔ (الحدیث)

کوئی شخص مومن کہلانے کا مستحق نہیں ہے جب تک اس کو مجھ سے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) سے ایسی محبت اور ایسا تعلق خاطر نہ ہو جائے کہ اس کے مقابلہ میں والد۔ اولاد اور انسانوں میں سے جو بھی ہو اس کی محبت ہیچ اور بے حقیقت ہو۔

غزوہ بدر اور غزوہ احد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جاں نثاری اور فدا کاری کے کچھ واقعات آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ ان پر دوبارہ نظر ڈال لیجئے اور فیصلہ فرمایئے کہ۔

(الف) آیات کتاب اللہ اور ارشاد آنحضرت ﷺ نے حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کے پرکھنے کی جو کسوٹی تجویز فرمائی ہے' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کسوٹی پر کہاں تک صحیح اترتے ہیں۔

(ب) اگر یہ قبا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تن زیبا پر بالکل ٹھیک اور نہایت موزوں ہے تو کیا خلعت فضیلت کے سب سے زیادہ مستحق یہی حضرات نہ ہوں گے کیا کائنات کی آنکھ کا تارا ان بزرگوں کے علاوہ کسی اور جماعت کو قرار دیا جا سکتا ہے ؟۔

نتیجہ جنگ

یہی کہا جاتا ہے اور ذہنوں میں یہی بیٹھا ہوا ہے کہ غزوہ احد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ مگر یہ تصور ایسا ہی ہے جیسے اعلیٰ نمبروں میں کامیاب ہونے والا' درجہ دوم کی کامیابی کو ناکامی سمجھنے لگتا ہے۔

قریش نے مدینہ والوں کو لکھا تھا کہ "محمد (ﷺ) کو نکال دو یا اس سے جنگ کرو ورنہ ہم مدینہ پہنچیں گے۔ تمہارے جوانوں کو قتل کریں گے' عورتوں کو باندیاں بنا لیں گے"۔

غزوہ بدر میں شکست ہوئی تو یہ غصہ اور بڑھ گیا۔ بظاہر بدر کی شکست کا بدلہ لینے کے لیے اور درحقیقت اپنی بنیادی دھمکی کو عمل میں لانے کے لیے قریش نے پوری تیاری کی نہ صرف مکہ بلکہ بیرون مکہ کے ہمنوا قبائل کو بھی ساتھ لیا۔ پورا پروپیگنڈہ کر کے ہر ایک جنگجو کو مشتعل کیا۔ کافی دولت صرف کی۔ تقریباً" سوا تین ہزار کا لشکر جرار غصہ سے دانت پیستا ہوا مدینہ کی طرف بڑھا اور حدود مدینہ کی ڈیوڑھی (ذوالحلیفہ) تک پہنچ گیا۔ پھر کیا ہوا۔

اللہ والوں کا ایک لشکر مدینہ سے چلا۔ اس لشکر کے سر پر پہنچ گیا۔ صرف چند گھنٹہ مقابلہ کیا اور اس لشکر جرار کو حواس باختہ بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ پھر تعاقب کیا اور یہاں تک خوف زدہ کر دیا کہ پلٹنے کا نام بھی نہ لے سکا۔

یہ اللہ والوں کی فتح ہے یا شکست۔ ؟

مسلمانوں نے اس کو شکست صرف اس لیے کہا کہ (ا) ان کا محبوب آقا جس کی عافیت ان کو اپنی ہر

ایک چیز سے زیادہ محبوب تھی۔ وہ مجروح ہو گیا تھا۔ اور یہ المیہ خود ان کی ایک غلطی کی بنا پر پیش آیا تھا۔

(۲) جانی نقصان قریش کے مقابلہ میں نسبتاً زیادہ ہوا تھا۔

وحی الٰہی نے عتاب آمیز انداز صرف اس لیے اختیار کیا کہ ارشاد رسول اللہ علیہ وسلم کی تعمیل میں کچھ افراد نے پوری بیداری اور پختگی سے کام نہیں لیا تھا۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَۃً لِّاُولِی الْاَبْصَار۔

تنبیہات و ہدایات

مسلمانوں کی کامیابی اور ترقی کا نظام عمل

(ا) دل میں خوف خدا (تقویٰ) عزم میں پختگی۔ تعلق باللہ کے
اصول پر یکجہتی اور۔ تنظیم و اتحاد۔ امربالمروف و نہی عن المنکر

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (آل عمران ۱۱)

اے مسلمانو! اللہ سے ڈرو ایسا ڈرنا جو واقعی ڈرنا اور ہرگز ہرگز نہ مرنا مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو (سب سے ضروری نصب العین) اسلام پر مضبوطی سے قائم رہو (اور دیکھو) مضبوط پکڑو رسی اللہ کی سب مل کر اور پھوٹ نہ ڈالو۔

وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

اور ضروری ہے کہ ایک جماعت تم میں ایسی ہو جو بھلائی کی باتوں کی طرف دعوت دیتی رہے (بلاتی رہے) اچھی باتوں اور نیک کاموں کا حکم دیتی رہے اور برائی سے منع کرتی رہے' ایسے ہی لوگ کامیاب و بامراد ہوں گے۔

وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْبَیِّنٰتُ وَاُولٰٓئِکَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ۔ یَّوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْہٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْہٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْھُھُمْ اَکَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا کُنْتُمْ تَکْفُرُوْنَ۔ وَاَمَّا الَّذِیْنَ ابْیَضَّتْ وُجُوْھُھُمْ فَفِیْ رَحْمَۃِ اللّٰہِ ھُمْ فِیْھَا خَالِدُوْنَ (سورہ آل عمران ع ۱۱)

اور ان کی طرح نہ ہو جانا جو پھوٹ گئے خدا کے ایک ہی دین پر اکٹھے رہنے کے بجائے الگ الگ ہو گئے اس کے باوجود کہ کتاب اللہ کی روشن اور واضح دلیلیں ان کے سامنے آ چکی تھیں (یقین کرو) یہی لوگ ہیں جن کے لیے کامیابی کے بجائے بڑا (سخت)) عذاب ہے۔ جس روز سفید (اور روشن) ہوں گے کچھ چہرے اور کالے ہو جائیں گے کچھ منہ۔ پس جن کے منہ کالے (اور چہرے سیاہ) ہوں گے ان سے کہا جائے گا) کیا ایمان لانے کے بعد تم لوگ کافر ہو گئے تھے۔ تو جیسی کچھ تمہاری منکرانہ چال تھی اب اس کے بدلہ میں عذاب کا مزہ چکھو۔ اور جن کے چہرے روشن ہوں گے (چمک رہے ہوں گے) وہ اللہ کی رحمت کے سایہ میں ہوں گے (ان کو بشارت ہو گی کہ) وہ رحمت کے اسی سایہ میں ہمیشہ رہیں گے)

(۲) انقلابات کے کچھ قدرتی اصول ہیں۔ مسلمانوں کی ترقی بھی انہیں اصول کی پابند ہو گی نصرت خداوندی بھی اسیوقت ہو گی' جب ترقی پذیر اصول کے تقاضوں کو پورا کرتے رہو۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ (سورہ آل عمران)

تم سے پہلے بھی دنیا میں (قوموں کے عروج و زوال کے) دستور اور قوانین رہ چکے ہیں (وہ تمہارے لیے معطل نہیں ہو جائیں گے) پس دنیا میں چلو پھرو اور دیکھو کہ جو لوگ احکام حق کو جھٹلانے والے تھے' ان کا انجام کیا ہوا (اور پاداش عمل میں کیسے نتائج پیش آئے) یہ لوگوں کی فہم و بصیرت کے لیے ایک بیان ہے اور اہل تقویٰ کے لیے ہدایت و موعظت ہے۔

اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ (سورہ آل عمران ع ۱۴)

اگر تمہیں (احد کی لڑائی میں) زخم لگا ہے تو دوسرے فریق کو بھی ایسا ہی زخم (بدر میں) لگ چکا ہے۔ یہ ہار جیت کے واقعات ہیں جنہیں ہم انسانوں میں یوں ہی ادلتے بدلتے رہتے ہیں (کبھی ایک گروہ کے حق میں میدان جنگ کا فیصلہ ہوتا ہے' کبھی دوسرے کے حق میں) پس یہ کوئی ایسی بات نہیں جس سے تم ہمت ہار بیٹھو۔

اصل چیز جو سوچنے کی ہے وہ ایمانی قوت ہے اگر تمہارے اندر ایمان کی سچی روح

موجود ہے تو پھر رفعت اور سربلندی صرف تمہارے ہی لیے ہے)

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ (سورہ آلعمران ع ۱٤)

(مسلمانو!) کیا تم سمجھتے ہو کہ (محض ایمان کا دعویٰ کر کے) جنت میں داخل ہو جاؤ گے (اور ایمان و عمل کی آزمائشوں سے تمہیں گذرنا نہ پڑے گا) حالانکہ ابھی تو وہ موقع بھی پیش نہیں آیا کہ اللہ تمہیں آزمائش میں ڈال کر یہ بات واضح کر دیتا کہ کون لوگ راہ حق میں پوری کوشش کرنے والے ہیں اور کتنے ہیں جو مشکلوں اور شدتوں میں ثابت قدم رہنے والے ہیں۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (سورہ آل عمران ع ۱٤)

اور (دیکھو) نہ تو ہمت ہارو اور نہ غمگین ہو تم ہی سب سے سربلند ہو بشرطیکہ سچے مومن ہو۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَا اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّا اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ

اور (دیکھو) کتنے نبی ہیں جن کے ساتھ ہو کر بہت سے اللہ والوں نے جہاد کیا۔ (لیکن ایسا نہیں ہوا کہ سختیوں کی وجہ سے جو انہیں راہ حق میں پیش آئیں انہوں نے ہمت ہار دی ہو۔ اور نہ ایسا ہوا کہ وہ کمزور پڑ گئے ہوں (اور سست ہو گئے ہوں) اور نہ وہ کبھی (حریف کے مقابلہ میں دبے نہ بے بس ہوئے اور اللہ ان سے محبت کرتا ہے جو مشکلوں اور مصیبتوں میں ثابت قدم رہتے ہیں۔

اور (سختیوں اور مصیبتوں کا کتنا ہی ہجوم کیوں نہ ہو) ان کی زبانوں سے اس کے سوا کچھ نہ نکلتا تھا کہ اے ہمارے رب ہمارے گناہ بخش دے' ہم سے ہمارے کام میں جو بیجا زیادتیاں ہو گئی ہوں ان سے درگذر فرما۔ ہمارے قدم راہ حق میں جما دے اور منکرین حق کے گروہ پر ہمیں فتح مند کر۔

فَاٰتٰهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ
(آل عمران ع ۱۵)

(جب ان کے ایمان و عمل کا یہ حال تھا) تو خدا نے بھی انہیں دونوں جہان میں اجر عطا فرمایا۔ دنیا کا بھی ثواب دیا (کہ فتح و کامرانی ان کے حصہ میں آئی) اور آخرت کا بھی بہترین ثواب دیا (کہ نعیم ابدی کے مستحق ہوئے) اور اللہ انہیں لوگوں کو دوست رکھتا ہے۔ جو نیک کردار ہوتے ہیں۔

یہ نصب العین اصول اور عقائد و نظریات ہیں۔ کوئی شخصیت خواہ کتنی ہی بلند ہو بناء کار اور بنیادی مقصد نہیں ہے۔ شخصیت کے لیے قربانی کی جا سکتی ہے۔ لیکن اگر یہ شخصیت قربان ہو جائے تو نصب العین کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ (سورہ عمران ع ۱۵)

اور محمد (ﷺ) تو ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے بھی رسول ہو چکے ہیں (جو اپنے اپنے وقت میں مبعوث ہوئے اور راہ حق کی دعوت دے کر رخصت ہو گئے) پھر اگر ایسا ہو کہ (محمد ﷺ) وفات پا جائیں یا (راہ حق میں بالفرض) قتل کر دیئے جائیں۔ تو کیا تم الٹے پاؤں راہ حق سے پھر جاؤ گے (اور ان کے مرنے کے ساتھ تمہاری حق پرستی بھی ختم ہو جائے گی)

اور جو کوئی راہ حق سے الٹے پاؤں پھر جائے گا (وہ اپنا ہی نقصان کرے گا) اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور جو لوگ شکر گذار ہیں (نعمت حق کی قدر سمجھنے والے ہیں) وہ وقت دور نہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کا اجر عطا فرمائے گا۔

بھروسہ خدا پر ہو۔

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِىْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (سورہ آل عمران ع ۱۷)

(مسلمانو!) اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی نہیں جو تم پر غالب آ سکے اور اگر وہی تمہیں چھوڑ بیٹھے تو بتاؤ کون ہے جو اس کے چھوڑ دینے کے بعد تمہارا مددگار ہو سکے

اور اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے مسلمانوں کو

غزوہ احد میں جھٹکا کیوں لگا

(الف) اسباب۔

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (سورہ آل عمران ع ۱۷)

جب (جنگ احد میں) تم پر مصیبت پڑی اور یہ مصیبت ایسی تھی کہ اس سے دوگنی مصیبت تمہارے ہاتھوں (بدر میں) دشمنوں پر پڑ چکی تھی تو تم بول اٹھے یہ مصیبت ہم پر کہاں سے آئی (اے پیغمبر! ﷺ) ان لوگوں سے کہدو (مصیبت تو ضرور آ پڑی مگر) خود تمہارے ہاتھوں سے آئی اگر تم کمزوری نہ دکھاتے اور احکام رسول اللہ ﷺ کی تعمیل کرتے تو کبھی یہ مصیبت پیش نہ آتی۔

(ب) حکمت و مصلحت۔

وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِيْنَ (آل عمران ع ۱۴)

(اس حادثہ کی ایک مصلحت یہ بھی تھی) کہ ☆ اس بات کی آزمائش ہو جائے کہ سچا ایمان رکھنے والا کون ہے اور یہ کہ کرے کچھ تم میں کے شہید (ان کو درجہ شہادت عطا فرمائے) اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا (اور ایک مصلحت یہ بھی تھی) کہ اللہ تعالیٰ نکھار دے ایمان والوں کو۔ اور گھٹا دے منکرین حق کو (کہ اہل ایمان کی پختگی کے نتیجہ میں اہل باطل پست اور نابود ہوں گے۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ (سورہ آل عمران ع ۱۸)

ایسا نہیں ہو سکتا کہ اللہ ایمان والوں کو ایسی حالت میں چھوڑے رکھے۔ جس حالت میں تم آج کل اپنے آپ کو پاتے ہو (کہ منافق اور مومن دونوں ملے جلے ہیں) وہ ضرور ایسا کرے گا کہ ناپاک کو پاک سے الگ کر دے (اور منافق مومنوں سے الگ پہچان لیے جائیں)

لایعنی اور بیکار باتیں۔ فلسفہ موت و حیات

راہ حق میں مرنا اور قتل فی سبیل اللہ بامقصد موت اور بہترین سرمایہ ہے

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِی الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَ مَا قُتِلُوْا لِیَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ وَ اللّٰهُ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ- وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ- وَ لَىٕنْ قُتِلْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَحْمَةٌ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ وَ لَىٕنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ۔
(سورہ آل عمران ع ۱۷)

مسلمانو! ان کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی اور جن کا شیوہ یہ ہے کہ اگر ان کے بھائی بند سفر میں گئے ہوئے ہوں یا لڑائی میں مشغول ہو گئے ہوں تو کہنے لگتے ہیں اگر یہ ہمارے پاس ہوتے تو ان کو نہ موت آتی اور نہ وہ قتل کیے جاتے۔

(مسلمانو!) تم اس قسم کی لغو اور بے ہودہ باتوں سے احتیاط برتو۔ خدا پھر بھروسہ کرتے ہوئے موت و حیات کا معاملہ خدا کے حوالہ کر دو اور تن برتقدیر مضبوطی اور مستعدی سے کام لو) تاکہ تمہارے اس اعتماد اور استقلال کو اللہ تعالیٰ ان منافقوں اور منکرین حق کے دلوں کا داغ بنا دے۔ (اور یاد رکھو) موت و حیات اللہ کے ہاتھ میں ہے وہی مارتا اور جلاتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اس پر اللہ تعالیٰ کی نظر رہتی ہے۔

اور (دیکھو) اگر تم اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے گئے یا اپنی موت مر گئے تو اللہ کی طرف سے جو رحمت و بخشش تمہارے حصہ میں آئے گی وہ یقیناً" ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جن کی پونجی لوگ جمع کیا کرتے ہیں اور (یاد رکھو) تم اپنی موت مرو یا مارے جاؤ' ہر حال میں ہونا یہی ہے کہ تم اللہ کے حضور جمع کیے جاؤ گے۔

یَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَیْءٍ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ یُخْفُوْنَ فِیْ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا یُبْدُوْنَ لَكَ یَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِیْ بُیُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِیْنَ كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ

وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (سورہ آل عمران ع ۱٦)

اس گروہ کے لوگ کہتے تھے کہ جو کچھ ہوا اس میں ہمارے اختیار کی کیا بات تھی (جو خدا کو کرنا تھا کر دیا) اے نبی۔ تم ان لوگوں سے کہدو (اس معاملہ پر ہی کیا موقوف ہے) ساری باتیں اللہ ہی کے اختیار میں ہیں (لیکن اللہ ہی نے ہر نتیجہ کے لیے اس کے اسباب بھی مقرر کر دیئے ہیں) اصل یہ ہے کہ جو کچھ ان لوگوں کے دلوں میں ہے وہ تم پر ظاہر نہیں کرتے۔

(حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے عقیدہ کامیابی اور آنحضرت ﷺ کی بشارتوں کا وہ (معاذ اللہ مذاق بناتے ہیں) کہتے ہیں اگر واقعی کامیابی اور کامرانی کا کوئی حصہ بھی ہمارے لیے ہوتا تو ہم یہاں تہ تیغ نہ کیے جاتے۔ اے نبی۔ آپ فرما دیجئے۔ اگر تم اپنے گھروں کے اندر (چھپے) ہوتے تب بھی جن کے لیے مارا جانا تھا' وہ گھر سے ضرور نکلتے اور اپنے مارے جانے کی جگہ پہنچ کر رہتے (جب اعلیٰ مقصد سامنے ہو تو موت سے ڈرنا بے معنی ہے) واقعہ یہ ہے کہ اس جنگ میں جو کچھ ہوا اس میں بہت سی مصلحتیں تھیں ازانجملہ ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ جو کچھ سینوں میں چھپا ہوا ہے اس کے لیے تمہیں آزمائش میں ڈالے اور جو کدورتیں تمہارے دلوں میں پیدا ہو گئی تھیں انہیں پاک و صاف کر دے اور اللہ وہ سب کچھ جانتا ہے جو انسانوں کے دلوں میں پوشیدہ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ - بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ (سورہ آل عمران ع ۱٦)

مسلمانو! اگر تم ان لوگوں کے کہنے میں آ گئے جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی تو (یاد رکھو) وہ تمہیں راہ حق سے الٹے پاؤں لوٹا دیں گے اور نتیجہ یہ نکلے گا کہ (سعادت کی راہ چل کر پھر) تباہی اور نامرادی میں جا گرو گے (یہ دشمنان حق تمہارے کارساز و رفیق نہیں ہو سکتے) تمہارا کارساز و رفیق تو اللہ ہے۔ مدد کرنے والوں میں سب سے بہتر مدد گار وہی ہے۔

تقدیس شان رسالت

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ

دیکھو نبی کے لیے ممکن نہیں کہ (وہ اللہ کی امانت۔ وحی وغیرہ۔ یا بندوں کی امانت مال غنیمت وغیرہ میں) کسی طرح کی خیانت کرے (کیونکہ جو نبی ہو گا وہ خائن نہیں ہو سکتا) اور جو کوئی خیانت کرتا ہے جو کچھ اس نے خیانت کی ہے (اسے دنیا میں لوگوں کی نظروں سے کتنا ہی چھپا لے' قیامت کے دن نہیں چھپا سکے گا) وہ قیامت کے دن اس خیانت کو اپنے ساتھ لیے ہوئے آئے گا۔ پھر ہر جان اور ہر ایک نفس کو اس کی کمائی کے مطابق پورا پورا بدلہ ملنا ہے۔ یہ نہ ہو گا کہ کسی کے ساتھ بھی کوئی ناانصافی کی جائے۔

کیا ایسا آدمی جس نے اللہ کی خوشنودیوں کی راہ اختیار کی ہے (اور جو کام کرتا ہے وہ اللہ کا پسندیدہ کام ہوتا ہے(وہ اس آدمی کی طرح ہو سکتا ہے جس نے (اپنی بداعمالیوں سے) اللہ کا غضب بٹورا۔ اور جس کا ٹھکانا جہنم جیسا برا ٹھکانا ہوا۔ (نہیں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا) اللہ کے نزدیک لوگوں کے (الگ الگ) مرتبے ہیں) اور جیسے کچھ ان کے اعمال ہیں اللہ انہیں دیکھ رہا ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (آل عمران ع ۱۷)

بلاشبہ اللہ کا مومنوں پر بڑا ہی احسان ہے کہ اس نے ایک رسول ان میں بھیج دیا جو انہیں میں سے ہے وہ اللہ کی آیتیں انہیں سناتا ہے۔ ہر طرح کی برائیوں سے انہیں پاک کرتا ہے اور کتاب و دانشمندی کی تعلیم دیتا ہے۔ اس نے ہدایت کی راہ ان پر کھول دی۔ حالانکہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔

غزوہ احد کے بعد

اسلام کو تباہ و برباد کرنے کی نئی صورتیں اور تدبیریں

(۱)

پہلے تفصیل سے گذر چکا ہے کہ احد کا یہ معرکہ اتفاقی نہیں تھا۔ بلکہ ان کوششوں کا نتیجہ تھا' جو تقریباً" تین سال سے جاری تھیں۔ جب آنحضرت ﷺ قریش کے پنجہ سے نکل کر "مدینہ منورہ" رونق افروز ہو گئے تھے' غزوہ بدر کے بعد ان میں منتقمانہ جذبات کی شدت وحدت بھی پیدا ہو گئی تھی۔

ان کوششوں کا دائرہ صرف "قریش مکہ" تک محدود نہیں رہا تھا۔ بلکہ مقرروں اور شعراء کے ذریعہ اس آگ کو دور دور تک پھیلانے کی کوشش کی گئی۔

(۲)

جنگ احد میں "قریش" کو صرف اتنی کامیابی ہوئی کہ مقتولین معرکہ بدر کا انتقام لے لیا چنانچہ واپسی کے وقت ابوسفیان نے پکار کر کہا تھا۔

یوم بیوم بدر و الحرب سجال (۸۰۴)

یہ بدر کا بدلہ ہوا۔ اور جیسے کنویں میں ڈول اوپر نیچے ہوتے رہتے ہیں کبھی کسی کا ڈول اوپر ہو جاتا ہے کبھی کسی کا۔ ایسے ہی جنگ میں کبھی ایک فریق کا غلبہ ہو جاتا ہے کبھی دوسرے کا۔

لیکن اسلام کی بیخ کنی جو قریش کا اصل مقصد تھا اس میں کامیابی تو کیا ہوتی' اس کے برعکس قرآن حکیم کی شہادت یہ ہے کہ اہل ایمان کے ایمان میں اضافہ ہوا' گلشن یقین میں تازگی آئی اور خمار عشق اور بڑھ گیا۔ چنانچہ غزوہ احد کے تذکرہ کے بعد کتاب اللہ کی آیتیں یہ ہیں۔

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰہِ وَالرَّسُوْلِ مِنْ بَعْدِ مَآ اَصَابَھُمُ الْقَرْحُ - تا - حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ

(وہ برگزیدہ بندے) جنہوں نے (غزوہ احد کا) زخم لگنے کے بعد بھی اللہ اور رسول کی دعوت پر لبیک کہا۔ جب ان سے کہا گیا کہ لوگ تمہارے (ختم کرنے کے) لیے اکٹھے ہو رہے ہیں تمہیں ان سے خائف ہونا چاہیے تو ان کے ایمان اور بڑھ گئے اور ان کی زبان سے نکلا حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔ (سورہ آل عمران ع ۱۸)

غزوہ احد کے بعد قریش کا دعویٰ اور ان کا پروپیگنڈا کچھ بھی ہوا ہو۔ مگر اتنی بات خود قریش اور قریش

کے علاوہ عرب کے جملہ قبائل سمجھ چکے تھے کہ مسلمانوں کو ختم کر دینا صرف قریش کے بس کی بات نہیں ہے۔ پس اگر اپنے دھرم۔ دھرم استھانوں اور اپنے دیوتاؤں کو اسلام کی زد سے بچانا ہے تو ہر قبیلہ کا فرض ہے کہ قریش کی مدد کرے۔ اور جس صورت سے بھی مسلمانوں کو زک پہنچا سکتا ہو زک پہنچائے۔

غزوہ احد' شوال ۳ھ میں ہوا۔ اس سے تقریباً" دو ماہ بعد حج کا وقت آیا۔ حج کے موقع پر عرب کے تمام قبائل مکہ معظمہ پہونچا کرتے تھے' اور کچھ اس طرح لین دین ہوا کرتا تھا کہ قریش ان کی خدمت کیا کرتے تھے اور قبائل عرب کے دلوں میں قریش کی عظمت بڑھا کرتی تھی۔ یہ لین دین اس سال بھی ہوا بلکہ بڑھ چڑھ کر ہوا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام دشمنی کا جذبہ جو قبائل عرب میں پیدا کیا جا رہا تھا اور غزوہ بدر کے بعد جس کا خاص اہتمام و انتظام کیا گیا تھا۔ اس وقت اس نے جارحانہ۔ شکل اختیار کر لی چنانچہ جیسے ہی لوگ حج سے واپس ہوئے۔ ۴ھ کی ابتداء (ماہ محرم) ہی سے اسلام اور مسلمانوں کی تخریب و استیصال کی تین صورتیں عمل میں لائی جانے لگیں۔

(۱) مختلف قبائل کی طرف سے حملہ کی تیاری

(۲) مسلمانوں کی پوری پوری جماعتوں کو دھوکہ دے کر قتل کر دینا۔

(۳) سرور کائنات۔ جان دو عالم ﷺ کے قتل کی کوشش۔

یہ کہنا بے جا نہیں ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی اور آپ ﷺ کی مقدس شخصیت ایک معجزہ تھی اگر سلسلہ روحانیات میں بلندی نظر حد اعجاز سے آگے بڑھی ہوئی تھی تو سیاست اور تدبیر مملکت میں بھی نظر کی گہرائی اور دور اندیشی معجزہ کی شان رکھتی تھی۔

دشمن کی چال کے جواب میں جو تدبیریں اختیار کی گئیں اگرچہ اللہ نے ان کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔ اِنَّھُمْ یَکِیْدُوْنَ کَیْدًا وَّاَکِیْدُ کَیْدًا۔ (سورہ طارق)

لوگ طرح طرح کی تدبیریں کر رہے ہیں اور میں بھی طرح طرح کی تدبیریں کر رہا ہوں

لیکن اس مادی دنیا میں خداوندی تدابیر انہیں مادی انسانوں کے ذریعہ نمودار ہوئیں جن کے جان و مال کو اللہ تعالیٰ نے جنت کے معاوضہ میں خرید لیا تھا۔ (۸۰۵)

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ (سورہ توبہ ع ۱۴)

اور پہلے گذر چکا ہے کہ افضلیت جہاد کی علت ہی یہ ہے کہ مجاہد اپنے نفس کا بندہ بن کر جہاد نہیں کرتا۔ بلکہ رضاء الٰہی کے تابع اور منشاء الٰہی کی تکمیل کے لیے ایک "آلہ" بن کر جانی اور مالی قربانی پیش کیا کرتا ہے۔ پس آنحضرت ﷺ کی تدبیریں اگرچہ من جانب اللہ تھیں مگر سلسلہ اسباب میں وہ آپ ﷺ ہی کے تدبر کا نتیجہ تھیں اس لیے وہ آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ کے گوہر درخشاں ہیں۔ ے

بہرحال دشمنان اسلام نے جو راستے اختیار کیے ان کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا اقدام یہ تھا کہ جس قبیلہ کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ حملہ کی تیاری کر رہا ہے اس سے پہلے کہ وہ آگے آئے آپ نے پہلے ہی مجاہدین کا دستہ ان کے سر پر بھیج دیا اور شورش کی چنگاریوں کو وہیں ٹھنڈا کر دیا۔ اگر وہ شورش ایک شخص کے خاتمہ سے ختم ہو سکتی تھی تو آپ ﷺ نے صرف ایک شخص کے متعلق تدبیر اختیار کی اور پورے قبیلہ کو جنگ کی مصیبت میں مبتلا نہیں کیا۔ چند واقعات ملاحظہ فرمائیے۔

سریہ ابو سلمہ

طلیحہ اور سلمہ۔ حملہ کی تیاری کر رہے تھے۔ انہوں نے گھوم (۸۰۶) پھر کر اور قبائل کو بھی آمادہ کیا تھا۔ ابھی یہ کوئی حرکت نہیں کر سکے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک سو پچاس مجاہدین کا دستہ ان پر یورش کے لیے بھیج دیا۔ اپنے ایک عزیز رشتہ دار ابو سلمہ رضی اللہ عنہ بن عبدالاسد مخزومی کو اس کا علمبردار بنایا۔ اسی لیے اس کو "سریہ ابو سلمہ" کہا جاتا ہے۔ یہ دستہ بہت تیزی سے "قطن" پہونچا۔ جو حملہ آوروں کا مرکز تھا۔ ان کی چراگاہ پر حملہ کر کے ان کے مویشی ضبط کر لیے۔ تین چرواہوں کو گرفتار کر لیا۔
حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے چند روز یہاں قیام کیا۔ پچاس مجاہدین کو اپنے ساتھ رکھا۔ باقی مجاہدین کی دو ٹولیاں بنا کر ان قبائل کی طرف بھیج دیں جو اس تیاری میں شریک تھے۔ ان مجاہدین نے ان کی چراگاہوں پر حملے کر کے مویشی ضبط کر لیے۔ (۸۰۷) اس طرح اس علاقہ کی شورش کو ابھرنے سے پہلے فرو کر دیا۔

طلیحہ اور سلمہ کون تھے اور کہاں تھے؟

طلیحہ (۸۰۸) اور سلمہ فرزندان خویلد۔ قبیلہ بنی اسد کے سردار تھے۔ قبیلہ بنی اسد بن خزیمہ "فید" کے پہاڑی علاقہ میں "کوہ قطن" پر آباد تھا۔ ایک چشمہ بھی ان کے قبضہ میں تھا جو خوش حالی کی علامت اور ضمانت سمجھا جایا کرتا تھا۔

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کا تعارف

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ اس سریہ کے قائد اور علمبردار تھے۔ آنحضرت ﷺ کے پھوپی زاد بھائی تھے۔ والدہ محترمہ حضرت برہ بنت عبدالمطلب تھیں۔ ثوبیہ کا دودھ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے بھی پیا تھا۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ (۸۰۹) یہ سریہ محرم (۸۱۰) ۴ھ میں مدینہ طیبہ سے روانہ ہوا تھا۔

سریہ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ

عرفہ کے قریب ایک مقام "عرنہ" ہے اس کے نشیبی حصہ کو "بطن عرنہ" کہا جاتا ہے۔

عرنہ کے کچھ آدمی مدینہ حاضر ہو کر مسلمان ہوئے تھے۔ ان کو مدینہ منورہ کی آب و ہوا موافق نہیں آئی۔ ان کے پیٹ بڑھ گئے اور استسقاء ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ نے مدینہ سے باہر اونٹوں کی چراگاہ میں ان کے قیام کا انتظام فرما دیا اور ایک نسخہ بتا دیا کہ اونٹ کا دودھ زیادہ سے زیادہ استعمال کریں۔ یہ نسخہ ایسا موافق آیا کہ چند دنوں میں مرض جاتا رہا۔ صحت بحال ہو گئی تندرست اور توانا ہو گئے۔ لیکن ان بدبختوں نے اس شفقت اور مراعات سے ناجائز فائدہ اٹھایا۔ جب ہٹے کٹے ہو گئے تو چراگاہ پر ڈاکا ڈالا۔ اونٹ لوٹ لیے اور نگراں کو شہید کر دیا۔ اس کی اطلاع مدینہ منورہ میں پہونچی تو ان کا تعاقب کیا گیا۔ ان سب کو گرفتار کر لیا گیا۔ اور ڈکیتی اور قتل ناحق کی سزا ان کو دیدی گئی۔ اسی مقام (عرنہ) میں ایک شخص مقیم تھا سفیان بن خالد اس کا تعلق قبیلہ "بنی ہزل" سے تھا۔ پھر اس نے اپنا الحاق قبیلہ "بنی لحیان" سے کرایا تھا اسی وجہ سے اس کو ہزلی ثم لحیانی کہا جاتا تھا "سفیان بن خالد ہزلی ثم لحیانی" اس کا پورا نام ہوتا تھا باوجود یکہ عرنہ کا رہنے والا نہیں تھا مگر اس نے یہاں اپنا اثر پورا جما رکھا تھا۔

آنحضرت ﷺ نے چند رفقاء کو مکہ کے کچھ حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا تھا اس نے بنو لحیان کو ان کے پیچھے لگا کر ان سب کو شہید کرا (۸۱۱) دیا۔ اور چونکہ مدینہ پر حملہ کرنے کی ہوا چل رہی تھی تو اس نے حملہ کی تیاری شروع کر دی۔ ابھی تیاری مکمل نہیں ہوئی تھی کہ حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ وہاں پہونچے اور اس کو قتل کر دیا۔ تنہا حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کی جرات نے ایک دستہ فوج کا کام کیا اور اس طرح یہ قبیلہ بھی تاخت و تاراج سے محفوظ رہ گیا۔

روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے جب آنحضرت ﷺ سے اس اقدام کی اجازت حاصل کی تو آنحضرت ﷺ نے اس کا حلیہ بھی بتا دیا تھا اور یہ بھی فرمایا تھا کہ اس کی شکل ایسی مہیب اور ڈراؤنی ہے کہ جب تم دیکھو گے تو ڈر جاؤ گے اور تمہیں شیطان یاد آ جائے گا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس وقت تو میں نے عرض کر دیا تھا کہ حضرت میں تو کسی سے ڈرا نہیں کرتا۔ لیکن واقعی سفیان بن خالد کا ڈھنگ اور اس کی صورت کچھ ایسی تھی کہ جب میں نے اس کو دیکھا تو دل دہل گیا۔ اور مجھ پر رعب چھانے لگا۔ مگر میں فوراً سنبھلا اور اس سے باتیں شروع کر دیں۔ میری مرعوبیت ختم ہو گئی۔ وہ اس وقت بطن عرنہ میں تھا۔ ایک مجمع اس کے ساتھ تھا جو اس کے خیمہ کے قریب تک ساتھ رہا۔ پھر رخصت ہو گیا۔ مگر میں نے کہہ دیا تھا کہ میں قبیلہ خزاعہ کا ہوں۔ پھر اس سے میٹھی میٹھی باتیں کرتا رہا اس کو یہ بھی توقع دلائی کہ اس مہم میں اس کے ساتھ رہوں گا۔ وہ میری باتوں سے ایسا مانوس ہوا کہ رخصت نہیں کیا یہاں تک کہ رات ہو گئی اور وہ تنہا خیمہ میں رہ گیا۔ میں نے موقع پا کر اس کو قتل کر دیا۔ جب اس کے ساتھیوں کو پتہ چلا تو وہ میری تلاش میں دوڑے۔ میں ایک غار میں چھپ گیا تھا۔ وہ اس غار کے قریب بھی آئے مگر وہاں مکڑی نے جالا تن دیا تھا۔ اس غار کا ان کو خیال بھی نہیں ہوا۔ جب رات

ہوئی تو میں غار سے نکلا۔ پھر رات کو چلتا تھا دن کو چھپ جاتا تھا۔ یہاں تک کہ میں مدینہ پہنچ گیا۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر (۸۱۲) ہوا۔ پورا قصہ سنایا۔ آپ ﷺ نے تحسین فرمائی اور دعا دی (۸۱۳) حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ ۵ محرم الحرام ۴ھ کو اس مہم کے لیے مدینہ سے روانہ ہوئے تھے ۲۳ محرم الحرام ۴ھ کو واپس پہنچے۔ اٹھارہ روز مدینہ سے غیر حاضر رہے۔ (۸۱۴)

خون ناحق کی لرزہ خیز مثالیں

خدا پرستوں کی جماعتوں کو دھوکے سے قتل کرنے کی وارداتیں

بیر معونہ اور رجیع کے حادثات

(۱)

علاقہ نجد میں بنو سلیم آباد تھے۔ رعل۔ ذکوان۔ عصیہ بنی لحیان اور بنو عامر کے قبائل کے نام تھے۔ ان کے رئیس کا نام عامر تھا۔ (ابن طفیل۔ بن مالک۔ بن جعفر بن کلاب)

عامر بن طفیل کے مزاج میں خشونت تھی۔ دماغ میں نخوت اور طرہ یہ کہ رئیس سے بڑھ کر بادشاہ بننے کا بھی شوق تھا۔ یہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو تین صورتیں پیش کیں۔ (۱) حکومت کا اس طرح بٹوارہ ہو کہ شہری علاقوں پر میری اور اہل بادیہ پر آپ کی حکومت ہو۔ (۲) یا آپ مجھے اپنا قائم مقام (ولی عہد) نامزد کر دیں۔ ان میں سے کوئی بات تسلیم نہیں ہے تو قبیلہ غطفان کے ہزاروں بہادر شہ سواروں کو لے کر آپ پر حملہ کروں گا۔ (۸۱۶)

اسی (۸۱۷) سال کی عمر تھی تب یہ دم خم تھا۔

ظاہر ہے ان میں سے کوئی بات بھی قابل تسلیم نہیں تھی۔ چنانچہ یہ کور باطن محروم واپس ہوا۔ کچھ دنوں بعد اس کا چچا۔ عامر بن مالک جس کی کنیت (ابو براء تھی اور ملاعب ۸۱۸) الاسنہ کے خطاب سے مشہور تھا) بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ (۸۱۹) اور خود اپنی طرف (۸۲۰) سے بھی اور رعل ذکوان وغیرہ قبائل کی طرف سے بھی اپنے حریفوں کے مقابلہ پر امداد کی درخواست کی۔ یہ قبائل آنحضرت ﷺ وسلم سے معاہدہ کیے ہوئے تھے۔ آپ نے درخواست منظور فرمائی اور حضرات انصار میں سے ستر مجاہد منتخب فرمائے۔

آنحضرت ﷺ نے اس موقع پر ابو براء عامر کو اسلام کی دعوت بھی دی تو اس کا خوش نما جواب یہ تھا کہ آپ ﷺ اپنے منتخب اصحاب کو بھیجیں گے تو وہ فریضہ دعوت بھی انجام دیں گے اور امید ہے کہ ان کی دعوت کامیاب ہو گی۔ اس بنا پر آپ ﷺ نے انتخاب کے وقت اس کا بھی خیال فرمایا اور ایسے ہی صحابہ کو

منتخب فرمایا جو علم و فضل میں امتیازی شان رکھتے تھے اور ان کو قراء کہا جاتا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ان صحابہ کی شان یہ بیان (۸۲۱) کی ہے۔

كَانُوْا يَحْتَطِبُوْنَ بِالنَّهَارِ وَيُصَلُّوْنَ بِاللَّيْلِ (۸۲۲)
كَانُوْا قَوْمًا يَسْتَعْذِبُوْنَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (طبقات ص ۳۸ ج ۳)

دن کو لکڑیاں چن کر معاش فراہم کیا کرتے اور رات کو نوافل میں مشغول رہتے تھے۔ بارگاہ رسالت کے لیے (علی صاحبها الصلوۃ والسلام) پینے کا پانی بھی مشکیزوں میں بھر کر یہی حضرات لایا کرتے تھے چند حضرات کے نام نامی یہ تھے :

منذر بن عمرو۔ حارث بن صمہ۔ حرام بن ملحان۔ عروۃ بن اسماء بن الصلت' نافع بن بدیل۔ عامر بن فہیرہ۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

حضرت منذر بن عمر اس جماعت کے قائد اور امیر بنائے گئے۔

باوجود یکہ اہل قبائل امداد کی درخواست لے کر آئے تھے اور درخواست ہی کی بنا پر ان صحابہ کو بھیجا جا رہا تھا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک مطمئن نہیں تھا۔ چنانچہ ابن ہشام اور ابن سعد کی روایتوں میں ہے کہ آپ نے (صلی اللہ علیہ وسلم) ابو براء عامر سے یہ بھی فرمایا تھا کہ "مجھے اہل نجد" کی طرف سے خطرہ ہے۔ لیکن ابو براء نے بڑے وثوق سے سینہ ٹھوک کر کہا تھا۔ میں ذمہ دار ہوں کوئی خطرہ پیش نہیں آئے گا۔ لیکن ضمیر پر تنویر کا خدشہ بے معنی نہیں تھا۔ جب یہ قافلہ "بیر معونہ" پہونچا تو یہ خدشہ تاریخ کا سانحہ عظیم بن کر سامنے آگیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قبائل کے سردار عامر بن طفیل کے نام خط لکھا تھا۔ طے یہ ہوا کہ تین صاحبان جا کر عامر بن طفیل کو یہ مکتوب گرامی پیش کر دیں۔

حضرت حرام بن ملحان۔ حضرت کعب بن زید اور حضرت منذر بن محمد بن عقبہ رضی اللہ عنہم (خزرجی) حضرت کعب بن زید رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں لنگ تھا۔ اس وجہ سے بعض روایتوں میں اعرج (۸۲۳) ہی کہا گیا ہے' نام نہیں لیا گیا۔

یہ تینوں حضرات روانہ ہوئے۔ قبیلہ کی آبادی کے پاس پہونچے۔ حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ ان تین میں امیر تھے۔ انہوں نے فریضہ قیادت و سیادت اس طرح انجام دیا کہ اپنے دونوں ساتھیوں کو کہا کہ آپ یہیں ٹھیریں۔ عامر بن طفیل کے پاس میں تنہا جاتا ہوں۔ اگر خدشہ کی بات پیش آئی تو صرف ایک پر گذرے گی۔ آپ دونوں صاحبان جا کر دوسرے ساتھیوں کو مطلع کر دینا۔

اس عزم کے ساتھ حضرت حرام روانہ ہوئے۔ یعنی مار ڈالنے اور قتل کر دینے کا عزم نہیں بلکہ قربان

ہونے اور فدا ہونے کی تمنا لے کر چلے۔ عامر کے پاس پہونچے۔ اس کو مکتوب گرامی دیا۔ عامر نے خط پڑھنے کے بجائے ساتھ والوں کو اشارہ کر دیا۔ چنانچہ ایک بدبخت نے اس نامہ بردپیامبر (حضرت حرام) کے پیچھے سے نیزہ مارا۔ نیزہ پار ہو گیا۔ خون کا فوارہ چھوٹا۔ حضرت حرام زخمی ہو کر گرے) مگر معلوم ہے اس وقت بے ساختہ اس تڑپتے ہوئے بسمل کی زبان سے کیا الفاظ نکلے تھے۔ تاریخ نے وہ الفاظ قلمبند کر رکھے ہیں۔ الفاظ یہ تھے۔ فزت و رب الکعبہ۔ رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے اس حادثہ کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے۔

قَالَ بِالدَّمِ هٰكَذَا فنضحه عَلٰى وَجْهِهٖ وَرَأْسِهٖ- ثُمَّ قَالَ فُزْتُ وَ رَبِّ الْكَعْبَةِ (بخاری شریف ص ۵۸۶)

جب خون کا فوارہ چھوٹنے لگا تو ایسا کیا کہ اپنے چہرے اور سر پر خون کا چھپکا مارا۔ پھر کہا کامیاب ہو گیا قسم رب کعبہ کی۔

اس عجیب و غریب قربانی پر بھی سنگدل عامر بن طفیل کا دل ٹھنڈا نہیں ہوا۔ بلکہ گھوڑا دوڑا کر قبائل میں پہونچا۔ صرف ایک قبیلہ (بنو عامر) نے تو اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ باقی قبائل رعل۔ ذکوان۔ عصیہ کے لڑاکو اس کے ساتھ دوڑ پڑے۔ بیر معونہ پہونچ کر قراء کرام کو سب طرف سے گھیر لیا۔ ان حضرات نے مقابلہ بھی کیا۔ لیکن حملہ اچانک ہوا تھا اور حملہ آور بہت زیادہ تھے لہٰذا مقابلہ کا نتیجہ صرف یہی ہوا کہ ہر ایک قاری نے جام شہادت نوش کیا رضی اللہ عنہم۔ ان ستر میں سے صرف ایک صاحب "حضرت کعب بن زید رضی اللہ عنہ" (اعرج) جن کو مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا گیا تھا' زندہ رہ گئے' جو کسی طرح مدینہ پہنچے۔ پھر اگلے سال غزوہ خندق میں شہید ہوئے۔ (۸۲۴)

دو صاحب حضرت عمرو بن امیہ ضمری اور منذر بن محمد انصاری رضی اللہ عنہما اس طرف اپنے اونٹ لے گئے تھے۔ انہوں نے دور سے دیکھا کہ گدھ اڑ رہے ہیں۔ گوشت کے لوتھڑے ان کے پنجوں میں ہیں جن سے خون ٹپک رہا ہے۔ انہیں خیال ہوا کہ کوئی معرکہ ہوا ہے اور لاشیں پڑی ہوئی ہیں۔ جن پر یہ گدھ منڈلا رہے ہیں اور ان کا گوشت نوچ رہے ہیں۔ وہ اس میدان کی طرف بڑھے جہاں شہیدوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں اور قاتل اپنی کامیابی پر سرمست تھے۔ جب ان کو حقیقت حال کا علم ہوا تو حضرت منذر بن محمد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہمیں فوراً" مدینہ پہونچ کر اس کی اطلاع کرنی چاہیے لیکن حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ نے اس کی تائید نہیں کی۔ آپ نے فرمایا "میں اس میدان سے نہیں ٹل سکتا جہاں منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ شہید ہوا ہو۔ میں مقابلہ کروں گا اور اپنی جان کھپاؤں گا۔ آپ مدینہ جا کر خبر کر سکتے ہیں"

لیکن ان کے رفیق منذر بن محمد انصاری رضی اللہ عنہ کو یہ بھی گوارا نہ ہوا کہ اپنے رفیق سفر کا ساتھ چھوڑ دیں چنانچہ ان دونوں نے حملہ کر دیا۔ نتیجہ ظاہر تھا؟ حضرت منذر بن محمد انصاری رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ حضرت عمرو

رضی اللہ عنہ بن امیہ ضمیری کو گرفتار کر لیا گیا اور عامر بن طفیل کے سامنے پیش کیا گیا کہ وہ جس طرح چاہے قتل کرے۔

مگر عمرو بن امیہ ضمیری سے ایک تاریخ (۸۲۵) بننے والی تھی۔ ان کی زندگی کے دن باقی تھے۔ عامر بن طفیل نے صرف اس بنا پر کہ حضرت عمرو بن امیہ کا تعلق "بنو ضمیرہ" سے تھا جو قبیلہ "مضر" (۸۲۶) کی شاخ تھا (جو اسلام دشمنی میں پیش پیش تھا) ان کے قتل کا حکم نہیں دیا۔ پھر یہ کہہ کر کہ اس کی ماں نے غلام آزاد کرنے کی منت مان رکھی ہے اپنی ماں کی طرف سے ان کو آزاد کر دیا۔ البتہ پیشانی کے بال کاٹ دیئے۔ (۸۲۷)

آنحضرت ﷺ کو اطلاع اور قنوت نازلہ

حضرت عمرو بن امیہ ضمیری اور حضرت منذر بن محمد انصاری کو گوشت خور پرندوں کی پرواز سے مظلوم قراء کی شہادت کا اشارہ ملا تھا۔ لیکن خاتم الانبیاء ﷺ کو طائر قدس (فرشتہ) نے فوراً ہی اس سانحہ کی اطلاع دیدی جو اسلام کی تاریخ میں سب سے زیادہ درد ناک حادثہ تھا' ساتھ ساتھ ان شہداء حق کا پیغام بھی پہونچا دیا کہ۔

بَلِّغُوْا عَنَّا قَوْمَنَا اِنَّا لَقِیْنَا رَبَّنَا فَرَضِیَ عَنَّا وَ اَرْضَانَا

ہماری قوم کو یہ خبر پہنچا دو کہ ہم اپنے رب سے ملے وہ ہم سے خوش ہو گیا اور اس نے ہمیں خوش کر دیا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان شہداء کا یہ پیغام قرآن پاک کی آیت کی طرح ایک عرصہ تک پڑھا گیا۔ (۸۲۸)

یہ ان بزرگوں کے تقدس اور معصومیت و مظلومیت کی برکت تھی کہ موت ان کے لیے فرحت بخش حیات جاوداں بن گئی۔ لیکن رحمتہ عالم ﷺ کو اس حادثہ کا اتنا صدمہ ہوا کہ بقول حضرت انس رضی اللہ عنہ ایسا صدمہ اور کبھی نہیں ہوا تھا۔ (۸۲۹)

یہ ہو سکتا تھا کہ آپ اپنی پوری طاقت سے ان غداروں اور سرکشوں پر حملہ کر دیتے۔ مگر آپ ﷺ نے انتقام کا معاملہ حضرت حق جل مجدہ کے حوالہ کیا۔ جس کی شکل یہ تھی کہ آپ ایک ماہ تک نماز صبح میں رکوع اور سجدہ کے درمیان (قومہ میں) یہ دعا پڑھتے رہے۔

اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ و طاتک عَلٰی مضر اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا عَلَیْهِمْ سِنِیْنَ کَسِنِیْ یُوْسُفَ۔ (۸۳۰)

اے اللہ کفار مضر کو سختی سے پامال کر دے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کے قحط

کی طرح ان کو قحط میں مبتلا کر دے۔

حضرت عامر بن فہیرہ

یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے وہی آزاد کردہ غلام ہیں جو ہجرت کے وقت راز دار تھے۔ جب تک غار ثور میں آنحضرت ﷺ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قیام رہا دونوں وقت دودھ کی اونٹنی لے جا کر ان بزرگوں کو تازہ دودھ پلاتے تھے۔ راز داری کے ساتھ جاتے اور آتے اور دن بھر جبل ثور کے دامن میں بکریاں چراتے ہوئے پاسبانی کرتے رہتے۔ جب غار ثور سے روانگی ہوئی تو مدینہ طیبہ تک موکب ہمایوں کی نگرانی کرتے رہے کہ کوئی حادثہ پیش نہ آ جائے۔

ان ستر قراء میں (جو بیر معونہ کے حادثہ میں شہید ہوئے) یہ بھی شامل تھے۔ حضرت عمرو بن امیہ ؓ بیان فرمایا کرتے تھے کہ جب مجھے گرفتار کر لیا گیا تو (رئیس المشرکین) عامر بن طفیل نے ایک لاش کی طرف اشارہ کر کے مجھ سے دریافت کیا کہ یہ کس کی لاش ہے۔ میں نے جواب دیا حضرت عامر بن فہیرہ رفیق رسول اللہ ﷺ کی۔ عامر بن طفیل نے کہا۔ عجیب ماجرا میں نے دیکھا۔ یہ لاش اٹھائی گئی۔ میں دیکھ رہا تھا۔ آسمان کے قریب تک اس کو لیجایا گیا پھر یہاں لا کر رکھ دیا گیا۔

حضرت جبار بن سلمی کلابی فرمایا کرتے تھے کہ حضرت عامر میرے نیزے سے شہید ہوئے۔ جب ان کے زخم لگا تو ان کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔ فزت واللہ (خدا کی قسم کامیاب ہو گیا) مجھے حیرت ہوئی۔ "فزت" کہنے کا یہ موقع ہے۔ اور کامیاب کس بات میں ہوئے؟ میں حضرت ضحاک بن ثابت (ؓ) کے پاس آیا۔ میں نے دریافت کیا۔ "فزت" کا کیا مطلب۔ کس چیز میں کامیاب ہو گئے۔ فرمایا حصول جنت میں۔ حضرت جبار کہتے ہیں کہ میرے مسلمان ہونے کا محرک۔ یہی فقرہ تھا (۸۳۱)

عامر بن طفیل (رئیس المشرکین) کا حشر

آل سلول کی کوئی عورت تھی جو "ام فلان" کہلائی تھی یہ اس کے یہاں ٹھیرا ہوا تھا کہ طاعون میں مبتلا ہو گیا طاعون کی گلٹی اتنی بڑی تھی جیسے اونٹ کی گلٹی ہوتی ہے اس نے سمجھا یہ اس عورت کی نحوست ہے۔ پس اپنا گھوڑا منگایا اور سوار ہو کر چلا۔ مگر کہیں پہونچنے نہیں پایا تھا کہ گھوڑے کی پیٹھ پر ہی اس کی جان نکل گئی۔ (۸۳۲)

تاریخ

بیر معونہ کا یہ حادثہ عظیم غزوہ احد سے چار ماہ اور ہجرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چھتیس ماہ

بعد پیش آیا۔ صفر ۴ھ میں۔ (۸۳۳) یہی زمانہ تھا کہ عرب کے دو مشہور قبیلوں عضل اور قارہ کے چند آدمی خدمت مبارکہ میں حاضر ہوئے کہ ہمارے قبیلوں میں اسلام سے دلچسپی پیدا ہو رہی ہے۔ آپ کچھ آدمی بھیج دیں جو لوگوں کو مسلمان بنائیں اور اسلام کے طریقے ان کو سکھائیں۔ آپ ﷺ نے دس صحابہ (۸۳۴) کو ان کے ساتھ کر دیا۔ ان میں سے سات کے نام یہ تھے۔

مرثد بن ابی مرثد غنوی۔ خالد بن بکیر لیثی۔ عاصم بن ثابت ۔ خبیب بن عدی۔ زید بن دثنہ۔ عبداللہ بن طارق۔ معتب بن عبید (رضی اللہ عنہم)

عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر کیا (۸۳۵) اور ان کو یہ بھی ہدایت کر دی کہ حالات معلوم کرتے رہیں۔ (۸۳۶)

جب یہ حضرات مقام ہدہ (۸۳۷) پر پہنچے جو عسفان اور مکہ کے وسط میں ہے تو ان غداروں نے بدعہدی کی اور جیسا کہ پہلے سریہ عبداللہ بن انیس کے بیان میں گذر چکا ہے سفیان بن خالد نے "قبیلہ بنو لحیان" کو اشارہ کر دیا کہ ان کا کام تمام کر دیں۔ بنو لحیان کے دو سو آدمی جن میں ایک سو تیر انداز تھے فوراً" ان کے تعاقب میں چل دیئے۔ حضرات صحابہ نے اس مجمعہ کو دیکھا تو بڑھ کر ایک ٹیلہ پر چڑھ گئے۔ حملہ آوروں نے ٹیلہ کو گھیر لیا۔ مگر مقابلہ مشکل تھا اس لیے انہوں نے قسمیں کھا کھا کر اطمینان دلایا کہ ہم آپ لوگوں کو قتل نہیں کریں گے البتہ آپ لوگوں کے ذریعہ اہل مکہ سے کچھ باتیں منوائیں گے اور کچھ مطالبات حاصل کریں گے۔ (۸۳۸)

حضرت عاصم رضی اللہ عنہ ان کی قسموں سے مطمئن نہیں ہوئے اور فرمایا "میں گوارا نہیں کرتا کہ کافر کی پناہ لوں" حضرت عاصم نے خدا سے دعا کی کہ ان کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا دے اور مقابلہ کرتے ہوئے یہ بھی شہید ہوئے ان کے ساتھ چھ افراد اور بھی شہید ہو گئے صرف تین باقی رہ گئے حملہ آوروں نے ان تینوں کو پھر اطمینان دلایا کہ وہ نیچے آ جائیں ہم کچھ نہیں کہیں گے۔ جب زیادہ اصرار کیا حضرت خبیب اور حضرت زید رضی اللہ عنہما اتر آئے۔ ان غداروں نے فوراً" اپنی کمانوں کے تانت اتارے اور ان کے ہاتھ پاؤں کس دیئے۔ حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ جو ابھی اوپر تھے۔ انہوں نے فرمایا۔ یہ پہلی بدعہدی اور غداری ہے میں اس طرح اپنے آپ کو حوالہ نہیں کر سکتا۔ یہ کہہ کر مقابلہ پر ڈٹ گئے۔ مگر دو سو کے مقابلہ پر تنہا کیا کر سکتے تھے۔ حملہ آوروں نے انہیں کھینچ کر شہید کر ڈالا۔ (۸۳۹)

اب حضرت خبیب اور حضرت زید (رضی اللہ عنہم) ان کی قید میں باقی رہ گئے۔ ان دونوں کو مکہ میں لائے۔

قبیلہ ہذیل کے دو آدمیوں کو اہل مکہ نے گرفتار کر رکھا تھا۔ لحیانی حملہ آوروں نے ان دونوں کو رہا کرا لیا۔ اور حضرت خبیب اور حضرت زید کو فدیہ میں دے دیا۔

اب یہ دونوں بزرگ غلاموں کی طرح فروخت کیے گئے اور خریدار وہ بنے جن کے عزیز غزوہ بدر میں

مارے گئے تھے اور غزوہ احد کے بعد بھی ان کے دماغ جوش انتقام سے کھول رہے تھے امیہ بن صلت (مقتول بدر) کے بیٹے صفوان بن امیہ نے (جو مکہ کا رئیس اور ابوسفیان کا دست و بازو تھا) حضرت زید بن دثنہ کو خریدا اور اپنے باپ کے قصاص میں بڑی شان سے قتل کرایا۔

کفار اشہر حرم (۸۴۰) کا احترام کرتے تھے اور حرم مکہ کا بھی۔ اشہر حرم تو گذر چکے تھے۔ مگر حرم مکہ کا احترام باقی تھا۔ اس لیے حرم مکہ سے باہر "تنعیم" میں ان کے قتل کا انتظام کیا گیا۔ قتل کا تماشہ دیکھنے کے لیے مکہ کے دوسرے رؤسا کے ساتھ ابوسفیان بھی آ گیا۔ جب قاتل نے تلوار ہاتھ میں لی تو "ابوسفیان" نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کہا۔ تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں۔ سچ کہنا۔

کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اس وقت تمہاری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کھڑے ہوں ہم ان کی گردن اڑائیں اور تم اپنے بال بچوں میں آرام کرو۔

ایک عاشق صادق کے سامنے ایک عجیب سوال آیا۔ غیرت عشق تڑپ اٹھی۔ فوراً" جواب دیا

محمد (فداہ روحی) اس وقت اس موقع پر میری جگہ ہوں اور میں اپنے گھر میں ہوں اس کو تو میں کیا چاہتا اور پسند کرتا۔ میں تو اس کو بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی مجلس میں تشریف فرما ہوں اور وہاں ان کے پاء مبارک میں کانٹا چبھ جائے اور میں اپنے گھر اپنے بال بچوں میں بیٹھا رہوں۔

ابوسفیان نے یہ جواب سنا تو حیران رہ گیا اور کہنے لگا ایسے دوست دیکھنے میں نہیں آئے جو اس طرح محبت کرتے ہوں جیسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق ہیں۔ (۸۴۱)

صفوان کا غلام "نسطاس" قتل کے لیے مامور تھا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کا جواب ختم ہوا تو "نسطاس" نے جسد عاشق کو بار سر سے ہلکا کر دیا۔ (۸۴۲) رضی اللہ عنہ۔

دوسرے بزرگ حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ غزوہ بدر میں شریک تھے۔ وہاں ان کے ہاتھ سے حارث بن عامر مارا گیا تھا۔ حارث کے لڑکوں نے آپ کو خریدا۔ ان کو شہید کرنے کے لیے بھی حرم شریف سے باہر تنعیم میں اتنا ہی جشن کیا گیا۔ البتہ اضافہ یہ کیا گیا کہ تلوار سے گردن اڑا دینے کے بجائے ان کو سولی پر چڑھا کر شہید کیا گیا۔ (۸۴۳) ایک کھمبے میں اوپر کی طرف ایک آڑی لکڑی جوڑی جاتی تھی۔ ملزم کی کمر کو کھمبے سے اور دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر آڑی لکڑی سے باندھ دیا جاتا تھا۔ پھر کمر اور ہاتھوں میں کیلیں ٹھوک دی جاتی تھیں۔ جن کی تکلیف سے ملزم سسک سسک کر مر جاتا تھا۔ یہ سولی ہوتی تھی۔

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے اپنے خریدار قاتلوں سے کہہ رکھا تھا کہ میں صرف تین باتیں چاہتا ہوں۔ ٹھنڈا اور میٹھا پانی ۔ میرے کھانے میں ایسے جانور کا گوشت نہ ہو جس کو کسی بت کے نام پر ذبح کیا گیا ہو

جب قتل کرنا ہو تو پہلے مجھے خبر کر دو۔ (۸۴۴)

ان قاتلوں نے یہ عہد پورا کیا۔ پہلے خبر کر دی۔ حضرت خبیب نے بال صاف کیے غسل کیا اور جب قتل گاہ میں لے گئے تو آپ نے فرمایا۔ مجھے مہلت دیجئے کہ میں دو رکعت پڑھ لو۔ آپ نے دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر فرمایا۔ آپ لوگوں کو اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ میں "موت سے گھبرا رہا ہوں اور نماز ایک بہانہ ہے" تو میں اور بھی پڑھتا۔ یہ شہید حق کی سنت ہے جو قربان گاہ میں شہادت سے پہلے ادا کی جاتی ہے۔ سب سے پہلے حضرت خبیب ؓ نے یہ سنت جاری کی (۸۴۵)۔ نماز کے بعد حضرت خبیب نے دعا کی۔

اَللّٰھُمَّ اَحْصِھِمْ عَدَدًا وَ اقْتُلْھُمْ بَدَدًا وَلَا تُبْقِ مِنْھُمْ اَحَدًا (۸۴۶)

اے اللہ ان لوگوں کو گن کر ختم کر ان کو الگ الگ کر کے قتل کر۔ ان میں سے ایک کو بھی باقی نہ رہنے دے

پھر یہ شعر پڑھے۔

فَلَسْتُ اُبَالِیْ حِیْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا عَلٰی اَیِّ شِقٍّ کَانَ فِی اللّٰہِ مصرعی
وذلک فی ذات الالہ وان یشاء یبارک فی اوصال شلو ممزع

جب میں اسلام پر قتل کیا جا رہا ہوں تو مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ پچھڑ کر (قتل کے بعد) کس رخ پر گرتا ہوں اور کس طرح مارا جاتا ہوں۔ یہ (جان سپاری) اللہ کی ذات کے بارے میں ہے وہ اگر چاہے گا تو بدن کے ان جوڑوں میں برکت تج دے گا' جو پارہ پارہ ہو چکے ہوں گے۔

حضرت خبیب ؓ اپنے ان جذبات میں گم تھے کہ حارث مقتول کا لڑکا عقبہ جس کی کنیت ابو سروعہ تھی آگے بڑھا اور ان کو سولی پر چڑھا دیا۔ جب آپ کو سولی پر باندھا جا رہا تھا تو آپ نے فرمایا۔ خداوند ہم نے تیرے رسول کا پیغام پہونچا دیا ہے۔ تو اپنے رسول کو اس کی خبر کر دے۔ جو ہمارے ساتھ کیا جا رہا ہے۔ (۸۴۷)

یہ دعا قبول ہوئی۔ حضرت خبیب ؓ کو مکہ میں سولی پر چڑھایا گیا اور اسی وقت مدینہ میں آنحضرت ﷺ نے اس واقعہ کی تفصیل بیان فرما دی۔ (۸۴۸)

عقبہ بن حارث آلہ کار

یہ قاتل (عقبہ) جو اپنے باپ کے قصاص میں حضرت خبیب ؓ کو قتل کر رہا تھا نابالغ تھا۔ وہ بیان کیا کرتا تھا کہ میں اتنا چھوٹا تھا کہ میں قتل کر بھی نہیں سکتا تھا۔ مجھ سے قتل کرایا گیا۔ صورت یہ ہے

کہ "بنو عبدالدار" کے ایک شخص "ابو میسرہ" نے خنجر میرے ہاتھ میں تھمایا اور خود چلا کر حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو لب دم کیا (۸۴۹) ایک روایت یہ بھی ہے کہ مکہ کے جو لوگ بدر میں مارے گئے تھے ان کے بچوں کو جن کی تعداد چالیس ہو گئی تھی اکٹھا کیا اور ہر ایک کے ہاتھ میں نیزہ دیدیا کہ خبیب رضی اللہ عنہ کے ماریں۔ اس نے تمہارے باپ کو قتل کیا تھا چنانچہ ان سب نے باری باری حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے جسد مبارک کو نیزوں سے چھلنی کیا۔ (۸۵۰)

بلندی اخلاق اور ظہور کرامت

حارث مقتول کی لڑکی۔ جو بعد میں اسلام سے مشرف ہوئیں بیان کیا کرتی تھیں کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ ہمارے یہاں قید رہے۔ خدا کی قسم حضرت خبیب رضی اللہ عنہ جیسا باخیر قیدی دیکھنے میں نہیں آیا۔ وہ لوہے کی زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے۔ مکہ میں انگور ڈھونڈے کو نہیں ملتے تھے۔ مگر میں نے ایک روز دیکھا کہ انگور کا پورا خوشہ ان کے ہاتھ میں ہے اور وہ تناول فرما رہے ہیں۔ یہ کسی انسان نے لا کر نہیں دیئے تھے۔ یہ اللہ کا دیا ہوا رزق تھا جسے وہ تناول فرما رہے تھے۔

بچوں پر رحم

یہی محترمہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے ایک روز استرا مانگا۔ ان کو استرا دیدیا گیا۔ میرا بچہ وہاں کھیل رہا تھا۔ مجھے خیال بھی نہیں رہا۔ بچہ ان کے پاس پہونچ گیا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا کہ استرا حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ہے اور بچہ زانو پر بیٹھا ہوا ہے میں یہ دیکھ کر سہم گئی۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے میری گھبراہٹ پہچان لی۔ فرمایا۔ تمہیں یہ خوف ہے کہ میں بچہ کو ذبح کر دوں گا؟

ما کنت لا فعل ذلک (۸۵۱)

مجھ سے ممکن ہی نہیں کہ میں ایسا کر سکوں۔

ضمیر مجرم کی خوف زدگی

مشہور یہ تھا کہ جس کو بددعا دی جائے اگر وہ فوراً" زمین پر لیٹ جائے تو بددعا اثر نہیں کرتی۔ سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو جب سولی دی گئی تو میں بچہ تھا اور اپنے والد (ابوسفیان) کے ساتھ میں بھی وہاں پہنچا ہوا تھا' جب حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی زبان سے بددعا کے الفاظ نکلے تو ابوسفیان کی حالت یہ تھی کہ وہ گھبرا کر جلدی جلدی مجھے زمین پر لٹا رہے تھے کہ کہیں "دعاء بد نہ لگ جائے۔ (۸۵۲)

ایک صاحب سعید بن عامر بن خدیم جمحی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو شام کے ایک علاقہ (ڈویژن) کا عامل مقرر فرما دیا تھا۔ ان کو یہ شکایت تھی کہ بیٹھے بیٹھے بے ہوش ہو جایا کرتے تھے۔ لوگ اس

کو مرگی سمجھتے تھے۔ مگر جب حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے خود حضرت سعید سے دریافت کیا تو انہوں نے عرض کیا کہ مرگی نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو جب سولی دی جا رہی تھی تو میں بھی وہاں موجود تھا۔ اس وقت ان کی دعا کے کلمات کچھ ایسے پر درد تھے کہ جب بھی مجھے ان کا خیال آتا ہے میں اپنے قابو میں نہیں رہتا بے ہوش ہو جاتا ہوں۔ (۸۵۳)

حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی نعش کا قدرتی احترام

قریش کی ایک رئیس زادی سلافہ بن سعد کا لڑکا غزوہ بدر میں حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ اس نے قسم کھا رکھی تھی کہ اگر کبھی "عاصم" رضی اللہ عنہ پر قابو چل جائے تو ان کی کھوپڑی میں شراب پیوں گی۔

حضرت عاصم رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو قبیلہ ہذیل کے لوگوں نے چاہا کہ ان کا سر لیجا کر رقم وصول کر لیں چنانچہ وہ اس ارادہ سے اس مقام پر پہونچے جہاں حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی لاش پڑی ہوئی تھی مگر قدرت کو منظور نہیں تھا کہ بہادر شہید وفا کی لاش کی یہ بے حرمتی ہو۔ چنانچہ شہد کی بڑی مکھیوں کا ایک دل وہاں نمودار ہوا اور اس نے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی لاش کو گھیر لیا۔ یہ لوگ جو سر کاٹنے آئے تھے مجبور ہو گئے اور طے کیا کہ رات کو جب مکھیاں چلی جائیں گی تب آ کر یہ لاش لے جائیں گے۔ مگر قدرت کی یہ ناز پروری ملاحظہ فرمایئے کہ رات کو سیلاب آیا اور ان کی لاش بہا کر لے گیا (رضی اللہ عنہم اجمعین)) بنو ہذیل کا سارا منصوبہ خاک میں مل گیا۔ (۸۵۴)

شمع رحمت کو بجھانے کی کوشش

اسلام اور مسلمانون کے استیصال کی تین صورتیں جو خاص طور پر غزوہ احد کے بعد عمل میں لائی گئیں۔ ان میں سے دو کا تذکرہ صفحات بالا میں گذر چکا ہے۔ اس افسوسناک مقصد کے لیے قبائل کی ہم آہنگی اور یکجہتی کا انداز اس سے ہو سکتا ہے کہ یہ تمام واقعات ایک ہی زمانہ میں چند ہفتوں کے اندر اندر ہوئے۔ زائرین بیت اللہ حج سے فارغ ہو کر اواخر ذی الحجہ یا ابتداء محرم الحرام میں اپنے اپنے قبیلوں میں پہونچا کرتے تھے۔ محرم کی انہیں ابتدائی تاریخوں سے ان واقعات کا آغاز ہوا۔ اور یکسانیت کی انتہا یہ ہے کہ ان واقعات کی خبریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ہی شب میں پہونچیں (۸۵۵)

تخریبی منصوبہ کا تیسرا جز خود ذات اقدس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گزند پہونچانا تھا۔

ابو سفیان نے اس کا بھی انتظام کیا۔

واقدی کی روایت ہے کہ مکہ معظمہ میں ابو سفیان نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بے تکلف

بازاروں میں پہنچ جاتے ہیں۔ ان کو شہید کرنا کچھ مشکل نہیں ہے کون ہے جو ہمت کر کے جائے اور محمد (روحی فداہ) کو قتل کر کے ہمارے مقتولین کا بدلہ لے لے۔ اور اگر محمد (ﷺ) کے جانشینوں کی طرف سے مطالبہ ہوا تو دیت یا خون بہا ہم ادا کر دیں گے۔

ایک اعرابی نے ابوسفیان کی اس تحریک پر لبیک کہا۔ وہ ابوسفیان کے مکان پر تنہائی میں پہونچا اور عہد و معاہدہ کر کے اس کام کے لیے روانہ ہو گیا۔ ابوسفیان نے سانڈنی اور سامان سفر کا انتظام کیا۔ اس نے پانچ روز میں مسافت طے کی اور چھٹے دن کی صبح کو مدینہ منورہ میں "در آمد" ہو گیا۔ اور جب اس کو معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ "بنی عبدالاشہل" تشریف لے گئے ہیں تو سانڈنی دوڑاتا ہوا وہاں پہونچ گیا۔ آنحضرت ﷺ رفقاء کرام کے مختصر سے مجمع میں تشریف فرما تھے۔ اس شخص کو آتے ہوئے دیکھا تو فرمایا۔

برے ارادے سے آ رہا ہے مگر کچھ نہیں کر سکے گا۔ (انشاء اللہ)

چنانچہ ارشاد گرامی صحیح ثابت ہوا۔ چہرہ مبارک پر نظر پڑی تو ساری ہمت جاتی رہی۔ رعب چھا گیا۔ ہاتھ کانپنے لگے۔ حضرت اسید بن حضیرؓ نے اس مشتبہ شخص کو گرفتار کر لیا تو رہائی کے لیے اسی "محمد" (ﷺ) کی دوہائی دینے لگا جسے قتل کرنے آیا تھا۔ رحمت عالم ﷺ نے اس کو رہا کرا دیا۔ اگلے روز یہ اعرابی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ پوری روئیداد سنا دی پھر کلمہ شہادت پڑھ کر دائرہ اسلام میں (۸۵۶) داخل ہو گیا۔ اور اس کا مستحق ہو گیا کہ جب اس کا ذکر کیا جائے تو رضی اللہ عنہ کہا جائے۔

حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کے اقدامات

حضرت خبیب اور حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہما کی رہائی کی کوشش

حضرت عمرو بن امیہ ضمری کو آپ پہچان گئے ہوں گے۔ یہ وہی بزرگ ہیں کہ جب بیر معونہ کے قریب پہونچ کر ان کو شہادت قراء کے درد ناک حادثہ کا علم ہوا تھا تو انہوں نے اپنے رفیق سفر "منذر بن محمد انصاری" (رضی اللہ عنہما) سے کہا تھا کہ "میں اس جگہ سے نہیں ٹل سکتا جہاں منذر بن عمرو جیسا بہادر بلاوجہ شہید کر دیا گیا ہو۔" پھر جب ان دونوں نے حملہ کیا تو ان کے رفیق شہید ہو گئے تھے اور یہ گرفتار کر لیے گئے تھے پھر عامر بن طفیل نے ان کو اپنی ماں کی طرف سے بطور فدیہ رہا کر دیا تھا اور پیشانی کے بال کاٹ لیے تھے۔

ان کے متعلق پرانی بات تو یہ تھی ابۃ (۸۵۷) اسلام سے پہلے یہ پیشہ ور قاتل تھے مگر اسلام کے بعد ان کی خصوصیت یہ تھی۔

كَانَ مِنْ رِجَالِ الْعَرَبِ نَجْدَةً وَ جُرْاَةً (۸۵۸)

بہادری اور دلیری میں عرب کے ممتاز افراد میں ان کا شمار ہوتا تھا۔

پھر یہ سلیقہ مند بھی ایسے تھے کہ آنحضرت ﷺ ان کو سفارت میں (۸۵۹) بھیجا کرتے تھے۔ غزوہ بدر اور احد میں یہ شریک رہے تھے اس وقت مشرکین مکہ کی فوج کے جانبازوں میں تھے۔ اس کے بعد دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تو مظلوم مسلمانوں کی رہائی کے لیے جان کی بازی لگا دی۔

عامر بن طفیل کی غلامی سے رہائی کے بعد یہ خاموش نہیں بیٹھے۔ اب عام روایت تو یہ ہے کہ جب مقام قرقرہ پر پہنچے تو قبیلہ بنو عامر کے دو آدمیوں کو قتل کر دیا۔ پھر جب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ کو افسوس ہوا کہ بنو عامر ہمارے حلیف ہیں برا ہوا ان کے آدمی مارے گئے۔ ان کا خون بہا دینا پڑے گا۔ لیکن اس اثنا میں کوئی اور خدمت بھی انجام دی یا نہیں۔ اس کی وضاحت عام روایتوں میں نہیں ہے۔ البتہ واقدی (۸۶۰) نے ایک روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو اور ان کے ساتھ حضرت سلمہ بن اسلم (رضی اللہ عنہما) کو مکہ بھیجا تھا کہ ابوسفیان کو قتل کر دیں۔ (۸۶۱)

ان دونوں بزرگوں کا اس موقع پر مکہ معظمہ جانا اور ابوسفیان کے درپے ہونا تو ثابت ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے کہ ان کو آنحضرت ﷺ نے بھیجا تھا۔ کیونکہ اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ انہیں حضرت عمرو بن امیہ نے مکہ پہونچ کر حضرت خبیب ؓ کی لاش اٹھا لانے کی کوشش کی اور آخر میں یہ ہے کہ جب مدینہ منورہ پہنچے تو شور مچ گیا کہ عمرو بن امیہ آ گئے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ بیر معونہ کے واقعہ کے بعد مدینہ منورہ میں حاضری اس وقت ہوئی تھی۔ اس سے پہلے ان کا انتظار تھا۔ تشریف آوری نہیں ہوئی تھی اور بیر معونہ کے واقعہ کے بعد یہ بالا بالا مکہ چلے گئے تھے۔ علاوہ ازیں محرم الحرام (۸۶۲) ۴ھ کے آخر میں بیر معونہ اور رجیع کے حادثات پیش آئے اور جیسے ہی محرم (۸۶۳) ختم ہوا حضرت خبیب اور حضرت زید ؓ کو شہید کر دیا تو اس چند روزہ مدت میں یہ ممکن نہیں ہے کہ عمرو بن امیہ نے بیر معونہ کے علاقہ سے مدینہ طیبہ آ کر آنحضرت ﷺ سے ہدایت لی ہو اور پھر ایسے وقت مکہ معظمہ پہنچ گئے ہوں کہ اسی روز یا اس سے دو ایک دن پہلے حضرت خبیب اور حضرت زید رضی اللہ عنہما کو شہید کیا گیا ہو۔

پس متفرق روایتوں کو جوڑا جائے تو واقعات کی ترتیب یہ ہے کہ

عامر بن طفیل کے یہاں سے نجات پانے کے بعد حضرت عمرو بن امیہ ضمری ؓ کو جیسے ہی حضرت خبیب اور حضرت زید رضی اللہ عنہما کی گرفتاری کا علم ہوا تو یہ از خود ایک رفیق (۸۶۴) کو ساتھ لے کر مکہ معظمہ پہنچ گئے کہ ان گرفتاران بلا (حضرت زید و حضرت خبیب رضی اللہ عنہما) کو دشمنوں کے شکنجہ سے رہا کرائیں۔ لیکن جب مکہ معظمہ پہنچے اور معلوم ہوا کہ یہ دونوں شہید کر دیئے گئے تو انہوں نے ابوسفیان کے قتل کر دینے کا منصوبہ بنایا۔ اب خود حضرت عمرو بن امیہ کی زبانی اس سفر کی سرگذشت ملاحظہ فرمایئے۔

حضرت عمرو بن امیہ ضمری فرماتے ہیں کہ ہم نے طے کیا کہ پہلے ہم کعبہ مکرمہ کا طواف کریں گے پھر ابو سفیان کو قتل کرنے کی کوشش کریں گے۔ چنانچہ ہم نے پہلے طواف کیا۔ پھر ہم اپنے منصوبہ کے لیے نکلے۔

چاندنی رات تھی۔ گرمیوں کا موسم تھا۔ مکہ والے اس موسم میں اپنے مکانوں کے سامنے چھڑکاؤ کر کے بیٹھا کرتے تھے۔ ہم جیسے ہی طواف سے فارغ ہو کر باہر نکلے اتفاق سے ابوسفیان کے فرزند رشید "معاویہ" سامنے آ گئے' انہوں نے ہمیں پہچان لیا اور لوگوں کو خبر کر دی۔

مکہ والے خصوصاً" مجھے خوب جانتے تھے۔ میرے فن سے بھی واقف تھے وہ چونک گئے۔ ابوسفیان نے کہا۔ عمرو بن امیہ کسی شرارت کے لیے یہاں آیا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ میری تلاش میں دوڑ پڑے۔ ہمیں بھی اپنی فکر ہوئی۔ ہم پہاڑ کی طرف لپکے اور ایک غار میں جا کر چھپ گئے۔ رات بھر وہ تلاش کرتے رہے اور ہم غار میں چھپے رہے۔

اگلا دن ہوا۔ ہم غار ہی میں تھے کہ بنو تیم کا ایک شخص عثمان بن مالک بن عبداللہ تیمی اپنے اونٹ کا چارہ لینے کے لیے اس طرف آ گیا اور اس نے ہمیں دیکھ لیا ہمیں یقین ہو گیا کہ یہ اب جا کر خبر کر دے گا اور ہم گرفتار کر لیے جائیں گے لہٰذا میں نے اس کے سینہ میں خنجر پیوست کر کے اس کو جاں بلب کر دیا اور غار میں جا کر چھپ گیا۔ مکہ کے جاسوس جو اس طرف گھوم رہے تھے انہوں اس کو تڑپتا ہوا دیکھا تو اس کے پاس پہنچے' ماجرا دریافت کیا۔ اس کا آخری سانس تھا اس نے یہ تو بتا دیا کہ عمرو بن امیہ نے مجھ پر حملہ کیا تھا لیکن غار کا پتہ نہیں بتا سکا اور مر گیا تو اب مکہ والوں نے زیادہ شدت سے میری تلاش جاری کر دی اور گرفتار کرنے والے کے لیے انعام کا اعلان کر دیا لوگ ہمیں تلاش کر رہے تھے اور ہم اسی غار میں تھے یہاں تک کہ رات ہو گئی۔

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو سولی پر چڑھایا جا چکا تھا اب ہماری کوشش یہ تھی کہ ان کی لاش سولی پر سے اتار کر لیجائیں۔ جب رات ہو گئی تو ہم دونوں غار سے نکلے تنعیم پہنچے جہاں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو سولی دی گئی تھی ساتھی نے آگے بڑھ کر دیکھا کہ وہاں پہرا لگا ہوا ہے اس نے آ کر مجھے خبر دی۔ میں نے ساتھی کو وہیں ٹھیرایا اور یہ ہدایت کر دی کہ اگر کچھ خطرہ محسوس کریں تو اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ پہنچ جائیں۔ اپنے متعلق میں نے کہدیا کہ میں جاتا ہوں اور لاش کو اٹھا کر لاتا ہوں۔ چنانچہ میں پہونچا اور سولی کے کھمبے کو اٹھا کر چل دیا۔ مگر وہ بہت بھاری تھا۔ تقریباً" بیس گز چلنے پایا تھا کہ لوگ جاگ گئے اور مجھے بھی احساس ہوا کہ کھمبہ خالی ہے لاش اتار لی گئی ہے۔ (۸۶۵) اب کھمبے کو اٹھا کر لانا بیکار تھا۔ میں نے کھمبہ کو زمین پر پٹخ دیا۔ پہرہ دار میرے پیچھے دوڑے۔ مگر مجھے پکڑ نہیں سکے۔ میں پھر ایک غار میں چھپ گیا۔ میرا ساتھی تنہا رہ گیا تھا۔ وہ حسب قرار داد اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ پہنچ گیا۔ جب مجھے کچھ اطمینان ہو گیا

تو میں نے بھی مدینہ کی راہ لی۔ میں راستہ میں تھا کہ دو آدمیوں نے مجھے گھیر لیا۔ یہ قریش کے جاسوس تھے۔ میں ان سے مرعوب نہیں ہوا۔ بلکہ میں نے خود ان پر اپنا رعب جمایا اور کہہ دیا کہ "تم اپنے آپ کو گرفتار سمجھو اور میرے حوالے ہو جاؤ" انہوں نے سرتابی کی تو میں نے ایک کو ختم کر دیا۔ تب دوسرا کان دبا کر میرے ساتھ ہو لیا۔ میں اس کو لیے ہوئے مدینہ پہنچا۔ انصار کے بچے کھیل رہے تھے' وہ مجھے پہچان نہیں سکے البتہ بڑے آدمیوں نے پہچان لیا اور خوش ہو کر لپٹنے لگے۔ جب بچوں نے اپنے بڑوں کی زبان سے میرا نام سنا تو وہ دوڑے ہوئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور میرے آنے کی بشارت سنائی۔ آپ ﷺ مسکراتے ہوئے تشریف لائے اور دعائیں دیں۔ (۸۶۶)

بنو عامر کے دو آدمیوں کا قتل

پہلے گذر چکا ہے کہ عمر بن طفیل نے حضرات قراء پر حملہ کرنے کے لیے جب قبائل کا گشت کیا تو قبیلہ رعل ذکوان اور عصیہ کے لوگ تو ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے مگر قبیلہ بنو عامر کے سرداروں نے ساتھ نہیں دیا اور کہدیا کہ ہم عہد شکنی کے لیے تیار نہیں ہیں۔

یہ بھی گذر چکا ہے کہ حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ حضرات قراء کے ساتھ نہیں گئے تھے بلکہ ان کی شہادت کے بعد وہاں پہنچے تھے پھر مقابلہ کرتے ہوئے گرفتار کر لیے گئے تھے۔ حضرت عمرو بن امیہ کو یہ خبر نہیں تھی کہ بنو عامر نے معاہدہ کا احترام کیا ہے اس کو پامال نہیں کیا۔ پھر اتفاق ایسا ہوا کہ جب حضرت عمرو بن امیہ ضمری رہائی پا کر روانہ ہوئے تو مقام قرقرہ پر قبیلہ بنو عامر کے دو آدمی مل گئے۔ حضرت عمرو بن امیہ ان کو بھی غدار اور عہد شکن ہی سمجھے ہوئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے موقع پا کر ان دونوں کو قتل کر دیا۔ پھر جب براہ راست یا جیسا کہ سابق روایت سے معلوم ہوتا ہے مکہ میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی شہادت اور ان کی لاش کو نکال لینے کی کوشش کے بعد "مدینہ طیبہ" پہنچے تو حضرت عمرو بن امیہ نے جہاں قریش کے ایک قیدی کو پیش کیا اپنی کارگذاریوں میں اس کا بھی تذکرہ کیا کہ بنو عامر کے دو آدمیوں کو انہوں نے غدار سمجھ کر قتل کر دیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کو اس سے افسوس ہوا اور فرمایا ان سے تو ہمارا معاہدہ ہے ان مقتولوں کی دیت ادا کرنی پڑے گی۔ میں دیت ادا کروں گا۔ (۸۶۷)

بنو نضیر کی عہد شکنی اور آنحضرت ﷺ کو شہید کرنے کی کوشش

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

الْمُؤْمِنُوْنَ (سورہ مائدہ ع ۲)

گذر چکا ہے کہ حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ جب عامر بن طفیل کی بندش سے چھٹکارا پاکر مقام قرقرہ پر پہنچے تھے تو بنی عامر کے دو آدمیوں کو "غدار" سمجھ کر قتل کر دیا تھا اور جب آنحضرت ﷺ کو علم ہوا تھا تو آپ ﷺ نے افسوس کیا تھا کہ یہ قبیلہ وفادار رہا ہے اس کے مقتولین کی ہمیں دیت ادا کرنی ہوگی۔

آنحضرت ﷺ نے جو معاہدہ قبائل سے کر رکھا تھا اس کی رو سے دیت کی ادائیگی میں ہر ایک حلیف قبیلہ کو حصہ لینا ہوتا تھا۔ اس حلف اور عہد کے بموجب ان عامری مقتولین کی دیت میں بنو نضیر کو بھی مدد کرنی چاہیے تھی۔ اسی مدد کے مطالبہ کے لیے آنحضرت ﷺ "بنو نضیر" کی آبادی میں تشریف لے جانے والے تھے۔

یہ آنحضرت ﷺ کی جانب سے بنو نضیر کا اعزاز و احترام تھا کہ مدد کی اپیل کے لیے خود بہ نفس نفیس تشریف لے جانے کا ارادہ فرمایا۔ مگر نہایت شرم کی بات ہے کہ بنو نضیر نے اس موقع سے ناجائز فائدہ اٹھانے اور اپنی ناپاک آرزو کو پورا کرنے کا منصوبہ (۸۶۸) تیار کر لیا۔

انہوں نے ایسی جگہ آپ ﷺ کی نشست کا انتظام کیا تھا کہ وہاں اوپر سے پتھر گرا کر نیچے بیٹھنے والے کو ختم کیا جا سکتا تھا۔ جب آپ ﷺ وہاں رونق افروز ہوئے تو یہ منصوبہ مکمل تھا۔ ایک یہودی عمرو بن مجاش بن کعب بالاخانہ کے اوپر پہونچا ہوا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بروقت اس کا احساس ہو گیا۔ آپ ﷺ نے اپنے رفقاء کو تو اشارہ فرما دیا کہ وہ وہاں ٹھیریں اور آپ ﷺ خاموشی سے وہاں سے مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ پھر جب معلوم ہو گیا کہ آپ ﷺ مدینہ پہونچ گئے ہیں تو باقی رفقاء بھی واپس تشریف لے آئے۔ (۸۶۹)

آنحضرت ﷺ کے مدینہ پہونچنے کی اطلاع پہلے ان یہودیوں ہی کو ہوئی جو اس سازش کے سرغنہ تھے۔ ایک یہودی نے ان سے آکر کہا۔ آپ کس انتظار میں ہیں۔؟ میں مدینہ سے آ رہا ہوں۔ میں مدینہ سے نکل رہا تھا اور محمد (ﷺ) مدینہ میں داخل ہو رہے تھے۔ (۸۷۰)

رفقاء میں حضرات شیخین (سیدنا ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما حضرت عثمان حضرت علی حضرت طلحہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم اجمعین کے اسماء گرامی شمار کرائے گئے۔ (۸۷۱) اور یہ بھی روایت ہے کہ یہودیوں کے منصوبہ کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ الہام ربانی ہو گیا تھا۔ (۸۷۲)

یہ واقعہ ربیع الاول ۵ھ میں ہوا۔ ابن سعد نے سبت (شنبہ) کے دن کی بھی تصریح کر دی ہے۔ یہ منصوبہ اس درجہ مکمل تھا کہ وحی الٰہی نے اس کی ناکامی کو دست قدرت کا کارنامہ اور آنحضرت ﷺ کے

تحفظ کو اللہ تعالیٰ کا مخصوص انعام قرار دیا۔ چنانچہ زیب (۸۷۳) عنوان آیت میں مسلمانوں کو ہدایت ہے۔

مسلمانو! اپنے اوپر اللہ کا وہ احسان یاد کرو کہ جب ایک گروہ نے پورا ارادہ کر لیا تھا کہ تم پر ہاتھ بڑھائے تو خدا نے (اپنے فضل و کرم سے) ایسا کیا کہ ان کے ہاتھوں کو روک دیا اور اللہ سے ڈرتے رہو اور اللہ تعالیٰ ہی ہے جس پر مسلمانوں کو بھروسہ رکھنا چاہیے۔ (۸۷۴)

حکم اخراج ــــ مدینہ چھوڑ دو

قریش کا خط بنو نضیر کے نام۔ کعب بن اشرف کی اشتعال انگیز اور عہد شکن حرکتیں۔ پھر بنو نضیر کا قریش کے ساتھ گٹھ جوڑ۔ جنگ کے لیے ان کی ہمت بندھانا۔ صفحات بالا میں ان کی تفصیل گذر چکی ہے۔ یہ تمام باتیں معاہدہ کے خلاف تھیں۔ لیکن کعب بن اشرف کے قتل کے بعد جب یہود بنو نضیر نے دوبارہ معاہدہ کیا تو ان سب باتوں پر خاک ڈال دی گئی تھی اور یہ مذموم حرکتیں بھلا دی گئی تھیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ نئے معاہدہ کے بعد بھی یہودیوں کی ذہنیت نہیں بدلی۔

وقتی دفاع کے طور پر وہ معاہدہ کیا گیا تھا۔ جیسے ہی اطمینان نصیب ہوا یہود کی زہریلی ذہنیت اور تیز ہو گئی۔ اور اب ذات اقدس رسالت مآب (ﷺ) کو ختم کرنے کی سازش شروع کر دی۔ چنانچہ ایک پیغام بھیجا کہ یہود اور مسلمانوں کے تیس تیس آدمی جمع ہو کر مناظرہ کریں۔ علماء یہود اگر قائل ہو گئے تو ہم سب مسلمان ہو جائیں گے۔ پھر خود ہی خیال کیا کہ یہ تعداد زیادہ ہے۔ صرف تین تین آدمی ہونے چاہئیں۔

آنحضرت ﷺ نے پہلی تجویز بھی منظور فرمائی پھر یہ ترمیم بھی منظور فرمالی۔ اور گفتگو کرنے کے لیے مدینہ سے روانہ ہو گئے۔ راستہ میں ایک انصاری نے خبر دی کہ ان کی بہن جو بنی نضیر میں رہتی ہے اس نے خاص طور پر یہ اطلاع دی ہے کہ مناظرہ یا گفتگو صرف بہانہ ہے۔ اور طے یہ ہے کہ تین آدمی کپڑوں میں خنجر چھپا کر جائیں گے اور موقع پا کر جان دوجہاں (ﷺ) پر حملہ کر دیں گے۔

یہ خبر باوثوق ذرائع سے پہونچی تھی لہٰذا آنحضرت ﷺ نے ارادہ ملتوی فرما دیا اور مدینہ واپس تشریف لے آئے۔ (۸۷۵)

یہود کا یہ منصوبہ ناکام رہا تو اب اس موقع پر (جب دیت کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو پتھر گرا کر شہید کر دینے کا منصوبہ بنایا۔ یہ دوسری مرتبہ نقض عہد تھا نقض عہد پر بار بار چشم پوشی۔ معاہدہ کی توہین اور غداری کی حوصلہ افزائی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کو برداشت نہیں کیا۔ لہٰذا بنو نضیر کے سرداروں کو طلب فرما کر ان کے جرائم شمار کرائے' جن کا وہ کوئی جواب نہیں دے سکے۔

پھر آپ ﷺ نے فیصلہ فرما دیا کہ دس روز کے اندر بنو نضیر مدینہ کی سرزمین سے نکل جائیں۔ دس روز کے بعد ان کو پناہ نہیں دی جائے گی۔ (۸۷۶)

زیر عنوان آیت کے سلسلہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک اور سازش کا ذکر بھی کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو بڑے اہتمام سے کھانے کی دعوت دی گئی اور اتنے ہی اہتمام سے آنحضرت ﷺ کو شہید کرنے کے انتظامات بھی مکمل کر لیے لیکن آنحضرت ﷺ کو سازش کا علم ہو گیا اور دعوت میں تشریف نہیں لے گئے۔ مگر اس پر آپ ﷺ نے مواخذہ بھی نہیں فرمایا۔ (۸۷۷)

تعمیل حکم سے گریز۔ لیت و لعل۔ انکار

هُوَ الَّذِىٓ اَخۡرَجَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ مِنۡ دِيَارِهِمۡ لِاَوَّلِ الۡحَشۡرِ – مَا ظَنَنۡتُمۡ اَنۡ يَّخۡرُجُوۡا – وَظَنُّوۡۤا اَنَّهُمۡ مَّانِعَتُهُمۡ حُصُوۡنُهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنۡ حَيۡثُ لَمۡ يَحۡتَسِبُوۡا – تا – شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ (سورہ حشر ع ۱)

وہی ہے جس نے کفار اہل کتاب کو ان کے گھروں سے پہلی بار اٹھا کر نکال دیا۔ تمہارا گمان بھی نہیں تھا کہ وہ نکلیں گے اور انہوں نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ ان کے قلعے ان کو اللہ سے بچا لیں گے سو ان پر خدا ایسی جگہ سے پہونچا کہ ان کو خیال بھی نہ تھا۔ اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا کہ اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں سے بھی اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی اجاڑ رہے تھے۔ پس عبرت کرو۔ اے عقل و دانش والو۔ اور اگر اللہ تعالیٰ ان کی قسمت میں جلا وطن ہونا نہ لکھ چکا ہوتا تو ان کو دنیا ہی میں سزا دیتا۔ اور ان کے لیے آخرت میں دوزخ کا عذاب ہے۔ یہ اس سبب سے ہے کہ ان لوگوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔ اور جو شخص اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔

بنو نضیر کو اپنی طاقت پر زعم تھا۔ اور بجا زعم تھا۔ کیونکہ جیسا کہ قریش نے لکھا تھا کہ ان کا ایک اسٹیٹ تھا۔ جس کی حفاظت کے لیے ان کے پاس مسلح جوان بھی تھے اور مضبوط قلعہ بھی تھا جس کے سامنے باغات کا حصار تھا۔ ان کے ہم مذہب اور ہم نوا بنو قریظہ تھے ان کا بھی اسی طرح اسٹیٹ تھا۔ پھر منافقین کی طاقت ان کی پشت پر تھی جس کو قبائل عرب کی تقویت حاصل تھی۔ لہٰذا وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ احد کے شکست خوردہ اور زخم رسیدہ مسلمان ان پر حاوی ہو سکیں گے۔ اس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان جو بالمشافہ صادر فرمایا تھا۔ پھر حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے ذریعہ

باضابطہ بھیجا۔ درخور اعتنا نہ تھا۔ چنانچہ تعمیل کے بجائے۔ مخالفانہ بلکہ باغیانہ جذبات کے تنور بھڑکنے لگے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ محمد (ﷺ) کے کہنے پر (جس کو زیادہ سے زیادہ اوس اور خزرج کے ان قبائل کی حمایت حاصل ہے جو کل تک ہمارے مقروض اور باجگذار تھے) ہم اپنے محلات چھوڑ دیں اور نکل جائیں نہ ہم خود نکل سکتے ہیں۔ نہ ہم کو نکالا جا سکتا ہے۔

بیشک کچھ افراد سنجیدہ اور دور اندیش بھی تھے۔ کنانہ بن صوریہ۔ ایک یہودی عالم تھا اس نے بہت سمجھایا۔

> نادانو! ظاہری شوکت و حشمت پر نظر مت ڈالو۔ حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرو تم پوری طرح جانتے ہو کہ "محمد ﷺ" اللہ" کے سچے رسول ہیں۔ وہ تمام علامتیں جو تمہاری مقدس کتاب میں آنے والے نبی کے متعلق بتائی گئی ہیں اس نبی میں پائی جاری ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ مخالفت کر کے تم کامیاب نہیں ہو گے اور تمہیں لامحالہ نکلنا پڑے گا۔ دین اور دنیا کی بھلائی اسی میں ہے کہ تم عناد کو چھوڑو۔ صداقت کے سامنے گردن جھکا دو۔ (۸۷۸)

کہا جاتا ہے کہ یہود کے سرداروں میں سے "سلام بن مشکم" نے بھی کنانہ ابن صوریا کی تائید کی (۸۷۹)۔ اس نے ایک درمیانی شکل تجویز کی ہم یہاں سے چلے جائیں اور اپنی املاک (مکانات۔ باغات اور آراضی) کے متعلق کوئی معاہدہ کر لیں۔ یہ یقینی بات ہے کہ جو معاہدہ ہو گا۔ محمد (ﷺ) اس کو پوری طرح نبھائیں گے۔ اس طرح ہماری جائیدادیں محفوظ رہیں گی اور آمدنی ہمیں ملتی رہے گی۔

لیکن لیڈر حیی بن اخطب تھا۔ اس کا پارا نہیں اترا۔ عوام کو مشتعل کرنے کے لیے اس کے پاس ایک نعرہ تھا "ہم تورات مقدس کو نہیں چھوڑ سکتے۔ ہم موسیٰ نبی (علیہ السلام) کا دامن نہیں جھٹک سکتے۔" (۸۸۰)

ادھر عبداللہ بن ابی بن سلول "رئیس المنافقین" نے کہلا کر بھیجا کہ ہمت مت ہارو۔ مقابلہ کرو میں عرب کے دو ہزار جوان بھیجتا ہوں' وہ تمہارے لیے اپنی جانیں قربان کریں گے۔ عرب کا مشہور طاقتور اور کثیر تعداد قبیلہ "غطفان" تمہارا حامی ہے۔ میں اس کو بھی آمادہ کرتا ہوں کہ اپنے جوان تمہاری مدد کے لیے بھیجے ہم ہر حال میں تمہارے ساتھ رہیں گے۔ قرآن حکیم کے الفاظ میں۔

> لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَدًا أَبَدًا وَإِنْ قُوتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ
>
> واللہ اگر تم کو نکالا گیا ہم تمہارے ساتھ ہوں گے یقیناً" ہم بھی نکل جائیں گے۔ ہم تمہارے معاملے میں کسی کا کہنا نہیں مانیں گے اور (اگر بالفرض) جنگ ہوئی تو یقین

رکھو کہ ہم ضرور پوری پوری مدد تمہاری کریں گے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ حیی بن اخطب نے کہلا بھیجا۔

اِنَّا لَا نَخْرُجُ مِنْ دِیَارِنَا فَاصْنَعْ مَابَدَ الَکَ

ہم اپنے مکانات سے نہیں نکلیں گے آپ جو چاہیں کریں۔

حیی کا بھائی جدی بن اخطب یہ پیغام لے کر مدینہ پہونچا۔ جب اس نے یہ پیغام پہونچایا۔ تو ایک عجیب صورت سامنے آئی (یعنی) سرور کائنات ﷺ کی زبان سے بیساختہ اللہ اکبر نکلا۔ اب مسلمانوں نے بھی اللہ اکبر کہا (جس سے پورا مدینہ گونج گیا) ساتھ ساتھ فرمان رسالت مسلمانوں کے لیے صادر ہوا۔ کہ نماز عصر بنو نضیر کے میدان میں پڑھیں۔ حضرت علی ؓ کو علم بردار بنایا اور مدینہ کا انتظام حضرت عبداللہ بن ام مکتوم (ؓ) کے سپرد فرمایا۔ (۸۸۱)

حامیان بنو نضیر کے متعلق کلام الٰہی کی پیشین گوئی اور اس کی تصدیق

جب محاذ بنو نضیر کے لیڈروں میں راز دارانہ مشورے اور باہمی معاہدے ہو رہے تھے منافقین اور ان کے ہم نوا بڑھ بڑھ کر کہہ رہے تھے کہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ بنو نضیر نکل جائیں۔ ہم ہزاروں جوان ان کی حمایت کے لیے میدان میں اتار دیں گے۔ اور اگر بفرض محال نکلنا ہی پڑا تو ہم سب ساتھ ہوں گے۔ قیامت تک یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم کسی کے کہنے پر آ کر بنو نضیر کا ساتھ چھوڑ دیں۔ جب اس طرح کا طوفان برپا تھا اور غیض و غضب کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں اسی وقت کا نقشہ کتاب اللہ نے ان آیات میں کھینچا ہے اور اہل ایمان کو اطمینان دلایا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ نَافَقُوْا - تا - جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ

کیا آپ نے ان کی حالت پر نظر نہیں ڈالی جنہوں نے نفاق کی راہ اختیار کی (عبداللہ بن ابی وغیرہ) اپنے ان اہل کتاب بھائیوں سے جو کفر کی راہ اختیار کیے ہوئے ہیں (یعنی بنو نضیر سے) کہہ رہے ہیں واللہ (۸۸۲) (ہم ہر حال میں تمہارے ساتھ ہیں) اگر تم نکالے گئے تو ہم تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور ہم تمہارے معاملہ میں کبھی کسی کا کہنا نہیں مانیں گے اور اگر تم سے کسی کی لڑائی ہو تو ہم یقیناً" تمہاری پوری پوری مدد کریں گے۔ اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں۔ واللہ۔ اگر اہل کتاب (بنو نضیر وغیرہ) نکالے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر ان سے لڑائی ہوئی تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے اور اگر (بفرض محال) ان کی مدد بھی کی تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ پھر ان کی کوئی مدد نہیں ہو گی۔ بیشک تم لوگوں کا خوف ان کے

دلوں میں اللہ سے بھی زیادہ ہے۔ یہ اس سبب سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ بصیرت (اور نظر کی گہرائی) نہیں رکھتے۔ اور (تنہا بنو نضیر تو کیا اگر سب متحد ہو جائیں تو) یہ سب مل کر بھی تم سے نہیں لڑیں گے مگر حفاظت والی بستیوں میں یا دیوار (قلعہ یا شہر پناہ) کی آڑ میں ان کی لڑائی آپس میں بہت سخت ہے۔ آپ ان کو متفق سمجھتے ہیں' حالانکہ ان کے دل منتشر (غیر متفق اور پھٹے ہوئے) ہیں یہ اس وجہ سے کہ وہ ایسے لوگ ہیں (جو اغراض پرستی میں مبتلا ہیں) دانش اور عقل نہیں رکھتے۔ ان کی مثال انہیں جیسی ہے جو ان سے کچھ ہی پہلے ہوئے ہیں جو (دنیا میں بھی) اپنے کردار کا مزہ چکھ چکے ہیں اور آخرت میں بھی ان کے لیے دردناک عذات ہونے والا ہے۔ (یہ بنو قینقاع کے یہودی ہیں جن کے اخراج وغیرہ کا تذکرہ پہلے گذر چکا ہے) شیطان جیسی مثال ہے کہ انسان سے کہتا ہے کافر ہو جا۔ پھر جب وہ کافر ہو جاتا ہے تو کہہ دیتا ہے کہ میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں' میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں پس آخر انجام دونوں کا یہ ہوا کہ دونوں دوزخ میں گئے جہاں ہمیشہ رہیں گے اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔ (سورہ حشر ع ۲)

تفصیل واقعہ

گذر چکا ہے کہ جدی بن اخطب نے جب حیی بن اخطب (رئیس و امیر بنو نضیر) کا پیغام بارگاہ رسالت میں پہونچایا کہ "جو کچھ کرنا ہو کر لو' ہم نہیں نکلیں گے "تو سیدالانبیاء ﷺ کی زبان مبارک پر بے ساختہ "اللہ اکبر" جاری ہوا۔ جس پر مسلمانوں نے بھی تکبیر کہی اور فوراً" ہی تیاری شروع ہو گئی "جدی بن اخطب" یہ منظر دیکھ کر اپنے پشت پناہ عبداللہ بن ابی (رئیس المنافقین) کے پاس پہونچا وہ اپنے مکان میں تھا' چند مصاحب وہاں موجود تھے' مگر اس کو تعجب ہوا کہ۔ عبداللہ بن ابی کا جوش ڈھیلا تھا۔ اس نے صرف یہ کہا کہ میں حلیف قبائل (غطفان وغیرہ) کے پاس آدمی بھیج رہا ہوں۔ اور خود کوئی تیاری نہیں کی۔ جدی بن اخطب یاس اور حوصلہ شکنی کا تحفہ لے کر اپنے بھائی حیی بن اخطب کے پاس پہونچا اور کہدیا کہ میں "خیر" نہیں بلکہ "شر" لے کر واپس ہوا ہوں۔ ابھی یہ اپنے گشت اور دورہ کی روائیداد پوری نہیں سنا چکا تھا کہ مجاہدین اسلام بنی نضیر کے میدان میں پہونچ گئے۔ یہ عصر کا وقت تھا۔ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم اجمعین) نے تیاری کی اور اسی میدان میں نماز کے لیے صف بستہ ہو گئے۔

بنو نضیر میں ہمت ہوتی تو ان کے لیے موقع تھا کہ میدان میں مقابلہ کرتے۔ مگر ان کی پہلی شکست یہ تھی کہ سامنے آنے کے بجائے قلعہ بند ہو گئے۔ ان کے دعوے کیا ہوئے۔ جذبات کیوں سرد ہو گئے اور

ہمتیں کیوں پست ہو گئیں۔ ظاہری سبب کوئی نہیں۔ کلام الٰہی نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے۔

فَاَتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ (سورہ حشر ع ۱)

پہونچ گیا ان پر اللہ ایسی جگہ سے کہ ان کو خیال بھی نہیں تھا اور ڈال دیا ان کے دلوں میں رعب اب مرعوبیت کا یہ عالم تھا کہ بڑے لوگوں کی یہ ہمت بھی نہیں ہوئی کہ قلعہ کے کمیں گاہوں سے مسلمانوں پر حملہ کریں۔ کچھ لڑکوں نے قلعہ کی دیواروں سے کچھ تیر برسائے کچھ پتھر پھینکے مگر بہت جلد ان کو خاموش کر دیا گیا۔

قبائل عرب جن کو بلانے کے لیے عبداللہ بن ابی نے آدمی بھیجے تھے۔ وہ بھی اپنی جگہ سمٹ کر بیٹھ گئے۔ کسی نے کوئی جنبش نہیں کی۔

اب حیی بن اخطب کو سلام بن مشکم کی تجویز یاد آئی کہ کچھ شرطیں طے کر لی جائیں۔ مگر اس کا وقت گذر چکا تھا۔ اب ان کے متعلق فیصلہ یہ تھا کہ جو کچھ وہ لے جا سکتے ہیں لے جائیں۔ باقی ان کی جدئیدادیں ضبط کی جائیں گی' سب سے ان کو دست بردار ہونا پڑے گا۔ حیی بن اخطب نے اس فیصلہ کو تسلیم کرنے میں پس و پیش کیا۔ لیکن سلام بن مشکم نے کہا کہ اس سے بدتر فیصلہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس کا موقع نہ دو اور یہی فیصلہ منظور کر لو۔

حیی بن اخطب' اس سے بدتر فیصلہ کیا ہو سکتا ہے۔

سلام بن مشکم۔ یہ کہ جوانوں کو قتل کیا جائے۔ عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا جائے۔

بہرحال چند روز اسی لیت و لعل میں گذرے۔ اس عرصہ میں محاصرہ بدستور رہا۔ بالاخر یہی فیصلہ تسلیم کرنا پڑا کہ جو کچھ لے جا سکتے ہیں وہ لے جائیں' اور یہاں سے روانہ ہو جائیں۔ (۸۸۴)

تخریب

اصول جنگ کے بموجب محاصرہ میں دن بدن شدت ہونی چاہیے تھی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان درختوں کے کاٹ ڈالنے کا حکم دیدیا۔ (۸۸۵) جو قلعہ کے لیے حصار کا کام دے سکتے تھے۔ اس پر طنز کیا گیا کہ دعوے ہے اصلاح اور تعمیر کا۔ (۸۸۶) اور عمل یہ ہے کہ پھل دار درخت کاٹے جاتے ہیں۔ کلام اللہ نے اس طنز کا جواب دیتے ہوئے اس تخریب کی ذمہ داری اپنے اوپر لی۔ ارشاد ہوا۔

مَاقَطَعْتُمْ مِنْ لِّيْنَةٍ اَوْتَرَكْتُمُوْهَا قَائِمَةً عَلٰى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِيْنَ (سورہ حشر ع ۱)

جنگ کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ حریف کو نقصان پہنچایا جائے اور اس کی گردن نیچی کی جائے۔ لہٰذا اس مقصد سے اگر درخت کاٹے گئے ہیں یا کچھ درخت کسی مصلحت سے باقی رکھے گئے ہیں تو اس کو ارشاد ربانی کی تعمیل کہنا چاہیے۔

بیشک اصل مقصود تعمیر و ترقی اور اصلاح ہے۔ مگر تعمیر کے لیے بھی بسا اوقات تخریب کی ضرورت ہوتی ہے۔ بوسیدہ دیواریں گرا کر ہی نئے محل کی بنیادیں بھری جاتی ہیں۔

احساس شکست

تخریب کی دوسری صورت وہ تھی جو یہود نے پالیسی کے طور پر اختیار کی کہ نکلنے سے پہلے اپنی جائیدادوں کو خود تباہ کیا۔ چنانچہ ایک طرف فیصلہ کے متعلق بات چیت چل رہی تھی اور دوسری جانب اپنے مکانات اور اپنی جائیدادیں خود برباد کر رہے تھے کہ مسلمانوں کا قبضہ اس حالت میں ہو کہ پوری آبادی کھنڈر بن چکی ہو۔ (۸۸۸)

ارشاد ربانی ہے۔

يُخَرِّبُونَ بُيُوتَهُمْ بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَلْبَابِ

برباد کر رہے ہیں اپنے مکانات اپنے ہاتھوں سے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے پس عبرت لو اے ارباب دانش۔

(بیرون قلعہ مسلمان برباد کر رہے تھے اور اندرون قلعہ خود (یہود) (۸۸۹) اور حضرت عکرمہ' رحمہ اللہ کا بیان یہ ہے کہ ان کے مکان نہایت آراستہ تھے تو اندر سے ان کی آرائش خود ختم کر رہے تھے کہ مسلمان ایسے پر تکلف آراستہ مکانوں میں نہ رہ سکیں اور باہر سے مسلمان توڑ پھوڑ کر رہے تھے اور بیہقی نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ یہودیوں کے عالیشان محلات قلعوں جیسے تھے۔ آنحضرت ﷺ جب بنو نضیر کی آبادی میں تشریف لے گئے تو یہ اپنے مکانات میں محفوظ ہو گئے۔ تب آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو حکم فرمایا کہ وہ گلیوں کوچوں میں گھس جائیں۔ تو اب آبادی سے باہر باغات جلائے جا رہے تھے درخت کاٹے جا رہے تھے اور آبادی کے اندر مسلمان باہر سے مکانات منہدم کر رہے تھے اور اندر سے خود یہودی توڑ پھوڑ کر کے آرائش ختم کر رہے تھے چوکھٹ کڑیاں اور تختے نکال رہے تھے۔ یہ عبرت انگیز صورت تھی جس سے سبق لینے کی ہدایت اہل دانش کو کی گئی ہے۔ (۸۹۰)

نکلنے کی شان

طے یہ کیا گیا تھا کہ حلقہ (۸۹۱) یعنی اسلحہ کے علاوہ جو سامان چاہیں لے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ تمام سامان یہاں تک کہ گھروں کے چوکھٹ بازو۔ کڑیاں۔ تختے کیلیں اور کھونٹیاں تک لاد کر (۸۹۲) لے گئے اور اس شان سے روانہ ہوئے کہ جشن کا دھوکا ہوتا تھا۔ اونٹوں پر سوار تھے۔ عورتیں اعلیٰ قسم کے کپڑوں میں ملبوس تمام زیوروں سے آراستہ تھیں۔ ساتھ ساتھ باجا بجتا جاتا تھا۔ مطربہ عورتیں دف بجاتی اور گانا گاتی تھیں۔ عروہ بن ورد عبسی مشہور شاعر کی بیوی کو یہود نے خرید لیا تھا وہ بھی ساتھ ساتھ تھی۔ (۸۹۳) اہل مدینہ کا بیان ہے کہ اس سروسامان کا قافلہ کبھی ان کی نظر سے نہیں گذرا تھا۔

سرداران بنو نضیر

حیی بن اخطب۔ سلام بن ابی الحقیق اور کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق روساء بنی نضیر۔ خیبر چلے گئے۔ اپنا سونا بھی جو چمڑوں کے تھیلوں میں بھرا ہوا تھا اپنے ساتھ لے گئے۔ سلام بن الحقیق یہ اعلان کرتا جاتا تھا کہ یہاں کے باغات سے بہتر خیبر کے باغات ہیں۔ وہاں ہمارا راج ہو گا۔ چنانچہ پہنچے تو وہاں کے یہودیوں نے ان کو اپنا رئیس تسلیم کر لیا۔ (۸۹۴) باقی یہودی اذرعات وغیرہ مقامات پر چلے گئے۔

حق پرست افراد

یہودی عالم کنانہ بن صوریا کی تقریر پہلے گذر چکی ہے۔ اس نے کہا تھا "محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے سچے رسول ہیں۔ ان کی دعوت قبول کر لو۔" سلام بن مشکم نے بھی اس کی تائید کی تھی۔ لیکن حسرت ناک بدقسمتی یہ ہے کہ اس اعتراف کے باوجود ان کو مسلمان ہونے کی توفیق نہیں ہوئی۔ صرف دو شخص تھے جنہوں نے حق کو پہچان کر اس کو تسلیم بھی کیا اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ یامین بن عمیر (۸۹۵) اور ابو سعد بن وہب (۸۹۶) (رضی اللہ عنہما)۔

عمرو بن حجاش مقتول

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس شرف میں پوری امت سے ممتاز ہیں کہ محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت میں درجہ فنا جو اولیاء اللہ کو مدتوں کی ریاضتوں کے بعد بھی میسر نہیں آتا۔ ایک صحابی کو ایمان کی پہلی منزل ہی میں یہ درجہ میسر آ جایا کرتا تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب و مرغوب سے محبت اور جو رحمتہ دوجہان (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بیگانہ ہوتا تھا اس سے نفرت پہلے ہی مرحلہ میں پیدا ہو جاتی تھی۔ قبیلہ بنو نضیر کے یہی بزرگ (حضرت یامین بن عمیر (رضی اللہ عنہ) مسلمان ہوئے تو عمر بن حجاش سے

اتنی نفرت ہو گئی کہ اس کی زندگی کے درپے ہو گئے حتیٰ کہ ایک شخص کو کچھ رقم دے کر اسے قتل کرا دیا۔ عمرو بن حجاش وہی تھا جو اوپر چڑھا ہوا تھا کہ جیسے ہی آنحضرت ﷺ قبیلہ بنو نضیر میں تشریف فرما ہوں اوپر سے پتھر گرا دیا جائے۔ (۸۹۷)

انصار کے یہودی لڑکوں کا مسئلہ

اسلام سے پہلے انصار یعنی اوس اور خزرج کے مشرک چونکہ عموماً یہودیوں سے عقیدت رکھتے تھے تو ایسا بھی ہوتا تھا کہ جن عورتوں کے بچے نہیں جیتے تھے وہ منت مان لیا کرتی تھیں کہ بچہ اگر زندہ رہا تو وہ اس کو یہودی بنا دے گی۔ یہ منت مانے ہوئے بچے اب ہوشیار ہو گئے (۸۹۸) تھے۔ جب بنو نضیر کو نکالا گیا تو ان کے والدین نے چاہا کہ ان کو جبراً روک لیں۔ یہودیوں کے ساتھ نہ جانے دیں۔ مگر کتاب اللہ نے اس کے خلاف فیصلہ صادر فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ربانی نازل ہوا (۸۹۹)۔

لَا اِکْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (سورہ بقرہ ع ۳۴)

رسد

انقلابات عالم کی تاریخ ایسے والنتیروں کی مثال نہیں پیش کر سکے گی جن کا توشہ سراسر "توکل" رہا ہو۔ جن کے عزائم اس درجہ انقلاب انگیز ہوں کہ بڑے بڑے فرعونوں اور قارونوں کے دلوں کو لرزا دیں۔ اور سرمایہ کی یہ شان ہو کہ زنبیل سفر میں مٹھی بھر جو بھی پڑے ہوئے نہ ہوں۔ بنو نضیر کی طرف کوچ کے حکم کی تعمیل اس عجلت سے کی گئی کہ زوال کے بعد سے ابھی عصر کا وقت بھی نہیں ہوا تھا کہ مجاہدین کی فوج وہاں پہنچ گئی۔ مگر ہاتھ سب کے خالی نہ کسی کے پاس ناشتہ یا توشہ' نہ کسی کو توشہ کی فکر۔ مگر۔

خدا خود میر سامان ست ارباب توکل را

قبیلہ خزرج کے رئیس حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے توفیق عنایت فرمائی کہ جب تک محاصرہ رہا کھجوروں کا رسد وہ پیش کرتے رہے۔ (۹۰۰)

مدت محاصرہ

عام روایت یہ ہے کہ پندرہ روز تک محاصرہ رہا۔

ادیبانہ سخن سنجی

بنو نضیر کے اس واقعہ کے بعد حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے ایک قصیدہ موزوں کیا۔ جس کے چند اشعار (۱) یہ ہیں۔

تقاعد معشر نصروا قريشا وليس لهم ببلدتهم نصير هم اوتوا الكتاب فضيعو- فهم عمى عن التوراة بور كفرتم بالقرآن لقد لقيتم بتصديق الذى قال النذير

وہ جماعت جس نے قریش کی مدد کی عاجز ہو کر بیٹھ گئی حالت یہ ہے کہ خود ان کے شہر میں ان کا کوئی مدد گار نہیں یہ وہ ہیں جن کو کتاب (تورات) دی گئی تھی مگر انہوں نے اس کو ضائع کر دیا۔ اس پر عمل نہیں کیا۔

پس وہ تورات سے اندھے ہو کر تباہ ہو گئے۔ (اے اہل کتاب) تم نے قرآن پاک کا انکار کیا تو خود تمہارے سامنے حضرت بشیرو نذیر (ﷺ) کے ارشاد کی تصدیق آ گئی تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ جو کچھ آپ ﷺ نے فرمایا وہ سچ تھا۔

پھر چونکہ قریش نے خطوط لکھ کر بنو نضیر کو اس سرکشی اور بغاوت پر آمادہ کیا تھا لہٰذا قریش کے متعلق حضرت حسان نے فرمایا۔

وهان على سراة بنى لوى حريق بالبويرة مستيطر

بنو لوی (قریش) کو معمولی معلوم ہو رہی ہے وہ آگ جو بویرہ میں لگی ہوئی پھیل رہی ہے۔

آنحضرت ﷺ کے ایک چچا زاد بھائی ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب بھی شاعر تھے۔ اس وقت تک اسلام سے مشرف نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے اس کے جواب میں کہا۔

ادام الله ذلک من صنيع وحرق فى فواحيها سعير
ستعلم اينا منها بنزه وتعلم اى ارضينا تضير

اللہ تعالیٰ اس عمل کو باقی رکھے اور یہ آگ جلتے جلتے بویرہ کے اطراف (مدینہ منورہ) تک پہنچ جائے۔

عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اس آگ سے ہم دور ہیں یا تم اور تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہمارے ملک کو نقصان پہنچ رہا ہے یا تمہاری سرزمین کو۔

بویرہ۔ مسجد قباء سے غرب کی جانب مدینہ منورہ اور تیماء کے درمیان ایک مقام تھا حضرت حسان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہاں جو آگ لگائی گئی ہے کیا قریش اس کو کوئی اہمیت نہیں دیتے کیا ان کے نزدیک یہ معمولی بات ہے۔ ابوسفیان بن حارث اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ ہماری دعا ہے کہ یہ آگ بڑھے اور

بڑھتے بڑھتے بویرہ کے اطراف یعنی مدینہ طیبہ تک پہنچ جائے تب معلوم ہو گا کہ کس کو نقصان پہنچا اور کس کے گھر میں آگ لگی۔

واضح رہے کہ یہ ابوسفیان بعد میں مسلمان ہو گئے اور ایسے جاں نثار کہ غزوہ حنین میں جب ابتداء میں مسلمانوں کے کچھ پاؤں اکھڑ گئے تھے تو یہ نہ صرف ثابت قدم رہے بلکہ آنحضرت ﷺ کے قریب آپ کے گھوڑے کی باگ ہاتھ میں سنبھالتے رہے۔ رضی اللہ عنہ۔

اموال بنی نضیر

منقولہ اموال لیجانے کی اجازت تھی۔ صرف اسلحہ مستثنٰی کیے گئے تھے چنانچہ اسلحہ پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا تین سو چالیس تلواریں تھی۔ پچاس زرہ اور پچاس خود۔ (۹۰۲) منقولہ کے علاوہ غیر منقولہ جائدادیں یعنی باغات اور کھیت وہ ضبط کیے گئے۔ اور کتاب اللہ نے ان کو آنحضرت ﷺ کے لیے مخصوص فرما دیا۔ ارشاد ربانی ہے۔

وما افاء الله على رسوله منهم (الايه-ع ا سوره حشر)

مطلب یہ ہے کہ "جو کچھ اللہ تعالٰی نے اپنے رسول کو ان سے (اس طرح) دلوایا (کہ تمہیں اس کے حاصل کرنے میں کوئی مشقت نہیں اٹھانی پڑی' تم نے اس پر (اس کے حاصل کرنے پر) نہ گھوڑے دوڑائے نہ اونٹ۔ (یعنی نہ سفر کی مشقت ہوئی کیونکہ یہ قبیلہ مدینہ سے صرف دو میل تھا اور نہ باقاعدہ مقابلہ کی نوبت آئی) لیکن اللہ تعالٰی اپنے رسول کو جس پر چاہے مسلط فرما دیتا ہے (چنانچہ محمد رسول اللہ ﷺ کو ان جائدادوں پر مسلط کر دیا پس اس میں تمہارا حق نہیں ہے۔ یہ رسول اللہ کی ہیں (ﷺ) آپ کو ان میں تصرف کا پورا اختیار ہے)

بہر حال نص قرآن نے ان جائیدادوں کو آنحضرت ﷺ کی ملک قرار دے دیا۔ مگر معلوم ہے آنحضرت ﷺ نے اپنے مالکانہ اختیارات کو کس طرح جامہ عمل پہنایا؟ آپ ﷺ نے اکثر حصہ حضرات مہاجرین عنایت فرما دیا۔

بعض انصاری حضرات جو بہت تنگدست اور مفلوک الحال تھے ان کو عنایت فرمایا اہل و عیال کا بھر کا خرچہ مقرر فرما دیا۔ جو فاضل بچتا وہ سامان جہاد کی تیاری میں صرف فرماتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان جائدادوں کی تولیت حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی فرمائش پر ان کے حوالے فرما دی۔ مگر ان دونوں میں کچھ اختلاف ہو گیا اور بڑھا کہ دوبارہ معاملہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اس وقت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حاضرین

سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

میں آپ سب کو اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم سے آسمان اور زمین قائم ہیں اور دریافت کرتا ہوں کیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا۔ لا نورث ماترکنا صدقۃ (۹۰۳) سب نے اقرار کیا کہ بے شک آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا تھا پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خاص طور پر حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا۔ آپ حضرات کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا؟ ان دونوں نے بھی تصدیق کی کہ بیشک آنحضرت صلی اللہ عنہ وسلم نے یہ فرمایا تھا۔

پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا۔

جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

وَمَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ - تا - قولہ تعالی قَدِيْرٌ -

واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے بنو نضیر کی جائدادیں اپنے رسول کے لیے مخصوص فرما دی تھیں۔ اللہ تعالی نے آپ ﷺ کے علاوہ کسی کو ان جائدادوں میں سے کچھ نہیں دیا تھا۔ بلاشبہ جائدادیں خالص آنحضرت ﷺ کے لیے تھیں (مگر) واللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جائدادوں کو الگ چھانٹ کر نہیں رکھا نہ اپنی ذات کے لیے ان کو مخصوص کیا بلکہ تمہیں عطا کیا' تمہارے درمیان تقسیم کیا۔ یہاں تک کہ (تقسیم کے بعد یہ ٹکڑے) جو اس وقت موجود ہیں باقی رہ گئے ان کی پیداوار کے متعلق آنحضرت ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ اہل و عیال کا خرچہ ایک سال کا نکال لیا کرتے تھے' پھر جو بچتا تھا اس کو ان مصارف میں صرف کرتے تھے جہاں اللہ کے مال صرف ہوتے ہیں (یعنی اسلحہ وغیرہ سامان جہاد اور مصالح عامہ میں صرف فرما دیا کرتے تھے)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کو مخاطب کر کے فرمایا :

میں آپ دونوں کو اللہ کی قسم دے کر دریافت کرتا ہوں کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندگی بھر ایسا ہی نہیں کرتے رہے تھے۔ ان دونوں بزرگوں نے فرمایا بے شک (۹۰۴) ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

الحاصل یہ جائدادیں من جانب اللہ آنحضرت ﷺ کو عطا ہوئیں تو آپ نے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بیر حجر

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بیر جرم

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو سوالہ
حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ کو خراطہ

زبیر بن عوام اور ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہما کو بویلہ۔ اور اسی طرح دوسرے مہاجرین کو جائدادیں بخشیں اور بقول ابن سعد "ووسع فی الناس منھا" (لوگوں میں وسعت پیدا کر دی' سب ہی کو کچھ عطا فرمایا جس سے ان کے یہاں کچھ گنجائش پیدا ہو گئی فاقہ اور افلاس کی سابق تنگی باقی نہیں رہی)

آنحضرت ﷺ نے حضرات انصار رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی کچھ عطا فرمانا چاہا۔ ان پیکران اخلاص نے معذرت کر دی اور سفارش کی کہ جو کچھ ان کو مل سکتا ہو وہ مہاجرین کو عنایت فرما دیں۔ تاہم دو انصاری صاحبان کو جو زیادہ مفلس اور مفلوک الحال تھے آنحضرت ﷺ نے کچھ جائیداد عطا فرما دی (یہ حضرات سہل بن حنیف انصاری اور حضرت ابو دجانہ انصاری تھے رضی اللہ عنہما) (۹۰۵)

پہلے آنحضرت ﷺ مقروض کی نماز پڑھنے سے انکار فرما دیا کرتے تھے اور اب یہ اعلان فرما دیا کہ۔

من ترک مالا فلا ھله ومن ترک دینا اوضیاعا فالی وعلی (۹۰۷)

حضرات انصار کے اس ایثار کو جس قدر سراہا جائے کم ہے کہ اب تک ان بزرگوں نے مہاجرین حضرات کی ہر طرح امداد کی تھی یہاں تک کہ ان کو اپنی جائدادوں میں شریک کر لیا تھا اور اب جائداد ملنے کا وقت آیا تو قطعاً" گوارا نہیں کیا کہ اس ایثار اور خدمت کا کوئی معاوضہ لیں بلکہ اصرار کیا کہ جو جائدادیں قبضہ میں آئی ہیں وہ حضرات مہاجرین ہی کو دی جائیں۔ یہی ایثار ہے جس کی تحسین رب العرش نے اپنے کلام پاک میں فرمائی۔ یوثرون علی انفسھم ولوکان بھم خصاصة۔ وہ اپنے آپ سے دوسروں (مہاجرین کو) مقدم رکھتے ہیں باوجودیکہ ان کو سخت ضرورت ہوتی ہے۔

ایک فاضل محدث مدظلہ العالی کی اصلاح

بنو نضیر کی جدائیدادوں کے متعلق ایک بحث عہد زریں کے حصہ دوم میں بھی گذری ہے (ص ۳۵ ص ۴۲) وہاں بھی یہی آیتیں پیش کی گئی ہیں اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے افادات نقل کیے ہیں ص ۱۳۵ پر چند سطور احقر کی طرف سے بھی مستزاد ہیں۔ ان کے متعلق مولانا حبیب الرحمن صاحب الحدیث (مئوناتھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ) نے تحریر فرمایا ہے۔

"تو لکم۔ ان تمام آمدنیوں کو الخ۔ آمدنیوں کے بجائے مال و جائداد ہونا چاہیے یہی صحیح تعبیر ہے آپ نے ص ۱۳۳ میں یہی تعبیر اختیار فرمائی ہے اور آگے ہلالین کے درمیان آپ نے جو اضافہ فرمایا وہ ناچیز کی سمجھ سے واجب الحذف ہے کیونکہ اس سے مطلقاً اراضی کی پیداوار کا بحکم فے ہونا مفہوم ہوتا ہے یا اس کا وہم پیدا ہوتا ہے حالانکہ شرعاً" ایسا ہرگز نہیں ہے۔ سورہ حشر کی ان آیات میں اس مال و

متاع اور جائداد کا حکم مذکور ہے جو بنو نضیر (کفار) سے آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کے قبضہ میں آئی تھیں اس سے یہ تو مستفاد ہوتا ہے کہ آئندہ بھی جو جائدادیں کفار سے بغیر لڑائی کے مسلمانوں کے ہاتھ میں آئیں گی ان کا یہی حکم ہے۔ لیکن یہ مستفاد نہیں ہوتا کہ ہر زمین کی پیداوار فے ہے اور اس کا یہی حکم ہے جو اموال بنی النضیر کا) میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ آپ ایسا سمجھ رہے ہیں بلکہ منشاء یہ ہے کہ آپ کی عبارت موہم ہے اس سے غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے۔ (انتہی مکتوب حضرت شیخ الحدیث اعظمی)

شکریہ

احقر نے عہد زرین کے حصہ اول اور حصہ دوم حضرت شیخ الحدیث موصوف کی خدمت میں پیش کر کے ترمیم و اصلاح اور تبصرہ کی درخواست کی تھی۔ بار بار کے اصرار پر شیخ الحدیث ممدوح کا تبصرہ موصول ہوا جو ایک کتابچہ میں شائع کیا جا چکا ہے۔ تبصرہ کے ساتھ تین صفحہ کے مضمون میں چند اصلاحات ہیں جن میں سے اہم اصلاح وہ ہے جو اوپر تحریر کی گئی۔

راقم الحروف حضرت شیخ الحدیث مدظلہ' العالی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس اصلاح کو قبول کرتا ہے فی الواقع ہلالین کے درمیان کی یہ عبارت (بالفاظ دیگر آراضی کی پیداوار کیونکہ وہ بھی لشکر کشی کے بغیر حاصل ہوتی ہے) حذف سمجھی جائے۔ یہ عبارت اس موقع پر بلاشبہ موہم ہے۔ اس عبارت سے خلط مبحث ہو گیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ دو مبحث علیحدہ علیحدہ ہیں ایک بنو نضیر کی جائداد اور اس کے متعلق ارشادات ربانی اور آنحضرت ﷺ کا عمل (جس کی وضاحت سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا خطاب میں گزر چکی ہے) اس کے پیش نظر یہ بات واضح ہے کہ ارشاد ربانی (فما اوجفتم علیہ۔ الایتہ) میں "فے" سے مراد بنی نضیر کی جائدادیں ہی ہیں' صرف آمدنی مراد نہیں ہے۔ دوسری بحث خود لفظ فے کے متعلق ہے کہ فے صرف جائداد کو کہا جاتا ہے یا جائداد کی آمدنی یا پیداوار بھی لفظ فے کے عموم میں داخل ہو جاتی ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ نے بیان القرآن میں تحریر فرمایا ہے۔ جو مال اہل حرب سے بلاقتال حاصل ہو وہ فے ہے (کذافی الھدایہ) اموال بنی نضیر بھی اسی قبیل سے تھے (بیان القرآن ص ۱۴۴ ج ۱۱ تفسیر سورہ حشر) مگر علامہ ابن رشد کا بیان ہے۔

> واما الفی عند الجمھور فھو کل ما صار للمسلمین من الکفار من قبل الرعب والخوف من غیر ان یوجف علیہ بخیل اوجل (صفحہ ۳۴۳ جلد ۱، بدایۃ المجتھد ونھایۃ المقتصد)

اس عموم کے تحت جزیہ بھی فے ہو گا۔ حضرت الامام الحافظ ابی عبید القاسم بن سلام رحمہ اللہ نے

مزید وضاحت فرمائی ہے۔ آپ نے لفظ "فے" کو جو وسعت دی اس کے تحت پیداوار بھی فے میں داخل ہے۔ آپ کا ارشاد ہے۔

و اما مال الفی فما اجتبی علیه من اموال اهل الذمه مماصو لحوا علیه من جزیه روسهم التی بها حقنت دماء هم وحرمت اموالهم ومنه خراج الارضین التی اقسمت عنوه ثم اقرها الامام فی ایدی اهل الذمه علی طسق (مکیال معلوم) یودونه ومنه وظیفه الارض الصلح التی منعها اهلها حتی صولحوا منها علی خراج مسمی ومنه ما یاخذة العاشر من اموال اهل الذمه التی یمرون بها علیه لتجارتهم ومنه مایو خذ من اهل الحرب اذا دخلوا بلاد الاسلام للتجارات فکل هذا من الفی- (کتاب الاموال للامام ابی عبید رحمته الله صفحه ۱٦)

اس کے علاوہ سورہ حشر میں جو مصارف بیان کیے گئے ہیں ان کا اشارہ یہی ہے کہ پیداوار کو بھی "فے" قرار دیا جائے۔ چنانچہ حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے خلیفہ ہارون الرشید کو خطاب کرتے ہوئے تحریر فرمایا تھا۔

فاما الفی یا امیر المئومنین فهو الخراج عندنا- خراج الارض و الله اعلم لان الله تبارک و تعالی یقول فی کتابه ما افاء الله علی رسوله من اهل القری فلله وللرسول الی ان قال ابو یوسف ثم قال تعالی و الذین جاوا من بعدهم الایته فهذا و الله اعلم من جاء من بعدهم من المئومنین الی یوم القیمه- و الله اعلم بالصواب- (کتاب الخراج للامام ابی یوسف ــــ فصل فی الفی و الخروج صفحه ۲۳)

غزوات کا دوسرا دور
بیعت رضوان اور صلح حدیبیہ

حوادث اور واقعات کی ترتیب کے لحاظ سے "غزوہ احد" کے تذکرہ کے بعد "غزوہ احزاب" کا تذکرہ آنا چاہیے مگر جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے ہمارا سلسلہ تحریر ازالۃ الخفاء کے تابع ہے پھر اس میں "قصہ از قصہ ے خیزد" کی نوعیت پیدا ہو گئی ہے۔ فضائل اور ایثار صحابہ (رضی اللہ عنہم) کا ذکر آیا تو "جہاد فی سبیل اللہ" کی تفسیر کی گئی (عہد زریں جلد اول ص ۱۶۸) پھر غزوات و سرایا جہاد فی سبیل اللہ کے عملی نمونے تھے۔ لہٰذا ان کا تذکرہ ضروری تھا۔ پہلے مجمل تذکرہ آیا (ص ۱۷۱ ج ۱) مگر اس نے تفصیل کے لیے تشنگی پیدا کر دی اور جب سیراب ہونے کے لیے کوزوں کی طرف ہاتھ بڑھا تو سب سے پہلے "احزاب" کا جام رنگیں سامنے آگیا۔

یہ آخری غزوہ تھا جس میں مشرکین کی طرف سے اقدام ہوا تھا۔ اس غزوہ کے خاتمہ پر آنحضرت ﷺ نے بشارت دی تھی کہ اب اقدام ہماری طرف سے ہو گا (ص ۲۳۳ ج ۱)

جب اس آخری غزوہ کے تذکرہ سے ۲۰ صفحات رنگین کیے گئے تو خدمات و ایثار صحابہ کے وسیع باب کا مطالبہ ہوا کہ اس آخری غزوہ سے پہلے غزوات یعنی (بدر و احد) کا بھی تذکرہ تفصیل سے کیا جائے۔ جو نہ صرف فضائل صحابہ بلکہ اسلام کی عظیم الشان تاریخ میں بھی وہ اہمیت رکھتے ہیں کہ کلام اللہ کی تقریباً دو سو آیتیں ان کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ اس طرح اگرچہ ترتیب میں فرق ہو گیا کہ غزوہ احزاب کا تذکرہ پہلے آگیا (ص ۱۹۳ ج ۱ تا ۲۱۱ ج ۱) اور بدر و احد کا تذکرہ بعد میں مگر الحمدللہ آیات کتاب اللہ کی روشنی میں ان تینوں غزووں کا ذکر مکمل ہو گیا۔

غزوہ احزاب کے خاتمہ پر جو لسان رسالت سے صادر ہوا تھا۔ نحن نسیر الیھم (اب ہم ان کی طرف چل کر جائیں گے) آئندہ صفحات میں اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

محرک : مکہ معظمہ کے متعلق صرف یہی بات نہیں تھی کہ وہ آنحضرت ﷺ اور حضرات مہاجرین کا آبائی وطن تھا۔ یہاں یہ حضرات پیدا ہوئے تھے۔ بڑھے پلے تھے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ بلد حرام اور باعظمت شہر اطمینان گاہ روح اور مرکز ایمان بھی تھا۔ جہاں خدا کا وہ تجلی گاہ تھا جس کی زیارت کے لیے کئی ہزار سال پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نوع انسان کی تمام سعید روحوں کو دعوت عام دے چکے تھے جہاں اولاد آدم کی پاک روحیں حاضر ہوتیں اور "بیت عتیق" کی زیارت کر کے سعادت ابدی کی دستاویزیں حاصل کرتی تھیں۔ اس قرار گاہ روح اور مہبط ایمان کی زیارت کا شوق فطرت ایمانی کا جزو ہے جس قدر

ایمان مکمل ہو گا اتنا ہی زیادہ یہ شوق اضطراب انگیز اور روح فرسا ہو گا۔

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ حبشی الاصل تھے مکہ ان کا آبائی وطن نہیں تھا۔ ایک غلام کی حیثیت سے مکہ میں رہے تھے پھر مسلمان ہوئے تو مکہ کا ایک ایک ذرہ ان کا دشمن ہو گیا تھا جو لمحہ گذرتا تھا مصیبتوں کے طوفان میں گذرتا تھا مگر مدینہ منورہ آنے کے بعد ایک عرصہ تک یہ حالت تھی کہ مکہ کا خیال آتا تو رونے لگتے تھے اسی اثنا میں کچھ طبیعت خراب ہوئی تو لوگوں نے سنا کہ وہ مکہ کے شوق میں یہ شعر گنگنا رہے ہیں۔ بخاری نے ان اشعار کو نقل کیا ہے۔

الا لیت شعری ھل ابیتن لیلہ بوادو حولی اذخر وجلیل وھل اردن یوما میاہ مجنۃ وھل یبدون لیٔ شامۃ و طفیل (بخاری شریف ص ۲۵۳

اے کاش میں جان لیتا کیا پھر کبھی ایسا ہو گا کہ میں رات گذاروں وادی میں اور میرے گرداگرد اذخر اور جلیل ہوں (یہ گھاسوں کے نام ہیں جو مکہ میں ہوتی ہیں) اور کیا کبھی ایسا ہو گا کہ میں مجنہ کے چشمہ پر فروکش ہوں اور کیا کبھی ایسا ہو گا کہ کوہ شامہ مجھے دکھائی دے اور کوہ طفیل کو میں دیکھ سکوں۔

جب ایک حبشی الاصل جس نے مکہ میں چند سال گذارے تھے اس کے جذبات مکہ معظمہ کے متعلق یہ تھے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء و مہاجرین کے جذبات کا کیا ٹھکانا۔ جس کے فطری جذبات کے ساتھ جذبہ ایمانی بھی آتش شوق کو تیز کرتا رہتا تھا جنہوں نے طفولیت اور شباب کے دو عزیز ترین دور اسی مقدس اور محبوب شہر کے گلی کوچوں میں گذارے تھے جس سے ایک لمحہ کی جدائی بھی گوارا نہیں تھی مگر اب تقریباً چھ سال پورے ہو رہے تھے کہ اس طرف کی ہوا بھی لگنی مشکل تھی ان میں سے کچھ کے اہل و عیال بھی مکہ ہی میں تھے۔ نہ وہ مکہ سے نکل سکتے تھے نہ یہ مکہ میں داخل ہو سکتے تھے۔

بہرحال ان ایمانی محرکات اور فطری جذبات کے سبب سے (اور غالباً" اس لیے کہ اسلام کا قافلہ جو ضرورتاً" مدینہ طیبہ میں فروکش ہو گیا تھا۔ اس کا رخ حقیقی منزل اور اس اصلی مرکز کی طرف ہونا چاہیے اور جب کہ محمد رسول اللہ والذین معہ۔ ملت ابراہیمی کے حقیقی محافظ اور علمبردار ہیں تو اتنا حق ان کو ضرور ملنا چاہیے کہ مسجد حرام میں داخل ہو سکیں اور اپنے ایمانی جذبات کی تشنگیوں کو سیراب کر سکیں) ارادہ کیا گیا کہ اس بلد امین میں حاضری کی کوشش کی جائے۔

چنانچہ شوال ۶ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اداء عمرہ کا قصد فرمایا لیکن اس قصد کے یہ معنی تھے کہ جس نرغہ میں گذشتہ سال غزوہ احزاب کے موقع پر پورا مدینہ منورہ محصور ہو گیا تھا اب عمرہ کرنے والوں کی جماعت خود بخود اس ابتلا اور نرغہ کے لیے اپنے آپ کو پیش کر رہی تھی۔ کیونکہ اداء عمرہ کے لیے لازم تھا

کہ مکہ معظمہ میں داخل ہوں۔ مکہ معظمہ انہیں مشرکین کا محفوظ قلعہ بنا ہوا تھا جو بدر اور احد کے معرکوں میں مسلمانوں پر مصیبت کے پہاڑ توڑ چکے تھے اور سال گذشتہ اپنے تمام احزاب کو لے کر مدینہ پر حملہ آور ہوئے تھے کہ اسلام اور عاملین اسلام کو صفحہ ہستی سے محو کر ڈالیں اس بناء پر یہ قصد کرنا ایک بہت بڑے خطرہ کو دعوت دینا تھا اور ہر ایک کی ہمت نہیں تھی کہ اس سفر میں ہمرکابی کا شوق کرے۔
منافقین کا تو تذکرہ ہی کیا۔ وہ تو احد میں جنگ سے پہلے میدان چھوڑ آئے تھے اور غزوہ احزاب میں یہ کہہ کر گھروں میں بیٹھ گئے تھے کہ بیو تنا عورۃ (ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں) وہ اس موقع پر جان حزیں کو دور دراز سفر کی زحمت میں کب ڈال سکتے تھے۔ بادیہ نشین اعراب جن کے جذبات مصلحت بینی کے وسوسوں سے آزاد رہا کرتے ہیں وہ بھی ساتھ نہیں ہوئے تھے بلکہ وہ جدید الایمان (نومسلم) جن کے دلوں میں ابھی ایمان کی جڑیں مضبوط نہیں جمی تھیں۔ ان کو تو یہ یقین ہو گیا تھا۔

لَنْ یَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓی اَهْلِیْهِمْ اَبَدًا (سورہ فتح)

رسول (ﷺ) اور مسلمان اپنے گھروں کو کبھی بھی واپس نہ ہوں گے۔
بہرحال جس طرح غزوہ بدر کے موقعہ پر صرف تین سو تیرہ کے لیے یہ سعادت مقرر کی گئی تھی کہ اسلام کے سب سے پہلے اور سب سے زیادہ سخت معرکہ میں شرکت کر کے مغفرت اور رضا خداوندی کی بشارتیں سنیں اور ابدی فوز و فلاح کا طرہ امتیاز حاصل کر لیں اسی طرح قسام ازل نے اس موقع پر صرف چودہ سو اہل ایمان کے لیے یہ سعادت مقدر کی تھی کہ امتحان گاہ ایمان میں کوہ استقلال ثابت ہوں اور رضا خداوندی کی سند حاصل کریں۔
موکبِ ہمایوں مدینہ منورہ سے روانہ ہوا۔ تو چونکہ جنگ کا قصد نہیں تھا۔ صرف عمرہ مقصود تھا اس لیے حکم ہوا کہ احرام باندھ لیا جائے۔ قربانی کے اونٹ ساتھ لے لیے جائیں' ہتھیار نہ لگائے جائیں۔ صرف تلوار جو اس زمانہ میں اور بالخصوص عرب میں سفر کی ضروریات میں سے تھی ساتھ لے جائی جائے۔ مگر اس طرح کہ نیام میں بند ہو یا کپڑے میں لپٹی ہوئی ہو۔ چنانچہ ذوالحلیفہ پہنچ کر (جو مدینہ سے چند میل ہے) احرام باندھ لیا گیا اور احرام (۹۰۸) کے قاعدے کے مطابق قربانی کے جانوروں کی گردنوں میں قلادے۔ یا نعل لٹکا دیئے گئے۔ لیکن حریفان اسلام کو جیسے ہی رسول اللہ ﷺ کی نقل و حرکت کا علم ہوا جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ قبائل متحدہ کے پاس پیغام بھیج کر ایک بڑی فوج مقابلہ کے لیے تیار کر لی۔ اور یہ طے کر لیا کہ داعی اسلام اور حامیان ملت بیضا کو کسی طرح بھی مکہ معظمہ میں داخل ہونے کا موقع نہیں دیا جائے گا۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے خفیہ (۹۰۹) رپورٹر نے مقام عسفان پر رپورٹ دی۔

ان قریشا جمعو الک جموعا وقد جمعو الک الاحابیش وھم مقاتلوک وصادوک عن البیت وما نعوک۔ (بخاری شریف ج ۲ غزوہ حدیبیہ)

قریش نے آپ کے مقابلہ کے لیے بہت سے گروہ اکٹھے کر لیے ہیں۔ انہوں نے آپ سے جنگ کے لیے متفرق قبائل کے آدمیوں کو جمع کر لیا ہے وہ آپ سے جنگ کریں گے اور آپ کو بیت اللہ شریف سے واپس کر دیں گے۔ اور آپ کے راستہ میں رکاوٹ ڈالیں گے۔

ابھی رحمتہ للعالمین ﷺ اور آپ رفقاء کرام منزل تک بھی نہیں پہنچے تھے کہ حضرت خالد بن الولید (رضی اللہ عنہ) جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے' ایک دستہ لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے کہ نہتے مسلمانوں کو راستہ میں پریشان کریں گے۔ خالد بن ولید مکہ سے چل کر وادی غمیم تک پہنچ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو چونکہ لڑنا مقصود نہیں تھا اس لیے آپ ﷺ نے راستہ بدل دیا۔ اور دوسرے راستہ سے حدیبیہ پہنچ گئے۔ (۹۱۰) اور بدیل بن ورقاء کو (جو قبیلہ خزاعہ کے سردار تھے اور ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے) قریش کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ ہم عمرہ کی غرض سے آئے ہیں' لڑنا مقصود نہیں ہے۔ جنگ نے قریش کی حالت زار کر دی ہے اور ان کو سخت نقصان پہنچا ہے۔ ان کے لیے یہی بہتر ہے کہ ایک معین مدت کے لیے معاہدہ صلح کر لیں اور مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دیں۔ اگر اس پیغام امن کو قریش منظور نہ کریں تو مجھے بھی جنگ کے لیے مجبور ہونا پڑے گا۔ اور اس خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے' میں یہاں تک لڑوں گا کہ میری گردن الگ ہو جائے اور خدا کو جو فیصلہ کرنا ہو' کر دے"

بدیل نے یہ پیغام قریش کو پہونچایا جس کے نتیجہ میں "عروہ بن مسعود ثقفی" قریش کی طرف سے رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کرنے کے لیے آئے۔ لیکن گفتگو ناکام رہی۔

عروہ بن مسعود ثقفی نے واپس جا کر یہ اشارہ تو کر دیا کہ اگر جنگ ہوئی تو نتیجہ قریش کے حق میں نہ ہو گا۔ اس نے کہا۔

> "میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار دیکھے ہیں مگر وہ عقیدت اور وارفتگی کہیں نہیں دیکھی جو "محمد" (ﷺ) کے ساتھیوں کو "محمد" (ﷺ) کے ساتھ ہے۔ محمد (ﷺ) بات کرتے ہیں تو سناٹا چھا جاتا ہے کوئی شخص ان کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔ وضو کرنے میں جو پانی گرتا ہے اس پر ساتھی ٹوٹ پڑتے ہیں۔ بلغم یا لعاب دہن گرتا ہے تو عقیدت کیش ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں اور چہروں اور ہاتھوں پر مل لیتے ہیں"

لیکن قریش نے کوئی نتیجہ خیز جواب نہیں دیا بلکہ قریش کے سکوت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مجبور کیا کہ گفتگو کا سلسلہ دوبارہ جاری کریں۔ چنانچہ آپ نے (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت خراش بن امیہ۔ کو قریش کے پاس بھیجا مگر قریش نے دوبارہ تحریک مصالحت کا جواب یہ دیا کہ حضرت خراش کی سواری کے اونٹ کو جو خاص رسول اللہ ﷺ کی سواری میں رہا کرتا تھا' مار ڈالا اور خود حضرت خراش پر یہی گذرنے والی تھی کہ دوسرے قبائل کے لوگوں نے بچا لیا۔ وہ کسی طرح صحیح سالم دربار رسالت میں واپس پہنچ گئے۔

مزید براں قریش نے ایک دستہ بھیج دیا کہ وہ لشکر اسلام پر حملہ آور ہو۔ لیکن یہ لوگ گرفتار کر لیے گئے۔ گو یہ سخت شرارت تھی لیکن رسول اللہ ﷺ کا دامن عفو اس سے زیادہ وسیع تھا۔ آپ نے سب کو معاف فرماتے ہوئے رہا فرما دیا۔

کلام الٰہی نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَیْهِمْ (سورہ فتح)

وہی خدا ہے جس نے مکہ میں ان لوگوں کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیئے بعد اس کے کہ تم کو ان پر قابو دے دیا تھا۔

کفار کی اس بدخلقی۔ جہالت اور اقدام جنگ کے باوجود رحمتہ عالم ﷺ کا جذبہ مصالحت غالب رہا۔ اور جوابی کارروائی کے بجائے آپ ﷺ نے پھر ایک مرتبہ صلح کی پیش کش فرمائی۔ چنانچہ حضرت عثمان ؓ کو صلح اور آشتی کی اس مقدس سفارت کے لیے منتخب فرمایا کیونکہ مکہ معظمہ میں آپ ؓ کے ایسے اثرات اب بھی تھے جن کی بنا پر آپ ؓ کے لیے خطرہ کم تھا اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ سے خصوصی قرابت کے باعث آپ ؓ کی شان مسلمانوں میں بھی ممتاز تھی' جس کی بنا پر اس سفارت کو سب سے زیادہ باوقار اور باعزت سفارت کہا جا سکتا تھا۔

حضرت عثمان ؓ اپنے ایک عزیز (ابان بن سعید) کی حمایت میں مکہ معظمہ میں داخل ہوئے اور قریش کو آنحضرت ﷺ کا پیغام سنایا۔

قریش نے حضرت عثمان ؓ کو نظر بند کر لیا۔ لیکن عام طور پر یہ خبر مشہور ہو گئی کہ وہ قتل کر دیئے گئے۔

یہ خبر رسول اللہ ﷺ کو پہونچی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "عثمان کے خون کا قصاص لینا فرض ہے"
آپ ﷺ ایک ببول کے درخت کے نیچے تشریف فرما ہوئے اور صحابہ کرام ؓ سے جاں نثاری کی

بیعت لی۔ تمام صحابہ نے جن میں زن و مرد دونوں شامل تھے۔ ولولہ انگیز جوش کے ساتھ دست مبارک پر جاں نثاری کا عہد کیا۔ اس بیعت کا نام بیعت رضوان ہے۔ یہ تاریخ اسلام کا مہتم بالشان واقعہ ہے۔ معاہدہ کرنے والے گویا موت کی دستاویز پر دستخط کر رہے تھے وہ دیکھ رہے تھے کہ دشمن کے فولادی پنجے میں وہ جکڑے ہوئے ہیں۔ وہ اپنے مرکز مدینہ طیبہ سے کٹے ہوئے ہیں۔ گردو پیش میں سیکڑوں میل تک معاون و مددگار تو کیا کوئی نام لینے والا ہمدردی کرنے والا بھی نہیں ہے۔

مدینہ طیبہ میں جس خطرہ نے بہت سے کمزور ایمان والوں کی ہمتیں پست کر دی تھیں آج وہ خطرہ حقیقت بن کر سامنے آ رہا تھا۔ لیکن یہ وہ لوگ تھے جو قتل فی سبیل اللہ کو ابدی حیات جان حزیں کی قربانی کو معراج ایمان' اور سیدالانبیاء افضل المرسلین ﷺ کے قدموں میں مرگ ناگہاں کو سعادت عظمیٰ یقین کرتے تھے۔

یہ وہ تھے کہ اگر زخمی ہو کر گرتے تو کرب و کراہ یا آہ و فغاں کے بجائے ان کی زبان بیساختہ پکار اٹھتی تھی "فزت و رب الکعبہ۔ رب الکعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا"

بہرحال اس تیاری کا اثر یہ ہوا کہ کفار قریش کے رویہ میں کسی قدر نرمی پیدا ہوئی۔ اور انہوں نے صداء مصالحت پر کان لگانے کا ارادہ کر لیا۔ قریش کے نمائندے آنے شروع ہوئے۔ ان سے مختلف پہلوؤں پر گفتگو ہوئی۔ بالآخر چند سال تک آپس میں نہ لڑنے کا معاہدہ ہو گیا جو صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے۔ معاہدہ کی شرطیں اگرچہ مسلمانوں کے حق میں بہت سخت تھیں مگر وحی الہی نے اس کو فتح مبین (۹۱۱) قرار دیا اور ان بے شمار کامیابیوں نے جو اس صلح کے بعد دعوت اسلام کو نصیب ہوئیں۔ وحی الہی کی صداقت کا مشاہدہ ہر ایک چشم بینا کے سامنے پیش کر دیا۔

اس تمہید کے بعد اب آپ سورہ فتح کی آیات کا مطالعہ کیجئے۔ اور ان چودہ سو صحابہ کرام کے فضائل کا اندازہ فرمائیے جو اس موقع پر حاضر تھے اور چونکہ چاروں خلفاء راشدین سیدالانبیاء علیہ الصلوۃ والسلام کی رفاقت باسعادت کا حق ادا کرتے ہوئے اس تمام قضیہ میں بھی پیش پیش رہے۔ لہذا ان فضائل و مناقب کے وہ اولین مستحق ہیں اور اس طرح حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ان آیات سے ان حضرات کی خلافت خاصہ پر جو استدلال کیا ہے وہ بھی واجب التسلیم ہو جاتا ہے۔

شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

خداء تعالیٰ در سورہ فتح دلائل باہرہ بر فضل اہل حدیبیہ کہ خلفاء ازاں جماعہ اند ذکر میفرماید۔

هُوَ الَّذِیٓ اَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ لِیَزْدَادُوْٓا اِیْمَانًا مَّعَ اِیْمَانِهِمْ

وہی ہے جس نے نازل کیا سکینہ (چین ضبط و اطمینان) اہل ایمان کے دلوں میں۔ تاکہ

وہ اس ایمان کے ساتھ جو ان کو پہلے سے حاصل تھا ایمان میں اور بڑھ جائیں۔
یہ مومن جن کے دلوں کو سکون بخشا کون تھے۔ یہی حضرات صحابہ تھے جن میں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ پس یہ ارشاد خداوندی جس طرح ان بزرگان ملت کے ایمان پر شہادت پیش کر رہا ہے یہ بھی واضح کر رہا ہے کہ :
(۱) اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب کو "سکینہ" سے نوازا تھا۔
(۲) اور اس طرح ان کے ایمان کو مضبوط اور ان کے یقین و ازعان کو مستحکم کیا تھا۔ یعنی یہ آیت ان چودہ سو صحابہ کے ایمان و ازعان۔ سکینہ اور استحکام و استقلال ایمان اور اضافہ یقین و ازعان کی تصدیق پیش کر رہی ہے۔ اس سے بڑھ کر اور سعادت کیا ہو سکتی ہے کہ خدا خود کسی جماعت کے ایمان مستحکم کا اعلان کرے۔

دوسری آیت ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ- یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْہِمْ فَمَنْ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِہٖ وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰہَدَ عَلَیْہُ اللّٰہَ فَسَیُؤْتِیْہِ اَجْرًا عَظِیْمًا- (ع ۲۲)
(۹۱۲)

بیشک جو مسلمان آپ سے بیعت کر رہے ہیں حقیقت یہ ہے کہ وہ آپ سے نہیں بلکہ اپنے اللہ سے بیعت کر رہے ہیں ان بیعت کرنے والے ہاتھوں پر خدا کا ہاتھ ہے۔ پس جو شخص عہد شکنی کرتا ہے وہ اپنے ہی برے کو عہد شکنی کر رہا ہے (اس کا نقصان خود اسی کو پہنچے گا) اور جو شخص اس بات کو پورا کرے گا جس پر اس نے اللہ سے عہد کیا ہے تو اللہ تعالیٰ عنقریب اس کو بہت بڑا صلہ عطا فرمائے گا۔

آیت کریمہ واضح کر رہی ہے کہ اس وقت اگرچہ رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت ہو رہی ہے۔ مگر وہ درحقیقت دست خدا پر بیعت ہے کیونکہ حضرت حق جل مجدہ کی مرضی اور منشا کے عین مطابق ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہو سکتی ہے کہ دست خدا پر بیعت ہو اور مزید فضیلت یہ ہو کہ یداللہ فوق ایدیھم یعنی دست خدا ان کے ہاتھوں پر سایہ فگن ہو۔
ارشاد ربانی ہے۔

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِہِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْہِمْ وَاَثَابَہُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا وَّمَغَانِمَ کَثِیْرَۃً یَّاْخُذُوْنَہَا وَکَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا" (سورہ فتح ع ۳)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے خوش ہوا جب کہ وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے اور جو خلوص ان بیعت کرنے والوں کے دلوں میں تھا خدا کو وہ بھی معلوم تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں میں اطمینان قلب پیدا کیا اور ان کو اس کے بدلے میں ایسی فتح عطا فرمائی جو بہت ہی قریب تھی اور بکثرت غنیمتیں بھی دیں جن کو یہ لوگ حاصل کریں گے اور اللہ تعالیٰ بڑا زبردست بڑی حکمت والا ہے۔

افادات

حضرت شاہ صاحبؒ نے سورہ فتح کی آیات سے حضرات خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خلافت خاصہ کے لیے زبردست استدلال کیا ہے اور اس استدلال میں سورہ فتح کی تقریباً تمام ہی آیات پیش کر دی ہیں۔ آپ نے ان دونوں آیتوں کے بعد مندرجہ ذیل آیت پیش کی ہے۔

قُلْ لِلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْيُسْلِمُوْنَ۔ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا۔ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا (سورہ فتح ع ۲)

آپ ان دیہاتیوں (گنواروں) سے جو پیچھے رہ گئے تھے کہدیجے عنقریب تم کو ایسی قوم کے مقابلہ کے لیے دعوت دی جائے گی جو سخت جنگ جو ہو گی۔ تم ان سے جنگ کرتے رہو یا وہ اطاعت قبول کر لیں۔ پس اگر تم اس وقت حکم بجالائے تو اللہ تعالیٰ تم کو اچھا صلہ عطا فرمائے گا اور اگر تم نے اسی طرح روگردانی کی جس طرح تم اس سے پہلے حدیبیہ میں روگردانی کر چکے ہو تو خدا تم کو سخت دردناک سزا دے گا۔

آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ (۱) مستقبل قریب میں کسی بڑی اور طاقتور جماعت کے مقابلہ کے لیے دعوت دی جائے گی۔ (۲) اس دعوت پر لبیک کہنے والوں کو اجر عظیم ملے گا (۳) جو لبیک کہنے میں کوتاہی کریں گے ان کو عذاب الیم میں مبتلا کیا جائے گا۔

چونکہ جنگ و جہاد بغیر کسی امیر کے نہیں ہوا کرتا۔ لہٰذا اس دعوت کا کوئی داعی ہو گا جو دعوت پیش کرے گا اس کی اطاعت واجب ہو گی۔ یعنی دعوت کی تعمیل کرنے والوں کو اجر عظیم ملے گا اور پہلو تہی کرنے والوں کو عذاب الیم۔ یہی معنی واجب کے ہوا کرتے ہیں۔ واقعات نے ثابت کر دیا کہ یہ دعوت خلفاء راشدین بالخصوص حضرات شیخین یعنی صدیق اکبر اور فاروق اعظم (رضوان اللہ علیہم) اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے پیش کی۔ لہٰذا نص آیت کے مطابق یہ حضرات واجب الاطاعت ہوئے۔ یہی

"خلافت برحق" کے ہیں۔

یہ قوم جس کو "اولی باس شدید" مضبوط طاقت والی) کہا گیا ہے۔ کون سی قوم ہے؟ "حسن" فرماتے ہیں وہ فارس اور روم ہیں۔ مجاہد فرماتے ہیں فارس کے دیہاتی اور عجم کے کردی مراد ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بھی یہی ہے کہ فارس اور روم مراد ہیں۔

آیت مذکورہ بالا کی تفیسر کرتے ہوئے حضرت ابن جریج فرماتے ہیں کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ نے غزوہ حدیبیہ کے موقع پر مدینہ طیبہ کے قرب و جوار کے بادیہ نشینوں کو یعنی قبیلہ جہینہ اور قبیلہ مزینہ کے نمائندگان اور عمائدین کو بلایا تھا ایسے ہی حضرت بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے جب فارس پر حملہ کا ارادہ فرمایا تو ان قبائل کو بلایا۔ ان سے مشورہ کیا اور فرمایا کہ اگر اس وقت جہاد میں حصہ لو گے تو سابق کا بھی کفارہ ادا ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ "اجر حسن" عطا فرمائے گا اور اگر پہلی مرتبہ کی طرح روگردانی کرو گے تو اللہ تعالیٰ درد ناک عذاب میں مبتلا کرے گا۔

مذکورہ روایات سے ثابت ہوا کہ حضرات صحابہ نے بھی ان آیات کا محمل اس دور کی خلافت کو سمجھا تھا۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ارشاد کی کسی نے مخالفت نہیں کی بلکہ اس کی تعمیل کرتے ہوئے فارس اور روم پر چڑھائی کی سخت ترین معرکوں میں داد شجاعت دی اور اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق "مغانم کثیرہ" اور "اجر حسن" حاصل کیا۔

حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ۔ بیان فرماتے ہیں کہ۔ دوپہر کا وقت تھا۔ ہم آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے اعلانچی نے اعلان کیا۔ ایھا الناس البیعۃ نزل روح القدس (لوگو! آؤ بیعت کرو۔ روح القدس نازل ہوئے ہیں) چنانچہ ہم جلدی کر کے اٹھے۔ حضرت رسالت ماب علیہ الصلوۃ والسلام کے حضور میں حاضر ہوئے اور بیعت کی۔ آپ ایک درخت (۹۱۳) کے نیچے تشریف فرما تھے اور لوگوں سے بیعت لے رہے تھے۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کا نمبر آیا تو (چونکہ وہ مکہ میں ایلچی بنا کر بھیجے گئے تھے اور ان کی شہادت کی افواہ پر ہی یہ بیعت لی جا رہی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک ہاتھ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دے کر دوسرے پر رکھا اور اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی غائبانہ بیعت لی۔ اس وقت کچھ بے تکلف خدام نے کہا۔

> "حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بڑے خوش نصیب ہیں کہ خود طواف کعبہ کی سعادت اور مسرت حاصل کر رہے ہیں اور ہم یہاں ہیں۔"

رسول اللہ ﷺ نے سنا تو فرمایا "ناممکن ہے کہ عثمان مجھ سے پہلے طواف کر لیں خواہ وہ مکہ میں کتنے ہی عرصہ رہیں۔"

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ آپ نے فرمایا جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ

میں فروکش ہوئے تو قریش کو آپ ﷺ کے تشریف لانے سے گھبراہٹ پیدا ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ مناسب سمجھا کہ اپنے اصحاب میں سے کسی ایک کو قریش کے پاس بھیجیں۔ پہلے اس کام کے لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ مجھے اطمینان نہیں کہ میں اس مقصد میں کامیاب (۹۱۴) ہو سکوں گا۔(ان کو مجھ سے خاص عداوت ہے اور وہ مجھے سب سے بڑا دشمن سمجھتے ہیں) اس کے علاوہ یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر مجھے ایذا پہنچائی گئی تو مکہ معظمہ میں "بنی کعب" (یعنی قریش) کا کوئی ایک متنفس بھی ایسا نہیں ہے جو میری حمایت کرے اور میری وجہ سے دوسروں کی مخالفت مول لے۔ البتہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس خدمت کو بخوبی انجام دے سکتے ہیں۔ ان کے خاندان کے آدمی بھی مکہ معظمہ میں ایسے ہیں کہ ان کی موجودگی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ایذا نہیں دی جا سکتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عذر کی معقولیت کو تسلیم فرمایا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کر قریش کے پاس بھیجا کہ ان کو آگاہ کر دیں کہ ہم جنگ کے لیے نہیں آئے بلکہ عمرہ ادا کرنے کے عمرہ کا احرام باندھ کر آئے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ بھی ہدایت فرمائی کہ دعوت اسلام پیش کریں اور مسلمان مرد یا عورتیں مکہ میں ہیں ان کے پاس جائیں ان کو فتح کی بشارت سنائیں اور یہ خبر دیدیں کہ اللہ تعالیٰ عنقریب اپنے دین کو مکہ پر غالب کر دے گا اور اس کی ضرورت نہ رہے گی کہ مکہ میں رہ کر دین ایمان کو چھپایا جائے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ۔ قریش کے پاس پہنچے۔ انؓ کو پیغام پہونچایا۔ مگر قریش نے پیغام صلح کا جواب طرح دیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نظر بند کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہونچی تو آپ نے بیعت کی فرمائش کی۔ رسول اللہ ﷺ کے منادی نے اعلان کیا کہ روح القدس (حضرت جبرئیل علیہ السلام) نازل ہوئے ہیں اور انہوں نے بیعت کا حکم پہنچایا لہٰذا اللہ تعالیٰ کے نام پر نکل کھڑے ہو اور رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرو۔ بس مسلمان بڑھ بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ ایک درخت کے نیچے تشریف فرما تھے۔ مسلمانوں نے آپ سے اس بات پر بیعت کی کہ وہ کسی حالت میں بھی راہ فرار نہ اختیار کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ کی اس تیاری نے مشرکین قریش کو مرعوب کر دیا۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان تمام اہل ایمان کو جو محصور کر رکھا تھا' کفار قریش نے رہا کر دیا۔ اور مواعدت اور صلح کی تحریک پیش کی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اس وقت ہماری تعداد چودہ سو تھی۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ سنبھالے ہوئے درخت کے نیچے تھے۔ یہ درخت سمرہ (ببول) تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس پر بیعت کی تھی کہ راہ فرار اختیار نہ کریں گے بیعت میں یہ نہیں کہا جا رہا تھا کہ ہم مرجائیں گے۔

حضرت انس ؓ۔ جب رسول اللہ ﷺ نے بیعت رضوان کا حکم فرمایا تو حضرت عثمان ؓ اس وقت رسول اللہ ﷺ کی سفارت لے کر مکہ معظمہ گئے ہوئے تھے۔ حاضرین بیعت کر چکے تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

اے اللہ۔ بیشک "عثمان" اللہ اور رسول کے کام میں ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ کا دست مبارک بیعت کرنے والوں کے اپنے ہاتھوں سے بہت افضل تھا۔

حضرت جابر بن عبداللہ۔ فرماتے ہیں۔ حدیبیہ کے موقع پر ہم چودہ سو تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے متعلق فرمایا۔ اَنتُمْ خَیرُ اَھْلِ الْاَرْضِ" تم ان سب سے بہتر ہو جو روئے زمین پر ہیں۔

حضرت جابر اور حضرت مسلم ام مبشر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جن مسلمانوں نے شجرہ کے نیچے بیعت کی ان میں سے کوئی بھی دوزخ میں نہیں جائے گا۔

حضرت ابو امامہ باہلی۔ فرماتے ہیں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ لقد رضی اللّٰہ عن المومنین۔ الخ میں نے عرض کیا یارسول اللہ شجرہ کے نیچے بیعت کرنے والوں میں میں بھی ہوں۔ حضور نے فرمایا ﷺ۔ ابو امامہ تم میرے ہو اور میں تمہارا۔

بہرحال اس سے بڑھ کر فضیلت کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ خود اپنے کلام برحق میں ان حضرات سے اپنی رضا مندی کا اعلان فرما رہے ہیں اور ساتھ ہی "فعلم مافی قلوبھم" (جان لیا اس کو جو ان کے دلوں میں تھا) فرما کر ان کے قلوب کے پاک صاف ہونے کا بھی اظہار فرما رہے ہیں۔ فیاله من محامد

حضرت عکرمہ ؓ۔ اَثَابَھُمْ فَتْحًا قَرِیبًا کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ فتح قریب سے مراد فتح خیبر ہے کہ جب وہ حدیبیہ سے واپس ہوں گے تو یہ فتح نصیب ہو گی۔

حضرت سہل بن حنیف نے جنگ صفین کے موقع پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ اپنی غلطیوں کا اعتراف کرو۔ ہم نے دیکھا ہے کہ یوم حدیبیہ کو یعنی اس روز جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین مکہ کے درمیان صلح ہوئی تھی' ہماری عجیب حالت تھی۔ اس روز ہم نے صلح ضرور کی۔ مگر کمزوری کے سبب سے نہیں کیونکہ اگر جنگ ہوتی تو ہمارے اندر مقابلہ کی پوری طاقت تھی۔ بلکہ دوسرے مقاصد کے لیے صلح کی (جو جنگ سے بہت زیادہ اہم تھے) مگر بظاہر یہ صلح ایک ناکامی تھی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نہ رہا گیا۔ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یارسول اللہ کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں ہیں۔ رسول اللہ علیہ وسلم' بیشک۔ حضرت عمر۔ کیا ہمارے مقتول جنت میں اور ان کے دوزخ میں نہیں جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ' بیشک۔ حضرت عمر۔ پھر کیا بات ہے کہ ہم دین کے بارے میں ایک گھٹیا بات اختیار کریں۔ اور واپس ہو جائیں۔ اس حال میں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اور ان کے درمیان کوئی فیصلہ نہیں فرمایا ہے۔ یعنی فیصلہ کن جنگ کے بغیر ہم کیوں واپس ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر ارشاد

فرمایا۔ ابن خطاب! بیشک میں اللہ کا رسول ہوں اور اس کا یقین رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے کبھی بھی ناکام نہیں کرے گا۔ حضرت عمر خاموش ہو گئے۔ مگر ان کو اطمینان نہیں ہوا۔ وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور وہی سوالات کیے جو رسول اللہ علیہ وسلم سے کیے تھے اور اتفاق سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے واہی جوابات دیئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیئے تھے۔ آخر میں آپ نے فرمایا۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ ہمارے آقاء اللہ کے سچے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو ناکام نہیں کرے گا۔ یہ گفتگو ختم ہی ہوئی تھی کہ سورہ فتح نازل ہوئی۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر فاروق ؓ کو طلب فرمایا اور سورہ فتح کی آیتیں ان کو سنائیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تعجب آمیز لہجہ میں دریافت کیا۔ کیا یہ فتح ہے۔ رسول اللہ ﷺ۔ بیشک فتح ہے۔

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا "
وَاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا — وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا — سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا

اور اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے تم سے بہت سی غنیمتوں کا جن کو تم حاصل کرو گے۔ فی الحال اس نے تم کو یہ (خیبر کی غنیمت) عطا کر دی اور لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا اور تاکہ یہ واقعہ مسلمانوں کے لیے قدرت کا ایک نمونہ ہو جائے نیز اس لیے کہ خدا تم کو سیدھی راہ چلائے ایک (۹۱۵) اور فتح کا بھی وعدہ (۹۱۶) ہے جس پر تم اس وقت قادر نہ ہو سکے مگر وہ اللہ تعالیٰ کے احاطہ قدرت میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہر بات پر قادر ہے اور اگر یہ کافر تم سے لڑتے تو ضرور پیٹھ دے کر بھاگتے۔ پھر وہ اپنا نہ کوئی یار پاتے نہ مدد گار۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا (۹۱۷) یہی دستور قائم کر رکھا ہے جو پہلے سے ہوتا چلا آ رہا ہے اور آپ خدا کے آئین میں کسی قسم کا ردو بدل نہ پائیں گے۔

آیت مذکورہ بالا میں دو غنیمتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

(۱) وہ بہت سی غنیمتیں جن کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے (۲) اور وہ غنیمت جو فوراً عطا فرما دی ہے' ان کا مصداق معین کرنے میں ائمہ تفسیر کے متعدد قول ہیں۔ مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں مغانم کثیرہ سے مراد وہ تمام غنیمتیں ہیں جو آج تک مسلمانوں کو حاصل ہو رہی ہیں۔ اور فوری غنیمت سے مراد خیبر کی غنیمت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما۔ فوری غنیمت سے مراد فتح مکہ لیتے ہیں (جو واقعہ حدیبیہ سے دو سال بعد ہوئی۔ یعنی ۸ھ میں)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ فوری غنیمت سے مراد خیبر کی غنیمتیں ہیں۔
آیت کریمہ کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ لوگوں کے ہاتھ تم سے روکے۔ یعنی مکہ والوں کو اس سے روکا کہ تمہارے اوپر حرم شریف میں حملہ کر دیں اور اللہ تعالیٰ نے جو مکہ کو حرمت و عظمت عطا فرمائی ہے اس کو وہ پامال کر دیں۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ والوں کو اس سے روکا کہ وہ تمہارے اوپر حملہ کر دیں جب کہ تم احرام باندھے ہوئے تھے۔ مروان اور مسور بن مخزمہ (رضی اللہ عنہما) ان آیات کی تفسیر اس طرح کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ سے واپس ہو رہے تھے تو مکہ اور مدینہ کے درمیان سورہ فتح نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے خیبر عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا تھا چنانچہ رسول اللہ ﷺ حدیبیہ سے واپس ہو کر ذی الحجہ کے مہینہ میں مدینہ طیبہ پہنچے ختم ذی الحجہ تک مدینہ منورہ میں قیام فرمایا۔ پھر ماہ محرم میں آپ ﷺ نے خیبر کی جانب کوچ فرمایا۔ آپ راستہ میں رجیع مقام پر خیمہ زن ہوئے جو غطفان اور خیبر کے درمیان ایک وادی تھی۔ وہاں اس کا خوف رہا کہ قبیلہ غطفان خیبر والوں کی امداد کے لیے لشکر اسلام پر حملہ نہ کر دے۔ صبح تک اس مقام پر قیام فرمایا پھر خیبر پر حملہ کیا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بھی فوری غنیمت کی تفسیر فتح خیبر ہی کرتے ہیں اور لوگوں کے ہاتھ روکنے سے مراد یہ ہے کہ اس موقع پر جب کہ جانبازان اسلام حدیبیہ گئے ہوئے تھے آس پاس کے مخالف قبائل نے مدینہ پر حملہ نہیں کیا۔ حضرت عطیہ بھی فوری غنیمت کا مصداق فتح خیبر ہی کو قرار دیتے ہیں۔ اور حضرت ابن جریج اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قبیلہ اسد اور قبیلہ غطفان کا اجتماع ہوا۔ عیینہ بن حصن اور مالک بن عوف بن نضر ان کی قیادت کر رہے تھے۔ اور خیبر والے بیر معونہ پر پہنچ گئے تھے (ان تینوں کی مشترک طاقت بہت اچھی تھی) لیکن ان کے دلوں میں خداوند عالم نے رعب ڈال دیا۔ لشکر اسلام کا ضبط و نظم اور جذبہ ایثار و فدائیت کو دیکھ کر یہ لوگ مرعوب ہو گئے۔ بس وہیں سے ہزیمت اختیار کی اور رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ پر نہیں آ سکے۔ انہیں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت میں فرمایا ہے کہ اگر وہ جنگ کرتے تب بھی نتیجہ یہی ہوتا کہ پیٹھ دکھا کر راہ فرار اختیار کرتے۔

"اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا" (سورہ فتح)

اور وہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ جب ان کافروں نے اپنے قلوب میں اس غیرت و حمیت کو جگہ دی جو جاہلیت کی حمیت تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مسلمانوں کو اپنی طرف سے ضبط اور اطمینان عطا فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو پرہیزگاری

کی بات پر جمائے رکھا اور یہی لوگ اس تقوے کی بات کے زیادہ حق دار اور اس کلمہ تقوے کے حقیقی اہل ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر شے کو خوب جانتا ہے۔

آیت کا آخری حصہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کمال ایمان۔ اعلیٰ درجہ کے تقویٰ اور ان کی بہترین صلاحیتوں کے لیے نہایت واضح شہادت ہے۔ کیونکہ اس آیت میں۔

(۱) صحابہ کرام کو مومنین کا خطاب دیا گیا ہے۔

(۲) ان کے اوپر نزول سکینہ کی دوبارہ اطلاع دی گئی ہے۔

(۳) یہ واضح کیا گیا ہے کہ کلمہ تقویٰ ان کے رگ و پے میں پیوست کر دیا گیا ہے۔

(۴) وہ اس کلمہ تقویٰ کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔

(۵) وہ اپنے اندر کلمہ تقویٰ کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔

کلمہ تقویٰ کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت شاہ صاحبؒ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ایک روایت بحوالہ حضرت حمران پیش کی ہے۔ روایت یہ ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ جو شخص بھی سچے دل سے اس کو ادا کر دے گا اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ حرام کر دے گا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اتنا ہی فرمایا تھا کہ حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ عنہ فرمانے لگے۔ میں تمہیں بتا دوں وہ کلمہ کیا ہے۔ وہ کلمہ اخلاص ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے لیے لازم کر دیا ہے۔ یہ وہی کلمہ تقویٰ ہے جس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالب کے انتقال کے وقت اصرار کیا تھا کہ وہ اس کو ایک مرتبہ ادا کر دیں۔ یعنی سچے دل سے لا الہ الا اللہ ادا کرنا۔

افادات

حضرت ابو ادریس راوی ہیں کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اس آیت میں حمیة الجاهلية کے بعد اس طرح پڑھا کرتے تھے۔

وَلَوْ حَمَيْتُمْ كَمَا حَمَوْا لَفَسَدَ الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ- الخ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اس طرح پڑھتے ہیں تو آپ نے اس کو شدت سے محسوس کیا اور فوراً ہی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو طلب فرما لیا۔ اور کچھ اور

صحابہ کرام ؓ کو بھی جن میں حضرت زید بن ثابت ؓ بھی تھے' جمع کر لیا۔ جب حضرت ابی بن کعب ؓ آئے تو حضرت عمر فاروق ؓ نے فرمایا۔ کوئی صاحب سورہ فتح سنائیں گے؟ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو پیش کیا۔ اور سورہ فتح اسی طرح جس طرح عام طور پر پڑھی جاتی ہے' پڑھ کر سنا دی۔ تب حضرت فاروق ؓ نے حضرت ابی بن کعب ؓ سے سختی سے باز پرس کی کہ آپ سورہ فتح اس طرح کیوں پڑھتے ہیں۔ حضرت ابی بن کعب ؓ نے عرض کیا۔ امیر المومنین! مجھے بھی کچھ عرض کرنے کی اجازت دی جائے حضرت عمر ؓ نے فرمایا۔ ضرور فرمایئے۔ حضرت ابن کعب ؓ نے عرض کیا۔ امیرالمومنین جانتے ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں خلوت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ آنحضرت ﷺ مجھے تنہائی میں قرآن شریف پڑھایا کرتے تھے۔ آپ صاحبان دروازہ پر رہتے تھے اندر آنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ پس اگر آپ کی رائے ہو کہ جس طرح مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے پڑھایا ہے اسی طرح میں بھی پڑھاؤں تب تو بیشک میں اس خدمت کے لیے حاضر ہوں' ورنہ آج کے بعد کسی کو ایک حرف بھی نہ پڑھاؤں گا۔ حضرت فاروق اعظم ؓ نے فرمایا نہیں۔ آپ پڑھاتے رہیے۔

(حضرت شاہ صاحب اس روایت کو پیش کر کے بظاہر اس آیت کی تفسیر کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ قراءت شاذہ اصولاً" خبر واحد کا درجہ رکھتی ہے جو خبر واحد کی طرح مضمون آیت کی تفسیر اور اس کا محمل معین کر دیتی ہے۔ واللہ اعلم۔)

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ (تا ختم سورہ فتح)

ان آیتوں کی پوری تفسیر اور ان کے متعلق احادیث پہلے گذر چکی ہیں۔ یہاں بطور لطائف قرآنیہ صرف دو روایتیں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ زرع۔ کی اصل عبدالمطلب ہیں۔ اخرج شطاء۔ محمد ﷺ (کا دور) فازرہ یہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دور فاستغلظ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دور فاستوی حضرت عثمان رضی اللہ کا دور لیغیظ بھم الکفار۔ یہ حضرت علی ؓ کا دور ہے۔ (باوجودیکہ آپس میں خانہ جنگی ہو رہی تھی۔ لیکن تیسری طاقت کے مقابلہ میں اس دور میں بھی یہ سب متحد تھے۔ یہ بات کفار کے لیے غیظ و غضب کا باعث تھی۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ۔ اشداء علی الکفار کا مصداق حضرت عمر ؓ رحماء بینھم کا مصداق حضرت عثمان ؓ رکعا سجدا۔ حضرت طلحہ ؓ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم۔ سیماھم فی وجوھھم۔ الایت۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ اور ابو عبیدہ بن الجراح ؓ۔

فازرہ۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ فاستغلظ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فاستوی علی سوقہ۔ حضرت

عثمان رضی اللہ عنہ یعجب الزراع لیغیظ بھم الکفار حضرت علی رضی اللہ عنہ وعداللہ الذین امنوا الخ۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔

افادات

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔ جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما۔ جنازہ پر پہنچے۔ پس قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے میں اپنے حجرہ میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے رونے کو الگ الگ پہچان رہی تھی (یعنی اتنی آواز سے رو رہے تھے کہ میرے حجرہ تک رونے کی آواز اس طرح پہنچ رہی تھی کہ ہر ایک کی آواز الگ الگ پہچاننے میں آ رہی تھی) اس گریہ و بکا کا سبب یہ تھا کہ جیسا کہ آیت میں ہے وہ آپس میں ایک دوسرے پر بہت زیادہ مہربان تھے' ایک دوسرے سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا گیا کہ ایسے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ کیا ہوتا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رویا نہیں کرتے تھے۔ البتہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غم ہوتا تھا تو آپ ریش مبارک کو پکڑ لیا کرتے تھے (غالباً" ہونٹوں سے دبا لیا کرتے تھے۔ واللہ اعلم)

ذلک مثلھم فی التوارۃ کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں منشا یہ ہے کہ ان کی یہ صفات توراۃ و انجیل میں زمین و آسمان کی پیدائش سے بھی پہلے لکھی ہوئی تھیں (یعنی یہ صفات لوح محفوظ میں مکتوب تھیں) حضرت عمار رضی اللہ عنہ مولی بنی ہاشم سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے تقدیر کے متعلق دریافت کیا۔ آپ نے جواب دیا تقدیر کو برحق ماننے کے لئے سورہ فتح کی آخری آیات کافی ہیں جن میں صحابہ کرام کی صفات بیان کی گئی ہیں (یعنی محمد رسول اللہ سے آخر تک) کیونکہ یہ تمثیل اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں زمین و آسمان کی پیدائش سے بھی پہلے سے تھی۔

غزوہ خیبر

فجعل من دون ذلک فتحاً" قریباً" (سورہ فتح)

یہ غزوہ کیا تھا وعدہ خداوندی کی تکمیل تھا۔

ایثار و فدائیت کے وہ مقدس پیکر جنہوں نے حدیبیہ کے موقع پر اس بے نظیر گرویدگی اور فدائیت کا ثبوت دیا تھا کہ مکہ کے فرعون منش سرداران کے جذبہ ایثار کو دیکھ کر دہشت زدہ ہو گئے تھے اور بیشک اللہ تعالیٰ ہی کا احسان تھا کہ اس نے مکہ کے جنگجو قریش کو جس نے (احابیش) اپنے حلیف قبائل کے بہادر

کو بھی مکہ میں جمع کر کے ایسی طاقت بنالی تھی کہ اگر ارادہ خداوندی حائل نہ ہوتا تو ان چودہ سو بے وطن نہتوں کو اس طرح پیس سکتے تھے کہ کہیں ان کی ہڈیوں کے ریزے بھی نظر نہ آتے۔ ان خونخوار دشمنوں کو اس موقع پر اقدام جنگ سے باز رکھنا بیشک اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تھا۔ لیکن اس فضل و کرم کا محرک بھی جذبہ ایثار اور شمع محمدی کے ان پروانوں کی وہ گرویدگی اور ان کا وہ صبرو استقلال تھا جس نے عروہ بن مسعود ثقفی جیسے جہاں دیدہ کو بھی اس پر مجبور کر دیا تھا کہ وہ قریش کے بھرے مجمع میں کھلے بندوں اظہار کرے۔

"میں نے قیصرو کسریٰ کی شاہانہ شان و شوکت دیکھی ہے' میں نے نجاشی کا دربار بھی دیکھا ہے۔ مگر قسم رب کعبہ کی جو عقیدت اور فدائیت محمد ﷺ کے ساتھیوں میں دیکھی ہے۔ وہ کہیں نظر نہیں آتی۔ تم کتنے ہی بہادر سہی۔ بیشک تم مسلح ہو۔ اور محمد ﷺ کے ساتھی نہتے مگر تمہاری بہادری اور جنگی تیاری جاں نثاران محمد ﷺ کی فدائیت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

بہرحال اس ایثار اور اس صبرو استقلال پر ان کے لیے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کیا گیا تھا۔ جن میں سے ایک غنیمت فی الحال حاصل ہونے والی تھی۔ یہ اموال خیبر کی غنیمت تھی۔ جس کے متعلق یہ تصریح فرما دی گئی تھی کہ اس کو حاصل کرنے کے لیے صرف وہی جائیں گے جو سفر حدیبیہ میں ہمرکاب تھے' جنہوں نے درخت کے نیچے سردار دوجہان ﷺ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر عہد کیا تھا کہ "قربان ہو جائیں گے مگر میدان سے نہ ہٹیں گے"

لیکن اسلام جس کی حقیقت ہی "گردن نہادن" اور جاں سپاری ہے اس کے ماحول میں وعدہ خداوندی اور "منصوبہ قدرت" کے ظہور کے لیے بھی ضروری ہے کہ مجاہدانہ عزم و ہمت اور سرفروشانہ جدوجہد سے اس کا استقبال کیا جائے۔ چنانچہ حدیبیہ سے واپس ہو کر کچھ عرصہ مدینہ منورہ میں قیام فرمایا گیا۔ اور جب امام الانبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کا لقب پانے والا۔ ان چودہ سو جانبازوں کو لے کر خیبر پہنچا۔ تو وہاں تقریباً" بیس ہزار مسلح جوان چھ قلعوں میں آمادہ جنگ تھے۔ جن کو شکست دینے کے بعد وعدہ خداوندی کا ظہور ہو سکتا تھا۔

مقابلے ہوئے۔ نصرت خداوندی۔ ان چودہ سو مجاہدین بااخلاص کی پشت پناہ تھی۔ یکے بعد دیگرے سب قلعے فتح ہو گئے۔ لیکن قلعہ "قموص" باقی رہ گیا۔ جو سب سے زیادہ مضبوط تھا۔ اور عرب کا مشہور پہلوان "مرحب" جو ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا اس قلعہ کا رئیس تھا۔ تقریباً" دو ہفتہ اس قلعہ کا محاصرہ رہا۔ اس پر بار بار حملہ کیا گیا مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ بالاخر "غیرت حق" کو جنبش ہوئی۔ ایک دن شام کو پیغمبر حق (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا۔

کل میں علم اس شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح عنایت فرمائے گا۔ یہ

شخص خدا اور خدا کے رسول کو چاہتا ہے اور خدا اور خدا کے رسول بھی اس کو چاہتے ہیں۔ (بخاری شریف)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قابل فخر کارنامہ

یہ رات نہایت امید اور اضطراب کی رات تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم منتظر تھے کہ کون خوش قسمت ہے جس کو یہ تاج فخر پہنایا جائے گا۔ صبح کو دفعتہ" یہ آواز گوش نواز ہوئی "علی" کہاں ہیں؟ یہ آواز غیر متوقع تھی کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آشوب تھا۔ عام خیال یہی تھا کہ وہ جنگ سے معذور ہیں۔ لیکن جس کے متعلق خود قرآن حکیم کی تصریح ہے۔ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (مسلمانوں کا خود اپنی جانوں پر اتنا حق نہیں ہے جتنا حق ان پر نبی کا ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)

تو اس کی نداء برحق کے بعد کیا موقع تھا کہ "جان حزیں" کسی بیماری کا کوئی عذر پیش کر سکے سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعاب دہن کو طوطیار چشم بنایا۔ حضرت علی کی چشم بیمار میں سچے موتیوں کا نکھار پیدا ہو گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیا اور دعا فرمائی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اس قابل فخر جھنڈے کا پھریرا اڑاتے ہوئے قلعہ پر حملہ آور ہوئے۔ "مرحب" قلعہ سے گرجتا ہوا نکلا۔

قد علمت خیبر أنی مرحب
شاکی السلاح بطل مجرب

خیبر خوب جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں
سلاح پوش ہوں، دلیر ہوں، تجربہ کار ہوں

سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی کلہ بکلہ جواب دینے کے لیے تیار تھے۔ آپ نے یہ رجز پڑھا۔

انا الذی سمتنی امی حیدرہ
کلیث غابات کریهه المنظرہ

میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام "شیر" رکھا تھا
میں شیر نیستاں کی طرح دہشت انگیز صورت رکھتا ہوں

فخریہ ترانہ کے بعد مقابلہ ہوا تو تلوار حیدری ایک ہی وار میں "مرحب" کے سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک پہونچ گئی۔ ایک "مرحب" کا مارا جانا ایک ہزار کو موت کے گھاٹ اتار دینے کے برابر تھا۔ دشمن کے چھکے چھوٹ گئے۔ اب ان کے لیے ہتھیار ڈالنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ یہ تھا اللہ تعالیٰ کے منصوبہ کا ظہور۔

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ

اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت سی نعمتوں کا وعدہ کیا ہے فی الحال اس نے تم کو یہ غنیمت عطا کر دی ہے۔

فتح کے بعد زمین مفتوحہ پر قبضہ کر لیا گیا۔ لیکن یہود نے درخواست کی کہ کاشت کا حق ہمیں دیا جائے' ہم پیداوار کا نصف حصہ ادا کرتے رہیں گے۔ یہ درخواست منظور ہوئی۔ یہ آمدنی سال بہ سال مدینہ پہونچ کر ان مجاہدین میں تقسیم ہونے لگی۔ (اضافہ از محمد میاں)

فتح مکہ

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ

رحمتہ للعالمین ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک رزمیہ ترانے کی آواز سمع مبارک میں گونجنے لگی۔ پہلا شعر یہ تھا۔

یا رب انی ناشد محمدا
حلف ابینا و ابیہ الا تلدا

اے اللہ میں یاد دلا رہا ہوں محمد (ﷺ) کو پرانا معاہدہ جو ہمارے اور ان کے آباو اجداد (۹۱۹) میں ہوا تھا

مجمع سامنے آیا۔ معلوم ہوا قبیلہ خزاعہ کے چالیس ناقہ سوار فریاد لے کر آئے ہیں "عمرو بن سالم" ان کا قائد ہے۔ یہ سوار خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اشعار میں سرگذشت بیان کرتے ہوئے اپنی درخواست پیش کی۔ اس منظوم درخواست کے باقی اشعار یہ ہیں۔

قد کنتم ولدا– وکنا والدا
ثمت اسلمنا ولم ننزع یدا"

ہم بمنزلہ باپ کے اور آپ بمنزلہ اولاد کے۔ (لہذا ہماری نصرت اور اعانت آپ پر لازم ہے۔ اس کے علاوہ یہ کہ ہم ہمیشہ آپ کی بات مانتے رہے ہیں کبھی آپ کی مدد سے دست کش نہیں ہوئے۔

فانصر ھداک اللہ نصرا اعتدا
وادع عباد اللہ یاتوک مددا

پس ہماری فوری مدد فرمائیے' اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت کرے (صحیح کاموں کی توفیق بخشے) اور اللہ کے خاص بندوں کو پکاریئے وہ آپ کی کمک کو آئیں گے۔

فیهم رسول الله قد تجردا

ان سیم خسفا وجهه تربدا

ان میں اللہ کے رسولؐ بھی ہیں جو اپنے کمالات میں منفرد ہیں (جن کی شان یہ ہے کہ وہ کوئی ذلت اور خوارہی برداشت نہیں کرسکتے) اگر ذلیل کرنے کا قصد کیا جائے تو آپ ﷺ کا روئے انور غیرت و حمیت سے تمتما جاتا ہے۔

فی فیلق کالجریجری مزبدا

ایسے لشکر ساتھ لے کر آئے جو سمندر کی طرح ٹھاٹیں مارتا ہوا ہو۔

ان قریشا اخلفوک الموعدا ونقضوا میثاقک الموکذا

(یہ درخواست اس لیے کی جا رہی ہے' کہ قریش نے آپ سے وعدہ خلافی کی۔ اور توڑ ڈالا آپ کے عہد کو جو بہت پختگی سے کیا گیا تھا۔

وجعلوا الی فی کداء رصدا

اور مقام کداء میں آدمیوں کو میری تاک میں بٹھا دیا۔

وزعموا ان لست ادعوا احدا

وهم اذل واقل عددا

اور ان کا گمان یہ تھا کہ میں کسی کو مدد کے لیے نہیں بلاؤں گا۔ اور وہ سب (ہم لوگ) ذلیل ہیں اور شمار میں بہت کم ہیں۔

هم بیتونا بالوتیر مجدا

ان لوگوں نے ہم سب پر شبخون مارا جب ہم چشمہ و تیر پر سو رہے تھے۔

(۹۲۰)

وقتلونا رکعا سجدا

اور ہم کو قتل کیا جب (حرم مکہ میں اپنے مسلک کے بموجب) رکوع اور سجدے کر رہے تھے۔

واقعہ کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے آپ حدیبیہ کے صلح نامہ پر نظر ڈالیے اس صلح نامہ کی رو سے قبائل کو اختیار تھا کہ وہ جس فریق سے چاہیں معاہدہ کرلیں اور اس کے حلیف بن جائیں چنانچہ بنو بکر نے

قریش سے معاہدہ کیا اور بنو خزاعہ مسلمانوں کے حلیف بن گئے۔ بنو بکر اور بنو خزاعہ میں مدت سے کشیدگی چلی آ رہی تھی۔ آخری واقعہ یہ تھا کہ بنو بکر نے بنو خزاعہ کے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا تو اس کے انتقام میں بنو خزاعہ نے موقع پاکر بنو بکر کے تین آدمی قتل کر دیئے تھے بنو بکر۔ اپنے تینوں مقتولوں کا قصاص نہیں لینے پائے تھے کہ قریش نے قبائل عرب کو اسلام کے خلاف متحد کرنا شروع کر دیا۔ صلح حدیبیہ کے باعث جب اس اتحاد میں رخنہ پڑا کہ کچھ قبائل مسلمانوں کے ساتھ ہو گئے اور کچھ قریش کے ساتھ تو پرانی عداوتیں پھر رنگ لانے لگیں۔ بنو بکر کے سر پر اپنے مقتولین کے انتقام کا جنون سوار ہوا۔ قریش نے ان کو اسلحہ کی مدد دی۔ بنو بکر نے آگے بڑھ کر بنو خزاعہ پر شبخون مارا۔ کچھ لوگ پانی کے چشمہ پر جس کا نام "وتیر" تھا سو رہے تھے وہاں ان کو قتل کیا۔ قبیلہ کے لوگوں نے بھاگ کر حرم کعبہ میں پناہ لی۔ مگر ان کو وہاں بھی قتل کیا گیا۔ یہ مظلوم جب "الھک' الھک" (اپنے خدا اپنے خدا کے واسطے) کہہ کر رحم کی درخواست کرتے تو یہ ظالم ان کے جواب میں کہتے تھے لا الہ الیوم (آج کوئی خدا نہیں) (۹۲۱)

اسلحہ سے جو مدد دی تھی اس کے علاوہ اس موقع پر بھی اپنے چہروں کو نقاب (ڈھاٹوں) سے چھپا کر بنو بکر کی مدد کی مکہ میں بنو خزاعہ کے ایک سردار بدیل بن ورقاء کی حویلی تھی خزاعہ کے کچھ لوگوں نے وہاں پناہ لی مگر بنو بکر اور قریش کے روسا اس حویلی میں گھس گئے' پناہ گزینوں کو قتل کر کے جو کچھ ان کے پاس تھا لوٹ لیا۔ (۹۲۲)

آنحضرت ﷺ نے واقعات سنے تو آپ ﷺ کو سخت رنج ہوا۔ آپ نے وفد کو اطمینان دلایا اور قریش کے پاس پیغام بھیجا کہ :

(۱) مقتولین کا خون بہا دیا جائے۔
(۲) قریش بنو بکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں۔
(۳) ورنہ اعلان کر دیں کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

قریش نے جب بنو بکر کی مدد کر کے معاہدہ کی خلاف ورزی کی تھی تو وہ اس کے نتائج سے ناواقف نہ تھے۔ چنانچہ اس پیغام کے جواب میں قریش کی طرف سے قرطہ بن عمرو نے جواب دیا کہ تیسری بات منظور ہے۔ ہم معاہدہ حدیبیہ کے فسخ کرنے پر راضی ہیں (۔۹۲۳)۔ لیکن قاصد کے چلے آنے کے بعد قریش کو ندامت ہوئی انہوں نے ابوسفیان کو تجدید معاہدہ کے لیے مدینہ بھیجا۔

ابوسفیان نے مدینہ پہنچ کر بارگاہ رسالت میں درخواست پیش کی۔ وہاں سے کچھ جواب نہ ملا تو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہما) کو واسطہ بنانا چاہا۔ لیکن سب نے کانوں پر ہاتھ دھرے۔ ہر طرف سے مجبور ہو کر سیدہ فاطمہ زہرا (رضی اللہ عنہا) کے پاس آیا۔ سیدنا امام حسن (رضی اللہ عنہ) پانچ برس کے تھے۔ ابوسفیان نے ان کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اگر یہ بچہ اتنا زبان سے کہدے کہ میں نے دونوں

فریقوں میں مصالحت کرا دی تو آج سے عرب کا سردار مانا جائے گا۔ جناب سیدہ نے فرمایا۔ بچوں کو ان معاملات میں کیا دخل۔ بالآخر ابوسفیان نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایما سے مسجد نبوی میں جا کر اعلان کر دیا کہ "میں نے معاہدہ حدیبیہ کی تجدید کر دی"

ابوسفیان نے مکہ میں جا کر لوگوں سے یہ واقعہ بیان کیا تو سب نے کہا کہ یہ نہ صلح ہے کہ ہم اطمینان سے بیٹھ جائیں نہ اعلان جنگ ہے کہ لڑائی کی تیاری کریں۔ (۹۲۴)

احترام معاہدہ اور مظلوموں کی فریاد رسی کے علاوہ ایک مسئلہ یہ بھی تھا کہ اگر چشم پوشی کی جائے تو قریش اور حامیان قریش کی دست درازی سے دوسرے قبائل بھی محفوظ نہیں رہ سکتے جو مسلمانوں کے حلیف ہیں۔ پس معاہدہ کی پابندی۔ فریق مظلوم کی داد رسی اور اپنے حلیف (دوست دار) قبائل کی آئندہ حفاظت کی غرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کا عزم فرمالیا اس کی تشہیر کو مناسب نہیں سمجھا' راز داری کے ساتھ تیاری کی گئی اور احتیاط کی گئی کہ اہل مکہ کو خبر نہ پہنچنے پائے۔ (۹۲۵)

ایک سبق آموز واقعہ

لسان رسالت سے حکم صادر ہوا۔ علی' زبیر اور مقداد رضی اللہ عنہم' خاخ کے باغ میں پہنچیں۔ وہاں ایک شتر سوار عورت ملے گی' اس کے پاس ایک خط ہو گا وہ خط چھین لائیں۔

ارشاد گرامی کی فوراً" تعمیل ہوئی۔ خاخ مدینہ سے تقریباً" بارہ (۹۲۶) میل تھا۔ تینوں حضرات گھوڑے دوڑاتے ہوئے پہنچے۔ وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نشان دہی کے بموجب عورت ملی۔ انہوں نے عورت سے خط مانگا۔ اس نے اول انکار کیا۔ جب ان مجاہدین نے زیادہ زور ڈالا اور برہنہ کرکے تلاشی لینے کی دھمکی دی تو چوٹی میں سے خط نکال کر ان حضرات کے حوالے کیا۔

یہ حضرات خط لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ حاطب بن بلتعہ رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ تھے غزوہ بدر میں شرکت کا شرف حاصل کیے ہوئے تھے۔ یہ خط انہیں حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کی طرف سے مکہ کے چند سرداروں کے نام تھا۔ اس میں یہاں کے حالات کی ایک جھلک تھی۔ (۹۲۷) خط سامنے آیا تو سب کو تعجب ہوا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بے تاب ہو گئے۔ عرض کیا اجازت ہو تو اس منافق کی گردن اڑا دوں۔

یہ سب کچھ تھا۔ مگر جبین رحمت پر شکن نہیں تھی۔ نہایت بردباری کے ساتھ اس ارشاد ہوا۔

یا حاطب۔ ماھذا؟ حاطب یہ کیا؟

حضرت حاطب بن بلتعہ۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے صفائی پیش کرنے کی اجازت دیجئے۔

"یہ درست ہے بہت سے مہاجر بھائیوں کے عزیز و قریب مکہ میں ہیں۔ مگر یہ قریشی ہیں۔ قریش سے

ان کی بھی رشتہ داری اور ان کے ان اعزاء و اقارب کی بھی رشتہ داری ہے جو مکہ میں ہیں۔ کوئی نازک وقت ہو تو یہ خطرہ نہیں کہ قریش ان پر ٹوٹ پڑیں گے۔ مگر میرا معاملہ یہ ہے کہ میں قریشی نہیں ہوں میں حلیف کی حیثیت سے قریش کے ساتھ رہتا تھا۔ میرے رشتہ دار جو مکہ میں ہیں وہ بے یارو مددگار ہیں ان کا کوئی عزیز و قریب مکہ میں نہیں ہے۔ قریش سے ان کی رشتہ داری نہیں۔ مجھے خیال آیا کہ میں قریش پر کوئی احسان کروں تاکہ آڑے وقت میں وہ میرے رشتہ داروں کو ایذا نہ پہنچائیں۔ خدا جانتا ہے نہ کفر نہ نفاق' نہ عظمت اسلام کے اعتراف سے انحراف ہے۔ صرف اتنی غرض تھی جس کی وجہ سے یہ حرکت کر بیٹھا"

لسان نبوت سے صادر ہوا۔ انہ قدصد قکم" بے شک حاطب نے تم سے سچی بات کہدی۔
پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہوا۔
"یہ بدری ہیں اور تمہیں کیا معلوم اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو خطاب کر کے فرما دیا۔

اعملو اما شئتم فقد غفرت لکم (۹۲۸)

جو چاہو کرو میں تمہیں بخش چکا ہوں (۹۲۹)

آنحضرت ﷺ کے ارشاد سے اہل بدر کا مرتبہ عالی حضرت فاروق کے سامنے آیا تو ان پر رقت طاری ہو گئی۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے اور عرض کیا۔ اللّٰہ ورسولہ اعلم۔ (۹۳۰)

روانگی

غرض۔ (۹۳۱) ۱۰ رمضان المبارک ۸ھ کو دس ہزار حق پرست و خدا شناس مجاہدین کا باوقار لشکر سیدالکونین رحمتہ للعالمین ﷺ کی زیر قیادت مدینہ طیبہ سے روانہ ہوا۔ ابھی چند میل طے کیے تھے کہ آنحضرت ﷺ کے عم محترم حضرت عباس رضی اللہ عنہ سامنے آ گئے۔ یہ مع اہل و عیال مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ جا رہے تھے۔ یہ اگرچہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے مگر ہمیشہ آنحضرت ﷺ کے جاں نثار رہے تھے۔ (۹۳۲)

یہ بھی روایت ہے کہ آپ مسلمان پہلے ہو چکے تھے اور خود آنحضرت ﷺ کے ایماء کے بموجب ایمان کو چھپائے ہوئے مکہ میں مقیم تھے۔ یہ آپ کی خوش قسمتی تھی کہ ابھی دار ہجرت (مدینہ طیبہ) نہیں پہنچے تھے کہ غزوہ فتح کے لیے کوچ شروع ہو گیا۔ آپ نے موقع غنیمت جانا' آنحضرت ﷺ کا بھی ایماء پایا۔ آپ فوج میں شامل ہو کر ہمرکاب آقاء دوجہان ہو گئے (ﷺ) اور متعلقین اور سامان کو مدینہ بھیج دیا۔

مرالظہران میں قیام

یہ مقام مکہ معظمہ سے تقریباً" ایک منزل ہے۔ اس قدسی لشکر نے یہاں پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔ دس ہزار

مجاہدین کے خیمے پوری وادی میں پھیل گئے۔ اور جب رات کے وقت خیموں کے سامنے الاؤ جلائے گئے تو گویا ایک روشن شہر آباد ہو گیا۔

جس راز داری کے ساتھ یہ سفر کیا گیا اس کی کامیابی یہ تھی کہ قریش اب تک بے خبر تھے۔ کچھ سرداروں کے کانوں میں بھنک پڑی تھی کہ ایک بہت بڑی فوج آ رہی ہے۔ اسی بھنک کی چھان بین کے لیے خفیہ طور (۹۳۴) سے قریش کے چند سربراہ ابوسفیان۔ حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء مکہ سے چلے تھے اور اتفاق سے یہاں پہنچ گئے تھے اور اس لمبے چوڑے میدان کو جو میلوں میں پھیلا ہوا تھا جگمگاتا دیکھا تو حیران رہ گئے۔

یہ گمان بھی نہیں ہوا کہ محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں کی یہ شان و شوکت ہے جن کو چند سال پہلے مکہ سے نکالا تھا۔ خزاعہ وغیرہ قبائل کی طرف خیالات دوڑنے لگے۔ بدیل بن ورقاء نے کہا۔ یہ قبیلہ خزاعہ کا لشکر ہے۔ ابوسفیان نے تردید کی کہ ان کی تعداد اتنی کہاں۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ مجاہدین کا حفاظتی دستہ گشت کرتا ہوں یہاں پہنچ گیا اور اس نے ان تینوں کو گرفتار کر لیا۔ تب انہیں معلوم ہوا کہ لشکر کن کا ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس محافظ دستہ میں نہیں تھے وہ آنحضرت ﷺ کے خچر پر سوار ہو کر نکلے تھے کہ کوئی مناسب آدمی مل جائے تو مکہ والوں کو پیغام پہنچا دیں کہ مصلحت یہی ہے کہ امان مانگ لیں' جنگ ہوئی تو وہ تباہ ہو جائیں گے۔ ابوسفیان کی آواز حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے کان میں پڑی تو وہ بھی یہاں پہنچ گئے۔

اب ان نظر بندوں کو بارگاہ رسالت میں پیش کرنے کے لیے لے جانے لگے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے مناسب سمجھا کہ ابوسفیان کو لشکر کی گشت کرا دیں تاکہ وہ آنکھوں سے دیکھ لیں کہ اسلام کس طرح قبائل عرب کو فتح کر چکا ہے اور اب ان کے لیے بہتر کیا ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو اپنے ہی خچر پر بٹھا لیا اور قبائل کے خیموں کا گشت کرانے لگے۔ جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے خیمہ پر پہنچے اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی نظر ابوسفیان پر پڑی تو آپ تلوار لے کر لپکے کہ دشمن اسلام ابوسفیان کو اس سے پہلے ختم کر دیں کہ وہ بارگاہ رحمتہ للعالمین (ﷺ) میں پہونچ کر پروانہ امن حاصل کر سکے۔ مگر حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی غافل نہیں تھے انہوں نے خچر کو تیز کر دیا اور ابوسفیان کو لیے ہوئے خیمہ رحمت عالم (ﷺ) میں پہنچ گئے۔ پیچھے پیچھے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ بھی پہنچے اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اصرار تھا کہ اس فتنہ مجسم کے بوجھ سے زمین کو ہلکا کر دیں لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ ابوسفیان کو پناہ دے چکے تھے۔ دونوں میں گفتگو ہوئی۔ تیز تیز باتیں بھی ہوئیں مگر جان بخشی اور پناہ کی جو دیوار پختہ ہو چکی تھی وہ منہدم نہیں ہوئی۔

یہ بحث ختم ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ابوسفیان کو اپنے خیمہ میں لے

جائیں اور صبح کو اپنے ساتھ لائیں۔ حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء جو پہلے ہی رحمت عالم ﷺ کے سایہ عاطفت میں پہنچ چکے تھے اسلام سے مشرف ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے مکہ کے حالات دریافت کیے۔ پھر یہ اجازت لے کر رات ہی کو مکہ واپس ہو گئے تاکہ اہل مکہ کو صورت حال سے آگاہ اور ان کو پرامن رہنے کی ہدایت کر دیں۔

صبح ہوئی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ ابوسفیان کو لے کر بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے۔ ابوسفیان کو اپنے تمام کارنامے یقیناً یاد ہوں گے۔ اسلام کی بیخ کنی کی مسلسل کوشش۔ مدینہ پر بار بار حملے قبائل عرب کو مشتعل کرنا' پھر ان سب کو لے کر مدینہ پر چڑھائی کرنا۔ آنحضرت ﷺ کو شہید کرانے کی خفیہ سازش وغیرہ وغیرہ۔ ان میں سے ہر ایک جرم ابوسفیان کے خون کا مطالبہ کر رہا تھا۔ لیکن ابوسفیان مطمئن تھا کہ وہ اس صادق و امین کے حضور میں حاضر ہے جس کی نظر رحمت اثر میں کسی بھی مسلمان کی زبان کا لفظ "پناہ" وہ حصار ہے جس کو توڑا نہیں جا سکتا۔ چنانچہ ان سنگین جرائم میں کسی جرم کے تذکرہ کے بجائے لسان رحمت سے صادر ہوا۔ یا اباسفیان الہ یان لک ان تعلم ان لا الہ الااللہ (۹۳۴) (ابوسفیان کیا تمہیں اب تک یقین نہیں ہوا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے)

ابوسفیان۔ کوئی اور خدا ہوتا تو آج ہمارے کام آتا۔

رسول اللہ ﷺ۔ کیا اس میں شک ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ ابوسفیان بلا شبہ۔ میں آپ کے حلم و کرم عفوو درگذر حسن سلوک اور آپ کی صداقت و عفت کا قائل ہوں آپ کے مکارم اخلاق کو تسلیم کرتا ہوں مگر آپ کی رسالت کے متعلق ذہن صاف نہیں ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اشارہ کیا کہ اس وقت اس بحث کا موقع نہیں ہے کلمہ شہادت پڑھ لو۔ ورنہ تباہی ہی تباہی ہے۔

ابوسفیان کو بھی احساس ہوا۔ اس نے اعتراف کیا۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰه

ابوسفیان کی طرح اور بھی تھے کہ اس ہنگامی حالت میں ان کا ذہن صاف نہیں تھا۔ مگر رعب داب یا ڈرانے دھمکانے سے کسی کا ذہن صاف نہیں ہو سکتا تھا نہ یہ طریقہ اختیار کیا گیا۔ بلکہ تالیف قلب' اور مانوس کرنے کا نسخہ استعمال کیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسی دو تین ہفتہ کی مدت میں کہ آنحضرت ﷺ مکہ اور اطراف مکہ میں تشریف فرما رہے۔ ذہنوں کی الجھنیں جاتی رہیں اور یہ مولفتہ القلوب۔ کامل الایمان (۹۳۵) ہو گئے' پھر وہ کارنامے انجام دیئے جن سے تاریخ اسلام روشن ہے۔

یہ تالیف قلب اور مانوس کرنے کی پہلی صورت یہ تھی کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے سفارش کی کہ ابوسفیان شہرت و عزت کے آدمی ہیں کوئی ایسی صورت تجویز فرما دی جائے کہ ان کی عزت قائم رہے ارشاد

ہوا۔ اعلان کر دیا جائے کہ ان کی حویلی پناہ گاہ ہو گی۔ جو ابو سفیان کی حویلی میں پہنچ جائے اس کو پناہ (۹۳۶)

مر الظہران سے روانگی

مکہ کی طرف روانگی شروع ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ان کو پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر کھڑا کر دو تا کہ جنود اللہ (مجاہدین حق پرست و خدا شناس کے لشکر) کی شان و شوکت یہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔

الگ الگ قبیلوں کی فوجیں تھیں۔ ان کے علم تھے۔ علمبردار تھے۔ یہ فوجیں یکے بعد دیگرے گذرنے لگیں ابو سفیان (۹۳۷) نے سرزمین عرب میں ایسا نظام کب دیکھا تھا۔ اس نے متاثر ہو کر حضرت عباسؓ سے کہا۔

یا ابا الفضل لقد اصبح ملک ابن اخیک الیوم عظیما

ابو الفضل (حضرت عباس کی کنیت) تمہارے برادر زادہ کی سلطنت بہت بڑھ گئی ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فوراً ٹوکا۔ سلطنت نہیں۔ نبوت ہے (یعنی سیاسی اقتدار اور جبر و قہر نے یہ نظام قائم نہیں کیا (جو سلطنت کی خصوصیت ہے) بلکہ پیغمبرانہ صداقت۔ دیانت و امانت اور اعلیٰ اخلاق نے دلوں کو رام کیا ہے پھر دعوت الی اللہ کے نصب العین پر سب کو متحد کر کے ایثار و فدائیت کا یہ نظام بنایا ہے جس کا مقصد ذاتی۔ خاندانی یا قومی اقتدار نہیں بلکہ اس کا مقصد ہے خدا شناسی' خدا پرستی' خدمت خلق اعلاء کلمۃ الحق اور اس پر اپنی جان (۹۳۸) قربان کرنا۔

مثالی ضبط و نظم

ایک بڑی فوج اپنی نرالی شان کے ساتھ سامنے سے گذری۔ یہ حضرات انصار رضی اللہ عنہم کی تھی۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ قبیلہ خزرج کے سردار اس کے علمبردار تھے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی نظر جو ہی ابو سفیان پر پڑی' فرط جوش سے پکار اٹھے۔ الیوم یوم الملحمۃ۔ آج گھمسان کا دن ہے الیوم تستحل الکعبہ آج کعبہ کی حرمت (۹۳۹) پامال کی جائے گی۔

آخر میں ایک دستہ سامنے آیا۔ یہ سب سے چھوٹا دستہ تھا مگر ایسا دستہ تھا کہ اس کے سنجیدہ وقار سے دلوں پر ہیبت طاری ہوتی تھی ساتھ ہی اس کے نور تقدس سے ضمیر روشن ہوتے تھے۔ سید الکونین ﷺ اور آپ کے چند رفقاء اس دستہ میں تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مخصوص جھنڈا اس دستے کے ساتھ تھا۔ حضرت زبیر بن العوام اس کے علمبردار تھے۔

ابو سفیان کی نظر چہرہ انور پر پڑی تو پکار اٹھے۔ "حضور نے سنا۔ سعد بن عبادہ کیا کہتے ہوئے گئے پھر سعد کا مقولہ نقل کیا۔ ارشاد ہوا۔ سعد نے غلط کہا ہے۔

ولکن هذا يوم يعظم الله فيه الكعبة ويوم تكسى فيه الكعبة

آج خانہ کعبہ کی بے حرمتی نہیں ہو گی۔ بلکہ آج کا دن وہ دن ہے کہ اللہ تعالیٰ کعبہ کی عظمت بڑھائے گا اور وہ دن ہے کہ خانہ کعبہ کو غلاف (۹۴۰) پہنایا جائے گا۔

اس کے بعد ارشاد ہوا۔ جھنڈا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے لے لیا جائے۔ پھر حکم ہوا۔ جھنڈا سعد کے فرزند (۹۴۱) قیس بن سعد کو دیدیا (۹۴۲) جائے۔

اس مشاہدہ کے بعد ابوسفیان تیزی سے مکہ معظمہ پہنچا۔ اور اعلان کر دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بہت بڑا لشکر لے کر آ رہے ہیں۔ کسی کی طاقت نہیں کہ مقابلہ کر سکے۔ اسلام لے آؤ۔ سلامت رہو گے ابوسفیان کی بیوی ہندہ ابھی اسی ترنگ میں تھی وہ ابوسفیان کا اعلان سن کر بھڑک اٹھی۔ غصہ میں ابوسفیان کی مونچھیں نوچ لیں۔ اور چلا کر کہا یہ بوڑھا پاگل ہو گیا ہے۔ کوئی اس کی بات نہ مانے۔ ابوسفیان نے کہا بی بی خیریت اسی میں ہے ورنہ تباہ ہو جائے گی۔ گھر میں جا دروازہ بند کر کے بیٹھ جا۔ بہرحال لوگوں نے اس اعلان پر تیزی سے عمل کیا۔ اپنے دروازے بند کر کے بیٹھ گئے یا حرم شریف کی طرف دوڑ گئے۔

مکہ معظمہ میں داخلہ اعلان امن اور فرمان عفو

پھر حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو حکم ہوا کہ مکہ کی بالائی جانب سے داخل ہوں اور مقام حجون پر جھنڈا نصب کر دیں اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو دوسری جانب (مکہ کی نشیبی جانب) سے داخلہ کا حکم ہوا (۹۴۳)۔ اور اعلان کر دیا گیا۔

جو شخص (۹۴۳) ہتھیار ڈال دے اس کو پناہ

جو شخص (۹۴۴) اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے۔

جو ابوسفیان کی حویلی میں پہنچ جائے۔

جو حکیم بن حزام کے مکان میں پناہ لے لے۔

جو حرم شریف میں پناہ لے لے وہ محفوظ۔

آج رمضان المبارک کی بیس ہے۔ پیر کا دن۔ امن پناہ۔ اور حفاظت جان و مال کے اعلان کے ساتھ مجاہدین تقدس ماب کا مکہ میں فاتحانہ داخلہ ہو رہا ہے۔ لوگ اطمینان کا سانس لے رہے ہیں۔ صرف ایک جانب کچھ شورہ پشت حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کے مقابلہ پر آئے۔ دو مسلمانوں (حضرت کرز بن جابر فہری اور حضرت حبش بن اشعر) کو شہید کر دیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے دستہ نے جواب دیا تو ۱۳ لاشیں چھوڑ کر بھاگ گئے۔

یہ افواج مجاہدین کا داخلہ تھا اور خود سرور کائنات وارث ابراہیم خلیل اللہ کے داخلہ کی شان یہ تھی کہ

ناقہ پر سوار اسامہ بن زید (یعنی آزاد کردہ غلام کے نوجوان فرزند) آپ ﷺ کے ردیف سر پر سیاہ عمامہ اور زبان مبارک پر سورہ انا فتحنا جو رقت انگیز انداز سے تلاوت فرما رہے تھے خشوع و خضوع کا یہ عالم کہ سر مبارک جھکتے جھکتے ہودج کے کنارہ سے لگ گیا تھا۔ یہی پالان کا کنارہ سجدہ گاہ بنا ہوا تھا۔ جبیں نبوت اس پر سجدہ بیز تھی۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

قیام گاہ۔ غسل اور نماز فتح

ارشاد ہوا' شعب ابی طالب میں قیام کا انتظام کیا جائے۔ وہاں سرخ چمڑے کا خیمہ نصب کیا گیا۔ آپ ﷺ وہاں رونق افروز ہوئے تو پہلے غسل فرمایا۔ پھر آٹھ رکعتیں (۹۴۵) پڑھیں۔ یہ چاشت (۹۴۶) کا وقت تھا (تقریباً" ۱۱ بجے دن)

مسجد حرام میں داخلہ

مجاہدین کرام کے مختلف دستے جو مختلف سمتوں سے داخل ہوئے تھے جب حرم شریف کے قریب پہنچ چکے تو آنحضرت ﷺ مسجد حرام میں تشریف لے گئے یہاں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔

محمد رسول اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیح وارث اور قرآن پاک کے الفاظ میں اولی الناس بابراہیم تھے (تمام انسانوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قریب تر) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو حکم ہوا تھا۔ طھر بیتی (پاک کر میرے گھر کو) دور محمدی میں اس کی تعمیل آپ پر فرض تھی۔ حرم بیت اللہ میں داخل ہو کر سب سے پہلے آپ نے اسی فرض کو انجام دیا۔

دست مبارک میں کمان تھی اور زبان مبارک پر تھا۔

جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا

(آیا حق اور نابود ہو گیا باطل' بے شک باطل نابود ہونے کے لیے ہی ہے)

یہ نابود ہونے اور مٹنے والا باطل اس درجہ کمزور ہو چکا تھا کہ نوک کمان کی معمولی ٹھونگ سے بڑے سے بڑا بت زمین پر اوندھا ہو رہا تھا۔

دیواروں میں جو تصویریں نقش تھیں ان کو آپ نے کھرچوا دیا۔ پھر آپ نے زمزم سے دیواریں دھلوائیں۔

جو مجسمے بیت اللہ میں تھے ان کو نکالا گیا تو ان میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے اور حضرت مریم علیہا سلام کے نام کے مجسمے بھی تھے' کچھ فرشتوں کی مورتیاں تھیں۔ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے نام کے جو مجسمے تھے ان کے ہاتھ میں وہ تیر تھے جو فال نکالنے کے لیے استعمال کیے

جاتے تھے۔

آپ ﷺ نے فرمایا۔ خدا لعنت کرے ان افترا پردازوں پر' وہ جانتے تھے کہ ان مقدسین نے کبھی فال نہیں نکالا۔ (۹۴۷)

خانہ کعبہ کے اندر دوگانہ

خانہ کعبہ آلائش شرک سے پاک ہو چکا تو آپ ﷺ خانہ کعبہ کے اندر تشریف لائے اور دو رکعت پڑھ کر پرستش خدائے واحد کے ٹوٹے ہوئے سلسلہ کو از سر نو جوڑا۔ کعبہ کے گوشوں میں تسبیح و تہلیل اور حمد و تکبیر پڑھ کر فضاء کعبہ کو ہم ساز تسبیح ملائک بنایا (۹۴۸) پھر آپ ﷺ دروازہ کھول کر باہر تشریف لائے تو اتنے وقفہ میں حرم کعبہ اہل مکہ سے کھچا کھچ بھر چکا تھا آپ ﷺ نے باب کعبہ کے دونوں چوکھٹوں پر ہاتھ رکھ کر خطبہ ارشاد فرمایا' یہ اس خدا پرست فاتح کا خطبہ تھا جو انسان کو آداب انسانیت سکھانے آیا تھا اور جس نے خاص حالات سے متاثر ہو کر مکہ پر لشکر کشی کی تھی اب وہ داستان ماضی پر خاتمہ کی مہر لگا کر مستقبل کے متعلق چند بنیادی اصول کا اعلان کر رہا تھا۔

باب کعبہ پر خطبہ

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

(۱) لا اله الا الله وحده لا شريک له صدق وعده و نصر عبده وهزم الاحزاب وحده

(۲) الا کل ماثرة او دم او مال يدعى فهو موضوع تحت قدمى هاتين الاسدانة البيت وسقاية الحاج

(۳) الا وقتيل الخطاء وشبه العمد بالسوط والعصا- ففيه الدية مغلظة مائته من الابل اربعون منها مافى بطونها اولادها-

(٤) يامعشر قريش ان الله قد اذهب عنكم نخوة الجاهلية وتعظمها بالاباء الناس من ادم و ادم من تراب-

(٥) يا ايها الناس انا خلقنا کم من ذکر و انثى -الآيته (۹۴۹)

ترجمہ : (ا) نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ تنہا' اس کا کوئی شریک نہیں ہے' اس خدائے واحد نے اپنا وعدہ پورا فرمایا' اپنے بندے کی مدد کی اور اسؐ نے تن تنہا تمام جماعتوں کو شکست دیدی۔

(۲) ہر ایک (۹۵۰) رسم و ریت۔ کسی بھی خون یا مال کا مطالبہ جو روایتی طور پر

چلا آ رہا تھا۔ آج وہ سب میرے ان پیروں کے نیچے ہے (سب ختم ہے) مگر سدانۃ البیت (بیت اللہ کی دربانی اور کلید برداری) اور سقایۃ الحاج (حاجیوں کے پانی کا انتظام) یعنی پرانی رسم وریت اور پرانے رواج کے یہ دو منصب باقی رہیں گے)

(۳) یہ بھی سن لو۔ کوئی شخص غلطی (۹۵۱) سے مارا جائے۔ یا کوڑے یا لاٹھی کی ضرب سے کسی کی موت ہو جائے جس کو شبہ عمد کہا جاتا ہے اس صورت میں دیت مغلظہ ہو گی۔ یعنی سو اونٹ جن پر چالیس حاملہ اونٹیاں ہوں گی۔

(۴) اے قوم قریش۔ اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کا جو غرور تمہارے اندر تھا کہ ہم سب سے اونچے ہیں۔ اور زمانہ جاہلیت کی یہ نخوت کہ باپ دادا کی عظمت کی بنا پر اپنے آپ کو بڑا سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ باتیں ختم کر دی ہیں۔ اب ایک ہی حقیقت تسلیم کی جائے گی کہ تمام انسان آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے۔

(۵) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اے لوگو' ہم نے تم کو پیدا کیا ایک مرد اور عورت سے اور رکھ دیئے تمہارے قبیلے اور گوت (خاندان) کہ آپس میں پہچان ہو۔ اللہ کے یہاں مرتبہ اس کا بڑا ہے جو تقوے میں سب سے بڑھا ہوا ہے (سب سے زیادہ خدا شناس و خدا ترس ہے)

عام معافی۔ سب کچھ فراموش

اس کے بعد آپ ﷺ نے مجمع پر نظر ڈالی۔ یہ مجمع انہیں مجرمین کا تھا جو تقریباً" بیس سال سے اسلام کی بیخ کنی میں برابر سرگرم رہے تھے۔ جنہوں نے اسلام کا نام لینے والوں اور خود ذات اقدس رحمت عالم ﷺ کو ہر طرح کے ظلم و ستم کا تختہ مشق بنایا تھا۔ اب یہ محصور تھے' ایک لشکر جرار کے شکنجہ میں کسے ہوئے تھے۔ یہ منتظر تھے کہ ان کے متعلق کیا فیصلہ ہو گا۔ لب کشائی کی کسی کو جرات نہیں ہوئی تو دریائے رحمت خود جوش میں آیا۔ ارشاد ہوا۔

یامعشر قریش – ماترو ن انی فاعل بکم

اہل قریش۔ تم کیا سمجھتے ہو۔ میرا فیصلہ تمہارے متعلق کیا ہو گا؟

یہ سب ظالم تھے۔ جفاکار تھے۔ مشرک و کافر تھے۔ مگر مزاج شناس بھی تھے اور سخن شناس بھی۔ جواب دیا۔

اخ کریم – ابن اخ کریم

ہم بھلائی کی توقع رکھتے ہیں۔ آپ خود شریف' شریف بھائی کے چشم و چراغ

جواب میں ارشاد ہوا۔

لا تثریب علیکم الیوم، اذھبوا فانتم طلقاء

(جو کچھ ہونا تھا ہو چکا) آج تم پر کوئی الزام نہیں غلام بنانے کا قاعدہ جنگ جاری نہیں کیا جائے گا۔ (لہٰذا) جاؤ تم سب آزاد۔

منصب کلید برداری و آب رسانی

خطبہ سے فارغ ہو کر آپ ﷺ حرم کعبہ میں تشریف فرما ہوئے۔ بیت اللہ کی کنجی دست مبارک میں تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ کنجی ان کو عطا ہو جائے تاکہ سقایت زمزم (آب رسانی) کے منصب کے ساتھ منصب سدانت (کلیدی برداری و دربانی) کا شرف بھی ان کو حاصل ہو جائے۔

آپ ﷺ نے فرمایا۔ عثمان بن طلحہ کہاں ہیں۔

عثمان حاضر ہوئے تو ارشاد ہوا۔

ھاک مفتاحک - الیوم یوم بر و وفاء - (۹۵۲)

یہ اپنی کنجی لیجئے۔ یہ حسن سلوک اور وعدہ وفا کرنے کا دن ہے۔

بام کعبہ پر اذان

نماز ظہر کا وقت ہوا تو آپ ﷺ نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ بام کعبہ پر چڑھ کر اذان دیں۔ قریش مکہ کے لیے یہ بالکل نئی چیز تھی۔ جس میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسالت محمد (ﷺ) کا پکار پکار کر اعلان ہو رہا تھا' جن کی مخالفت میں وہ بیس سال صرف کر چکے تھے۔ چنانچہ کچھ لوگوں کی رگ حمیت پھڑکی۔ ایک نے کہا' خدا نے میرے باپ کی عزت رکھ لی کہ اس آواز کے سننے سے پہلے وہ دنیا سے رخصت ہو گیا۔ دوسرے نے کہا' اب جینا بے کار ہے (۹۵۳)۔ مگر عام طور پر ذہن ہموار ہو چکے تھے اور صدا اذان ان کے لیے نغمہ جان فزا بن چکا تھا۔ اس کے بعد حرم مکہ میں اذان کی خدمت مستقل طور پر حضرت ابو محذورہ کے سپرد فرمائی اور ۲۱ سالہ نوجوان (حضرت) عتاب بن اسید کو والی مکہ بنایا ایک درہم روزانہ ان کا وظیفہ مقرر فرما دیا۔ (۹۵۴)

حضرات انصار کو تشویش اور محبوب رب العالمین کی طرف سے اطمینان دہانی

حرم کعبہ سے فارغ ہو کر آپ ﷺ کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور قبلہ رو ہو کر بہت دیر تک دعا کرتے رہے۔ حضرات انصار کا ہجوم آپ ﷺ کو سب طرف سے گھیرے ہوئے تھا۔ یہاں مکہ والے بھی پہنچنے لگے اور دست مبارک پر بیعت ہونے لگے۔ حضرات انصار میں سے کسی کو خیال آیا کہ شاید اب

سرور عالم ﷺ اپنے وطن عزیز میں قیام فرمائیں اور ہم شرف قربت سے محروم ہو جائیں۔ یہ بات آہستہ آہستہ آپس میں چلی۔ آنحضرت ﷺ نے اس کو بھانپ لیا۔ فرمایا یہ کیا وسوسہ ہے' جو آپ صاحبان کو پریشان کر رہا ہے۔ اطمینان رکھو میرا تمہارا ساتھ چھوٹنے والا نہیں ہے۔

المحیا محیاکم و الممات مماتکم (۹۵۵)

جینا تمہارے ساتھ مرنا تمہارے ساتھ

صلوات اللہ علیہ وعلی الہ و اصحابہ اجمعین ابداد ائما"

غزوہ حنین وطائف اور اسباب شکست وفتح

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (آیت ۲۵ - ۲۷ سورہ نمبر ۹ توبہ)

بیشک اللہ مدد کر چکا ہے تمہاری بہت سے میدانوں میں اور جنگ حنین کے موقع پر۔ جب تم میں ناز پیدا کر دیا تھا تمہاری کثرت نے (تم اترا گئے تھے اپنی کثرت پر) پس تمہارے کام کچھ نہ آئی یہ کثرت اور تنگ ہو گئی تم پر زمین باوجود اپنی وسعت کے۔ پھر تم ہٹ گئے پیٹھ دے کر۔ پھر اتاری اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے تسکین اپنے رسول پر اور ایمان والوں پر اور اتاریں فوجیں جو تم نے نہیں دیکھیں اور مار' دی (عذاب دیا) کافروں کو۔ اور یہی سزا تھی منکروں کی۔ پھر التفات فرمائے گا اس کے بعد اللہ تعالیٰ جس پر چاہے گا اور اللہ بڑا ہی بخشنے والا رحمت والا ہے۔ (سورہ توبہ)

یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت تھی۔ جس کے دامن تقدس پر اس ذات حق جل مجدہ کو (جس نے ان کے دلوں میں ایمان کی بے انتہا محبت پیدا کر کے ایمان کو ان کے دلوں میں سجا دیا تھا۔ اور کفرو فسوق و عصیان سے ان کے دلوں میں نفرت بھر دی تھی اور اپنے فضل و کرم سے ان کو "راشد" قرار دیا تھا۔ (سورہ حجرات رکوع ۱) کسی گناہ کا خواہ وہ ذہنی اور فکری ہو' معمولی دھبہ بھی گوارا نہیں تھا۔

(۱) جنگ احد کے موقع پر کچھ صحابہ سے لغزش ہوئی کہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا وہ مطلب لے لیا

جو اگرچہ اجتہاداً" صحیح تھا مگر آنحضرت ﷺ کے منشاء مبارک کے مطابق نہیں تھا۔ تو دشمن کے ہاتھوں ان کو شکست دے کر اس لغزش پر تنبیہہ فرمائی گئی اور پھر اس شکست کو ان کی لغزش کا کفارہ قرار دے کر معافی اور درگذر کا اعلان بھی فرما دیا گیا (سورہ آل عمران رکوع ۱۶)

(۲) اسی طرح غزوہ حنین کے موقع پر کچھ ناز اور اتراہٹ پیدا ہوا جو عام مسلمانوں کے لحاظ سے قابل گرفت نہیں تھا۔ لیکن آپ ﷺ نے دیکھا حضرات صحابہ کو خطاب کرتے ہوئے وحی الہی کے الفاظ کس طرح گرج رہے ہیں۔ اعجبتکم کثرتکم۔ (تمہیں اترا دیا تمہاری کثرت نے) پھر ان کو چند لمحے کے لیے شکست دے کر ایک طرف کفارہ ادا کیا جا رہا ہے۔ ساتھ ہی یہ بشارت بھی سنائی جا رہی ہے۔ ثم یتوب اللّٰہ (الایۃ) (اس کے بعد جس پر چاہے گا اللہ تعالیٰ التفات فرمائے گا اور اس کی توبہ قبول کر لے گا) یہ سب اس لیے ہے کہ اس مقدس جماعت کے دامن تقدس پر جو گرد پڑ گئی ہے وہ صاف ہو جائے۔

اتراہٹ اور ناز کیا تھا

آج مسلم ممالک کے رہنما بھی اپنی فوجی پوزیشن کو سامنے رکھ کر فریق مخالف کے متعلق طمطراق سے کہدیا کرتے ہیں کہ ہم ایک جھٹکے میں ان کو ختم کر دیں گے۔ ان کو انشاء اللہ کہنے کی توفیق بھی نہیں ہوتی۔ کیا اس قسم کی اتراہٹ اور ناز ان صحابہ کرام یا کسی صحابی کے اندر پیدا ہوا تھا؟ (معاذ اللہ) یہ مکروہ اور بدنما صورت یقیناً" نہیں تھی اور قطعاً" نہیں تھی۔ چہ نسبت خاک را باعالم پاک؟

حقیقت یہ ہے کہ جب ان مجاہدین حق نے جن کی تعداد جنگ بدر میں صرف تین سو تیرہ تھی اپنی تعداد کو بارہ ہزار سے بھی متجاوز دیکھا تو کسی کی زبان پر آگیا۔

لن نعلب الیوم من قلۃ (۹۵۶)

آج ہم تعداد کی کمی کے باعث ہرگز مغلوب نہیں ہو سکتے

یہ ایک قیاس (۶۵۷) تھا۔ اس کا مقصد حوصلہ افزائی بھی ہو سکتا ہے۔ اس طرح کا قیاس نہ کفر ہے' نہ شرک و فسق۔ اس قیاس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی مدد کی ضرورت نہیں ہے (معاذ اللہ) البتہ اس قیاس میں ایک طرح کی بو استغنا اور بے نیازی کی آتی ہے۔ اگرچہ اس کا احساس انہیں پاک اور لطیف نفوس کو ہو سکتا ہے۔ جو عبدیت اور فنائی اللہ کے مدارج طے کر چکے ہوں۔

یعنی اپنی ذات۔ اور اپنے اسباب پر نظر ڈالنا ان خدا شناس پاکبازوں کی نظر میں گناہ اور جرم ہے جو اپنی انانیت ختم کر چکے ہوں جن کے دل و دماغ پر یہ حقیقت چھا چکی ہو۔ اور اس کا یقین ہی نہیں بلکہ اس کا ان کو عین الیقین حاصل ہو چکا ہو۔ کہ وہ ہیچ در ہیچ ہیں۔ ان کی ہستی حباب سے بھی کم ہے۔ ان کی حقیقت حضرت حق کے مقابلہ میں ذرہ سے بھی حقیر ہے۔ ذرہ میں اگر چمک ہے تو وہ اس کی اپنی ہرگز نہیں

جو چمک بھی ہے وہ حضرت آفتاب کا پرتو ہے اور یہ پرتو بھی اس وقت تک جلوہ گر ہے جب تک ذرہ آفتاب روبہ آفتاب سے کچھ بھی رخ ہٹا تو ذرہ ایسا بے حقیقت ہے کہ اس کو شمار میں لانا بھی عبث ہے۔ یہ بہت ہی باریک اور لطیف نکتہ ہے اور یہی لطیف اور نہایت باریک نکتہ اس تنبیہہ اور عتاب کا محرک ہے۔ اور اسی بنا پر یہاں بدر کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ جس طرح بدر والی یاس انگیز قلت میں تمہیں نصرت خداوندی کی ضرورت تھی اور اس کی بنا پر کامیابی ہوئی' آج اگرچہ اس قلت کے مقابلہ میں کثرت ہے مگر یہ کثرت بھی اسی طرح محتاج نصرت ہے جس طرح بدر والی قلت محتاج (۹۵۸) نصرت تھی۔ اس تنبیہہ کے بعد وحی الٰہی نے جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے۔

حنین و طائف

طائف ایک پہاڑ ہے۔ مکہ معظمہ سے تقریباً" ساٹھ میل کے فاصلہ پر یہاں قبیلہ ثقیف آباد تھا۔ طائف اور مکہ کے بیچ میں ایک میدانی علاقہ کا نام حنین ہے۔ قبیلہ ہوازن یہاں آباد تھا۔ ثقیف اور ہوازن عرب کے مشہور قبیلے تھے قریش کی طرح ان کو بھی اپنی عظمت و عزت اور اپنی شجاعت پر ناز تھا' تیر اندازی میں ان کو ایسی مہارت تھی کہ پورے عرب میں ان کا جواب نہیں تھا۔

"مکہ فتح ہو گیا' ہمارے تیرتھ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا' ہمارے صنم خانہ کو پھر بیت اللہ بنا دیا گیا' ہمارے ہوتے ہوئے محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھی یہ کر گذریں جن کو ہم نے طائف میں گھسنے نہیں دیا تھا اور ایک دفعہ آ گئے تھے تو اینٹوں اور پتھروں کی بوچھاڑ سے لہولہان کر کے نکالا تھا۔ جس کو پھر مکہ سے بھی ہجرت کرنی پڑی تھی۔ ان کی یہ ہمت کہ ہمارے ہوتے ہوئے وہ فاتح مکہ بنیں!

یہ جذبات تھے جنہوں نے ان قبائل کو مشتعل کیا۔ انہوں نے فیصلہ کن جنگ کی تیاری کی۔

یا جاں رسد بجاناں یا جاں زتن بر آید

ایک میدان کا نام اوطاس تھا۔ یہ جنگ کے لیے موزوں تھا۔ زمین سخت تھی نہ ایسی نرم اور ریتلی کہ پیر دھنسیں' اس کو پڑاؤ کے لیے منتخب کیا۔ اور اپنے ساتھ اپنی عورتوں' بچوں' تمام مویشی اور سامان اسباب کو بھی لے کر یہاں آ پڑے۔ خیال یہ تھا کہ بال بچے ساتھ ہوں گے تو ان کی حفاظت کی حمیت غیرت بھی جمے رہنے پر مجبور کرے گی اور لڑنے والوں کے پیر نہیں اکھڑنے دے گی۔

وہ اپنے ساتھ اونٹ کے ایک ہودہ پر بٹھا کر درید بن صمہ کو بھی لائے تھے۔ یہ اگرچہ سو سال سے بھی زیادہ عمر کا بوڑھا تھا' بصارت بھی جاتی رہی تھی۔ مگر فنون جنگ کا ماہر اور لڑائیوں کا بڑا تجربہ کار مانا جاتا تھا۔ اس کو اسی غرض سے تبرکا" ساتھ لائے تھے کہ نازک موقع پر اس سے رہنمائی حاصل کریں گے۔ (۹۵۹)

درید نے عورتوں' بچوں اور بھیڑوں بکریوں کی آواز سنی تو چونک کر بولا' یہ آوازیں کیسی؟ لوگوں نے غرض بیان کی۔ درید نے کہا۔ تم نے بڑی غلطی کی' جب پیر اکھڑ جاتے ہیں تو نہ عورتیں بچے جما سکتے ہیں نہ بھیڑ بکریاں۔ میدان جنگ میں قدم جمانے والی چیز قوت بازو اور تیغ و سنان ہے عزیز و اقارب اور مال و دولت نہیں۔

مالک بن عوف نضری۔ تقریباً" تیس سالہ نوجوان اس جنگ کا قائداعظم تھا۔ درید نے اس کو بلا کر سمجھایا کہ جنگجو بہادروں کو میدان میں رکھو۔ عورتوں' بچوں اور سامان و اسباب کو کسی قریب کے مقام پر محفوظ کر دو' تاکہ اگر برا وقت آن پڑے تو ان کی عزت پر آنچ نہ آئے۔ مگر مالک بن عوف جو طے کر چکا تھا اس سے ہٹنے کے لیے آمادہ نہیں ہوا اور یہ دھمکی دی کہ اگر اس پر زیادہ زور ڈالا گیا تو وہ خود کشی کر لے گا لوگوں نے یہ اصرار دیکھا تو خاموش ہو گئے۔

مالک بن عوف' میدان میں پہلے پہنچ چکا تھا' اس نے مناسب مقامات پر فوجیں مقرر کر دیں۔ اور حکم دیا کہ جیسے ہی مسلمان پہونچیں تلواروں کے کے نیام توڑ دیں اور سب مل کر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑیں تیر اندازوں کے دستے پہاڑوں کی کمین گاہوں میں بٹھا دیئے کہ جب مسلمان اس طرف سے گذریں ان پر تیروں کی بارش برسا دیں۔

لشکر اسلام کی تیاری

آنحضرت ﷺ کو قبائل کی تیاری کی خبر پہونچی تو آپ ﷺ نے عبداللہ بن حدرد کو بھیجا۔ وہ جاسوس بن کر آئے اور کئی دن تک ان قبائل میں رہ کر حالات معلوم کیے۔ اس مخبری کے بعد صورت حال کا صحیح اندازہ ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے تیاری شروع کی' سامان جنگ کا جائزہ لیا تو زرہیں کچھ کم تھیں' نقد رقم کی بھی ضرورت تھی۔ صفوان بن امیہ' مکہ کا رئیس اعظم تھا' آپ ﷺ نے اس سے سو زرہیں طلب فرمائیں اس نے کہا' غصب یا عاریتہ"۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ غصب نہیں بلکہ عاریۃ" جتنی لی جائے گی اتنی ہی واپس کی جائے گی اور اگر کچھ ضائع ہو گئیں تو ان کا معاوضہ دیا جائے گا۔

اتفاق سے دوران جنگ میں کچھ زرہیں ضائع ہو گئیں۔ جب واپس کرنے کا وقت آیا تو آنحضرت ﷺ نے معاوضہ پیش فرمایا۔ مگر حضرت صفوان نے عرض کیا۔ وہ وقت اور تھا جب میں نے یہ گستاخانہ گفتگو کی تھی۔ اب تو اسلام دل میں گھر کر چکا ہے۔ زرہیں کیا اب تو جان کی پونجی بھی اس معذرت کے ساتھ حاضر ہے۔

یک جان چہ متاعیست کہ سازیم فدایت
اما چہ تواں کرد کہ حاضر ہمین ست

ایک دوسرے رئیس عبداللہ بن ربعیہ سے تیس ہزار درہم قرض لیے۔

روانگی

تیاری مکمل ہونے کے بعد ۶ شوال ۸ھ (۲۸ جنوری ۶۳۰ء) کو اسلامی فوجیں حنین کی طرف بڑھیں۔ دس ہزار وہ مجاہدین تھے جو مدینہ سے آئے تھے۔ ان کے علاوہ دو ہزار سے زائد مکہ کے نوجوان تھے۔ ان میں وہ بھی تھے جو اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ان میں کچھ ایسے جوشیلے بھی تھے جنہوں نے پورے ہتھیار بھی نہیں لیے تھے۔ یہ فوج ظفر موج شام کے وقت میدان کار زار کے قریب پہونچی۔ جیسے ہی پیشانی مشرق پر صبح صادق کا جھومر چمکا (فریضہ نماز ادا کیا اور ابھی پوری طرح اجالا بھی نہیں ہوا تھا کہ میدان حنین کی طرف قدم بڑھنے لگے۔ یہ میدان نشیب میں تھا' سب طرف پہاڑ تھے اور پہاڑی راستے ایسے ڈھلوان تھے کہ پیر جمنے مشکل تھے۔ میدان جنگ کے بیشتر مقامات پر دشمن کی فوجیں قابض اور راستہ کے پہاڑوں پر تیر انداز دستے مسلمانوں کے منتظر تھے۔ منصوبہ یہ تھا کہ مسلمان میدان جنگ میں داخل ہو جائیں تو سامنے سے فوجین تیغ و سنان سے ان کا قلع قمع کر دیں اور اوپر سے قدر اندازوں کے تیر ان کے پرخچے اڑا دیں۔

پہلے وہلہ میں وہ کامیاب رہے جب سامنے سے شدت سے حملہ ہوا اور سب طرف سے تیروں کی بارش شروع ہوئی تو قدرتی بات تھی کہ مسلمانوں کے پیر اکھڑ گئے' وہ زیادہ بدحواس ہو گئے جو اپنی بہادری کے زعم میں مکہ سے آئے تھے "لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں"

جو لوگ دشمن کے حامی اور اس کے منصوبہ سے کچھ واقف تھے' وہ اس انتشار اور بعض کے فرار سے بہت خوش ہوئے' کچھ جلد بازوں نے کہنا شروع کر دیا کہ ان کہ پیر سمندر سے ورے نہیں رک (۹۶۰) سکتے۔

یہ سب کچھ تھا اور ارشاد خداوندی کے بموجب حالت یہ ہو گئی تھی کہ ضاقت علیکم الارض بمارحبت (تنگ ہو گئی تم پر (مسلمانوں پر) زمین باوجود اپنی وسعت کے) لیکن فضل خداوندی مسلمانوں پر سایہ فگن تھا۔ یہ جو کچھ ہوا وہ من جانب اللہ انتباہ تھا' اللہ تعالٰی کے فضل و کرم کا محور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیکر مقدس تھا جو اپنی جگہ استقلال و استقامت کا پہاڑ بن کر کھڑا رہا جس میں اگر جنبش ہوئی تو صرف یہ کہ وہ اپنے سفید خچر (۹۶۱) سے نیچے اترا۔ تلوار ہاتھ میں لی اور یہ رجز یہ کلمات کہتا ہوا گرجا۔

انا النبی لا کذب انا بن عبد المطلب

انا النبی لا کذب – انا ابن عبد المطلب

ہاں ہاں۔ میں ہی ہوں نبی' اس میں کوئی جھوٹ نہیں۔ میں ہی ہوں عبدالمطلب کا

(۹۶۲) بیٹا اس کے گھرانے کا چشم و چراغ۔
پاؤں اکھڑنا۔ اور انتشار اضطرارا" تھا۔ فورا" سنبھلے۔ دس بارہ صحابہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تھے وہ تو اس تیزی سے پلٹے اور آقا دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو گئے کہ یہ پتہ بھی نہیں چلا کہ وہ جدا ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت علی' حضرت عباس فضل بن عباس اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم انہیں قریبی جاں نثاروں میں تھے۔ ایک نئے جاں (۹۶۳) آنحضرت ﷺ کے ابن عم ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب تھے انہوں نے آگے بڑھ کر خچر کی باگ پکڑ لی۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خچر پر سوار تھے' ابوسفیان بن حارث اس کی باگ تھامے ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر یہ رجز۔ انا النبی لا کذب۔ انا ابن عبدالمطلب پھر آپ نے ایک جانب نظر ڈالی اور پکارا۔ یامعشر الانصار۔ جواب آیا لبیک دوسری جانب آواز دی۔ یامعشر المہاجرین۔ جواب آیا۔ لبیک حضرت عباس نہایت بلند آواز تھے۔ آپ نے ان کو حکم دیا آواز دو۔ حضرت عباس نے آواز دی۔

یامعشر الانصار

یا اصحاب الشجرۃ

جماعت انصار اے بیعت رضوان والو۔ (جنہوں نے ایک درخت کے نیچے حدیبیہ کے موقع پر عہد کیا تھا کہ جان دیدیں گے مگر میداں سے نہیں ہٹیں گے)

ان پر اثر آوازوں کا کانوں میں پڑتا تھا کہ تمام فوج پلٹ پڑی۔ جن لوگوں کے گھوڑے یا اونٹ گھمسان کی وجہ سے مڑ نہ سکے وہ اپنی سواریوں سے کودے۔ شمشیر بکف میدان کی طرف دوڑے اور ایثار و فدائیت کے جوہر دکھانے شروع کر دیئے۔ دفعتہ" لڑائی کا رنگ بدل گیا۔ ثقیف و اہواز کے سوار بھاگ نکلے۔ جو رہ گئے ان کی گردنوں میں طوق غلامی تھا۔

اس موقع پر اس معجزہ کا بھی ظہور ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے مٹی کی ایک مٹھی اٹھا کر شاہت الوجوہ کہتے ہوئے دشمن کے لشکر کی طرف پھینکی۔ جس کی گرد ہر شخص کی آنکھوں میں پڑی جس نے اسے فرار پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ پورا لشکر چند لمحوں میں کائی کی طرح چھٹ گیا۔

ثقیف کی ایک شاخ (بنو مالک) کے جوان جم کر لڑے۔ اپنے ستر آدمی بھینٹ چڑھائے جب ان کا علم بردار عثمان بن عبداللہ مارا گیا تو وہ بھی ثابت قدم نہ رہ سکے۔

بھاگنے والوں کی کچھ ٹولیاں مقام نخلہ پہونچیں۔ درید بن صمہ کئی ہزار کی جمعیت لے کر اوطاس میں

ٹھیرا۔ آنحضرت ﷺ نے ابو عامر اشعری کو تھوڑی سی فوج دے کر اوطاس بھیجا۔ حضرت ابو عامرؓ شہید ہو گئے مگر ان کے برادر زادے حضرت ابو موسیٰ اشعری آگے بڑھ کر حملہ کیا۔ دشمن کو قتل کر کے علم اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ جیسے ہی جھنڈا گرا پوری جمعیتہ فرار ہو گئی۔ مالک بن عوف جو قائد اور سپہ سالار تھا' کئی ہزار کو اپنے ساتھ لے کر طائف پہونچا اور وہاں قلعہ بند ہو گیا۔ (۹۶۴)

غزوہ طائف

یہ وہی طائف ہے' جہاں آنحضرت ﷺ ہجرت سے پہلے تشریف لے گئے تھے تو یہاں کے مغرور رئیسوں نے بات بھی نہیں سنی تھی'قبیلہ ثقیف یہاں آباد ہے۔ بہت خوش حال ہے' بہادری میں بھی مشہور ہے۔ اپنے آپ کو قریش کا ہم پلہ اور پورے عرب کی ناک سمجھتا ہے۔ طائف کا مضبوط قلعہ پہاڑ پر ہونے کی وجہ سے ناقابل تسخیر ہے اور ایک مضبوط دیوار شہر کے چاروں طرف گھوم رہی ہے جس کی وجہ سے پورا شہر محفوظ ہے۔

ہوازن کا سپہ سالار مالک بن عوف نصری حنین میں شکست کھا کر اپنی پوری فوج کو لے کر یہاں پہنچ گیا ہے۔ قلعہ کو زیادہ مستحکم اور شہرپناہ کی مرمت کر کے اس کو بھی قلعہ بنا لیا ہے۔ طائف کا یہ علاقہ خود بھی زرخیز ہے اس کے علاوہ غلہ اور جملہ سامان خورد نوش اتنا فراہم کر لیا گیا ہے کہ کئی سال کے لیے کافی ہو سکتا ہے۔

اس سے پہلے کہ یہ اقدام کر سکیں آنحضرت ﷺ نے ان کو متاثر کرنا ضروری سمجھا چنانچہ حضرت خالد بن الولیدؓ کو بطور مقدمتہ الجیش پہلے روانہ کیا پھر خود مجاہدین کی پوری فوج کے ساتھ عازم طائف ہوئے۔ حنین کے مال غنیمت اور اسیران جنگ کے متعلق حکم دیا کہ جعرانہ میں محفوظ رکھے جائیں۔ حضرت مسعود (۹۶۶) بن عمرو الغفاریؓ کو ان کا نگراں مقرر فرمایا۔

منجنیق اور دبابہ و ضبور کا استعمال

قلعہ طائف پر حملہ کے لیے مناسب آلات جنگ کی ضرورت تھی۔ منجنیق ضبور اور دبابہ۔ ترقی یافتہ آلات جنگ تھے جو قلعہ پر حملے کے وقت استعمال کیے جاتے تھے۔ جب مجاہدین اسلام نے طائف کا محاصرہ کیا تو یہ آلات ان کے پاس موجود تھے اور ان کے استعمال کا طریقہ بھی وہ سیکھ (۹۶۶) چکے تھے۔

گولہ اس وقت تک ایجاد نہیں ہوا تھا۔ بڑے بڑے پتھر منجنیق کے ذریعہ پھینکے جاتے تھے۔ دبابہ۔ چھوٹا سا برج یا مورچہ ہوتا تھا جس کے اوپر لوہا یا چمڑا مڑھا ہوا ہوتا تھا۔ فوجی اس میں بیٹھ کر قلعہ تک پہنچتے اور قلعہ کی دیوار میں نقب لگاتے تھے۔ ضبور بھی اسی طرح کا ہوتا تھا۔

حضرات مجاہدین نے قلعہ طائف پر حملہ کیا تو کچھ مجاہدین دبابہ میں محفوظ ہو کر قلعہ کی دیوار تک پہنچے لیکن اہل طائف نے لوہے کی سلاخیں گرم کر کے ان کے اوپر برسائیں۔ دبابہ پر چمڑا منڈھا (۹۶۷) ہوا تھا جو سلاخوں کی تپش برداشت نہیں کر سکا۔ ان کو واپس آنا پڑا۔ کچھ مجاہدین شہید ہو گئے۔ اس کے علاوہ قلعہ کے اوپر سے اس شدت سے تیر برسائے کہ حملہ آوروں کو پسپا ہونا پڑا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بہادران طائف سے مطالبہ کیا کہ وہ مقابلہ پر آ کر جنگ کریں۔ ان پہلوانوں نے جواب دیا۔ ہمیں مقابلہ پر آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے پاس کئی سال کا سامان خورد نوش محفوظ ہے۔ (۹۶۸)

اب شکست دینے یا کسی گفتگو پر آمادہ کرنے کی صورت یہ تھی کہ مالی نقصان پہونچایا جائے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ باغات کاٹ دیئے جائیں مگر اہل طائف جیسے ہوشیار تھے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج شناس بھی تھے۔ انہوں نے اللہ کا اور قریش سے اپنی قرابت اور رشتہ داری کا واسطہ دیا۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واسطہ کا احترام کرتے ہوئے حکم واپس لے لیا۔ (۹۶۹)

ایک غلام حارث بن کلدہ کسی طرح چرخی (۹۷۰) سے چمٹ کر نیچے اتر آئے اور اسلام سے مشرف ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد قرار دیا۔ طائف کے غلاموں کو اس کی خبر ہوئی تو تانتا بندھ گیا ۲۳ غلام کسی طرح نکل آنے میں کامیاب ہو گئے۔ اسلام سے مشرف ہوئے اور آزادی سے ہمکنار (۹۷۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ ایک دودھ کا پیالہ آپ کے سامنے ہے۔ ایک مرغ نے اس میں چونچ مار دی جس سے دودھ گر گیا۔ آپ نے خواب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بیان فرمایا۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ غالباً" یہ قلعہ ابھی فتح نہیں ہو گا۔ (۹۷۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نوفل بن (۹۷۳) معاویہ دیلمی کو بلا کر ان سے دریافت فرمایا کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ نوفل نے عرض کیا یارسول اللہ لومڑی اپنے بھٹ میں ہے۔ کوشش کی جائے گی تو پکڑ لی جائے گی۔ اگر چھوڑ دی جائے تب بھی کوئی اندیشہ نہیں (۹۷۴) ہے۔ لومڑی کو پکڑنے کی کوشش میں مدت صرف کرنا اور محاصرہ کو مطول دینا کسی کشور کشا فاتح کا کام ہو سکتا ہے۔ لیکن خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جو دلوں کو فتح کرنے اور ان کو راہ حق پر لگانے کے لیے آئے تھے وہ اتنا وقت نہیں دے سکتے تھے اور اس حملہ کا مقصد حاصل ہو چکا تھا کہ اہلِ طائف کے حوصلے پست ہو گئے تھے اور مسلمانوں پر حملہ کر دینے کا خطرہ جاتا رہا۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محاصرہ اٹھا لینے کا حکم فرما دیا۔

اس وقت بعض صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ان کے لیے بددعا کر دیجئے۔ یہ صاحب منجنیق اور دبابہ کے بجائے دعائے مستجاب سے ان پر بربادی نازل کرانا چاہتے تھے۔ مگر ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعاء کے بجائے دعا فرمائی۔ اللھم اھد ثقیفا وایت بھم (۹۷۵) اے اللہ ثقیف کو ہدایت دے اور ان کو لے آ۔ یہ دعا قبول ہوئی۔ طائف کے رئیس اعظم عروہ بن مسعود (۹۷۶) تو لشکر اسلام کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گئے اور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابھی مدینہ پہنچنے بھی نہیں پائے تھے کہ حاضر ہو کر اسلام سے مشرف ہوئے ان کے بعد ثقیف کا ایک وفد مدینہ منورہ حاضر ہوا۔ انہوں نے چند روز قیام کر کے مسلمانوں کے طور طریق دیکھے اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ ہوازن کا قائداعظم اور اہل ہوازن کی طرف سے جنگ حنین کا فیلڈ مارشل مالک بن عوف نصری بھی ایک جماعت لے کر آیا اور تاج اسلام سر پر رکھا۔ رضی اللہ عنہم۔

مال غنیمت کی تقسیم اور صنادید قریش کو انعامات

طائف سے فارغ ہو کر آنحضرت ﷺ جعرانہ تشریف لائے جہاں مال غنیمت محفوظ تھا قاعدہ کے مطابق چار حصے مجاہدین کو عطا فرمائے۔ ہر ایک مجاہد کے حصہ میں چار اونٹ اور چالیس بکریاں آئیں۔ جن کے پاس گھوڑے تھے ان کو دو دو سہام مزید دیئے گئے تو ان کے حصہ میں فی کس بارہ اونٹ اور ایک سو بیس بکریاں آئیں (۹۷۷)۔ ایک خمس جو باقی رہ گیا تھا جس کی تقسیم آنحضرت ﷺ کی صوابدید پر تھی۔ اس میں سے آپ ﷺ نے قریش کے انہیں روسا کو جو اسلام کی مخالفت میں سرگرم رہے تھے اور اب اسلام کے قائل ہو گئے تھے بڑی فراخ حوصلگی سے بڑے بڑے انعامات عطا فرمائے۔ مثلاً" قریش کے سردار اعظم ابوسفیان اور اس کی اولاد کو تین سو اونٹ۔ حضرت حکیم بن حزام کو دو سو۔ نضیر بن حارث بن کلدہ ثقفی' صفوان بن امیہ۔ قیس بن عدی۔ سہیل بن عمرو حویطب بن عبدالعزیٰ اقرع بن حابس' عیینہ بن حصین وغیرہ روسا اور سرداران قریش کو سو سو اونٹ۔ ان کے سوا بہت سے لوگوں کو پچاس پچاس اونٹ عطا فرمائے۔ جو اعرابی موجود تھے ان کو بھی آپ ﷺ نے عطیات بخشے مگر وہ زیادہ کا مطالبہ کرنے لگے اور آنحضرت ﷺ کو سب طرف سے گھیر لیا۔ آنحضرت ﷺ پیچھے ہٹتے ہٹتے ایک درخت کے تنہ سے جا لگے۔ ان اعرابیوں نے آپ ﷺ کی چادر بھی چھین لی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر میرے پاس جنگل کے درختوں کی برابر اونٹ ہوں تو وہ بھی میں آپ کو تقسیم کر دوں۔ آپ مجھے نہ کبھی بخیل پائیں گے نہ بزدل اور نہ سخت مزاج۔ مگر اس وقت جو کچھ موجود تھا وہ تقسیم ہو چکا ہے۔ اب مہربانی کرو' میری چادر واپس دیدو۔ (۹۷۸)

حضرات انصار رضی اللہ عنہم کا تاثر اور آنحضرت ﷺ کی طرف سے دلداری

وہ غیر معمولی انعامات جن کی تفصیل پہلے گذری' عموماً" اہل مکہ کو دیئے گئے جو جدید الاسلام تھے اور چند روز پہلے تک مسلمانوں کے خلاف رہے تھے۔ کچھ انصاری نوجوانوں کو اس کا احساس ہوا۔ کسی نے کہا "آنحضرت ﷺ نے قریش کو انعامات دیئے اور ہمیں محروم رکھا۔ حالانکہ ہماری تلواروں سے اب تک خون

قریش کے قطرے ٹپک رہے ہیں" کوئی بولا "مشکلات میں ہم اور انعام دوسروں کو" اس کی کن فن آنحضرت ﷺ کو پہونچی تو آپ ﷺ نے حضرات انصار کو طلب فرمایا۔

ایک چرمی خیمہ نصب کیا گیا۔ جس میں صرف حضرات انصار ہی حاضر تھے۔ آپ ﷺ نے انصار کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ یہ کیا باتیں مجھ تک پہنچ رہی ہیں؟ حضرات انصار نے عرض کیا بیشک ہم نے بھی یہ باتیں سنی ہیں۔ مگر یہ صرف ناسمجھ نوجوانوں کی باتیں ہیں' ہمارے کسی ذمہ دار نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ حضرات انصار۔ کیا یہ صحیح نہیں کہ تم گمراہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ تمہیں ہدایت بخشی۔ تم میں پھوٹ تھی۔ ایک دوسرے سے جدا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ تم میں اتفاق پیدا کیا۔ تم مفلس تھے۔ اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ تم کو دولت مند کیا۔

آنحضرت ﷺ یہ خطاب فرما رہے تھے اور حضرات انصار (رضی اللہ عنہم) ایک ایک فقرہ پر کہتے جاتے تھے۔ اللّٰہ و رسولہ امن اللہ کے اور اس کے رسول کے احسانات بہت زیادہ ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا۔ نہیں۔ تم کہہ سکتے ہو۔ لوگ آپ ﷺ کی تکذیب کرتے تھے' ہم نے تصدیق کی جب آپ ﷺ کو لوگوں نے پناہ نہیں دی' ہم نے پناہ دی۔ آپ ﷺ خالی ہاتھ تھے' ہم نے آپ کی ہر طرح مدد کی۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا' تم یہ جواب دیتے جاؤ اور میں کہتا جاؤں گا سچ کہتے ہو۔ لیکن اے انصار کیا یہ تمہیں پسند نہیں کہ لوگ بکریاں اور اونٹ لے جائیں اور تم محمد رسول اللہ ﷺ کو لے کر اپنے گھر لوٹو۔ اے انصار۔ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار ہی کا ایک فرد ہوتا۔ لوگ کسی وادی میں جائیں میں انصار کی وادی ہی میں رہوں گا۔ انصار میرا پیراہن ہیں (میرا پوست) دوسرے لوگ عبا ہیں (جو کرتے کے اوپر بدن سے الگ رہتا ہے۔)

یہ فقرے لسان رسالت سے صادر ہوئے۔ حضرات انصار بے اختیار چیخ اٹھے۔ ہم کو صرف محمد رسول اللہ ﷺ درکار ہیں۔ بہت سوں کا یہ حال ہوا کہ روتے روتے داڑھیاں تر ہو گئیں۔ پھر آپ ﷺ نے حضرات انصار کو سمجھایا کہ مکہ کے لوگ جدید الاسلام ہیں۔ میں نے جو کچھ دیا حق کی بنا پر نہیں' بلکہ تالیف قلب اور مانوس کرنے کی خاطر دیا۔ (۹۷۹)

وفد ہوازن کی آمد غلاموں کی آزادی اور رائے عامہ معلوم کرنے کا نبوی طریقہ

تقسیم غنائم کے بعد ہوازن کا وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا' جس میں نو آدمی تھے' یہ اسلام سے مشرف ہوا' پھر اپنے مال و سامان اور اپنے اہل و عیال کی واپسی کی درخواست کی۔ آنحضرت ﷺ کی رضاعی والدہ حلیمہ سعدیہ اسی قبیلہ کی تھیں۔ اسی قبیلہ کے خطیب زہیر بن صرد کھڑے ہوئے۔ عرض کیا

یارسول اللہ ﷺ ان اسیروں میں آپ ﷺ کی پھوپیاں اور آپ ﷺ کی خالائیں ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کو گود کھلایا تھا یہ ان کی کتنی بڑی خوش نصیبی ہے کہ انہوں نے آپ کو گود کھلایا' ایسے خوش نصیب آج کیسے محروم ہو سکتے ہیں۔ (۹۸۰)

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا :

سچی بات بہت پیاری ہوتی ہے۔ مجھے سچی بات بہت محبوب ہے۔ میں آپ صاحبان کا انتظار کرتا رہا۔ مایوس ہو کر میں نے مال غنیمت تقسیم کر دیا اور قیدی بھی تقسیم کر دیئے اب یہ نہ میرے رہے ہیں نہ میرے اختیار میں ہیں کہ میں حکم کر کے سب کو واپس کرا دوں۔ اب آپ دو میں سے ایک بات منظور کر لیجئے۔ مال واپس لینا چاہتے ہو یا قیدی جو غلام بن چکے ان کو واپس لینا چاہتے ہو؟

ارکان وفد نے جواب دیا :

ہم اپنے قیدیوں کو واپس لینا چاہتے ہیں۔

ارکان وفد سے یہ بات طے کرنے کے بعد آپ نے مسلمانوں کے اجتماع میں تقریر فرمائی۔ حمدوثنا کے بعد فرمایا۔ تمہارے یہ بھائی اہل ہوازن تائب ہو کر آئے ہیں میں نے ان سے طے کر لیا ہے کہ ان کو صرف ان کے قیدی واپس مل سکیں گے۔ لہٰذا ان کو ان کے اہل و عیال واپس کرنے ہیں (جو قیدی تھے اور جو تقسیم کے بعد آپ صاحبان کی ملک ہو چکے ہیں ان کو غلام کی حیثیت سے آپ بیچ بھی سکتے ہیں)

اب جو صاحب خوشی سے واپس کر (۹۸۱) دیں' بہت بہتر ہے لیکن جو اس کا عوض لینا چاہیں تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ جیسے ہی آئندہ ایسا موقع ہو گا کہ ہمارے قبضہ میں غلام آئیں ان کا معاوضہ چکا دیا جائے گا۔

مجمع سے آواز بلند ہوئی قد طیبنا ذلک یارسول اللہ ہم اس کے لیے بڑی خوشی سے تیار ہیں (یعنی بلا کسی شرط کے ان غلاموں کو آزاد کر دیں وہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ چلے جائیں)

رائے عامہ معلوم کرنے کا نبوی طریقہ

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ آپ کے اس اجتماعی جواب سے ہر ایک کے دل کی بات نہیں معلوم ہوئی کیا واقعی ہر ایک شخص بلا تکلف دل کی رضا مندی سے بلاشرط معاوضہ غلام آزاد کر رہا ہے یا دل سے راضی نہیں ہے اور محض مجمع کے لحاظ سے یہ جواب دے رہا ہے۔ لہٰذا آپ لوگ جائیں ہر ایک جماعت اور قبیلہ کے عریف (۹۸۲) میر محلہ یا قبیلہ) کا یہ کام ہے کہ فردا" فردا" ہر شخص کی رائے معلوم کرے ہمارے سامنے روداد بیان کرے۔ چنانچہ مجمع منتشر ہو گیا۔ عرفاء قبائل نے فردا" فردا" ہر شخص کی آزاد رائے معلوم کی۔ پھر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر رپورٹ پیش کی کہ ہر شخص بخوشی تیار

اور بلاشرط اپنے غلام کو آزاد کر رہا ہے۔ اس تحقیق تفتیش کے بعد آپ ﷺ نے ان چھ ہزار قیدیوں کو واپس فرما دیا۔ (۹۸۴)

جنگ تبوک یا غزوہ ذات عسرت

عیسائی طاقتوں سے سلسلہ جنگ کا آغاز

بین الاقوامی تعلقات کا ذریعہ سفارت ہی ہوتا ہے۔ یہ رشتہ اگر منقطع ہو جائے تو عالمی امن اور انسانی اخوت کا تصور بھی ناممکن ہے۔ شرجیل۔ اسی بیان الاقوامی جرم کا مرتکب ہوا تھا۔ پس وہ داعی امن و اصلاح جس کی دعوت کا ایک بنیادی اصول یہ تھا کہ "تمام انسان ایک ماں باپ کی اولاد ہیں" اس کے لیے کب ممکن تھا کہ اس کے سامنے یہ "بین الاقوامی جرم" سرزد ہو اور وہ خاموشی سے انگیز کر لے۔

"شرحبیل" "موتہ" کا رئیس ہے۔ جو شام (سوریا) کے ایک قصبہ کا نام ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ سے واپس ہو کر دنیا کے مشہور بادشاہوں اور نوابوں کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے تو آپ ﷺ نے شرحبیل کو بھی یہ شرف بخشا کہ مکتوب دعوت اس کے نام بھی بھیجا۔

حارث بن عمیر ازدی ؓ نامہ بر تھے۔ اگر یہ مغرور (شرحبیل) "دعوت حق" کو اپنے لیے توہین سمجھتا تھا تو قاعدہ کی بات یہ تھی کہ اس کی باز پرس حکومتی سطح پر اصل "داعی" یعنی (رسول اللہ ﷺ) سے کرتا۔ مگر یہ ناآشنائے تہذیب و آئین۔ یہ ہمت تو کر نہیں سکا۔ اس نے ناکردہ گناہ سفیر کو شہید کرا دیا۔ یہ ایک صریح ظلم اور کھلا ہوا غدر تھا۔ جس نے آنحضرت ﷺ کو جنگ پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے تقریباً تین ہزار مجاہدین کی فوج حضرت زید بن حارثہ ؓ کی زیر قیادت روانہ کر دی۔ ہرقل ۔ جو عیسائی ریاستوں کے بلاک کا شہنشاہ تھا' اس علاقہ میں آیا ہوا تھا۔ شرحبیل نے اس سے امداد کی درخواست کی اور ایک لاکھ فوج فراہم کر لی۔

تین ہزار کا مقابلہ ایک لاکھ سے ہوا۔ تو یکے بعد دیگرے تین کمانڈر شہید ہو گئے۔ حضرت زید بن حارثہ (محبوب رسول اللہ ﷺ) جعفر طیار (ابن عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) "عبداللہ بن رواحہ" (رفیق رسول اللہ علیہ وسلم)

حضرت خالد بن ولید ؓ ۔ تقریباً" ایک سال پہلے مسلمان ہو چکے تھے۔ ایک دستہ کی کمان ان کے بھی سپرد تھی۔ جب یہ تین قائد (جو آنحضرت ﷺ کی طرف سے اسی ترتیب کے ساتھ نامزد تھے) شہید ہو گئے تو حضرت خالد ؓ خود آگے بڑھ کر پوری فوج کی کمان سنبھال لی۔ تقریباً" ۳۶ گھنٹہ سخت مقابلہ رہا۔ حضرت خالد ؓ کے ہاتھ میں آٹھ تلواریں یکے بعد دیگرے ٹوٹ گئیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اپنی تعداد سے تقریباً"

چالیس گنی زیادہ فوج کو پسپا ہونے پر مجبور کیا اور مسلمان مجاہدین کو صحیح و سالم نکال لانے میں کامیاب ہو گئے۔

اس واقعہ کے بعد شام کے تمام قبائل عرب نے تہیہ کر لیا کہ مسلمانوں پر حملہ کر دیں اور شہنشاہ قسطنطنیہ نے بھی ان کی اعانت کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ ابھی ایک سال بھی نہیں گذرا تھا کہ شاہی فوجیں شام میں جمع ہونے لگیں۔ جس کی خبریں مدینہ پہونچیں تو آنحضرت ﷺ کے دفاعی تدبر نے فیصلہ کیا کہ ان فوجوں کو سرزمین حجاز میں داخل ہونے سے پہلے ہی روک لیا جائے چنانچہ آپ ﷺ نے تیاری کا اعلان فرما دیا۔

یہ واقعات کا ایک سلسلہ تھا مگر مشیت خداوندی کی کچھ اور حکمتیں بھی یہاں کار فرما تھیں اس موقع پر کچھ اشارہ اس طرف کر دینا بھی ضروری ہے۔

(۱) محمد رسول (ﷺ) کی بعثت صرف عرب کے لیے نہیں تھی۔ آپ ﷺ تمام اقوام عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے۔ ام القری ومن حولها۔ یعنی مکہ اور ماحول مکہ (ارض حجاز) کے بعد سب سے پہلے دائرہ رحمت میں شام کا وہ علاقہ آنے والا تھا جو دور بنو اسرائیل میں "الارض المقدسہ" رہا تھا جس کے متعلق زبور میں لکھ دیا گیا تھا۔" ان الارض یرثها عبادی الصالحون ((سورہ انبیاء ع ۷) یہ ملک! اس کے وارث ہوں گے میرے صالح بندے) اور اس کے بعد بعثت محمدی کی غرض و غائت بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوا تھا۔

وَمَا اَرسَلنَاکَ اِلَّا رَحمَةً لِلعَالَمِينَ

آپ ﷺ کی بعثت و رسالت کی غرض صرف یہ ہے کہ جملہ اقوام عالم پہ رحم ہو۔

پھر یہ غرض صرف ایک تمنا اور آرزو نہیں تھی بلکہ رب السموات والارض کی مشیت اور اس کا فیصلہ تھا کہ ایسا ضرور ہو گا۔ لیظهره علی الدین کله (تاکہ اس دین کو ہر دین پر بالا کر دے۔)

(۲) بیشک دعوت و تبلیغ فوجوں کے ذریعہ نہیں ہوا کرتی۔ مذہب کا تعلق دل سے ہے۔ دل کی گرویدگی کا نام اعتقاد ہے۔ جنگی طاقتیں مادی ڈھانچوں میں انقلاب برپا کر سکتی ہیں' دلوں کی دنیا نہیں بدل سکتیں اس کا راستہ تو صرف یہ ہے۔

اُدعُ اِلَى سَبِيلِ رَبِّکَ بِالحِکمَةِ وَالمَوعِظَةِ الحَسَنَةِ وَجَادِلهُم بِالَّتِي هِيَ اَحسَنُ.

اپنے رب کے راستہ کی طرف بلاؤ دانشمندی اور اچھی نصیحت سے اور ان سے تبادلہ خیالات بھی ایسے انداز سے کرو جو نہایت ہی بہتر ہو۔

یعنی دعوت و تبلیغ کے لیے توپوں کی گڑگڑاہٹ اور تلواروں کی جھنکار تو کیا ہوتی تبادلہ خیالات کے

متعلق بھی ہدایت یہ ہے کہ ایسی طرح ہو جو نہایت ہی حسین۔ دلکش اور پیارا ہو۔ برائی کے بدلہ میں برائی اگرچہ قانونا" درست ہے مگر دعوت و اصلاح کا مقام اس سے بہت بلند ہے یہاں انتقام تو کیا تصور انتقام بھی قابل برداشت نہیں۔ مصلح کا منشا اور نصب العین برائی کو ختم کر دینا ہوتا ہے۔ انتقام سے برائی پھیلتی ہے برائی ختم نہیں ہوتی۔ برائی جب ہی ختم ہو سکتی ہے جب برے کو اچھا بنا دو۔ دشمن کو دوست بنا لو۔

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ

(سورہ حم سجدہ)

یعنی نصب العین یہ ہو کہ دشمن دوست بن جائے' مخالف موافق ہو جائے' اس نصب العین کو سامنے رکھ کر برائی کا جواب ایسے انداز سے دو جو بہت ہی مناسب اور موزوں ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ کا طے کردہ راستہ یہی تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مختلف ممالک اور مختلف قوموں کے بادشاہوں اور سربر آوردہ لوگوں کو خطوط لکھے یا مبلغین کو بھیجا۔ ہرقل کے نام جو تبلیغی دعوت نامہ گیا تھا اس کے جواب میں "ہرقل" کا جو پہلا عمل تھا کہ اس نے سمجھنے کی کوشش کی اور دعوت دینے والے کے متعلق تحقیقات کی۔ وہ اگر اسی راستہ پر چلتا رہتا تو رحمت للعالمین ﷺ کی بعثت کا منشا' خوشگوار فضا میں کامیاب ہو جاتا۔ مگر شرحبیل نے اپنے کبر و نخوت اور اپنے عاجلانہ اقدام سے اس کا رخ سمجھنے سمجھانے کے بجائے جنگ کی طرف پھیر دیا۔

(۳) کسی ملک کی بااقتدار پارٹی۔ اگر اپنے اقتدار کی خاطر' راہ حق میں رکاوٹ ڈالتی ہے تو صرف یہی جرم نہیں کرتی کہ وہ خود سعادت ابدی سے محروم رہ جاتی ہے بلکہ وہ ہزاروں لاکھوں مخلوق جو اس کے شکنجہ اقتدار میں جکڑی ہوئی ہوتی ہے۔ وہ اس کو بھی سعادت سے محروم کر دیتی ہے۔ اسی بنا پر آنحضرت ﷺ نے ہرقل کو جو مکتوب گرامی بھیجا تھا اس میں تنبیہہ فرما دی تھی۔ فعلیک اثم الأریسین رعایا کا گناہ تمہارے سر ہو گا۔

(۴) رائے کی پابندی اور ضمیر کی لاچارگی اس سے زیادہ کیا ہو سکتی ہے کہ شرحبیل کے حلقہ اقتدار میں ایک بیرونی سفیر بھی صحیح بات نہیں کہہ سکتا۔ وہ صرف اس بنا پر قتل کر دیا جاتا ہے کہ وہ پیغام حق کا نامہ بردار کیوں بنا۔ شرحبیل سے اس کے ملک کا کوئی حصہ یا کوئی ٹیکس نہیں طلب کیا گیا تھا۔ اس کو ابدی سعادت اور اخروی نجات کا راستہ بتایا گیا تھا۔ اس کو دعوت فکر دی گئی تھی کہ وہ خود بھی اپنے حال اور مستقبل پر غور کرے اور جو اس کے زیر اقتدار ہیں ان کو بھی غور و فکر اور تبادلہ خیالات کا موقع دے۔ مگر جب بیرونی رہنما اور غیر ملکی سفیر کی قدرتی اور بین الاقوامی آزادی بھی برداشت نہیں ہو سکی تو خود اس

کے ملک کے باشندوں کی کیا حالت ہوگی جو اس کے ماتحت اور زیر دست تھے۔ بیشک ان کے جسم زنجیروں میں جکڑے ہوئے نہیں تھے مگر ان کے ضمیر اور ان کے فکر۔ یقیناً" مغلوب۔ مقہور اور ایسے جکڑ بند تھے کہ آزادی اور رائے کا تصور بھی ان کے لیے اپنی ہلاکت کے مرادف تھا۔

(۵) ایک روف رحیم جس کے دل کا ریشہ ریشہ نوع انسان کی ہمدردی۔ بیکسوں کی غم خواری۔ زیر دستوں کی امداد اور جذبہ دستگیری سے پردرد اور پرسوز ہو۔ وہ کب برداشت کر سکتا ہے کہ ابنا آدم۔ جو ایک ہی جسم آدمیت کے اعضاء ہیں اس طرح نیم جان بلکہ بے جان بنے رہیں۔ ان کی حیثیت مویشی جیسی ہو۔ جن کے کاندھوں پر جوا تو ہروقت رہتا ہے مگر ان کو آسائش زندگی کی مہلت کسی وقت بھی نہیں دی جاتی۔ غورو فکر کی تمام صلاحیتیں پامال رہتی ہیں۔ ان کا مذہب وہی ہوتا ہے جو ان کے آقا اور مالک کا اشارہ ہو۔

قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ

(یعنی ان سے جنگ کرتے رہو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور دین پورا۔ اللہ کے لیے ہو جائے)

آیہ کریمہ اسی قسم کی ظالمانہ طاقتوں کے مقابلہ میں مسلسل جنگ جاری رکھنے کا اعلان ہے۔ اس سے بڑھ کر فتنہ کیا ہو سکتا ہے کہ انسانوں کے گروہ کے گروہ صحیح فہم و فکر کی صلاحیتوں سے بھی محروم کر دیئے جائیں اور مذہب کے نام پر ان کو کچھ دیا جائے تو صرف یہ کہ وہ بندہ اقتدار بن کر رہیں۔

(۶) جب سے عربوں کو اپنی تاریخ کا علم تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ سرزمین حجاز میں ایک باضابطہ حکومت قائم ہوئی اور بیرون حجاز یمن۔ بحرین وغیرہ اس کے باجگذار ہوئے۔ لوگوں کو خیال ہو سکتا تھا کہ منزل یہی ہے۔ سفر ختم ہو چکا ہے۔ اب رخت سفر کھول دینا چاہیے۔ لیکن رحمت حق کب برداشت کر سکتی تھی کہ ارض حجاز میں رشد و ہدیٰ کی گھنگور گھٹائیں برسیں۔ یہاں کے خارستان لالہ زار بنیں اور اس کے آس پاس خلق خدا کی کھیتی پانی کے ایک ایک قطرہ کو ترستی رہے۔

(۷) پھر کیا یہ بھی ممکن تھا کہ قیصرو کسریٰ کی جبار طاقتوں اور آس پاس کے دشمن قبائل کے بیچ میں یہ نوخیز اسلامی مملکت باقی رہ سکے اور افتراق و انتشار کے اسی جہنم کا لقمہ نہ بن جائے جس کے کنارہ سے محمد رسول اللہ ﷺ نے تئیس سالہ جدوجہد کے بعد بمشکل ہٹایا (۹۸۴) تھا اور ترقی اور کامرانی کے راستہ پر لگایا تھا۔

بیشک یہ تمام طاقتیں چاہتی تھیں کہ اللہ کے چراغ کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھا دیں لیکن اس کے بالمقابل فیصلہ قضا و قدر یہ تھا کہ یہ نور بڑھے گا اور اس کی کرنیں پورے عالم کو روشن کریں گی۔

(۸) اب جو بھی اس نور حق کا گرویدہ تھا اور جو بھی یہ چاہتا تھا کہ فتح و نصرت اور غلبہ دین حق کا وہ وعدہ پورا ہو جو لیظھرہ علی الدین کلہ کے الفاظ کے ساتھ تاریخ انقلاب کی پیشانی پر کندہ کر دیا گیا تھا اس کی ایک ہی تمنا ہو سکتی تھی۔ یہ تمنا کیا ہوتی۔ کہا جا سکتا ہے کہ یہ تمنا وہی تھی جس کی عکاسی ان

آیات میں کی گئی جو اسی زمانہ میں نازل ہوئی تھیں۔ آیات ملاحظہ فرمایئے۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ (تا) وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ (سورہ توبہ)

اہل کتاب میں سے جن کا حال یہ ہے کہ نہ تو خدا پر (سچا) ایمان رکھتے ہیں' نہ آخرت کے دن پر۔ نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے (ان کی کتاب میں) حرام ٹھہرایا۔ اور نہ سچے دین پر ہی عمل پیرا ہیں تو مسلمانو! ان سے بھی جنگ کرو۔ یہاں تک کہ وہ اپنی خوشی سے جزیہ دینا قبول کر لیں اور حالت ایسی ہو جائے کہ ان کے بل ڈھیلے ہو گئے ہوں (ان کی سرکشی ٹوٹ چکی ہو) (سورہ توبہ)

یہ سورہ توبہ کے چوتھے رکوع کی آیتیں ہیں۔ جن میں یہ اعلان ہے۔ اگلے رکوع میں اس اعلان کی وجوہات تفصیل سے بیان فرمائی گئی ہیں۔ مثلاً"

(۱) ان لوگوں نے مذہبی عقائد میں تحریف کر دی۔ یہودیوں کی ایک جماعت حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "ابن اللہ" پکارنے لگے۔

(۲) ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے "احبار" علماء اور مشائخ کو پروردگار بنا لیا۔ اور

(۳) ان احبار اور رہبان (علماء مشائخ) کی حالت یہ ہے کہ ان میں بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو لوگوں کا مال ناحق اور ناروا کھاتے ہیں۔

(۴) اپنی اس نفع اندوزی اور اجارہ داری کی خاطر لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔

(۵) سونے اور چاندی کا کنز (اکتناز) کرتے ہیں۔ راہ خدا میں خرچ کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے اور طرح طرح کے حیلے بہانے کر کے سرمایہ فراہم کرتے ہیں اور "کنز" بنا کر رکھتے ہیں۔

(۶) حالانکہ خود اپنے دین و مذہب کے خلاف ان کی یہ شرمناک خصوصیتیں ہیں اس کے باوجود ان کا منصوبہ یہ ہے کہ چاہتے ہیں کہ اللہ کی روشنی اپنی پھونکوں سے بجھا دیں (اسلام اور مسلمانوں کو ختم کر دیں)۔

(۷) اللہ تعالیٰ کے طے کردہ منصوبہ کے خلاف وہ اپنا منصوبہ کامیاب کرنا چاہتے ہیں اور اسی کوشش میں رات دن مصروف ہیں۔

پہلی قسط : یہ اعلان جنگ جس کا اشارہ مذکورہ بالا آیت میں کیا گیا اس کی پہلی قسط یہ ہے۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً وَّاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ (سورہ توبہ ع ۱۶)

ان کافروں سے جنگ کرو جو تمہارے آس پاس (پھیلے ہوئے) ہیں اور چاہیے کہ (جنگ اس طرح ہو کہ وہ) تمہاری سختی (اور مضبوطی) محسوس کریں اور یہ بھی یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ ان کا ساتھی ہے جو ہر حال میں متقی ہوتے ہیں۔ سورہ توبہ ع ۱۶۔

جنگ کا نیا دور

بہرحال اس کو آنحضرت ﷺ کی دفاعی تدبیر کہیے یا اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات کی تعمیل قرار دیجیے۔ واقعہ یہ ہے کہ جنگ کا نیا دور شروع ہو رہا تھا۔ یعنی آٹھ سال پہلے جب کفار مکہ نے مدینہ طیبہ کی طرف اقدام کر کے اسلام کے پودے کو اکھاڑنا چاہا تھا۔ اور اس کے لیے جان و مال کی بازی لگا دی تھی۔ اس وقت مسلمانوں کو اجازت دی گئی تھی کہ ان حملہ آوروں کا مقابلہ کر کے ان کو ناکام و نامراد بنائیں اور اپنی مظلومیت کے ورق کو پلٹ دیں۔ اس اجازت کا سبب یہ (۹۸۵) تھا کہ۔

مسلمان بے قصور اپنے گھروں سے اور اپنے شہر سے نکالے گئے ان پر طرح طرح کے ظلم کئے گئے صرف اس جرم میں کہ یہ کیوں کہتے ہیں کہ 'ہمارا رب اللہ ہے'

اب آٹھ سال بعد یہ صورت ہے کہ بیرون حجاز کی وہ طاقت جو دنیا کی سب سے بڑی طاقت سمجھی جاتی ہے اور اس کے تمام اعوان و انصار یہ سب چاہ رہے ہیں کہ ظلم و تشدد کا بازار گرم کریں اور نور خدا کی شمع کو گل کر دیں۔ یہ عیسائی طاقتیں ہیں جو مسلمانوں کے لیے موت کے بادل تیار کر رہی ہیں۔ تنازع للبقاء اگر فطری عمل ہے تو اسی عمل فطرت کا تقاضا ہے کہ ان بادلوں کو چھانٹا جائے۔ مگر تشویش یہ ہے کہ حالات حد درجہ نازک ہیں مثلاً :

حالات کی نزاکت

(۱) بیشک مسلمانوں کی تعداد کافی بڑھ گئی ہے' تقریباً" پورا حجاز مسلمان ہو چکا ہے مگر قیصر روم کی شاہی فوجوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد اتنی ہی کم ہے۔ اور ان کی بے سروسامانی ایسی ہے جیسے غزوہ بدر میں افواج کفر کے مقابلہ میں تھی۔

غزوہ بدر میں تین سو تیرہ کا مقابلہ ایک ہزار سے تھا۔ جملہ حشم و خدم کو ملا کر مخالفین کی تعداد کسی نے تین ہزار بیان کر دی ہے اگر اس آخری عدد کو لیا جائے تب بھی ایک کا مقابلہ دس سے تھا لیکن ابھی گذر چکا ہے کہ غزوہ موتہ میں تین ہزار مسلمانوں کو ایک لاکھ سے ٹکرانا پڑا تھا۔ یعنی ایک مسلمان کو تینتیس نصاریٰ سے مقابلہ کرنا پڑا تھا۔

(۲) مسلمانوں کی تعداد کا اضافہ بھی عجیب طرح ہوا تھا۔ فتح مکہ کے بعد اچانک غیر معمولی اضافہ ہوا

قبائل عرب کے وفود مدینہ منورہ کی طرف دوڑنے لگے۔ مدینہ والوں کے مالی وسائل بہت محدود تھے۔ باہمی اشتراک و معاونت کی زندگی تھی اس کا قدرتی نتیجہ وہ تنگی و عسرت تھی جو سب پر چھائی ہوئی تھی۔

(۳) سازو سامان۔ اول تو صحرائے عرب کے باشندے جن میں زیادہ تر بدوی تھے شام اور روم جیسے زرخیز متمدن ممالک کے مقابلہ میں خود ہی مفلس اور بے زرو بے پر تھے اور خصوصیت سے اس وقت حالت یہ تھی کہ باہر سے غلہ کی آمد بند تھی جس سے قحط پڑا ہوا تھا خود مدینہ کی پیداوار یعنی کھجور۔ اس کے بھی ذخیرے ختم ہو چکے تھے۔ یعنی پہلی موسم کی کھجوریں ختم ہو رہی تھیں۔ تازہ کھجوریں درختوں پر تھیں وہ ابھی ٹوٹی نہیں تھیں ان کے توڑنے کا وقت آ رہا تھا۔

(۴) فصل کا زمانہ خوشی اور فرحت کا زمانہ بھی ہوتا تھا اور اس میں مشغولیت بھی زیادہ سے زیادہ رہتی تھی۔ دستور یہ تھا کہ باغوں والے اپنے بچوں کو باغوں میں ہی لے جاتے تھے۔ مزدوری کرنے والے بھی اکثر انہیں کے ساتھ رہتے تھے۔ یہ سب مل کر کھجوریں توڑتے پھر ان کو فروخت کرتے یا خشک کر کے ذخیرہ کے قابل بناتے تھے۔ سال بھر کی عام غذا کھجوریں تھیں اور اس کا خاص موسم یہی تھا۔ یہ اگر ہاتھ سے جاتا رہتا تو سارا سال برباد تھا۔ یہ حالات ایسے تھے جن کی وجہ سے یہ زمانہ نہایت عسرت اور تنگی کا زمانہ تھا۔ اسی وجہ سے اس جنگ کو بھی جس کا سامان اس وقت کیا گیا "غزوہ ذات عسرت" کہا گیا۔

(۵) ان سب پر مستزاد یہ کہ گرمی نہایت سخت تھی۔ گرمی بھی عرب کی گرمی۔ جس میں سفر کرنا موت اور ہلاکت سے کھیلنا تھا۔

(۶) اب تک معرکے حدود حجاز میں تھے۔ مگر یہ معرکہ سر زمین حجاز سے باہر ہونے والا تھا جس کے لیے کافی مسافت طے کرنی پڑتی اور سامان سفر بھی بہت زیادہ درکار تھا۔

اس وقت بھی ملوکیت کا سکہ چل رہا تھا اور آج بھی جب کہ جمہوریت کا دور دورہ ہے تو سلسلہ جنگ عوام کی غربت کا علاج بھی بن جاتا ہے۔ کیونکہ جب بھرتی شروع ہوتی ہے تو عموماً ضرورت مند اور فاقہ زدہ نوجوان فوج میں بھرتی ہو جاتے ہیں لیکن جس کا نام جہاد ہے جس کی تعلیم اسلام نے دی ہے وہ فوجی بھرتی سے کوئی نسبت نہیں رکھتا۔

جہاد ایک فریضہ ہے۔ اس کو نماز روزہ کی طرح فرض سمجھ کر انجام دیا جاتا ہے جس طرح نماز روزہ اور حج کے جملہ مصارف خود نمازی یا حج کرنے والے کو برداشت کرنے ہوتے ہیں جہاد کے بھی جملہ مصارف مجاہد کو اپنی ذات سے برداشت کرنے ہوتے ہیں اور صاحب استطاعت کا کام یہ بھی ہوتا ہے کہ حکومت کو چندہ دیں یا کسی غریب مجاہد کی ضروریات اپنے ذمہ لیں۔ حالات کی تبدیلی سے اگرچہ ان احکام میں تبدیلی ہوتی رہی مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں یہی طریقہ رائج رہا۔ لہٰذا عام مسلمانوں کی تنگ دستی بہت دشوار مرحلہ تھا اور قحط کے زمانہ میں تحریک ایثار کا کامیاب ہونا بہت ہی مشکل تھا۔

(۷) راہ خدا میں خرچ۔ جانی و مالی قربانیوں کا سلسلہ جو ابتدا سے چل رہا تھا اور مدینہ میں جس نے جہاد فی سبیل اللہ کی صورت بھی اختیار کر لی تھی۔ غور کیجئے وہ کس درجہ پریشان کن تھا اس پر مستزاد چند ماہ پہلے حنین و طائف کے غزوے پیش آئے تھے انہوں نے مسلمانوں کو چور کر دیا تھا۔

(۸) یہ مقابلہ بیز نطانی شاہنشاہی سے تھا جو مشرقی یورپ میں رومتہ الکبریٰ کی عظمت کی جانشین تھی اور ابھی حال میں شہنشاہ ایران کی فوجوں کو شکست دے چکی تھی۔ اس بناء پر منافقوں کو اپنی جگہ یقین تھا کہ مسلمانوں کے خاتمے کے دن آگئے ہیں۔ عبداللہ بن ابی بن سلول نے جو منافقوں کا سرغنہ تھا لوگوں کو یقین دلایا تھا کہ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سفر سے لوٹنے والے نہیں ہیں۔

غرض اس طرح کے بہت سے حالات تھے جو جنگ بدر کی تاریخ کو دہرا رہے تھے۔ ان حالات میں جس طرح اقدام کا فیصلہ وہی کر سکتا تھا جس کا حوصلہ غیر معمولی ہو۔ جس کی ہمت بہت بلند ہو۔ جس کی شجاعت بے نظیر ہو اور ان اوصاف کے ساتھ جنگ کی مہارت بھی غیر معمولی رکھتا ہو۔ یعنی آج کل کی اصطلاح میں بہترین فیلڈ مارشل ہو۔ اسی طرح اس فیصلہ کی تعمیل کے لیے بھی وہی تیار ہو سکتا تھا جو ایثار مجسم ہو۔ قرآن پاک کی اصطلاح میں جو اللہ کے ہاتھ اپنے آپ کو بیچ چکا ہو۔ اور اہل تصوف کی زبان میں رضائے مولیٰ کے لیے اپنے آپ کو فنا کر چکا ہو۔

عشق بستان و خویشتن بفروش
کہ ازیں خوب تر تجارت نیست

غالباً یہی وجہ ہے کہ کلام الٰہی نے اس موقع پر ترغیب اور ترہیب کے دونوں پہلو اس طرح واضح کیے جس کی نظیر کسی اور جگہ نہیں ہے۔ مثلاً ایک طرف ارشاد ہوا کہ ابدی سعادت مندی فلاح و بہبود اور ترقی کا مدار اس پر ہے کہ اپنا سب کچھ حتیٰ کہ رشتہ اور قرابت کی دلچسپیوں کو بھی اللہ اور رسول کے لیے قربان کر دو۔ جو کچھ ہو وہ اللہ اور رسول کا حکم اور اس کی تعمیل ہو۔ اگر ایسا نہیں کرتے تو تمہاری حفاظت اور تمہاری بقا کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاءُ كُمْ وَ اَبْنَاءُ كُمْ وَاِخْوَانُكُمْ (تا) وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ (سورہ توبہ ع ۳)

ترجمہ : اے اللہ کے رسول آپ مسلمانوں کو بتا دیجئے کہ۔ اگر ایسا ہے کہ تمہارے باپ تمہارے بیٹے۔ تمہارے بھائی۔ تمہاری بیویاں تمہاری برادری (خاندان) تمہارا مال جو تم نے کمایا ہے' تمہاری تجارت جس کے مندا پڑ جانے سے ڈرتے ہو۔ تمہارے رہنے کے مکانات جو تمہیں اس قدر پسند ہیں۔ یہ ساری چیزیں تمہیں اللہ سے اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہیں تو (کلمہ حق)

تمہارا محتاج نہیں انتظار کرو۔ یہاں تک کہ جو کچھ خدا کو کرنا ہے وہ تمہارے سامنے لے آئے اور اللہ تعالیٰ کا (مقررہ قانون ہے کہ وہ) فاسقوں پر کامیابی اور سعادت کی راہ نہیں کھولتا (سورہ توبہ ع ۳)

یہاں آٹھ چیزوں کا ذکر کیا ہے۔ غور کرو گے تو ایک متمدن زندگی کے تمام علائق ان میں آ گئے ہیں۔ نیز جس ترتیب سے ذکر کیا تعلقات کی گرفت کا سلسلہ کچھ اسی طرح درجہ بدرجہ چلتا ہے۔ فرمایا۔ انسان کی شہری زندگی کی الفتوں کے بڑے رشتے یہی ہیں اور اپنی جگہ سب مطلوب اور ضروری ہیں۔ لیکن اگر محبت ایمانی میں اور ان میں مقابلہ ہو جائے تو پھر مومن وہ ہے جس پر ان تمام الفتوں میں سے کسی الفت کا بھی جادو نہ چل سکے اور کوئی تعلق بھی اسے اتباع حق سے نہ روک سکے۔

یہ ترہیب (دھمکی) کا پہلو تھا۔ ترغیب کے سلسلہ میں ارشاد ہے :

مَاكَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِنَ الْاَعْرَابِ (تا) اَحْسَنَ مَاكَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (سورہ توبہ ع ۱۵)

ترجمہ : مدینہ کے باشندوں اور ان اعرابیوں کو جو اس کے اطراف میں بستے ہیں لائق نہیں تھا کہ اللہ کے رسول کا ساتھ نہ دیں اور پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ بات لائق تھی کہ اس کی جان کی پرواہ نہ کرکے۔ محض اپنی جانوں کی فکر میں پڑ جائیں۔ اس لیے کہ اللہ کی راہ میں انہیں جو مصیبت بھی پیش آتی وہ ان کے لیے ایک نیک عمل شمار کی جاتی۔ ہر پیاس جو وہ سہتے' ہر محنت جو وہ اٹھاتے' ہر مخمصہ جس میں وہ پڑتے۔ ہر وہ قدم جو وہاں چلتا جہاں چلنا کافروں کے لیے غیظ و غضب کا باعث ہوتا۔ ہر وہ چیز (جو مال غنیمت میں) دشمنوں سے پاتے (یہ سب کچھ ان کے لیے عمل نیک لکھا جاتا۔ کیونکہ) اللہ نیک کرداروں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتا۔ اور اس طرح اللہ کی راہ میں جو رقم بھی وہ نکالتے۔ چھوٹی یا بڑی اور جو میدان بھی وہ طے کرتے اس کی نیکی ان کے نام لکھی جاتی۔ تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کا انہیں بہتر سے بہتر اجر عطا فرمائے۔

پختہ مغزان عشق اور مردمان خام

ناز پروردہ تنعم نہ برد راہ بدوست
عاشقی شیوہ رندان بلاکش باشد

ایک داغ بیل۔ ایک امتیاز و تفریق

غزوہ بدر کو اللہ تعالیٰ نے یوم الفرقان فرمایا۔ یعنی اس روز اگرچہ سخت مقابلہ ہوا۔ اور کچھ اس طرح ہوا کہ مسلمان اتنے سخت مقابلہ کے لیے پہلے سے تیار نہیں تھے۔ مگر نتیجہ یہ ہوا کہ ایک جماعت نکھر کر سامنے آ گئی۔ جس کے ایثار اور عزم و استقلال نے ثابت کر دیا کہ زندگی اس کی ہے۔ زندہ رہنے کا حق اس کا ہے۔ صنادید قریش اور کفار مکہ اس کے مستحق نہیں ہیں۔

یہ خداوندی فیصلہ جو غزوہ بدر کے موقع پر ہو گیا تھا اس کا ظہور تقریباً" چھ سال بعد ہوا۔ جب لشکر اسلام کے دستے امن کا پرچم لہراتے ہوئے' سیدالانبیاء ﷺ کی زیر قیادت حرم مکہ میں داخل ہوئے۔

آج جب کہ فاتحین مکہ کے لشکر حدود حجاز سے گذر کر "الارض المقدسہ" کا رخ کرنے والے ہیں اور وقت آ رہا ہے کہ وعدہ خداوندی "لیظهره على الدين كله" کا ظہور ہو۔ ایک ایسے ہی "فرقان" کی ضرورت ہے جو کھرے کو کھوٹے سے جدا کر دے۔

اور بیشک آج آفتاب رسالت نصف النہار پر تھا۔ اس آفتاب کے ہوا خواہ جذبات عشق و محبت میں کچھ ایسے وارفتہ تھے کہ ان کو اس تصور سے بھی وحشت ہوتی تھی کہ یہ آفتاب غروب ہونے والا ہے۔ مگر وہ خدا جس نے اس آفتاب درخشاں کو پروان چڑھایا تھا اس کے علم میں تھا کہ فریضہ نبوت و رسالت مکمل ہو چکا ہے۔ اب ان ہوا خواہ جان نثاروں کی ڈیوٹی ہے کہ ان شرائط کو انجام دیں جو "ظہور دین" یعنی کلمہ حق کی فتح اور کامرانی کے لیے ضروری ہیں۔ اس موقع پر اور بھی زیادہ ضروری تھا کہ کھرے اور کھوٹے میں امتیاز ہو جائے تاکہ جو کھرے ثابت ہوں ان کو آئندہ کا منصوبہ سمجھا دیا جائے اور اس کے شرائط لوازمات سے ان کو آگاہ کر دیا جائے۔

یہ غزوہ جس کی تیاری ان نازک حالات میں بڑے ولولہ اور جوش سے کی گئی اگرچہ اس میں جنگ کی نوبت نہیں آئی لیکن اس کا عظیم الشان فائدہ یہی ہوا کہ کھرے اور کھوٹے میں امتیاز ہو گیا۔ مستقبل کا راستہ صاف ہو گیا اور اس پروگرام کی تلقین ہو گئی جس پر جاں فروشان حق کو چلنا تھا۔

آپ ابتداء کے چار رکوع چھوڑ کر سورہ توبہ کے باقی رکوع آخر تک پڑھ جائیے اور ان پر گہری نظر سے غور فرمائیے۔ معلوم ہو گا ایک منصوبہ سامنے ہے قدرت کا ایک تھرمامیٹر کار فرما ہے جو مردمان خام کو پختہ کاروں سے جدا کر رہا ہے۔ اور پختہ کاروں کو ایک طویل سفر کے لیے آمادہ کر رہا ہے۔ یہی نازک حالات جو اقتصادی اور معاشی لحاظ سے درپیش ہیں ایک کسوٹی ہیں اسی کسوٹی پر پرکھا جا رہا ہے اور فیصلہ لکھا جا رہا ہے۔

اس وقت جو جذبات اور رجحانات بے اختیار ابھر رہے ہیں وہ انہیں کو جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے

ہیں چار حصوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔

(۱) منافق۔ جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے اور ممکن ہے اپنی جگہ وہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے بھی ہوں۔ لیکن ان کے رجحانات اسلام کے برعکس تھے۔ یہ رجحانات کوششوں کی شکل میں نمایاں بھی ہوتے تھے۔ مگر یہ کوششیں خفیہ ہوتی تھیں۔ وہ دانستہ ہوں یا دوسروں کے فریب میں آ کر اس وجہ سے سرزد ہوئی ہوں کہ ان کو فطری طور پر تعمیر سے زیادہ تخریب سے دلچسپی تھی۔

(۲) عمل میں کمزور

(۳) ایمان و عمل میں پختہ مگر اس وقت کچھ غلطی ہو گئی۔

(۴) اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ اور ان کے ساتھی اور پیرو۔

اس موقع پر یہ دوبارہ سمجھ لیجئے کہ اسلام جس جہاد کی تعلیم دیتا ہے وہ یہ نہیں ہے کہ آپ نمبر اول کی جنگی طاقت فراہم کر کے دشمن پر ٹوٹ پڑیں اور اس کا خاتمہ کر دیں۔ ممکن ہے نتیجہ یہی ہو کہ دشمن ختم ہو جائے۔ مگر جہاد کی بنیاد اس جذبہ پر نہیں ہے کہ کسی قوم کو ختم کرنا نصب العین ہو۔ جہاد کی بنیاد عشق و محبت اور جذبہ فدائیت پر ہے۔ جہاد خود آپ کی آزمائش ہے کہ آپ نفسانی اغراض سے کہاں تک بلند ہو چکے ہیں۔ خود آپ کے اخلاص و للہیت کی گہرائی کہاں تک ہے۔ آپ جو دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ متقی ہیں' اس دعویٰ میں آپ کہاں تک سچے ہیں۔ کیا غیظ و غضب کے وقت بھی آپ کا قدم طریق اعتدال پر قائم رہتا ہے کیا وہاں بھی آپ محرمات الہیہ کا احترام کرتے ہیں جہاں جنگ کے عام قاعدوں کے لحاظ سے وحشت و بربریت کی عام اجازت ہوتی ہے اور جہاں فوجیوں کی دلچسپی کی خاطر عصمت و عفت کے الفاظ بے معنی بنا دیئے جاتے ہیں۔ کیا اس موقع پر بھی آپ عہد و پیمان کے پابند رہتے ہیں جہاں کمزور کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کا آپ کو موقع مل رہا ہو۔

آپ نے پڑھا۔ اس موقع پر قرآن پاک میں ارشاد ہوا کہ۔

"تم ان کافروں سے جنگ کرو جو تمہارے اردگرد پھیلے ہوئے ہیں" تو اس حکم کے ساتھ ساتھ یہ تنبیہہ بھی ضروری سمجھی۔

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ

یعنی اپنے اقدامات اور اپنی کوششوں میں خدا کی نصرت اور مدد شامل حال دیکھنا چاہتے ہو تو یہ اسی وقت ممکن ہے جب تم خود متقی ہو یعنی حدود الہیہ' ضابطہ اخلاق اور قوانین شریعت کے پورے پابند ہو۔

بہرحال خوف خدا' ایثار' فدائیت' اخلاص' للہیت' احکام الٰہی کی پابندی تقویٰ اور پرہیزگاری یہی معیاری اوصاف ہیں جن کی بنیاد پر مذکورہ بالا چار درجے قائم کیے گئے اب ہر ایک درجہ کا کردار ملاحظہ فرمائیے جس کو قرآن حکیم میں پیش کیا گیا ہے تاکہ دودھ اور پانی الگ الگ ہو جائے۔

(ا)منافقوں کا کردار

منافقوں نے طرح طرح کے حیلے بہانے کر کے اس سفر سے جان بچائی۔

(ا) کوئی کہتا۔ ویسے تو مجھے چلنے میں کوئی عذر نہیں۔ مگر مشکل یہ ہے کہ دور کا سفر ہے اور فلاں کام فوری درپیش ہے۔ فلاں بات ناقابل حل ہے۔ فلاں الجھاؤ سلجھایا نہیں جا سکتا۔ اب جیسا آپ کا حکم ہو۔ مقصود یہ تھا کہ کسی بہانہ آنحضرت ﷺ کی زبان سے اجازت حاصل کر لیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ پیغمبر اسلام (ﷺ) کے اخلاق ایسے نہیں ہیں کہ کسی کو مجبور کر کے ساتھ لے جائیں۔ ان کی رحمت و رافت ہمیشہ رسی ڈھیلی چھوڑ دیتی ہے۔ وہ لامحالہ یہی فرمائیں گے کہ مجبور ہو تو نہ جاؤ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آنحضرت ﷺ ان کے حیلے بہانے سنتے پھر یہ دیکھ کر کہ وہ بخوشی چلنے کے لیے تیار نہیں ہیں فرما دیتے۔ اچھا نہ جاؤ۔ تمہیں رخصت ہے۔ ان میں سے بعضوں نے بات بنانے کے لیے یہ بھی کہا کہ مال حاضر ہے لے لیجئے۔ مگر نکلنا دشوار ہے۔

سورہ توبہ چھٹے اور ساتویں رکوع میں انہیں بہانہ بازوں کو بے نقاب کیا گیا ہے ارشاد ہوا ہے۔

اگر کوئی بات ایسی ہوتی کہ فوری فائدہ دکھائی دیتا اور سفر بھی دور کا نہ ہوتا (تو ان کے نفاق پر پردہ پڑا رہتا) وہ بلا تامل تمہارے پیچھے ہو لیتے (ظاہر میں حکم کی تعمیل کرتے۔ مگر دل میں دنیا کی طمع اور مکر و فریب کی چالیں ہوتیں اور وقت پر دھوکہ دیدیتے جیسے احد وغیرہ میں ایسا کر چکے تھے مگر یہاں مشکل یہ آن پڑی کہ معاملہ نکل آیا عرب سے باہر دور دراز کا) یہ مسافت ان کے لیے بعید ہو گئی ہے اور یہ راہ ان کو دور معلوم ہو رہی ہے (تب بھی تم دیکھو گے کہ یہ) قسمیں کھا کھا کر مسلمانوں سے کہیں گے۔ اگر ہم مقدور رکھتے تو ضرور تمہارے ساتھ نکلتے۔

ملاحظہ ہو آیت کریمہ

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا (تا) مَعَكُمْ (سورہ توبہ ع ۶)

معیار کتاب اللہ نے اس موقع پر مومن اور منافق کی تفریق یہ کی کہ مومن حیلہ بہانہ اور تردد تذبذب سے ناآشنا ہوتا ہے۔ (آیت کریمہ لایستاذنک الذین۔ الایت کا ترجمہ یہ ہے) جو لوگ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں وہ کبھی آپ سے اجازت کے طلبگار نہ ہوں گے کہ اپنے مال سے اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں (یہ ان کا نصب العین اور مقصود زندگی ہے۔ اس میں اجازت لینے کا کیا مطلب؟ اور معذرت کا کیا موقع) اور اللہ جانتا ہے کون متقی ہیں (ہاں حیلہ و بہانہ اور

تردد و تذبذب منافق کی خصوصیت ہے' چنانچہ) آپ سے اجازت وہی طلب کرتے ہیں جو اللہ اور آخرت پر صحیح ایمان نہیں رکھتے۔ ان کے دل میں شک پڑ گئے ہیں وہ ریب اور تردد کے مرض میں مبتلا ہیں (عزم اور فیصلہ سے محروم ہیں) (سورہ توبہ ع ۷)

(۲) ایک صاحب تھے "جد بن قیس" منافقوں کی ایک ٹولی کے سردار۔ آپ نے اپنا عذر تقویٰ اور طہارت کے رنگ میں پیش کیا۔ آپ نے فرمایا میں عورتوں کے معاملہ میں بہت کچا ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ بنو اصفر (رومیوں کی سفید فام) عورتوں کو دیکھ کر مفتون اور بے قابو نہ ہو جاؤں۔

اسی طرح کے بے ہودہ عذر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسی رکوع میں ارشاد ہے۔

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّقُوۡلُ ائۡذَنۡ لِّىۡ الاٰية

کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں مجھے اجازت دیجئے کہ (گھر میں بیٹھا رہوں) اور فتنہ میں نہ ڈالئے"

قرآن حکیم نے اس کے جواب میں اعلان کیا ہے کہ یہ خود فتنہ میں پڑ گئے ہیں اس سے بڑھ کر فتنہ کیا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنۡفِرُوۡا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوۡا بِاَمۡوَالِكُمۡ وَاَنۡفُسِكُمۡ (ع سورہ توبہ)

ہلکے ہو یا بوجھل جس حال میں بھی ہو نکل کھڑے ہو اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔

اور اس شخص کی حالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو نہیں سنتا اور اداء فرض سے منہ موڑ کر گھر میں بیٹھ رہا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور فتنہ کیا ہو سکتا ہے۔

(۳) تمام منافقوں کے متعلق تو یہ کہنا درست نہیں ہے کہ وہ بیرونی دشمنوں سے ساز باز رکھتے تھے اور مدینہ طیبہ میں وہ جاسوسوں (اور پانچویں کالم والوں) کا کام کرتے تھے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ کچھ لوگ وہ تھے جو "ابو عامر راہب" سے تعلق رکھتے تھے اور اس کی ساری تجویزوں کو کامیاب بنانے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔

ابو عامر راہب

غزوہ احد کے سلسلہ میں اس کا نام خاص شہرت رکھتا ہے۔ کیونکہ اسی کی تجویز تھی کہ میدان جنگ کے جس حصہ میں مسلمان پہنچنے والے ہوں وہاں گہرے گڑھے کھودے جائیں اور ان پر معمولی پٹاؤ ڈال کر ان کو ہموار کر دیا جائے اسی قسم کا ایک نامعلوم گڑھا تھا۔ جس میں آنحضرت ﷺ گر گئے تھے۔

یہ ابوعامر قبیلہ خزرج کا ایک آدمی تھا جو ظہور اسلام سے پہلے عیسائی ہو گیا تھا مذہبی کاموں میں اس کی سرگرمیاں یہاں تک نمایاں تھیں کہ اس کو راہب کہنے لگے اور یہ خطاب گویا اس کے نام کا جز بن گیا۔ مدینہ کے لوگ اس سے کافی متاثر تھے اور ایک تجویز یہ تھی کہ اوس اور خزرج کی باہمی جنگ ختم ہو جائے تو اس کو سردار اور بادشاہ تسلیم کیا جائے۔ لیکن اوس اور خزرج کے اصحاب بصیرت نے جب اپنی نجات اسلامی تعلیمات میں دیکھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ کے "دامن رحمت" سے وابستہ ہو گئے تو ابوعامر کو بادشاہ بنانے کی تجویز ختم ہو گئی۔ ابوعامر کے لیے یہ ایک حادثہ عظیم تھا اور جب اسلام کی ٹہنی سرزمین مدینہ میں ایک درخت بن کر اپنا سایہ سب طرف ڈالنے لگی تو "ابوعامر" اس کو برداشت نہیں کر سکا۔ وہ اسلام کے خلاف سازش میں مصروف ہو گیا۔ پہلے قریش مکہ کا ساتھ دیا۔ پھر شہنشاہ قسطنطنیہ کے پاس پہونچا اور اسے مسلمانون کے خلاف حملہ کے لیے بھڑکایا۔ ممکن ہے شرحبیل کی یہ برافروختگی کہ اس نے بلا سوچے سمجھے آنحضرت ﷺ کے سفیر کو شہید کر ڈالا۔ اسی ابوعامر کی اشتعال انگیزی کا نتیجہ ہو۔

بہرحال شرحبیل کے اس واقعہ سے' پھر غزوہ موتہ کے واقعہ سے اس کو سازش کا موقع بہت اچھا مل گیا تھا۔

پھر جس طرح وہ شہنشاہ قسطنطنیہ کو حملہ پر آماد کر رہا تھا اس نے یہ بھی کوشش کی کہ قلب مدینہ میں اس کا ایک اڈہ بن جائے تاکہ سازشی کارروائیوں میں سہولت ہو۔

قبا۔ جو مدینہ منورہ سے تقریباً" تین میل کے فاصلہ پر ہے' جہاں مہاجرین کا قافلہ سب سے پہلے پہونچا تھا اور آنحضرت ﷺ نے بھی مکہ معظمہ سے آتے ہوئے سب سے پہلے یہیں قیام فرمایا تھا اور کم و بیش دو ہفتے کے اس قیام میں وہاں ایک مسجد بھی بنوائی تھی۔ اسی کے قریب کچھ لوگ رہتے تھے جن کی تعداد ایک درجن کے قریب بتائی گئی ہے۔ ان کو قبا والوں سے خواہ مخواہ بیر تھا۔ اور جب مہاجرین فی سبیل اللہ کا سب سے پہلا فرود گاہ ہونے کے باعث قبا اور اہل قبا کی عزت بڑھی تو اگرچہ یہ بارہ آدمی بھی حالات سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ مگر اس حسد اور بغض و عناد نے نفاق کی نوعیت اختیار کر لی۔ پھر جیسے جیسے اہل قبا کا درجہ اسلام میں بڑھتا رہا۔ ان کا نفاق اتنا ہی پختہ ہوتا رہا۔ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا (ان کے دلوں میں مرض ہے خدا کرے ان کا مرض اور بڑھے)

ابو عامر سے ان کا تعلق پہلے سے تھا اب جذبات کے اتحاد نے ان کو ایک دوسرے سے قریب کر دیا تھا۔ بہرحال ابوعامر نے اسی مقام کو سازش کا اڈہ بنانے کے لیے منتخب کر لیا۔ اور اب نہایت حسین تجویز مذہبی رنگ کی سوچی گئی کہ یہاں ایک مسجد بنا لی جائے۔ پہلا فائدہ تو یہ ہو گا کہ قبا والوں کی سربراہی سے نجات ملے گی۔ پھر چونکہ اب مسجد ایک ہی ہے نماز کے وقت اگر وہاں حاضری نہ ہو تو اداء فرض سے

کوتاہی کا الزام آتا ہے جس سے نفاق کا بھانڈا پھوٹتا ہے۔ مسجد اگر الگ ہوگی تو غیر حاضری چھپی رہے گی اور نماز اپنے اختیار کی ہو جائے گی ضرورت ہوگی پڑھ لیا کریں گے۔ پھر مدینہ میں یا مدینہ کے ارد گرد بھی جو لوگ اس خیال کے ہیں وہ اگر مل کر بیٹھیں گے تو نماز کا بہانہ ایسا ہے کہ کوئی شبہ بھی نہیں ہو سکے گا اس طرح سازشی منصوبہ بھی کامیاب ہو سکے گا۔

مدینہ طیبہ میں کچھ مخلص صحابہ تھے جو اپنے جسمانی عذر کے باعث مسجد میں حاضر نہیں ہو سکتے تھے ان کو آنحضرت ﷺ نے بھی اجازت دیدی تھی کہ وہ گھر پر نماز پڑھ لیا کریں تو ان کی عقیدت مندی نے یہ تمنا بھی بارگاہ رسالت میں پیش کی کہ آنحضرت ﷺ ان کے مکان پر تشریف لا کر کسی جگہ نماز پڑھ لیں تو اسی بابرکت جگہ کو اپنے گھر کی مسجد (جاء نماز) بنا لیں گے۔ آنحضرت ﷺ نے یہ درخواست منظور فرمالی تھی اور ان کے مکان پر تشریف لے جا کر نفلیں پڑھ لی تھیں۔ اسی جگہ کو ان مخلصین نے سجدہ گاہ بنالیا۔

ان منافقین نے بھی یہ حرص کی اور آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ وہ ایک روز ان کی مسجد میں تشریف لے چلیں وہاں نماز پڑھ لیں تاکہ ان کی مسجد بابرکت ہو جائے مقصد یہ تھا کہ جب آنحضرت ﷺ کی جانب سے بھی اس کے مسجد ہونے کی تصدیق ہو جائے گی تو ان کا پہلو مضبوط اور شک و شبہ سے محفوظ ہو جائے گا۔

آنحضرت ﷺ کے اخلاق کریمانہ اور آپ ﷺ کی طبیعت کی وہ نرمی جس کو قرآن حکیم نے رحمت خداوندی کا مخصوص عطیہ قرار دیا ہے۔ فبما رحمة من اللہ لنت لھم" وہ ان بدنیت اور بدباطن لوگوں کے لیے بھی شفیع بن گئی۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس درخواست کو منظور فرماتے ہوئے اس وقت دوسری مشغولیتوں کے باعث معذرت فرمادی۔ البتہ وعدہ فرمالیا کہ جب غزوہ تبوک سے واپس ہوں گے اس مسجد میں پہونچ کر نماز پڑھ لیں گے۔

مسجد ضرار

یہی مسجد جس کی طویل روئداد پیش کی گئی' تاریخ اسلام میں مسجد ضرار (ضرر پہنچانے کی غرض سے بنائی ہوئی مسجد) کے نام سے مشہور ہے۔ قرآن حکیم میں اس کے لیے یہی لفظ استعمال کیا گیا ہے اور اس طویل حقیقت کو ان مختصر الفاظ میں ظاہر کیا گیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَا اِلَّا الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (سورہ توبہ ع ۱۳)

ترجمہ: اور (منافقوں میں وہ بھی ہیں) جنہوں نے اس غرض سے ایک مسجد بنا

کھڑی کی کہ نقصان پہونچائیں۔ کفر کریں۔ مومنوں میں تفرقہ ڈالیں۔ اور ان کے لیے ایک کمین گاہ تیار کر دیں جو اب سے پہلے اللہ اور اس کے رسول سے لڑ چکے ہیں۔ وہ ضرور قسمیں کھا کر کہیں گے کہ ہمارا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ کہ بھلائی ہو۔

لیکن اللہ کی گواہی یہ ہے کہ وہ اپنی قسموں میں قطعاً" جھوٹے ہیں۔ (سورہ توبہ ع ۱۳)

اس آیت میں مسجد بنانے کے چار مقصد بیان کیے گئے ہیں۔

ا۔ ضرارا۔ یعنی ان کا مطلب یہ ہے کہ قبا کے مخلص مومنین کو نقصان پہنچے کیونکہ مسجد قبا کی وجہ سے ان کو ایک عزت حاصل ہو گئی ہے۔ یہ حسد و عناد سے چاہتے ہیں کہ ان کی خصوصیت باقی نہ رہے۔

(ب) وکفرا" کفر کے مقاصد پورے ہوں۔ مثلاً" ان کو نماز سے جان بچانے کا موقع مل جائے۔

(ج) تَفْرِیقاً" بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کے لیے کیونکہ جو مسلمان اب تک ایک ہی مسجد میں نماز پڑھتے تھے اب وہ بٹ جائیں گے اور جماعت کی اس تفریق سے اور تفرقے بھی پیدا ہو سکتے ہیں بالخصوص جب منشا ہی تفریق ہو۔

(د) اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ مِنْ قَبْلُ اللہ اور اس کے رسول سے جس نے جنگ کی اس کے لیے ایک کمین گاہ مہیا کر دی جائے۔ یا اس انتظار اور اس توقع میں پہلے سے ایک جگہ بنا دی جائے کہ وہ یہاں آئیں تو ان کا ایک کمین گاہ پہلے سے تیار ہو۔

مسجد ضرار کا حشر

آنحضرت ﷺ نے اس مسجد میں نماز پڑھنے کی درخواست منظور فرمائی تھی۔ یہ درخواست اگرچہ پر فریب تھی۔ مگر آپ ﷺ کو ان کے فریب کا علم نہیں تھا۔ عالم الغیب اللہ تعالیٰ ہی ہے کوئی منصوبہ دل کی کسی گہرائی میں خواہ کتنا ہی پوشیدہ اور مخفی ہو' اللہ تعالیٰ کے علم محیط سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی سفر میں آنحضرت ﷺ کو ان کی فتنہ پردازیوں سے آگاہ کرتے ہوئے ہدایت فرما دی۔

لاتقم فیہ ابدا۔ اے نبی تم کبھی بھی اس مسجد میں کھڑے نہ ہونا۔ چنانچہ جب واپس ہوئے تو آپ ﷺ نے اس مسجد کو منہدم کرا دیا۔

امتیاز۔ اور معیار

مسجد کا معیار یہ نہیں ہے کہ عمارت نہایت خوبصورت ہے۔ اس کے مینارے اور گنبد بہت اونچے ہیں۔ خوبصورت جانمازیں یا قیمتی قالینیں اس میں بچھی ہوئی ہوں۔ مسجد کا مقصد ذکر اللہ ہے۔ کلمتہ اللہ کی بلندی' اللہ والوں کا خشوع و خضوع اس کی زینت ہے۔ مسجد کی بنیاد تقویٰ اور طہارت اور رضا الٰہی پر

ہونی چاہیے۔ کسی دنیاوی غرض سے مسجد بنائی جائے تو وہ سجدہ گاہ نہیں بلکہ فتنہ گاہ ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے جہنم کے کنارے کھوکھلی بنیاد پر کوئی عمارت کھڑی کر دی جائے کلام اللہ نے دونوں مسجدوں میں یہی امتیاز قائم کرتے ہوئے ان پاکباز صحابہ کی تعریف کی۔ ان کو نہ صرف رضاء مولیٰ بلکہ محبوب خدا ہونے کی سند عطا فرمائی جن کا مقصد یہ تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ پاک و صاف ہو جائیں۔

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ (تا) وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔ (سورہ توبہ ع ۱۳)

یہ بات کہ آپ کھڑے ہوں اور بندگان خدا آپ کے پیچھے نماز پڑھیں اس کی مستحق وہی مسجد ہے جس کی بنیاد اول دن سے تقویٰ پر رکھی گئی۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو چاہتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ ستھرے ہوں اور اللہ ان سے محبت رکھتا ہے جو زیادہ سے زیادہ ستھرا بننا چاہتے ہوں۔

(اچھا اب تم ہی بتاؤ) کیا وہ شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے خوف اور اس کی خوشنودی پر رکھی ہو۔ یا وہ شخص (بہتر ہے) جس نے ایک کھائی کے گرتے ہوئے ڈھانگ (کنارے) پر اپنی عمارت کی بنیاد رکھی بس وہ اس (تعمیر کرنے والے کو) لے کر آتش دوزخ کے گڑھے میں جا گری۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں (کامیابی و سعادت) کا راستہ نہیں دکھاتا جو ظلم کا شیوہ اختیار کرتے ہیں۔

یہ عمارت جو انہوں نے بنائی (یعنی مسجد ضرار) ہمیشہ ان کے دلوں کو شک و شبہ سے مضطرب رکھے گی (یہ کانٹا نکلنے والا نہیں) مگر یہ کہ ان کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں (کیونکہ یہ ان کے نفاق کی بہت بڑی شرارت تھی جو چلی نہیں۔ اس لیے ہمیشہ اس کی وجہ سے خوف و ہراس کی حالت میں رہیں گے) اور اللہ سب کا حال جاننے والا اپنے کاموں میں حکمت رکھنے والا ہے۔ (سورہ توبہ ع ۱۳)

(۴) ہم نے مسجد ضرار کو ختم کر دیئے جانے کی بات کچھ پہلے کہدی تاکہ یہ قصہ ختم ہو جائے ورنہ یہ بیان اس وقت کا ہو رہا تھا جب غزوہ تبوک کے لیے دعوت دی جا رہی تھی اور مجاہدین فی سبیل اللہ کے دستے کی روانگی کی تیاریاں کر رہے تھے۔ اس وقت منافقوں کا یہ کردار تھا جو اوپر کے نمبروں میں ذکر کیا گیا۔ منافق طرح طرح کے بہانے کر رہے تھے۔ اور خوش تھے کہ وہ چکمہ دینے میں کامیاب ہو گئے اور اپنی اس نمائشی کامیابی پر ایسے نازاں تھے کہ دوسروں کو بھی جان چرانے کے مشورے دے رہے تھے کلام اللہ کی مندرجہ ذیل آیتوں نے ان کی نفسیات کا نقشہ کھینچتے ہوئے بدترین نتائج سے آگاہ کر دیا ہے۔ ساتھ ہی صحابہ کرام کے کردار کو بھی اجاگر کیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلَافَ رَسُوْلِ اللّٰهِ - الآیته (سورہ توبہ ع ۱۱)

خوش ہیں منافق اس بات پر کہ رسول اللہ ﷺ کی فرمائش کے خلاف اپنے راحت کدوں اور اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے ہیں اور انہیں یہ بات ناگوار ہے کہ اپنے مال اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ انہوں نے (صرف یہی نہیں کیا کہ خود جان چرا لی بلکہ جانے والوں کی ہمتیں بھی پست کرنے لگے چنانچہ) لوگوں سے کہا کہ اس گرمی میں (گھر کا آرام چھوڑ کر) کوچ نہ کرو۔ اے پیغمبر تم کہو کہ دوزخ کی آگ کی گرمی تو اس سے کہیں زیادہ سخت ہے۔ کاش وہ بصیرت رکھتے (تو ایسی ناسمجھی کی بات نہ کہتے) اچھا یہ تھوڑا ہنس لیں۔ پھر ان کو ان بداعمالیوں کے پاداش ہیں جو یہ کماتے رہے ہیں' بہت کچھ رونا ہے۔ سورہ توبہ ع ۱۱

رفقاء رسول اللہ ﷺ کا کردار

مگر ان کوتاہ ہمت' جان چرانے والوں کے مقابلہ میں خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے صاحب ایمان رفقاء ہیں جن کی شان یہ ہے کہ وہ جانی اور مالی قربانیوں کو زندگی کا نصب العین بنا چکے ہیں ان کے دل کی چین یہی ہے اور اسی سے انؓ کے جذبات فدائیت کو سکون ملتا ہے کہ اللہ کی راہ میں جان و مال لٹاتے رہیں۔

اُولٰئِکَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ وَ اُولٰئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ- (سورہ توبہ ع ۱۱)

یہی لوگ ہیں جن کے لیے خوبیاں ہیں اور یہی ہیں کامیاب۔

عمل میں کمزور

(الف) ان میں سے کچھ وہ اعراب تھے جن کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا وَاَجْدَرُ اَنْ لَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (سورہ توبہ ع ۱۲)

اعرابی کفر و نفاق میں سب سے زیادہ سخت اور اس کے زیادہ مستحق ہیں (کہ ان کے متعلق یہ سمجھ لیا جائے) کہ ان حکموں کی انہیں خبر نہیں ہے جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کیے ہوئے (کیونکہ آبادیوں میں نہ رہنے کے سبب سے تعلیم و تربیت کا موقع

انہیں حاصل نہیں ہے) اور اللہ سب کا حال جاننے والا۔ اپنے کاموں میں حکمت رکھنے والا ہے۔

(ب) کچھ ایسے بزرگ تھے جو ایمان کے پختہ۔ مگر میدان عمل میں ان کے قدم بوجھل رہتے تھے۔ یہ اس موقع پر بھی ساتھ نہیں چل سکے مگر ان لوگوں نے حیلے نہیں تراشے۔ بہانہ نہیں کیا۔ آنحضرت ﷺ جب سفر سے واپس آئے تو ہر شخص نے صفائی سے اپنی کمزوری اور غفلت کا اعتراف کیا اور اپنی کوتاہی پر نادم ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی کہ مستحق کرامت گناہگارانند

ارشاد ربانی ہے۔

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا۔ الآیته۔ (سورہ توبہ ع ۱۱)

کچھ اور ہیں۔ جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا۔ انہوں نے ملے جلے کام کیے۔ کچھ اچھے کچھ برے۔ کچھ بعید نہیں اللہ تعالیٰ ان پر التفات فرمائے اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشے والا بڑا ہی رحمت والا ہے۔ (سورہ توبہ ع ۱۳)

امتیاز

باتیں بنانے والے منافقوں نے یہ بھی کہا تھا کہ ہم سفر سے تو معذور ہیں البتہ مالی امداد کر سکتے ہیں۔ ان کی اس مصنوعی پیشکش کو رد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت فرمائی تھی۔

آپ فرما دیجئے۔ خوشی سے خرچ کرو یا جبر و قہر سمجھ کر تمہاری پیشکش ہرگز قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ تم فاسق اور نافرمان لوگ ہو (بات یہ ہے کہ روپیہ نہیں بلکہ جذبہ صحیح درکار ہے) اور خرچ کرنے کی قبولیت سے وہ اس لیے محروم کیے گئے ہیں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے منکر ہیں (ان کا اقرار ایمان محض ظاہری ہے۔ چنانچہ ان کی نماز بھی زبردستی ہوتی ہے۔ سستی سے پیر ملتے ہوئے وہ نماز کو آتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں وہ بھی اس طرح کہ دل میں کراہیت اور ناگواری ہوتی ہے تو (دیکھو) یہ بات کہ ان لوگوں کے پاس دولت ہے اور وہ صاحب اولاد ہیں اس پر آپ تعجب نہ کریں یہ تو صرف اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مال و دولت کی راہ ہی سے انہیں دنیاوی زندگی میں عذاب دینا چاہا ہے (کہ نفاق اور بخل کی وجہ سے مال کا غم و بال جان

ہو رہا ہے اور اولاد کو اپنے سے برگشتہ اور اسلام میں ثابت قدم دیکھ کر وہ رات دن
کڑھ رہے ہیں) (باقی رہا آخرت کا معاملہ) تو ان کی جانیں اس حالت میں نکلیں گی کہ
وہ ایمان سے محروم ہوں گے۔ (سورہ توبہ ع ۷۔)

یہ ان سخن ساز منافقوں کی پیشکش کے متعلق خداوندی تنبیہات تھیں۔ ان کے مقابلے میں یہ کمزور عمل مسلمان۔ جن کو توقع دلائی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت سے محروم نہیں رہیں گے چونکہ ان کا ایمان پختہ اور جذبہ صحیح ہے لہٰذا ان کے متعلق اللہ رب العزت کی آنحضرت ﷺ کو ہدایت ہے۔

ان لوگوں کے مال سے صدقات قبول کیجئے' یہ ایک صحیح جذبہ کے ساتھ خرچ کرتے ہیں لہٰذا آپ ان کا صدقہ (یعنی ان کی سچی پیش کش قبول کریں گے تو اس کا نتیجہ ہو گا کہ ان کو بخل اور طمع کی برائیوں سے) پاک کر دیں گے (کہ صدقہ کا یہی مقصد ہوتا ہے) (اور اس طرح جذبہ خیر ترقی کرے گا) آپ اعلیٰ اخلاق کے لیے) ان کی تربیت بھی کر دیں گے (ان کو بابرکت بنا دیں گے) ساتھ ہی ان کے لیے دعا خیر بھی کیجئے (چونکہ ان کا جذبہ صحیح اور آپ سے ان کا تعلق سچا ہے تو) یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ کی دعا ان کے دلوں کے لیے راحت اور سکون ہے اور اللہ تعالیٰ (دعائیں) سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے (سورہ توبہ ع ۱۳)

ہدایت

ان ضعیف العمل مومنین کو آئندہ کے لیے ہدایت ہوئی۔

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ - الآیتہ - (سورہ توبہ ع ۱۳)

آپ فرما دیجئے۔ عمل کیے جاؤ۔ اب اللہ تعالیٰ دیکھے گا تمہارے عمل کیسے ہوتے ہیں۔ اور اللہ کا رسول بھی دیکھے گا اور مسلمان بھی دیکھیں گے اور پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ جس کے علم سے نہ کوئی ظاہری بات پوشیدہ ہے' نہ کوئی چھپی بات۔ پس وہ بتلائے گا کہ جو کچھ تم کرتے رہے اس کی حقیقت کیا تھی۔ (ع ۱۳ سورہ توبہ۔)

انداز کلام ملاحظہ ہو۔ امیدوار بنایا جا رہا ہے۔ اطمینان نہیں دلایا جا رہا مومن کی شان یہی ہونی چاہیے۔ اس کی کشتی کے ایک طرف ساحل مراد ہو' دوسری طرف خوف تلاطم' بیم و رجا کے منجدھار میں اس کا سینہ رواں رہتا ہے۔ بہت کم ایسے ہوتے ہیں کہ بشارتوں کے بعد بھی بیم و رجا کی دو آتشہ ان کو میسر رہے۔ امت کے لاتعداد مغفورین و مرحومین میں صرف دس ہی ایسے ہوئے ہیں جن کو بشارتوں سے نوازا گیا۔ آپ نے دیکھا سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ایک طرف وہ بشارتیں میسر ہیں جن کے اشارے

کتاب اللہ کی آیات میں ہیں اور جن کی تشریح صادق مصدوق رحمت عالم ﷺ کی لسان نبوت نے کی ہے دوسری جانب خود ان کے بیم ورجا اور عجزو انکساری کی حالت یہ ہے کہ درخت کو دیکھتے ہیں تو گریہ و بکا کے ساتھ فرماتے ہیں "کاش میں درخت ہوتا کہ کاٹ کر ختم کر دیا جاتا۔" خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک طرف بشارت دیدی گئی کہ یہ ممکن نہیں کہ آپ کی موجودگی میں عذاب نازل ہو۔ دوسری جانب خشیۃ اور خوف خدا کی حالت یہ ہے کہ آندھی کا طوفان آتا ہے تو گھبرا جاتے ہیں کہ یہی آندھی اور طوفان ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے قوم ہود کو برباد کیا تھا۔

این چنیں زیبا روش کمتر بود اندر جہاں

جرم عشاق اور سزائے جرم

سورہ توبہ کے اسی رکوع ۱۳ کی چھٹی آیت میں ارشاد ہوا ہے۔

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ

اور کچھ اور لوگ ہیں جن کا معاملہ اس انتظار میں کہ اللہ کا حکم کیا ہوتا ہے' ملتوی ہو گیا ہے۔ یہ اسی کے اختیار میں ہے کہ ان کو عذاب دے۔ یا ان کی توبہ قبول فرما لے۔

یہ لوگ کون تھے۔ یہ کل تین بزرگ تھے۔ مرارہ بن الربیع۔ کعب بن مالک' ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ۔

ان میں سے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ تو ان بہتر سابقین انصار میں سے تھے جنہوں نے عقبہ ثانیہ میں بیعت کی تھی اور آنحضرت ﷺ کو مدینہ تشریف لانے کی دعوت دیتے ہوئے سرکار دو عالم ﷺ کی حفاظت کی خاطر ہر طرح کی قربانی کا وعدہ کیا تھا۔

حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ اور مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہما اس بیعت میں تو شریک نہیں تھے البتہ غزوہ' بدر میں شرکت کر کے اپنی جاں نثاری کا وہ ثبوت دے چکے تھے جس کا اعتراف کلام خداوندی نے بھی کیا ہے۔ ان تینوں بزرگوں سے بھی کوتاہی ہوئی اور غزوہ تبوک میں شریک نہیں ہو سکے جب آنحضرت ﷺ واپس تشریف لائے اور ساتھ نہ جانے والے حیلے بہانے یا حقیقی عذر پیش کر کے معافی مانگنے لگے تو ان صاحبان نے کوئی عذر پیش نہیں کیا۔ بلکہ صاف صاف تسلیم کر لیا کہ ہماری سستی اور کوتاہی تھی کہ ہم اس سعادت سے محروم رہے۔

اسی پر آنحضرت ﷺ نے آیت بالا کی تعمیل کرتے ہوئے فرما دیا تھا کہ حکم الہی کا انتظار کرو۔

یہ انتظار کا حکم کیوں ہوا۔ ان کے متعلق اسی وقت کوئی فیصلہ کیوں نہیں کیا گیا۔ خود ان کی قابل قدر

خدمات اور ان کی قربانیاں ممتاز شان رکھتی تھیں۔ جس سے ان کا درجہ بھی ممتاز تھا۔ اس خصوصیت کا تقاضا تھا کہ ان کا معاملہ بھی خاص ہو۔

جن کے درجے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

عاشق صادق سے کوتاہی کیوں ہوئی۔ اس نے صدا محبوب پر کان کیوں نہیں دھرا۔ عاشق صادق اور صحرا نوردی سے اجتناب؟

اب ایک اور امتحان کی ضرورت ہو گی تاکہ سند عشق بحال ہو سکے۔ چنانچہ انتظار کرنے کے حکم کے ساتھ محبوب رب العالمین ﷺ کا حکم ہوا۔ مسلمان ان سے نہ ملیں۔ خود ان کی بیویوں کو بھی یہی حکم ہوا کہ ان سے الگ ہو کر رہو۔

چنانچہ اچانک ان صاحبوں نے اپنے آپ کو اس حالت میں پایا کہ مدینہ اور اطراف مدینہ کی پوری آبادی نے ان سے رخ پھیر لیا تھا۔ عزیز و قریب تک جدا ہو گئے۔ کوئی ان کے سلام کا جواب نہیں دیتا تھا۔ آخر جب پورے پچاس دن اس حالت میں گذر گئے تب ان کی توبہ قبول ہوئی اور کتاب اللہ کی آیات نے ان کو معافی کی بشارت سنائی (تفصیل آگے ملاحظہ فرمایئے) ان تینوں صحابیوں میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنی سرگذشت تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے۔ غور سے ملاحظہ فرمایئے اور اپنے ایمان و عمل کا جائزہ لیجئے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

تقریباً" ہر ایک غزوہ میں آنحضرت ﷺ کی ہمرکابی کا شرف مجھے حاصل رہا اس موقع پر بھی فیصلہ یہی تھا کہ موکب ہمایوں کے ساتھ چلوں گا۔ لیکن ایک کے بعد ایک دن گذرتا گیا اور میں اسی خیال میں رہا کہ یہ کام نپٹالوں تو روانہ ہو جاؤں۔ اسی طرح آج کل ہوتے ہوتے کئی دن گذر گئے۔ اتنے میں خبر اڑی کہ آنحضرت ﷺ واپس تشریف لا رہے ہیں۔ تب میری آنکھیں کھلیں۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ بہرحال سرور کائنات ﷺ واپس تشریف لے آئے اور حسب معمول پہلے مسجد میں تشریف لائے۔ جو پیچھے رہ گئے تھے وہ آ آکر معذرتیں کرنے لگے اور قسمیں کھا کر اپنی سچائی بیان کرنے لگے یہ کچھ اوپر اسی آدمی تھے۔ انہوں نے جو کچھ ظاہر کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبول فرماتے رہے اور دلوں کا معاملہ اللہ پر چھوڑتے رہے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

مجھے بھی پہلے خیال آتا تھا کہ کوئی عذر بیان کر دوں گا۔ کچھ باتیں بھی میں نے سوچ لی تھیں اور گھر کے آدمیوں سے بھی مشورہ کیا تھا۔ مگر پھر یہ سمجھا کہ رسول خدا ﷺ کے سامنے حیلے حوالے غلط ہیں جو صحیح بات ہے وہی کہنی چاہیے۔ میں یہی طے کر چکا تھا۔ اب جب اس مجلس مبارک میں یہ عذر کرنے

والے اپنے اپنے عذر بیان کر چکے تو میری باری آئی۔ میں نے سلام عرض کیا آنحضرت ﷺ مسکرائے۔ مگر مسکراہٹ خوشی کی نہیں تھی بلکہ انداز خفگی کا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ آپ کیوں رہ گئے۔ آپ تو سفر کے لیے اونٹنی بھی خرید چکے تھے۔

میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ باتیں بنانی مجھے بھی آتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قوت خطابت عطا فرمائی ہے۔ مگر معاملہ اگر کسی دنیا دار سے ہوتا تو میں کچھ باتیں بنا سکتا تھا۔ مگر یہاں معاملہ اللہ اور رسول ﷺ کا ہے۔ اگر کوئی ایسی ویسی بات کہہ کر آپ ﷺ کو راضی کر بھی لوں تب بھی خطرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو حقیقت حال سے مطلع فرما دے گا۔ پھر میں معتوب ہو جاؤں گا۔ اور اگر صحیح بات کہوں تو یقیناً" اس وقت آپ ﷺ ناراض ہوں گے مگر پھر معافی کی توقع بھی رہے گی۔

صحیح بات یہی ہے کہ کوئی عذر نہیں تھا۔ میں اچھا خاصا تندرست تھا۔ مالی سہولت بھی مجھے میسر تھی۔ یقیناً" مجھے چلنا چاہیے تھا۔ یہ یقیناً" میری سستی اور کوتاہی تھی کہ میں نہیں گیا۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ بیشک تم نے سچی بات کہی۔ اچھا جاؤ انتظار کرو دیکھو اللہ تعالیٰ کا کیا فیصلہ ہوتا ہے۔

میں نے اجازت لی اور واپس ہوا میں جیسے ہی مجلس مبارک سے نکلا کچھ لوگ میرے پیچھے لگ گئے کہ تم نے غلطی کی۔ تم بھی کوئی بات بنا دیتے۔ اس وقت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ناراض نہ ہوتے۔ پھر کسی موقع پر آنحضرت ﷺ سے مغفرت کی دعا کرا لیتے۔ مقصد حاصل ہو جاتا۔ جگ ہنسائی نہ ہوتی۔ اب کچھ لوگوں نے اس طرح ملامت شروع کی کہ مجھے خیال آیا کہ واپس جاکر کوئی بات بنا دوں۔ تاکہ ناراضگی ختم ہو۔ مگر پھر ضمیر نے اجازت نہیں دی کہ رسول خدا ﷺ کے سامنے کوئی بات بناؤں۔

میں نے لوگوں سے پوچھا کہ کیا میرے سوا کسی اور کو بھی ایسا حکم ہوا ہے۔ لوگوں نے کہا ہاں اور دو آدمیوں کو۔ مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ (رضی اللہ عنہما کو۔

اس کے بعد جب آنحضرت ﷺ کا حکم ہوا کہ ہم تینوں سے کوئی بات چیت نہ کرے تو سب نے منہ پھیر لیا۔ اچانک دنیا کچھ سے کچھ ہو گئی۔ گویا کل تک جس دنیا میں تھا آج وہ دنیا ہی نہیں رہی تھی۔ اس آزمائش میں جو دونوں میرے شریک تھے وہ گھروں میں بند ہو کر بیٹھ رہے۔ لیکن میں سخت جان تھا۔ اس حالت میں بھی روزانہ گھر سے نکلتا۔ مسجد میں حاضری دیتا۔ جماعت میں شریک ہوتا۔ پھر ایک گوشہ میں سب سے الگ بیٹھ جاتا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ نماز کے بعد سرکار دو عالم ﷺ کے قریب جاکر سلام کرتا۔ پھر اپنے جی میں کہتا۔ دیکھوں سلام کے جواب میں آپ ﷺ کے لبوں کو حرکت ہوتی ہے یا نہیں۔ آپ ﷺ گوشہ چشم سے کبھی کبھی دیکھ لیتے۔ لیکن جب میری نگاہ حسرت اٹھتی تو رخ پھر جاتا۔

بہر تسکیں' دل نے رکھ لی ہے' غنیمت جان کر
وہ جو وقت ناز کچھ جنبش ترے ابرو میں ہے

ایک دن شہر سے نکلا تو ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے باغ تک پہونچ گیا۔ یہ میرے چچیرے بھائی تھے' اور اپنے تمام عزیزوں میں زیادہ محبت انہیں سے تھی۔ مگر عجیب ماجرا دیکھا۔ میں نے سلام کیا۔ تو اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا ابوقتادہ! تم نہیں جانتے کہ میں مسلمان ہوں۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی اپنے دل میں پوری محبت رکھتا ہوں؟ اس پر بھی انہوں نے میری طرف رخ نہیں کیا۔ لیکن جب میں نے یہی بات بار بار دھرائی تو صرف اتنا کہا :

اللہ ورسولہ اعلم (اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے)

تب مجھ سے ضبط نہ ہو سکا اور آنکھیں بے اختیار آنسو برسانے لگیں۔

وہاں سے واپس ہوا تو راستہ میں ایک قبطی مل گیا۔ وہ لوگوں سے میرا پتہ پوچھ رہا تھا۔ اتفاقاً" میں سامنے آگیا تو لوگوں نے میری طرف اشارہ کر دیا۔ اس نے شاہ غسان کا خط نکال کر میرے حوالہ کیا۔ خط میں لکھا تھا۔

"ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ کے آقا نے آپ پر سختی کی ہے تم ہمارے پاس چلے آؤ۔ ہم تمہاری شایان شان قدر و منزلت کریں گے"

خط پڑھ کر میں نے کہا یہ ایک نئی مصیبت آئی۔ گویا پچھلی باتیں ناکافی تھیں کہ یہ نوبت آگئی کہ دشمنان دین مجھ سے یہ توقع رکھ رہے ہیں (معاذ اللہ)

جب اس حالت پر چالیس راتیں گذر چکیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ایک آدمی آیا۔ اور کہا حکم ہوا کہ تم اپنی بیوی سے الگ ہو جاؤ۔ میں نے کہا طلاق دیدوں کہا نہیں۔ صرف علیحدگی کا حکم ہوا۔ "ہلال" اور مرارہ" (رضی اللہ عنہما) کو بھی ایسا ہی حکم ہوا ہے۔ اس پر میں نے اپنی بیوی کو اس کے میکے بھجوا دیا۔

جب دس دن اور گذر گئے پچاس راتیں پوری ہو گئیں تو صبح کے وقت میں اپنے مکان کی چھت پر نماز پڑھ کر بیٹھا تھا اور ٹھیک وہی حالت تھی جس کی تصویر اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام شریف میں کھینچ دی ہے کہ زندگی سے تنگ آگیا تھا اور خدا کی زمین اپنی ساری وسعتوں کے ساتھ مجھ پر تنگ ہو گئی تھی۔ اچانک سنتا ہوں۔ کوئی آدمی کوہ سلع سے پکار رہا ہے۔ کعب بن مالک بشارت ہو تمہاری توبہ قبول ہو گئی۔

چہ مبارک سحرے بود و چہ فرخندہ شبے
آں شب قدر کہ ایں تازہ براتم دادند

اب لوگ جوق در جوق مجھے مبارک باد دینے دوڑے۔ ایک آدمی گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا لیکن بشارت کی آواز اس سے بھی زیادہ تیز ثابت ہوئی۔

میں مسجد میں حاضر ہوا تو آنحضرت ﷺ لوگوں کے حلقہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آنحضرت ﷺ کا قاعدہ تھا کہ جب خوش ہوتے تو چہرہ مبارک چمکنے لگتا تھا جیسے چاند مسکرا رہا ہو۔ میں نے دیکھا اس وقت بھی مسرت سے چہرہ مبارک درخشاں ہے۔ فرمایا۔ "کعب بشارت ہو' آج کا دن تمہاری پوری زندگی کا سب سے بہتر دن ہے" (صحیحین)

میں نے خوشی میں عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ میں چاہتا ہوں کہ اپنی تمام جائداد راہ خدا میں دیدوں۔ فرمایا۔ نہیں۔ سب نہیں' میں نے کہا نصف' فرمایا نہیں۔ عرض کیا اچھا میرا حصہ جو خیبر میں ہے' وہ میں راہ خدا میں دیتا ہوں۔ یہ پیشکش منظور ہوئی (بخاری شریف)

میں نے عرض کیا۔ اللہ تعالیٰ نے سچائی کی بنیاد پر قبولیت کی عزت بخشی ہے' اب میں عہد کرتا ہوں کہ کسی موقع پر بھی "قول حق" سے پہلوتہی نہیں کروں گا خواہ کتنی ہی مصیبتیں برداشت کرنی پڑیں۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا بیان ختم ہوا۔ اب وہ آیتیں جو اس موقع پر نازل ہوئیں' ان کی تلاوت سے پہلے چند سبق یاد کر لیجئے جو اس واقعہ کی روح ہیں۔

(۱) دنیا کی تاریخ پڑھو۔ کیا اس ایثار و اخلاص کی مثال مل سکتی ہے کہ ایک صاحب حیثیت جو ایسی قابلیت اور شہرت کا مالک ہے کہ دوسرے ملک کے بادشاہ اس کی آرزو رکھتے ہیں کہ وہ ان کا مشیر کار اور وزیر دربار ہو۔ اتنا اونچا شخص کس درجہ اپنے آپ کو فنا کر رہا ہے۔

(۲) یہ فنائیت اور یہ ایثار' اللہ اور رسول سے یہ عاشقانہ تعلق' صرف ایک دو کی بات نہیں بلکہ پوری فضا اسی رنگ میں رنگی ہوئی اور پورا ماحول اسی میں ڈوبا ہوا ہے۔ فرمانبرداری اور اطاعت شعاری کا یہ عالم ہے کہ جوں ہی قطع تعلق کا حکم ہوا' تمام شہر نے دفعتہ" رخ پھیر لیا چوری چھپے بھی کسی نے اس حکم کی خلاف ورزی نہیں کی' حتیٰ کہ ان کے محبوب سے محبوب عزیزوں کو بھی یہ خیال نہیں گذرا کہ ایک لمحہ کے لیے اس پر عمل نہ کریں یا کم از کم تعمیل میں نرمی یا تساہل سے کام لیں۔ ابو قتادہ کو دیکھو۔ حضرت کعب نے اپنے ایمان واسلام کا واسطہ دیا۔ یہ یقین دلایا کہ انہیں اللہ اور رسول ﷺ سے محبت ہے تو ابو قتادہ نے صرف یہی کہا۔ اللہ ورسولہ اعلم" ان تین لفظوں میں اس دور کے مسلمانوں کی پوری تصویر موجود ہے یعنی مجھے معلوم تو سب کچھ ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم پکے مسلمان ہو۔ لیکن اپنے جاننے کو کیا کروں' جاننا تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ہے اور اس کا حکم یہی ہے کہ تم سے کوئی واسطہ نہ رکھوں۔

صوفیاء کرام کے یہاں لفظ فنا بہت بولا جاتا ہے' مگر کیا ان کے حلقوں میں ایسی مثال مل سکتی ہے کہ اپنی تمام مرادیں فنا' جو باقی وہ صرف مراد محبوب باقی۔

(۳) یہ اطاعت کوئی ضابطہ پری نہیں بلکہ ایک جذبہ ہے جو فطرت بن چکا ہے۔ چنانچہ اس کی تعمیل

کے لیے نہ کوئی مادی قوت ہے۔ نہ کسی فرماں روا کی کوئی دھمکی۔ نہ کوئی عدالت نہ قانون۔ صرف ایک ذات ہے جس کے لبوں نے حرکت کی تھی اور اتنی بات سب کو معلوم ہو گئی تھی کہ اس کی مرضی یہی ہے' بس اتنی بات کا معلوم ہو جانا اس کے لیے کافی تھا کہ سب کے دل مجسم طاعت و امتثال بن گئے۔ کیا اجتماعی فدا کاری کی کوئی ایسی مثال کسی تاریخ میں مل سکتی ہے۔؟

(۴) پھر یہ بھی دیکھو کہ مسلمانوں کی باہمی اخوت و محبت کا کیا حال تھا۔ اس سختی کے ساتھ حکم کی تعمیل تو سب نے کی۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ ان تینوں ساتھیوں کی مصیبت کے غم سے کوئی دل خالی بھی نہیں تھا۔ سب کے دلوں کو لگی تھی کہ ان کی توبہ قبول ہو جائے جوں ہی قبولیت کا اعلان ہوا ایک پر ایک دوڑنے لگا کہ سب سے پہلے مژدہ کون سنائے۔ کوہ سلع پر سے جس نے پکار کر سب سے پہلے بشارت سنائی تھی حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے ان کا نام نہیں لیا۔ مگر وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ اور وہ جو گھوڑا دوڑا کر پہونچے تھے' بتایا گیا ہے کہ وہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے۔

قبولیت توبہ کی شان

چونکہ یہ تینوں حضرات مومنین بااخلاص تھے اور واقعہ یہ ہے کہ ان کے اخلاص کامل ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ ایک لغزش پر ان کو یہ غیر معمولی اور انوکھی سزا دی گئی۔ تاکہ دامن اخلاص پر جو دھبہ پڑ گیا ہے وہ پوری طرح صاف ہو جائے تو اب فضل خداوندی نے یہ بھی چاہا کہ جب یہ دھبہ مٹ چکا تو انکی مساویانہ شان پھر نکھر جائے۔ چنانچہ قبولیت توبہ کی جو آیتیں نازل ہوئیں ان کا پیرایہ یہ ہے کہ پہلے خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی لایا گیا۔ پھر مہاجرین اور انصار کا۔ اس کے بعد ان تین صاحبان کی توبہ کا ذکر کیا گیا۔ گویا ایک ہی صف ہے اور ایک ہی جماعت ہے جس میں سب سے پہلے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پھر مہاجرین و انصار ہیں پھر یہ تین صاحبان ہیں۔ اس پوری جماعت کی توبہ کو شرف قبولیت سے نوازا جا رہا ہے۔ اب یہ تینوں حضرات اس کے بجائے کہ اپنی پس ماندگی پر ماتم کریں بڑی خوشی سے کہہ سکتے ہیں۔

گدا یان را ازیں معنی خبر نیست
کہ سلطان جہان باماست امروز

اب آیات تلاوت کیجئے۔

لَقَدْ تَابَ اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ وَالْمُھَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْہُ فِیْ سَاعَۃِ الْعُسْرَۃِ مِنْ بَعْدِ مَا کَادَ یَزِیْغُ قُلُوْبُ فَرِیْقٍ مِّنْھُمْ — الآیتہ — ع

ترجمہ :۔ یقیناً" اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے پیغمبر (ﷺ) پر متوجہ ہو گیا (بقول حضرت شاہ عبدالقادر صاحب" مہربان ہو گیا) اور مہاجرین اور انصار پر جو بڑی تنگی اور بے سروسامانی کی گھڑی میں اس کے ساتھ رہے۔ اور اس وقت ساتھ رہے جب کہ حالت ایسی ہو چکی تھی کہ قریب تھا کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل ڈگمگا جائیں۔ پھر مہربان ہوا ان پر بلاشبہ وہ شفقت رکھنے والا بہت رحمت فرمانے والا ہے۔ اور (ہاں) ان تینوں شخصوں پر بھی (مہربان ہوا) جو معلق حالت میں چھوڑ دیئے گئے تھے (کہ ارشاد ہوا تھا انتظار کرو) اور (اللہ کی یہ مہربانی اس وقت ہوئی جب) زمین اپنی ساری وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی تھی اور وہ خود بھی اپنی جان سے تنگ آگئے تھے اور سمجھ چکے تھے کہ پناہ مل سکتی ہے تو صرف رحمت حق کے دامن میں اور کہیں ان کو پناہ نہیں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے نظر رحمت سے التفات فرمایا ان پر تاکہ وہ بھی خدا کی طرف رجوع رہیں (پھر آئیں) بیشک اللہ ہی ہے مہربان رحم فرمانے والا۔ (سورہ توبہ ع ۱۳۔)

ترجمہ پر دوبارہ نظر ڈالئے۔ نبی ﷺ اور مہاجرین و انصار کے ذکر میں جس طرح ایک نکتہ یہ ہے کہ ان خطا کاروں کی مساویانہ شانے پھر نکھر آئے اور کہنے لگیں کہ "سلطان جہاں باماست امروز" اسی طرح ان آیات کا اشارہ یہ بھی ہے کہ ان تین ساتھیوں کی اس لغزش یا پھر ان کے اس امتحان و ابتلاء سے سب ہی دل گرفتہ اور پریشان تھے اور سب ہی کے دل تڑپ تڑپ کر ان کے لیے دعا کر رہے تھے کہ ان کی توبہ قبول ہو اور یہ اپنے منصب عالی پر فائز ہوں' چونکہ اس درد میں سب شریک تھے تو قبول توبہ کی بشارت میں بھی سب کو شریک فرمایا گیا۔ یعنی پورا معاشرہ جس میں رسول اللہ ﷺ بھی اپنی پیغمبرانہ عظمت کے ساتھ شامل ہیں جسد واحد اور ایک جسم ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ۔

چو عضوے بدرد آورد روزگار
دگر عضو ہا را نماند قرار
(اللہ علم بالصواب)

پر شکستہ در مندان عشق

نالہ از بہر رہائی نہ کند مرغ اسیر
خورد افسوس زمانیکہ گرفتار نہ بود

یہ ان کی باتیں تھیں جو امتحان گاہ عشق میں کسی وجہ سے ناکام رہے تھے۔ اب عشاق بامراد کی باتیں

سنئے۔ ان میں کچھ وہ بھی ہیں جو فی الحقیقت کامیاب ہیں مگر بظاہر ناکام۔ ان کی آنکھیں اشکبار ہیں کہ ہم نامراد ہیں۔ اور رضا مولیٰ بشارت سنا رہی ہے کہ نہیں تم بامراد ہو۔ یہ کون ہیں۔ وہی ہیں جن کے جذبات کی تصویر تو یہ ہے۔

عش بستان و خویشتن بفروش
کہ ازیں خوب تر تجارت نیست

مگر کیفیت یہ ہے کہ کوئی آنکھوں سے معذور ہے' کوئی صحت سے مجبور ہے' کوئی پاشکستہ ہے کوئی پر شکستہ' کوئی ناتوان ہے' کوئی بے سامان' ان کے متعلق ارشاد خداوندی ہے۔

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى - الآیتہ- (تا) وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (سورہ توبہ رکوع ۱۲)

ترجمہ : ناتوانوں پر بیماروں پر اور ایسے لوگوں پر جنہیں خرچ کے لیے کچھ میسر نہیں کچھ گناہ نہیں ہے۔ بشرطیکہ اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی میں کوشاں رہیں (کیونکہ ایسے لوگ احسان نیک عملی) کے دائرہ سے باہر نہیں ہیں۔ نیک عملوں پر کوئی الزام نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ (سورہ توبہ ع ۱۲۔)

کامیابی یہ ہے کہ کلام الٰہی ان کو زمرہ "محسنین" میں شمار کر رہا ہے۔ زہے قسمت۔ اس پر ایک فاضل کا تبصرہ ملاحظہ فرمایئے۔

کوئی بات دنیا میں اس سے زیادہ عجیب نہیں ہو سکتی کہ وحشی اور بہائم صفت انسان اچانک محبت و اخلاص اور ایثار و جاں فروشی کے فرشتے بن جائیں۔ لیکن قرآن حکیم کی تعلیم نے ایسا ہی انقلاب پیدا کیا۔

اس وقت کے ناموافق حالات کا اندازہ کیجئے پھر ان درد مندان عشق کو دیکھئے کہ شدت دردو غم سے بے اختیار ہو کر رو رہے ہیں۔ کس بات پر۔ اس پر کہ عیش و راحت میں انہیں حصہ نہیں ملا۔ نہیں بلکہ اس پر کہ راہ حق کی مصیبتوں اور قربانیوں میں شریک ہونے سے رہ گئے۔ (ترجمان القرآن مختصراً)

(۲) اس کے بعد اسی قسم کے کچھ اور بزرگوں کی عجیب و غریب شان ملاحظہ فرمایئے جن کے متعلق ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَا اَتَوْكَ (تا) مَا يُنْفِقُوْنَ (سورہ توبہ ع ۱۲)

نہ ان لوگوں پر کچھ الزام ہے۔ جن کا حال یہ تھا کہ آپ ﷺ کے پاس آئے کہ ان کے لیے سواری بہم پہونچا دیجئے۔ اور جب آپ ﷺ نے کہہ دیا میں یہ گنجائش

نہیں پاتا کہ آپ صاحبان کے لیے سواری کا انتظام کر سکوں تو وہ اس حالت میں واپس ہوئے کہ ان کی آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں کہ افسوس ہمیں میسر نہیں کہ اس راہ میں کچھ خرچ کر سکیں۔ (ع ۱۲ سورہ توبہ۔)

پہلے گذر چکا ہے کہ اس دور میں نہ تو سرکاری فوج وجود میں آئی تھی۔ نہ رضا کاروں کی کوئی الگ قسم تھی' نہ سپاہیوں کے مصارف کے لیے حکومت کا کوئی خزانہ تھا۔ سبھی رضا کار تھے اور سب کے لیے ضروری تھا کہ اپنا خرچ خود اٹھائیں اور ہو سکے تو دوسروں کا بھی خرچ اٹھائیں۔ پس فرمایا۔ جو لوگ فی الحقیقت مقدور نہیں رکھتے۔ کوئی وجہ نہیں کہ ان پر الزام آئے۔ خصوصاً" یہ لوگ جن کے ایمان و اخلاص کا عالم یہ ہے کہ جب ان کے لیے سواری کا انتظام نہ ہو سکا اور آپ کے ادب و احترام نے اس کی بھی اجازت نہیں دی کہ زیادہ اصرار کریں تو وہ خاموش ہو کر لوٹ گئے۔ لیکن آنکھیں جو درد دل کی غماز ہیں خاموش نہ رہ سکیں۔ غم و حسرت کے آنسو بے اختیار بہنے لگے۔

زچشم آستیں بردار و اشکم را تماشا کن

پھر یہ رونا وقتی نہیں تھا کہ کچھ آنسو بہے اور آنکھیں تازہ ہو گئیں۔ بلکہ ابن جریر کی روایت ہے کہ گریہ کی کیفیت ان پر یہاں تک طاری رہی کہ لوگوں نے ان کا نام "بکائین" رکھ دیا یعنی بہت رونے والے۔

امتیاز

یہ ہے فرق مومن اور منافق کا۔ کہاں وہ منافق کہ قدرت رکھنے پر بھی حیلے بہانے نکالتے ہیں اور کہاں یہ مومنین بااخلاص اور درمندان عشق کہ مقدرت نہ رکھنے پر دل کی لگن چین سے نہیں بیٹھنے دیتی۔ آنسوؤں کا طوفان ہے جو آنکھوں سے امنڈ رہا ہے۔ سبحان اللہ۔ ان آنسوؤں کی قدر و قیمت جو ایمان کی تپش سے بہے تھے؟ کہ ہمیشہ کے لیے ان کا ذکر کتاب اللہ نے محفوظ کر دیا۔ آج بھی کہ تقریباً" چودہ صدیاں گذر گئیں' ممکن نہیں کہ ایک مومن یہ آیت پڑھے اور ان آنسوؤں کی یاد میں خود اس کی آنکھیں بھی اشکبار نہ ہو جائیں۔

مومنین صادقین ان کی حیثیت اور ان کا پروگرام

غزوہ تبوک۔ یہ آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک کا آخری غزوہ ہے۔ اور یہ سورت اگرچہ آخری سورت نہیں ہے مگر ایسے وقت نازل ہوئی ہے جب دعوت اسلام ایک دور سے گذر کر دوسرے دور میں میں داخل ہو رہی ہے۔

عرب کے کونہ کونہ میں اسلام پہونچ چکا ہے۔ پختہ مکانات میں رہنے والے شہریوں سے لے کر کچی جھونپڑیوں۔ کمبلوں اور کھالوں کے خیموں اور پہاڑوں کی گھاٹیوں میں رہنے والے بدوں تک دعوت اسلام پہونچ چکی ہے۔ یہ سب حلقہ بگوش اسلام ہو چکے ہیں۔ ان میں وہ بھی ہیں جو دربار رسالت میں حاضر ہو کر زیارت سے مشرف ہو چکے ہیں اور ایک ہی نظر میں دلوں کی دنیا بدل چکے ہیں بہت سے وہ بھی ہیں جنہیں حاضری کا موقع نہیں مل سکا۔ انہوں نے اپنی پہاڑی گھاٹیوں یا صحرائی خیموں میں رہتے ہوئے اپنے قبیلوں کے نمائندوں سے اسلام کی باتیں سنیں ان پر عمل شروع کیا ان کی مکمل تربیت باقی ہے۔ یہ غزوہ تبوک تک کے حالات ہیں۔ ہم نے اس کو دعوت اسلام کا دور اول کہا ہے۔

اس دور میں لڑائیاں بھی ہوئیں۔ مقابلے بھی ہوئے صلح اور معاہدے بھی ہوئے مگر جو کچھ ہوا حدود عرب کے اندر ہوا۔ اب یہ قدم رحمت' حدود عرب سے آگے بڑھ رہا ہے کہاں تک بڑھے گا' اس کی کوئی حد نہیں۔ البتہ کس طرح بڑھنا چاہیے' قدم بڑھانے والوں کا نصب العین کیا ہو' ان کے اوصاف و اخلاق کیا ہوں۔ وہ دنیا میں کیا نمونہ پیش کریں۔ اس موقع پر یہ سوالات بہت اہمیت رکھتے ہیں۔

آپ سورہ توبہ کے ساتھ انفال کو بھی ملا لیجئے۔ پھر دیکھئے غزوہ بدر سے لے کر تبوک کے اس آخری غزوہ تک جہاد فی سبیل اللہ کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جہاد کس طرح ہو۔ کن کن سے ہو۔ کن اوقات میں ہو۔ سامان جہاد کی تیاری کس طرح ہو۔ اپنا اور غنیم کا تناسب کم سے کم کیا ہو۔ مجاہدین کے باہمی تعلقات کیسے ہوں۔ ان کا بھروسہ کس پر ہو۔ سلسلہ جنگ کب تک جاری رہے۔ نصرت الٰہی کب ہوتی ہے۔ کس طرح ہوتی ہے اس کے اثرات کیا ہوتے ہیں۔ پسپائی کب ہو سکتی ہے۔ صلح کب ہو سکتی ہے۔ معاہدات کی اہمیت۔ معاہدہ کب ٹوٹتا ہے۔ مسلمان ملکی غیر ملکی۔ غیر مسلم ملکی اور غیر ملکی۔ جزیہ' مال غنیمت۔ مال غنیمت ایک امانت ہے۔ اس امانت کی تقسیم کس طرح ہو۔

مختصر یہ کہ جب ان دونوں سورتوں میں اس پورے دور کے اہم واقعات پیش کرتے ہوئے یہ تمام مسائل سمجھا دیئے گئے ہیں اور گویا ایک جنگی دستور اساسی مسلمانوں کو عطا فرمایا گیا ہے تو پھر بطور خلاصہ یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ جب مسلمان اس دوسرے دور میں داخل ہو رہے ہیں تو ان کا نصب العین کیا ہو۔

دین اسلام اللہ کا دین ہے۔ اس کا بانی اللہ تعالیٰ ہے۔ دین اور بانی دین کے پیش نظر ان کی حیثیت کیا ہے' جو اپنے آپ کو حاملین دین سمجھتے ہیں' اس حیثیت کو تسلیم کر کے انہیں کیا ہونا چاہیے اور جب وہ پیکر وفا بن کر جلوہ انداز ہوں گے تو اس کے نتائج خود ان کے حق میں کیا ہوں گے اور عالم انسانیت کے حق میں کیا ہوں گے۔

نصب العین

ارشاد ربانی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (تا) بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (سورہ توبہ ع ۱۴)

ترجمہ : بلاشبہ اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں بھی خرید لیں اور ان کے مال بھی۔ اور اس قیمت پر خرید لیں کہ ان کے لیے جنت کی جاودانی زندگی ہو۔ (کسی دنیوی یا اپنے ذاتی مقصد کے لیے نہیں بلکہ) اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں' پس مارتے بھی ہیں اور مرتے بھی ہیں یہ وعدہ اللہ کے ذمہ ہو چکا (اس نے ایسا ہی قانون ٹھیرا دیا) تورات انجیل۔ اور قرآن تینوں کتابوں میں (یکساں طور پر) اس کا اعلان ہے اور اللہ سے بڑھ کر کون ہے جو اپنا عہد پورا کرنے والا ہو۔ پس مسلمانو! اپنے اس سودے پر جو تم نے اللہ سے چکایا ہے۔ خوشیاں مناؤ۔ اور یہی ہے جو بڑی سے بڑی فیروز مندی ہے (ان لوگوں کے اوصاف و اعمال کیا ہیں اور کیا ہونے چاہیں) (یہ ہیں) اپنی لغزشوں اور خطاؤں سے توبہ کرنے والے۔ عبادت میں سرگرم رہنے والے' اللہ کی حمد ثنا کرنے والے سیاحت کرنے والے۔ رکوع کرنے والے۔ سجدہ کرنے والے۔ نیکی کا حکم دینے والے برائی سے روکنے والے۔ اور اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حدود کی حفاظت کرنے والے۔

اے پیغمبر(یہی سچے مومن ہیں) اور مومنوں کو ابدی کامیابی اور لازوال سعادت کی خوش خبری دیدو۔ (سورہ توبہ ع ۱۴)

ترجمہ پر دوبارہ نظر ڈالئے۔ سب سے پہلے مومن کی حیثیت۔ یا یہ کہو کہ حب ایمانی کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔

حیثیت

یہ جو کہتے ہیں کہ ہم "مومن" ہیں۔ ہم اللہ پر ایمان لائے تو ایمان کا معاملہ یوں سمجھو کہ انہوں نے اپنا سب کچھ اللہ کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ جان بھی اور مال و متاع بھی اب ان کی کوئی چیز اپنی نہیں رہی' اب ان کی حیثیت یہ ہے کہ وہ جو کچھ ہیں اللہ کے ہیں' ان کا جو کچھ ہے اللہ کا ہے۔

اچھا اس پیشکش کا معاوضہ اللہ کی طرف سے کیا ہوا۔ یہ ہوا کہ نعیم ابدی کی کامرانیاں انہیں عطا ہوئیں۔

یہ گویا خریدو فروخت کا ایک معاملہ تھا جو اللہ تعالیٰ میں اور عشاق حق میں طے پا گیا اب نہ بیچنے والا اپنا

متاع واپس لے سکتا ہے نہ خریدنے والا قیمت لوٹائے گا۔ (۹۸۶)

اوصاف و خصائل اور مدارج

ان سچے مومنین کے اوصاف کیا ہونے چاہئیں۔

(۱) التائبون۔ یعنی وہ جو اپنی توبہ میں سچے اور پکے ہوتے ہیں۔ اور ہر حال میں اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اپنی غفلتوں اور لغزشوں پر نادم رہتے ہیں۔

(۲) العابدون۔ یعنی وہ جو اللہ کی عبادت میں سرگرم رہتے ہیں اور ان کی ساری بندگیاں اور نیاز مندیاں صرف اسی کے لیے ہوتی ہیں۔

عبادت نماز روزہ۔ حج اور زکوۃ بھی ہے۔ یعنی خاص وقتوں اور خاص شکلوں کی عبادتیں جو دین حق نے مقرر کی ہیں انہیں پورے اخلاص اور خشوع کے ساتھ ادا کرے۔ اور عبادت یہ بھی ہے کہ ان ظاہری شکلوں کی روح اس کے دل و دماغ میں سرایت کر جائے اس کی فکری حالت عابدانہ ہو جائے۔ پھر وہ جو کچھ سنے جو کچھ کہے۔ جو کچھ وہ کرے۔ سب میں عابدانہ روح کام کر رہی ہو۔

(۳) الحامدون۔ یعنی وہ جو اپنی زبان۔ دل۔ فکر اور عقل و فہم سے اللہ تعالیٰ کی ستائش کرتے رہتے ہیں۔

> زمینوں اور آسمانوں کی پیدائش۔ رات دن کی گردش۔ ہواؤں کا چلنا بادلوں کا دوڑنا۔ ابر رحمت سے خشک زمینوں کا شاداب بن جانا خشکی اور تری کی بیشمار مخلوقات۔ ان سب پر انسان کا اقتدار ان تمام چیزوں میں ارباب بصیرت کے لیے قدرت خداوندی کی نشانیاں ہیں۔ ان نشانیوں میں غور و خوض۔ ان سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا۔ اس کے جمال و کمال کا گرویدہ ہونا۔ اس کی محمودیت و محبوبیت کے نقوش دل میں جمانا۔

یہ ہے فکر کی محمودیت و محبوبیت کے نقوش دل میں جمانا۔

اور جس ہستی کی محمودیت و محبوبیت دل و دماغ میں بس جائے گی ضروری ہے کہ زبان سے بھی بے اختیار اس کی حمد و ثنا کے ترانے نکلنے لگیں۔

(۴) السائحون جو راہ حق میں سیاحت کرتے ہیں۔ علم کی تلاش میں نکلتے ہیں۔ پہلی قوموں اور امتوں کے حالات کی تحقیق کر کے مستقبل کے لیے سبق حاصل کرتے ہیں۔ راہ حق میں جدوجہد کرتے ہوئے دنیا کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ تک پہنچتے ہیں۔ حج کے لیے خشکی اور تری کی مسافتیں طے کرتے ہیں۔ (وغیرہ وغیرہ)

(۵) الراکعون الساجدون۔ وہ جو اللہ کے آگے جھک جاتے ہیں اور رکوع اور سجود سے کبھی نہیں

جھکتے۔ یہ رکوع اور سجود کی حالت جسم پر بھی طاری ہوتی ہے اور قلب پر بھی۔ جذبات و رجحانات بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں اور اس کے اقوال و اعمال میں بھی اس کی کیفیت نمایاں ہوتی ہے۔

(۶) الامرون بالمعروف والناہون عن المنکر۔ وہ جو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں۔ یعنی صرف اپنے ہی نفس کی اصلاح پر قانع نہیں ہو جاتے بلکہ دوسروں کی بھی اصلاح کرتے ہیں اور دنیا میں حق و انصاف کے رواج و قیام کو اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

(۷) الحافظون لحدود اللہ۔ یعنی انفرادی زندگی ہو یا جماعتی۔ خانگی ہو یا کاروباری جہاں جہاں جو حدیں اللہ نے قائم کی ہیں ان کے محافظ رہتے ہیں۔ خود بھی ان کی پابندی کرتے ہیں اور دوسروں سے بھی پابندی کراتے ہیں (یہ وہ حدیں ہیں کہ اگر یہ ٹوٹتی ہیں تو عالم انسانیت کے امن اور ترقی و اصلاح کی بنیادیں اکھڑ جاتی ہیں۔)

اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ

یہ اوصاف و اخلاق جن کا تذکرہ اوپر کے سات نمبروں میں کیا گیا جو ان داعیان اسلام کے اوصاف و کمالات ہونے چاہییں جو دعوت اسلام کا نصب العین لے کر حدود عرب سے باہر قدم رکھ رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ آج ۹ھ میں جب غزوہ تبوک سے فراغت ہو چکی ہے کیا ان اوصاف کی تعلیم آج دی جا رہی ہے اور آج مسلمانوں پر لازم کیا جا رہا ہے کہ وہ ان اوصاف و کمالات سے آراستہ ہوں یا کوئی جماعت ہے جو ان اوصاف سے آراستہ ہو چکی ہے اور ہو بہو یہ کمالات اس کی فطرت بن چکے ہیں۔ قرآن حکیم کا دعویٰ یہ ہے کہ جماعت صحابہ وہ ہے جو ان اوصاف سے آراستہ ہے۔ یہ کمالات اس کی فطرت کا جوہر بن چکے ہیں اور یہ آیت ان کی تصویر کھینچ کر دنیا انسانیت کے سامنے ایک مقدس نمونہ پیش کر رہی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ- رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ- الآیته ع ۱۲

اور مہاجرین اور انصار میں جو لوگ سبقت کر کے سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے راست بازی کے ساتھ ان کی پیروی کی تو اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے نعیم ابدی کے باغ تیار کر دیئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اس لیے وہ خشک ہونے والے نہیں ہیں) وہ ہمیشہ اسی نعمت اور سرور کی زندگی میں رہیں گے اور یہ ہے بہت ہی بڑی فیروز مندی (سورہ توبہ ع ۱۳)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ امت کے بہترین طبقے تین ہیں۔

(الف) مہاجرین میں سے "سابقون اولون" یعنی مکہ کے وہ حق پرست جنہوں نے دعوت حق کی قبولیت میں سبقت کی اور سب سے پہلے ایمان لائے۔ پھر صلح حدیبیہ سے پہلے کہ انتہائی غربت اور مصیبت کا زمانہ تھا۔ اپنا گھر بار چھوڑ کر ہجرت کی۔

بالاتفاق سب سے پہلے ایمان لانے والی ہستی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا وارضاہا کی تھی۔ ان کے بعد گھر کے آدمیوں میں سے حضرت علی (جن کی عمر تقریباً" دس سال تھی) اور زید بن حارثہ ایمان لائے (رضی اللہ عنہم) اور باہر کے آدمیوں میں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ۔

(ب) انصار میں سے "سابقون اولون" یعنی مدینہ کے وہ حق شناس جنہوں نے عین اس وقت جب کہ تمام جزیرہ عرب داعی حق کو جھٹلا رہا تھا اور خود اس کے اہل وطن اس کے قتل و ہلاکت کے درپے تھے دعوت حق قبول کی اور عقبہ اولی ثانیہ اور ثالثہ میں بیعت کا ہاتھ بڑھایا۔ پہلی بیعت میں ۲ دوسری میں ۱۲ اور تیسری بیعت میں ستر مرد اور دو عورتیں تھیں۔

(ج) وہ لوگ جو ان دونوں جماعتوں کے قدم بقدم چلے اور گو بعد کو آئے مگر ان کا شمار پہلوں ہی کے ساتھ ہوا (چونکہ بعد کے آنے والوں میں بعض منافق اور کچے دل کے آدمی بھی تھے۔ اس لیے "باحسان" کی قید لگا دی اور یہ کہا گیا کہ "جنہوں نے راست بازی سے ان کی پیروی کی)

دنیا میں جب کبھی سچائی کا ظہور ہوا ہے تو اس کا پہلا دور ہمیشہ غربت اور بیکسی کا رہا ہے اور ان ساری دنیوی ترغیبوں سے خالی رہا ہے جو کسی انسان کے دل کو مائل کر سکتی ہیں۔ پس جو نفوس قدسی اس وقت حق کا ساتھ دیتے ہیں ان کی حق شناسی اور حق پرستی کے درجہ کو کوئی نہیں پہونچ سکتا۔ کیونکہ وہ داعی حق کا پہلے پہل ساتھ دے کر خود بھی داعیان حق کے گروہ میں داخل ہو جاتے ہیں اور ان کی حق پرستی دنیا کے ہر طرح کے تاثرات سے یک قلم منزہ ہوتی ہے۔ تاریخ اسلام میں "مہاجرین و انصار" کی جماعت کا یہی مقام ہے اس لیے "السابقون الاولون" سے زیادہ ان کے وصف میں کچھ کہنا ضروری نہ ہوا کیونکہ یہاں اسبقیت اور اولیت سے بڑھ کر کوئی بات نہیں ہو سکتی۔

جب پیغمبر اسلام (ﷺ) نے پہلے پہل حضرت ابوبکر کو دعوت دی اور اس پیکر صدق و صفا نے سنتے ہی قبول کر لی۔ تو غور کرو اس وقت اس معاملہ کا حال کیا تھا۔

پورے کرہ ارض میں تن تنہا دو آدمی کھڑے تھے۔ ایک نے بلایا تھا دوسرا دوڑ گیا تھا۔ جس نے بلایا

اس کے اندر وحی الٰہی کا یقین بول رہا تھا۔ لیکن جو دوڑا اس نے کیا دیکھا تھا کہ ایک عجیب و غریب بات سنتے ہی قبول کرلی اور بیٹھے بٹھائے تمام ملک اور قوم کو اپنا دشمن جانی بنالیا۔

یاراں خبرد ہید کہ این جلوہ گاہ کیست

اس طرح غور کرو جب عقبہ اولیٰ میں دو اور عقبہ ثانیہ میں بارہ آدمی بیعت کر رہے تھے تو کس سے کر رہے تھے کس حال میں کر رہے تھے۔ جس مظلوم کو گیارہ برس سے تمام جزیرہ عرب جھٹلا رہا تھا اور جو خود اپنی قوم اور اپنے وطن میں دشمنوں سے گھرا ہوا تھا۔ اس نے کہا مجھے قبول کرلو اور ساری دنیا کی دشمنی مول لے لو۔ اور ان عشاق حق نے کہا۔ ہم نے قبول کیا اور تیرے لیے سارے جہان کی دشمنیاں اور ہر طرح کی مصیبتیں اپنے سر لے لیں۔

دو عالم نقد جاں بروست دارند
بہ بازارے کہ سودا توباشد

یہی وجہ ہے کہ یہاں ان کا معاملہ ایسے پیرایہ میں پیش کیا گیا۔ جس سے بڑھ کر پیرایہ بیان' عشاق حق کے لیے نہیں ہو سکتا۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ۔

منافقوں کی تعداد

کلام اللہ کی عظمت شان اس کو گوارا نہیں کرتی کہ افراد کا نام لے کر ان کی مذمت کرے بلکہ ان کے اوصاف اور خصوصیات بیان کر کے ان پر تنقید کی جاتی ہے۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ افراد اور اشخاص کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ بلکہ یہ امراض قابل اصلاح ہیں اور جب تک وہ مرض باقی ہے مذمت اور نکارت باقی ہے۔

اس کے لیے یہ بھی ضروری نہیں ہوتا کہ اس وصف کا مصداق کوئی شخص موجود ہی ہو۔ مثلاً" ارشاد ہوا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِي قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ (سورہ بقرہ ع ۲۵)

کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی باتیں تمہیں اس دنیاوی زندگی میں بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ اور وہ اپنے دل کی باتوں پر اللہ کو شاہد بھی بناتا رہتا ہے۔ (خدا شاہد ہے میرے دل میں کچھ نہیں) حالانکہ وہ سخت قسم کا جھگڑالو ہوتا ہے۔

اس آیت میں انسانی طبیعت کی ایک بہت ہی قابل نفرت کمزوری بیان کی گئی ہے کہ دل میں کینہ کپٹ بھرا ہوا ہے مگر چکنی چپڑی باتیں کر کے مخاطب کو موہ لینا چاہتا ہے اور اپنی بات میں قوت پیدا کرنے

کے لیے یہ قسمیں بھی کھاتا رہتا ہے۔

اس کے لیے ضروری نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے دور میں ایک یا چند اشخاص ایسے ہوئے ہوں اور انہوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس طرح کی خصلت کا مظاہر کیا ہو۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ انسانی گروہ میں ایسے افراد ہوتے اور بکثرت ہوتے ہیں۔

اس تمہید کا منشا یہ ہے کہ ان آیتوں کا جو منافقین کے حق میں گذری ہیں پیرایہ بیان بھی یہی ہے۔ کسی کا نام نہیں لیا گیا۔ وصف بیان کیا گیا ہے۔ پھر وہ وصف بھی ایسے انداز سے کہ کسی خاص شخص کی نشان دہی نہیں کی گئی۔

اب جو عام الفاظ ان صفات کے بیان کرنے میں لائے گئے ہیں ایک ناواقف کو ان سے مغالطہ ہوتا ہے کہ شاید بہت سے آدمی ہوں گے جو ان اوصاف سے متصف ہوں گے۔ اور اس بنا پر کبھی دماغ پر یہ اثر پڑتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے دور مسعود میں خدا جانے ان کی تعداد کتنی زیادہ ہو گی۔

یہاں یہ ظاہر کرنا ضروری ہے کہ الفاظ اگرچہ ہمہ گیر ہیں مگر ان منافقین اور کمزور ایمان والوں کی تعداد ایسی تھی کہ اگر یہ دور مسعود نہ ہوتا۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دور مقدس نہ ہوتا۔ جس میں تقویٰ طہارت اور مکارم اخلاق کا آفتاب نصف النہار پر تھا تو شاید ان کا پتہ بھی نہ چلتا۔

صاف و شفاف آئینہ پر مکھی کی بیٹ بھی جو سوئیں کے ناکہ کے برابر ہوتی ہے پہاڑ معلوم ہوتی ہے اور بسا اوقات دیکھنے والے کی نظر پہلے اسی پر جاتی ہے۔ یہی حال اس زمانہ کے بدخو منافقوں کا بھی تھا۔ وہ بدنما داغ ضرور تھے مگر ان کی بدنمائی بھی زیادہ نمایاں اسی لیے ہوئی کہ وہ جماعت صحابہ کے صاف اور شفاف آئینہ سے چھو رہا تھا۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ان کی مجموعی تعداد شاید پچاس بھی نہ ہو۔ کیونکہ آپ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے بیان میں پڑھ چکے ہیں کہ غزوہ تبوک سے واپسی پر جن لوگوں نے اپنے بناوٹی عذر پیش کیے جن میں منافقوں کے علاوہ کمزور ایمان کے اعراب اور بدوی بھی تھے ان کی تعداد کچھ اوپر اسی تھی' اسی طرح جو لوگ' مسجد ضرار کی بنا و تعمیر کے ذمہ دار تھے ان کی تعداد دس بارہ تھی جب کہ اس غزوہ میں شریک ہونے والوں کی تعداد تیس ہزار بیان کی گئی ہے۔

تعلیم کی اہمیت

غزوۂ تبوک کے سلسلہ میں تقریباً" نصف سورہ توبہ کی تفسیر بیان کی جا چکی ہے اس تفسیر میں جس بات کو نمایاں کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ مستقبل کے متعلق امت مرحومہ کو ہدایات دی گئی ہیں۔ ان کے فرائض بیان کیے گئے ہیں۔ اوصاف و اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے نصب العین کو بلند سے بلند تر کیا گیا ہے

اس سلسلہ میں ایک خاص مسئلہ جو زیادہ مستحق توجہ ہے وہ مسئلہ تعلیم ہے۔

حیرت ہوتی ہے۔ تعلیمی جدوجہد کو بھی وہی اہمیت دی گئی ہے جو جہاد فی سبیل اللہ قتل و قتال اور راہ خدا میں جانی اور مالی قربانیاں پیش کرنے کو دی گئی ہے۔

غور فرمایئے۔ سورہ توبہ کا پندرھواں رکوع جس کے آغاز میں مسلمانوں کو یہ ہدایت ہے کہ "خدا سے تقویٰ کرو اور اہل صدق کے ساتھ رہو۔ اس رکوع میں جہاں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کے لیے جو سفر ہو' اس کے قدم قدم پر ثواب ہے اس سفر میں جو زحمت بھی ہو وہ باعث اجر عظیم ہے۔

بھوک پیاس کی تکلیف ہو۔ موسم کی پریشانی ہو۔ حالات کی ناموافقت ہو۔ جو خرچ ان کو کرنا پڑے۔ جو وادی ان کو طے کرنی پڑے' ان میں سے ہر ایک میں ثواب ہے ان سب ناگواریوں کو عمل صالح کی فہرست میں درج کیا جاتا ہے'

جیسے ہی یہ بیان ختم ہوا ہے فوراً" ارشاد ہوا۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ

(سورہ توبہ ع ۱۷)

یہ تو ممکن نہیں کہ سب کے سب مسلمان نکل کھڑے ہوں (اور تعلیم دین کے کسی مرکز میں پہونچ کر تعلیم و تربیت حاصل کریں) پس ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے اس جماعت کے افراد علم حاصل کریں دینی بصیرت اور علمی حذاقت و مہارت حاصل کریں اس طرح وہ فاضل و کامل ہو کر جب اپنے گروہ میں واپس آئیں تو اپنی اپنی قوموں کو جہالت و غفلت کی خرابیوں سے آگاہ کریں۔ یہ ایک ایسی صورت ہے جس پر یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ ان کی قومیں خرابیوں سے بچیں گی (ان کی اصلاح ہو گی اور وہ دینی و دنیاوی ترقی کر سکیں گی)

سلسلہ کلام کا ربط یہ ثابت کرتا ہے کہ دینی بصیرت اور تعلیمی مہارت حاصل کرنے کے لیے جو سفر ہو گا وہ بھی جہاد فی سبیل اللہ ہے اور اس کے مراتب بھی وہی ہیں جو مجاہدین فی سبیل اللہ کے سفر کے ہیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یہی سمجھا اور رحمتہ عالم ﷺ نے اس کی یہی تشریح فرمائی۔

کثیر بن قیسؒ ایک جلیل القدر تابعی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں دمشق کی جامع مسجد میں حضرت ابودرداء ؓ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص آیا اس نے حضرت ابو درداء ؓ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

میں آپ کی خدمت میں مدینہ الرسول (مدینہ منورہ) سے آ رہا ہوں۔ صرف ایک حدیث کے متعلق

تحقیق کرنا چاہتا ہوں۔ صرف اسی غرض سے یہ (ایک مہینہ کا) سفر طے کیا ہے اس کے علاوہ اور مجھے کوئی کام نہیں۔

یہ' طالب جو مدینہ منورہ سے آیا تھا' ابھی اس نے اس حدیث کا ذکر بھی نہیں کیا تھا' جس کی تحقیق کے لیے یہ مدینہ سے چل کر آیا تھا کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرمانے لگے۔

(اگر آپ صرف اسی غرض سے آئے ہیں کہ "علم" حاصل کریں تو میں مناسب سمجھتا ہوں کہ پہلے آپ کو ایک خوشخبری سنا دوں) میں نے خود سنا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص کسی ایسے راستے پر چلے جس کا مقصد طلب علم ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو ایسے راستے پر چلائے گا جو جنت کو لے جانے والا راستہ ہو گا اور واقعہ یہ ہے کہ طالب علم کی خوشنودی کے لیے فرشتے پر بچھاتے ہیں اور جو صاحب علم دوسروں کو بھی تعلیم دے اس کے لیے زمین اور آسمان کی ہر چیز یہاں تک کہ وہ مچھلیاں بھی جو پانی کی گہرائیوں میں ہوں دعا کرتی رہتی ہیں۔ (صحاح)

آپ "اوصاف و خصائل اور پروگرام" کے سلسلہ میں "السائحون" کی تشریح ملاحظہ فرما چکے ہیں یعنی "سیاحت" کرنے والے۔

سیاحت سے کیسی سیاحت مراد ہے۔ حضرت عکرمہ "رضی اللہ عنہ" فرماتے ہیں الذین یسیحون فی الارض لطلب العلم" یعنی سیاحت سے علمی سیاحت مراد ہے۔ یعنی جو لوگ طلب علم کے لیے سیاحت کرتے ہیں اور مہینوں کی منزلیں طے کر کے کسی محدث یا فقیہہ کے پاس پہونچتے ہیں اور اس سے علم حاصل کرتے ہیں۔

اللھم وفقنا لما تحبہ وترضی و اجعل الاخرۃ خیرا لنا من الاولی

جھاد فی سبیل اللہ

اور جہاد فی سبیل کے سلسلہ میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی خدمات کا بیان ختم ہوا۔ صحابہ کرام۔ خلفاء راشدین اور خلافت راشدہ سے متعلق دیگر مباحث ازالۃ الخفاء سے اخذ کر کے تیسری جلد میں پیش کیے جائیں گے (انشاء اللہ)

محتاج دعا : محمد میاں (رحمہ اللہ واسعۃ)
۲۲ ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ ۸ جولائی ۱۹۶۹ء

حواشی

(۱) سیدنا شاہ عبدالقادر صاحب رحمتہ اللہ علیہ موضح القرآن میں تحریر فرماتے ہیں:۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے ان کی اولاد اور ان سے ان کی اولاد نکالی۔ سب سے اقرار کروایا' اپنی خدائی کا' پھر بہشت میں داخل کیا۔ اس سے مدعایہ کہ خدا کی خدائی ماننے میں۔ ہر کوئی آپ کفایت ہے۔ (یعنی ہر شخص خود ذمہ دار ہے) پھر حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر کسی کو شبہ ہو کہ وہ عہد تو یاد نہیں رہا تو پھر کیا حاصل تو یوں سمجھے کہ اس کا نشان ہر کسی کے دل میں رہا ہے کہ سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ سارا جہان قائل ہے اور جو منکر ہے یا شرک کرتا ہے سو اپنی عقل ناقص کے دخل سے' پھر آپ ہی جھوٹا ہوتا ہے۔

(۲) حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فتح الرحمن میں فرماتے ہیں یعنی از نبی آدم پیمان گرفت برائے پیغامبران۔

(۳) آیت کے سیاق پر نظرڈالیے اس کا تعلق مادی ترقیات سے ہے۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے الفاظ میں ان آیتوں کا ترجمہ یہ ہے کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اتارا آسمان سے پانی پھر ہم نے نکالے اس سے میوے' طرح طرح ان کے رنگ اور پہاڑوں میں گھاٹیاں میں سفید اور سرخ طرح طرح ان کے رنگ۔ اور کالے بھجنگ اور آدمیوں میں اور کیڑوں میں اور چوپایوں میں کئی رنگ کے ہیں اسی طرح۔ اللہ سے ڈرتے وہی ہیں اس کے بندوں میں جن کو سمجھ ہے (سورہ فاطرع)

(۴) اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انبیاء علیہم السلام کو علاتی (باپ شریک) بھائیوں سے تشبیہہ دی ہے۔ الانبیاء اولاد علات (بخاری شریف) بعض روایتوں میں یہ الفاظ بھی ہیں امہاتھم شتے و دینھم واحد۔ ان کی مائیں مختلف ہیں اور دین ایک ہے۔ بس دین پدر اور باپ کی حیثیت رکھتا ہے اور وہ جزوی احکام جویکے بعد دیگرے آتے رہے یا مختلف زبانوں یا مختلف ملکوں میں جو بدلتے رہے وہ امہات (مائیں) ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

(۵) قال اللہ تعالیٰ:۔ ملة ابیکم ابراھیم ھو سما کم المسلمین (سورہ حج)

(٦) یہ میرا رب ہے۔ یہ بہت بڑا ہے۔

(۷) سیدنا حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے فلک کا ترجمہ "گھیرا" کیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب کے الفاظ میں پوری آیت کا ترجمہ یہ ہے۔ نہ سورج کو پہونچے کہ پکڑے چاند کو اور نہ رات آگے بڑھے دن سے ہر کوئی ایک ایک گھیرے میں پیرتے ہیں۔۔

(۸) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس واقعہ نے ہمیں یہ سبق بھی دیا کہ عقل سلیم وجود خدا اور توحید تک رہنمائی کر سکتی ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کے صفات اور خود انسان کے مآل و انجام جیسے مسائل میں عقل کی رہنمائی کافی نہیں ہے۔ اس کے لیے وحی الٰہی کی ضرورت ہے اسی وجہ سے توحید یعنی خدا کو ماننے اور اس کے لاشریک ہونے پر اعتقاد رکھنے کے وہ بھی مکلف ہیں جن کو کسی نبی کی دعوت نہیں پہونچی البتہ دوسرے عقائد کی تعلیم انبیاء علیہم السلام کے علاوہ عقل کے ذریعہ صحیح طور پر نہیں ہو سکتی ہے۔ لہٰذا اس کے مکلف وہ ہیں جن کو انبیاء علیہم السلام کے پیغامات پہونچے یا وہ

ایسے دور میں ہیں کہ انبیاء علیہم اسلام کی تعلیمات معلوم کر سکتے ہیں۔

(۹) وار ادو به کیدا فجعلنا هم الاخسرین (سورہ انبیاء ع 4) دیکھو انہوں نے چاہا تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ایک چال چلیں لیکن ہم نے انہیں نامراد کر دیا۔

(۱۰) انی ذاهب الی ربی سیهدین (صافات ع 3)

(۱۱) سفر الیشاء۔ یہودیوں کی ایک معتبر تاریخ ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ۔

شہر بابل دارالسلطنت نمرود میں جہاں تارخ یعنی آزر اور ابراہیم علیہ السلام اور ان کے تمام خاندان کے لوگ رہتے تھے ایک شخص (حکیم' ہنر مند' ذکی الطبع' فطین جو اکثر علوم وصنائع میں کمال رکھتا تھا) رہتا تھا۔ اس کا نام "رقیون" تھا مگر وہ بہت مفلس و محتاج و مفلوک تھا۔ تنگدستی و سختی سے وطن میں رہنا نامناسب سمجھ کر مصر کی راہ لی۔ جب وہ وہاں پہونچا اور اس کی لیاقت و دانش مندی باشندگان مصر پر ظاہر ہو گئی تو بادشاہ مصر نے اس کو براہ قدر دانی اعیان سلطنت میں داخل کیا۔ رفتہ رفتہ بالکل حاوی ہوا۔ بالاخر وہاں کا بادشاہ ہو گیا۔ یہ پہلا شخص ہے جس کا لقب فرعون ہوا۔ اسی فرعون کے زمانہ بادشاہت میں بوجہ قحط سالی حضرت ابراہیم علیہ السلام فلسطین سے مع اہل بیت کے مصر تشریف لے گئے۔ (النصوص البابرہ فی حریۃ الہاجرہ)

(۱۲) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ علماء کا ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت ہاجرہ کے باپ ایک "قبطی" بادشاہ تھے۔ (فتح الباری باب قول اللہ) واتخذ الله ابراهیم خلیلا مگر ربی شلومو اسحاق۔ توریت کا ایک مفسر کتاب پیدائش کے سولہویں باب کی پہلی آیت کی تفسیر میں لکھتا ہے۔ وہ (ہاجرہ۔ عبرانی لفظ ھاغار) فرعون کی بیٹی تھی۔ جب دیکھا ان کی (حضرت ابراہیم علیہ السلام) کی کرامات کو جو بوجہ سارہ (حضرتؑ ابراہیم علیہ السلام کی پہلی بیوی) واقع ہوئیں تو کہا بہتر ہے کہ رہے میری بیٹی اس کے گھر میں خادمہ ہو کر اس سے کہ ہو دوسرے کے گھر میں ملکہ۔ (النصوص البابرہ۔ بحوالہ الخطبات الاحمدیہ)

(۱۳) توریت میں یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر اس وقت چھیاسی سال تھی۔ پیدائش ۱۶/۱۶

(۱۴) چنانچہ جب حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کی بشارت دی گئی تو حضرت سارہ نے بڑے تعجب سے کہا۔ یا ویلتی الد وانا عجوز وهذا بعلی شیخا (سورہ ہود ع ۷) ہائے مجھ نگوڑی کے اب اولاد ہو گی' بڑھیا تو ہو چکی ہوں اور یہ بڑے میاں میرے شوہر بھی بوڑھے ہو چکے ہیں۔ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ توریت میں ہے کہ جب حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضرت سارہ کی عمر نوے سال تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سو سال (پیدائش ۱۷/۱۷' ۱۷/۱۸)

(۱۵) دوسرا نتیجہ سیدنا حضرت اسحاق علیہ السلام۔ توریت کے بیان کے بموجب حضرت اسحاق علیہ السلام ' حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے چودہ برس چھوٹے تھے۔

(۱۶) دعا بهولاء الکلمات ورفع یدیه ۔(بخاری شریف) باب قوله تعالٰی۔ واتخذ الله ابراهیم خلیلا۔ علامہ عبدالوہاب نجار کی رائے ہے کہ یہ دعا خانہ کعبہ کی تعمیر کے بعد کی تھی۔ قرآن پاک کے سلسلہ کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ مگر بخاری شریف کی روایت میں اس دعا کا اسی موقع پر تذکرہ ہے۔ بظاہر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دونوں موقعوں پر یہ دعا کی۔ البتہ اس موقع پر دعا کے چند کلمات فراست اور دوربینی کی بنا

پر ہیں اور تعمیر کعبہ کے بعد ایک واقعہ اور حقیقت کی بنیاد پر۔ واللہ اعلم

(۱۷) آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ حضرت ہاجرہ اگر ڈول نہ باندھتیں تو یہ چاہ زمزم کے بجائے "چشمہ زمزم" ہوتا۔ (صحاح)

(۱۸) توریت کی سابق روایت سے معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت اسحاق ' حضرت اسمٰعیل (علیہما السلام) سے چودہ سال چھوٹے تھے۔ کیونکہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی پیدائش کے وقت حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی عمر ۸۶ سال تھی اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کے وقت سو سال اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی عمر اس قربانی کے وقت ۱۳ سال تھی۔ اس حساب سے ذبح اسمٰعیل علیہ السلام کا واقعہ چھوٹے بھائی حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش سے ایک سال پہلے کا واقعہ ہے البتہ اگر قربانی کے وقت حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی عمر ۱۵ سال تھی جیسا کہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ تب اکلوتا فرزند کہنا نہیں ہوگا۔ البتہ چہیتا کہا جاسکتا ہے۔ واللہ اعلم

(۱۹) رب ھب لی من الصالحین (صافات)

(۲۰) فبشرناہ بغلام حلیم (صافات)

(۲۱) سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ آپ کو معلوم ہے۔ قربانی اور اس کے نتیجہ میں برکت و افزائش کا فلسفہ یہاں بھی کارفرما ہے۔ نسل ابراہیمی کی دوسری شاخ حضرت اسحاق علیہ السلام سے چلی۔ وہ بنو اسحاق کے بجائے بنو اسرائیل کے نام سے مشہور ہوئی۔ کئی ہزار سال تک فضیلت کا تاج اس کے سر پر رہا۔ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا خطاب تھا۔ کیا گم شدگی یوسف کا فلسفہ یہی تھا کہ فضیلت اور افزائش بنی اسرائیل کی شرط پوری ہوئی اور کیا اس شاخ کو بنو اسحاق کے بجائے بنو اسرائیل کا خطاب اس لیے دیا گیا کہ حضرت اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) سے یہ شرط پوری کرائی گئی۔ ہاں حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسرائیل (یعقوب) علیہما السلام کی قربانی میں فرق ہے۔ وہی فرق بنو اسمٰعیل اور بنو اسرائیل کے فضائل میں بھی ہے۔ محمد میاں

(۲۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام جب حضرت ہاجرہ کو یہاں چھوڑ کر روانہ ہونے لگے تو حضرت ہاجرہ نے پکار کر کہا آپ ہمیں کہاں چھوڑ رہے ہیں۔ جہاں نہ کوئی مونس ہے نہ زندگی کا کوئی سہارا' حضرت ہاجرہ بار بار یہ دہائی دے رہی تھیں۔ اکلوتے بیٹے کی چہیتی ماں کی زبان سے جب یہ الفاظ نکل رہے ہوں گے تو سینہ پر ہاتھ رکھ کر سوچو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل پر کیا گذر رہی ہوگی۔ مگر یہ مقام خلت تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خاموش تھے گویا کچھ سن ہی نہیں رہے۔ بالآخر حضرت ہاجرہ نے کہا کیا اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے جس کی آپ تعمیل کر رہے ہیں۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا (نعم) ہاں۔ حضرت ہاجرہ کو معلوم ہوا کہ یہ ان کے پروردگار کی مرضی ہے جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام پورا کر رہے ہیں تو فرمایا اذا لا یضیعنا جب مرضی مولا یہی ہے تو ہمارا آقا ہمیں برباد نہیں کر سکتا۔ (بخاری شریف)

(۲۳) وکذالک نری ابراھیم ملکوت السموات والارض (سورۂ انعام ع ۹)

(۲۴) (ولیکون من الموقنین (سورۂ انعام ع ۹)

(۲۵) یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ خانہ کعبہ کی تعمیر بیت المقدس سے جو بنو اسرائیل کا قبلہ تھا' پہلے ہوئی اور آیت کا مفہوم بھی یہی قرار دیا گیا ہے مگر یہ روایت بھی قابل اعتماد ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جب سرزمین ہند میں اتارے

گئے تو ان کو بڑی وحشت اس سے ہوئی کہ ملائک کی تسبیح و تحمید کے نغمے جو "جنت" میں سنا کرتے تھے اس سے محروم ہو گئے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اس روحانی اذیت کی شکایت اپنے پروردگار سے کی تو حضرت حق جل مجدہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو آگاہ فرمایا کہ جس طرح میرے عرش کے گرد فرشتے طواف کرتے رہتے ہیں اسی طرح کا ایک بیت زمین میں اتار دیا گیا ہے فرشتے اس کا طواف کرتے رہتے ہیں تم وہاں جاؤ۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے قدم بڑھایا اور اس خطہ میں پہنچ گئے جہاں مکہ آباد ہونے والا تھا اور یہاں اس بیت کا طواف شروع کر دیا جو عرش معلیٰ کا پرتو تھا جس کے گرد فرشتے طواف کرتے تھے۔ (فتح الباری ج ۱۳)

(۲۶) ہر آئینہ اول خانہ کہ مقرر کردہ شد برائے مردمان (حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ) تحقیق پہلا گھر جو ٹھیرا لوگوں کے واسطے (حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ)

(۲۷) مثلاً قرآن شریف میں ارشاد ہے۔

(الف) جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ اور ان کے بچہ کو چھوڑ کر رخصت ہونے لگے تو اس وقت دعا کی۔ میں نے اپنی ذریت کو وادی غیرذی زرع میں "تیرے بیت" کے قریب آباد کیا ہے۔ اس وقت تک حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت کی تعمیر نہیں کی تھی وہ اب سے کم از کم پندرہ سولہ سال بعد ہوئی جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اس قابل ہوئے کہ پتھر اٹھا اٹھا کر لائیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیتے رہیں۔ (ب) پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کو بھی ان الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت۔ ترجمہ یہ نہیں ہے کہ جب بنیادیں رکھ رہے تھے بلکہ ترجمہ یہ ہے کہ جب بنیادیں بلند کر رہے تھے۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کے الفاظ میں جب بنیادیں اٹھا رہے تھے۔ احادیث میں اشاروں کی بات صراحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ بخاری شریف کی اسی روایت میں جس کے اقتباسات ان سطور میں بار بار پیش کیے گئے ہیں۔ اسی روایت میں ہے کہ حضرت ہاجرہ کو فرشتہ نے اطمینان دلایا کہ ہلاک اور برباد ہونے کا تمہیں خوف نہ ہونا چاہئے یہاں "بیت اللہ" ہے۔ یہ لڑکا اور اس کا باپ اس کی تعمیر کرے گا۔

بیہقی۔ اور مصنف عبدالرزاق کی روایتیں فتح الباری کے حوالہ سے پہلے بھی آچکی ہیں کہ بیت اللہ کی بنیاد حضرت آدم علیہ السلام نے ڈالی تھی طوفان نوح کے زمانہ میں اس کو اٹھا لیا گیا تھا ہر دور میں انبیاء علیہم السلام اس کا طواف کیا کرتے تھے یہ عرش الٰہی کا پرتو ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام جب فرشتوں کی تسبیح نہ سن سکے تو پریشان ہو کر اللہ تعالےٰ سے التجا کی تو اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کی یہ جگہ بتائی کہ یہاں پہونچو یہاں بھی فرشتے طواف کرتے رہتے ہیں۔

(۲۸) اکمه مرتفعه علی ماحولها (بخاری شریف باب یزفون النسلان فی المشی) ٹیلہ جو اپنے اردگرد کی زمین سے بلند تھا۔

(۲۹) وکان البیت مرتفعا من الارض کالرابیه تاتیه السیول فتاخذ علی یمینه وشماله (بخاری شریف باب مذکور)

(۳۰) واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت (الایہ۔ سورہ بقرہ ع ۱۵)

(۳۱) واذ بوانا لا ابراھیم مکان البیت الایۃ۔ سورہ حج ع ۴)

(۳۲) وھنڈا یہی ہے۔ فطرت ایک حرکت میں مصروف ہے۔ جیسے جیسے اسباب مہیا ہوتے رہتے ہیں ان کے نتیجہ کی درخواست

بارگاہ رب العالمین میں پیش ہوتی رہتی ہے۔ وہاں سے اس کا جواب صادر ہوتا ہے۔ آپ سمجھتے ہیں کہ سبب کا نتیجہ اور علت کا معلول ہے۔ مگر کارخانہ قدرت کے واقف کاروں کی شہادت یہ ہے کہ سبب کا سبب ہونا بھی امرالٰہی سے ہے اور علت کا علت ہونا بھی فیضان قدرت اور حکم خداوندی سے ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ "شان" کی تفسیر فرماتے ہیں یعنی تعذیب یا تنعیم - اسعادیا اشقاء احیاء یا امانۃ - واللہ اعلم بالصواب۔

(۳۳) یہ اجتماع ضدین کہ ایک طرف اللہ تعالے سے یہ انتہائی تقرب کہ شرف ہم کلامی حاصل ہوتا ہے اور قلب مبارک اشارات خداوندی اور مرضیات الٰہیہ کے لیے مطلع اور مشرق کی شان رکھے۔ دوسری طرف اتنی عاجزی اور لاچاری' کمتری اور ہیچ تری کا یقین۔ نبی اور رسول کا ظرف ہی اس اجتماع ضدین کو برداشت کر سکتا ہے۔ کسی اور کے ظرف میں یہ صلاحیت نہیں۔ مزید وضاحت مطلوب ہو تو غور فرمایئے جو انبیاء علیہم السلام کی گرد کو بھی نہیں پہونچے کس طرح بھٹک گئے ہیں۔ انتہا یہ کہ کوئی نعرہ لگانے لگا "انا الحق" کسی نے کہہ دیا۔ لوائی فوق لواء محمد (ﷺ)

(۳۴) یعنی مقصد اول کی فصل ششم میں جس میں قرآن پاک کی ان آیات کو بھی ذکر کیا ہے جو اگرچہ خاص طور پر حضرات خلفاء کے متعلق نہیں ہیں مگر ان میں حضرات خلفاء کی فضیلتوں اور ان کے کارناموں کی طرف اشارے موجود ہیں کسی میں خلافت خاصہ کی طرف اشارہ ہے۔ نیز اس فصل میں وہ آیتیں ہیں جو حضرات خلفاء کی موافقت اور تائید کر رہی ہیں اور ایسی آیتیں بھی ہیں جن کا سبب نزول خلفاء اربعہ یا ان میں سے کوئی ایک ہوئے ہیں۔

(۳۵) فصل ششم آیت سوم - اس آیت کے تحت میں جو حدیثیں ازالتہ الخفا میں پیش کی گئی ہیں ان کو ہم نے چند صفحوں کے بعد بشارت عیسیٰ علیہ السلام کے ضمن میں پیش کیا ہے۔

(۳۶) آیت ۲۶ فصل ششم مقصد اول۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کتب کی تفسیر فرماتے ہیں۔ مقدر کن و درملکوت' قضاء ثبوت حسنہ نازل گردان وؔ صورت مثالیہ ثبوت حسنہ در دنیا و آخرت برائے امت من مخلوق فرما۔ حضرت شاہ صاحب کا منشاء یہ ہے کہ قبولیت دعا کا نتیجہ تو عرصہ بعد ظاہر ہوگا فی الحال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست یہ تھی کہ (الف) عالم ملکوت میں یعنی سلسلہ قضا و قدر میں یہ درج فرمادے کہ ان کو "حسنہ" نیکی اور بھلائی نصیب ہوگی (ب) عالم مثال میں حسنہ کی تصویر قائم کر دے۔ یعنی دنیا اور آخرت میں جس طرح یہ بھلائی اور خوبی پیش آنے والی ہو اس کی مثالی ہیئت قائم فرمادے۔ یہ وہ دو کام اب کر دے۔ لفظ "اکتب" جو آیت میں آرہا ہے اس کا مطلب یہی ہے۔

(۳۷) حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کرنا یہود اور نصاریٰ پر تو اس لیے لازم ہوگیا کہ توراۃ اور انجیل میں آپ کے اوصاف موجود ہیں اور تمام دنیا پر اس لیے لازم ہوگیا کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی جلالت و عظمت آپ کے معجزات اور آپ کی صداقت و للہیت دنیا کے مسلمات میں شامل ہے۔ لہٰذا تمام دنیا کے برخلاف یہ حجت قائم ہوگئی ہے۔

(۳۸) اس اونٹنی کا بچہ خریدنا۔ یا اس کی نسل کا کوئی بچہ خریدنا جائز ہے۔ جواز میں کلام نہیں۔ مگر راہ خدا میں دی ہوئی چیز سے ذاتی نفع حاصل کرنے کا معمولی سا شبہ پیدا ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اعلیٰ تقویٰ کے لیے اس معمولی سے شبہ کو بھی پسند نہیں فرماتے اس سے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی شان تقویٰ کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔

(۳۹) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروق ؓ کا یہ عمل مقبول ہے اور یہ اخروی حسنہ ہے لہٰذا یہ حدیث آیت سے تعلق رکھتی ہے۔

(۴۰) ہمارے یہاں جو قراءت مشہور اور رائج ہے اس میں ریشا ہے پوری آیت یہ ہے۔ یابنی ادم قد انزلنا علیکم لباسا یواری سواتکم وریشا ' ولباس التقوی ذلک خیر۔ اے اولاد آدم۔ ہم نے اتارا تم پر پوشاک کہ ڈھانکے تمہارے عیب اور رونق بنے اور کپڑے پرہیز گاری کے سو بہتر ہیں۔ سورہ اعراف رکوع ۳

(۴۱) لباس التقویٰ کی تفسیر حضرت حسن ؓ نے السمت الحسن فرمائی ہے یعنی بہتر اوصاف و خصائل اور بہتر کیرکٹر فیشن کے شوقین حضرات کے لیے یہ آیت خاص طور پر قابل توجہ ہے۔ بیشک اجازت ہے کہ آپ یورپین وضع اختیار کریں مگر اللہ کے یہاں وہ لباس پسندیدہ ہے جس سے تقویٰ اور طہارت جھلکتی ہو۔ واللہ اعلم

(۴۲) استدلال کی صورت یہ ہے کہ حضرت عثمان ؓ ایک آیت کی تفسیر کر رہے ہیں۔ یہ تفسیر خود حضرت عثمان ؓ کی فضیلت کی شہادت ہے مزید شہادت یہ ہے کہ اس کے راوی حضرت حسن ؓ ہیں۔ رضی اللہ عنہم۔

(۴۳) حدیث کے الفاظ یہ ہیں :- وان الرجل لن یھلک حتی یوثر شھوتہ علی دینہ۔ ترجمہ لفظی یہ ہے انسان ہرگز ہلاک نہیں ہوگا یہاں تک کہ ترجیح دے اپنی شہوت و خواہش کو اپنے دین پر۔

(۴۴) اذا جاء اجلھم لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون

(۴۵) اس مسئلہ کا تعلق قضا و قدر سے ہے۔ علماء نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ قضا کے دو درجے ہیں۔ ایک وہ قضا فیصلہ جس کا علم کا پرواز ملائک کو ہوتا ہے۔ دوسرا وہ قضا اور فیصلہ جو علم الٰہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ پہلے درجہ میں تبدیلی ہو جاتی ہے اور درجہ دوم میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ درجہ دوم کو "قضا مبرم" کہا جاتا ہے۔ یعنی (قطعی اور اٹل فیصلہ) کما قال اللہ۔ ما یبدل القول لدی انظر الی قولہ لدی۔

(۴۶) ۳ سے ۸ تک جو حدیثیں پیش کی گئی ہیں ان سے ان بزرگوں کے تقوے' تعلق باللہ اور ایمان بالاخرت کا پتہ چلتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات اس بشارت کی تصدیق ہیں جو آیت میں دی گئی ہے کہ۔ فساکتبھا للذین یتقون ویوتون الزکوہ الخ

(۴۷) اس کے باوجود جبر نہیں ہے کیونکہ اختیار سلب نہیں ہوتا۔ شراب کا پیالہ ہاتھ میں لینے اور معاذ اللہ منہ کو لگانے کے وقت بھی انسان کو یہ قدرت ہوتی ہے کہ وہ اس کو مونھ سے الگ کر لے اور پھینک دے۔ اب اگر وہ معاذ اللہ پی رہا ہے تو جبراً نہیں بلکہ اپنے اختیار سے پی رہا ہے یہ اختیار ہی ثواب یا عذاب کی بنیاد ہے۔ اگر یہ اختیار سلب ہو جائے تو انسان شرعاً مجبور مانا جاتا ہے۔ مجبور مجرم نہیں مانا جاتا۔ واللہ اعلم (مترجم)

(۴۸) قراء صاحبان

(۴۹) ملاحظہ ہو تفسیر آیت سوم از فصل سوم مقصد اول ص ۳۱ ج ۱

(۵۰) یہ لفظ اگرچہ اس آیت سے پہلے ہے مگر "مثلھم" میں خبر کا مرجع الذین معہ ہیں۔

(۵۱) ملاحظہ ہو آیت ۵۱ ' فصل ششم

(۵۲) ایضاً" ملاحظہ ہو فصل ششم تفسیر آیت سورہ انبیاء ۵۱) صفحہ ۲۱۰

(۵۳) اخرج عبداللہ بن احمد فی زوائد الزہد من طریق ابی اسحٰق۔ ازالہ ص ۳۲

(۵۴) اخرج ابونعیم من طریق شہرین حوشب عن کعب (ازالہ ص ۳۲)

(۵۵) ابن عساکر۔ ازالہ ص ۳۳

(۵۶) اخرج الطبرانی و ابو نعیم فی الحلیہ ازالہ ص ۳۲

(۵۷) ابن عساکر

(۵۸) الدفر ذلیل دانستن (قاموس)

(۵۹) ابن عساکر

(۶۰) اخرج ابن راہویہ فی مسندہ بسند حسن۔

(۶۱) حضرت عبداللہ بن سلام چونکہ کتب سابقہ کے بہت بڑے عالم تھے تو غالب یہ ہے کہ آپ نے کتب سابقہ میں کچھ پیشگوئیاں اور کچھ علامتیں ایسی پائی ہوں گی یا ممکن ہے سیدالانبیا صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسی بات سنی ہوگی جس سے آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت کا اندازہ کیے ہوئے تھے اسی بنا پر قریش کو تنبیہہ کرتے تھے کہ وہ اس خون ناحق میں شریک نہ ہوں بہرحال کتب سابقہ سے کچھ علامتیں معلوم ہوئی ہوں یا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ معلوم ہوا ہو۔ دونوں صورتوں میں اس باب سے حدیث کی مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ یعنی خلفاء راشدین کے متعلق پیشین گوئیاں

(۶۲) ابن سعد و ابن عساکر۔ ازالہ ص ۳۳

(۶۳) ابن عساکر من طریق محمد بن یوسف عن جدہ عبداللہ بن سلام (ازالہ ص ۳۳)

(۶۴) ایضاً من طریق محمد بن یوسف

(۶۵) حاکم (ازالہ ص ۳۳)

(۶۶) جنگ کے لیے ضروری ہے کہ کامیابی کی توقع ہو تب ہی حوصلہ بلند ہوتا ہے اسی لیے فوج کو کامیابی کا یقین دلایا جاتا ہے تاکہ کامیابی کی توقع پر فوج اور کمانڈر کے حوصلے بلند رہیں۔ لیکن یہاں ناکامی کے یقین کے ساتھ اقدام جنگ بالکل نرالی بات ہے۔ مگر سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کی شان دوسری ہے۔ ان کے نزدیک کامیابی یہ ہے کہ راہ حق پر قدم مضبوطی سے جما رہے اس میں اگر موت بھی آتی ہے تو وہ بھی کامیابی ہے۔ شہادت کے وقت جو فزت و رب الکعبہ کہتے ہوں ان کے لیے شہادت سے زیادہ اور کیا چیز عزیز ہو سکتی ہے۔

(۶۷) ابوالقاسم البغوی۔ ازالہ الخفا ص ۳۲

(۶۸) یہ بتانا مشکل ہے کہ "یعنی حضرت معاویہ" کس کا قول ہے۔ ذی قربات کا یا حضرت سعید بن عبدالعزیز کا جنہوں نے یہ روایت کی ہے۔ محمد میاں۔

(۶۹) ابن راہویہ و طبرانی۔ ازالہ ص ۳۳

(۷۰) ابن سعد

(۷۱) ابو اسحاق حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے۔ محمد میاں

(۷۲) ازالہ الخفاء ص ۲۴

(۷۳) آیت ۳۔ متعلقہ مقدمہ اس پشین گوئی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں ہے ۱۲

(۷۴) ابن عساکر

(۷۵) ازالہ ص ۲۱۱

(۷۶) ابن عساکر

(۷۷) اخرجہ ابو یعلی و الطبرانی فی الاوسط و ابن عاکر و الحسن بن عرفہ فی جزئتہ المشہورہ

(۷۸) اخرجہ الدار قطنی فی الافراد و الخطیب و ابن عساکر

(۷۹) ازالتہ الخفاء ص ۴۱ فصل سوم آیت ۶

(۸۰) والذین معہ یعنی جن کو آپ ﷺ کی معیت حاصل ہے اس سے وہ حضرات مراد ہیں جو صلح حدیبیہ میں آپ ﷺ کے ساتھ تھے کیونکہ ان کو معیت زمانی بھی حاصل تھی اور معیت مکانی بھی۔ لفظ مع کے یہی حقیقی معنے تھے۔ باقی دینی معیت بھی لفظ مع سے مراد ہو سکتی ہے مگر وہ ایک مجازی معنی ہیں اور جب تک کسی لفظ کے حقیقی معنی مراد لیے جاسکیں مجازی معنے مراد نہیں لیے جاتے۔ لا یلتفت الی المجاز مادام للحقیقتہ مساغ (ازالہ)

(۸۱) ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ صحابہ کرام کی صفت اور تعریف میں اس آیت میں چند الفاظ آئے ہیں مگر حضور سرور کائنات ﷺ کی تعریف میں کوئی لفظ نہیں آیا۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ لفظ رسول جملہ صفات پر حاوی ہے۔ کدام فضیلت است کہ در ضمن "رسول اللہ" نیامد وکل الصید فی جوف الفراء

(۸۲) حدیث شریف میں ہے الصلوۃ معراج المومنین۔ نماز مسلمانوں کی معراج ہے۔ یعنی جس طرح سیدالانبیاء ﷺ کو شب معراج میں بارگاہ رب العزت میں راز و نیاز اور مناجات کا موقعہ ملا تھا۔ مومن کے لیے یہ موقعہ نماز میں حاصل ہے۔ کیونکہ (بموجب ارشاد رسول اللہ ﷺ) نماز پڑھنے والا خدا سے راز و نیاز کرتا ہے۔ قال صلی اللہ علیہ وسلم المصلی یناجی ربہ (صحاح) محمد میاں

علاوہ ازیں معراج اس لیے بھی ہے کہ سیدالانبیاء ﷺ کے معراج کا خلاصہ بھی نماز ہے یعنی اس انتہائی تقرب اور روحانیت کے انتہائی عروج کا حاصل یہ تھا کہ بارگاہ رب العزت میں تقرب حاصل کرنے کا وہ طریقہ بتا دیا گیا جو سب سے اعلیٰ اور اکمل ہے جس سے آخری نبی کی امت کو نوازا گیا۔ (ﷺ) محمد میاں۔

(۸۳) حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں ذالک اینجا اشارہ است' لکلمہ' کزرع ' کقولہ تعالے وقضینا الیہ ذلک الامران دابر ھولاء

(۸۴) حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ یہ ہیں۔ وازانہانامے و نشانے نماند۔ لیکن حکومت قیصر کا نام نشان تو باقی رہا اور علماء محدثین کا یہ ارشاد بالکل صحیح اور قابل قدر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دعوت اسلام کا جو مکتوب گرامی کسریٰ کے نام بھیجا تھا اس نے اس کو چاک کر ڈالا جس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ اس کی سلطنت بھی اسی طرح پارہ پارہ ہو جاے گی چنانچہ واقعہ یہی ہوا اس کی حکومت پارہ پارہ ہو گئی اور قیصر (ہرقل روم) نے نامہ مبارک کی عزت کی تو اس کا اثر ہوا کہ اس کی حکومت باقی رہ گئی۔ البتہ شام وغیرہ سے اس کی شاہنشاہیت ختم ہو گئی۔ بہرحال نام و نشان باقی نہ رہنے مطلب یہ ہے کہ ان کی مرکزیت ختم ہو گئی۔ (واللہ اعلم)

(۸۵) حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس آیت سے خلفاء راشدین کی خلافت خاصہ پر استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں

"باید دانست کہ خلفاء ازجملہ والذین معہ بودند بالقطع' پس اشداء علی الکفار رحماء بینھم الخ وصف ایشاں باشد۔ وایں یکے از لوازم خلافت خاصہ است"۔ اس کے بعد آیت کریمہ ۔ وعد اللہ الذین امنوا وعملوا الصالحات منھم کے متعلق فرماتے ہیں ضمیر منہم راجع است بانچہ آزر واستغلظ وستوی علی سرقہ' مفہوم گشت (ازالہ الخفاء ص ۴۳)

(۸۶) ازالہ الخفاء ص ۴۳۔ جلد اول تفسیر آیت ششم

(۸۷) حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان روایتوں کو فصل ششم میں تیسری آیت کے بعد نقل فرمایا ہے۔ ص ۱۵۹ محمد میاں

(۸۸) اخرجہ الدارمی عن کعب رضی اللہ عنہ

(۸۹) یہ روایت بھی دارمی نے نقل کی ہے۔ الفاظ میں معمولی فرق ہے مضمون ایک ہی ہے۔ محمد میاں

(۹۰) اس سے اس بات کی تلقین بھی ہوتی ہے کہ جماعت کی صفیں فوج کی صف کی طرح بالکل سیدھی اور ہموار ہوں اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ مسلمانوں کو فوجی قواعد کا بہترین عامل ہونا چاہیے۔ انکی فوجیں باضابطہ ہوں۔ محض بھیڑ نہ ہو ارشاد ربانی ہے۔ ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفا کانھم بنیان مرصوص (سورہ صف) اللہ تعالے ان کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح صف باندھ کر جنگ کرتے ہیں کہ گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیواریں ہیں۔

(۹۱) یہ امر خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ چونکہ کتاب اللہ سے تمام امت اسلامیہ کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے قیام قیامت تک ہوگی اس سب کی تعلیم مقصود ہے اس لیے اوصاف و خصائل اور ان کے متعلق انعامات اور ان کے وعدوں کے بیان کرنے میں کسی خاص جماعت یا فرد کا نام نہیں لیا گیا مگر آیات کا سیاق و سباق واضح کر دیتا ہے کہ ان خصائل و اوصاف کے پہلے مصداق حضرات صحابہ ہیں ورنہ نزول قرآن کے وقت یہ تمام خطابات بے محل اور عبث ہوں گے (معاذ اللہ) مصداق کے بغیر محض ایک خیالی اور ذہنی جماعت کو جس کا واقع اور نفس الامر میں وجود نہ ہو سامنے رکھ کر اس کے اوصاف کو شمار کرانا ہوا میں پل باندھنے اور خیالی پلاؤ پکانے کے مترادف ہے جس کو شاعری کہا جا سکتا ہے ذکرو موعظہ نہیں کہا جاسکتا۔ کیا کوئی صاحب ایمان ایک لمحہ کے لیے بھی تسلیم کر سکتا ہے کہ قرآن حکیم صرف خیالی دنیا کی تصویر کھینچتا ہے۔ العیاذ باللہ کلام الٰہی اس تدلیس و تلبیس اور سخن سازی سے مبرا اور منزہ ہے۔ بلکہ قرآنی آیتوں کے نزول کے وقت اس کے ارشادات کے مصداق موجود تھے۔ یہی وہ تھے جو دعاء ابراہیم کے بموجب رحمۃ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے انفاس قدسیہ سے فیضیاب ہوئے اور ان تمام وعدوں کے مستحق بنے جو کتاب اللہ ملت ابراہیمی اور محمدی (صلوات اللہ علیہم وعلی سائرالانبیاء اجمعین) کے متبعین با اخلاص کے لیے کیے گئے ہیں۔

(۹۲) حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ بلحاظ عرف آیت کا مفہوم یہ ہے کہ خیر کے موقع پر بیدریغ خرچ کرتے ہیں۔ رات دن کی قید ہے نہ اظہار یا اخفاء کی۔ پوشیدہ طور پر امداد کا موقع ہوتا ہے پوشیدہ امداد کرتے ہیں اور کوئی ایسا موقع ہو جہاں دوسروں کو ترغیب مقصود ہو وہاں علانیہ خرچ کرتے ہیں۔ ازالۃ الخفاء ص ۱۶۱)

(۹۳) واضح رہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تعلق قبیلہ بنوتیم سے تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہاشمی تھے۔

(۹۴) یہ واضح ہے کہ حضرت طلحہ جنگ جمل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابل صف میں تھے۔ اسی جنگ میں آپ شہید

ہوئے۔ روایت یہ ہے کہ آپ شہادت سے کچھ پہلے میدان سے ہٹ چکے تھے۔ آپ پر کسی نامعلوم شخص نے اچانک حملہ کیا اور آپ شہید ہو گئے اور یہ بھی روایت ہے کہ شہادت کے وقت آپ نے کسی شخص سے جو سامنے تھا فرمایا کہ تم حضرت علی ؓ سے کہہ دینا کہ وہ آپ کا حامی بن کر دنیا سے جا رہا ہے۔ بہرحال واقعہ یہ ہے کہ وہ حضرت ؓ کے مقابلہ میں صف آرا ہوئے مگر چونکہ ان بزرگوں کی ساری مخالفت لوجہ اللہ تھی یعنی ہر شخص اس پر عمل پیرا ضروری سمجھتا تھا جو اس کے نزدیک حق تھا ان کی مخالفت کسی ذاتی مفاد یا دشمنی کی بنا پر نہیں تھی۔ لہٰذا ذاتی طور بزرگوں کے سینے صاف تھے۔ حضرت علی ؓ اس حقیقت کو ظاہر فرما رہے ہیں مگر یہ ہمدانی شخص کینہ پرور ہے وہ حقیقت کو سمجھنے سے قاصر رہا۔ حضرت علی ؓ کی خفگی کا سبب یہی ہے کہ وہ اپنے اوپر ان بزرگوں کو بھی قیاس ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ کار پاکان راقیاس ازخود مگیر۔ گرچہ ماندور نوشتن شیرو شیر (محمد میاں)

(۹۵) ازالتہ الخفاص ۲۰۱ و ص ۲۰۲)

(۹۶) بدر صغریٰ جنگ احد سے اگلے سال کا واقعہ ہے جس کا محرک ابو سفیان کا وہ اعلان تھا جو غزوۂ احد کے موقع نے کیا تھا کہ آئندہ سال ہم پھر حملہ کریں گے اور تمہاری جڑیں کھود ڈالیں گے۔ صحابہ کرام نے اس سال بھی تیاری کرلی۔ ابوسفیان نے بہت بڑی فوج تیار کی جو جنگ احد کی فوج سے دوگنی تھی۔ مگر اس مرتبہ اس نے جنگ کا سلسلہ شروع کیا یعنی پروپیگنڈے کے ذریعہ حضرات صحابہ اور آنحضرت ﷺ کو مرعوب کرنے کی کوشش کی احد کی غیرمعمولی شکست کے بعد اس کا امکان ضرور تھا کہ مسلمان پروپیگنڈے سے مرعوب ہو جاتے مگر یہ خدا کا کہ ان کے حوصلے بہت بلند رہے اور جب اس عالی حوصلگی کے ساتھ انہوں نے کوچ شروع کیا تو ابو سفیان اور تمام سورماؤں کی ہمتیں پست ہوگئیں یہاں تک کہ جان بچانے کو ہی غنیمت جانا اور جنگ کیے بغیر واپس ہو اسلام بھی جنگ کو مقصود اور نصب العین کی حیثیت نہیں دیتا۔ لہٰذا جب دشمن واپس ہو گیا تو آنحضرت ﷺ تشریف لے آئے۔ (محمد میاں)

(۹۷) اہل حرب سے وہ غیر مسلم مراد ہیں جن سے مہاجرین اور انصار کا کوئی معاہدہ نہیں ہے۔ کیونکہ اگر کوئی معا ہوا تو آیتہ کریمہ میں معاہدہ کی پابندی کو لازم قرار دیا گیا ہے۔ محمد میاں

(۹۸) مگر شرط یہ ہے کہ یہ غیرمسلم حریف آپ کا حلیف نہ ہو۔ میاں محمد

(۹۹) خلاصہ یہ کہ مسجد کی آبادکاری کا صحیح طریقہ جو خدا کے یہاں شرف قبولیت حاصل کر لے اس کو وہی لوگ کر سکتے ہیں جو ایمان باللہ اور فرائض اولیہ کے ابتدائی اور بنیادی امور کو انجام دے چکے ہوں۔ لہٰذا انہیں کو یہ حق ہے کہ وہ "مساجد اللہ" کو آباد کریں۔ باقی وہ مشرک جن کا کفر خود ان کے برخلاف شہادت دے رہا ہے اور ہے کہ نقطہ نظر کی صحت سے یہ محروم ہیں ان کے اعمال ظاہر میں کتنے ہی خوش نما ہوں۔ مگر چونکہ روح سے محروم ہیں اس لیے وہ کاغذی باغ سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتے۔ اس کے بعد ارشاد ہے کہ اگر اس اہل نکتہ نظرانداز بھی کر دیا جائے اور صرف اعمال کا موازنہ کیا جائے تو کونسی عقل تسلیم کر سکتی ہے کہ زائرین بیت اللہ کو پلانا۔ یا مسجد حرام کی خدمت ترک وطن یا جہاد فی سبیل اللہ جیسے زہرہ گداز اور صبر آزما کاموں کے ہم پلہ ہے۔ میاں

(۱۰۰) الزالۃ الخلفاء بسلسلہ آیت سورہ حشر ص ۲۴۲ تا ص ۲۴۶

(۱۰۱) یہ آیتیں سورہ انعام کی ہیں۔ سورہ انعام کے متعلق حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ سورۂ انعام نواجب قرآن سے ہے اور "الدرالنشیر" میں ہے۔ الانعام من نجائب القرآن او نواجبہ یعنی راوی کو شک ہے کہ نجائب ہے یا نواجب بہرحال مفہوم ایک ہی ہے کہ سورئہ انعام قرآن پاک کی افضل ترین سورتوں میں سے ہے۔ (نجائب جمع نجیبہ منتخبہ) نواجب (نفیس اور عمدہ)

(ب) حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی اسلام کے لیے شرح صدر ہو گیا تھا غالباً اسی کی تائید میں حضرت قیس کی مندرجہ ذیل روایت پیش فرماتے ہیں:

حضرت قیس رضی اللہ عنہ' حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے یہاں تشریف لے گئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا۔ آپ کیا کیفیت محسوس کرتے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے مولاء برحق کی طرف راجع۔ حضرت عبداللہ بن مسعود بہت اچھا ہے۔

(ج) صحابہ اور عہد صحابہ کے متعلق سورۂ انعام کی چند آیتوں کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔ آیۃ کریمہ (قل هوالقادر علی ان یبعث علیکم عذابا من فوقکم اومن تحت ارجلکم او یلبسکم شیعاو یذیق بعضکم باس بعض) ترجمہ۔ آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ تمہارے اوپر اوپر کی طرف سے عذاب بھیج دے یا پیروں کے نیچے سے یا بھڑا دے تم کو مختلف فرقے کر کے اور تم میں سے بعض کی سختی (قوت اور زور) چکھائے) حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ہو کر رہے گا اور اس کی کوئی توجیہہ اور تاویل نہیں وارد ہوئی ہے (ترمذی شریف) حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک کو دوسرے کی قوت اور سختی کا مزہ چکھانے کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں میں خانہ جنگی ہوگی جو ۳۵ھ کے ختم ہونے پر (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں) ہوئی۔

(د) آیۃ کریمہ الذین امنو ولم یلبسوا ایمانهم بظلم (ترجمہ۔ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان میں ظلم کی آمیزش نہیں کی) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی گئی اور کہا گیا کہ ایسا کون ہے جس نے ظلم نہ کیا ہو اور اپنے ایمان کو ظلم سے مکدر نہ کر دیا ہو۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا' تم نے آسان مفہوم کو سخت کر لیا۔ یہاں ظلم سے مراد شرک ہے۔ چنانچہ دوسری آیت میں ہے۔ ان الشرک لظلم عظیم

(ہ) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مضمون منقول ہے۔ نیز روایت ہے کہ جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دختر نیک اختر "ام کلثوم" رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو آپ کے احباب مبارکباد کے لیے آپ کے یہاں پہونچے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ مجھے نکاح اور نساء کی ضرورت نہیں رہی ہے۔ لہٰذا میں نے اس لیے نکاح نہیں کیا بلکہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ہر ایک نسبی رشتہ اور ہر ایک تعلق منقطع ہو جائیگا مگر میرا نسبی رشتہ اور میرے ساتھ توسل و تعلق باقی رہے گا۔ لہٰذا میں نے چاہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میرا تعلق قرابت قائم ہو جائے۔ ازالۃ الخفاء ص ۱۸۰

(۱۰۲) پس زندہ کیا ہم نے اس کو ۱۲

(۱۰۳) پس ہدایت بخشی ہم نے اس کو ۱۲

(۱۰۴) تاریکیوں میں

(۱۰۵) کفر اور گمراہی میں

(۱۰۶) اس روایت کے انداز سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ بات جس کو مسلمان پسند کریں وہ عنداللہ پسندیدہ ہے اور جس کو ناپسند کریں وہ عنداللہ ناپسندیدہ ہے۔ حضرات صحابہ کرام کے لیے ہے جن کے قلوب خیر قلوب العباد تھے۔ قرین قیاس بھی یہی ہے کیونکہ آج تو ہم دیکھتے ہیں کہ نماز روزہ پانچ فیصدی مسلمانوں کو پسند ہے اور ۹۵ فیصدی کھیل تماشہ اور لغویات و محرمات میں مبتلا ہیں۔ فقہاء کرام کے یہاں بھی وہی اجماع معتبر ہے جو خیرالقرون میں یعنی عہد صحابہ میں ہو گیا۔ واللہ اعلم۔ محمد میاں

(۱۰۷) یہ سورۂ انعام کے انیسویں رکوع کی آیتیں ہیں۔ ترجمہ اور مطلب یہ ہے (اے پیغمبر اسلام) آپ فرما دیجئے آؤ۔ پڑھ کر سناؤں جو حرام کیا ہے تم پر تمہارے رب نے۔ خدا کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ ہم ہی روزی دیتے ہیں تم کو اور ان کو اور بے حیائی کی باتوں کے پاس بھی نہ جاؤ۔ کھلے طور پر ہوں یا چھپی ہوں۔ اور کسی جان کو قتل نہ کرو جسے خدا نے حرام ٹھہرایا ہے۔ ہاں یہ کہ کسی حق کی بنا پر قتل کرنا پڑے (جیسے قصاص میں) یہ ہیں وہ باتیں جن کی خدا نے تمہیں وصیت کی ہے تاکہ تم سمجھ بوجھ سے کام لو اور (اسی طرح حکم دیا ہے کہ) پاس نہ جاؤ یتیم کے مال کے۔ مگر یہ کہ ایسی صورت سے بہت ہی بہتر ہو۔ (یعنی یتیموں کے فائدہ کی خاطر ان کے مال کے پاس جاسکتے ہو اور اس کی حفاظت اور ترقی کا منصوبہ سکتے ہو مگر وہ ایسا ہونا چاہئے کہ سب سے بہتر منصوبہ ہو۔ اس سے بہتر نہ بن سکے۔ مگر یہ بھی اس وقت تک کہ یتیم اپنی عمر کو پہنچ جائیں اور ان میں کام سنبھالنے کی قوت پیدا ہو جائے) اور انصاف و دیانت کے ساتھ ناپ تول پورا کرو۔ کسی جان پر اس کے مقدور سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے (پس جہاں تک تمہارے بس میں ہے انصاف و دیانت کی کوشش کرو) اور جب کبھی کوئی بات کہو تو انصاف کی کہو۔ اگرچہ معاملہ اپنے قرابت دار ہی کا کیوں نہ ہو۔ اور اللہ کے ساتھ عہد و پیمان کیا ہے اسے پورا کرو۔ یہ باتیں ہیں جن کا خدا نے تمہیں حکم دیا ہے تاکہ نصیحت پکڑو۔ نیز اللہ نے فرمایا ہے۔ یہ ہے میری راہ سیدھی پس اس پر گامزن رہو اور دوسری راہوں پر نہ چلو کہ وہ تمہیں خدا کی راہ سے بھٹکا کر تتر بتر کر دیں گی۔ یہ ہے جس کی وصیت کی تم کو خدا نے تاکہ تم پرہیزگار اور متقی ہو جاؤ۔ ع ۱۹ سورہ انعام

(۱۰۸) یہ سورۂ نحل کے تیرھویں رکوع کی آیت ہے ترجمہ اور مطلب یہ ہے (مسلمانو!) اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے تم کو ہر معاملہ میں انصاف کرو (سب کے ساتھ) بھلائی کرو اور قرابت داروں کے ساتھ سلوک کرو اور تمہیں روکتا ہے بے حیائی کی باتوں سے ہر طرح کی برائیوں سے اور ظلم و زیادتی کے کاموں سے وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم سمجھو نصیحت پکڑو۔

(۱۰۹) اس آیت کے الفاظ اگرچہ ہر ایک مومن کے لیے عام ہیں اور اسی بناء پر حضرت مجاہد اور عمرو بن میمون ہر اس شخص کو جس کی موت ایمان پر ہو' اس آیت کا مصداق قرار دے رہے ہیں اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت اس کی تائید بھی کرتی ہے لیکن حضرت ابودرداء کی مرفوع روایت اس آیت کا مصداق مہاجرین قرار دے رہی ہے غالباً اسی مناسبت سے حضرت شاہ صاحب نے اس آیت کو اس سلسلہ میں پیش بھی فرمایا اور اس لحاظ سے اس کو طبقہ

صحابہ کے ضمن میں لانا بھی مناسب ہے۔ حضرت ابوہریرہ ؓ کی تفسیر ہر ایک سے مختلف ہے ان کے قول کے مطابق شہید کے لیے قتیل ہونا ضروری نہیں۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ وہ مغفور ہو۔ واللہ اعلم بالصواب محمد میاں

حضرت شاہ صاحب نے افادہ کے طور پر۔ ترکیب نحوی کے سلسلہ میں حضرت ضحاک کا قول بھی نقل کر دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اولیک ھم الصدیقون پر آیت ہو جاتی ہے اس کے بعد دوسرا حصہ یہ ہوتا ہے والشھداء عند ربھم لھم اجرھم و نورھم۔ (۱۱۰) سورۂ حدید کی ایک آیت ہے۔

ما اصاب من مصیبته فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبراھا۔ ان ذلک علی الله یسیر۔ ع ۳ (نہیں پڑی کوئی مصیبت ملک میں اور نہ خود تم میں مگر وہ ایک کتاب (تحریر میں آچکی) تھی اس سے پہلے کہ پیدا کریں ہم اس کو بیشک یہ اللہ پر آسان ہے)

حضرت شاہ صاحب نے ان مصائب کا لحاظ کرتے ہوئے جو صحابہ کرام کو ہجرت سے پہلے یا ہجرت کے وقت یا ہجرت کے بعد برداشت کرنا پڑے ہیں اس موقع پر آیت مذکورہ کی تفسیر میں حضرت حسن ؓ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ آنے والی مصیبت کے متعلق سب سے پہلے آسمانوں میں فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ انہیں عجیب و غریب فیصلوں کی بناء پر حضرت حق جل مجدہ' نے کلام پاک میں اپنے متعلق ارشاد فرمایا ہے کل یوم ھو فی شان (ہر روز اس کی شان نرالی ہے) اس کے بعد حضرت حسن ؓ فرماتے ہیں۔ نفاذ فیصلہ کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک وقت مقرر کر دیا جاتا ہے اور اس مقرر وقت تک اس مصیبت کو روک لیا جاتا ہے۔ پھر جب یہ مقررہ وقت آجاتا ہے تو اس کی رکاوٹ ختم کر دی جاتی ہے پھر کوئی طاقت نہیں جو اس مصیبت کو لوٹا سکے۔ وقت مقرر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ طے کر دیا جاتا ہے کہ یہ مصیبت جو قحط' یا رزق کی کمی یا کسی اور صورت میں کسی خاص طبقہ میں یا عام انسانوں میں آنے والی ہے وہ فلاں دن آئے گی اس کا مہینہ' سال اور وہ شہر یا علاقہ جہاں مصیبت آئے گی سب کچھ درج کر دیا جاتا ہے۔ یہ مصیبت ایسے افعال کی بنا پر آتی ہے جو غیر فطری ہوتے ہیں مگر لوگوں کو ان کی عادت پڑ جاتی ہے اور غیر فطری کو طبعی بنا لیتے ہیں جیسے کوئی شخص چھڑی رکھنے کا عادی نہیں ہے وہ اول اول چھڑی لیتا ہے تو اس کو بار معلوم ہوتی ہے رفتہ رفتہ وہ اس کا عادی بن جاتا ہے اور یہاں تک کہ اس کا محتاج ہو جاتا ہے کہ چھڑی کے چھوڑنے کی طاقت اس میں نہیں رہتی۔

(۱۱۱) حضرت شاہ صاحب ؒ اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں۔ اگرچہ طبقہ علیا یعنی "السابقون المقربون" کے آپس میں بھی بہت سے مرتبے ہیں لیکن یہ ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خلیفہ خاص۔ اس طبقہ کا شرف و اعزاز رکھتا ہو اس کے بعد سورہ واقعہ کے متعلق چند احادیث پیش کرتے ہیں۔ جن کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سورہ الحاقہ۔ سورہ عم یتساء لون' سورہ والنازعات' سورہ اذالشمس کورت اور سورہ اذا السماء انفطرت کو مداومت کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ پس آپ پر ضعف اور پیری کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ آپ پر بہت تیزی سے بڑھاپے کا اثر ہوتا جا رہا ہے؟ محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا۔ مجھ کو سورہ ہود اور اس جیسی سورتوں نے (یعنی جن میں قیامت' دوزخ اور عذاب وغیرہ کا تذکرہ ہے) بوڑھا کر دیا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ جب سورہ واقعہ نازل ہوئی اور اس میں یہ آیت پڑھی گئی ثلة من الاولین۔ وقلیل من الاخرین (ایک جماعت پہلے لوگوں میں کی اور تھوڑے سے پچھلوں میں سے۔) تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پچھلے لوگوں میں سے ایک جماعت اور ہم میں سے تھوڑے سے؟ (یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سمجھا کہ اولین سے مراد وہ اہل ایمان ہیں جو دوسرے انبیاء علیہم السلام کی امت میں اسلام سے پہلے گذر چکے ہیں) اس واقعہ سے تقریباً" ایک سال بعد یہ آیت نازل ہوئی ثلة من الا ولین وثلة من الاخرین یعنی پچھلے لوگوں میں سے بھی ایک جماعت اور بعد کے اہل ایمان کی بھی ایک جماعت تو۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا آؤ عمر سنو۔ اللہ تعالیٰ نے کیا نازل فرمایا ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر مجھ تک ایک ثلۃ (جماعت) ہے۔ اور دوسری جماعت یعنی آخرین کی جماعت مجھ سے شروع ہوتی ہے اور ہمارے "ثلۃ" جماعت کی تکمیل میں سودان کے وہ حبشی بھی شامل ہیں جو اونٹ چراتے ہیں اور کلمہ توحید لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے قائل ہیں۔ اس روایت کے مطابق السابقون السابقون سے مراد انبیاء علیہم السلام ہوں گے اور وہ صدیق اور شہداء جو انبیاء علیہم السلام کے مرتبہ میں ہوں جیسا کہ احادیث میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق وارد ہوا ہے اور اصحاب الیمین سے مراد تمام اہل ایمان ہوں گے جن میں انبیاء اور غیر انبیاء سب شامل ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ اس کے بعد حضرت شاہ صاحب ﷫ نے اس مناسبت سے کہ "لحم طیر" (پرندوں کے گوشت) کا تذکرہ سوراہ واقعہ میں ہے۔ حضرت ابو سعید خدری' حضرت انس' حضرت حذیفہ ﷛ کے حوالہ سے حدیثیں نقل کی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کے پرندے' اونٹوں کے برابر بڑے بڑے ہوں گے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ ان کا گوشت کس قدر خوشگوار ہو گا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اور اس کو کھانے والے اس سے بھی زیادہ خوشگوار ہوں گے۔اور مجھے توقع ہے کہ ابوبکر تم ان میں سے ہو گے آخر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت نقل کی ہے جو متعدد سندوں سے مروی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہو کہ میت کے سامنے رہو اور اس کو تذکیر کرتے رہو کیونکہ وہ ان کو دیکھتے ہیں جن کو تم نہیں دیکھ سکتے۔

(۱۱۲) سورہ بقرہ میں ہے لولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض ولکن اللہ ذو فضل علی العالمین ع ۳۲ (ترجمہ) اگر ایسا نہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کے ایک گروہ کے ذریعہ دوسرے گروہ کو دفع کرتا رہتا ہے (راستہ سے ہٹاتا رہتا ہے) تو دنیا برباد ہو جاتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ تمام عالموں کے لیے فضل و رحمت رکھنے والا ہے۔ فساد اور بربادی کی صورت یہ بھی تھی کہ عدل و انصاف کا نام و نشان نہ رہتا اور فساد کی صورت یہ بھی تھی کہ دنیا مادی ترقیات کے راستہ پر قدم نہ بڑھاتی مگر خوف اور خطرہ اور جنگی طاقت کا توازن جس طرح ظالم کا راستہ روک کر بسا اوقات اس کو انصاف پر مجبور کرتا ہے اسی طرح وہ بیدار اور چوکنا رکھ کر قوت عمل کو متحرک بھی بناتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان نئی نئی ایجادیں کرتا ہے۔ مثل مشہور ہے ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

(۱۱۳) کبھی یہ کیفیت فوری طور پر بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً" کسی خاص سبب سے اس کی غیرت ایمانی میں حرکت پیدا

ہوئی وہ میدان کار زار میں کودا اور اپنی جان قربان کر دی یہ شخص یقیناً" شہید ہے ۱۲

(۱۱۴) اضافہ از محمد میاں عفی عنہ

(۱۱۵) اضافہ از محمد میاں عفی عنہ

(۱۱۶) اضافہ از محمد میاں عفی عنہ

(۱۱۷) سلمان منا اھل البیت بغوی وغیرہ بحوالہ تفسیر مظہری

(۱۱۸) کیونکہ انسان خود اپنا دشمن اور بدخواہ تو ہو بھی سکتا ہے اور بعض اوقات جہل وبغاوت کی بنا پر اس کی عقل اوندھی ہو جاتی ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جن پر خفی سے خفی منافع اور مصالح روشن ہیں کسی حال میں بھی بدخواہی کا امکان نہیں ہے فانه لا یا مرهم ولا یرضی منهم الا بمافیه صلاحهم ونجاحهم بخلاف النفس (بیضادی) والد لیل علیه قوله تعالیٰ عزیز علیه ماعنتتم حریص علیکم۔ (محمد میاں)

حضرت مونا شاہ عبدالقادر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ نبی نائب ہے اللہ تعالیٰ کا۔ اپنی جان و مال میں اپنا تصرف نہیں چلتا جتنا نبی کا۔ اپنی جان دہکتی آگ میں ڈالنی روا نہیں اور نبی حکم کرے تو فرض ہے (موضح القران)

(۱۱۹) ابو داؤد شریف اور نسائی شریف کی روایت ہے کہ افعال حج ادا کرتے ہوئے جب صفا پر پہونچے تو قبلہ رو ہو کر تین دفعہ پڑھنا چاہئے لا الہ اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ لہ المللک ولہ الحمد یحیی و یمیت وھو علی کل شی قدیر۔ لاالہ الا اللّٰہ وحدہ انجزو عدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ اس کے بعد دعا مانگے۔ (حصن حصین)

(۱۲۰) صحیحین کی روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر سے واپس ہوتے تو راستہ میں کوئی ٹیلہ یا پہاڑی پڑتی تھی تو اس پر چڑھتے ہوئے تین مرتبہ اللہ اکبر کہتے تھے پھر فرمایا کرتے تھے۔ لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ المللک ولہ الحمدو ھو علی کل شی قدیر۔ آیبون تائبون عابدون ساجدون لربنا حامدون صدق اللہ وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ۔ (حصن حصین منزل چہارم)

(۱۲۱) جب حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عام صحابہ کو تین دن ہو گئے تھے تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا جانے کتنے روز گذر گئے ہوں گے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو صوم و صال کی عادت تھی کئی کئی روز کا متواتر روزہ رکھا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ میرا رب مجھ کو کھلاتا پلاتا ہے۔ چونکہ عام مسلمانوں اور خود صحابہ کرام کو یہ خصوصیت حاصل نہیں تھی لہٰذا ان کو صوم وصال کی اجازت نہیں تھی۔ پس جو ذات پاک صوم وصال کی عادی ہو اس کی حالت تین روز کے فاقہ میں ناقابل ضبط نہیں ہو سکتی کہ چہرے پر آثار نمایاں ہوں۔ واللہ اعلم۔ محمد میاں۔

(۱۲۲) ایک صاع دوسو ستر تولہ کا ہوتا ہے یعنی اسی کی تول سے تین سیر چھ چھٹانک اور آج کل کی زبان میں تین کیلو سے کچھ زائد۔

(۱۲۳) استعر صبحافا"۔ فتح الباری ج (۱) ص ۳۱۹

(۱۲۴) ان محترمہ کا اسم گرامی سہلہ بنت مسعود تھا۔ انصاری خاتون تھیں۔ کیا ٹھکانا ہے ان کی قوت ایمانی کا اور ان کی فہم و فراست کا۔ ہمارا جو کام تھا ہم نے کر دیا اب اللہ تعالیٰ جانے اور اس کا رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جانے اس

اعتماد پر ہزاروں درویشوں کے توکل قربان کیے جاسکتے ہیں صحابہ کی یہی شان ہے جس نے ان کو کائنات کی آنکھ کا تارا بنا دیا ہے محمد میاں۔

(۱۲۵) محترمہ کا سلیقہ اور شعور ضبط و نظم ملاحظہ ہو۔

(۱۲۶) راستے دونوں بتا دیئے اور یہ بھی واضح کر دیا کہ خیر اور حق کا راستہ چلنے کے لیے ہے اور شر و جہل کا راستہ بچنے کے لیے۔

(۱۲۷) حقیقت جہاد کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ العزیز کے ارشاد کا ترجمہ پہلے گزر چکا ہے اس میں یہ اشارہ موجود ہے کہ جب تک سرکش اور معاند قوموں کی بربادی کا کام فرشتوں کے ذمہ رہا جہاد مشروع نہیں تھا۔ جہاد کا حکم اہل ایمان کو جب ہی دیا گیا جب فرشتوں کے ذریعہ امم عاصیہ کی بربادی کا طریقہ ختم کیا گیا۔ محمد میاں

(۱۲۸) جب ڈگنے لگیں آنکھیں اور پہونچے دل گلوں تک اور اٹکلنے لگے تم اللہ تعالیٰ پر کئی اٹکلیں (شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ)

(۱۲۹) حضرت عطاء جلیل القدر تابعی ہیں کتاب الکنی میں ان کا مقولہ نقل کیا گیا ہے۔ **ان اللہ یسبح و تسبیحہ سبوح قدوس سبقت رحمت غضبی** یعنی اللہ تعالیٰ بھی تسبیح پڑھتے ہیں اور ان کی تسبیح یہ ہے۔ میں سبوح قدوس ہوں میری رحمت میرے غصہ سے آگے بڑھی ہوئی ہے۔ فیض الباری ج ۳۔ ۴۴

(۱۳۰) دونوں ہاتھ پھیلائے جائیں تو یہ لمبائی جو ایک ہاتھ کی انگلیوں سے دوسرے ہاتھ کی انگلیوں تک ہو گی سینہ کی چوڑائی سمیت یہ باع کہلاتی ہے جو تقریباً پونے دو گز ہوتی ہے۔ محمد میاں۔

(۱۳۱) جب آپ ﷺ کی ذات ان خواص کے لیے نمونہ ہو تو عوام کے لیے تو لامحالہ بہترین نمونہ ہو گی۔

(۱۳۲) بربادی اور ہلاکت ثمود کے متعلق سورہ ھود میں یہ ہے فاخذتھم الصیحتہ چیخ (چنگھاڑ) نے ان کو آپکڑا۔ سورہ اعراف میں صیحہ کے بجائے رجفہ وارد ہوا ہے۔ فاخذتھم الرجفہ (ان کو پکڑا زلزلہ نے) ان دونوں تعبیروں کا خیال کرتے ہوئے یہی بات معین ہو جاتی ہے کہ صیحہ (چیخ) سے مراد وہ گڑگڑاہٹ ہے جو زلزلہ کے وقت ہوا کرتی ہے اور الفاظ کے فرق نے یہ بھی بتا دیا کہ جس طرح یہ زلزلہ عجیب تھا اس کی گڑگڑاہٹ بھی عجیب تھی وہ ایسی چنگھاڑ کی طرح تھی جو دلوں پر ایسی دہشت پیدا کر دے کہ ان کی حرکت بند ہو جائے۔ واللہ اعلم بالصواب

(۱۳۳) سلسلہ نسب یہ بیان کیا گیا ہے کہ عاد پسر عوص - پسر ارم۔ پسر سام۔ پسر نوح علیہ السلام۔ ثمود پسر گث۔ پسر ارم۔ پسر سام۔ پسر نوح علیہ السلام اور یقطان یا قحطان جو عرب عاربہ کے جد اعلیٰ ہیں ان کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ یقطان پسر عیبر۔ پسر شالخ۔ پسر ارفخشد پسر سام۔ پسر نوح علیہ السلام۔ بائبل کتاب پیدائش۔

(۱۳۴) بعض مورخوں کا یہ قول ہے کہ عرب بائدہ یعنی عاد و ثمود وغیرہ اور عرب عاربہ دونوں یقطان کی اولاد ہیں۔ یعنی سلسلہ نسب سام کے بجائے یقطان میں مل جاتا ہے۔ (خطبات احمدیہ) تاریخ ابوالفداء وارض القرآن)

(۱۳۵) ثمود سامی نسل کے قدیم ترین پیغمبروں میں سے ہوئے ہیں۔ عرب آپ سے خوب واقف تھے۔ جنوبی عرب میں آج بھی "قبر بنی ہود" کے نام سے ایک مقام مرجع خلائق و زیارت گاہ ہے۔ جس کا ذکر انگریزی سیاح بھی برابر کرتے ہیں۔ بعض اہل علم کا قول ہے کہ آپ ہی کا نام توراۃ (کتاب پیدائش) میں عبر کر کے آیا ہے۔ ان کی قوم عاد جنوبی عرب میں آباد تھی اور اس کے حدود مشرق میں خلیج فارس کے شمال سے مغرب میں بحر قلزم کے جنوب تک وسیع تھے

گویا آج کے یمن۔ عمان وغیرہ سب اس میں شامل تھے۔ ان کا پایہ تخت یمنی شہر حضر موت تھا۔ اپنے زمانہ کی متمدن زرین قوم تھے۔ اپنے لمبے سفروں کے لیے ضرب المثل (تفسیر ماجدی وارض القرآن)

(۱۳۶) ان کے دارالحکومت کا نام حجر تھا۔ یہ شہر حجاز سے شام کو جانے والے قدیم راستہ پر واقع تھا۔ اب عموماً اس شہر کو مدائن صالح کہتے ہیں۔ یہ شمالی عرب کی زبردست قوم تھی۔ فن تعمیر میں عاد کی طرح اس کو بھی کمال حاصل تھا۔ پہاڑوں کو کاٹ کر مکان بنانا۔ پتھروں کی عمارتیں اور مقبرے تیار کرنا اس قوم کا خاص پیشہ تھا۔ یہ یادگاریں اب تک باقی ہیں ان پر ارالی و ثمودی خط میں کتبے منقوش ہیں (ارض القرآن)

(۱۳۷) اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خاص اس مقام پر تھے کہ جہاں یہ بحر مردہ یا بحر لوط ہے۔ جب قوم لوط پر عذاب آیا اور اس قوم کا تختہ الٹا گیا تب یہ زمین تقریباً چار سو میٹر سمندر سے نیچے چلی گئی اور پانی بھر آیا اسی لیے اس کا نام بحر میت یا بحر لوط یا بحر مردہ ہے۔

(۱۳۸) اس کا انداز یہ ہے کہ عرب عام طور پر اس کو جانتے ہیں۔

(۱۳۹) اللہ تعالیٰ مجاہد ملت حضرت مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب کے مراتب بلند فرمائے اور ان کی قبر کو نور سے بھر دے۔ آپ نے بڑی جانفشانی سے اپنی مشہور تصنیف قصص القرآن میں آیات قرآنیہ اور احادیث کی مدد سے ہر ایک واقعہ کو اس کی اصل صورت میں پیش فرما کر اس گرد کو صاف کر دیا ہے جو تحریف شدہ تورات نے انبیاء علیہم السلام کے دامن تقدس پر ڈال رکھا تھا۔ جس سے دامن نبوت کا پہچاننا مشکل ہو گیا تھا۔

(۱۴۰) تفسیر ماجدی

(۱۴۱) کشتی نہیں بلکہ بہت بڑا جہاز۔ بقول مولانا عبدالماجد دریا بادی۔ ایسا بڑا جہاز جیسے یورپ اور امریکہ کے درمیان چلتے ہیں۔ صحیح اور اسلم طریقہ وہ ہے جو اکابر مفسرین نے اختیار کیا کہ طول و عرض کی بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ اتنی بات ظاہر ہے کہ یہ جہاز اتنا بڑا ہو گا جس سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہو سکے۔ حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہوا تھا۔ احمل فیھا من کل زوجین اثنین واھلک ومن امن وما امن معه الا قلیل سورہ ھود ع ۴۔ ہر ایک جاندار کے دو دو جوڑے اس میں چڑھا لو۔ اپنے گھر کے آدمیوں اور ان کو جو ایمان لے آئیں سوار کرلو۔ مگر ان میں ایمان لانے والے تھوڑے تھے۔

(۱۴۲) جودی' کوہ ادارات کی ایک چوٹی کا نام تھا۔

(۱۴۳) عاد و ثمود یا قوم لوط اور قوم نوح علیہما السلام کی بربادی کے واقعات تو زمانہ قبل از تاریخ کے واقعات ہیں یعنی اس زمانہ میں ہوئے جس کی تاریخ اس وقت محفوظ نہیں لیکن اٹلی کے مشہور اور گل و گلزار شہر پامپئی کی زلزلہ سے بربادی تو عہد تاریخ کی بات ہے ۶۳ء تھا جب ایک زلزلہ سے یہاں کے فسق پیشہ باشندے تباہ و ہلاک ہو کر رہ گئے اور جو کچھ بچ رہے تھے انہیں ۷۹ء میں ایک قدرتی آتش باری نے بھون ڈالا۔ (تفسیر ماجدی حاشیہ سورہ اعراف)

(۱۴۴) جو کمزور پڑے تھے۔ شاہ عبدالقادر صاحب

(۱۴۵) المستفاد من مبالغه سنقتل واللہ علم محمد میاں

(۱۴۶) جہاد فرض ہونے کے لیے یہ تناسب ہے یعنی یہ تناسب نہیں ہوگا تو جہاد فرض نہیں ہوگا۔ مگر توفیق خداوندی اور حوصلہ و ہمت کے لیے کوئی تناسب شرط نہیں ہے چنانچہ غزوہ موتہ میں تین ہزار نے ایک لاکھ سے مقابلہ کیا یعنی ایک

نے تیس کا مقابلہ کیا۔ تاہم یہ ضروری ہے کہ کامیابی کے امکانات ہوں۔ موہوم تصورات کی بنا پر جہاد فرض نہیں ہوتا۔
(۱۴۷) ان کی اولاد سے یہ علاقے آباد ہوئے۔ آباد ہونے کے وقت تنہا یا چند افراد ہوں گے مگر چند پشتوں کے بعد گنے چنے افراد کی اولاد ہزاروں تک پہونچ گئی کیونکہ اگر ایک شخص کی اولاد پانچ ہو اور کم از کم یہی تعداد ہر پشت میں ہوتی رہے۔ مثلاً ہر ایک کے جانشین پانچ پانچ ہوتے رہیں تو ایک شخص کی اولاد پانچ پشتوں بعد ۶۲۵ ہو جائے گی اور دس پشتوں بعد اس کی تعداد ۱۹۵۳۱۲ لاکھ ہو جائے گی۔
(۱۴۸) اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ان اقوام بائدہ کے تذکرہ میں قرآن شریف میں بادشاہ یا فوج کا کہیں ذکر نہیں آیا۔ بادشاہ کا ذکر قرآن شریف میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرہ میں آیا ہے وہ بھی لفظ ملک (بادشاہ) کے ساتھ نہیں۔ بلکہ الذی اتاہ اللّٰہ الملک سورہ بقرہ ع ۳۵۔ فرمایا گیا ہے (وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے ملک دیدیا تھا) ملک (بادشاہ) کا لفظ حضرت یوسف علیہ السلام کے تذکرہ میں استعمال کیا گیا ہے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سب سے پہلے نبی ہیں جن کے تذکرہ میں ملک ملا (پارلیمنٹ یا ارکان شوریٰ) اور جند (لشکر) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ توریت کی تفصیل کے بموجب حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کی گیارہویں پشت میں ہیں اور آپ کی پیدائش طوفان نوح سے ۲۹۲ دو سو بانوے سال بعد ہوئی۔ حضرت یوسف علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی چوتھی پشت میں ہوئے۔ تقریباً سو سال بعد وہ وقت آیا جب حضرت یوسف علیہ السلام مصر کے حاکم اور فرمانروا ہوئے اس وقت سے بنو اسرائیل کا قیام مصر میں ہوا۔
(۱۴۹) یہ ہمارے مشاہدہ کی بات ہے جس کو ہم نے پیش کر دیا ورنہ صحیح مثال یہ ہے کہ اسلام کی بہت سی خصوصی تعلیمات۔ یورپین اقوام کا قومی مزاج بن چکی ہیں۔ علم، اخلاق اور تہذیب کی جو کچھ روشنی یورپ میں ہے خود یورپ کے انصاف پسند علماء کا اعتراف ہے کہ وہ مسلمانوں کا طفیل ہے۔ یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے۔ متعصب مستشرقین بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ یورپ کی تہذیب و ترقی کا آغاز صلیبی لڑائیوں کے بعد سے ہوا۔ ان لڑائیوں میں مسلمانوں سے مقابلہ بھی رہا۔ نتیجہ میں عیسائیوں کو شکست ہوئی۔ سالہا سال کی جنگ کے بعد بھی وہ یروشلم پر قابض نہیں ہو سکے۔ مگر اسی مقابلہ میں مسلمانوں کی جس تہذیب کا مشاہدہ ان عیسائی فوجوں کے رنگروٹوں نے کیا اس نے ان کے تصورات اور خیالات میں وہ انقلاب پیدا کیا جو یورپ کی آئندہ ترقیات کی بنیاد بنا۔

فرانس کا مشہور انصاف پسند محقق موسیو لیبان لکھتا ہے۔ صلیبی جنگوں کے اچھے نتائج میں سے ایک یہ تھا کہ صلیبی سردار وہ کسی قدر ذلیل اور پست خیال کیوں نہ ہوں وہ مشرق کے تکلفات اور شان کو دیکھ کر حیرت میں آگئے اور تجارت کے ذریعہ انہیں ان کی تقلید کا موقع ملا۔ بارہویں اور زیادہ تر تیرہویں صدی میں ہتھیاروں، لباس اور مکانات کے مشرقی تکلفات یورپ میں رائج ہوئے اور جیسے جیسے اسباب معاشرت کا تکلف بڑھتا گیا صحت کو بھی ترقی ہوتی گئی۔ ص ۳۱۰ تمدن عرب ——۔ ایک صفحہ کے بعد یہی مصنف لکھتا ہے۔ یہی صلیبی جنگیں تھیں جنہوں نے یورپ سے وحشیانہ اخلاق و اوضاع کو دور کیا اور وہ رجحان پیدا کر دیا جس پر علمی اور ادبی ترقی نے جو یورپ میں دارالعلوموں کے ذریعہ شائع ہوئی وہ اثر ڈالا جو ایک دن نشاۃ ثانیہ کی صورت میں ظاہر ہونے والا تھا۔ تمدن عرب صفحہ ۳۱۲

آزادی رائے، ضمیر کی آزادی، مساوات، خدمت خلق، جو جمہوریت کی روح ہے۔ عورتوں کے مساویانہ حقوق جس پر یورپ کو ناز ہے۔ جس یورپ کی حالت یہ تھی کہ بقول موسیو لیبان چارلس نہم۔ شاہ فرانس کے حکم سے ایک رات

میں ملک کے تمام پروٹسنٹ عیسائی قتل کر ڈالے گئے جن کی تعداد پیرس میں دس ہزار پانسو تھی۔ تمدن عرف ص ۲۵۳۔ جنگ صلیبی میں عیسائی فوجیوں کے (عیسائی مجاہدین) کے متعلق اس زمانہ کے شاہ قسطنطنیہ (این کامین) کا بیان ہے کہ ان کا ایک مستقل مشغلہ یہ تھا کہ جو بچہ ان کے سامنے آتا اس کا تکہ بوٹی کر کے آگ میں جلا دیتے۔ تمدن عرب ۲۹۶۔ بیت المقدس کی زیارت کو اکثر وہی جاتے تھے جو اس قسم کے بدمعاش ہوتے تھے جن کی فطرت میں شرارت بھری ہوئی تھی وہ دوزخ کی آگ سے بچنے کے لیے جاتے اور عربوں نے اتنی آزادی دے رکھی تھی کہ بیت المقدس میں وہ باجے بجاتے ہوئے' مشعلیں روشن کرتے ہوئے نہایت شان سے جاتے تھے۔ تمدن عرب ص ۲۹۳۔ عربوں کے اصلاحی اثرات کے متعلق موسیو "بارتھے" اپنی کتاب متعلقہ قرآن میں لکھتا ہے ---"عربوں کی معاشرت اور ان کی تقلید نے ہمارے زمانہ متوسط کے امرا کی زبوں عادتوں کو درست کیا اور یہ سردار بلا اس کے کہ ان کی بہادری میں فرق آیا ہو ایسے اخلاق سیکھ گئے جو انسان میں اعلیٰ درجہ کی رفعت اور قدر رکھتے ہیں (تمدن عرب ص ۵۲۲)

موسیو لیبان لکھتا ہے۔ فی الواقع تمام مذاہب عالم میں یہ فخر اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس نے پہلے پہل وحدانیت خالص و محض کی اشاعت دنیا میں کی۔ تمدن عرب ۱۲۰

چرم۔ جس پر لکھا جاتا ہے۔ وہ بہت مہنگا ہو گیا تو پادریوں نے پرانی کتابوں کے حروف صاف کر کے ان کا چمڑا استعمال کرنا شروع کر دیا اور اگر عرب کاغذ ایجاد نہ کرتے تو پادری صاحبان تمام پرانی کتابیں ختم کر دیتے۔ تمدن عرب ۴۴۳

چند صدیوں میں عربوں نے اندلس کے ملک کو علمی اور مالی ترقی کے لحاظ سے بالکل بدل دیا اور اس کو یورپ کا سرتاج بنا دیا۔ یہ تغیر محض مالی اور علمی نہیں تھا بلکہ اخلاقی بھی تھا۔ انہوں نے اقوام نصاریٰ کو ایک بیش بہا خصلت انسانی سکھائی یا اقلا" سکھانے کا قصد کیا۔ یعنی مذاہب مخالف کے ساتھ رواداری' مفتوح اقوام کے ساتھ ان کا برتاؤ اس درجہ نرم تھا کہ انہوں نے اساقفہ (پوپ پادریوں) کو مذہبی مجالس منعقد کرنے کی اجازت بھی دیدی تھی۔ تمدن عرب ۲۵۸

جبکہ اندلس نے عربوں کی حکومت میں ایسے زمانہ میں اعلیٰ تمدن حاصل کیا جب یورپ شدید وحشیانہ حالت میں تھا تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس زمانہ کے تمدن کے لحاظ سے عیسائی اقوام یورپ کو (اگر وہ عرب فرانس پر قبضہ کر لیتے) بہت کچھ فائدہ پہونچتا اور نقصان نہ ہوتا۔ اسلام کی رحمت ان اقوام مغرب کے اخلاق میں لینیت (نرمی' رحم) پیدا کر دیتی اور انہیں مذہبی خونریزیوں سے' سینٹ برتھالمو کے قتل عام سے۔ مذہبی عدالتوں کے مظالم سے جنہوں نے کئی صدی تک یورپ میں خون کے دریا بہائے اور جن سے مسلمان قطعا" ناواقف تھے بچا لیتی ...... وہ جذبہ جو انسانی ترقی کا باعث ہوتا ہے کسی قوم میں نہیں تھا جو عربوں میں تھا۔

(۱۵۰) قرآن پاک میں لفظ ملاء ہے جس کے معنے یہ بیان کئے گئے ہیں جماعته یجتمعون علی رای (راغب) الملاء من القوم وجوههم واشرافهم (روح المعانی)

(۱۵۱) قصص القرآن

(۱۵۲) طالوت بن کش ۔ قوم بنی اسرائیل کے پہلے بادشاہ تسلیم کئے گئے ہیں۔ زمانہ حکومت ۱۰۲۸ قبل مسیح تا ۱۰۱۲ ق م' حضرت شموئیل نے جو اس زمانہ میں بنو اسرائیل کے نبی تھے ان کو بادشاہت یا فوج کی قیادت کے لیے نامزد کیا تھا۔ حضرت شموئیل از ۱۱۰۰ قبل مسیح تا ۱۰۲۰ ق۔ م ان کا زمانہ ہے۔ شام میں ایک کوہستانی علاقہ افرائم کے نام سے تھا اس

کے شہر "رامہ" میں آپ رہتے تھے۔ توریت میں سموئیل کی کتاب کے پہلے حصہ میں طالوت کو بادشاہ بنانے اور ان کے کارناموں کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے: ------ حضرت سموئیل زندگی بھر اسرائیلیوں کی عدالت کرتے رہے جب بوڑھے ہوئے تو بنو اسرائیل کے سردار رامہ بن سموئیل کے پاس آئے اور کہا کہ آپ ضعیف ہو گئے ہیں آپ کے لڑکے آپ کی راہ پر نہیں چلتے آپ کسی کو ہمارا بادشاہ مقرر کر دیں جو اور قوموں کی طرح ہماری عدالت کرے۔ یہ بات سموئیل کو بری لگی۔ سموئیل نے خدا کی طرف رجوع کیا۔ خداوند نے سموئیل سے کہا جو لوگ تجھ سے کہتے ہیں تو اس کو مان کیونکہ انہوں نے تیری نہیں بلکہ میری حقارت کی ہے کہ میں ان کا بادشاہ نہ رہوں سموئیل نے ان کو بہت سمجھایا کہ جو بادشاہ تم پر سلطنت کرے گا وہ تم سے بہت کچھ کام لے گا۔ تمہاری اولاد کو نوکر رکھے گا۔ اسے فوج میں بھرتی کرے گا۔ ان سے رتھ کھچوائے گا۔ تمہارے باغات وہ اپنے آدمیوں کو دیدیگا۔ تمہاری پیداوار سے ٹیکس وصول کرے گا۔ تم سے بیگار بھی لے گا تم اس کے غلام بن جاؤ گے۔ تم اس دن اس بادشاہ کے سبب سے فریاد کرو گے پھر اس دن خدا تم کو جواب نہ دے گا۔ مگر حضرت سموئیل کی تمام نصیحتوں کے جواب میں بنو اسرائیل کے نمائندوں نے یہی کہا کہ ہم تو بادشاہ چاہتے ہیں۔ جو ہمارے اوپر ہو اور ہم بھی دوسری قوموں کی طرح ہوں۔ سموئیل باب ۷ آیت ۱۵ تا باب ۸ آیت ۲۲۔ چنانچہ حضرت سموئیل نے طالوت کو جس کا نام بائیبل میں "ساول" ہے۔ ان کا بادشاہ بنایا۔ یہ قبیلہ بن یمین (یعنی حضرت یامین) کی اولاد سے تھا۔ عمر ۳۰ سال۔ ایسا حسین کہ بنی اسرائیل میں اس جیسا کوئی حسین نہیں تھا۔ قد اتنا لانبا تھا کہ لوگ اس کے کندھے تک آتے تھے۔ ان کے باپ کے کچھ گدھے گم ہو گئے تھے۔ ساول ان کو تلاش کرنے نکلے تھے کہ حضرت سموئیل کے یہاں پہونچ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سموئیل نبی کو اشارہ کیا کہ یہی وہ شخص ہے جس کو ہم نے بنی اسرائیل کی بادشاہی کے لیے منتخب کیا ہے چنانچہ حضرت سموئیل نے تیل کی کپی ان کے سر پر انڈیلی اور اسے چوما اور کہا خداوند نے تجھے مسح کیا تاکہ تو اس کی میراث کا پیشوا ہو۔ اس کے بعد انہوں نے بنو اسرائیل کا اجتماع عام کیا اور طالوت (ساول) کی بادشاہت کا اعلان کیا۔ سموئیل باب ۹ و ۱۰

(۱۵۳) داؤد بن لیی - بن عوبلد - (۱۰۲۴ تا ۹۶۲ قبل مسیح) یہ بنو اسرائیل کے دوسرے بادشاہ ہیں۔ پہلے بادشاہ طالوت تھے۔ آپ طالوت کی فوج میں ایک نوجوان سپاہی کی حیثیت سے تھے لیکن طالوت کی جنگ جالوت سے ہوئی تو۔ توریت میں ہے "اور ایسا ہوا کہ جب فلسطی (جالوت) اٹھا اور آگے بڑھ کر داود کے مقابلہ کے لیے نزدیک ہوا تو داود نے پھرتی کی۔ داود نے اپنے تھیلے میں ہاتھ ڈالا اور اس میں سے ایک پتھر لیا اور فلاخن میں دھر کر فلسطی کے ماتھے پر ایسا مارا کہ وہ پتھر فلسطی کے ماتھے میں غرق ہو گیا اور وہ زمین پر منہ کے بل گر پڑا۔ سو داود ایک فلاخن اور ایک پتھر سے اس فلسطی پر غالب ہوا۔ اور اس فلسطی کو مارا اور قتل کیا۔ سموئیل باب ۱۷ آیت ۴۸ تا ۵۰

اور فلسطیوں نے جو دیکھا کہ ان کا پہلوان مارا پڑا تو وہ بھاگ نکلے اور اسرائیل اور یہودا کے لوگ اٹھے اور للکارے اور فلسطیوں کو وادی تک اور رعفران کے پھاٹک تک رگیدا۔ سموئیل باب ۱۷ آیت ۵۲

طالوت نے ان کے کارنامے دیکھے تو لڑکی ان کے عقد میں دیدی اور حضرت داود کو اپنا داماد بنا لیا۔ طالوت جب مع اپنے بڑے لڑکے کے میدان جنگ میں کام آگئے تو قبیلہ یہودا نے آپ کو اپنا بادشاہ منتخب کرلیا پھر دو سال کی کشمکش کے بعد دوسرے قبیلوں کے لوگوں نے آپ ہی پر اتفاق کرلیا۔ سات سال تک آپ نے پایہ تخت حبران (یعنی الجلیل) کو رکھا۔ اس کے بعد یروشلم کو دشمنوں کے قبضہ سے نکال کر اسے دارالسلطنت بنایا آپ نے گردو پیش کے حکمرانوں کو

مغلوب کیا اور حدود سلطنت کو بہت وسیع کرلیا۔ آپ کا عہد حکومت تاریخ اسرائیل میں فتوحات ملکی اور حسن انتظام دونوں کے لیے یادگار ہے۔ خلاصہ توریت کتاب سموئیل

(۱۵۴) یہ آیت بھی ایک کسوٹی یا تھرما میٹر ہے۔ اس کے ترجموں سے ارباب بصیرت علماء کے مختلف رجحانات کا اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ یہ ہے۔ اگر نبودے دفع کردن خدا مرداں را۔ بعض را بدست بعضے۔ ویران کردہ مے باشد۔ خلوتہاء رہبانان وعباد تخانہاء نصاریٰ وعبادتخانہاء یہود وعباتخانہاء مسلمانان۔ یاد کردہ میشود دراں مواضع نام خدا بسیارے وابستہ نصرت خواہد داد خدا کسے کہ قصد نصرت دین وے کند۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا کے ترجمہ میں۔ دراں مساجد کے بجائے دراں مواضع فرمایا ہے۔ گویا یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا صوامع و بیع وغیرہ سب کی صفت ہے اور قرآن حکیم میں صوامع وغیرہ کی یہ صفت اسی حالت کے مناسب ہے جب یہ مواضع اور یہ مقامات۔ صراط مستقیم پر قائم تھے اور بجا طور پر مرکز ہدایت تھے ہم نے ترجمہ اسی مناسبت سے کیا ہے۔ مگر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ یہ ہے اور اگر نہ ہٹایا کرتا اللہ لوگوں کو ایک کو ایک سے تو ڈھائے جاتے سب تکیے اور مدرسے اور عبادتخانے اور مسجدیں جن میں پڑھا جاتا ہے اللہ کا نام بہت۔ یہ گویا سب کو مساجد کے تابع کر رہے ہیں اور ان مقامات سے مسلمانوں کے مختلف عبادت خانے مراد لے رہے ہیں۔ اس کی تفسیر میں آپ فرماتے ہیں۔ اللہ قادر ہے جو چاہے ایک دم میں کرے لیکن انسان سے یہی معاملہ ہے' پہلے برے آپس میں سزا پاویں۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے اس کا ترجہ یہ کیا ہے۔ اور دیکھو۔ اگر اللہ بعض آدمیوں کے ہاتھوں بعض آدمیوں کی مدافعت نہ کراتا رہتا (اور ایک گروہ کو دوسرے گروہ پر ظلم و تشدد کرنے کے لیے بے روک چھوڑ دیتا) تو کسی قوم کی عبادت گہ زمین پر محفوظ نہ رہتی۔ خانقاہیں' گرجے' عبادت گاہیں' مسجدیں جن میں اس کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے' سب کبھی کے ڈھائے جا چکے ہوتے۔ یاد رکھو' جو کوئی اللہ کی (سچائی) کی حمایت کرے گا ضروری ہے کہ اللہ بھی اس کی مدد فرمائے۔ مولانا عبدالماجد صاحب دریا بادی تو ترجمہ میں عموماً حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں "اگر اللہ لوگوں کا زور ایک دوسرے سے نہ گھٹاتا رہتا تو نصاریٰ کی خانقاہیں اور عبادگاہے اور یہود کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے سب منہدم ہو گئے ہوتے۔ مولانا عبدالماجد صاحب تفسیر میں فرماتے ہیں تو اب تک جو عمارتیں توحید کا مرکز رہی ہیں مثلاً مسجدیں جو اب بھی اسی غرض کے لیے ہیں اور اہل کتاب کی مذہبی عمارتیں جو اپنے زمانہ میں یہ کام انجام دے چکی ہیں سب ختم ہو گئی ہوتیں۔ واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۵) لولا دفع الناس بعضھم ببعض

(۱۵۶) تورات میں ان کی تعداد چھ سو بتائی گئی ہے مگر صحابہ کرام کی تحقیق یہ ہے کہ ان کی تعداد تین سو تیرہ تھی۔ (بخاری شریف ۵۶۴ باب عدۃ اصحاب بدر)

(۱۵۷) مولانا عنایت رسول صاحب چڑیا کوٹی کی تحقیقات کا ذکر آگے آئے گا۔ آپ کی تحقیق یہ ہے کہ یہاں آبادی تھی۔ حضرت سام بن نوح یہاں رہا کرتے تھے اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو بچپن میں یہاں نہیں چھوڑا گیا۔ بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو حضرت سام کے پاس بھیج دیا تھا کہ یہاں رہیں اور حضرت سام کی وفات کے بعد وہ یہاں کے

امام و قائد مان لیے جائیں۔ اس وقت حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی عمر چوبیں پچیس سال تھی توریت کی منتشر اور متضاد آیتوں کے بجھے ہوئے چراغ' چڑیا کوٹی صاحب کی تحقیق کا سرمایہ ہیں۔ توریت کی ان متضاد آیتوں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث پر مفصل بحث انشاء اللہ آئندہ ملاحظہ فرمائیں یہاں تو صرف اتنی تنبیہہ کافی ہے کہ کتاب اللہ کے واضح الفاظ کے مقابلوں میں تورات کا سہارا ڈھونڈھنا تحقیق نہیں ہے بلکہ تحقیق کی توہین اور بارگاہ حق و صداقت کی شان میں گستاخی ہے۔ کتاب اللہ کا کھلا ہوا اعلان یاد رہنا چاہیے ان یتبعون الا الظن و ان الظن لا یغنی من الحق شیا سورہ النجم (وہ صرف ظنی چیز کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور حق کے مقابلہ میں ظن کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ وہ قطعاً بے کار ہے۔) البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس مقام پر یا اس کے قریب کوئی پڑاؤ ہو۔ جیسا کہ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے "حضرت مسیح سے ڈھائی ہزار برس پہلے یہ کاروان تجارت کا ایک منزل گاہ تھا دو ہزار سال قبل مسیح میں حضرت ابراہیم نے اپنے فرزند عزیز اسماعیل کو یہاں آباد کیا۔" ارض القرآن ۹۸ ج ۱

(۱۵۸) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے فھما لا یحلو علیھا احد بغیر مکہ الا لم یوافقاہ بخاری شریف ۴۷۵ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ یہ بات صرف مکہ معظمہ میں ہے کہ یہاں صرف گوشت کھاتے رہو اور پانی پیتے رہو تو صحت بحال رہتی ہے ہر جگہ کی آب و ہوا ایسی نہیں ہوتی کہ وہاں صرف گوشت کی غذا کافی ہو سکے یہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا اثر ہے (فتح الباری)

(۱۵۹) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک طویل روایت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کی ہے۔ اس روایت کا ایک جز یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک دفعہ مکہ معظمہ آئے اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے ملنے کے لیے ان کے مکان پر گئے اتفاق سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اسی وقت موجود نہیں تھے ان کی اہلیہ موجود تھیں۔ انہوں نے اب تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہیں دیکھا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس خاتون سے ایک اجنبی مسافر کی طرح بات چیت کی۔ آپ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی خیریت دریافت کی۔ پھر دریافت کیا یہاں تمہاری غذا کیا ہے۔ اہلیہ نے جواب دیا گوشت کھاتے ہیں اور پانی پیتے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی اللھم بارک لھم فی اللحم والماء اے اللہ ان کے لیے پانی اور گوشت میں برکت مرحمت فرما۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس زمانہ میں اس نوآبادی میں غلہ نہیں آتا تھا۔ اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے غلہ کے لیے برکت کی دعا نہیں مانگی۔ بخاری شریف ۴۷۵

(۱۶۰) جب خانہ کعبہ کی تعمیر کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام مکہ معظمہ تشریف لائے تو بخاری میں ہے۔ وافق اسمعیل من وراء زمزم یصلح نبلا لہ حضرت اسمٰعیل سے زمزم کے اس طرف ملاقات ہوئی۔ اس وقت حضرت اسمٰعیل اپنے تیر درست کر رہے تھے۔ بخاری شریف ۴۷۶ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسلم کے نوجوانوں کو دیکھا جو تیر اندازی کی مشق کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خوب مشق کر لو تمہارے باپ (یعنی مورث اعلیٰ' حضرت اسمٰعیل علیہ السلام) بھی تیر اندازی کے ماہر تھے۔ ارموا بنی اسمعیل فان ابا کم کان رامیا (بخاری شریف ۴۰۶)

(۱۶۱) قال ومن کفر فامتعہ قلیلا ثم اضطرہ الی عذاب النار وبئس المصیر (سورہ بقرہ ع ۱۵) اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو کفر کرے گا اس کو بھی تھوڑی مدت کے لیے بہرہ اندوز کروں گا۔ پھر اس کو لازمی طور پر دوزخ میں

پہونچا دوں گا اور بہت برا ٹھکانا ہے۔

(۱۶۲) اس آیت کے یہ معنے بھی لکھے گئے ہیں اور ان کے لیے زمین کی پیداوار سے سامان رزق مہیا کر دے (ترجمان القرآن)

(۱۶۳) مورخ ابوالفداء کا بیان ہے کہ ابرہہ تیرہ ہاتھی لے کر آیا تھا ایک مست ہاتھی اس لیے مہیا کیا تھا کہ وہ خانہ کعبہ کو منہدم کرے گا۔ اس کا نام محمود تھا۔ لیکن جب حملہ کا وقت آیا تو یہ ہاتھی اپنی جگہ جم گیا۔ بہت کچھ مارا پیٹا گیا۔ مگر وہ خانہ کعبہ کی طرف ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا۔ ہاں دوسری طرف اس کا رخ کر دیتے تھے تو خوب لپک کر چلتا تھا۔ یہاں ہاتھی کا یہ تماشا ہو رہا تھا کہ آسمان پر پرندوں کی قطار نمودار ہوئی۔ ہر ایک پرندہ تین کنکریاں لیے ہوئے تھا۔ ایک چونچ میں اور دو دو پنجوں میں۔ یہ کنکریاں چنے کے اور مسور کے برابر تھیں جس کے یہ کنکریاں لگتی تھیں وہ مرجاتا تھا۔ پھر خدا تعالیٰ نے ایک رو بھیج دی۔ جس نے سب کو بہا کر سمندر میں ڈال دیا۔ ابرہہ اور اس کے کچھ ساتھی بچ گئے۔ وہ یمن کو بھاگے مگر ابرہہ پایہ تخت تک نہیں پہنچ سکا اس کے بدن میں ایسا عارضہ ہو گیا کہ اس کے اعضا گل گل کر گر رہے تھے۔ صنعا پہونچ کر وہ مر گیا۔

(۱۶۴) مثلاً بنو ثقیف نے "لات" کو اپنا دیوتا بنا رکھا تھا۔ طائف میں اس کے نام کا بیت تھا۔ بنو معتب اسی کے حاجب وکلید بردار تھے۔ باشندگان یثرب "اوس اور خزرج" اور ان کے جو ہم مشرب و پیرو تھے ان کا مخصوص دیوتا منات تھا۔ اس کا بیت ساحل بحر پر مشلل کے ایک جانب مقام قدید پر تھا۔

قبیلہ دوس، قبیلہ خثعم، قبیلہ بجیلہ اور جو اس علاقہ میں رہتے تھے ان کا دیوتا۔ ذوالخلصہ تھا۔ جس کا بیت تبالہ میں تھا۔ اجار وسلمیٰ وغیرہ یعنی جبال طے کے باشندوں کا دیوتا قلس' تھا۔ اور حمیر اوراہل یمن نے نزم کو اپنا دیوتا مان رکھا تھا جس کے نام کا بیت یمن کے شہر صنعا میں تھا۔ بنی ربیعہ بنی کعب کا دیوتا الگ تھا اس کا نام رضا' تھا۔ بنوبکر' بنو تغلب' بنو وائل اور آیاد' کا دیوتا ذوالکعبات تھا "سنداد" میں اس کے نام کا بیت تھا۔ سیرت ابن ہشام ۵۴ تا ۵۶

(۱۶۵) قریش اور بنی کنانہ کا مخصوص دیوتا عزیٰ تھا۔ جس کا بیت مقام نخلہ پر تھا اس کی سدانت و حجابت قبیلہ سلیم کی شاخ بنی شیبان کے سپرد تھی۔ یہی بنی شیبان یا بنی سلیم تھے جو بنی ہاشم اور خاص طور پر خواجہ ابو طالب کے حلیف تھے۔ ابن ہشام ۵۴۵ ج ۱

(۱۶۶) سیرت ابن ہشام ۵۴ ج ۱

(۱۶۷) قحطان جس کو توریت میں یقطان کہا جاتا ہے جو حضرت سام بن نوح کی اولاد میں ہے۔ عرب عاربہ کا جد اعلیٰ ہے۔ اس نے یمن کو اپنا وطن بنایا۔ جرہم اسی کا لڑکا بتایا جاتا ہے۔ مورخ ابوالفداء کہتے ہیں کہ قحطان کے دو بیٹے تھے۔ یعرب (توریت کا نام یارح) اور جرہم۔ یعرب یمن میں رہا اور جرہم حجاز کا مالک ہو گیا۔ کچھ مورخین یہ بھی کہتے ہیں کہ یعرب ہی کا نام جرہم ہے۔ تو گویا جو یمن کا مالک تھا اسی نے اپنی اولاد حجاز میں بھی بھیج دی جو بنو جرہم کے نام سے مشہور ہوئی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ جرہم قحطان کا بھائی تھا۔ چوتھا قول یہ ہے کہ جرہم اور قحطان کا باہمی تعلق صرف یہ ہے کہ یہ دونوں حضرت سام بن نوح کی اولاد میں سے یعنی سامی النسل ہونے کے سوا اور کوئی رشتہ نہیں ہے نہ آپس میں بھائی بھائی ہیں نہ باپ بیٹے۔ واللہ اعلم

(۱۶۸) یمن ایک طرف سواحل ہندوستان کے مقابل واقع ہے۔ دوسری طرف سواحل افریقہ کے اس کے ایک حصہ

(عیر) کا دامن حجاز سے ملا ہوا ہے۔ اندرونی حدود صحراء عرب سے ملی ہوئی ہیں۔

(۱۶۹) توریت میں شبا۔ ایک قبیلہ کے جدا اعلیٰ کا نام ہے۔ عرب روایت کے مطابق اس جدا اعلیٰ کا نام عمریا عبد شمس اور لقب سبا تھا۔ جو قحطان کا پوتا تھا۔ مرکز حکومت یمن کا مشرقی حصہ تھا۔ شہر مارب جس کو شہر "سبا" بھی کہتے تھے اس کا دارالسلطنت تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ اس کا دائرہ مغرب میں حضرموت تک وسیع ہو گیا تھا اور چونکہ تاجر قوم تھی اس نے بہت سے بحری اور تجارتی راستوں پر بھی اس کو قبضہ کرنا پڑا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً گیارہ سو برس پہلے اس کا عروج شروع ہوا جس کا سلسلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے ایک سو پندرہ برس پہلے (۱۱۵ ق۔ م) تک رہا۔

(۱۷۰) مولانا سید سلیمان صاحب ندوی نے ارض القرآن میں ایک یونانی مورخ اگارتھرشیدیس یا اگار تھرکیڈس ides Agarther کا (جو اسلام سے آٹھ سو برس پہلے اور سبا کا معاصر تھا) بیان نقل کیا ہے کہ یہاں کے لوگ (سبا) تمام میں سب سے زیادہ دولت مند ہیں۔ ان کے پایہ تخت میں سونے چاندی کے برتن۔ تخت تختوں کے پائے۔ مکانات چوکھٹ سونے چاندی کے نقش و نگار سے آراستہ جواہر سے مرصع ہوتے ہیں۔ بہترین دستکار ہیں جو بڑی محنت اور قسم کی مہارت سے یہ جڑا و تخت۔ تختوں کے پائے۔ چوکیاں' مکانوں کی کھڑکیاں اور چوکھٹ وغیرہ تیار کرتے ہیں۔ ارض القرآن ص ۲۶۹

دستکاری کے علاوہ انجنیئری بھی حیرت انگیز تھی۔ یہاں کوئی ندی نہیں تھی تو پہاڑوں اور وادیوں کے بیچ بڑے بڑے بند باندھ دیتے تھے جن میں پہاڑوں کا پانی رکتا تھا ان میں سب سے بڑا بند وہ تھا جو خود دارالسلطنت "مارب" میں تھا جس کو سد مارب یا عرم مارب کہتے تھے اسی کے ٹوٹنے سے جو سیلاب آیا اس کو کلام اللہ شریف میں سیل العرم فرمایا گیا ہے۔ اس بند کا طول ۱۵۰ فٹ تھا اور ارض ۵۰ فٹ اور جو پانی اس میں رکتا تھا اس کا احاطہ کئی مربع میل تھا۔

(۱۷۱) اسی مورخ اگارتھرکیڈس کا بیان ہے۔ سبا عرب کے سرسبز حصہ میں رہتے ہیں جہاں بہت اچھے اچھے میوے ہوتے ہیں ان کی قسمیں اور ان درختوں کی قسمیں جو یہاں ہوتے ہیں شمار کرنی مشکل ہیں جو زمین ساحل دریا ہے اس میں نہایت خوبصورت درخت ہوتے ہیں۔ اندرون ملک بخورات' دارچینی اور چھواروں کے نہایت بلند درختوں کے گنجان جنگل ہیں۔ یہاں کے درختوں سے جو خوشبو نکلتی ہے اس کی تعریف لفظوں میں نہیں ہو سکتی۔ معلوم ہوتا ہے جنت کی خوشبو یہاں پھیلا دی گئی ہے۔ ساحل یہاں سے کچھ فاصلہ پر ہے۔ مگر ساحل پر گذرنے والے بھی ان درختوں کی خوشبو کی مہک سونگھتے رہتے ہیں۔

(۱۷۲) ملکہ سبا (بلقیس) کے متعلق قرآن شریف میں یہ ہے کہ جب وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس سے کہا گیا کہ محل کے اندر چلیے تو جیسے ہی محل کے فرش' یا صحن پر اس کی نظر پڑی وہ سمجھی کہ تمام پانی بھرا ہوا ہے اور اس طرف قدم بڑھانے لگی تو یہ سمجھ کر کہ پانی کچھ گہرا ہے اس نے صرف ٹخنے ہی نہیں کھولے بلکہ پنڈلیاں کھول لیں۔ فوراً" ہی اس کو بتایا گیا کہ یہ پانی نہیں ہے بلکہ صرح ممرد من قوارير یہ ایک محل ہے جو آبگینوں سے جوڑ کر بنایا گیا ہے۔ یہ صرف ایک صنعت ہے کہ پورا فرش پانی معلوم ہوتا ہے۔ اب اس نے کہا رب انی ظلمت نفسی واسلمت مع سلیمان للہ رب العلمین (اے میرے پروردگار میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔ اور میں سلیمان کے ساتھ ہو کر رب العلمین پر ایمان لے آئی) یہاں ایک سوال یہ ہے کہ اس جواب کا کیا موقع

تھا۔ یہ تو ایک ایسا موقع تھا کہ وہ خاموش رہتی یا کوئی جملہ ایسا اس کی زبان سے نکلتا جس سے شرمندگی کا اظہار ہوتا اور دوسری طرف قہقہے بلند ہوتے کہ ملکہ کو خوب بے وقوف بنایا۔ مگر نہ اظہار شرمندگی ہے نہ قہقہے کی آواز۔ خاموشی اور سناٹا ہے اور صدا بلند ہوتی ہے تو یہ کہ اے پروردگار میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔

۱۹۴۲ء کی بات ہے جب مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب قدس اللہ سرہ العزیز مراد آباد جیل میں نظر بند تھے اور اسی نظر بندی میں چوری چھپے وہ قصص القرآن مرتب فرمایا کرتے تھے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس اللہ سرہ العزیز بھی بسلسلہ نظر بندی یہیں تشریف فرما تھے۔ یہاں صبح کے وقت چار کے بعد تھوڑی دیر مجلس رہا کرتی تھی۔ مجاہد ملت نے حضرت شیخ الاسلام (نور اللہ مرقد ہما) سے یہی سوال کر لیا۔ حضرت شیخ الاسلام نے اپنے استاد حضرت مولانا محمود حسن صاحب (اسیر مالٹا) شیخ الہند کے حوالے سے ایک نہایت عجیب نکتہ بیان فرمایا جو اس ماحول اور اس کے پس منظر کے بالکل مطابق ہے جس سے اس پوری حکایت کی دلچسپ لطافت ظاہر ہوتی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جیسے اولو العزم نبی معصوم کی شان سے بہت بعید تھا کہ وہ اپنے مہمان سے اس طرح کا مذاق کرتا خصوصاً" جبکہ مہمان خاتون تھی۔ قرآن حکیم ان دونوں کے آپس میں ازدواجی تعلق کے قائم ہونے سے بالکل خاموش ہے مفسرین نے دونوں روایتیں بیان کی ہیں ایک یہ بھی ہے کہ نکاح ہوا اور بلقیس اپنے دارالسلطنت میں واپس چلی گئی۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام ہر ماہ ان سے ملاقات کے لیے جاتے تھے۔ دوسری روایت یہ کہ خود سلیمان علیہ السلام نے کسی اور سردار سے اس کا نکاح کرا دیا تھا۔ البتہ اسرائیلی 'تالمود' اس تمام قصہ ہی معاشقہ کا پہلو نمایاں کرتی ہے جو شان انبیاء کے بالکل خلاف ہے۔ بہرحال اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بلقیس سے نکاح کرنا چاہتے تھے۔ تب بھی آپ کی مرسلانہ متانت اور شاہانہ وقار دونوں اجازت نہیں دیتے کہ خود اپنی ملکہ یا ہونے والی ملکہ سے ایسا مذاق کیا جائے علاوہ ازیں اگر مقصد مذاق تھا تو کتاب اللہ اور وحی الٰہی کی شان اس سے بلند ہے کہ مذاق کی باتوں کو اپنے دامن میں جگہ دے۔ واقعہ یہ ہے کہ دولت یا جاہ عظمت یا ازدواجی تعلق کا شوق نہیں بلکہ دعوت اسلام کا ایک حقیقی اور صادق جذبہ شروع سے آخر تک کار فرما ہے۔ مختلف مرحلوں پر اس کا پیرایہ اور اس کا انداز بدلتا رہا ہے۔ ہد ہد کی ابتدائی رپورٹ ملاحظہ فرمایئے وہ کہتا ہے میں پوری تحقیق اور کامل یقین سے سبا کی حالت پیش کر رہا ہوں۔ ایک عورت ان پر مالکانہ اقتدار رکھتی ہے۔ اس کے پاس سب کچھ ہے اور بہت کچھ ہے۔ ایک بہت بڑا تخت شاہی بھی اس کے پاس ہے لیکن دولت وثروت اور شان و شوکت کے باوجود بے حسی اور کور باطنی کی حالت یہ ہے کہ یہ سب خدا کو چھوڑے ہوئے ہیں آفتاب کے سامنے سجدہ کرتے ہیں۔ شیطان کے ہتھکنڈوں میں پھنسے ہوئے ہیں کہ سیدھی راہ ان کو نظر نہیں آتی وہ اس خدا کو سجدہ نہیں کرتے جو آسمان اور زمینوں کی پوشیدہ طاقتوں کو نمایاں کرتا رہتا ہے اور جس کا علم ہر ایک ظاہر و باطن کو محیط ہے۔ ہد ہد نے رپورٹ ایسے انداز سے دی تھی کہ ایک علم بردار تو فوراً جہاد کا حکم دیدینا ممکن ہے اس کی خواہش یہی ہو۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جن کو یہ حکم تھا کہ یہ اعلان کرو یاایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا (اے لوگو ! میں تم سب کی طرف اللہ کا پیغام پہونچانے کے لیے بھیجا گیا ہوں) ان کو یا ان کی امت کو بھی یہ حکم نہیں ہے کہ کسی غیر اسلامی طاقت پر فوراً" چڑھ دوڑیں تاوقتیکہ ان کی طرف سے جہاد کا اور جنگ کا کوئی محرک پیش نہ آئے۔ اور انبیاء بنی اسرائیل اگرچہ دعوت ہر ایک کو دے سکتے تھے مگر ان کے فرائض خاص طور پر بنو اسرائیل سے متعلق ہوا کرتے تھے ان کے لیے کب ممکن تھا

کہ وہ فورا جہاد شروع کر دیتے۔ لہٰذا ہد ہد کی رپورٹ سے متاثر ہو کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے جہاد کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ علیہ کے الفاظ میں اس کو یہ لکھا۔ ورنہ کرو میرے مقابل اور چلے آؤ حکم بردار ہو کر۔ (گویا دعوت صرف یہ دی گئی کہ آتش پرستوں اور کواکب پرستوں کے بلاک سے نکل کر خدا پرستوں کے سیاسی بلاک میں شامل ہو جاؤ۔ خط نہایت مختصر اور نہایت جامع ہے اور خصوصیت یہ ہے کہ خط کے مضمون کے لیے جتنے الفاظ استعمال کیے گئے اتنے ہی الفاظ بسم اللہ کی عبارت میں ہیں جس میں ذات خداوندی کے تعارف کے بعد اس کے کمالات رحمت کی طرف اشارہ ہے۔ یہ دعوت کا حکیمانہ اسلوب ہے کہ خط کے الفاظ سے اگر مادی اور سیاسی قوت کا اثر دماغ پر پڑے تو ساتھ ساتھ فوق الفطرت طاقت کا تصور بھی دماغ کو متاثر کر دے۔ ملکہ کی ذکاوت و ذہانت کا پہلا نمبر تو یہ تھا کہ اس نے خود حضرت سلیمان" کا امتحان لیا۔ بیش قیمت ہدایا لے کر روانہ ہوئی "زر ریدم فولادنرم" مگر نبوت کا ٹکسالی سونا۔ اس میں کھوٹ کا کیا کام اس نے پہلے تو اسی مافوق الفطرت ذات کا تصور ایسے انداز سے پیش کیا کہ جس میں قادر مطلق کی قدرت بے پایاں کی طرف اشارہ کے ساتھ جذبات شکر بھی ملے ہوئے تھے ما آتانی اللہ خیر مما اتاکم (اللہ تعالی نے جو کچھ مجھے عطا فرمایا ہے وہ بہت بہتر ہے اس سے جو تم کو عطا کیا ہے پس تمہارے اس مال کا اس بیش بہا دولت کے ساتھ کیا جوڑ) یہ جواب بھی ہے اور حکم سابق کی دلیل بھی۔ گویا تم کو اسی لیے طلب کیا ہے کہ "خیر" اور بہترین دولت تمہارے پاس نہیں ہے میرے پاس ہے۔ اس کے بعد اس نمائشی دولت کا جواب دیا جو ایسا تلخ تھا کہ لالچ دینے والے کے حواس باختہ ہو جائیں۔ ہم ایسے لشکر بھیجیں گے کہ چھکے چھوٹ جائیں گے مقابلہ تو کیا کر سکیں گے مقابلہ کی ہمت بھی نہیں ہو گی اور ذلیل کر کے ان کو خود ان کے وطن سے نکال دیں گے مگر صرف جواب ہی پر اکتفا نہیں کی بلکہ اس مافوق الفطرت طاقت کا تصور پختہ کرنے کے لیے ایک معجزہ بھی کر دکھایا کہ اس کے آنے سے پہلے ہی پل بھر میں اس کا عظیم الشان تخت منگوالیا جس پر بڑا ناز تھا اور حکم دیا کہ اس کا روپ بدل دیا جائے۔ مقصد یہ تھا کہ ملکہ کا ذہن رسائی کر سکتا ہے یا پرستش غیر اللہ کی دلدل میں پھنس کر وہ رسائی فکر سے محروم ہو گئی ہے۔ ملکہ کا جواب اس کی اعلی ذہانت اور ادب شناسی کی دلیل ہے اس نے تخت کو دیکھ کر یہ نہیں کہا' ہاں ہاں یہ تو میرا ہی تخت ہے۔ اول تو بڑے کی بارگاہ میں میرا' کا لفظ غیر مناسب اور سراسر بے ادبی اس کے علاوہ حضرت سلیمان پر گویا غصب کا الزام اس لیے جواب یہ دیا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا بعینہ وہی ہو۔ اب یہ ملکہ کا کمال ادب ہے کہ اس محتاط جواب کے ساتھ کچھ اور بھی کہہ دیا جس سے شاہانہ آداب اور پیغمبرانہ احترام کا تقاضا بھی پورا ہو گیا حضور والا ہم تو پہلے ہی آپ کے گرویدہ ہو چکے ہیں ہمیں آپ کی عظمتوں کا پہلے ہی علم ہو چکا ہے اور ہم ان کے معترف ہو گئے ہیں بہت ممکن ہے ملکہ کی اس فطری صلاحیت کی طرف اشارہ مقصود ہو جو اس کے بعد ارشاد ہوا وصدھا ماکانت تعبد من دون اللہ انھا کانت من قوم کافرین اس کو روک رکھا تھا (ایمان لانے سے) اس بات نے وہ عبادت غیر اللہ کی عادی تھی کیونکہ کافروں ہی میں کی تھی آنکھ کھول کر اس نے انہیں کو دیکھا تھا۔

شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت شیخ الہند رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ محل کا یہ مظاہرہ ایک طرح کا امتحان اور حکیمانہ انداز میں حقیقت پرستی کی طرف دعوت تھی۔ جب تخت کے معاملہ میں ملکہ کی رسائی کا اندازہ ہو گیا تو پھر یہ منظر اس کے سامنے پیش کیا گیا جہاں صورت موجود ہے مگر حقیقت کا نام و نشان نہیں ہے آفتاب ور چاند تاروں کی چمک دمک۔ ایک صورت اور ایک نمائش ہے لیکن اگر پانی کا پیاسا اس بلوری فرش سے اپنی پیاس

نہیں بجھا سکتا تو خدا پرستی کی تشنگی بھی ان صورتوں کی پوجا سے پوری نہیں ہو سکتی بلکہ ان صورتوں کی پوجا سراسر دھوکا ہے جس کا نتیجہ سراسر محرومی ہے۔ ملکہ نے اس اشارہ کو سمجھا اور نہ صرف سمجھا بلکہ اتنی متاثر ہوئی کہ فوراً اعتراف کر لیا کہ جو کچھ میں نے آج تک کیا وہ سراسر فریب فکر تھا۔ سراسر ظلم تھا جو میں اپنے اوپر کرتی رہی اور اب میں ان کا ساتھ چھوڑتی ہوں جن میں رہ کر میں نے یہ دھوکا کھایا تھا اور دھوکا کھاتی رہی تھی۔ اب میں عہد کرتی ہوں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جیسے حقیقت پرست کے ساتھ رہوں گی اور خداء واحد کی پرستش کرتی رہوں گی جس کے لیے میں اسلام قبول کرتی ہوں۔

آپ نے فرمایا تخت منگوانا اور اس کی صورت بدل دینا یہ بھی ایک سبق اور لطیف پیرایہ میں ایک فہمائش تھی۔ وہ تخت جس کو ہد ہد نے "عرش عظیم" کہا تھا ناپائیدار اس کی عظمت ناپائیدار وہ صرف نمائش ہے۔ حقیقت کچھ بھی نہیں ہے اس کی حقیقت خود ملکہ ہے۔ بلکہ اگر ہے تو تخت کی عظمت بھی باقی ہے۔ ملکہ اگر نہیں ہے تو وہ "اثاث البیت" ہے۔ دیکھو سلیمانی محل کے ایک کنارہ پر پڑا ہوا ..... اپنی لاچارگی اور بے ثباتی کا ماتم کر رہا ہے۔ اسی طرح آفتاب اور چاند تارے اللہ تعالٰی کی قدرت کے مظاہر اور اس کے کمالات کی نشانیاں ہیں مگر ان کی تمام حیرت انگیزی پر تو ہے قدرت خداوندی کا۔ اللہ تعالے کو چھوڑ کر ان کی پرستش ایسی ہے جیسے ملکہ کو چھوڑ کر اس کے تخت کو کوئی فرماں روا اور شہنشاہ ماننے لگے۔ واللہ اعلم

(۱۷۳) کتاب اللہ شریف کی چند آیتوں کا ترجمہ ملاحظہ فرمالیجئے۔ سبا کی ترقی اور اس کی آبادی اور بربادی کے تمام نقشے سامنے آجائیں گے۔

۱ --- باغات کی دو قطاریں۔ دائیں بائیں (دوطرفہ سلسلہ دار) آمدنی بھی وافر۔ پھل بھی اتنے کہ ختم نہ ہوں۔ سایہ گھنا شادابی فرحت بخش (ہم نے انبیاء علیہم السلام اور ناصحین کی معرفت یا خود زمانہ کی معرفت جو بہترین ناصح ہے ان سے کہا) اپنے رب کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو ایک نعمت اور ایک ہی احسان نہیں ہے دنیوی نعمتیں بھی ہیں کہ بلدۃ طیبۃ (عمدہ اور پاکیزہ صاف ستھرا شہر) اور آخری نعمت عظیم بھی میسر ہے کہ رب کی مہربانیاں شامل حال ہیں' جو کوتاہیوں کو بخشنے والا اور خطا کاروں سے درگذر کرنے والا ہے۔

۲ --- (لیکن ان نعمتوں اور مہربانیوں کے باوجود) انہوں نے اطاعت خداوندی سے مونھ موڑا تعمیل شریعت سے سرتابی کی کفرو شرک اور کثرت معاصی میں پڑ گئے اور ناصحین کی کچھ نہیں سنی (ساقیا امروزے نو شیم فرداکس بدید) (تو ہم نے ان پر اپنا قہر اس طرح نازل کیا) کہ بند کا سیلاب چھوڑ دیا۔ وہ ناقابل تخمین پانی جو بند میں رکا ہوا تھا۔ جیسے ہی بند ٹوٹا سیلاب بن کر چڑھ گیا جس سے ان کے دورویہ باغات سب برباد ہو گئے اور ہم نے ان کے دورویہ باغوں کے بدلے میں اور دو باغ دیدیئے لیکن پہلے باغوں کے برخلاف ان دونوں باغوں کے پھل نہایت بدمزہ (خوبصورت اور خوشبودار درختوں کے بجائے) جھاؤ اور پیلو کے بے فیض درخت نہ ان کا سایہ نہ ان کے پھل (اور ہاں پھل دار کیا چیز دی گئی) بیری کے کچھ تھوڑے سے درخت وہ بھی شہری نہیں بلکہ جنگلی خود رو۔ جس میں کانٹے بہت اور پھل میں لطافت ندارد' ان کو یہ سزا ہم نے ان کی ناسپاسی کے سبب دی اور ہم ایسی سزا بڑے ہی ناسپاس کو دیا کرتے ہیں۔

۳ --- اور ہم نے ان کے اور بستیوں کے درمیان جہاں (ہم نے پیداوار وغیرہ کی) برکت رکھی تھی بہت سی آبادیاں قائم کر دی تھیں۔ جو دور سے (شاہراہ سے) نظر آتی تھیں۔ اور ان میں ہم نے سفر کی منزلیں مقرر کر دی تھیں۔ سفر

کرو ان میں دن رات بے کھٹکے نہ رہزن کا خطرہ۔ نہ بھوک پیاس کا خوف۔ قدم قدم پر آبادیاں اور ہر جگہ کھانے پینے کا سامان بفراغت۔

۴ --- اب ان کی بدقسمتی کہ اللہ تعالیٰ کے ان انعامات کا شکریہ تو کیا کرتے ان نعمتوں اور رحمتوں کو زحمت سمجھنے لگے یہ کیا۔ باغات اور آبادیوں کا سلسلہ چلا گیا ہے۔ سفر کا مزہ بھی نہیں آتا۔ بس وہ کہنے لگے۔ اے ہمارے پروردگار ہمارے سفروں میں درازی کر دے۔ یعنی بیچ کے دیہات اور آبادیاں اجاڑ دے تاکہ منزلوں میں خوب فاصلہ ہو جائے (یہ ایسا ہی مطالبہ تھا جیسے من وسلویٰ کے عوض میں لہسن اور پیاز وغیرہ کا مطالبہ کیا تھا۔ اس ناشکری کے علاوہ انہوں نے اور بھی نافرمانیاں کیں۔ یعنی خود اپنے اوپر اور اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ سو ہم نے ان کو افسانہ بنا دیا اور انکو تتر بتر کر دیا (قرآن حکیم)

مولانا سید سلیمان صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سیلاب کے علاوہ سبا کی بربادی کا سبب یہ ہوا کہ یہاں کی تجارت ختم ہو گئی۔ وہ صرف سیلاب کے باعث ختم نہیں ہوئی بلکہ اس کا سبب یہ ہوا کہ چوتھی صدی (ق م) کے اواخر میں یونانیوں اور پہلی صدی (ق م) میں رومیوں نے علی الاتصال شام و مصر پر قبضہ کر لیا یہ عربوں کے بار بار حملوں سے خوف زدہ رہتے تھے۔ عرب اس تجارت کو اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتے تھے اس لیے غیر قوموں کو اپنے ملک سے گذرنے نہیں دیتے تھے۔ انہوں نے ہندوستان اور افریقہ کی تجارت کو بری راستے سے بحری راستے کی طرف منتقل کر دیا۔ اور تمام مال کشتیوں کے ذریعہ بحراحمر کی راہ مصر اور شام کے سواحل پر اترنے لگا۔ اس طریق سفر نے یمن سے شام تک خاک اڑا دی اور سبا کی تمام آبادیاں بے نشان ہو کر رہ گئیں۔ علامہ موصوف فرماتے ہیں یمن ایک طرف سواحل ہندوستان کے مقابل واقعہ ہے اور دوسری طرف سواحل افریقہ کے سونا۔ بیش قیمت پتھر۔ مسالہ۔ خوشبوئیں ہاتھی دانت یہ چیزیں حبش اور ہندوستان سے یمن آیا کرتی تھیں۔ یمن سے سبا اونٹوں پر لاد کر بحراحمر کے کنارے خشکی خشکی حجاز سے گذر کر شام و مصر لاتے تھے۔ قرآن مجید نے اسی راستہ کو "امام مبین" (کھلا راستہ) اور اسی سفر کا نام "رحلة الشتاء والصيف" رکھا ہے جس کو قریش نے جاری کیا تھا۔ ان تجارتی کاروانوں کی آمدورفت کے سبب سے یمن سے شام تک آبادیوں کی ایک قطار قائم تھی جہاں بے خوف و خطر سفر ہو سکتا تھا۔ ارض القرآن ص ۳۷ یعنی قرآن شریف میں جس بربادی کا ذکر ہے اس کے اسباب میں سے صرف ایک سبب کا تذکرہ ہے۔

(۱۷۴) علامہ سید سلیمان نے ان کی تفصیل بھی کر دی ہے کہ یمن کے دوسرے حصوں میں قبیلہ ہمدان اور قبیلہ اشعر رہ گیا۔ قبائل کندہ اور قضاعہ نجد چلے گئے۔ اوس اور خزرج یثرب (مدینہ) قبیلہ ازد' عمان عاملہ اور غسان شام لخم اور جذام عراق چلے گئے۔

(۱۷۵) علماء انساب کہتے ہیں کہ حمیر۔ سبا کی اولاد میں تھا اور سبا قحطان کا پوتا یا پڑپوتا تھا۔ تقریباً گیارہ سو برس تک وہ قبیلہ حکمران رہا جو سبا کی طرف منسوب ہو کر سبا کہلاتا تھا۔ حضرت عیسیٰ السلام کی پیدائش سے ایک سو پندرہ سال پہلے ان کا دور ختم ہو گیا تو اس خاندان کا عروج ہوا جو حمیر میں سبا کی طرف منسوب تھا اور حمیری کہلاتا تھا لغت کے لحاظ سے (حمیر کو اگر حمرۃ سے ماخوذ مانا جائے تو معنے) سرخ (گورے) ہوں گے۔ چونکہ ان کے مقابل امور رقیب حبشؑ۔ کالے ہوتے تھے ان کو حمیر کہا گیا (گورا)

(۱۷۶) حبشی کتبات سے ظاہر ہوتا ہے کہ دوسری صدی عیسوی سے انہوں نے یمن پر حملہ شروع کیا اور یہ حملہ

مسلسل قائم رہا۔ کبھی فاتح ہو کر بڑھے اور کبھی مفتوح ہو کر پیچھے ہٹے۔ آخر حضرت موت اور دیگر ساحلی مقامات پر موقع پا کر جم گئے غالباً شمر یہرش (حارث الرائش) نے جو یمن اور حضرت موت کا پہلا بادشاہ ہوا۔ اس نے یہاں سے حبشیوں کو نکال دیا مگر اکسومی حبش پر پلٹے اور حمیر کو شکست دی۔ ۳۴۰ء سے ۳۷۸ء تک یہ فرماں رواں رہے۔ گو وطنی رؤسا بھی اپنی جگہ ماتحت کی حیثیت (تعلق دار کی حیثیت) سے قائم رہے۔ ۳۷۸ء میں ملک یکرب نے ان کو نکال کر یمن اور حضرت موت پر دوبارہ حقیقی حکومت قائم کی۔ یہ حکومت ۵۲۵ء تک قائم رہی۔ ۵۲۵ء میں اکسومیوں نے دوبارہ حملہ کر کے ان کو برباد کیا (اسی کے بعد اصحاب الفیل کا ہنگامہ ابرہہ نے برپا کیا) ارض القرآن ۲۹۱ ج ۱

(۱۷۷) قرآن حکیم نے لفظ تبع دو جگہ استعمال کیا ہے۔ ایک جگہ تمرد اور سرکشی کی مثال بنا کر (کہ کفار مکہ سے پہلے قوم نوحؑ اصحاب الرس وغیرہ اور قوم تبع انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں تمرد کر کے اس کا نتیجہ بھگت چکی ہیں (ق) دوسری جگہ نمونہ عبرت کے طور پر (سورہ دخان میں) یہ قریش بہتر ہیں یا تبع کی قوم اور وہ قومیں جو ان سے پہلے گزریں۔ ہم نے ان سب کو اس لیے برباد کر دیا کہ یہ قومیں مجرم تھیں۔

(۱۷۸) ابن ہشام نے اس کا نام اسعد بتایا ہے۔ باپ کا نام کلی کرب اور کنیت ابوکرب۔ اسعد ابوکرب کے نام سے مشہور ہے چونکہ بہت ذکی اور ذہین تھا اس لیے اس کا وصف "تبان" بھی مشہور ہو گیا' اس کو تبان اسعد یا اسعد تبان بھی کہا جاتا ہے۔ تبان تبانت سے ماخوذ ہے۔ بمعنے ذہانت۔ تبن اور تبان۔ ذکی اس نے پانچویں صدی عیسوی کے آغاز میں ۴۰۰ء سے ۴۲۵ء تک حکومت کی پچیس سال بادشاہ رہا۔ ابن ہشام کی روایت یہ ہے کہ یہ پہلے مدینہ گیا تھا وہاں بنو قریظہ کے یہودیوں سے متاثر ہوا۔ وہاں کے دو یہودی عالموں کا خاص طور معتقد ہو گیا۔ مدینہ طیبہ سے مکہ کا ارادہ کیا۔ قبیلہ بنو ہذیل کے لوگوں نے اس کو مشورہ دیا کہ وہ خانہ کعبہ کے خزانہ کو لوٹ لے۔ اس نے ان یہودی عالموں سے مشورہ کیا۔ انہوں نے اس حرکت سے منع کیا کہ اس طرح وہ خود تباہ ہو جائے گا۔ کامیاب تدبیر یہ ہے کہ وہ خانہ کعبہ کا احترام کرے۔ ان یہودی عالموں نے کہا یہ خود بھی خانہ کعبہ کا احترام کرتے ہیں کیونکہ حضرت ابراہیمؑ جو اس کے بانی ہیں وہ ہمارے بھی مورث اعلیٰ ہیں۔ مگر چونکہ یہاں اصنام پرستی ہونے لگی ہے اس لیے ہم یہاں نہیں جاتے اور یہ بھی بتا دیا کہ بنو ہذیل نے اپنے عقیدہ کے مطابق بربادی کا اور تباہی کا مشورہ دیا ہے کیونکہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ کعبہ کو لوٹنے والا برباد ہو جاتا ہے۔ اسعد ابوکرب نے ان علماء کے مشورہ پر یہاں تک عمل کیا کہ طواف وغیرہ جو رائج تھا وہ سب کیا مزید براں خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا۔ پہلے موٹے کپڑے کا غلاف چڑھایا پھر اس کو اتروا کر یمنی چادروں کا' پھر اس سے بھی بڑھیا ریشمی کپڑے کا غلاف پہنایا۔ سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۱۱ تا ۱۵

ابن ہشام نے اس واقعہ کو مذہبی رنگ دیا ہے لیکن جو سیاسی حالات اس دور میں رونما تھے وہ اس حسن ظن کو درست نہیں سمجھتے۔ کتبات وغیرہ کی مدد سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہونچ گئی ہے کہ چوتھی صدی عیسوی میں ۳۸ سال (۳۴۰ء تا ۳۷۸ء) ایسے گزرے ہیں کہ اکسومی حبش' یمن پر قابض ہو گئے تھے۔ پھر کلی کرب' جس کو ملک یکرب بھی کہا جاتا ہے اس نے حبشیوں کو یمن سے نکالا اور دوبارہ حمیر کا اقتدار بحال کیا۔ کلی کرب کے بعد ۳۷۸ء سے اس کا لڑکا عمرو بن کلی کرب حکمراں رہا اس کے بعد یہ اسعد ابوکرب تخت نشین ہوا تھا۔ نجران اس وقت عیسائیت کا گڑھ بن چکا تھا۔ حبشیوں کے نکلنے کے بعد بھی عیسائیت کا یہ مرکز ختم نہیں ہوا۔ بس ایک طرف حبشیوں کا دباؤ تھا۔ دوسری جانب رومی جو حبشیوں کے پشت پناہ تھے وہ مصر پر قابض تھے۔ اب لامحالہ تبابع یمن کو مددگاروں کی ضرورت تھی۔ اسعد ابوکرب

نے مذہب کے نام پر یہود کی ہمدردی حاصل کی۔ پہلے خود یہودی بن گیا۔ پھر بنو قریظہ کے دو عالموں کو لا کر یمن میں یہودیت کی اشاعت کرائی۔ حجازی عرب کی سب سے بڑی دولت خانہ کعبہ تھی۔ اس پر غلاف چڑھا کر اس نے اہل حجاز کی ہمدردی حاصل کی۔

(۱۷۹) نجران۔ عسیر سے متصل بحر احمر کے ساحل پر ایک چھوٹا سا علاقہ تھا۔ مقابل کے ساحل پر حبش تھا جہاں عیسائیت پھیل چکی تھی۔ اس کے علاوہ رومی سوداگر بھی یمن کے سواحل تک پہونچے تھے۔ یہ سوداگر جہاں جہاں گزرتے سامان تجارت کے ساتھ عیسائیت کی سوغات بھی بانٹتے جاتے تھے۔ عیسائیت راہب بھی مخصوص مقاصد کے ساتھ ملک میں دورہ کرتے تھے نجران ان سے متاثر ہوا۔ تقریباً ۳۳۰ء میں یہاں کے باشندے عیسائی بن گئے۔ پھر دس سال بعد ۳۴۰ء میں حبشیوں نے یمن پر قبضہ کر لیا جس سے نجران کی عیسائیت اور پختہ ہو گئی۔ ۳۷۸ء میں اگرچہ کلی کرب نے حبشیوں کو نکال دیا مگر نجران کی عیسائیت ختم نہیں ہوئی۔ اس زمانہ میں جو تبع ہوتے رہے بجز ایک تبع کے جس کا نام "عبد کلیل" تھا باقی سب یہودی تھے۔ ان سب کو نجران کی عیسائیت گوارا نہیں تھی۔ چھٹی صدی کے شروع میں تقریباً ۵۲۰ء میں ایک واقعہ پیش آیا جس کا تذکرہ احادیث میں بھی ہے۔ اس واقعہ نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ واقعہ یہ تھا کہ نجران میں ایک راہب کا مقام تھا۔ ایک لڑکا اس راہ سے گزرتا تھا۔ راہب اس کو راستہ میں ٹھیرا کر مذہبی تعلیم کا روز کوئی سبق یاد کرا دیتا تھا۔ باپ اس کو نجوم کی تعلیم دلانا چاہتا تھا اس نے انجیل کے وعظ یاد کر لیے جب ارباب اقتدار کو معلوم ہوا تو برافروختہ ہو گئے۔ تبع یمن "ذونواس" جو یہودیت کا سب سے بڑا حامی تھا اس نے سنا تو چراغ پا ہو گیا۔ آگ بگولا بن کر نجران پہونچا۔ لوگ قلعہ بند ہو گئے شہر کا محاصرہ کر لیا جب شہر فتح ہوا تو گڑھوں میں آگ دہکائی اور ایک ایک کر کے عیسائیوں کو بلوایا جس نے یہودیت قبول کرنے سے انکار کیا اسی کو نذر آتش کر دیا۔

(۱۸۰) تعجب ہے۔ ہمہ داں بزرگ سرسید احمد صاحب اپنی مایہ ناز تصنیف خطبات احمدیہ میں فرماتے ہیں۔

ارباط حبشہ اور ابرہہ خاندانی لقب ہیں۔ اس خاندان ابرہہ میں ایک بادشاہ کا نام اشرم تھا۔ جو ابرہہ اشرم صاحب الفیل کہلاتا ہے اور جس نے مکہ معظمہ پر ۴۵۷ء دیوی یا ۵۸۰ء میں چڑھائی کی تھی۔ خطبات احمدیہ صفحہ ۴۵ آپ کی تحقیق یہ بھی ہے کہ "ذونواس" حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تین سو چون برس پہلے تھا اور اس زمانہ سے آں حضرت ﷺ کی ولادت تک نو سو بیس برس ہوتے ہیں۔ (حوالہ مذکور) سید صاحب کی تحقیق کا مدار ابوالفداء کی تاریخ ہے۔ آپ نے اس کی عربی عبارتیں بھی نقل فرمائی ہیں۔ باوجودیکہ خود ابو الفداء اسی کتاب میں انہیں۔ حمیری بادشاہوں کے حالات میں لکھتا ہے کہ ملوک حمیر کی تاریخ اس قدر لچر اور پوچ ہے کہ اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ ایک کمزوری یہ ہے کہ مدت حکومت دو ہزار سال بتاتے ہیں اور بادشاہ صرف چھبیس۔ مورخ ابوالفداء اپنے قول کی تائید میں صاحب تواریخ الامم کا قول بھی نقل کرتا ہے پھر یہ بھی بتاتا ہے کہ چونکہ سنین اور مدت حکومت کا پتہ چلنا مشکل ہے اس لیے ہم نے مدت حکومت اور سنہ کا تذکرہ نہیں کیا۔ سرسید صاحب کے علی الرغم مولانا سید سلیمان صاحب ندوی مدظلہ نے ان کتبات کی مدد سے جو محکمہ آثار قدیمہ نے برآمد کیے ہیں حمیری بادشاہوں کے سنہ طے کیے ہیں۔ دائرہ المعارف اور انسائیکلوپیڈیا۔ بھی آپ کی تحقیقات کا مرجع ہے۔ ہم نے سید صاحب ندوی مدظلہ کی تحقیقات پر اعتماد کیا ہے۔

(۱۸۱) ارض القرآن صفحہ ۳۱۸ جلد ۱ کامیابی کا سبب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ بادشاہ کا انتقال ہو گیا تھا نئے بادشاہ (نجاشی) نے اظہار وفا ہی کو کافی سمجھا۔

(۱۸۲) ابن ہشام نے ایک دلچسپ واقعہ نقل کیا ہے کہ سیف بن ذی یزن کی درخواست پہلی مرتبہ کسریٰ نے منظور نہیں کی بلکہ اس کو خلعت اور دس ہزار درہم دے کر رخصت کر دیا۔ سیف وہاں سے نکلا تو انعام کی تمام رقم کی بکھیر کر دی۔ کسریٰ کو اس کا علم ہوا اس نے سیف بن ذی یزن کو بلایا اور اس سے بازپرس کی کہ یہ توہین کیوں کی۔ سیف نے جواب دیا کہ سونا چاندی تو ہمارے پہاڑوں میں بہت موجود ہے۔ اس کی مجھے ضرورت نہیں تھی اور جس کی مجھے ضرورت تھی اس کی طرف آپ نے توجہ نہیں کی۔ تب کسریٰ نے ارکان دولت سے مشورہ کیا۔ اس کا خیال یہ تھا کہ میں حمیری خاندان کی خاطر ایرانی فوج کو خطرہ میں کیوں ڈالوں۔ ارکان دولت نے مشورہ دیا کہ اپنی فوج نہ بھیجئے بلکہ آپ کے یہاں جو غیرملکی جیلوں میں پڑے ہوئے ہیں ان کی فوج بنا کر اپنے کسی سپہ سالار کے ماتحت اس کو بھیج دیجئے۔ چنانچہ ان قیدیوں کی فوج بنا کر دہرز کے ماتحت اس کو بھیجا گیا۔ دہرز بھی کوئی قیدی ہی تھا۔ آٹھ جہازوں میں یہ فوج روانہ کی گئی۔ ایک جہاز راستہ میں غرق ہو گیا۔ سات جہاز یمن پہونچے اور کامیاب ہوئے۔

(۱۸۳) باب اول فصل اول

(۱۸۴) باب ماکان علیہ حال اهل الجاهلیه فاصلحه البنی صلی الله علیه وسلم

(۱۸۵) عیسائیوں میں ایک فرقہ تھا جو غسل نہ کرنے کو افضل سمجھتا تھا۔ وہ اس پر فخر کیا کرتے تھے کہ اتنے طویل عرصہ سے ہم نے مونھ نہیں دھویا۔

(۱۸۶) احادیث میں دس چیزیں خصال فطرت قرار دی گئی ہیں مثلاً ناخون تراشنا' مسواک کرنا' ہاتھ پاؤں صاف رکھنا (غسل البراجم) بغلوں اور زیر ناف بال صاف کرنا' خوشبو لگانا' ختنہ' نکاح وغیرہ

(۱۸۷) اشہر حرم۔یعنی وہ مہینے جن میں جنگ ممنوع سمجھی جاتی تھی۔ وہ چار مہینے ہیں ۔ ذی قعدہ' ذی الحجہ ' محرم اور رجب المرجب۔

(۱۸۸) مسجد حرام۔ خانہ کعبہ کے گرد جو احاطہ ہے وہ مسجد حرام ہے۔

(۱۸۹) مجوس کے کچھ فرقے بہن سے نکاح کو جائز سمجھتے تھے۔

(۱۹۰) توریت کتاب پیدائش باب ۲۵۔ کے ابتدائی فقرے یہ ہیں۔

اور ابراہام نے ایک اور جورو کی۔ جس کا نام قطور (قتورہ) تھا اور اس سے زمران۔ اور یقا۔ اور مدان اور مدیان اور اسباق اور سوخ پیدا ہوئے۔ پھر تحریر ہے۔ اور ابراہام نے سب کچھ اسحاق کو دیا لیکن ان حرموں کے بیٹوں کو جو ابراہام سے ہوئے ۔ ابراہام نے کچھ انعام دے کے اپنے جیتے جی اپنے بیٹے اسحاق کے پاس سے پورب رخ۔ پورب کی سرزمین میں بھیج دیا۔ فقرہ ۵-۶- اب یہ سب چھ فرزند۔ مکہ میں آکر آباد ہوئے۔ یا متفرق مقامات پر ؟ علامہ سید سلیمان ندوی کی تحقیق یہ ہے۔ یمن سے سواحل بحراحمر کے کنارے کنارے حجاز و مدین سے گزر کر خلیج عقبہ کے کنارے سے نکل کر تیماء وغیرہ کو قطع کرتی ہوئی۔ ایک نہایت قدیم و مشہور تجارتی سڑک واقع ہے جو قدیم زمانہ میں ہندوستان۔ یمن اور مصر و شام کے کاروانوں کا تنہا راستہ تھا۔ اس راستہ کا ذکر تمام قدیم جغرافیوں میں موجود ہے۔ وادی القریٰ۔ (ثمود کا مسکن) مدین (قوم شعیب کی آبادی) سدوم۔ قوم لوط کا مسکن۔ نیز۔ تبوک۔ تیماء اور رقیم (یونانی پٹرا) اسی سڑک پر مابین حجاز و شام واقع ہیں اصحاب الایکہ بھی یہیں تھے۔ ارض القران صفحہ ۲۶ ج ۲۔ توریت کے بیان کے بموجب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی عمر ایک سو سینتیس برس ہوئی۔ ان کے بارہ بیٹے ہوئے اور وہ حویلہ سے شور تک جو مصر کے سامنے اس

راہ میں ہے جس سے "اسور" کو جاتے میں بستے تھے۔ ان کا قطعہ زمین ان سب بھائیوں کے سامنے پڑا تھا۔ پیدائش۔ باب ۲۵

(۱۹۱) کتاب پیدائش باب ۲۵ فقرہ ۱۷

(۱۹۲) سرسید فرماتے ہیں کہ اسمٰعیل کی اولاد بجز قیدار کے۔ عرب کے مختلف مقامات میں جا بسی تھی۔ خطبات احمدیہ صفحہ ۳۳۷۔ مولانا سید سلیمان فرماتے ہیں قیدار برنبائے روایات تورات و عرب، حجاز میں آباد ہوا۔ پھر فرماتے ہیں۔ قیدار کی اہمیت و عظمت کے لیے یہ دلائل کافی ہیں کہ اس کا نام تورات کے صفحات میں اسیریا کے کتبات میں اور یونان کے جغرافیہ میں ہر جگہ موجود ہے لیکن اس سے بھی عظیم الشان عزت اس کو یہ حاصل ہے کہ وہ نور الٰہی جو آدم و ابراہیم کو ودیعت ہوا تھا وہ اسمٰعیل کے بیٹے قیدار کی پشت سے دنیا میں جلوہ افروز ہوا۔ یعنی پیغمبر عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نسل قیدار کی شاخ عدنان سے پیدا ہوئے۔ ارض القرآن صفحہ ۱۰۲ و ۱۰۳ ج ۲

(۱۹۳) فلما ضاقت مکه علی ولدلاسمعیل انتشروا فی البلاد۔ فلا ینائون قوما الا اظهر هم اللّٰه علیهم بلینهم فوطنوهم۔ سیرت ابن ہشام۔

(۱۹۴) ہمارے وطن میں جو جانور بتوں یا دیوی اور دیوتاؤں کے نام پر چھوڑے جاتے ہیں ممکن ہے ان کے لیے بھی خاص قانون اور قاعدے ہوں لیکن بظاہر عربوں کے قدم ان رسومات میں بھی آگے تھے۔ ان کے یہاں الگ الگ نام اور الگ الگ ان کے احکام تھے۔ یہ وہی نام ہیں۔ سائبہ وہ اونٹنی جو کسی دیوتا کے نام پر آزاد چھوڑ دی جاتی تھی اور اسے چارہ پانی سے نہ روکا جاتا تھا۔ بحیرہ۔ بکری کے پانچ بچے ہو جاتے یا اونٹنی کے دس بچے ہو جاتے تھے، تو اس کا کان چیر کر آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اس سے کوئی کام نہ لیتے تھے۔ عورتوں کے لیے ان کا دودھ پینا یا اون استعمال کرنا بھی ممنوع ہوتا تھا۔ وصیلہ۔ اونٹنی اور اونٹ کا پہلوٹا بچہ مادہ ہوتا اور پھر اسی طرح لگاتار مادہ بچے ہوتے رہتے تو چھٹے بچے کے بعد اسے آزاد چھوڑ دیا جاتا۔ اس کا نام وصیلہ ہوتا۔ حامی۔ نر اونٹ کی ایک قسم ہے جس کو آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا ان کے گوشت، دودھ، بال، اون کے علیحدہ علیحدہ احکام تھے۔ کسی کا استعمال صرف عورتوں کے لیے منع ہوتا کسی کا صرف مردوں کے لیے وغیرہ وغیرہ۔ بخاری شریف باب ماجعل اللہ من بحیرہ، تفسیر سورۂ مائدہ

(۱۹۵) عامر اس کے باپ کا نام ہے اور لحی اس کے خاندان کے مورث ہے اس لیے کبھی ابن عامر کہہ دیا جاتا ہے اور کبھی ابن لحی ۔ یہ دونوں نام حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وار ہوئے ہیں۔ بخاری شریف صفحہ ۱۶۲ و ۴۹۹۔

(۱۹۶) بخاری شریف تفسیر سورہ نوح۔

(۱۹۷) قاف۔ میم اور عین سب مفتوح اور قمعہ بھی کہا گیا ہے یعنی قاف مکسور اور میم مشدد۔ مفتوح (فتح الباری)

(۱۹۸) بزعم نساب مضران خزاعة من ولد عمرو بن لحی بن قمعہ بن الیاس۔ ابن ہشام صفحہ ۵۰

(۱۹۹) جب ہم بطن مر (مرالظہران) میں اترے تو ہم سے خزاعہ الگ ہو کر بڑی بڑی جماعتوں میں پہونچ گئے۔

(۲۰۰) فتح الباری صفحہ ۴۲۷

(۲۰۱) حوالہ مذکور

(۲۰۲) جو عبادت خانہ پہلے سے ان کے یہاں چلا آرہا ہے۔ میں ایسے کسی معبد کو منہدم نہیں کروں گا۔

(۲۰۳) قال الامام محمد رحمه اللّٰه، فان اخذ کل واحد من الفریقین من صاحبه رهنا فغدر

المشرکون وقتلوالرھن الذی ما فی اید ھم فلیس یحل للمسلمین ان یقتلو فی اید ھم من الرھن ولا ان یسترقوھم لانھم کانو امنین عندنا فلا یبطل حکم امانھم بغدرالمشکرین لقولہ تعالٰی لاتزر وازرہ اخری صفحہ ۳۳۲ شرح سیرالکبیرج ۳)

(۲۰۴) تمدن عرب۔ صفحہ ۲۴۸

(۲۰۵) تمدن عرب صفحہ ۲۵۸

(۲۰۶) شرح سیر کبیر صفحہ ۲۸۷ ج ۴

(۲۰۷) توریت کے بیان کے مطابق سدوم وغیرہ کے لوگوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو گرفتار کرلیا تھا اور ان کا تمام مال و سامان لوٹ لیا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے تین سو اٹھارہ خانہ زادوں کو لے کر ان پر حملہ کیا اور حضرت لوطؑ کو چھڑایا۔ صفحہ ۱۴۔ تا ۱۶۔ مولانا چڑیا کوٹی نے اسی کو جہاد فرمایا ہے۔

(۲۰۸) فارسی ترجمہ یہ ہے۔ نان و مطہرہ آب را گرفتہ و بہ ہاجرہ دادہ بہ دوشش گذاشت۔ وہم پسرش را " بادوادہ" اورا روانہ نمود۔ اس کا ترجمہ یہ ہے ۔ روٹی اور پانی کا چھاگل لیا اور ہاجرہ کو دے کر اس کے مونڈھے پر رکھ دیا اور اس کے لڑکے کو بھی "اس کو دے کر" اس کو روانہ کردیا

(۲۰۹) سرسید احمد صاحب فرماتے ہیں۔ حضرت یوسف۔ حضرت ابراہیم کے پوتے کے بیٹے سترہ برس کی عمر میں اپنے بھائیوں کے ساتھ باپ کے مویشی چرایا کرتے تھے اور تیس برس کی عمر میں عزیز مصر کی خواب کی تعبیر بیان کی تھی اور اس کے وزیر ہو گئے تھے۔ خطبات احمدیہ صفحہ ۲۷۔ مگر قرآن پاک کی آیات پر نظر ڈالی جائے تو عمر تیس سال سے بھی کم معلوم ہوتی ہے کیونکہ (۱) قافلہ والوں نے جب کنویں سے نکالا تو یہ کہا تھا۔ یا بشریٰ ہذا غلام

غلام نابالغ کے لیے کہا جاتا ہے۔ پھر جب اس خریدار کے یہاں پہونچ چکے تو اس کے بعد جوان ہوئے ولما بلغ اشدہ واستوی یعنی ۱۷-۱۸ سال کی عمر اس وقت ہونی چاہئے۔ پھر جیل میں رہنے کی مدت بضع سنین فرمائی گئی ہے۔ جو دس سال سے کم ہونی چاہئے۔ بس بہت سے بہت ۲۷ سال کی عمر میں آپ عزیز مصر کے وزیر بن گئے اور جن اختیارات کا استنباط قرآن پاک کے الفاظ سے ہوتا ہے۔ ان کے پیش نظر آپ وزیراعظم ہو گئے۔

(۲۱۰) محترم مولانا سید سلیمان صاحب ندوی ؒ کی علمی جلالت و عظمت سے انکار کون کر سکتا ہے مگر غالبا آپ کے ادبی ذوق کا تقاضا تھا کہ آپ نے ارض القرآن (صفحہ ۹۸ ج ۱) میں مکہ کا تعارف ان الفاظ میں کرایا۔ یہ شہر ایک بوڑھے پیغمبر کی بنا۔ ایک نوجوان پیغمبر (اسماعیلؑ) کی ہجرتگاہ اور ایک یتیم پیغمبر (محمد ﷺ) کا مولد ہے۔ لیکن تعجب ہے سید صاحب نے یہ خیال نہیں فرمایا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام جب پہلی مرتبہ مکہ معظمہ تشریف لائے اگر اس وقت نوجوان تھے تو وہ واقعہ کب پیش آیا جس کی بناء پر ان کو ذبیح اللہ کا خطاب دیا گیا۔ قرآن حکیم نے کوئی عمر نہیں بیان کی مگر اس کا معجزانہ جملہ فلما بلغ معہ السعی ذبح کے وقت جوان ہونے سے انکار کرتا ہے۔ علماء محققین نے اس کے معنی یہی کیے ہیں کہ جب حضرت اسمٰعیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ چلنے پھرنے لگے۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب ؒ فرماتے ہیں "جب پہونچا اس کے ساتھ دوڑنے کو" بڑے آدمی کے ساتھ جب بچہ چلتا ہے تو عموماً دوڑتا چلتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جب سید صاحب تسلیم کرتے ہیں کہ ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہی ہیں اور یہ بھی تسلیم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ معظمہ میں منٰی کے مقام پر حضرت اسمٰعیل کا ذبیحہ پیش کرنے ک عزم کیا تھا

اور فلما بلغ معه السعی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت ان کی عمر ایسی تھی کہ باپ کے ساتھ چلنے پھرنے لگے تھے تو اب لازمی طور پر تسلیم کرنا پڑے گا کہ جب حضرت اسمٰعیل مکہ میں پہونچائے گئے تو ان کی عمر اس سے کم تھی یعنی یہ شیرخوارگی یا اس سے قریب کا زمانہ ہو سکتا ہے۔ جوانی کا دور نہیں ہو سکتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۲۱۱) اس آیت میں یہ ہے کہ اس لونڈی کا بیٹا میرے بیٹے اسحاق کے ساتھ وارث نہ ہوگا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہو چکے تھے جب اخراج کا واقعہ پیش آیا۔ توریت کے بیان کے بموجب حضرت اسحاق حضرت اسمٰعیل علیہما السلام سے چودہ سال چھوٹے ہیں۔ پھر ان کی پیدائش سے دس سال بعد یہ نوبت آئی ہو گی کہ حضرت سارہ کو یہ احساس پیدا ہوا کہ اسحاق کے ساتھ اسمٰعیل (علیہما السلام) کو وارث نہ ہونا چاہئے۔ اس وقت حضرت اسمٰعیل سترہ سال کے ہو گئے ہوں گے۔ (علیہم السلام)

(۲۱۲) فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیهم ثم یقولون هذا من عندالله (سورہ بقرہ ع ۹)

(۲۱۳) و یقولون علی الله الکذب وهم یعلمون (سورہ آل عمران ع ۸)

(۲۱۴) اہل علم واقف ہیں کہ تلقی بالقبول خود ایک ثبوت ہے یعنی اکابر فقہاء اور حضرات محدثین کسی بات کو ایک تسلیم شدہ امر کی طرح پیش کریں۔ یہ خود اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ یہ امر ایک حقیقت اور ایک وزن رکھتا ہے۔

(۲۱۵) وکان النبی صلی الله علیه وسلم واصحابه یعفون عن المشرکین واهل الکتاب کما امرهم ویصبرون علی الاذیٰ۔ قال الله تعالٰی ولتسمعن من الذین۔ الحدیث بخاری شریف باب قوله تعالٰی ولتسمعن من الذین الخ ص ۶۵۶ و ص ۹۱۶ و ص ۹۲۴

(۲۱۶) ابوداؤد شریف باب کیف کان اخراج الیهود من المدینه

(۲۱۷) بدر کے موقع پر ابھی لڑائی شروع نہیں ہوئی تھی آپ ﷺ اپنی جھونپڑی میں مصروف دعاء تھے جب حضرت ابوبکرؓ کے اصرار سے آپ ﷺ نے دعا ختم کی اور میدان کی طرف روانہ ہوئے تو زبان مبارک پر اسی آیت کے الفاظ جاری تھے اور آپ ﷺ بار بار یہی آیت دہرا رہے تھے (بخاری شریف)

(۲۱۸) قال ابن مسعود هو القتل بالسیف یوم بدر وهو قول قتاده والسدی (تفسیر مظہری)

(۲۱۹) من حمل الفتح علی فتح مکه قال معناه لاینفع الذین کفروا وقتلوا وماتوا علی الکفر ایمانهم حین راؤ العذاب بعد الموت (تفسیر مظہری)

(۲۲۰) خط کے الفاظ یہ نقل کیے گئے ہیں۔ انکم اویتم صاحبنا وانا نقسم بالله لتقاتلنه او لتخرجنه اولنسیرن الیکم باجمعنا حتی نقتل مقاتلتکم و نستبیح نسائکم (ابوداؤد شریف باب خبر النضیر)

(۲۲۱) بخاری شریف صفحہ ۶۵۶ و صفحہ ۹۱۶ و صفحہ ۹۲۴

(۲۲۲) اخرجه النسائی من طریق ابی اسحاق الفزاری عن یحی بن سعید (فتح الباری باب الحراسۃ فی الغزو فی سبیل اللہ)

(۲۲۳) بخاری شریف باب قوله تعالٰی ولتسمعن من الذین اوتوا الکتاب الخ صفحہ ۶۵۵ و ۶۵۶ و ۹۱۶ و ۹۳۴

(۲۲۴) سیرۃ ابن ہشام ذکر سنته تسع و تسمیتها سنة الوفود

(۲۲۵) اخرجه ابن المنذر و الطبرانی فی الاوسط والحاکم وصححه وابن مردویه والبیهقی، فی

الدلائل والضیاء فی المختارة (درمنثور تحت قوله تعالٰی وعدالله الذین امنو منکم الایۃ - سوره نور)

(۲۲۶) سیرة ابن هشام- ذکر غزوة سفوان-

(۲۲۷) بطانته الرجل اهله و خاصته وصاحبه (قاموس وغیرہ)

(۲۲۸) ربعه کعنبه حالة حسنة اوامرهم الذی کانوا علیه

(۲۲۹) خون بہا اور دیت اگرچہ قاتل کے جرم کے سبب سے ادا کرنی پڑتی تھی مگر قاتل کے مال سے نہیں دی جاتی تھی بلکہ ان سے لی جاتی تھی جو عاقلہ (آج کل کی اصطلاح میں سوسائٹی) کے آدمی ہوتے تھے اور اگر یہ سوسائٹی پوری رقم نہیں ادا کر سکتی تھی تو دوسری سوسائٹی یا قبیلہ جو اس سے قریبی تعلق رکھتا تھا وہ اس میں حصہ لیتا تھا۔ یہ سوسائٹیاں اور ان کے حلیف معین تھے۔ اس دفعہ کا مقصد یہ ہے کہ اس قسم کے جو معاہدے تھے وہ بدستور رہیں گے اور جو طریقے رائج تھے ان پر عمل ہوتا رہے گا یہاں یہ بات خاص توجہ کی مستحق ہے کہ اس معاہدہ کے بعد اسلامی تعلیمات میں بہت کچھ اضافہ ہوا۔ خرید' فروخت' حرمت سود' نکاح' طلاق وغیرہ کے جملہ احکام اس کے بعد ہی نازل ہوئے مگر عجیب بات یہ ہے کہ دیت کے احکام اور طریقے تقریباً وہی باقی رہے جو پہلے تھے۔ گویا یہ معاہدہ اگرچہ وقتی تھا مگر اسلام نے اس کا احترام اس وقت بھی کیا جب اس کا اقتدار پوری طرح پورے ملک پر کامل اور مکمل ہو گیا تھا۔

(۲۳۰) بواط جبل من جبال جهینته بقرب ینبع فی ناحیته رضوی - ورضوی ب فتح الراء جبل مشهور عظیم- فتح الباری

(۲۳۱) زادالمعاد صفحہ ۳۲۴ ج ۱

(۲۳۲) قال الزهری اول ایة نزلت فی القتال - کما اخبرنی عروة عن عائشته اذن للذین یقاتلون بانهم ظلمو- اخرجه النسائی واسناده صحیح واخرج هردالترفدی وصححه الحاکم من طریق سعید بن جبیر عن ابن عباس قال لما خرج النبی صلی الله علیه وسلم من مکته قال ابوبکر اخرجوا انبیهم لیهلکن فنزلت اذن للذین یقاتلون الایة قال ابن عباس فهی اول ایته نزلت فی القتال فتح الباری فی اول کتاب المغازی صفحہ ۲۲۴ مصری ج ۷

(۲۳۳) پوری آیت کا مضمون یہ ہے کہ اے پیغمبر اگر تیرا پروردگار چاہتا تو جتنے آدمی روئے زمین پر ہیں سب ہی ایمان لے آتے اور دنیا میں اعتقاد و عمل کا اختلاف باقی نہ رہتا لیکن تو دیکھ رہا ہے کہ اللہ نے ایسا نہیں چاہا۔ اس کی مشیت یہی ہوئی کہ طرح طرح کی طبیعتیں اور طرح طرح کی استعدادیں ظہور میں آئیں۔ اور جس طرح ان کی ظاہری صورتیں مختلف ان کے مزاج مختلف' ان کی طبیعتیں اور جذبات مختلف ہیں جو خالق ذوالجلال کی حکمت بالغہ کی کھلی ہوئی دلیلیں ہیں۔ اسی طرح ان کے خیالات اور عقائد اور اعمال میں بھی اختلاف باقی رہے۔ یہ رنگ برنگی رخ گیتی کی زینت اور کمال ربوبیت کی دلیل ہے پس اگر لوگ نہیں مانتے اور سب ایمان نہیں لاتے تو کیا آپ ان پر جبر کریں گے اور ایک ایسے فعل کے خواہاں ہوں گے جو مشیت الٰہی کے خلاف ہے۔ واللہ اعلم بالصواب (ترجمان القرآن)

(۲۳۴) قالت الحنفیته الاصل الاجزیته ان تتاخرالی دارالجزاء وهی الدارالاخرة واما دارالدنیا فهی دار التکلیف والا بتلا قال الله تعالٰی لااکراه فی الدین' فکل ماشرع جزاء فی هذه الدار انما هو لمصالح تعود الینا فی هذه الدار کا لقصاص وحدالشرب والقذف والزنا۔فانها شرعت لحفظ

النفوس والاغراض والعقول والانساب۔ والا موال فالقتل للردة لایجب الالدفع شرحرابه لاجزاء علی کفره لان جزاء الکفر اعظم من ذلک عندالله فیختص القتل بمن یتاتی منه الحرب وهوالرجل۔ ولو کان جزاء للکفر لما نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم من قتل نساء اهل الحرب ولو کان جزاء للکفرلزم تطهیره بالقتل کما فی القصاص والحدود تفسیر مظہری تحت قولہ تعالیٰ اذن للذین یقاتلون الایته

(۲۳۵) ومعنے الایته لولادفع الله الناس لهدمت فی کل شریعته نبی مکان عبادتهم۔ فهدمت فی زمن موسی الکنایس وفی زمن عیسے البیع والصوامع وفی زمن محمد المساجد صلوات الله علیهم وسلامه (تفسیر مظہری)

(۲۳۶) امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ مسجد حرام سے صرف مسجد نہیں بلکہ پورا حرم مراد لیتے ہیں کیونکہ اس پورے شہر کو بسانے کا مقصد اقامت صلوٰۃ تھا اور دلیل یہ ہے کہ شب معراج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ام ھانی کے مکان میں تشریف فرما تھے جہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے جایا گیا۔ یہ مکان احاطہ خانہ کعبہ سے باہر شہر میں تھا مگر قرآن پاک میں یہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مسجد حرام سے لے گیا (سبحان الذین اسریٰ بعبده لیلا من المسجد الحرام) اور اس بنا پر امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ مکہ کی زمین وقف کی حیثیت رکھتی ہے اس کی بیع درست نہیں اور احادیث میں اگر کسی مکان کے بیچنے کا تذکرہ آیا ہے تو وہ بیع اس کی عمارت کی ہوئی ہے' زمین کی نہیں ہوئی (تفسیر مظہری) تفسیر درمنثور میں متعدد حدیثیں نقل کی گئی ہیں جن میں ارض مکہ کی فروخت پر عذاب کی وعید ہے۔

(۲۳۷) کہتے ہیں کعبہ شریفہ کی جگہ آگے سے بزرگ تھی پھر بعد مدتوں کے نشان نہ رہا تھا۔ حضرت ابراہیم کو حکم ہوا پھر عمارت بنائی اور تازہ کیا (حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ) قال البغوی انما ذکر مکان البیت لان الکعبته رفعت الی السماء زمن الطوفان ثم لما امر الله تعالےٰ ابراهیم علیه السلام ببناء البیت لم یدر این یبنی فبعث الله ریحا فجوجا" (شدیدة غیرا استواء) فنکست لها ماحول الکعبته عن الاساس (تفسیر مظهری)

(۲۳۸) یہ مثال فرمائی اس واسطے کہ جس کی نیت ایک پر ہے وہ قائم ہے اور جہاں نیت بہت طرف گئی وہ سب اس کو راہ میں سے اچک لے گئے یا سب سے منکر ہو کر دہری ہو گئے۔ (حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

(۲۳۹) اور ہر فرقہ کو ہم نے ٹھیرا دی ہے قربانی (شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ) یعنی مواشی ذبح کرنے نیاز اللہ ۔کے ہر دین میں عبادت رکھا ہے اس کے سوا اور کوئی نیاز ذبح کرنا اس کی عبادت ہو گی تو شرک ہوا۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(۲۴۰) اونٹوں کو لٹا کر ذبح نہیں کیا جاتا بلکہ کھڑے کر کے ذبح کیا جاتا ہے کہ اس طرح ذبح کرنے والے کے لیے بھی آسانی رہتی ہے اور مذبوح کی روح بھی آسانی سے خارج ہو جاتی ہے۔

(۲۴۱) بخاری شریف۔ باب کیف کان عیش اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم و کتاب الاطعمہ صفحہ ۹۵۶ ج ۲ وباب مناقب سعد بن ابی وقاصؓ صفحہ ۵۲۸ ج ۱

(۲۴۲) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فاتح ایران و فارس کو کوفہ کا گورنر بنا دیا گیا تھا۔ اسلام کے اس قاعدہ کے مطابق کہ سیاسی امیر ہی نماز کا امام ہوگا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ امامت فرمایا کرتے تھے کہ کچھ شورہ پشتوں نے جو بعد میں ان فتنوں

کے بانی اور موید بنے جو حضرت عثمان ؓ کے دور میں شروع ہوئے تھے حضرت سعد ؓ کے خلاف شکایت کی کہ نماز اچھی طرح نہیں پڑھاتے۔ اس پر آپ کو دربار فاروقی میں طلب کیا گیا۔ جہاں آپ نے اعتراضات کا اطمینان بخش جواب دیا۔ نماز کی کیفیت بھی بیان کی کہ اس طرح پڑھاتے ہیں کہ پہلی دو رکعتیں طویل ہوتی ہیں اور بعد کی دو رکعتیں مختصر (وغیرذلک) حضرت فاروق ؓ آپ کے بیان سے مطمئن ہوئے اور تصدیق کرتے ہوئے فرمایا آپ سے یہی توقع تھی ذلک الظن بک یا ابا اسحاق۔ بخاری شریف باب وجوب القرءۃ للامام والماموم صفحہ ۱۰۴

(۲۴۳) بخاری شریف کتاب المغازی صفحہ ۵۷۲

(۲۴۴) طبقات ابن سعد ج ۳

(۲۴۵) فتح الباری

(۲۴۶) فتح الباری۔ ابتداء کتاب المغازی

(۲۴۷) روض الانف وزرقانی وغیرہ میں اس معاہدہ کے مندرجہ ذیل الفاظ نقل کیے گئے ہیں۔ ھذا کتاب من محمد رسول اللّٰہ لبنی ضمرۃ انھم امنون علٰی اموالھم وانفسھم وان لھم النصر علی من رامھم۔ الا ان یحار بوا فی دین اللّٰہ مابل بحر صوفتہ وان النبی اذا دعاھم لنصرہ اجابو ہ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بنوضمرہ کو یہ تحریر دی جاتی ہے کہ ان کا جان و مال محفوظ رہے گا اور جو لوگ ان پر حملہ کریں گے ان کے مقابلہ میں بنی ضمرہ کی مدد کی جائے گی۔ بجز اس صورت کے کہ اللہ کے دین کے بارہ میں کسی پارٹی کی ان سے لڑائی ہو۔ یہ معاہدہ اس وقت تک کے لیے ہے جب تک سمندر میں یہ خاصیت رہے کہ وہ ان کو تر کر دیتا ہے اور پیغمبر جب ان کو مدد کے لیے بلائیں گے تو یہ مدد کو آئیں گے۔

(۲۴۸) فتح الباری صفحہ ۲۸۸ ج ۷ مطبوعہ مصر۔

(۲۴۹) یہ تمام تفصیل سیرۃ ابن ہشام سے ماخوذ ہے۔

(۲۵۰) ھو بستان ابن عامر الذی قرب مکہ

(۲۵۱) اصل نام عبداللہ بن عباد۔ عرف بن حضرمی اور عمرو بن حضرمی (ابن ہشام)

(۲۵۲) ابن ہشام و فتح الباری۔ (طبقاتِ ابن سعد وغیرہ)

(۲۵۳) ان سے جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بہترین صلاحیت اور انداز فکر کا پتہ چلتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ منشاء خداوندی کے مطابق اصلاح و ترقی کی لگن رات دن ان کو رہتی تھی اسی طرح یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وحی الٰہی نے ان کے غورو فکر پر قدغن نہیں کیا بلکہ اس کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے انتہا یہ کہ بعض جگہ وہی الفاظ صادر ہوئے ہیں جو صحابیؓ کی زبان سے نکلے تھے۔

(۲۵۴) تفسیر ابن جریر صفحہ ۱۹۵ ج ۲

(۲۵۵) سیرۃ ابن ہشام

(۲۵۶) قال اصحاب السریۃ یا رسول اللّٰہ بل نوجر علی وجھنا ھذا وھل یکون سفرنا ھذا غزوا فانزل اللّٰہ تعالی ان الذین امنوا والذین ھاجروا وجاھدوا۔ الایۃ۔ ابن ہشام و مظہری وغیرہ

(۲۵۷) ان سے بڑھ کر واجب الاحترام کون ہو سکتا ہے جن کے حق میں وحی الٰہی نازل ہوئی۔ کلام اللہ نے جن کے

اقدام کی حمایت اور تائید کی ان کو مہاجر اور مجاہد فی سبیل اللہ قرار دیا اور رحمت و مغفرت کی بشارت سے نوازا۔ مگر اب آپ بیسویں صدی کے ایک مترجم اور مفسر کا انداز تحریر ملاحظہ فرمایئے جو یہ بھی شوق رکھتا ہے کہ اس کو امام وقت قرار دیا جائے اور ایک جماعت اس کو اپنا امیر بھی مانتی ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

اس مقام پر یہ بات بھی معلوم رہنی چاہئے کہ جب یہ دستہ قیدی اور مال غنیمت لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اسی وقت فرما دیا تھا کہ میں نے تم کو لڑنے کی اجازت تو نہیں دی تھی۔ نیز آپؐ نے ان کے لائے ہوئے مال غنیمت میں سے بیت المال کا حصہ لینے سے بھی انکار فرما دیا جو اس بات کی علامت تھی کہ یہ لوٹ ناجائز ہے۔ عام مسلمانوں نے بھی اس فعل پر اپنے ان آدمیوں کی سخت ملامت کی تھی اور مدینہ میں کوئی ایسا نہ تھا جس نے انہیں اس پر داد دی ہو۔ (انتہی) آپ ان الفاظ پر دوبارہ نظر ڈالیے۔ غور فرمایئے آپ کا دماغ ان الفاظ سے کیا اثر لیتا ہے کیا آپ ان کو مہاجر اور مجاہد فی سبیل اللہ سمجھیں گے یا جذباتی قسم کے جلد باز اور قتل و غارت کے شوقین (معاذ اللہ) اس مترجم نے خود لکھا ہے کہ مال غنیمت کے احکام کی تعلیم جنگ بدر کے بعد ہوئی۔ اس وقت تک نہ مالِ غنیمت کے احکام تھے نہ کوئی بیت المال تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توقف اس لیے فرمایا تھا کہ اس سلسلہ میں احکام ابھی تک نازل نہیں ہوئے تھے۔ اور یہ مدعی تفسیر لکھتا ہے کہ یہ اس بات کی علامت تھی کہ یہ لوٹ ناجائز ہے۔ بیشک اس وقت ان کے اس فعل پر داد کسی نے نہیں دی لیکن داد نہ دینے اور ملامت کرنے میں بہت بڑا فرق ہے۔ یہ امیر جماعت اور امیدوار امامت اس فرق کو نظرانداز کر کے وہ لفظ لاتا ہے جس سے ملامت کا تصور پیدا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم من بعدی غرضا میرے ساتھیوں کے بارے میں خوف خدا سے کام لو۔ ان کو ملامت کا نشانہ نہ بناؤ۔ مگر اس مدعی تفسیر کی خصوصیت یہ ہے کہ جہاں بھی موقع ملتا ہے وہ صحابہ کرام کی کمزوری اچھالتا ہے وحی الٰہی ان کی حمایت کرتی ہے اور یہ ان کے درپے رہتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ ان کو اسی درجہ کے یا اس سے کم درجہ کے آدمی ثابت کرے جیسے اس کے ساتھی ہیں۔ معاذ اللہ

(۲۵۸) متلبسا بالحکمته والصواب (روح المعانی = مظہری)

(۲۵۹) انما المومنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم تاومما رزقنھم ینفقون (سورہ انفال ع ۱)

(۲۶۰) چنانچہ حضرت عبداللہ بن جحش ؓ کے دستہ نے قافلہ کا سامان چھین لیا۔ قافلہ کے دو آدمیوں کو گرفتار کرلیا۔ ان کو مدینہ طیبہ میں لائے تو چونکہ پہلے سے کوئی تجویز یا اسکیم نہ تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تردد ہوا کہ اس مال کا اور ان قیدیوں کا کیا کیا جائے؟ بہت کافی تامل کے بعد اور ایک روایت کے بموجب تقریباً دو ماہ گزرنے کے بعد جب غزوۂ بدر بھی ہو چکا اور من جانب اللہ مسلمانوں کو مال غنیمت کی اجازت مل گئی تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مال اور ان قیدیوں کے بارے میں فیصلہ صادر فرمایا۔

(۲۶۱) صرف ایک شخص الگ رہا تھا۔ اسی لیے وہ قریش کے ساتھ بدر بھی نہیں آیا تھا۔ اس کا نام تھا حویطب بن عبدالعزی (راوہ موسی بن عتبہ عن الزہری) بدایہ ونہایہ صفحہ ۲۵۶ ج ۳

(۲۶۲) ابوسفیان جس کو اس قافلہ کا سردار بنایا گیا تھا اس نے خود بیان کیا تھا کہ مامن قرشی ولا قرشیته له نش وصاعدا الابعث به معنا طبقات ابن سعد ج ۲ صفحہ ۷ قریش کے کسی مرد یا عورت کے پاس ایک نش یا نش کے قریب بھی تھا تو اس نے ہمیں دیدیا تھا۔ نش (نصف اوقیہ) بیس درہم کا ہوتا تھا جس کا وزن تقریباً پونے چار تولہ ہوتا تھا۔

یعنی کسی کے پاس اگر چند تولے چاندی بھی تھی تو اس نے اس تجارت میں لگا دی تھی۔

(۲۶۳) ایک دینار عموماً ایک مثقال کا ہوتا تھا یعنی ساڑھے چار ماشہ کا۔ پس اٹھارہ ہزار سات سو پچاس تولہ سونا اس قافلہ کا سرمایہ تھا۔ جو آج کل کم و بیش چالیس لاکھ کا ہوتا ہے۔

(۲۶۴) قال ابن عباس وابن الزبیر و محمد بن اسحاق والسدی اقبل ابوسفیان من الشام فی اربعین راکبا من کبار قریش فیھم عمر و بن العاص و مخرمته بن نوفل الزھری (معالم التنزیل للبغوی۔)

(۲۶۵) بیہقی کے الفاظ یہ ہیں۔ اقبل ابو سفیان فی عیر معه سبون راکبا من بطون قریش کلھا و فیھا مخرمته بن نوفل۔ و عمر و بن العاص درمنثور صفحہ ۱۶۴ ج ۳

(۲۶۶) ابوجہل اس کو سمجھتا تھا۔ چنانچہ آگے تفصیل آئے گی کہ جب کچھ خیر اندیشوں نے اس سے کہا کہ قافلہ بخیریت پہونچ گیا اب جنگ کی ضرورت نہیں ہے آگے مت بڑھئے تو اس نے جواب دیا تھا کہ ہم چاہتے ہیں کہ بدر پہونچ کر جشن کریں۔ تاکہ عرب کو ہمارے حوصلہ کا اندزاہ ہو اور ہماری ہیبت ان کے دلوں میں بیٹھ جائے (ابن اسحاق بحوالہ ابن ہشام (بدایہ ونہایہ صفحہ ۲۶۶)

(۲۶۷) جانے کے وقت راستہ روکنے کی بظاہر پالیسی نہیں تھی۔ اس سے پہلے بھی واپسی کے وقت ہی قافلوں کا تعاقب کیا گیا۔ اس وقت بھی ایسا ہی کیا گیا۔

(۲۶۸) اذیعدکم اللہ احد الطائفتین الایہ

(۲۶۹) وکانت بدر موسم من مواسم الجاھلیه یجتمع بھا العرب بھاسوق و بین بدر والمدینة ثمانیه برد و میلان طبقات ابن سعد صفحہ ۷ ج ۳ بہار اک کثیر بیہقی بحوالہ بدایہ و نہایہ صفحہ ۳۰۸ ج ۳

(۲۷۰) مسند احمد بحوالہ بدایہ و نہایہ ص ۲۷۷۔ ج ۳ اور موسیٰ بن عقبہ کی روایت یہ ہے کہ عدی بن ابی الزغباء اس سفر میں ان کے ساتھ تھے بدایہ و نہایہ ص ۲۶۲ ج ۲

(۲۷۱) روایت عمرو بن شیبہ بحوالہ تفسیر مظہری ص ۱۱ ج ۴

(۲۷۲) طبقات ابن سعد غزوہ بدر ص ۶ ج ۳ القسم الاول من الجز الثانی

(۲۷۳) عمرو بن شیبہ کی روایت میں حوراء کے بجائے خوار ہے یہ دونوں مقام قریب قریب تھے۔ بظاہر ان سب مواضعات میں یہ حضرات تشریف لے گئے اسی لیے کسی راوی نے ایک مقام کا نام لے دیا کسی نے دوسرے کا معجم البلدان میں خوار کے متعلق تحریر ہے قریة من وادی ستارہ پھر ستارہ کے متعلق تحریر ہے جبل سود بین الضیقة والحوراء بینھا و بین ینبع ثلثة ایام

(۲۷۴) ینبع مدینہ طیبہ سے تقریباً ڈیڑھ سو میل ہے ذوالمروہ کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ مدینہ سے آٹھ برید کے فاصلہ پر ہے یعنی تقریباً سو میل۔

(۲۷۵) عمرو بن شیبہ (حوالہ مذکور تفسیر مظہری ج ۴

(۲۷۶) ابن سعد ص ۱۵۴ ج ۴ تذکرہ طلحہ بن عبید و ذکر سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ص ۲۷۸ ج ۴

(۲۷۷) بیہنا و بین ینبج ثلاثة ایام۔ معجم البلدان ذکر خوار

(۲۷۸) بعثھما قبل خروجه من المدینة بعشر لیا لی۔ ابن سعد۔ ذکر طلحہ ص ۱۵۴ ج ۵

(۲۷۹) یہ دونوں حضرات واپس ہوئے تو آنحضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم روانہ ہو چکے تھے۔ یہ صاحبان بھی نقش قدم پر روانہ ہو گئے مگر معرکہ کے وقت تک نہیں پہونچ سکے۔ مگر جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مظفر و منصور واپس ہو رہے تھے تو مقام "تربان" پر شرف قدم بوسی حاصل ہوا چونکہ یہ حضرات ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بموجب اپنا فرض (ڈیوٹی) انجام دے رہے تھے تو آپ کا شمار بھی غازیوں میں کیا گیا اور جب ضبط شدہ اموال (غنیمت) تقسیم ہوئے تو ان کو بھی حصہ عنایت کیا گیا۔ (ابن سعد ذکر طلحہ ص ۱۵۴ ج ۵

(۲۸۰) قال ہاشم بن سلیمان لاادری ما استثنٰی من بعض نساء ہ مسند احمد۔ بحوالہ بدایہ و نہایتہ ص ۲۷۷ ج ۳

(۲۸۱) فخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ فتکلم فقال ان لنا طلبته فمن کان ظهره حاضر فلیرکب معنا فجعل رجال یستاذنو نه فی ظهور ہم فی علوالمدینة قال لا الامن کان ظهره حاضراً مسند احمد بحوالہ بدایہ و نہایہ ص ۲۷۷

(۲۸۲) بخاری شریف میں ہے و بعض العوالی من المدینة علی اربعة امیال اونحوہا ص ۷۸ اور عینی شرح بخاری میں ہے قال عیاض کانه ارادمعظم عماراتها والا فابعد ها ثمانیة امیال

(۲۸۳) مسند احمد حوالہ مذکور و بمعناہ عن ابن اسحاق و ابن سعد وغیر ہما۔

(۲۸۴) اس طرف کوچ کرنا بیکار تھا کیونکہ قافلہ کی روانگی کو اتنے دن گذر چکے تھے کہ وہ اس طرف کی منزلیں یقیناً طے کر چکا تھا اب اس کو مدینہ کے قریب ہونا چاہیئے تھا اور اگر وہ راستہ بدل کر آگے بڑھ گیا تھا تو پھر بدر کا مقام ایسا تھا جہاں اس کو پکڑا جا سکتا تھا۔

(۲۸۵) تعجب ہے علامہ شبلی مرحوم نے اتنی واضح بات کی طرف التفات نہیں فرمایا۔ آپ نے سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں تحریر فرمایا ہے۔ مکہ سے جو قافلہ تجارت کے لیے شام کو جایا کرتا تھا مدینہ کے پاس سے ہو کر گذرتا تھا۔ مکہ سے مدینہ تک جس قدر قبائل آباد تھے عموماً قریش کے زیر اثر تھے۔ بخلاف اس کے مدینہ سے شام کے حدود تک قریش کا اثر نہیں تھا۔ اس بنا پر اگر کاروان تجارت پر حملہ کرنا مقصود ہوتا تو شام کی طرف بڑھنا تھا یہ بالکل خلاف قیاس ہے کہ کاروان تجارت شام سے آ رہا ہے (آرہا تھا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہو چکی ہے (تقریباً پندرہ روز پہلے) اور آپ بجائے اس کے کہ شام کی طرف بڑھیں۔ مکہ کی طرف جاتے ہیں (صحیح جاتے ہیں) اور پانچ منزل مکہ کی طرف جا کر خبر آتی ہے کہ قافلہ بچ کر نکل گیا (مخبر کی اطلاع کی تصدیق ہو جاتی ہے) اور قریش سے جنگ پیش آ جاتی ہے (سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۳۲۷ و ص ۳۲۸ طبع سوم)

موجودہ دور (چودھویں صدی ہجری مطابق بیسویں صدی عیسوی) کے فاضل محقق علامہ ابو الاعلیٰ مودودی اگرچہ تقلید کے سخت ترین مخالف ہیں۔ مگر اس بارے میں آپ نے علامہ شبلی کی تقلید فرمائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ اور انہوں نے سیدھی جنوب مغرب کی راہ لی۔ جدھر سے قریش کا لشکر آ رہا تھا۔ حالانکہ اگر ابتدا میں لشکر کو لوٹنا مقصود ہوتا تو شمال و مغرب (شام) کی راہ لی جاتی۔ مقدمہ سورہ انفال ۔ تفہیم القرآن جلد دوم ص ۱۳۶

آپ نے تفہیم القرآن میں کئی نقشے بھی دیئے ہیں۔ مگر پہلا کمال تو یہ کیا کہ نقشہ میں وہ راستہ ہی نہیں دیا جو مدینہ

کے قریب سے ہو کر شام جاتا تھا جس کا تذکرہ علامہ شبلی کی تحریر بالا میں ہے اور جو حال کے جغرافیوں میں بھی نمایاں کیا گیا ہے آپ نے صرف وہ راستہ نمایاں کیا ہے جو ساحل سمندر کے قریب قریب شام کو جاتا ہے۔ مزید کمال یہ ہے کہ جو نقشے آپ نے دیئے ہیں خود آپ نے ان کو سمجھنے کی کوشش نہیں فرمائی کیونکہ آپ کے پیش کرہ نقشہ کے بموجب جو تجارتی راستہ ہے وہ مکہ معظمہ سے رابغ او مستورہ ہوتا ہوا بدر پہونچتا ہے پھر بدر سے ینبع ہو کر سمندر کے کنارہ کنارہ شام پہونچتا ہے اس راستہ پر بدر وہ مقام ہے جو مدینہ سے سب سے زیادہ قریب ہے لیکن یہ قریب تر مقام بھی بقول علامہ شبلی ۵ منزل (تقریباً ۸۰ میل) ہے مدینہ کے رہنے والے اس راستہ کو بند کرنے کی دھمکی نہیں دے سکتے تھے۔ وہ کسی ایسے ہی راستے کو بند کر سکتے تھے جو مدینہ یا مدینہ کے قریب دس پانچ میل کے فاصلہ سے ہو کر گذرتا ہو اسی میل پہونچ کر راستہ روکنا خلاف قیاس اور ناقابل تسلیم ہے۔ یہ راستہ مدینہ طیبہ سے عین جنوب مغرب میں ہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے تو اس وقت قافلہ اسی راستہ پر تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لامحالہ اسی طرف تشریف لیجانا چاہئے تھا اگر علامہ مودودی تقلید نہ کرتے اور خود اپنے پیش کردہ نقشہ کو سمجھ کر غور فکر سے کام لیتے تو آپ اس خلجان میں نہ پڑتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنوب مغرب کی راہ کیوں لی علاوہ ازیں ایک مستند اور متفقہ طور پر طے شدہ روایت ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد حضرت ابوجندل ؓ سمندر کے کنارہ پہنچ گئے تھے وہاں ان جیسے اور جواں ہمت بھی پہنچ گئے تو انہوں نے قریش کا یہ راستہ بھی بند کر دیا جو مدینہ کے راستہ کو چھوڑ کر قریش نے اختیار کیا تھا۔ علامہ مودودی کے پیش کردہ نقشہ کے بموجب اگر شام کا تجارتی راستہ صرف یہی تھا تو جس طرح انصار مدینہ کی یہ دھمکی بے معنی ہوتی ہے کہ ہم شام کا راستہ بند کر دیں گے (کیونکہ یہ راستہ مدینہ سے کم از کم پانچ منزل ہے) اسی طرح یہ تسلیم شدہ حقیقت بھی بے معنی ہو جاتی ہے کہ مدینہ کے راستہ کو چھوڑ کر جو راستہ قریش نے اختیار کیا تھا حضرت ابوجندل ؓ نے ساحل سمندر اپنا مرکز قائم کر کے اس کو مخدوش بنا دیا۔

(۲۸۶) طبقات میں سعد ابن ہاشم وغیرہ نے بیرابی عتبہ لکھا ہے۔

(۲۸۷) ایسا قافلہ اب تک کوئی بھی نہ گذرا تھا جس میں سرداران قریش کی تعداد ستر یا چالیس ہو اور جس کا سامان ایک ہزار اونٹوں پر لدا ہوا ہو۔

(۲۸۸) ۷۴ مہاجرین اور باقی انصار رضوان اللہ علیہم اجمعین آخر میں جملہ حضرات کی فہرست ملاحظہ فرمایئے۔

(۲۸۹) جملہ مورخین اور ارباب سیرت یہ تحریر فرماتے ہیں تخلف عنه بشر کثیرو ذالک لانهم لم یظنوا ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یلقی حربا۔ ولم یحتفل بها رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم احتفا لا بلیغا ابن سعد ابن اسحاق وغیر هما(بہت سے آدمی پیچھے رہ گئے اس لیے کہ ان کو یہ خیال نہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ پیش آئے گی۔ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی زور نہیں دیا۔ بلکہ یہ فرمایا کہ جس کے پاس سواری موجود ہو وہ ہمارے ساتھ چلے)

(۲۹۰) قال ابن سعد بین بدرو ملینه ثمانینه برد۔ و میلان

(۲۹۱) مودودی صاحب نے بھی تفہیم القرآن میں سورہ انفال کے مقدمہ میں علامہ شبلی کے اسی رائے کی تقلید کی ہے اور اگرچہ آپ ائمہ مجتہدین کی تقلید کے قائل نہیں ہیں صحابہ کرام کے متعلق بھی آپ کی رائے یہی ہے کہ وہ ایک مساوی حیثیت کے انسان ہیں جن کو تاریخ نے تقدم کا اعزاز بخش دیا ہے اس لیے آپ ان کے حق میں بے باکانہ تنقید کو

اپنا جائز حق تسلیم کرتے ہیں۔ آپ نے علامہ شبلی کی یہاں تک تقلید کی ہے کہ آپ کو یہ خیال بھی نہیں رہا کہ جو کچھ آپ فرما رہے ہیں اس میں کھلا ہوا تناقض اور تضاد ہے۔

ایک طرف آپ بڑی قوت اور شدت سے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ کاروان تجارت پر حملہ کرنا ضروری تھا اگر کاروان تجارت بچ کر نکل جاتا تو مسلمانوں کی ہوا اکھڑ جاتی۔ تحریک بے جان ہو جاتی۔ آپ فرماتے ہیں۔

"اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمایا کہ فیصلہ کی گھڑی آ پہونچی ہے اور یہ ٹھیک وہ وقت ہے کہ ایک جسورانہ قدم اگر نہ ڈالا گیا تو تحریک اسلامی ہمیشہ کے لیے بے جان ہو جائے گی بلکہ بعید نہیں کہ اس تحریک کے لیے سر اٹھانے کا پھر کوئی موقع باقی نہ رہے۔ نئے دارالہجرت میں آئے ابھی پورے دو سال بھی نہیں ہوئے ہیں۔ مہاجرین ابھی بے سرو سامان' انصار بھی ناآزمودہ۔ یہودی قبائل برسر مخالفت۔ خود مدینہ میں منافقین و مشرکین کا اچھا خاصہ عنصر موجود اور گردو پیش کے تمام قبائل قریش سے مرعوب بھی اور مذہبا" ان کے ہمدرد بھی ایسے حالات میں اگر قریش مدینہ پر حملہ آور ہو جائیں تو ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت کا خاتمہ ہو جائے۔ لیکن اگر وہ حملہ نہ کریں اور صرف اپنے زور سے قافلہ کو بچا کر لے جائیں اور مسلمان ویسے بیٹھے رہیں تب بھی یک لخت مسلمانوں کی ایسی ہوا اکھڑ گی کہ عرب کا بچہ بچہ ان پر دلیر ہو جائے گا اور ان کے لیے ملک بھر میں پھر کوئی جائے پناہ باقی نہ رہے گی۔ آس پاس کے سارے قبائل قریش کے اشاروں پر کام کرنا شروع کر دیں گے۔ مسلمانوں کا کوئی رعب و اثر نہ ہو گا کہ اس کی وجہ سے کسی کو ان کی جان مال اور آبرو پر ہاتھ ڈالنے میں تامل ہو۔ انتہی تفہیم القرآن ج ۲ ص ۱۳۶

ایک طرف یہ زور قلم اور قوت استدلال ہے۔ لیکن جب حضرات مورخین اور ارباب سیرت یہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قافلہ پر حملہ کرنے کی غرض سے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تو مودودی کا ارشاد ہوتا ہے بالکل غلط ہے۔ قرآن کے خلاف ہے۔ آپ لوگوں نے احادیث اور مغازی کی کتابوں پر غلط اعتماد کر لیا ہے چنانچہ اسی صفحہ کے حاشیہ پر تحریر ہے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ جنگ بدر کے بیان میں تاریخ و سیرت کے مصنفین نے ان روایات پر اعتماد کر لیا ہے جو حدیث اور مغازی کی کتابوں میں وارد ہوئی ہیں لیکن ان روایات کا بڑا حصہ قرآن کے خلاف ہے اور قابل اعتماد نہیں ہے۔ حاشیہ تفہیم القرآن ص ۱۳۶ ج ۲

جہاں تک قرآن کے خلاف ہونے کا تعلق ہے اس پر مفصل بحث انشاء اللہ آئندہ آئے گی۔ یہاں یہ عرض کرنا ہے کہ تقلید کے سرگرم مخالف مودودی صاحب نے جب علامہ شبلی کی تقلید کی تو انہیں اس کا احساس بھی نہ ہو سکا کہ وہ بے محل زور قلم صرف کر رہے ہیں اور ایک ایسی بات کے لیے دلائل کی بھرمار کر رہے ہیں جو نتیجتہ" قرآن کے خلاف ہوتی ہے یہ تضاد علامہ شبلی رحمہ اللہ کی تحریر میں بھی ہے کہ ایک طرف وہ مقدمات پیش کرتے ہیں جن سے کاروان تجارت پر حملہ کرنے کی ضرورت ثابت ہوتی ہے لیکن جب ان کو احساس ہوتا ہے کہ یہ تو وہی بات ہے جس کو یورپین مورخین لوٹ اور غارتگری سے تعبیر کرتے ہیں تو حضرت علامہ دفعتہ" دوسرا رخ اختیار کر لیتے ہیں کہ آپ کا سفر اس غرض سے ہوا ہی نہیں تھا مدینہ طیبہ ہی میں آپ کو قریش کی روانگی کا علم ہو گیا تھا اور آپ قریش کی مدافعت کے لیے روانہ ہوئے تھے۔ سوال یہ ہے کہ علامہ کے نزدیک واقعہ یہی ہے کہ قریش کی مدافعت کے لیے روانہ ہوئے تھے اور مکہ معظمہ میں جو یہ پروپیگنڈہ کیا گیا تھا کہ مسلمان قافلہ پر حملہ کر رہے ہیں وہ بے بنیاد تھا تو پھر ان مقدمات کو

پیش کرنے کی ضرورت کیا تھی جن سے کاروان تجارت پر حملہ کی ضرورت ثابت ہو۔

بہر حال حضرت علامہ شبلی رحمتہ اللہ ایک حد تک معذور تھے۔ آپ نے وہ زمانہ پایا تھا جب آپ کے خیال میں بھی ضروری تھا کہ یہ ثابت کیا جائے کہ اسلام نے اقدامی جہاد کی تعلیم ہی نہیں دی۔ اسلام دفاعی جنگ کی تعلیم دیتا ہے اور جتنے غزوے ہوئے وہ سب دفاع کی غرض سے تھے۔ کیونکہ انیسویں صدی کے اواخر کا وہ زمانہ تھا جب یورپ کے اس شور نے آسمان کو سر پر اٹھا رکھا تھا کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے اور اسلام وحشت و بربریت کی تعلیم دیتا ہے وہ یہ زمانہ تھا کہ اس وقت تک یورپ میں مسلمانوں کی ایسی طاقت باقی تھی کہ وہ عیسائی حکومتوں کا مقابلہ کر سکتی تھی اور عیسائی حکومتوں کی تمام کوششیں اس میں صرف ہو رہی تھیں کہ یورپ کو مسلمانوں سے خالی کراویا جائے۔ علامہ شبلی اور سرسید مرحوم کے زمانہ میں ترکوں کی خلافت باقی تھی اور وہ روس برطانیہ اور فرانس وغیرہ کا مقابلہ کر رہی تھی۔ اسلام اور عیسائیت کی جنگ کا سلسلہ جاری تھا ترکوں کی فتوحات اور شکستوں پر علامہ شبلی کی بہت سی نظمیں اسی زمانہ کی ہیں۔ یہ دونوں بزرگ عیسائیوں کے اس پروپیگنڈے سے متاثر ہوئے۔ پھر سرسید مرحوم نے تو راستہ ہی دوسرا اختیار کر لیا جس کی ایک مثال عہدزریں کے حصہ چہارم میں پیش کی گئی ہے لیکن علامہ شبلی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک فاضل اسلام کی حیثیت سے یورپ کے اعتراضات کے جوابات دیئے اور بہت قابل قدر خدمت انجام دی ((شکر اللہ سعیہم) مگر آپ اس رجحان کو ختم نہ کر سکے کہ" اسلام صرف دفاعی جنگ کی تعلیم دیتا ہے حضرت علامہ کے اس رجحان کے برخلاف ہمارا یقین یہ ہے کہ کسی بھی قوم کی باوقار زندگی کے لیے یہ ضروری ہے کہ دوسری حکومتیں اس کی گرفت سے مرعوب اور اس کے اقدام سے خائف رہیں۔ اس کے لیے اگر اقدام کی ضرورت ہو تو یہ ممنوع نہیں بلکہ قرآن پاک ایسے اقدام کا حکم دیتا ہے قاتلو الذین یلو نکم من الکفار۔ ولیجدو افیکم غلظتہ (سورہ توبہ) (مسلمانو ! ان کافروں سے جنگ کرو جو تمہارے پاس (پھیلے ہوئے) ہیں اور چاہئے کہ وہ تم میں سختی اور قوت محسوس کریں) مودودی صاحب نے کاروان تجارت پر حملہ کو لوٹ سے تعبیر کیا اس غلط تعبیر کے بعد وہ مجبور ہوئے کہ آنحضرت ﷺ کے دامن مبارک کو اس سے پاک کریں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ لوٹ جرائم پیشہ غارت گروں کی طرف سے ہوا کرتی ہے کوئی منظم جماعت جو بلند مقاصد کے لیے انقلاب برپا کرنا چاہتی ہو۔ اس کے اقدام کو لوٹ وہی کہہ سکتا ہے جو اس انقلاب کا مخالف ہو۔ ہمارے خیال میں یہ انقلاب ضروری ہی نہیں تھا بلکہ نوع انسان کے حق میں احسان عظیم تھا۔ لہذا اس کے لیے جو اقدامات کیے گئے وہ سراسر درست اور اصلاحی اقدامات تھے۔ کاروان تجارت پر حملہ کا ارادہ بھی دفاعی اور اصلاحی اقدام تھا۔ باقی سوالات اور اعتراضات کے جوابات انشاء اللہ آئندہ آئیں گے۔

(۲۹۲) تفسیر مظہری۔ وقال فی البدایۃ والعیون ھذا قبل ان یرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ابا لبابتہ من الروحاء ثم کان زمیلاہ علیا وزیدا (تفسیر مظہری)

(۲۹۳) سیدنا حضرت علی ؓ جن کو دس سال کی عمر سے آقا دو جہان مصطفیٰ ﷺ نے اپنی تربیت میں لے لیا تھا۔ ابو طالب کے بجائے آنحضرت ﷺ ہی ان کی ضروریات کے متکفل ہوتے تھے۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً" چوبیس سال تھی۔

(۲۹۴) مسلم شریف اور چار برید۔ ابن سعد

(۲۹۵) ابن اسحاق بحوالہ بدایہ نہایہ ص ۲۶۰ ج ۲

(۲۹۶) ابن سعد غزوہ بدر

(۲۹۷) ایضاً

(۲۹۸) بیہقی بحوالہ بدایہ ونہایہ ص ۳۰۴ ج ۳ و سیرۃ ابن ہشام ص ۳۹۲

(۲۹۹) بدایہ ونہایہ جلد ۳ صفحہ ۲۶۲

(۳۰۰) طبقات ابن سعد ص ۷ ج ۳

(۳۰۱) سیرۃ ابن ہشام ص ۳۷۶ ج ۱

(۳۰۲) ابن مردویہ کی روایت یہ ہے کہ یہ گفتگو مقام روحاء پر ہوئی تھی۔ حتی اذا کان بالروحاء خطب۔ بدایہ ونہایہ ص ۲۶۴ ج ۳

(۳۰۳) ابن ابی حاتم فی تفسیرہ وابن مردویہ بدایہ ونہایہ ص ۲۶۲ ج ۳۔

(۳۰۴) ابن اسحاق۔ سیرۃ ابن ہشام و بدایہ و نہایہ ص ۲۶۴ ج ۳

(۳۰۵) سیرۃ ابن ہشام و بدایہ و نہایہ ص ۲۶۵ بروایت ابن اسحاق

(۳۰۶) بدایہ ونہایہ ص ۲۷۷ بحوالہ مسند احمد

(۳۰۷) مسلم شریف غزوہ بدر میں اسی ایک کا ذکر ہے اور نام کے بجائے یہ لکھا ہے۔ غلام اسود لبنی الحجاج۔

(۳۰۸) هم وراء هذا الكثيب الذى ترى بالعدوة القصوى۔ بدايه ص ۲۶۵ ج ۳

(۳۰۹) مسلم شریف باب غزوہ بدر

(۳۱۰) ابن اسحاق ابن ہشام وغیرہما

(۳۱۱) المقداد بن عمرو البهرانى و هو المقداد ابن الاسود من المهاجرين الاولين۔ بدايه ص ۳۲۴ ج ۳

(۳۱۲) طبقات ابن سعد قسم اول جد ۲

(۳۱۳) غزوہ بواط میں آنحضرت ﷺ کے رفقاء کی تعداد ابن سعد نے دو سو بیان کی ہے۔ یہ تعداد حضرات انصار کی شرکت کے بغیر پوری نہیں ہو سکتی۔ ورنہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ غزوہ بدر میں حضرات مہاجرین صرف ۷۶ اور بقول علامہ شبلی صرف ساٹھ کیوں تھے۔

(۳۱۴) مسلم کی روایت میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے بجائے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا نام ہے چونکہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ غزوہ بدر میں شریک نہیں تھے تو علامہ شبلی نے اس سے یہ استدلال کیا کہ یہ گفتگو اور یہ اجتماع مدینہ میں ہوا تھا سیرۃ النبی ﷺ ص ۳۲۵ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ نام کی غلطی ہے چنانچہ حافظ ابن کثیر نے اس کی وضاحت کر دی ہے ملاحظہ ہو ج ۳ ص ۳۱۹ سیرۃ حلبیہ ص ۱۶۷ ج ۳

(۳۱۵) ذکرہ الاموی فی مغازیہ بدایہ و نہایہ ص ۲۶۴ ج ۳

(۳۱۶) ابن اسحاق و مسلم شریف وغیرہما۔ بدایہ ص ۲۶۲ و ص ۲۶۳ ج ۳

(۳۱۷) بظاہر اس اسلوب کی حکمت یہ ہے کہ (۱) دنیا جان لے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کا بلا وجہ مداح نہیں ہے وہ ان کے ہر ایک عمل پر تنقیدی نظر رکھتا ہے بیجا رعایت نہیں کرتا (۲) نوع انسان کو عبرت ہو کہ خداوند عالم جب

اپنے مقربین پر تنقید کرتا ہے تو ہمارے افعال و اعمال بھی تنقید خدا وندی سے محفوظ نہیں رہ سکتے لہٰذا گناہوں سے اجتناب کی کوشش کرتے رہیں اور عفو و مغفرت کے طلبگار ہیں (واللہ اعلم بالصواب)

(۳۱۸) انما المومنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم الآیتہ

(۲) انما المومنون الذین اذا ذکر اللہ الآیتہ

(۳۲۰) محمد بن اسحاق، موسیٰ بن عقبہ، ابن سعد و غیرہم رحمھم اللہ

(۳۲۱) اختلف فی اسلامھا (سیرۃ حلبیہ)

(۳۲۲) بظاہر مشرکین مکہ کو آل غدر کہا گیا ہے۔ یعنی خدا کے غدار اور باغی و فی السیرۃ الحلبیہ یا ال غدر اے یا اصحاب الغدرو عدم الوفاء و فی کلامہ السھیل یا ال غدر بضم الغین والدال جمع غدر القومکم ص ۱۴۰ ج ۲

(۳۲۳) اللطیمہ وعاء امسک اوسوقہ اوعیر تحلمہ (قاموس)۔

(۳۲۴) ترجمہ : قریش اپنے قافلہ کی خبر لو۔ قافلہ کی خبر لو جو مشک اور قیمتی سامان لا رہا ہے۔ ابو سفیان امیر قافلہ ہے۔ اس کے پاس تمہاری دولت ہے۔ محمد ﷺ اور اس کے ساتھی راستہ روک رہے ہیں۔ دیکھو دیر کی تو تم اس کو نہ پا سکو گے۔ دہائی دہائی، المدد المدد۔

(۳۲۵) البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۵۷ و ۲۵۸، جلد ۳۔

(۳۲۶) خون کے بدلہ خون (قصاص کا سلسلہ عربوں میں پشتہا پشت تک چلتا رہتا تھا۔ اسی طرح کا ایک قضیہ تھا کہ عامر کے اشارہ سے بنی بکر کے ایک آدمی نے حفص بن الاحنف کے جوان لڑکے کو قتل کر دیا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد موقع ملا تو مقتول کے بھائی نے عامر کو قتل کر دیا اور رات کے وقت اس کی تلوار حرم میں لا کر خانہ کعبہ کے پردوں میں لٹکا دی۔ اب بنو بکر مقتول عامر کے قصاص کی فکر میں تھے۔ کئی سال گزر گئے تھے۔ بنو بکر کو اس کا موقع نہیں ملا تھا۔

(۳۲۷) اذ زین لھم الشیطان اعمالھم الایہ۔

(۳۲۸) بخاری شریف۔ کتاب المغازی ص ۵۶۳

(۳۲۹) تہذیب جدید کی یہ بدذوقی ہے کہ اس نے ترنم کا کام لب شیریں کے بجائے ریکارڈ سے لینا شروع کر دیا۔

(۳۳۰) ابو جہل نے مرالظہران مقام پر دعوت کی تھی جتنے اونٹ ذبح کیے جا رہے تھے تو ایک اونٹ کے خنجر لگا اور ہاتھ سے نکل کر خیموں کی طرف بھاگ گیا اس کے سینہ سے خون کا فوارہ ابل رہا تھا اور وہ خیموں کے میدان میں دوڑ رہا تھا۔ اس کے خون کے چھینٹے تمام خیموں میں پہونچے کوئی ایک خیمہ بھی پاک نہیں رہا۔ یہ گویا عاتکہ اور جہم بن صلت کے خوابوں کی تعبیر کا ایک حصہ تھا سیرۃ حلبیہ میں ہے کہ بنو عدی اسی واقعہ سے متاثر ہوئے تھے آخر کار وہ واپس ہو گئے اور جنگ میں شریک نہیں ہوئے۔ ص ۱۷۰ ج ۲

(۳۳۱) ابن اسحاق بحوالہ بدایہ ص ۲۶۶ ج ۳

(۳۳۲) یکم ذی قعدہ سے ۸ ذی قعدہ تک یہاں میلہ لگا کرتا تھا۔ سیرۃ حلبیہ ص ۱۷۱ ج ۲

(۳۳۳) نقیم علیہ ثلاثا فنخر الجزور ونطعم الطعام و نسقی الخمر و تغزف علینا القیان۔ ابن اسحاق سیرۃ ابن ہشام ص ۳۷۷ ج ۱

(۳۳۴) تعجب ہے حضرت علامہ شبلی نعمانی رحمتہ اللہ علیہ نے اس واقعہ کو نظر انداز فرما دیا۔ آپ فرماتے ہیں۔ اگر قریش صرف قافلہ تجارت کے بچانے کے لیے نکلتے تو خدا یہ کیوں کہتا کہ وہ اظہار شان اور دکھاوے کے لیے خدا کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہوئے نکلے اس میں اظہار شان اور دکھاوے کی کیا بات تھی ص ۳۲۳ باوجود یکہ حضرت علامہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ قریش کو بدر کے قریب پہونچ کر جب معلوم ہوا کہ ابوسفیان کا قافلہ خطرہ کی زد سے نکل گیا ہے تو قبیلہ زہرہ اور عدی کے سرداروں نے کہا اب لڑنا ضروری نہیں لیکن ابو جہل نے نہ مانا۔ زہرہ اور عدی کے لوگ واپس چلے گئے۔ سیرۃ النبی ﷺ ص ۲۹۴ و ص ۲۹۵

(۳۳۵) بنی زہرہ کے سرداروں میں ایک صاحب تھے اخنس بن شریق (جو بعد میں اسلام سے مشرف ہوئے) حضرت اخنس نے ابو جہل سے تنہائی میں گفتگو کی کہ "محمد ﷺ" کے پیچھے کیوں پڑے ہو۔ کیا وہ جھوٹے ہیں۔ ابو جہل نے کہا قطعاً" نہیں۔ وہ تو زبان اور ہاتھ کے اتنے سچے ہیں کہ ہم نے ان کا لقب امین تجویز کیا تھا۔ لیکن بات یہ ہے کہ حرم کعبہ کے خاص منصب سقایہ رفادہ اور مشورہ خاندان عبدالمطلب کے پاس پہلے سے تھے۔ اب منصب نبوت بھی اسی خاندان کے حصہ میں آگیا تو ہم کہاں جائیں اور ہمیں کیا ملا (سیرۃ حلبیہ ص ۱۷۱ ج ۲) بہر حال بنی زہرہ کے واپس جانے کا سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہیں یقین ہو گیا کہ اس جنگ کی بنیاد رشک وحسد ہے۔ کسی حقیقت پر اس کی بنیاد نہیں ہے۔

(۳۳۶) البلایا تحمل المنایا۔ (ابن سعد و ابن اسحاق) قال فی السیرۃ الحلبیۃ البلا بانی الاصل التوق تبرق علی قبر صاحبہا فلا تعلف و لا تسعی حتی تموت' الخ صفحہ ۱۷۴' جلد ۲۔

(۳۳۷) بعد میں اسلام سے مشرف ہوئے۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ بیت المال سے جو عطیہ دیا جاتا ہے اگر وہ بلا طلب اور بلا توقع۔ استغناء نفس کے ساتھ ملے تو اس میں برکت ہوتی ہے اور اگر کوئی شخص اس پر نظر رکھنے لگے تو اس کی مثال ایسی ہو جاتی ہے کہ کھا رہا ہے مگر پیٹ نہیں بھرتا حضرت حکیم نے اس ارشاد کو پلے باندھ لیا اور ایسا استغناء اختیار کیا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بلا کر ان کی خدمت میں ان کا حصہ پیش کیا کرتے تھے مگر یہ معذرت کر دیا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضرین کو شاہد بنایا کرتے تھے کہ میں ان کا حصہ پیش کر رہا ہوں مگر یہ منظور نہیں کرتے خدا کے یہاں گواہ رہنا۔ بخاری شریف ص ۴۴۵

(۳۳۸) اسی موقع کی بات ہے کہ عتبہ اپنے سرخ اونٹ پر سوار میدان بدر کا چکر لگا رہا تھا۔ آنحضرت ﷺ کی نظر اس پر پڑی تو آپ ﷺ نے فرمایا فوج قریش میں کوئی بھلا آدمی ہے تو یہی سرخ اونٹ والا ہے اگر اس کے مشورہ پر عمل کریں تو انہیں سعادت میسر آجائے ان یطیعوہ یرشدوا ابن اسحاق بدایہ ص ۲۱۸ و سیرۃ ابن ہشام

(۳۳۹) سیدنا ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ

(۳۴۰) تعجب ہے علامہ شبلی مرحوم نے غزوہ بدر کا محرک صرف عمرو بن حضرمی کے قتل کو قرار دیا ہے۔ حالانکہ اصحاب سیرت اور مورخین کا متفقہ بیان یہ ہے کہ جب تجارتی قافلہ کی حفاظت کا بہانہ ختم ہو گیا تب ابو جہل نے اس مطالبہ کو ابھارا تھا ورنہ اصل محرک وہی تھا جس کے لیے ابو سفیان کے تجارتی قافلہ کا منصوبہ بنایا گیا تھا۔

(۳۴۱) ابن سعد ص ۹ ج ۳

(۳۴۲) ابن سعد و ابن ہشام وغیرہ

(۳۴۳) یرید اللہ ان یحق الحق بکلماتہ و یقطع دابر الکافرین۔ (سورہ انفال ع ۱)

(۳۴۴) اس موقع پر مولانا ابوالکلام آزاد کی نکتہ سنجی بھی فراموش نہ ہونی چاہئے آپ فرماتے ہیں۔

(ا) آج کل فن جنگ میں جس بات پر زور دیا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ سپاہیوں کی اسپرٹ یعنی معنوی قوی درست رکھے جائیں یہاں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ صرف اس بات نے کہ پانی کی ضرورت باقی نہیں رہی' ریت میں دھنس جانے کا خطرہ جاتا رہا اور نہا دھو لینے کی وجہ سے جسم میں تازگی آ گئی لوگوں کے اندر جس درجہ خود اعتمادی اور سرگرمی پیدا کر دی ہو گی اس کا اندازہ صرف اہل نظر ہی کر سکتے ہیں (۲) بعض اوقات قدرتی حوادث کا معمولی سا واقعہ بھی فتح و شکست کا فیصلہ کر دیتا ہے جنگ واٹر لو کے تمام مورخین متفق ہیں کہ اگر ۱۷ اور ۱۸ جون ۱۸۱۵ء کی درمیانی رات میں بارش نہ ہوئی ہوتی تو یورپ کا نقشہ بدل گیا ہوتا۔ کیونکہ اس صورت میں نپولین کو زمین خشک ہونے کا انتظار نہ کرنا پڑتا۔ سویرے ہی لڑائی شروع کر دیتا نتیجہ نکلتا کہ بلو شر کے پہونچنے سے پہلے و یلنگٹن کو شکست ہو چکی ہوتی (پھر فرماتے ہیں (۳) واٹر لو میں اگر بارش نہ ہوتی تو یورپ کا سیاسی نقشہ بدل جاتا لیکن اگر بدر میں نہ ہوئی ہوتی تو کیا ہوتا؟ تمام کرہ ارض کی ہدایت و سعادت کا نقشہ الٹ جاتا۔ اسی طرف پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی دعا میں اشارہ کیا تھا اللھم ان تہلک ھذہ العصابۃ فلا تعبدفی الارض خدایا اگر خدام خلق کی یہ چھوٹی سی جماعت آج ہلاک ہو گئی تو کرہ ارض میں تیرا سچا عبادت گذار کوئی نہ رہے گا ——— احقر محمد میاں کی گذارش ہے اس موقع پر سورہ بنی اسرائیل کا پہلا اور دوسرا رکوع ضرور مطالعہ کر لیا جائے جس کے آخر میں ہے کلا" نمد ھوء لاء و ھوء لاء امن عطاء ربک وماکان عطاء ربک محذورا (ہم ہر فریق کو مدد دیتے ہیں ان کو بھی ان کو بھی اور تیرے پروردگار کی بخشش کسی پر بند نہیں۔ پہلے رکوع میں بخت نصر کی فوج کو جس نے بنی اسرائیل کو تباہ کیا تھا۔ عبادا" لنا اولی باس شدید۔ فرمایا گیا ہے (ہمارے ایسے بندے جو بڑے ہی خوفناک تھے) غزوہ بدر میں بندگان پر تقدس نوع انسان کی ابدی سعادت کے لیے ارادہ خداوندی کے آلہ کار بنے ہوئے تھے قدرت کے دست غیب نے جو سامان ان کی کامیابی کے لیے مہیا کیے وحی خداوندی نے ان کو ظاہر فرما دیا

(۳۴۵) مسند احمد ابن جریر

(۳۴۶) مسند احمد بحوالہ بدایہ ص ۲۷۸

(۳۴۷) البدایہ والنہایہ ص ۲۶۷

(۳۴۸) عبانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ببدر لیلا ترمذی شریف باب ماجاء فی الصف والتعبیۃ عند القتال۔

(۳۴۹) بخاری شریف

(۳۵۰) بدایہ ونہایہ ص ۲۷۴

(۳۵۱) سیرۃ حلبیہ ص ۱۶۵ ج ۲

(۳۵۲) السیرۃ الحلبیہ صام یوما" اویو مین ثم نادی منادیہ انی مفطر فافطروا ص ۱۶۵ السیرۃ الحلبیہ ج ۲

(۳۵۳) ابن اسحاق بحوالہ ابن ہشام ص ۳۸۲ ج ۱

(۳۵۴) مسلم شریف جلد دوم باب الوفا بالعہد و نووی

(۳۵۵) مسلم شریف جلد دوم ص ۱۱۸ سیرۃ حلبیہ میں ان کا نام حبیب بن یساف بتایا گیا ہے ص ۱۶۵ ج ۲

(۳۵۶) درمنثور و سیرۃ حلبیہ ص ۱۷۳ ج ۲

(۳۵۷) لیکن یہ عجیب اتفاق ہوا کہ جن لوگوں نے یہاں آکر پانی پیا اتفاق سے وہ سب جنگ میں کام آگئے صرف ایک کو کوئی گزند نہیں پہونچا۔ یہ حضرت حکیم بن حزام تھے جو بعد میں مسلمان ہوئے اور پھر قسم کھایا کرتے تھے تو اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جوش میں یہ الفاظ کہا کرتے تھے۔ والذی نجانی من یوم بدر۔ اس ذات کی قسم جس نے مجھے جنگ بدر میں نجات بخشی ابن ہشام ص ۲۷۹ مصری

(۳۵۸) سیرۃ ابن ہشام ص ۳۸۲ ج ۱ ابن سعد کی روایت یہ ہے کہ مقتول حضرمی کے بھائی عامر نے سب سے پہلے حملہ کیا حضرت مہجع اس کے مقابلہ کو نکلے اور شہید ہو گئے علامہ شبلی نعمانی کو چونکہ اصرار ہے کہ غزوہ بدر کا محرک صرف حضرمی کا قتل تھا اور قاعدہ کے مطابق سب سے پہلے حضرمی کے بھائی عامر کو قصاص لینے کے عزم سے میدان میں آنا چاہئے تھا۔ لہٰذا ابن سعد کی یہ روایت علامہ کے رجحان کے موافق ہے اسی لیے انہوں نے سیرۃ النبی ﷺ میں بھی یہی روایت قابل اخذ سمجھی اور ابن اسحاق کی روایت کو نظر انداز کر دیا۔

(۳۵۹) سیرۃ ابن ہشام ص ۳۸۲ ج ۱.

(۳۶۰) سیرۃ ابن ہشام ص ۳۸۱ ج ۱

(۳۶۱) ہر ایک فریق کا دعویٰ یہی ہے کہ خدا کے لیے لڑ رہا ہے۔ مذہبی جنگ ہے

(۳۶۲) ابو سفیان کا خسر۔

(۳۶۳) آنحضرت ﷺ سے دس سال بڑے تھے سیرۃ حلبیہ ص ۱۷۸ ج ۱

(۳۶۴) بدایہ و نہایہ ص ۲۷۴ ج ۳

(۳۶۵) یعنی مسلمان اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ ان کے دشمن (مشرکین مسلمانوں سے بہت زیادہ ہیں) اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ مشرکین اپنے آپ کو اور مسلمان اپنے آپ کو دو چند دیکھ رہے تھے یعنی ہر ایک فریق کے حوصلے اتنے بلند تھے کہ وہ اپنے آپ کو کم سمجھنے کے بجائے اپنی تعداد سے دو چند سمجھ رہے تھے اور یہ معنی بھی صحیح ہو سکتے ہیں کہ کافر مسلمانوں کو خود اپنی تعداد سے دو چند دیکھ رہے تھے حالانکہ مسلمان ایک تہائی تھے مگر دو ہزار نظر آرہے تھے لیکن اس کا وقت ابھی نہیں آیا تھا یہ کسی قدر مقابلہ کے بعد ہوا جب فرشتوں کا نزول ہوا کہ کافروں کو نظر آنے لگا کہ سب طرف سے مسلمان ہی مسلمان چھائے ہوئے ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

(۳۶۶) کان قتل ھو لاء النصر قبل التقاء الجمعیتین۔ درمنثور ج ۳ ص ۱۴۸

(۳۶۷) طبرانی (بدایہ ونہایہ ص ۲۸۳ ج ۳

(۳۶۸) طبرانی و سیرۃ ابن ہشام ص ۳۸۶ ج ۱

(۳۶۹) فلما اصطف القوم قال ابوجھل اللھم اولا نا بالحق فانصرہ ورفع رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یدیہ فقال یا رب ان تھلک ھذہ العصابتہ فلن تعبد فی الارض ابدا ابن اسحاق ابن جریر' ابن المنذر' عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما درمنثور ص ۱۴۸ ج ۳ و ھذا معنی قولہ تعالےٰ ان تستفتحوا فقد جاءکم الفتح الآیۃ محمد میاں

(۳۷۰) البدایۃ والنھایۃ ص ۲۷۲ و ذکر الاموی وغیرہ ان المسلمین عجوا الی اللہ عزوجل فی

الااستغاثة بجنابه والا ستعانة بہ البداية و درمنثور وغیرہ ص ۲۷۵

(۳۷۱) بیہقی و نسائی بدایہ ص ۲۷۵ و ص ۲۷۶ ج ۳

(۳۷۲) نسائی شریف۔ بدایہ ص ۲۷۶ ج ۳

(۳۷۳) مسند احمد بدایہ ص ۲۷۵ ج ۳

(۳۷۴) جس طرح نبی کو اللہ پر یقین کامل ہوتا ہے اسی طرح اپنی حیثیت اور اپنے منصب کا بھی اس کو یقین اور اذعان ہوتا ہے چنانچہ خود آپ ہی فرمایا کرتے تھے اشهدان محمدارسول الله صلى الله عليه وسلم چونکہ آپ کو اپنے خاتم الانبیاء ہونے کا بھی یقین کامل تھا للذا اس کا بھی یقین تھا کہ اگر آپ کی دعوت ناکام ہوتی ہے تو پھر خدا کی پرستش زمین میں نہیں ہوگی کیونکہ میرے بعد یہ سلسلہ نبوت و رسالت ختم ہو جائے گا تو نہ وحی نازل ہوگی نہ ہدایت خلق ہو گی

(۳۷۵) محمد بن عقیل کی روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں ایک روز تقریر فرما رہے تھے کہ آپ نے دریافت کیا کہ بتاؤ سب سے زیادہ بہادر کون ہے حاضرین نے عرض کیا امیرالمومنین آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا مگر میرا یقین یہ ہے کہ سب سے زیادہ بہادر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے غزوہ بدر کے موقع پر ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک چھپر ڈال دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس چھپر میں تھے اور یہ چھپر دشمنوں کی نظر میں کانٹا بنا ہوا تھا اس پر بار بار حملہ کر رہے تھے۔ اس وقت کسی کی ہمت نہیں تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس چھپر میں رہ سکے۔ مگر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو میں نے دیکھا کہ وہ تلوار برہنہ یہاں موجود تھے جو اس طرف کا رخ کرتا تھا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس کے سامنے ہو جاتے تھے مسند بزاز بدایہ ص ۲۷۱ ج ۷

(۳۷۶) عن عبدالله بن ثعلبه بن صغير خفق رسول الله صلى الله عليه وسلم خفقةً فى العريش ثم انتبه فقال ابشر ياابابكر هذا جبرئيل معتجر بعمامة اخذ بعنان فرسه يقوده على ثناياه النقع اتاك نصر الله وعدته و امررسول الله صلى الله عليه وسلم فاخذ كفامن الحصى بيده ثم خرج فاستقبل القوم۔ فقال شاهت الوجوه ثم نفحهم بها ثم قال لا صحابه احملو افلم تكن الا الهنيمة فقتل من قتل من صنا ديلهم (الاموى) بدايه ونهاية ص ۲۸۴ ج ۳ ابن اسحاق ص ۲۷۶ ج ۳

(۳۷۷) اس زرہ کا نام ذات الفضول تھا اور جو تلوار حائل کیے ہوئے تھے اس کا نام عضب تھا سیرۃ حلبیہ ص ۱۶۵

(۳۷۸) قال الاموى فى مغازيه وقد قاتل بنفسه الكريمة قتالاً شد يداً ببدنه و كذلك ابوبكر الصديقؓ كما كانا فى العريش يجاهد ان بالدعاوالتضرع ثم نزلاً فحرضيا وحثا على القتال و قاتلا بالا بدان جمعا بين المقامين الشريفين بدايه ص ۲۷۸

(۳۷۹) بخاری شریف ص ۵۸۳

(۳۸۰) عن على قال كنا اذاحمى الباس ولقى القوم اتقينا برسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم رواه النسائى۔ بدایہ و نہایۃ ص ۲۷۹ ج ۳

(۳۸۱) عن على قال لقد رائيتنا يوم بدر و نحن فلوذ برسول الله صلى الله عليه وسلم و هو اقربنا من العدو وكان من اشد الناس يومئذ باسا۔ مسند احمد بدایہ ص ۲۷۹ ج ۳

(۳۸۲) یقال ابلی فلان بلاء" حسنا" ای قاتل قتالا" شدیدا" وصبر صبرا عظیما (روح المعانی)

(۳۸۳) لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو روک دیا کہ وہ آپ کے پاس سے نہ ہٹیں متعنا بنفسک استیعاب ص ۴۰۴

(۳۸۴) لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبہ کے مقابلہ کے لیے حضرت حمزہ ؓ کو نامزد فرمایا تھا حضرت حمزہ ؓ کے ہاتھ سے ہی عتبہ قتل ہوا جس کا غصہ عتبہ کی بیٹی ہند کو رہا اور اسی غصہ میں اس نے احد کے موقعہ پر حضرت حمزہ ؓ کا جگر چبایا تھا جس کی تفصیل احد کے بیان میں آئے گی۔ انشاء اللہ یہاں ابن سعد کی روایت ہے کہ چونکہ حضرت ابو حذیفہ باپ کے سامنے میدان میں آنے والے تھے تو ہند نے یہ شعر کہے تھے۔

الاحول الاثعل المشؤم طائره ابو حنیفه شر الناس فی الدین

اماشکرت ابا رباک من صغر حتی شبیت شبابا غیر محجون ابن سعد ج ۳ بیان ابو حنیفه

(۳۸۵) مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو باپ کے مقابلہ سے روک دیا ذکر فقهاء نا ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم نهی ابا حنیفه عن قتل ابیه

(۳۸۶) سیرۃ حلبیہ ص ۱۹۹ ج ۲ سیرۃ ابن ہشام ج ۱۔ ۲۷۲ قلت خالی العاص بن ہشام بن مغیرہ ۲۹۰ بدایۃ جلد ۳

(۳۸۷) سیرۃ حلبیہ ص ۱۸۸ ج ۳

(۳۸۸) یہ وہی عوف بن حارث ہیں جو ابن عفرا بھی کہلاتے ہیں ان کو ابو جہل نے شہید کیا تھا جیسا کے قتل ابو جہل کے بیان میں آئے گا۔

(۳۸۹) قرآن حکیم نے بتایا کہ شیطانی فطرت ہی یہ ہے کہ انسان کو برائی پر آمادہ کر کے مدد کرنے کے وقت ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ کمثل الشیطان اذ قال للانسان اکفر فلما کفر قال انی بری منک انی اخاف اللّٰه

(۳۹۰) لقد رائتنا یوم بدر۔ وان احدنا یشیر بسیفه الی راس المشرک فیقع راسه عن جسده قبل ان یصل الیه (حاکم بهیقی (صححه) خصائص کبری ص ۲۰۱ ج ۱)

(۳۹۱) خصائص کبری ص ۲۰۱ ج ۱

(۳۹۲) مسلم و بیہقی بحواہ خصائص ص ۲۰۱ ج ۱

(۳۹۳) ابن اسحاق ابن جریر بیہقی خصائص ص ۲۰۱ ج ۱

(۳۹۴) خصائص بحوالہ بیہقی

(۳۹۵) خصائص بحوالہ واقدی و بیہقی

(۳۹۶) خصائص ۲۰۴ ج ۱

(۳۹۷) ایضاً

(۳۹۸) بدایہ ونہایہ ص ۲۷۸ ج ۳

(۳۹۹) خصائص ص ۲۰۱ ج ۱

(۴۰۰) سیدنا حضرت شاہ عبدالقادر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں پیغمبر کا خواب غلط نہیں۔ ان میں کافر رہنے والے کم ہی

تھے۔ اکثر وہ تھے جو پیچھے (بعد میں) مسلمان ہوئے۔ (موضح القرآن)

(۴۰۱) جزور فذ بوجہ اونٹ کو کہتے ہیں۔ ایک اونٹ کا گوشت سو آدمیوں کے لیے کافی ہوا کرتا تھا اس لیے سو کی تعداد کو اکثر جزور کہا کرتے تھے یعنی اتنے آدمی جو ایک اونٹ کا گوشت سے سیر ہو سکیں۔ اسی عرف عام کے بموجب آنحضرت ﷺ نے فوج قریش کا اندازہ لگایا تھا کہ وہ ایک ہزار اور نو سو کے درمیان ہے کیونکہ یہ بتایا گیا تھا کہ ایک روز نو اونٹ ذبح کیے جاتے ہیں اور ایک روز دس اونٹ۔

(۴۰۲) تفسیر روح المعانی

(۴۰۳) یعنی مسلمانوں سے کافر تین برابر تھے (۳۱۳ x ۹۳۹) پر اللہ نے دو ہی برابر (تقریباً" چھ سو) دکھایا تھا تاکہ خوف نہ کھائیں۔

(۴۰۴) مسلمان اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ دو چند ہیں بایں ہمہ منکرین حق کو شکست ہوئی (ترجمان القرآن)

(۴۰۵) ابن ہشام وغیرہ

(۴۰۶) سیرت ابن ہشام ص ۳۹۳

(۴۰۷) بخاری شریف صفحہ ۴۴۴ باب من لم یخمس الاسباب

(۴۰۸) بخاری شریف ص ۴۴۴

(۴۰۹) یہ وہی عوف ہیں جن کا ذکر پہلے بھی گذر چکا ہے کہ دریافت کیا تھا کہ اللہ تعالٰی کس بات سے خوش ہوتا ہے اور جب معلوم ہوا کہ رضاء خدا کی بات یہ ہے کہ کپڑے اتار کر دشمن سے گتھ جاؤ تو انہوں نے زرہ بھی اتار پھینکی تھی

(۴۱۰) طبقات ابن سعد الجزء الثالث ص ۱۰۸ فی البدریین من الانصار نیز سیرۃ ابن ہشام میں ہے کہ جس وقت بدر کے قیدی مدینہ پہونچے تو ام المومنین سودہ رضی اللہ عنہا اس وقت عفراء کے یہاں ان کے دونوں بیٹوں معوذ اور عوف کی تعزیت کے لیے گئی ہوئی تھیں۔ سیرۃ ابن ہشام ص ۳۹۳ مطبوعہ مطبع محمد علی از ہر مصر

(۴۱۱) سیرۃ ابن ہشام۔ زرہ وغیرہ جو بدن پر تھی

(۴۱۲) سلب یعنی چھینا ہوا مال

(۴۱۳) بخاری شریف صفحہ ۴۴۴

(۴۱۴) سیرۃ ابن ہشام

(۴۱۵) ھل فوق رجل قتلتموہ بخاری شریف صفحہ ۵۷۳ ھل اعمد رجل قتلتموہ (بن ہشام)

(۴۱۶) فلو غیر اکار قتلنی بخاری شریف صفحہ ۵۷۳

(۴۱۷) لقد ارتقیت مرتقی صعبا یا رویعی الغنم ابن ہشام صفحہ ۳۸۸ جلد ۱

(۴۱۸) البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۸۸ ج ۳

(۴۱۹) فتح الباری صفحہ ۲۳۶

(۴۲۰) بدایہ و نہایہ صفحہ ۲۸۹ ج ۳ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) ابو جہل کے قتل میں اور کون لوگ شریک تھے۔ فرمایا فرشتے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ

(۴۲۱) بخاری شریف صفحہ ۳۰۸ کتاب الوکالہ

(۴۲۲) یہ واقعہ اور برچھی اور تلوار کے متعلق پوری تفصیل بخاری شریف سے ماخوذ ہے صفحہ ۵۶۶ و ۵۷۰

(۴۲۳) یہ نابغہ ذبیانی کے قصیدہ کا شعر ہے اس کا پہلا مصرعہ یہ ہے لاغیب فیھم غیر ان سیوفھم شاعر اپنے قبیلہ کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے ان میں کوئی عیب نہیں ہے صرف ایک عیب ہے وہ یہ کہ دشمن کی فوجوں سے مسلسل تصادم کے باعث ان کی تلواریں کرہیں ان میں دندانے پڑے ہوئے ہیں۔

(۴۲۴) حضرت عروہ فرماتے ہیں کہ اس کی قیمت تین ہزار تک لگائی گئی مگر ہم نے نہیں دی لیکن ہمارے خاندان کے آدمی نے اس کو فروخت کر دیا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے اس کو اپنے ہی پاس کیوں نہ رکھ لیا تھا۔ (بخاری شریف صفحہ ۵۶۶)

(۴۲۵) ابوالبختری کی طرح مطعم بن عدی، بھی تھا جس نے اس معاہدہ کے ختم کرنے میں کوشش کی تھی۔ پھر جب آنحضرت ﷺ طائف سے واپس ہوئے تو اس نے پناہ دی تھی اس کے اسی حسن سلوک کا لحاظ کرتے ہوئے آپ نے اسی جنگ بدر کے قیدیوں کے متعلق فرمایا تھا کہ اگر آج مطعم بن عدی زندہ ہوتے اور ان قیدیوں کے متعلق سفارش کرتے تو میں سب کو رہا کر دیتا۔ بخاری شریف صفحہ ۵۷۳ پس انسانیت اور مکارم اخلاق کا یہ علم بردار اگر مطعم کے کہنے پر تمام سرداران قریش کو چھوڑنے کے لیے تیار تھا تو کیا ابوالبختری کی سفارش پر اس کے ساتھی کو نہیں چھوڑا جاسکتا تھا مگر فیصلہ قسمت یہی تھا کہ ابولبختری دنیا سے محروم رہ جائے۔

(۴۲۶) سیرۃ ابن ہشام وغیرہ

(۴۲۷) ہندوستانی جتنا ناراض نہ ہو وہاں کافر بھی جلائے نہیں جاتے تھے۔ دفن کیے جاتے تھے۔

(۴۲۸) سہیلی نے ذکر کیا اس میں ایک طرح کا شگون بھی تھا کہ رؤساء کفر کے لیے بئی نار کا کنواں ہی مناسب تھا۔

(۴۲۹) سیرۃ حلبیہ صفحہ ۱۹۹ ج ۲ و فتح الباری صفحہ ۲۴۰ ج ۷

(۴۳۰) بخاری شریف صفحہ ۵۶۶

(۴۳۱) بخاری شریف صفحہ ۵۶۵

(۴۳۲) ایضاً

(۴۳۳) بخاری شریف صفحہ ۵۶۵

(۴۳۴) اس کی وضاحت حدیث معراج سے ہوتی ہے جس کا ایک حصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ انسانوں کا ایک جم غفیر اس کے دائیں جانب ہے اور ایک جم غفیر بائیں جانب۔ جب وہ دائیں طرف نظر ڈالتا ہے خوش ہوتا ہے اور بائیں طرف کے ہجوم پر نظر ڈالتا ہے تو رونے لگتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی حقیقت دریافت کی تو بتایا گیا کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور ان کے دائیں جانب اہل جنت ہیں اور بائیں جانب اہل دوزخ ہیں۔ جب اہل جنت کو دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور جب دوزخ والوں پر نظر پڑتی ہے تو ابوالبشر پر رقت طاری ہو جاتی ہے اور رونے لگتے ہیں (بخاری شریف صفحہ ۵۰) رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کے جنازہ کا واقعہ بھی آنحضرت ﷺ کی پیغمبرانہ شفقت کی ایک مثال ہے قرآن حکیم میں بتا دیا گیا تھا کہ ایسے لوگوں کی مغفرت ہرگز نہیں ہو گی آپ ان کے لیے دعا کریں یا نہ کریں اگر آپ ستر مرتبہ ان کے لیے دعاء مغفرت کریں گے تب بھی ان کی مغفرت نہیں ہو گی۔ (سو

توبہ)

لیکن جب عبداللہ بن ابی کا انتقال ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے اس کے کفن کے لیے کرتا عنایت فرمایا اور جب ان کے لڑکے نے جو مومن مخلص تھے نماز پڑھانے کی درخواست کی تو آپ ﷺ نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جسارت کر کے آپ ﷺ کو روکا تو آپ ﷺ نے فرمایا مجھے اختیار دیا گیا ہے کہ میں دعا کروں یا نہ کروں لہٰذا میں دعا کرنے کے پہلو کو اختیار کرتا ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے اسی پر بس نہیں کی بلکہ اس کا جنازہ قبر سے نکلوا کر اس کا سر زانوئے مبارک پر رکھا اس کے منہ میں لعاب مبارک ڈالا (بخاری شریف صفحہ ۱۶۹) ایک طرف اس رئیس المنافقین کا کفرو نفاق اور وہ سازشیں ہیں جو یہ منافق اعظم آنحضرت ﷺ کے خلاف کرتا رہا دوسری جانب سید الانبیاء کی یہ تڑپ کہ کسی طرح اس کی نجات ہو جائے۔ شاید دعا کرنا ہی کچھ فائدہ دیدے' شاید لعاب دہن سے کوئی فائدہ پہونچ جائے۔

(۴۳۵) ترمذی شریف باب مناقب عمر رضی اللہ عنہ

(۴۳۶) بخاری شریف صفحہ ۵۶۶

(۴۳۷) آپ کے اس ارشاد پر اہل نظر کے سامنے "سماع موتی" کا مسئلہ آگیا۔ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ آپ ان بے جان لاشوں سے خطاب فرما رہے ہیں۔ کیا یہ اسے سن رہے ہیں۔ ارشاد ہوا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میری بات کو تم ان سے زیادہ نہیں سن رہے ہو۔ امام تفسیر حضرت قتادہ رحمہ اللہ نے اس کی توجیہہ یہ کی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے یہ کلمات سن لیں (توبیخا" و تصغیرا" نقمۃ" و حسرۃ وندما" بخاری شریف صفحہ ۵۶۶

(۴۳۸) سیرۃ ابن ہشام

(۴۳۹) والعالیہ ۔ قبا' و خطمہ' ووائل وواقف و بنو امیہ بن زید۔ قریظہ۔ والنضیر۔ طبقات ابن سعد صفحہ ۱۲ ج ۳ ذکر غزوہ بدر

(۴۴۰) ابن سعد صفحہ ۱۲ ج ۳

(۴۴۱) البدایہ والنہایہ صفحہ ۳۰۴ ج ۳

(۴۴۲) سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۳۹۵ چیچک سے عرب بہت گھبراتے تھے چیچک کے مریض کے پاس نہیں جاتے تھے چنانچہ ابولہب کو بھی اس کے لڑکوں نے الگ ڈال دیا اور جب مرگیا تو اس کی لاش کھینچ کر گڑھے میں ڈال دی۔ اس طرح کتے کی موت سے بھی زیادہ ذلیل موت سے مرا۔ (معاذ اللہ)

(۴۴۳) زمعہ ۔ عقیل اور حارث۔ ابن ہشام صفحہ ۳۹۵ ج ۱

(۴۴۴) ھکذا فی الاصل ولعلہ لاتنسی الواحد المونث المخاطب من بحث النھی والمفھوم بکیھم جمیعا ولاتنسی سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۳۹۶ ج ۱

(۴۴۵) ترجمہ لفظی ہے۔ ہمارے سوا کسی کالے سروالوں کے لیے غنیمت حلال نہیں کی گئی (درمنثور و ابن کثیر وغیرہ)

(۴۴۶) غزوۂ بدر کے موقع پر جو رعب ڈالا گیا اس کا تذکرہ نص قرآنی میں موجود ہے۔ سالقی فی قلوب الذین کفروا الرعب

(۴۴۷) بخاری شریف صفحہ ۴۸ ج ۱

(۴۴۸) بخاری شریف صفحہ ۴۳۲

(۴۴۹) ابن ابی شیبہ و ابن جریر و مردویہ بحوالہ درمنثور صفحہ ۱۵۸ ج ۳

(۴۵۰) سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۳۹۶

(۴۵۱) سیرۃ حلبیہ صفحہ ۲۱۴

(۴۵۲) مسند احمد۔ ابن مردویہ۔ ابن ابی شیبہ و ترمذی وغیرہ بحوالہ تفسیر مظہری صفحہ ۱۱۱ ج ۴

(۴۵۳) بخاری شریف وغیرہ

(۴۵۴) ابن اسحاق و بدایہ و نہایہ صفحہ ۲۹۹ ج ۳

(۴۵۵) ابن اسحاق وبدایہ و نہایہ صفحہ ۲۹۶ ج ۳

(۴۵۶) سیرت حلبیہ صفحہ ۲۱۴ ج ۳

(۴۵۷) اخرجه الحاکم و صححه وابن مردویه والبیهقی فی سننه عن علی رضی اللّٰه عنه وعبدالرزاق فی مصنفه وابن ابی شیبه عن ابی عبیدة رضی اللّٰه عنه۔ درمنثور صفحہ ۲۰۲، جلد ۴۔

(۴۵۸) یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھانجے تھے۔ والدہ کا نام ہالہ تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی درخواست پر ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رشتہ منظور فرمایا تھا۔ میاں بیوی کے تعلقات نہایت خوشگوار رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت ابوالعاص کی شرافت و مروت کی تعریف کیا کرتے تھے۔ یہ نکاح نبوت سے پہلے ہو گیا تھا۔ اسی زمانہ میں دوسری صاحبزادی کا نکاح ابولہب کے لڑکے عتبہ سے ہوا تھا۔ مگر ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ ابولہب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت شروع کر دی اور لڑکے سے کہا کہ بیوی کو طلاق دے دے۔ لڑکے نے طلاق دے دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صاحبزادی کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ اس طرح جگر گوشہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم دشمن خدا ابولہب کے لڑکے سے محفوظ رہیں۔

حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ پر بھی زور ڈالا گیا کہ وہ حضرت زینب کو طلاق دے دیں مگر آپ نے انکار کر دیا (سیرۃ ابن ہشام وغیرہ)

(۴۵۹) سیرۃ ابن ہشام وغیرہ۔

(۴۶۰) بطن یا جج (ابن ہشام)

(۴۶۱) سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۴۰۰ ج ا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ کو اپنی انگوٹھی دیدی تھی۔ انہوں نے ایک چرواہے کے ذریعے وہ انگوٹھی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس پہونچا دی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا انگوٹھی دیکھ کر ان کے پاس آگئیں اور یہ دونوں صاحب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ لے آئے۔ مگر یہ افسانہ بظاہر غلط ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے انگوٹھی اس وقت بنوائی اور استعمال فرمائی جب آپ ﷺ نے شاہان عجم کو دعوت نامے بھیجے اور آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ مہر کے بغیر کوئی تحریر بادشاہوں کے یہاں قابل اعتبار نہیں ہوتی۔ یہ صلح حدیبیہ کے بعد ۶ھ کے بعد کی بات ہے۔

(۴۶۲) استوصوا بالا ساری خیرا"۔ سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۳۹۴

(۴۶۳) سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۳۹۴

(۴۶۴) سیرۃ حلبیہ صفحہ ۲۱۹ ج ۲

(۴۶۵) بخاری شریف صفحہ ۴۴۲ وغیرہ

(۴۶۶) سیرۃ حلبیہ صفحہ ۲۲۲

(۴۶۷) ابن ہشام صفحہ ۳۹۶ ج ا و صفحہ ۳۹۷

(۴۶۸) سیرۃ حلبیہ صفحہ ۲۰۷

(۴۶۹) سورہ بقرہ و یونس غیرہما

(۴۷۰) درمنثور وغیرہ تحت قولہ تعالٰی ومن اظلم ممن افترٰی علی اللّٰہ کذبا او قال اوحی الی ولم یوح الیہ شی (سورہ انعام)

(۴۷۱) اس طرح کا استثنا صرف بنو ہاشم کے لیے نہیں تھا۔ بلکہ پہلے گزر چکا ہے کہ آپ نے ابوالبختری کے متعلق بھی یہی فرمایا تھا کہ اس کو قتل نہ کیا جائے۔ مگر بدقسمتی اس کے سر پر سوار تھی وہ اس استثنا سے مستفیض نہ ہو سکا۔ اسی طرح جب اسیران جنگ کے متعلق آپ نے اعلان فرمایا کہ بلا فدیہ کسی کو نہ چھوڑا جائے تو آپ نے سہیل بن بیضاء کو مستثنٰی کر دیا تھا کیونکہ آپ سے عرض کیا گیا تھا کہ وہ اسلام کی طرف مائل ہیں۔ مسند احمد بحوالہ بدایہ و نہایہ' صفحہ ۲۹۸' جلد ۳۔ حضرت سہیل بن بیضاء کی طرح حضرت عباس بھی مستثنٰی کیے جا سکتے تھے کیونکہ اسلام کی طرف میلان اور آنحضرت ﷺ کی تصدیق کا واقعہ ایک نہیں بلکہ بہت سے واقعات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عباس یقین رکھتے تھے کہ قرآن حکیم کلام اللہ ہے۔ خاص اسی زمانہ اسارت کا واقعہ جملہ مورخین اور اصحاب سیرت نے نقل کیا ہے کہ جب معرکہ میں مسلمانوں کو فتح ہو گئی اور کفار بھاگ گئے تو کچھ لوگوں نے کہا کہ ابوسفیان کے قافلہ پر حملہ کر دیا جائے جو ابھی تک مکہ نہیں پہنچا۔ اور سمندر کے کنارے سفر کر رہا ہے تو حضرت عباس نے جو تسموں سے بندھے ہوئے تھے' پکار کر کہا کہ ایسا نہ کرنا۔ کیونکہ اللہ تعالٰی نے آپ سے ایک جماعت کا وعدہ کیا تھا کہ اس پر آپ کو فتح ہو گی چنانچہ فتح ہو گئی۔ دوسری جماعت کے متعلق اللہ کا وعدہ نہیں ہے چنانچہ عباس کا یہ مشورہ مسلمانوں نے قبول کیا اور ابوسفیان کے قافلہ کا خیال چھوڑ دیا۔ بہرحال وہ یقیناً" اس کے مستحق تھے کہ ان سے فدیہ نہ لیا جائے مگر فرق یہ تھا کہ سہیل بن بیضاء رشتہ دار نہیں تھے اور حضرت عباس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم تھے۔ چچا سے نہ صرف یہ کہ فدیہ لیا گیا بلکہ زیادہ سے زیادہ لیا گیا اور ایک کے بجائے دو فدیئے وصول کیے گئے۔ ایک ان کا دوسرا عقیل کا۔ (رضی اللہ عنہما)۔

(۴۷۲) سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۳۸۳ ج ا

(۴۷۳) سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۳۹۴ ج ا

(۴۷۴) بیہقی' بحوالہ بدایہ و نہایہ صفحہ ۳۰۷ ج ۳

(۴۷۵) الذین لا یسترقون ولا ینطیرون ولا یکتوون وعلی ربھم یتوکلون بخاری شریف صفحہ ۸۵۰ و صفحہ ۸۵۶ وغیرہ

(۴۷۶) سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۳۸۸۔ وبیہقی وغیرہ

(۴۷۷) مردم شناسی حضرت عمرؓ کی مخصوص خصوصیت تھی۔

(۴۷۸) سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۴۰۵ ج ا

(۴۷۹) جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے سیدابوالاعلیٰ مودودی صاحب کا ارشاد بھی یہی ہے۔ مگر مودودی صاحب نے اپنی کوئی تحقیق پیش نہیں کی بلکہ سراسر تقلید کی ہے۔ مگر افسوس تقلید صرف تردید میں کی انداز تردید میں تقلید سے محروم رہے۔ انداز تردید میں اگر مودودی صاحب علامہ کی تقلید کر لیتے تو اس طرح تہذیب و احترام کے عنوان سے محروم نہ رہتے۔ علامہ شبلی کے الفاظ ملاحظہ ہوں جو سیرۃ النبی صفحہ ۳۱۷ کے حوالہ سے اگلے صفحہ پر نقل کیے گئے ہیں کس قدر مہذب' شائستہ اور ادیبانہ ہیں دوسری طرف حضرت مودودی صاحب کا حکم ملاحظہ ہو۔ تحریر ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ جنگ بدر کے بیان میں تاریخ و سیرت کے مصنفین نے ان روایات پر اعتماد کر لیا ہے جو حدیث اور مغازی کی کتابوں میں وارد ہوئی ہیں لیکن ان روایات کا بڑا حصہ قرآن کے خلاف ہے اور قابل اعتماد نہیں ہے۔ صفحہ ۱۳۶ تفہیم القرآن جلد ۲ ببیں تفاوِ رہ ازکجاست تا بکجا۔ علامہ نے اپنی تحریر میں حدیث کا نام نہیں لیا۔ مودودی صاحب کو احادیث رسول اللہ ﷺ سے معاذ اللہ "پرخاش" ہے۔ ان کو بہانہ ملنا چاہئے پھر حدیث کو ان کے حملہ کی زد سے کون بچا سکتا ہے۔

(۴۸۰) حضرت علامہ ارباب تفسیر کا بھی اضافہ فرما دیتے تو بہتر تھا کیونکہ حضرات مفسرین نے بھی وہی تحریر فرمایا ہے جو عام مورخین اور ارباب سیر کی تحقیق ہے۔

(۴۸۱) یہاں مودودی صاحب کا حسن سلیقہ قابل ملاحظہ ہے۔ اس آیت کی تشریح میں علامہ کے الفاظ یہ ہیں۔ یہ بھی مسلم ہے کہ صحابہ میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو شرکت سے ہچکچاتے تھے۔ اب مودودی صاحب کے الفاظ ملاحظہ ہوں جو امام وقت بننے کے خواہشمند ہیں اور آنحضرت ﷺ سے نمبر ۲ پر اپنا ہی درجہ رکھنا چاہتے ہیں۔ آپ کے نفرت انگیز الفاظ یہ ہیں۔ مصلحت پرست لوگ جو اگرچہ دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے مگر ایسے ایمان کے قائل نہ تھے جس سے جان و مال کا زیاں ہو۔ تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ ۱۳۶

ہمیں امامت کے اس آرزو مند سے زیادہ ان پر تعجب ہے جو دعویٰ ایمان کامل کے ساتھ اس کی امامت کے سامنے گردن جھکاتے ہیں۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا

(۴۸۲) سیرۃ النبی صفحہ ۲۹۴ طبع سوم ج ا

(۴۸۳) خود حضرت علامہ نے تحریر فرمایا ہے "لیکن ان نوخیز صحابہ نے جو جنگ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے اس بات پر اصرار کیا کہ شہر سے نکل کر حملہ کیا جائے۔" سیرۃ النبی صفحہ ۳۴۲ طبع سوم ج ا

یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ یہ اصرار کرنے والے چند نہیں ہوں گے بلکہ زیادہ تر یہی ہوں گے۔ ورنہ آنحضرت ﷺ اپنی رائے نہ بدلتے۔ خصوصاً ایسی صورت میں کہ صحابہ کی ایک جماعت آنحضرت ﷺ کی تائید کر رہی تھی کہ مدینہ میں رہ کر ہی مقابلہ کرنا چاہئے باہر نہ نکلنا چاہئے۔ ابن سعد ابن ہشام وغیرہ

(۴۸۴) لقد نصرکم اللہ ببدروانتم اذلہ

(۴۸۵) ملاحظہ ہو سلسلہ غزوات صفحہ ۲۸۲ تا ۲۹۰ طبع سوم

(۴۸۶) سیرۃ النبی جلد اول صفحہ ۳۲۷ طبع سوم

(۴۸۷) بے موقع نہ ہوگا اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مشہور ارشاد کی طرف بھی توجہ دلائی جائے لاتتمنوا لقاء العدو ولکن اذا لقیتم فاثبتوا (او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم) صحاح) دشمن سے مڈبھیڑ کی آرزو

مت کرو۔ البتہ جب مقابلہ ہو تو جم کر مقابلہ کرو۔

(۴۸۸) مثلاً مسند احمد وغیرہ کے حوالہ سے حضرت علی ﷺ کی روایت نقل کی ہے صفحہ ۳۲۶ ج ۱

اس روایت کے غیر مربوط جملے خود شہادت دے رہے ہیں کہ اس کے ابتدائی حصہ میں بہت اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ اس کے بعد معرکہ بدر کا واقعہ تفصیل سے بیان کیا ہے۔ مگر وہ اس موقع پر خارج از بحث تھا۔ اس لیے علامہ نے اس حصہ کو نقل بھی نہیں کیا صرف حوالہ دیدیا۔ اسی طرح حضرت انس ﷺ کی روایت (صفحہ ۳۲۴ و صفحہ ۳۲۵) کا ایک حصہ حضرت علامہ نے لیا۔ دوسرا حصہ جو مولانا کے مخالف تھا اس کی عجیب سی تاویل کر دی۔ ہم اس روایت کے متعلق حاشیہ میں تبصرہ کر چکے ہیں جہاں حضرت سعد بن معاذ ﷺ کی تقریر نقل کی گئی ہے۔ اسی طرح دلیل (۱) (۲) صفحہ ۳۲۷ کے جوابات بھی حاشیہ میں آچکے ہیں۔ دلیل نمبر ۳ کا جواب واقعات روانگی کے سلسلہ میں پہلے آچکا ہے۔ کچھ قریش کی روانگی کے سلسلہ میں گزر چکا ہے۔ دلیل (۴) کا مدار صرف حضرت سعد بن عبادہ کے نام پر ہے جو یقیناً راوی کی غلطی ہے (۵) میں سابق بحث کو پھر دہرایا ہے (۶) کا جواب بھی پہلے آچکا ہے کہ یہ سفر غیر معمولی تھا اس لیے بچوں کو واپس کر دیا (۷) میں خود یہ الفاظ موجود ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو قافلہ قریش پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ صفحہ ۳۳۱

(۴۸۹) مثلاً آیت کریمہ لایستوی القاعدون کے شان نزول سے متعلق روایت سے استدلال کیا ہے اور بخاری شریف کا حوالہ دیدیا ہے۔ صفحہ ۳۲۲۔ بخاری شریف میں یہ روایت ضرور ہے مگر اس میں یہ کہاں ہے کہ جب بدر کا معرکہ پیش آرہا تھا اور لوگ مدینہ سے روانہ ہو رہے تھے تب یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ امام بخاری ﷫ نے اس کو تین بزرگوں سے نقل کیا ہے۔ حضرت زید بن ثابت ﷺ ' حضرت براء بن عازب ﷺ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ پہلے دونوں بزرگوں کی روایت میں "بدر" کا کوئی تذکرہ ہی نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس ﷺ کی روایت میں بدر کا تذکرہ ہے مگر اس میں عبداللہ بن مکتوم کا تذکرہ نہیں ہے اور فی الواقع یہ حدیث ہے ہی نہیں ہے بلکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے تفسیر فرمائی ہے کہ قاعدون سے مراد قاعدون عن البدر ہیں۔ تعجب ہے حضرت علامہ کو یہ مغالطہ کیسے ہوگیا۔

(۴۹۰) ذکرالا مام اللوانی انه سمع من مشائخ الحدیث ان الدعا عند ذکرهم مستجاب وقد جرب ذلک۔ سیرۃ حلبیہ صفحہ ۱۶۳ ج ۲

(۴۹۱) سیرۃ حلبیہ صفحہ ۱۶۳ ج ۲

(۴۹۲) بدایہ و نہایہ صفحہ ۲۷۷ ج ۳

(۴۹۳) بخاری شریف وغیرہ

(۴۹۴) البدایہ ونہایہ صفحہ ۲۷۴ ج ۳

(۴۹۵) ابن سعد نے اگرچہ شہداء کی تعداد ۱۴ تحریر کی ہے مہاجر ۶۔ انصار ۸۔ مگر نام صرف ۱۳ شمار کرائے ہیں۔ (صفحہ ۱۱ ج ۳) حافظ عماد الدین ابن کثیر ﷫ نے چودھواں نام ذوالشمالین کا تحریر کیا ہے ان کا اصل نام عمیر تھا ان کو خرباق بھی کہتے تھے۔ قبیلہ خزاعہ سے ان کا تعلق تھا۔ یہ قبیلہ سلیم بن عکان کا بطن تھا۔ اس لیے ان کو سلیمی بھی کہتے تھے۔ چونکہ ان کے ہاتھ لانبے تھے تو ان کو لوگ ذوالشمالین کہتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کا خطاب ذوالشمالین کے بجائے ذوالیدین تجویز فرمایا۔ احادیث میں یہ دونوں نام آتے ہیں۔ واللہ اعلم

(۴۹۶) بخاری شریف صفحہ ۵۷۴

(۴۹۷) ماخوذ از بدایہ و نہایہ صفحہ ۳۱۵ ج ۳ بحوالہ کتاب الاحکام الکبیر للحافظ ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد مقدسی وغیرہ۔

(۴۹۸) چند ناموں کے متعلق اختلاف ہے اسی وجہ سے تعداد تین سو تیرہ سے بڑھ جاتی ہے مگر ہم نے اختلاف کو نظرانداز کر دیا ہے۔ نام کو خارج نہیں کیا کیونکہ اختلاف صرف بدری ہونے میں ہے۔ مثلاً حضرت جابر بن عبداللہ (ﷺ) غزوہ بدر میں شریک تھے یا نہیں صحابی ہونے میں اختلاف نہیں ہے اور ہر ایک صحابی کا نام نامی بابرکت ہے۔

(۴۹۹) ابن سعد یا حافظ ابن کثیر نے جن کے متعلق مہاجر ہونے کی تصریح کر دی ہے ان کے سامنے (مہاجر یا مہاجرین اولین میں سے) لکھ دیا ہے۔ لیکن ان کے علاوہ بھی چند مہاجر ہیں۔ ان کی تصریح اس موقع پر آئے گی جب ان بزرگوں میں سے ہر ایک کے حالات علیحدہ علیحدہ درج کیے جائیں گے۔ (انشاء اللہ)

(۵۰۰) راستہ میں چوٹ لگ گئی تھی اس وجہ سے غزوہ میں شریک نہ ہو سکے۔ مگر شریک کی حیثیت دی گئی۔

(۵۰۱) واقدی کی روایت یہ ہے کہ تیاری مکمل کر لی تھی مگر تشریف نہیں لے جا سکے' وفات ہو گئی۔ بدایہ صفحہ ۳۱۹

(۵۰۲) ان اللہ اصطفےٰ نوحاً وال ابراھیم الاٰیۃ - سورۂ انعام

(۵۰۳) ڈرانے والا خواہ نبی ہو خواہ نبی کی راہ پر ہو۔ موضح القرآن

(۵۰۴) حالانکہ یہ دعوئی سراسر غلط تھا۔ قرآن حکیم نے اس کی تردید کی ہے اور واضح کر دیا ہے کہ ان کو دھوکا لگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ قتل نہیں کر سکے بلکہ اللہ نے ان کو اٹھا لیا۔ ملاحظہ فرمایئے سورہ نساء رکوع ۲۲

(۵۰۵) تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمایئے عہد زریں حصہ اول صفحہ ۳۴ تا ۳۶

(۵۰۶) کذالک جعلنا کم امتہ وسطا (الاٰیۃ) سورہ بقرہ رکوع ۱۷

(۵۰۷) سیدنا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ؒ تحریر فرماتے ہیں اگر نمونہ یہود خواہی کہ ببینی - علماء سو کہ طالب دنیا باشند خوگرفتہ بہ تقلید سلف۔ و معرض از نصوص کتاب و سنت و تعمق و تشدد یا استحسان عالمے را مستند ساختہ از کلام شارع معصوم بے پروا شدہ باشند و احادیث موضوعہ و تاویلات فاسدہ را مقتداء خود ساختہ باشند تماشاکن - کانھم ھم الفوزالکبیر (مطبع مجتبائی) صفحہ ۱۰

(۵۰۸) وحی الٰہی کا جواب یہ ہے: بل لعنھم اللہ بکفرھم سورہ بقرہ ع ۱۱۔ یعنی یہ حق پرستی کی پختگی نہیں ہے جس کے دھوکے میں وہ پڑے ہوئے ہیں بلکہ خدا کی پھٹکار ہے کہ وہ حق و صداقت کے سراسر انکار کے باعث قبول حق کی استعداد و صلاحیت کھو چکے ہیں۔

(۵۰۹) ترمذی شریف و صحیحین و تفسیر مظہری سورہ زمر۔ قرآن حکیم نے لیس کمثلہ شی جیسی تصریحات کی تعلیم دے کر اس طرح کے تمام تصورات کی نفی کر دی ہے یعنی عالم امکان کی کسی بھی چیز سے حضرت حق جل مجدہ کو تشبیہ نہیں دی جا سکتی۔ اس کی ذات وراء الوراء اور بے چون اور بے چگون ہے۔ ہر ایک مشابہت سے بلند و بالا

(۵۱۰) قرآن حکیم نے اس کی تردید فرمائی ہے۔ ارشاد ہے ولقد خلقنا السموات والارض فی ستہ ایام وما مسنا من لغوب (سورۂ قاف) یعنی یہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چھ روز (چھ دوروں) میں زمین و آسمان پیدا کیے۔ مگر یہ قطعاً غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ کو (معاذ اللہ) کسی قسم کا کوئی تھکان ہو گیا تھا۔

(۵۱۱) اتحدثو نھم بما فتح اللہ علیکم الاٰیۃ (تفصیل آگے آئے گی) انشاء اللہ

(۵۱۲) یہ تنگ نظری اور گروہ پرستی عیسائیوں نے بھی اختیار کر لی تھی۔ چنانچہ دونوں کہا کرتے تھے۔ لن یدخل الجنۃ الامن کان ھودا او نصاری (سورہ بقرہ ع ۱۴) یہودی کہتے تھے کہ جنت میں صرف یہودی جائیں گے اور عیسائی کہتے تھے کہ صرف عیسائی جنتی ہوں گے۔

(۵۱۳) ترمذی شریف۔ باب فیما جاء فیمن وضع راسہ بصخرہ و بخاری صفحہ ۳۲۵

(۵۱۴) جیسا کہ کعب بن اشرف کے واقعہ قتل کے بیان میں اس کی تفصیل آئے گی۔ (انشاء اللہ)

(۵۱۵) ان الذین یکتمون ما انزل اللہ من الکتاب۔ ویشترون بہ ثمنا قلیلا الایۃ (سورہ بقرہ ع ۲۰)

(ترجمہ) جو لوگ ان حکموں کو جو اللہ نے اپنی کتاب میں نازل کیے ہیں چھپاتے ہیں اور اس (کتمان حق) کے بدلے دنیا کے حقیر فائدے خریدتے ہیں تو یقین کرو یہ لوگ وہ ہیں جو آگ کے شعلوں سے اپنا پیٹ بھر رہے ہیں۔

(۵۱۶) یحرفون الکلم عن مواضعہ سورۂ مائدہ ع ۳ احکام کو ان کی اصلی جگہ سے پھیر دیتے ہیں۔

(۵۱۷) (الف) لیاکلون اموال الناس بالباطل و یصدون عن سبیل اللّٰہ اے ایمان والو یہود و نصارے کے علماء اور مشائخ (درویشوں) میں بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو لوگوں کا مال ناحق اور ناروا طریقوں سے کھاتے ہیں (اور اس غرض سے کہ ان کی یہ آمدنی قائم رہے) لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔

(ب) فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ لیشتروا بہ ثمنا قلیلا (سورہ بقرہ ع ۹) پس افسوس ان پر جن کا شیوہ یہ ہے کہ خود اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتے ہیں۔ پھر لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور یہ سب کچھ اس لیے کرتے ہیں کہ اس کے بدلے میں ایک حقیر سی قیمت دنیوی فائدہ کی حاصل کریں۔

(۵۱۸) خاص طور پر ملاحظہ فرمائیے ص ۷۰ تا ص ۷۶ حصہ اول

(۵۱۹) اے انسانو! میں تم سب کو خدا کا پیغام پہنچانے کے لیے بھیجا گیا ہوں

(۵۲۰) اس کی مثال خود یہودیوں میں پائی گئی۔ یہود کا مشہور عالم حصین جس کی کنیت ابو یوسف تھی اپنے باغ میں پھل توڑ رہا تھا جھولا ہاتھ میں تھا جس میں کچھ تازہ کھجور گھر لیجانے کے لیے ڈالے تھے کہ اس کو خبر پہونچی کہ محمد ﷺ مدینہ میں رونق افروز ہو گئے۔ یہ اسی طرح جھولا ہاتھ میں لیے ہوئے بھاگا۔ اور مجلس مبارک میں حاضر ہو کر آپ ﷺ کی صورت اور آپ ﷺ کے رنگ ڈھنگ کو غور سے دیکھنے لگا۔ اس کی تنقیدی نظر کی پہلی شہادت یہ تھی لیس ھذا الوجہ وجہ کذاب۔ یہ چہرہ ایسا ہے کہ جھوٹے آدمی کا چہرہ ایسا نہیں ہوتا۔ وہ قریب پہونچا تو اس نے سنا آپ ﷺ ارشاد فرما رہے ہیں۔ایھاالناس افشوالسلام۔ واطعمو الطعام وصلوا الارحام وصلوا باللیل والناس نیام تدخلوا الجنۃ بسلام اے لوگو! آپس میں سلام کو رواج دو (جس سے میل ملاپ بڑھے گا۔ یک جہتی پیدا ہو گی) کھانا کھلاؤ (غریبوں کی مدد کرو) رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرو رات کو نماز پڑھو (آخر شب میں عبادت اور مناجات کرو) جب کہ لوگ سو رہے ہوں۔ تم جنت میں سلامتی سے داخل ہو جاؤ گے (اتحاد و اتفاق تعاون باہمی' خدمت خلق رشتہ داروں کی خدمت اور یاد خدا بلکہ عابدانہ زندگی کی تلقین ایک ہی ساتھ)

اس پہلی نظر اور پہلی ملاقات سے ہی یہ یہودی عالم متاثر ہو گئے۔ پھر (دوسرے وقت) حاضر ہوئے۔ توریت کی پیشین گوئیوں کے بموجب کچھ باتیں معلوم کیں وہ صحیح پائیں۔ اب لیت و لعل کی گنجائش نہیں رہی فوراً مسلمان ہو

گئے۔ یہ آپ کی زندگی میں ایسا انقلاب تھا کہ پھر سابق نام باقی رکھنا بھی پسند نہیں کیا۔ حضیر ابو یوسف کے بجائے نام عبداللہ تجویز کیا اور کنیت سلام۔ چنانچہ مسلمان آپ کو عبداللہ بن سلام کے نام نامی سے پہچانتے ہیں بخاری شریف ص ۵۵۶ و ص ۵۶۱ ترمذی و فتح الباری اسی طرح کا واقعہ سلمان فارسی کا بھی ہے رضی اللہ عنہما

(۵۲۱) بہتان تراشی اور غلط پروپیگنڈے کی اس قوم کو کہاں تک عادت و مہارت تھی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام جب مسلمان ہوئے تو آپ نے اپنے اسلام کے اعلان سے پہلے یہ ضروری سمجھا کہ یہود میں ان کی جو حیثیت ہے خود یہود کی زبان سے اس کا اعتراف کرالیں۔ آنحضرت ﷺ جیسے ہی مدینہ پہونچے اور عبداللہ بن سلام آپ کی زیارت سے مشرف ہوئے تو آنحضرت ﷺ کی صداقت دل میں بیٹھ گئی لیکن آنحضرت ﷺ اس علاقہ میں نو وارد تھے۔ یہود کی خصلتوں کا آپ کو تجربہ نہیں ہوا تھا۔ عام طور پر ان کے متعلق حسن ظن تھا۔ مگر عبداللہ بن سلام گھر کے بھیدی تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ان کے مسلمان ہونے پر جماعت یہود میں کھلبلی پڑ جائے گی اور وہ غلط پروپیگنڈے کا حربہ ایسی قوت سے استعمال کریں گے کہ ممکن ہے عبداللہ بن سلام آنحضرت ﷺ اور آپ کے مہاجر رفقاء کی نظر میں بھی مشتبہ ہو جائیں پھر عبداللہ بن سلام نہ دین کے رہیں گے نہ دنیا کے چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلام نے یہ ہوشیاری کی کہ آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ اس سے پہلے کہ میرے اسلام کا اظہار ہو سرور کائنات ﷺ یہود کے عمائدین سے معلوم کر لیں کہ عبداللہ بن سلام کے متعلق ان کے خیالات کیا ہیں چنانچہ آپ نے یہود کے عمائدین کو بلایا وہ حاضر ہوئے حضرت عبداللہ بن سلام آڑ میں چھپ گئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ حضیر (عبداللہ بن سلام کا یہودی نام) آپ کے آدمی ہیں ان کے متعلق آپ صاحبان کے کیا خیالات ہیں۔ عمائدین یہود نے جواب دیا ہمارے سردار اور بہت بڑے عالم ہیں ان کے والد بزرگوار بھی بہت بڑے سردار اور بہت بڑے عالم تھے آنحضرت ﷺ نے یہ جملے ان سے تین دفعہ کہلوائے۔ پھر فرمایا آپ صاحبان کا کیا خیال ہے اگر وہ مسلمان ہو جائیں۔ عمائدین یہود نے جواب دیا معاذ اللہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر ایسا ہو جائے۔ عمائدین یہود نے کہا ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ آپ نے فرمایا اگر ہو جائے۔ عمائدین یہود نے پھر کہا ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہ بن سلام کو آواز دی وہ سامنے حاضر ہوئے اور فرمایا اے عمائدین یہود تم جانتے ہو اور خوب جانتے ہو کہ یہ اللہ کے سچے رسول ﷺ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا سچا کلام لے کر مبعوث ہوئے ہیں تم خدا سے ڈرو اور ایمان لے آؤ۔ عمائدین یہود نے جیسے ہی یہ سنا فوراً" پلٹ گئے اور اسی منہ سے کہنے لگے تم جھوٹے ہمیشہ کے جھوٹے تمہارا باپ بھی ایسے ہی جھوٹے تھے ہمیشہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔ اب اسی جماعت نے (معاذ اللہ) ان کے جھوٹے ہونے کا پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ (بخاری شریف صفحہ ۵۵۶ وغیرہ)

(۵۲۲) یہ جنگ بعاث کے نام سے مشہور ہے۔ بعاث قلعہ کا نام تھا ایک سو بیس برس تک اس جنگ کا سلسلہ چلتا رہا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس لڑائی میں اگرچہ یہ سخت ترین حادثہ بھی پیش آیا کہ دونوں قبیلوں کے بڑے بڑے لوگ مارے گئے مگر یہ حادثہ ان قبیلوں کے لیے باعث خیر بھی ہو گیا کہ باقی ماندہ لوگوں کی توجہ دعوت اسلام کی طرف منعطف ہوئی اور انہوں نے اس کو قبول کر لیا وہ بڑے لوگ اگر زندہ ہوتے تو ممکن تھا وہ بھی اپنے عظمت کے غرور میں مبتلا رہتے اور دعوت اسلام کے سامنے ان کی گردنیں نہ جھکتیں۔ (بخاری شریف ص ۵۳۳)

(۵۲۳) نحن ابناء اللہ و احبائہ (سورہ مائدہ ع ۳)

(۵۲۴) لن یدخل الجنة الا من کان هودا او نصاری (سورہ بقرہ ع ۱۳)

(۵۲۵) حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یحب موافقة اهل الکتاب فیما لم یومر فیہ۔ بخاری شریف ص ۸۷۷ یعنی جن باتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی حکم نازل نہیں ہوتا تھا ان میں اہل کتاب کی موافقت آپ پسند فرماتے تھے۔ حدیث میں "اہل کتاب" کا لفظ ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نہ صرف توریت بلکہ حاملین توریت پر بھی اعتماد کرتے تھے کہ توریت کی کسی آیت سے معلوم کرنے کے بجائے اہل توریت کے عمل کو اپنا طریقہ کار بنا لیتے تھے۔

(۵۲۶) قسطلانی و عینی شرح بخاری

(۵۲۷) بخاری شریف ص ۴۸۵

(۵۲۸) علامہ سیوطی نے اپنی تصنیف (توشیح) میں ایسی سات چیزیں شمار کرائی ہیں جن میں آنحضرت ﷺ نے پہلے اہل کتاب کا طریقہ اختیار کرایا پھر اس کو ترک فرمایا (۱) سیدھے بال رکھنا۔ پھر مانگ نکالنا (۲) پہلے آپ خضاب پسند نہیں فرماتے تھے پھر آپ نے پسند فرمایا اور جیسا کہ بعض احادیث میں وارد ہے خود آپ نے بھی خضاب فرمایا(۳) صرف عاشورا یعنی فقط۔ ۱۰ محرم کا روزہ پھر آپ نے فرمایا پہلے یا بعد میں ایک روزہ اور رکھا جائے (۴) بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنا پھر کعبہ کی طرف (۵) حائض سے ترک مخالطت کا حکم پھر صرف مجامعت کی ممانعت اس کے علاوہ مخالطت کی اجازت (۶) تنہا یوم جمعہ کا روزہ پھر اس کی ممانعت اور یہ ہدایت کہ جمعہ کا روزہ رکھنا ہو تو جمعرات یا شنبہ کا بھی روزہ رکھ لیا جائے (۷) جنازہ کے لیے کھڑا ہونا پھر اس کو ترک کر دینا۔

(۵۲۹) بخاری شریف ص ۵۰۳ لیکن بعد میں یہ طریقہ نہیں رہا آپ مانگ نکالا کرتے تھے چنانچہ جس کے سر پر پٹھے ہوں اس کے لیے سنت یہی ہے کہ بیچ میں مانگ نکالے۔ ثم فرق رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بعد بخاری شریف ص ۵۰۳

(۵۳۰) بخاری شریف ص ۴۸۱ وقال اللّٰہ تعالٰی فبهداهم اقتده

(۵۳۱) بخاری شریف ص ۲۰ (وغیرہ)

(۵۳۲) یہ مفہوم ہے اس معاہدہ کی دفعات کا جو آنحضرت ﷺ نے مدینہ تشریف لانے کے بعد سب سے پہلی فرصت میں کیا تھا۔ ملاحظہ فرمائیے اسی حصہ کے صفحات ۳۸۱۔۳۷۹ (۱۷۔۱۵)

(۵۳۳) سورہ نساء رکوع ۷

(۵۳۴) آنحضرت ﷺ کا کوئی ارشاد ہوتا۔ مسلمان کہتے سمعنا و اطعنا ہم نے حکم سنا اور اطاعت کے لیے تیار ہیں۔ یہودی اسے اس طرح ادا کرتے کہ اطعنا۔ عصینا ہو جاتا۔ یعنی ہم نے کلام سنا اور خلاف ورزی کی (ہم تعمیل کے لیے تیار نہیں ہیں) اسمع کے معنے ہیں ہماری بات سنئے وہ اس کے ساتھ غیر مسمع بھی بڑھا دیتے جس کے معنے ایک تو یہ ہیں کہ خدا تمہیں بری بات نہ سنوائے دوسرے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ بہرے ہو جاؤ۔ سورہ نساء رکوع ۷ یحرفون الکلم عن مواضعه الایة

(۵۳۵) تفسیر مظہری وغیرہ۔ تفسیر آیت ع ۹ سورہ آل عمران

(۵۳۶) یہ ہے سبق آموز حقیقت پسندی کہ یہود کے کچھ آدمی (سیدنا عبداللہ بن سلام ؓ جیسے افراد) مسلمان ہو گئے

ہیں تو تمام اہل کتاب پر الزام نہیں لگایا گیا بلکہ یہ فرمایا گیا کہ اہل کتاب میں ایک فریق ایسا ہے اسی طرح دوسری آیات میں بھی جہاں یہود کے افراد کا کوئی جرم بیان کیا گیا ہے۔ حق پرست یہودیوں کو جو اسلام سے مشرف ہو چکے تھے مستثنٰی کر دیا گیا ہے اگرچہ ایسے صداقت پسندوں کی تعداد آٹے میں نمک جیسی تھی۔

(۵۳۷) بخاری شریف ص ۵۱۳ و ۶۵۴ و ۱۰۱۱ وغیرہ ابو داؤد شریف باب فی رجم الیہودیین

(۵۳۸) حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ اس آیت کا تعلق منافقین یہود سے ہے آپ فرماتے ہیں وہ جو ان میں منافق تھے خوشامد کے واسطے اپنی کتاب میں سے پیغمبر آخر الزماں ﷺ کی باتیں مسلمانوں کے پاس بیان کرتے اور وہ جو مخالف تھے ان کو اس پر الزام دیتے کہ اپنے علم میں سے ان کے ہاتھ کیوں سند دیتے ہیں (موضح القرآن)

(۵۳۹) ان میں سے ایک گروہ اعتدال پسند (راہ راست پر) ہے اور زیادہ تر ایسے ہیں کہ جو کچھ کرتے ہیں وہ برائی ہی برائی ہے۔

(۵۴۰) ابوداؤد شریف باب فی خبر النضیر و ابن مردویہ بحوالہ فتح الباری ص ۲۶۴ ج ۷ وقال الحافظ ابن الحجر ماروی ابن مردویہ اسنادہ صحیح

(۵۴۱) آیت کریمہ کی پوری تشریح غزوہ بدر کے بیان میں گذر چکی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ دو جماعتیں جو آپس میں (بدر کے موقع پر) بھڑی تھیں ان میں قدرت خدا کی یہ نشانی موجود ہے کہ نصرت خداوندی نہ دولت و ثروت کی پابند ہے نہ کثرت عدد اور کثرت سازو سامان کی اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی مدد اور نصرت اور اپنی مدد سے نواز دیتا ہے (خواہ وہ کتنا ہی بے سرو سامان اور بے یارو مدد گار ہو۔)

(۵۴۲) ان پر ذلت اور خواری کا ٹھپہ لگا دیا تھا۔

(۵۴۳) چونکہ اوس اور خزرج کی کافی تعداد دائرہ اسلام میں داخل ہو چکی تھی۔ لہٰذا مسلمانوں کے خاتمہ کے ساتھ یہ قبیلے بھی ختم ہو جاتے اور میدان صاف ہو جاتا تھوڑی سی تعداد منافقین کی رہ جاتی جس میں مقابلہ کی نہ طاقت رہتی نہ جرات کیونکہ یہ بزدل اور بے عمل لوگوں کی جماعت تھی۔

(۵۴۴) ابو داؤد شریف کیف کان اجلاء الیہود من المدینۃ

(۵۴۵) روایت میں بنو نضیر کا نام ہے مگر جب تمام یہودیوں کا جذبہ یہی تھا تو دوسرے قبیلوں کو معصوم نہیں قرار دیا جا سکتا

(۵۴۶) فتح الباری ص ۲۶۵ ج ۷

(۵۴۷) السیرۃ الحلبیہ ص ۱۷۷ ج ۳

(۵۴۸) فتح الباری ص ۲۷۰ ج ۷

(۵۴۹) ان کی جاں نثاری کا قصہ بھی عجیب ہے۔ یہ نوجوان تھے کہ سرکار دو عالم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور ایسے گرویدہ ہوئے کہ قدم مبارک سے لپٹ لپٹ کر بوسہ دینے کی کوشش کرتے تھے اور کہتے تھے حضرت والا میں آپ پر فدا ہوں جو حکم ہو گا میں تعمیل میں کوتاہی نہ کروں گا جان تک قربان کر دوں گا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ایسے جاں باز ہو تو جاؤ تمہارے باپ کافر ہیں انہیں مار آؤ۔ طلحہ بات کے سچے تھے فوراً قتل کے ارادہ سے روانہ ہو گئے۔ آنحضرت

ﷺ نے واپس بلالیا۔ فرمایا میں اس لیے نہیں آیا کے رشتہ داروں سے برا سلوک کروں یا برا سلوک کی فرمائش کروں۔ صرف تمہاری بات کو آزمانا تھا (اصابہ)

(۵۵۰) انہوں نے خود آنحضرت ﷺ سے سنا تھا یہ درست نہیں ہے کہ مسلمان میت رات کو پڑی رہے اور اس کو دفن نہ کیا جائے لہٰذا اس کی تعمیل بھی ضروری سمجھی۔(اصابہ)

(۵۵۱) ایسا ہی کیا گیا ان کی وفات ہو گئی تو رات ہی کو نماز جنازہ ادا کر کے دفن کر دیا گیا لیکن صبح کو جب آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ قبر پر تشریف لے گئے جو رفقاء آپ کے ساتھ تھے ان سب کے ساتھ ایک صف میں کھڑے ہوئے اور ہاتھ اٹھا کر دعافرمائی اللھم الق طلحتہ وانت تضحک وھو یضحک الیک۔ خداوندا طلحہ کو اس طرح اپنے دیدار سے نواز کہ تو بھی ہنستا ہو (راضی ہو) اور وہ بھی ہنستا ہو (راضی ہو) ﷲ **ضروری وضاحت**۔ یہاں صرف دعا مغفرت اور ایصال ثواب نہیں ہے بلکہ صف کا بھی تذکرہ ہے اس کو آنحضرت ﷺ کی خصوصیت قرار دیا گیا ہے اسی طرح شاہ حبش (نجاشی) کی نماز غائبانہ کو بھی علماء احناف آنحضرت ﷺ کی خصوصیت قرار دیتے ہیں آنحضرت ﷺ کے متعلق قرآن کریم میں ہے۔ "ان صلواتک سکن لھم" آپ کی صلوۃ مسلمانوں کے لیے سکون اور سراسر اطمینان ہے۔ صلوۃ کے معنے نماز بھی ہیں اور دعا بھی نیز آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد امام مسلم وغیرہ نے نقل کیا ہے ان ھذہ القبور مملوءۃ ظلمۃ وان اللہ ینورھا بصلواتی علیھم یہ شرف اور برکت و مقبولیت بجز آنحضرت ﷺ اور کسی کی دعا یا نماز کو حاصل نہیں ہے خود ذات ستودہ صفات کے لیے بھی ایک خصوصیت موجود ہے وہ یہ کہ آنحضرت ﷺ نص قرآن کے بموجب ہر ایک مسلمان کے ولی ہیں یہ ولایت عامہ آپ کے علاوہ اور کسی کو حاصل نہیں ہے یہ بھی ایک خصوصیت ہی ہے کہ صف میں آنحضرت ﷺ برابر کھڑے ہوئے امام کی طرح آگے کھڑے نہیں ہوئے۔ واللہ اعلم

محمد میاں

(۵۵۲) طبقات ابن سعد ص ۱۹ ج ۳۔

(۵۵۳) بظاہر الزمہ ہے مرۃ کے معنے قوت کے آتے ہیں یہاں یہ معنی نہیں بنتے اور ذمہ کے معنے عہد کے ہیں قال اللہ تعالٰی لایرقبوا فیکھ الا ولا ذمہ

(۵۵۴) تاریخ کی شہادت ہے کہ عربوں کی تاریخی جنگ "فجار" کا آغاز بھی اسی طرح ایک خاتون کی بے حرمتی سے ہوا تھا۔

(۵۵۵) اسی دور میں متعدد واقعات کبھی مسلمانوں کی طرف سے کبھی شریک معاہدہ غیر مسلموں کی طرف سے ہوئے ان میں دیت دی گئی جس کے سو اونٹ مقرر تھے۔ آنحضرت ﷺ نے جو معاہدہ کیا تھا اس میں تصریح تھی کہ ایسے واقعات میں دیت دی جائے گی اور اسی قاعدے کے بموجب دی جائے گی جو پہلے سے رائج تھا۔

(۵۵۶) طبقات ص ۱۹ ج ۳

(۵۵۷) علامہ ابن سعد رحمہ اللہ نے اس اقدام کے جواز کے لیے قرآن پاک کی ہی آیت پیش کی ہے واما تخافن من قوم خیانۃ فانبذا الیھم علی سواء ان اللہ لایحب الخائنین۔ سورہ انفال۔

اگر تمہیں کسی قوم سے دغا کا خطرہ ہو تو معاہدہ لوٹا سکتے ہو لیکن یکسانیت کے ساتھ (پہلے سے آگاہ کر کے تاکہ ان کو بھی تیاری کا موقع مل جائے اور آپ کا فعل دھوکا نہ سمجھا جائے

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ اگر بنو قنیقعاع نے آغاز جنگ یا اعلان جنگ نہ بھی کیا ہوتا تب بھی آنحضرت ﷺ کے لیے جائز تھا کہ معاہدہ ختم کر دیں کیونکہ ان کی طرف سے جنگ کی تیاری بھی ہو رہی تھی اور اس کی دھمکی بھی دیدی گئی تھی لیکن اس کے بعد خود ابن سعد نے یہ بھی لکھا ہے فکانوا اول من غدر من الیھود و حاربوا و تحصنوا فی حصینھم ص ۱۹ ج ۳ (ترجمہ) یہود میں یہ لوگ وہ تھے جنھوں نے سب سے پہلے غدر کیا اور جنگ کی اور اپنے قلعہ میں محفوظ ہو گئے اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے جنگ شروع کر دی تھی اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے اقدام کیا اس طرح ابن سعد کے کلام میں تضاد اور تناقض ہو جاتا ہے مگر ہمارا خیال یہ ہے کہ ابن سعد نے دو باتیں بتائی ہیں۔ اول یہ کہ آیت کریمہ کی رو سے آنحضرت ﷺ کے لیے جائز ہو گیا تھا کہ معاہد ختم کر کے اعلان جنگ کر دیں۔ دوم یہ کہ اگرچہ اقدام کے لیے وجہ جواز موجود تھی مگر اقدام آنحضرت ﷺ نے نہیں کیا۔ بلکہ پہل خود بنی قنیقعاع کی طرف سے ہوئی اور اسی وجہ سے وہ پہلے ہی قلعہ بند ہو گئے۔

(۵۵۸) ابن سعد ص ۱۹ ج ۳

(۵۵۹) سیرۃ ابن ہشام ص ۵۷ ج ۲

(۵۶۰) آنحضرت ﷺ نے کسی خدمت کے لیے کسی جماعت کو بھیجا تو اس کو سریہ کہا جاتا ہے۔

(۵۶۱) مثلاً" حضرت عدی بن حاتم ؓ اور ان کا خاندان

(۵۶۲) سیرۃ ابن ہشام و فتح الباری ص ۲۷۹ ج ۷

(۵۶۳) ایک لڑکی کی شادی قبیلہ اوس میں کی تھی اسی رشتہ کی بنا پر حضرت محمد بن مسلمہ ؓ نے جن کا ذکر آگے آتا ہے کعب بن اشرف کو اپنا ماموں بتایا تھا

(۵۶۴) سیرۃ حلبیہ ص ۱۷۷ ج ۳

(۵۶۵) سیرۃ حلبیہ ص ۱۷۸ ج ۳

(۵۶۶) کتب تفاسیر۔ تفسیر ابن جریر' ابن کثیر' مظہری اور درمنثور وغیرہ میں ایسی تمام سازشوں کے بیان میں اس کا نام لیا گیا ہے کہیں تنہا اس کا اور کہیں اس کے ساتھ دوسرے سرداروں کا بھی نام لیا گیا ہے۔

(۵۶۷) ابن ہشام نے وہ مرثیے اور قصیدے بھی نقل کیے ہیں

(۵۶۸) ابن ہشام وغیرہ۔

(۵۶۹) مشرکین مکہ نے اپنی خدمات شمار کرائیں کہ ہم حاجیوں کے لیے اونٹ ذبح کرتے ہیں۔ ان کے لیے پانی کا انتظام کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ تو ان سے کہا انتم واللہ اھدی سبیلا ممن ھو علیہ سیرۃ حلبیہ ص ۱۷۸ ج ۳

(۵۷۰) فتح الباری ص ۲۷۰ ج ۷

(۵۷۱) البدایہ والنہایہ ص ۶ ج ۴

(۵۷۲) البدایہ والنہایہ ص ۶ ج ۴

(۵۷۳) سیرۃ حلبیہ ص ۱۷۸ ج ۳ و فتح الباری ص ۳۷۷ ج ۳

(۵۷۴) ابوداؤد شریف باب خبر بنی نضیر

(۵۷۵) المستفاد من کلمۃ قد

(۵۷۶) یعنی اس کا کون ذمہ دار ہے کہ مجھے اس سے نجات دلا دے
(۵۷۷) بخاری شریف باب قتل کعب بن اشرف۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا اگرچہ وہ میرا ماموں ہوتا ہے (ابن ہشام وغیرہ)
(۵۷۸) سیرۃ ابن ہشام
(۵۷۹) فتح الباری ص ۲۷۰ ج ۷
(۵۸۰) بخاری شریف وغیرہ ص ۵۰
(۵۸۱) بخاری شریف
(۵۸۲) یعنی نماز روزہ اور جہاد وغیرہ کے فرائض مقرر کر کے
(۵۸۳) نتیجہ وفات کے بعد سامنے آئے گا لہٰذا مرتے دم تک چھوڑنا ٹھیک نہیں ہے
(۵۸۴) ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع دو سو ستر تولہ کا چھ پس ایک وسق پانچ من ڈھائی سیر کا۔
(۵۸۵) ابو نائلہ رضاعی بھائی اور محمد بن مسلمہ رشتہ کے بھانجے تھے لیکن جب انہیں بھائی اور بھانجے نے قرض مانگا تھا تو رہن کا مطالبہ کیا اور بے حیائی کی حد ہو گئی کہ ان کی بیویوں کو سب سے پہلے رہن میں طلب کیا۔ پھر ان کی اولاد کو (معاذ اللہ) کیا ایسے شخص کا قتل کر دینا غلط تھا یا انسانیت کی عظیم الشان خدمت تھی؟
(۵۸۶) یہ اس خاتون کی اعلیٰ ذہانت کی علامت تھی
(۵۸۷) یہ تمام واقعہ بخاری شریف سے ماخوذ ہے۔
(۵۸۸) ذرہ کے اوپر سے تلوار اچٹ کر لگ گئی۔ سیرۃ ابن ہشام
(۵۸۹) ماخوذ از بخاری شریف باب قتل کعب بن اشرف، وسیرۃ ابن ہشام و فتح الباری، یہ بھی روایت ہے کہ آپ نے اس موذی کے خاتمہ پر جس کو طاغوت الیہود کہا جاتا تھا، خدا کا شکر ادا کیا
(۵۹۰) سیرۃ ابن ہشام و بدایہ و نہایہ اس سے اس مہم کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ تین چار آدمیوں کا قلعہ میں گھس کر مالک کو قتل کر دینا آسان کام نہیں تھا
(۵۹۱) کرمانی شرح بخاری باب قتک اہل الحرب وباب رہن السلاح
(۲) باب کیف کان اخراج الیہود من المدینہ
(۵۹۳) چنانچہ افک باہل الحرب (باضابطہ جنگ کے بغیر عربی کو قتل کر دینے) کے سلسلہ میں بھی اس واقعہ کو پیش کیا ہے ص ۴۲۵
(۵۹۴) ابو داؤد شریف باب کیف کان اخراج الیہود من المدینة

(۵۹۵) طبقات ابن سعد ج ۳

(۵۹۶) فباعوھا فصارت ذھبا (ثم قال) و کانوایربحون لتجارتھم للدینار دینارا (ابن سعد ص ۲۵ ج ۳)

(۵۹۷) پہلے گذر چکا ہے کہ پچاس ہزار دینار کے اٹھارہ ہزار سات سو پچاس تولے ہوتے ہیں تقریباً ۶ من کیونکہ ایک دینار ایک مثقال یعنی ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا تھا۔

(۵۹۸) اس بدبخت نے اگرچہ اس وقت آنحضرت ﷺ کی مدح میں پانچ شعر کا قصیدہ کہدیا تھا جس کو ابن ہشام نے نقل کیا ہے مگر جب مکہ پہونچا تو کہا "سحرت محمداً" مین نے محمد ﷺ پر جادو کر دیا۔ سیرت حلبیہ ص ۲۲۲ ج ۲

(۵۹۹) ابن سعد ص ۲۰ ج ۳

(۶۰۰) ابن سعد ج ۳ علی اثنین و ثلاثین شھرا من مھاجرہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۶۰۱) مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ جمعہ کے روز آنحضرت ﷺ اس غزوہ کے لیے روانہ ہوئے اور اگلے روز صبح کو یہ غزوہ ہوا۔ اختلاف اس میں ہے کہ یہ شوال کا پہلا جمعہ تھا یا دوسرا ۳ ھ کے شوال کی یکم یکشنبہ کو تھی (مطابق ۱۷ مارچ ۶۲۴ء) تو پہلا جمعہ ۶ شوال کو ہوا اور دوسرا ۱۳ شوال کو۔ ابن سعد کی تحقیق یہ ہے کہ غزوہ ۷ شوال شنبہ کے روز ہوا یعنی ۲۳ مارچ ۶۲۴ء کو یہ بھی روایت ہے کہ قریش مدینہ کے قریب مقام ذی الحلیفہ پر چہارم شنبہ کو پہنچ گئے تھے یعنی ۴ شوال کو اس صورت میں مکہ معظمہ سے روانگی ۲۸، ۲۹ رمضان کو ہوئی لیکن ابن جریر وغیرہ کا بیان یہ ہے کہ لشکر قریش مدینہ کے قریب ۱۲ شوال کو پہونچا تھا اور غزوہ احد شوال کے پہلے شنبہ کو نہیں ہوا بلکہ دوسرے ہفتہ میں ہوا للنصف مین شوال (ابن جریر) اس روایت کی بنا پر شوال کی یکم شنبہ کے روز مانی جائے گی اور غزوہ کی تاریخ ۱۵ شوال ۳ ھ مطابق ۳۰ مارچ ۶۲۴ء

(۶۰۲) سیرت حلبیہ میں یہ ہے کہ ان میں احابیش بھی تھے قبیلہ بنی مصطلق اور قبیلہ بنی ہون بن خزیمہ کو احابیش کہا جاتا تھا۔ کیونکہ ان لوگوں نے کوہ حبشی کے قریب جو نشیبی جانب (اسفل مکہ) میں ہے، جمع ہو کر قریش سے عہد کیا تھا کہ انھم مع قریش ید واحدۃ علی غیر ھم ماسجی لیل وو ضح نہار و مارسا حبشی مکانہ" یعنی جب تک رات تاریکی کا پردہ ڈالتی رہے دن روشن ہوتا رہے اور یہ حبشی پہاڑ اپنی جگہ پر قائم رہے اس وقت تک ہمارا معاہدہ ہے کہ ہم ہر ایک حریف کے مقابلہ میں قریش کے دست و بازور رہیں گے گویا ہم اور قریش ایک ہاتھ ہوں گے سیرۃ حلبیہ ص ۲۴۱ ج ۳

(۶۰۳) عہد زریں حصہ دوم غزوہ احد کے اجمالی تذکرہ میں تعداد ۵ ہزار لکھی گئی ہے وہ بھی ایک روایت ہے ناسخ التواریخ میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے مگر زیادہ مورخین نے یہی تعداد بیان کی ہے جو ابن سعد کے حوالہ سے یہاں لکھی گئی ہے اگر زرہ پوش اور تیراندازوں کو شتر سواروں میں داخل مانا جائے تو تعداد تین ہزار دو سو ہو گی ورنہ چار ہزار ہو جائے گی۔ محمد میاں

(۶۰۴) طبقات ابن سعد ج ۳

(۶۰۵) اس خط کے پہنچنے کے بعد اول آنحضرت ﷺ نے دو مخبر تحقیق کے لیے بھیجے پھر ایک صاحب کو لشکر کی تعداد معلوم کرنے کے لیے بھیجا جس نے شام سے پہلے اپنی رپورٹ دیدی تو لامحالہ یہ خط اول وقت دوپہر سے پہلے پہونچ چکا

تھا

(۶۰۶) سیرت حلبیہ ص ۲۴۱ ج ۲

(۶۰۷) حضرت ہند اور متعدد خواتین بعد میں اسلام سے مشرف ہوئیں اس لیے اب ہم ان کے متعلق رضی اللہ عنہا کہیں گے

(۶۰۸) ابن ہشام ص ۶۵ و ۶۶ ج ۲

(۶۰۹) ابن سعد صفحہ ۲۵ جلد ۲۔

(۶۱۰) غالباً حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو پہلے موقع نہیں مل سکا جب لشکر روانہ ہو چکا اور مدینہ کے قریب پہنچنے والا تھا تب قاصد مہیا ہوا تو یہ تاکید اس لیے کر دی کہ جس قدر پہلے ممکن ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع پہنچ جائے اور ایسا نہ ہو کہ دشمن بے خبری میں مدینہ پر ٹوٹ پڑے یا شبخون مار دے۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مستعدی سبق آموز ہے کہ صرف چند گھنٹہ میں تیار ہو کر دشمن کے محاذ پر پہونچ گئے۔ صلی اللہ علیہ وسلم

(۶۱۱) سیرۃ حلبیہ ص ۲۴۱ ج ۲

(۶۱۲) ابن سعد ص ۲۶ ج ۲

(۶۱۳) طبقات ابن سعد ۲۶ ج ۳

(۶۱۴) ابن ھشام ص ۶۶ ج ۲

(۶۱۵) بدایہ و نہایہ ص ۱۲ ج ۴ ابن جریر اور بیہقی کی روایت ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور نعمان بن مالک رضی اللہ عنہ کی بھی یہی رائے تھی۔ تفسیر مظہری ص ۱۲۸ ج ۲

(۶۱۶) فغلب علی الا مرالذین یریدون الخروج۔ طبقات بن سعد ص ۲۶ ج ۳ و فی البدایہ و النہایہ ابی کثیر من الناس الاالخروج الی اللہ ولم یتنا ہوا الی قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وراء یہ ص ۱۲ ج ۴

(۶۱۷) طبقات ابن سعد ص ۲۶ ج ۳

(۶۱۸) سیرۃ ابن ھشام ص ۶۷ ج ۲

(۶۱۹) ابن سعد کی تحقیق یہ ہے کہ نماز عصر کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دولت خانہ میں تشریف لے گئے تھے۔ ص ۲۶ ج ۳

(۶۲۰) ایک زرہ وہ تھی جو غزوہ بدر میں زیب تن تھی جو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے پیش کی تھی یہی زرہ تھی جو ایک یہودی کے یہاں رہن رکھی ہوئی تھی۔ جب شاہ دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عالم فانی سے رحلت فرمائی پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس زرہ کو چھڑایا تھا اس زرہ کا نام ذات الفضول تھا دوسری زرہ کا نام فضہ تھا یہ بنی قینقاع سے حاصل ہوئی تھی۔ سیرت حلبیہ ص ۲۴۳ ج ۲

(۶۲۱) ایضا سیرت حلبیہ ص ۲۴۳ ج ۲ و طبقات بن سعد ص ۲۶ و ۲۷ ج ۳ وغیرہ

(۶۲۲) خود سر پر ہوتا تھا اور آہنی کڑیوں کا جھالر جو گردن کی حفاظت کے لئے خود میں لگایا جاتا تھا یا خود کے نیچے ڈالا جاتا تھا اس کو مغفر کہتے تھے۔

(۶۲۳) طبقات ابن سعد ص ۲۷ ج ۱۲

(۶۲۴) تفسیر مظہری ص ۱۲۹ ج ۲

(۶۲۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جواب شان نبوت کے مناسب ہے لیکن تاریخ کا ایک طالب علم یہ کہہ سکتا ہے کہ صاحب عزم کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ فیصلہ میں تبدیلی کرتا رہے۔

(۶۲۶) ابن سعد ص ۲۶ ج ۳ و ص ۲۷ ج ۳

(۶۲۷) مورخ ابن سعد نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ اسی خواب کی بنا پر آنحضرت ﷺ مدینہ سے باہر نکلنا پسند نہیں فرماتے تھے اور آپ ﷺ کی خواہش تھی کہ اسی رائے پر سب کا اتفاق ہو جائے۔ ممکن ہے علامہ کی یہ تحقیق صحیح ہو۔ بہرحال مطلب یہ ہے کہ اس خواب کا تعلق تکوینی امور سے ہے تشریع نہیں ہے یعنی آئندہ کے واقعات آپ ﷺ پر منکشف کئے گئے ہیں۔ رب العالمین کی جانب سے کوئی ہدایت نہیں ہے کہ ایسا کرنا چاہئے کیونکہ اگر اس کا تعلق تشریع سے ہوتا تو آپ پر اس کی اتباع ضروری تھی پھر آپ ﷺ مسلمانوں سے مشورہ نہ کرتے بلکہ ان کو ہدایت دیتے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے۔ کیونکہ تشریعی امور میں انبیاء علیہم السلام کا خواب بھی وحی کا درجہ رکھتا ہے۔ بلکہ وحی کی ایک قسم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ محمد میاں

(۶۲۸) اسیران حنین کی واپسی کے سلسلہ میں یہ بات زیادہ کھل کر سامنے آجاتی ہے اس واقعہ میں آنحضرت ﷺ نے اپنی ایک رائے واضح طور پر بیان فرما دی تھی لیکن اپنی رائے عالی کی طرح ہر ایک فرد مسلم کی رائے کو اہمیت دی یہاں تک مجمع میں جو حاضرین نے آپ کی ﷺ موافقت کر دی آپ نے اس کا لحاظ نہیں کیا بلکہ ہر جماعت کے عریف (پنچ) کو ہدایت کی کہ اس اجتماع کے بعد شخصی طور پر ہر ایک کی رائے معلوم کریں جب اس طرح مکمل آزادی کے ساتھ ہر ایک کی رائے کا علم ہو گیا تب آپ ﷺ نے فیصلہ فرمایا۔ (بخاری شریف)

(۶۲۹) آنحضرت ﷺ نے حضرت حلیمہ سعدیہ سے پہلے چند دنوں ابولہب کی کنیز ثویبہ کا دودھ پیا تھا آپ ﷺ سے پہلے حضرت حمزہ ﷺ نے ثویبہ کا دودھ پیا تھا۔ سیرۃ ابن ہشام ص ۸۷ ج ۲ و بخاری شریف ص ۳۶۰

(۶۳۰) ایک مرتبہ شکار سے واپس پہنچے تو حرم کعبہ میں ایک باندی نے شکایت کر دی کہ آج ابو جہل نے آنحضرت ﷺ کی شان میں بہت گستاخی کی ہے۔ آپ ﷺ غصہ میں ابو جہل کے پاس پہنچے اس کو بہت سخت سست کہا اور وہیں اعلان کر دیا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں جو تکلیف رسول خدا کو پہنچاتے ہو مجھے بھی پہونچاؤ۔ سیرۃ ابن ہشام ص ۱۸۷ ج ۱

(۶۳۱) طبقات ص ۲۷ ج ۳

(۶۳۲) جو پندرہ سال کے نہیں تھے جن کی عمر ۱۴ سال تھی۔ سیرۃ حلبیہ ص ۲۴۴ ج ۲

(۶۳۳) یہ حضرات جو اس وقت کم سن تھے بعد میں احادیث رسول اللہ ﷺ کے بلند پایہ راوی ہوئے' زیادہ تر احادیث انہیں حضرات سے مروی ہیں کیونکہ اکابر صحابہ اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد عرصہ تک ان کو علمی خدمات کا موقع ملا اور حضرات تابعین رحمہم اللہ نے زیادہ تر انہیں حضرات سے استفادہ کیا۔

(۶۳۴) سیرۃ حلبیہ ص ۲۴۴ ج ۲

(۶۳۵) سیرۃ ابن ہشام ص ۶۷ و ۶۸ ج ۲

(۶۳۶) سیرۃ ابن ہشام ۶۷ ج ۲

(۶۳۷) ابن ہشام وغیرہ

(۶۳۸) پوری آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نہیں چاہتا کہ تم کو کسی طرح کی تنگی اور مشقت میں ڈالے بلکہ اللہ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک صاف کر دے اور تم پر اپنی نعمت مکمل کر دے۔

(۶۳۹) بخاری شریف ص ۶۵۴

(۶۴۰) سیرۃ ابن ہشام ص ۶۷ ج ۲

(۶۴۱) ابن سعد ص ۲۵ ج ۳

(۶۴۲) سیرۃ ابن ہشام ص ۶۹ ج ۲

(۶۴۳) ابن سعد ج ۳۔ یہ عکرمہ بعد میں مسلمان ہوئے اور عظیم الشان خدمات انجام دیں۔ (رضی اللہ عنہ)

(۶۴۴) حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے میدان احد میں قربانی کی نظیر قائم کر دی۔ اسی خاندان کے سات نوجوان یکے بعد دیگرے جھنڈے پر قربان ہو گئے۔

(۶۴۵) ابو طلحہ کا اصل نام عبداللہ تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔ طلحہ بن ابی طلحہ عبداللہ بن عبدالعزی بن عثمان بن عبدالدار بن قصی۔ طبقات ابن سعد ص ۲۸ ج ۳

(۶۴۶) سیرۃ ابن ہشام ص ۷۷ ج ۲

(۶۴۷) ابن سعد کی روایت یہ ہے کہ قیام گاہ سے روانگی سحر سے پہلے ہو گئی تھی۔ ابن سعد کے زمانہ میں یہاں کوئی پل ہوگا وہ اسی کا پتہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ یہاں پہونچ چکے جہاں پل ہے تب نماز کا وقت ہوا۔ دشمن سامنے تھا اور آنحضرت ﷺ دشمن کی فوج کو دیکھ رہے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت بلال کو اذان پڑھنے کے لئے فرمایا پھر خود سرور کائنات ﷺ نے نماز پڑھائی اسی مقام سے عبداللہ بن ابی اپنی پارٹی کو لے کر واپس ہوا۔ مگر قرآن پاک کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ قیام گاہ سے روانگی آخر شب یا تڑکے میں نہیں ہوئی تھی بلکہ نماز صبح کے بعد ہوئی تھی۔ واذ غدوت

(۶۴۸) ایک گھوڑا آنحضرت ﷺ کا "سکب" تھا اور بروایت ابن سعد دوسرا گھوڑا ابوبردہ بن نیار کا (ص ۳۲ ج ۳) (رضی اللہ عنہ)

(۶۴۹) بدایہ و نہایہ ص ۲۰ ج ۴

(۶۵۰) چنانچہ جب مکہ فتح ہوا تو سقایہ۔ رفادہ اور خانہ کعبہ کی کلید برداری وغیرہ جن خاندانوں کے سپرد پہلے سے تھیں آنحضرت ﷺ نے بھی انہیں کو یہ خدمات سپرد فرمائیں۔

(۶۵۱) سیرۃ ابن ہشام ص ۷۳ ج ۲

(۶۵۲) اقبل یصف اصحابہ ویسوی الصفوف علی رجلیہ۔ ابن سعد ص ۲۷ ج ۳

(۶۵۳) آنحضرت ﷺ کے سمع مبارک تک ترانہ کی آواز پہونچی تو آپ فرماتے تھے اللھم بک احول وبک اصول وفیک اقاتل حسبی اللہ ونعم الوکیل سیرۃ حلبیہ ص ۲۴۹ ج ۴ (ترجمہ) اے اللہ تیری ہی مدد سے میں (دشمن کو) روک سکتا ہوں۔ تیری ہی مدد سے میں حملہ کر سکتا ہوں، تیرے ہی بارے میں میں جنگ کر رہا ہوں میرے لئے اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا ذمہ دار ہے۔

(۶۵۴) ابن سعد ص ۲۸ ج ۲

(۶۵۵) سیرۃ حلبیہ ص ۲۴۷ ج ۲

(۶۵۶) طبقات ابن سعد ص ۲۸ ج ۳

(۶۵۷) حج کے موقع پر حاجیوں کے لئے پانی کا انتظام خواجہ عبدالمطلب کے ذمہ ہوا کرتا تھا وہی ساقی حجاج ہوا کرتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ میں ابن عبدالمطلب ہوں وہ نامور سردار اور بڑا بہادر تھا میں اس کا نام روشن کرنے والا سخی اور بہادر ہوں۔

(۶۵۸) طبقات ابن سعد ص ۲۸ ج ۳

(۶۵۹) یہ بھی بنی عبدالدار کا فرد تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے ارطاۃ بن شرحبیل بن ہاشم بن عبدالمناف بن عبدالدار۔ سیرۃ ابن ہشام ص ۷۰ اس طرح اس گھرانے کے سات آدمی مارے گئے

(۶۶۰) طبقات ابن سعد ص ۲۸ و ص ۲۹

(۶۶۱) سیرۃ حلبیہ میں یہ ہے کہ اس تلوار کے ایک جانب یہ شعر کندہ تھا فی الجبن عاروفی الاقبال مکرمه والمرء بالجبن لاینجو من القدر۔ بزدلی میں عار ہے اور آگے بڑھنے میں عزت ہے۔ انسان بزدلی کر کے مقدر سے نجات نہیں پا سکتا ص ۲۴۶ ج ۲

(۶۶۲) سیرۃ حلبیہ ص ۲۴۹ و ص ۲۵۰ ج ۲

(۶۶۳) سیرۃ ابن ہشام ص ۷۰ ج ۲

(۶۶۴) ایضاً

(۶۶۵) عرب میں لڑکیوں کی ختنہ کرائی جاتی تھیں اس کی ماں یہی پیشہ کیا کرتی تھی۔ اس لئے مقطعۃ البظور کہہ کر پکارا۔ یعنی ختاتہ النساء کے بچے۔ بخاری شریف ۵۸۳ و ابن ہشام ص ۷۰ ج ۲

(۶۶۶) ۔ ایضاً بخاری شریف ص ۵۸۳

(۶۶۷) سیرۃ حلبیہ ص ۲۶۶ ج ۲

(۶۶۸) سیرۃ ابن ہشام ص ۷۴ ج ۳

(۶۶۹) خلوت خانہ میں تھے لڑائی کا شور سنا تو فوراً ایسے ہی دوڑ کر میدان جنگ میں پہنچ گئے اور شہید ہو گئے۔ غسل کا موقع نہیں ملا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ میں نے دیکھا فرشتے ان کو غسل دے رہے ہیں۔

(۶۷۰) سیرۃ ابن ہشام ص ۸۳ ج ۲

(۶۷۱) سیرۃ ابن ہشام ص ۸۳ و ۸۴ ج ۲

(۶۷۲) سیرۃ ابن ہشام ص ۷۵ و ص ۷۶ ج ۲

(۶۷۳) ایضاً ص ۷۵ ج ۲

(۶۷۴) آنحضرت ﷺ کے متعلق قرآن حکیم میں ہے والرسول یدعو کم فی اخراکم۔ رسول تم کو پکار رہے تھے تمہارے عقب میں۔ اور اتفاق سے کفار کے لئے بھی یہی ضروری تھا کہ وہ پیچھے مڑیں۔ چنانچہ یہی آواز ادھر سے بھی بلند ہوئی کہ پیچھے پلٹو۔ بخاری شریف میں ہے لما کان یوم احدھزم المشرکون فصرخ ابلیس عباداللہ اخراکم الحدیث ص ۵۸۱

(۶۷۵) بدایہ و نہایہ ص ۲۴ ج ۴

(۶۷۶) مسلمانوں کے لئے مغالطہ کا سبب یہ بھی ہوا کہ حضرت یمان کی آمد خلاف توقع تھی۔ یہ بوڑھے ضعیف تھے۔ آنحضرت ﷺ ان کو اور حضرت ثابت بن وقش کو مدینہ میں ہی عورتوں اور بچوں کے ساتھ چھوڑ آئے تھے مگر پھر بھی ان دونوں کو جہاد میں شرکت کا شوق ہوا یہ دونوں مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے اور راستہ وہ اختیار کیا جو مشرکین کے لشکر کی جانب سے آتا تھا۔ مسلمانوں کو اول تو ان کی آمد کی توقع نہیں تھی۔ پھر آمد بھی مشرکین کی جانب سے ہوئی۔ فتح الباری ص ۲۹۱ ج ۷ وبدایہ و نہایہ ص ۳۳ ج ۳ تو ایسی صورت میں مغالطہ باعث حیرت نہیں بلکہ اگر مغالطہ نہ ہوتا تو بہت عجیب تھا۔ ان دونوں بزرگوں میں سے حضرت ثابت مدینہ ہی میں مشرکین کے ہاتھوں شہید ہو گئے تھے۔ حضرت یمان کو یہ حادثہ پیش آیا۔ رضی اللہ عنہم

(۶۷۷) قاعدہ کے لحاظ سے حضرت یمان ؓ کی دیت دی جاسکتی تھی۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے دیت دینے کا ارادہ بھی کیا مگر حضرت حذیفہ ؓ نے دیت بھی معاف کر دی۔ حضرت حذیفہ ؓ کے اس ایثار کو آنحضرت ص نے بہت پسند فرمایا اور آپ کی نظر میں حضرت حذیفہ ؓ کی قدر بہت بڑھ گئی۔ فتح الباری ص ۲۹۱ ج ۷

(۶۷۸) ابن ہشام ص ۸۷ یہ مشکیزہ لے کر پانی پلانے آئی تھیں۔ تلوار بھی ساتھ تھی۔ جب میدان جنگ میں یہ حالت دیکھی کہ مسلمان منتشر ہیں تو یہ آنحضرت ﷺ کے پاس آگئیں اور آگے پیچھے آپ ﷺ کی حفاظت کرنے لگیں ایک روایت میں ہے کہ ان کے بارہ زخم آئے تھے آنحضرت ﷺ نے ان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ میں جب بھی دائیں بائیں نظر ڈالتا رہا ام عمارہ کو دیکھتا رہا کہ وہ مقابلہ کر رہی ہیں ان کے شوہر زید بن عاصم اور ان کے دو لخت جگر خبیب اور عبداللہ بھی اس معرکہ میں شریک تھے (رضی اللہ عنہم) آنحضرت ﷺ نے دعا دی۔ رحمکم اللہ اھل البیت یا فرمایا بارک اللہ فیکم اھل بیت حضرت ام عمارہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ دعا فرمایئے کہ جنت میں آپ ﷺ کی رفاقت میسر آئے آپ ﷺ نے دعا فرمائی اللھم اجعلھم رفقای فی الجننہ حضرت ام عمارہ نے یہ دعا سنی تو جھومنے لگی اور فرمایا۔ اب دنیا کی کوئی مصیبت آئے مجھے پرواہ نہیں۔ رضی اللہ عنہا۔ سیرۃ حلبیہ ص ۲۵۵ ج ۲

(۶۷۹) طبقات ابن سعد ص ۲۹ ج ۳ ایک ماہ سے زیادہ تک رہی سیرۃ حلبیہ ص ۲۵۸ ج ۲

(۶۸۰) ابن سعد ص ۲۹ ج ۳

(۶۸۱) ابن سعد ص ۲۹ ج ۳

(۶۸۲) بڑوں کے نام پر چھوٹوں کا نام رکھنا عرب کا عام دستور تھا یہ دستور اسلام میں بھی رہا۔ چنانچہ انس بن مالک ؓ کے والد نے اپنے بھائی کے نام پر بیٹے کا نام انس رکھا تھا۔

(۶۸۳) ابن ہشام ص ۸۷ ج ۲

(۶۸۴) بخاری شریف ص ۵۷۹ و ۳۹۳ حضرت انس بن نضر شہید کے بھتیجے انس بن مالک اس روایت کے راوی ہیں وہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے عم محترم (انس بن نضیر) غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہو سکے اس کا ان کو کافی احساس تھا بڑے جذبہ سے فرمایا کرتے تھے کہ جہاد کا کوئی موقع آجائے تو میں بھی اللہ میاں کو دکھاؤں گا کہ کس طرح قربان ہوتا ہوں جب جنگ احد میں مسلمانوں میں انتشار پھیل گیا تو حضرت انس بن نضر نے مسلمانوں کے لئے تو دعا کی اللہ ان کی

کوتاہی معاف کر دے اور خود اپنی جان قربان کر دی۔ حضرت انس فرمایا کرتے تھے۔ میرے چچا اس آیت کے مصداق ہیں رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ فمنھم من قضی نحبه ومنھم ینتظر (سورۂ احزاب) (کچھ ایسے مرد ہیں جنہوں نے اس عہد کو سچا کر دکھایا جو اللہ سے کیا تھا۔ پھر ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو اپنی منت پوری کر چکے اور کچھ انتظار کر رہے ہیں) بخاری شریف ص ۳۹۳

(۶۸۵) بخاری شریف وبدایہ ونہایہ ص ۴۲ ج ۳

(۶۸۶) سیرۃ حلبیہ ص ۲۵۱

(۶۸۷) ابن جریر بحوالہ بدایہ و نہایہ ص ۲۳ ج ۳

(۶۸۸) لوگ بچھڑتے تھے پھر اس مرکز رحمت و راحت سے قریب ہونے کی کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ یہ تعداد گھٹتی بڑھتی رہی۔ حضرت جابر ﷛ کی ایک روایت جس کو نسائی اور بیہقی نے نقل کیا ہے یہ ہے کہ آپ کے ساتھ گیارہ انصار اور ایک مہاجر (حضرت طلحہ ﷛) باقی رہ گئے۔ محمد بن سعد کی روایت ہے کہ ۱۴ صحابہ ساتھ رہ گئے۔ ۷ مہاجر جن میں حضرت ابوبکر﷛ بھی تھے اور سات انصار' بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ صرف دو صاحب باقی رہ گئے حضرت طلحہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما۔ لیکن مسلم کی روایت میں جو حضرت انس ﷛ سے مروی ہے یہ ہے کہ ان دو مہاجرین کے علاوہ سات انصار بھی ساتھ رہ گئے تھے حافظ بن حجر﷛ فرماتے ہیں کہ اس گھسان میں مختلف صورتیں پیدا ہوتی رہیں اسی لئے تعداد کا فرق ہوتا رہا فتح الباری ص ۲۸۸ ج ۷

(۶۸۹) ابن ہشام ص ۷۷ ج ۳

(۶۹۰) سیرۃ ابن ہشام ص ۷۷ ج ۳

(۶۹۱) ابن سعد ص ۲۹ ج ۳ سیرۃ حلبیہ ص ۲۵۸ ج ۲

(۶۹۲) کل ستر صحابہ کرام اس جنگ میں شہید ہوئے جن میں وہ بھی ہیں جو مورچہ پر شہید ہوئے تھے۔ حضرت حمزہ ﷛ اور چند اور صحابہ پہلے شہید ہو چکے تھے۔ بس اس گھمسان میں شہید ہونے والوں کی تعداد کم و بیش پچاس ہو گی۔

(۶۹۳) سیرۃ ابن ہشام ص ۷۹

(۶۹۴) مسند ابوداؤد۔ طیالسی بروایت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔ البدایہ والنہایہ ص ۲۹ و ۳۰ ج ۳ و سیرت ابن ہشام ص ۷۷ ج ۲

(۶۹۵) حضرت قیس ابن حازم نے حضرت طلحہ کا یہ بازو شل ہی دیکھا تھا۔ بخاری ص ۵۲۷ و ۵۸۱

(۶۹۶) مسند ابی داؤد طیالسی بحوالہ مذکور۔

(۶۹۷) سیرۃ ابن ہشام ص ۷۷ ج ۲

(۶۹۸) ترمذی شریف۔ مناقب طلحہ بن عبیداللہ ﷛

(۶۹۹) سیرۃ ابن ہشام ص ۷۷ ج ۲

(۷۰۰) جذبہ فدائیت کے علاوہ یہ عقیدہ بھی کارفرما تھا کہ نبی کے جسد اطہر کا خون اگر زمین پر گرتا تو قوم تباہ ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ خود آنحضرت ﷺ نے اس کا خیال فرمایا چنانچہ خون اپنے کپڑوں پر لیتے رہے زمین پر گرنے نہیں دیا۔

(۷۰۱) حضرت مالک ﷛ کے اس والہانہ ایثار کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے بشارت دی کہ من مس دمه دمی لم

تصبه النار میرا خون جس کے خون سے چھو جائے اس کو دوزخ کی آگ نہیں چھو سکے گی۔ ابن ہشام ۷۷ ج ۲

(۷۰۲) ابن ہشام ص ۷۸ ج ۲

(۷۰۳) بخاری شریف ص ۵۸۱

(۷۰۴) بخاری شریف ص ۵۸۱

(۷۰۵) ایضاً

(۷۰۶) سیرۃ ابن ہشام ص ۷۷ ج ۲

(۷۰۷) مسلم شریف ص ۱۰۷ ج ۲

(۷۰۸) بخاری شریف ص ۵۷۹

(۷۰۹) قال عبدالرزاق عن معمر عن الزہری ضربوا بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم سبعین ضربۃ وقاہ اللہ شرھا کلھا۔ قالہ السیوطی فی التوشیح۔ بخاری شریف حاشیہ ص ۵۸۳

(۷۱۰) بخاری شریف ۵۸۰

(۷۱۱) اب احساس ہوا جب سر پر پڑی۔ الان وقد عصیت من قبل وکنت من المفسدین۔

(۷۱۲) ایک مقام کا نام ہے جو مکہ کے قریب ہے

(۷۱۳) سیرۃ ابن ہشام ۷۹ ج ۲

(۷۱۴) اشتد غضب اللہ علی رجل یقتله رسول اللہ فی سبیل اللہ۔ بخاری شریف ص ۵۸۳

(۷۱۵) حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

(۷۱۶) بدایہ و نہایہ ص ۲۳ ج ۲ بحوالہ تاریخ ابن جریر

(۷۱۷) حوالہ مذکور

(۷۱۸) اخرج ابن مردویہ عن عبدالرحمٰن بن عوف فاثابکم غما بغم۔ قال الغم الاول بسبب الھزیمته والثانی حین قیل قتل محمد وکان ذلک عندھم اعظم من الھزیمته۔ درمنثور ص ۸۷ ج ۲ وبمعناه عن قتادة وفیه فانساھم الغم الاخر ما اصابھم من الجراح والقتل وماکانو یرجون من الغنیمته۔ تفسیر ابن جریر ص ۸۴ ج ۴

(۷۱۹) بخاری شریف ص ۵۸۲

(۷۲۰) بدایہ و نہایہ ص ۲۸ ج ۲

(۷۲۱) سیرۃ ابن ہشام ص ۸۹ ج ۲

(۷۲۲) سیرۃ النبی

(۷۲۳) سیرۃ ابن ہشام ۸۶ ج ۲

(۷۲۴) حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے اس کو منظور نہیں کیا اور شکریہ کے ساتھ معذرت کر دی۔ زمین جائداد کے حصہ پر بھی قبضہ کرنے کے بجائے انہوں نے بازار کا راستہ معلوم کیا۔ اور چند درہم کے سرمایہ سے کام شروع کر دیا۔ لیکن حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے جس ایثار کا ثبوت دیا وہ تو ناقابل فراموش سبق ہے اسی طرح حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کا طرز

عمل بھی خودداری اور خود اعتمادی کی نادر الوجود نظیر ہے۔

(۷۲۵) سیرۃ ابن ہشام ص ۸۶ ج ۲

(۷۲۶) مسند احمد بحوالہ بدایہ و نہایہ ص ۲۸ ج ۳

(۷۲۷) سیرۃ ابن ہشام ص ۸۰ ج ۲

(۷۲۸) بخاری شریف ص ۵۷۹

(۷۲۹) سیرۃ ابن ہشام ص ۸۱ ج ۲

(۷۳۰) سیرۃ ابن ہشام ص ۸۶ ج ۲

(۷۳۱) چناچہ معرکہ کے وقت قریش کا شعار یعنی وہ لفظ جس سے ان کی پہچان ہو سکے "یا للھبل" "یا للعزیٰ" تھا۔ ابن سعد ص ۲۹ ج ۳

(۷۳۲) یہ منافقوں کی جماعت تھی جو جان کے اندیشہ سے پہلے ہی الگ ہو گئی تھی اور اب مسلمانوں پر اعتراض کر رہی تھی کہ ہماری بات مانی جاتی تو یہاں میدان جنگ میں اس طرح موت نہ آتی اور اس میں وہ مسلمان بھی داخل ہیں جن کا ایمان ابھی کمزور تھا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

(۷۳۳) تفسیر مظہری بحوالہ ابن راہویہ ص ۱۵۸ ج ۲

(۷۳۴) حضرت انس بن مالک ﷺ کی والدہ ماجدہ ان کے پہلے شوہر مالک تھے جو حضرت نضر بنؔ انس کے بھائی تھے جن کی شہادت کا تذکرہ گزر چکا ہے۔ حضرت ام سلیم ﷺ مسلمان ہو گئیں ان کے شوہر مالک مسلمان نہیں ہوئے۔ خفا ہو کر گھر سے نکل گئے اور شام کی طرف چلے گئے۔ ان سے نکاح ختم ہو گیا تو ابو طلحہ نے پیغام بھیجا۔ ابو طلحہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ام سلیم ﷺ نے پیغام کا جواب یہ دیا کہ اسلام قبول کرتے ہو تو میں رشتہ بھی منظور کرتی ہوں۔ حضرت ابو طلحہ نے اسلام قبول کر لیا پھر غزوۂ احد میں یہ عظیم الشان خدمت انجام دی کہ خود سپر بن کر آنحضرت ﷺ کی حفاظت کی اور تیر اندازی سے دشمن کو بھگایا۔ (استیعاب)

(۷۳۵) یہ پہلی بات تھی پھر یہ بھی اسلام سے مشرف ہوئیں اور حضرت ابو سفیان وغیرہ خاندان کے افراد بھی اور اب حضرت حق جل مجدہ کی شہادت یہ ہے۔ نزعنا مافی صدورھم من غل اخوانا علی سرر متقابلین سورۂ حجر ع ۴۔ ان کے دلوں میں جو کچھ غصہ اور کینہ تھا وہ ہم نے سب کھینچ لیا۔ قیامت کے دن وہ بھائی بھائی کی طرح آمنے سامنے تختوں پر جلوہ افروز ہوں گے۔

(۷۳۶) سیرۃ ابن ہشام ص ۸۷ ج ۲

(۷۳۷) سیرۃ ابن ہشام ص ۸۵ ج ۲

(۷۳۸) ایک سوال یہ ہو سکتا ہے کہ اگر آنحضرت ﷺ یہ فرما دیتے کہ لاش کو اس طرح چھوڑ دینا حضرت حمزہ کے لئے مخصوص ہے تو یہ سنت نہ مانی جاتی کیونکہ آنحضرت ﷺ کا کوئی فعل اسی وقت سنت مانا جاتا ہے جب اس کے خلاف کوئی تصریح نہ ہو۔ استاد محترم حضرت علامہ محدث مولانا انور شاہ صاحب کشمیری قدس اللہ سرہ العزیز نے اس کی تشریح فرمائی تھی کہ یہ سمجھا جانے لگے گا کہ ہر شہید کا معاملہ قیامت کے روز یہی ہو گا کہ اس کے گوشت کی بوٹیاں اور ہڈیاں درندوں کے پیٹوں اور پرندوں کے پوٹوں سے قیامت کے دن برآمد کی جائیں گی۔ حالانکہ یہ صرف حضرت حمزہ ﷺ

خصوصیت ہوئی پس ایک فکری اور نظریاتی غلطی پیدا ہو جاتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے احتیاط فرمائی۔ حضرت محدث کشمیری ؒ کی اس تشریح سے وہ سوال خودبخود رفع ہو جاتا ہے۔

(۷۳۹) سیرۃ ابن ہشام ص ۸۷ ج ۲

(۷۴۰) ایضاً

(۷۴۱) ایضاً

(۷۴۲) اس طرح کے جذبات تقاضاء فطرت ہیں ایسے جذبات نہ ہوں تو صبر و ضبط اور استقلال و استقامت کی اہمیت ہی ختم ہو جائے ایسے جذبات کا نہ ہونا کمال نہیں ہے۔ کمال یہ ہے کہ یہ جذبات ہوں مگر قابو رہیں اور حکم شریعت اور فرمان خداوندی پر اس طرح عمل ہو جیسے فطری جذبہ پر ہوتا ہے۔ پتھر کی مورتی اگر رقص نہیں کرتی تو اس کا کمال نہیں ہے کمال یہ ہے کہ فطرت رنگین محو طرب ہو اور دست و پا پابند شریعت رہیں اور ان کی جنبش خلاف شریعت نہ ہو۔

(۷۴۳) سیرۃ ابن ہشام ص ۸۷ ج ۲

(۷۴۴) البدایہ و النہایہ ص ۴۳ ج ۴

(۷۴۵) یہ خود ان کا جذبہ بھی تھا اور ایک روایت یہ ہے کہ انہوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ حضرت مبشر بن منذر ؓ جو غزوۂ بدر میں شہید ہوئے تھے وہ فرما رہے ہیں کہ آپ آج کل میں ہمارے پاس پہنچنے والے ہیں (عینی شرح بخاری)

(۷۴۶) بخاری شریف ص ۱۸۰

(۷۴۷) بخاری شریف ص ۱۷۲

(۷۴۸) بدایہ و نہایہ ص ۴۵ ج ۴

(۷۴۹) یعنی تین کپڑے نہ ہوں۔

(۷۵۰) ترمذی شریف میں ہے کہ اس طرح اور شہداء بھی تھے جن کے کپڑے پورے نہیں تھے۔ باب قتلے احدوذکرحمزہ

(۷۵۱) سیرۃ ابن ہشام ص ۷۹ ج ۲

(۷۵۲) ترمذی شریف باب قتلی احدو ذکر حمزہ

(۷۵۳) ایک خاص گھاس جو دنبوں کا چارہ ہوتی ہے چھتوں پر ڈالی جاتی ہے اور سناروں کی بھٹی میں جلائی جاتی ہے وغیرہ

(۷۵۴) بخاری شریف ص ۱۷۰

(۷۵۵) بخاری شریف میں ہے کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یجمع بین الرجلین من قتلی احد فی ثوب واحد ص ۱۷۹۔ یعنی رسول اللہ ﷺ احد کے دو دو شہیدوں کو ایک کپڑے میں جمع کر دیتے تھے علامہ ابن تیمیہ ؒ نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ایک کپڑے (چادر یا تہبند) کے دو ٹکڑے کر دیتے تھے اور بجائے پوری چادر یا تہبند کے اس ٹکڑے سے کفن کا کام لیا کرتے تھے۔ فیض الباری ص ۴۷۷ ج ۲

(۷۵۶) چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اہل مدینہ کے لئے بغلی قبر ہی پسند فرمائی تھی۔ اللحدلنا والشق لغیرنا (صحاح) ہر جگہ کی زمین بغلی قبر کے قابل نہیں ہوتی۔مدینہ کی زمین سخت ہے ' یہاں بغلی قبر بنی چاہئے۔

(۷۵۷) سیرۃ ابن ہشام ص ۸۸ ج ۲

(۷۵۸) بخاری شریف ص ۱۷۹

(۷۵۹) ایضاً ص ۱۷۹

(۷۶۰) سیرۃ ابن ہشام ص ۸۷ ج ۲ ابن سعد ص ۳۰ ج ۳

(۷۶۱) واقعہ یہ ہے جس کو معانی الاثار میں امام طحاوی نے نقل کیا ہے مگر اس کی تعبیریں مختلف ہوئیں۔ حضرت جابر بن عبداللہ ؓ کی روایت امام بخاری ؒ نے نقل کی ہے۔ وامربد فنهم فی دماء هم ولم یغسلوا ولم یصل علیهم (بخاری ص ۱۷۹) آنحضرت ﷺ نے حکم فرمایا کہ ان کو اسی طرح خون میں لتھڑے ہوئے دفن کر دیا جائے ان کو غسل نہیں دیا گیا ان پر نماز بھی نہیں پڑھی گئی (یعنی نہ ایک ایک پر اور نہ جس طرح دو دو دفن کئے گئے تھے اس طرح دو دو پر نماز پڑھی گئی) حضرت انس ؓ کی روایت ابوداؤد نے نقل کی ہے اس میں یہ ہے۔ ان النبی صلی اللہ علیه وسلم مرعلی حمزه وقد مثل به ولم یصل علی احد غیره (باب فی الشهید یغسل جلد دوم) یعنی حضرت حمزہ ؓ کے علاوہ اور کسی کی نماز نہیں پڑھی گئی۔ مطلب یہ ہے کہ حمزہ ؓ کے علاوہ اور کسی کی نماز مستقل طور پر علیحدہ نہیں پڑھی گئی۔ یہ سید الشہداء تھے اصل یہی رکھے گئے اور سب ان کے تابع کئے گئے۔ ابن سعد نے اس کی تعبیر یہ کی کہ حضرت حمزہ ؓ پر ستر نمازیں پڑھی گئیں۔ ابن سعد ص ۳۰ ج ۳ یعنی ستر شہداء میں سے ہر ایک کی نماز میں شریک رہے۔ ابن اسحاق نے ان کی تعداد ۷۲ کر دی۔ صلی علیه اثنین و سبعین صلوة سیرۃ ابن ہشام ص ۸۷ ج ۲

(۷۶۲) مسند احمد۔ عن ابن رفاعة الزرقی عن ابیه۔ والیوم واللیلہ للنسائی بدایہ و نہایہ ص ۳۸ ج ۴

(۷۶۳) اے اللہ تمام حمد تیرے لئے ہے جس کو تو وسعت دے کوئی نہیں جو اس کو سکوڑ سکے اور جس کو تو سکوڑ دے تو کوئی نہیں جو اس کو پھیلا سکے جس کی تو راہ مار دے کوئی نہیں جو اس کی رہنمائی کر سکے اور جس کو تو ہدایت بخش دے اسے کوئی گمراہ نہیں سکتا جس کو تو منع کر دے اس کو کوئی عطا نہیں کر سکتا اور جسے تو عطا فرمائے اسے کوئی روک نہیں کر سکتا جس کو تو دور کر دے اسے کوئی قریب نہیں کر سکتا اور جس کو تو قربت عطا فرمائے اسے کوئی بعید نہیں کر سکتا اے اللہ ہم پر اپنی برکتیں' اپنی رحمت' اپنا فضل اور اپنا رزق پھیلا دے۔ اے اللہ تجھ سے اس دائمی اور پائیدار نعمت کی درخواست کرتا ہوں جس میں نہ کبھی کوئی تبدیلی ہو اور نہ اس کو زوال آئے۔ خداوندا میں فقر و احتیاج کے دن نعمت کی اور خوف کے دن امن کی درخواست تجھ سے کرتا ہوں۔ اے اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ جو نعمتیں تو نے عطا فرمائیں ہیں وہ میرے لئے شر بن جائیں (کہ معاذ اللہ کفران نعمت کرنے لگوں) اور جو نعمتیں تو نے ہم سے روک لی ہیں ان کا کوئی شر ہم تک پہونچے۔ اے اللہ ہمیں ایمان کی پوری پوری محبت عطا فرما اور اس کو ہمارے دلوں میں آراستہ کر دے اور سجا دے اور کفر فسق۔ عصیان (سرکشی اور حکم عدولی) سے ہمارے اندر پوری پوری نفرت بھر دے اور ہمیں نیک کردار بنا دے۔ اے اللہ ہمیں موت دے تو اسلام پر زندہ رکھے تو اسلام پر۔ اے اللہ ہمیں صالحین میں شامل کر دے۔ ہمیں رسوا نہ کر اور ایسا بھی نہ ہو کہ ہم فتنہ میں مبتلا ہو جائیں اور ان کافروں سے مقابلہ کر جو تیرے رسولوں کی تکذیب کرتے ہیں اور تیرے راستہ سے روکتے رہتے ہیں اور ان پر اپنا عتاب اور عذاب نازل فرما۔ اے اللہ اے سچے معبود ان اہل کتاب سے مقابلہ کر جو کافر ہیں۔ اے سچے معبود۔

(۷۶۴) بدایہ و نہایہ ص ۴۵ ج ۳

(۷۶۵) بخاری شریف ص ۱۷۹
(۷۶۶) سیرۃ حلبیہ ص ۲۸۰ ج ۲
(۷۶۷) سیرۃ ابن ہشام ص ۸۸ ج ۲
(۷۶۸) سیرۃ حلبیہ ص ۲۸۰ ج ۲
(۷۶۹) اس صابر خاتون۔ حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا نے عدت گذرنے کے بعد حضرت طلحہ سے نکاح کر لیا انہوں نے ان یتیم بچوں کو اپنے بچوں کی طرح رکھا۔ پھر حضرت طلحہ سے محمد بن طلحہ پیدا ہوئے جو تاریخ اسلام میں خاص شہرت رکھتے ہیں۔ یہ دعاء نبوی ﷺ کی برکت تھی۔ سیرت حلبیہ ص ۲۸۱ ج ۲
(۷۷۰) سیرۃ حلبیہ ص ۲۸۱ ج ۲
(۷۷۱) ابن سعد ص ۳۱ ج ۳ و ابن ہشام ص ۸۸ ج ۲
(۷۷۲) البدایہ والنہایہ ص ۴۸ ج ۴
(۷۷۳) ابن سعد ص ۳۱ ج ۳ و سیرۃ حلبیہ ص ۲۸۱ ج ۲
(۷۷۴) ایضاً حوالہ مذکور
(۷۷۵) سیرۃ ابن ہشام ص ۸۹ ج ۲
(۷۷۶) ابن سعد ص ۳۱ ج ۳
(۷۷۷) یہ ارشاد گرامی بالکل صحیح ثابت ہوا۔ پھر کسی جنگ میں بھی قریش مسلمانوں کو ایسا نقصان نہیں پہنچا سکے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کی کامیابی عطا فرمائی۔
(۷۷۸) ابن سعد ص ۳۳ ج ۳
(۷۷۹) ابن سعد ص ۲۷ ج ۳
(۷۸۰) در منثور ص ۸۹ ج ۲
(۷۸۱) بخاری شریف ص ۶۶۰
(۷۸۲) بخاری شریف ص ۵۸۲
(۷۸۳) التوشیح للجلال السیوطی ؒ
(۷۸۴) سیرۃ حلبیہ ص ۲۵۸ ج ۲
(۷۸۵) سیرۃ حلبیہ ص ۲۵۸ ج ۲
(۷۸۶) سیرۃ حلبیہ ص ۲۵۸ ج ۲
(۷۸۷) بات تلک اللیلتہ علی بابہ ناس من وجوہ الانصار وبات المسلمون یداوو ن جراحاتہم۔
ابن سعد ص ۳۴ ج ۳
(۷۸۸) بخاری شریف ص ۵۸۴
(۷۸۹) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے بھانجہ عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے سامنے اس آیت کی تفسیر بیان کر رہی تھیں جو عنوان بالا میں ہے یعنی الذین استجابوا للہ والرسول انہوں نے اس واقعہ کے بیان کرنے کے بعد

ضمنی طور پر یہ بھی بتا دیا کہ تمہارے والد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور (میرے والد) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی ان میں تھے۔ اس دستہ کے جملہ حضرات کی فہرست بیان کرنی مقصود نہیں تھی اس لئے اور نام بھی بیان نہیں کئے۔ مگر دوسرے علماء حدیث نے یہ نام بھی بیان کئے ہیں۔ عمر، عثمان، علی، عمار بن یاسر، طلحہ، سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمان بن عوف، ابوعبیدہ، حذیفہ ابن مسعود، رضی اللہ عنہم اجمعین۔ فتح الباری ص ۲۹۹ ج ۷

(۷۹۰) بدایہ و نہایہ بروایت موسیٰ بن عقبہ ص ۴۸ ج ۴

(۷۹۱) طبقات ابن سعد ص ۳۴ ج ۳ و ابن ہشام ص ۹۰ ج ۲

(۷۹۲) کل گذشتہ کا تجربہ تھا کہ عبداللہ بن ابی کے ساتھ تین سو آدمی میدان جنگ سے واپس چلے آئے تھے یہ آنحضرت ﷺ کی غیر معولی شفقت اور چشم پوشی ہے کہ کسی پارٹی کا نام لینے کے بجائے ایسے الفاظ میں اعلان فرمایا کہ منافق یا کچے لوگ آگے آہی نہ سکیں۔ چنانچہ عبداللہ بن ابی اور اس جیسے کچھ لوگوں نے اس وقت بھی ساتھ چلنا چاہا۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو اجازت نہیں دی۔ البتہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اجازت چاہی تو ان کو اجازت مرحمت فرما دی۔

(۷۹۳) سیرۃ ابن ہشام ص ۹۰ ج ۲

(۷۹۴) سیرۃ حلبیہ ص ۲۸۴

(۷۹۵) ابن سعد ص ۳۴ ج ۳

(۷۹۶) سیرۃ حلبیہ ص ۲۸۵

(۷۹۷) طبقات ابن سعد ص ۳۴ ج ۳

(۷۹۸) سیرۃ حلبیہ ص ۲۶۴

(۷۹۹) سیرۃ ابن ہشام ص ۹۰ ج ۲

(۸۰۰) ابن سعد ۳۵ ج ۳

(۸۰۱) سیرۃ حلبیہ ص ۲۸۶ ج ۲

(۸۰۲) ابن سعد ص ۳۵ ج ۳

(۸۰۳) سیرت ابن ہشام ص ۹۰ ج ۲ و سیرت حلبیہ ص ۲۸۶ ج ۳

(۸۰۴) بخاری شریف

(۸۰۵) بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں بھی خرید لی ہیں اور ان کا مال بھی اور اس قیمت پر خرید لی ہیں کہ ان کے لئے جنت ہے۔ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ پس مارتے بھی ہیں اور مرتے بھی ہیں۔ سورۂ توبہ

(۸۰۶) قد سارا فی قومھما ومن اطاعھما۔ یدعونھم الی حرب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔ طبقات ابن سعد ص ۳۵ ج ۳

(۸۰۷) سیرۃ حلبیہ ص ۱۸۲ ج ۳ یہ مال غنیمت تقسیم کیا گیا۔ خمس وغیرہ کی ادائیگی کے بعد ہر مجاہد کے حصہ میں سات سات اونٹ آئے

(۸۰۸) طلیحہ کو اپنی بہادری پر ناز تھا اس کا دعویٰ تھا کہ وہ تن تنہا ایک ہزار سواروں کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ مگر اس وقت کسی بہادری کا مظاہرہ نہیں کر سکا۔ پھر مدینہ طیبہ حاضر ہو کر مسلمان ہوا لیکن واپس پہونچ کر کچھ عرصہ بعد نبوت کا

دعویٰ کردیا۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد اس نے کچھ طاقت بھی فراہم کرلی۔ پھر تائب ہو کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کے ساتھ فریضہ حج بھی ادا کیا۔ سیرۃ حلبیہ ص ۱۸۳ ج ۳

(۸۰۹) سیرۃ حلبیہ ص ۱۸۳ ج ۳

(۸۱۰) طبقات ابن سعد میں ہے کہ ہجرت نبویہ (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) سے ۳۵ ماہ بعد یہ سریہ روانہ ہوا تھا۔ یعنی اگرچہ ۴ھ شروع ہو گیا تھا۔ مگر ہجرت چونکہ ربیع الاول میں ہوئی تھی اس لئے ہجرت کو ۳۵ ماہ ہی ہوئے تھے۔

(۸۱۱) سیرت حلبیہ ص ۱۸۴ ج ۳

(۸۱۲) پورا واقعہ طبقات ابن سعد سے ماخوذ ہے۔ (ج ۳)

(۸۱۳) آنحضرت ﷺ نے ایک چھڑی عطا فرمائی اور ارشاد فرمایا۔ جنت میں اس چھڑی سے ٹیک لگا لینا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس چھڑی کو محفوظ رکھا اور مرنے کے وقت وصیت کر دی کہ میرے کفن کے اندر رکھنا۔ (بدن سے لگا کر) آپ کے وارثوں نے وصیت کی تکمیل کی۔ طبقات ابن سعد جلد سوم ص ۳۵ و ۳۶

(۸۱۴) طبقات ابن سعد ص ۳۶ ج ۳

(۸۱۵) بخاری شریف ص ۵۸۶

(۸۱۶) بخاری شریف ص ۵۸۶

(۸۱۷) الاصابہ ذکر عمرو بن طفیل

(۸۱۸) نیزوں سے کھیل کرنے والا۔ یہ خطاب اس کو دراء بن عمر نے دیا تھا جو ایک قبیلہ کا سردار اور اس کا حریف تھا۔ ایک موقع پر دراء نے اپنے بیٹے کو اشارہ کیا کہ وہ عامر بن مالک کو قتل کر دے۔ اس نے عامر پر نیزہ سے حملہ کیا۔ عامر گھوڑے پر سوار تھا اس نے ایسا پینترا بدلا کہ وار خالی گیا۔ دوبارہ حملہ کیا تب بھی پینترا بدل کر حملہ کو ناکام بنا دیا۔ تب دراء نے کہا یلاعب الاسنتہ یہ تو نیزوں سے کھیل کرتا ہے۔ اسی واقعہ کی بنا پر یہ خطاب مشہور ہوگیا (الاصابہ ذکر عامر بن الطفیل)

(۸۱۹) سیرۃ ابن ہشام

(۸۲۰) ابو عامر کی آمد اور اس کی درخواست کی جو تفصیل پیش کی ہے وہ بخاری شریف۔ سیرۃ ابن ہشام۔ طبقات ابن سعد اور زادالمعاد وغیرہ سے ماخوذ ہے۔ راوی حضرات نے یہ تفصیل اس ترتیب سے نہیں پیش کی مختلف اجزاء بیان کر دیئے ہیں مثلاً دعوت اسلام پیش کرنے کا تذکرہ سیرۃ ابن ہشام اور طبقات ابن سعد میں ہے امام بخاری رحمہ اللہ نے متعدد سندوں سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے اس میں تصریح ہے کہ رعل، ذکوان اور عصیہ وغیرہ نے مدد طلب کی تھی۔ ص ۵۸۶۔ یہ بھی تصریح ہے کہ یہ قبائل آنحضرت ﷺ سے معاہدہ کئے ہوئے تھے ص ۵۸۸۔ ابن سعد نے بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے اس میں یہ بھی تصریح ہے کہ ان قبائل کے نمائندے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ص ۳۸ ج ۳

(۸۲۱) بخاری شریف ص ۵۸۶

(۸۲۲) طبقات ابن سعد ص ۳۸ ج ۳

(۸۲۳) بخاری شریف ص ۵۸۶

(۸۲۴) سیرۃ ابن ہشام ج ۲ و بخاری شریف

(۸۲۵) اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

(۸۲۶) یہ وہی قبیلہ مضر ہے جس کی شکایت بحرین کے وفد نے کی تھی (جو وفد عبدالقیس کے نام سے مشہور ہے، قبیلہ مضر آڑے آتا ہے اور وہ ہمیں مدینہ آنے کا راستہ نہیں دیتا عجیب بات ہے کہ حضرت عمرو بن امیہ کے مسلم ہونے کے سبب سے خود قبیلہ مضر ان کا دشمن ہے لیکن عامر بن طفیل اسی رشتہ کی بنا پر حضرت عمرو بن امیہ کو آزاد کر رہا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ

جس کو خدا رکھے اسے کون چکھے

(۸۲۷) بخاری شریف و سیرت ابن ہشام ج ۲ و طبقات ابن سعد ج ۳

(۸۲۸) بخاری شریف ص ۵۸۶

(۸۲۹) بخاری شریف ص ۹۴۶ و ص ۴۱۱ وغیرہ

(۸۳۰) بخاری شریف ص ۵۸۷

(۸۳۱) فتح الباری ص ۳۱۲ ج ۷

(۸۳۲) بخاری شریف ص ۵۸۷

(۸۳۳) طبقات ابن سعد و سیرت ابن ہشام

(۸۳۴) سیرت ابن ہشام میں صرف چھ کی تعداد بیان کی گئی ہے لیکن موسی بن عقبہ اور ابن سعد نے تعداد ۱۰ بیان کی ہے جیسا کہ بخاری شریف میں ہے ان دس میں سے تین۳ کے نام نہیں بیان کئے۔ حافظ ابن حجرؒ کا خیال یہ ہے کہ باقی تین لوگ تابع کی حیثیت سے تھے اس لئے مورخین نے ان کے نام نہیں گنائے۔ فتح الباری ص ۳۰۴ ج ۷

(۸۳۵) بخاری شریف ۵۱

(۸۳۶) بعض روایتوں میں صرف اسی کا تذکرہ ہے کہ ان کو مکہ کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ مگر بظاہر یہ دونوں کام ان کے سپرد تھے (واللہ اعلم)

(۸۳۷) اسی کے قریب رجیع مقام بھی تھا۔ اسی بنا پر اس سریہ کو سریتہ الرجیع کہا جاتا ہے۔

(۸۳۸) فقالوا لهم انا والله مانريد قتلكم ولكنا نريد ان نصيب بكم شيا من اهل مكه ابن ہشام، ابن سعد

(۸۳۹) بخاری شریف ص ۵۸۷

(۸۴۰) اشہر حرم یعنی قابل احترام مہینے رجب۔ ذی قعدہ۔ ذی الحجہ۔ اور محرم۔ یہ چار ہوتے تھے جن میں قتل و خونریزی اور جنگ وغیرہ سے اجتناب کیا کرتے تھے۔

(۸۴۱) سیرت ابن ہشام وغیرہ

(۸۴۲) سیرۃ ابن ہشام

(۸۴۳) سیرۃ ابن ہشام ص ۱۳۲ ج ۲

(۸۴۴) طبقات ابن سعد ص ۴۰ ج ۳

لدلالة لام التوطية فی لان اخر جنہ لنخرجن معکم علی القسم کما ھو معروف

(...) ابن سعد و سیرۃ حلبیہ۔

(...) آنحضرت ﷺ کا ہر ایک فعل اور ہر ایک قول قانون کی دفعہ سمجھا جاتا ہے اور حضرات ائمہ مجتہدین اس پر اسی ...ح بحث کرتے ہیں جیسے وضع قانون کے وقت کسی دفعہ پر بحث کی جاتی ہے اور اس سے نتائج اخذ کئے جاتے ہیں ...نچہ اس واقعہ میں آنحضرت ﷺ کے عمل سے جو اشارات ملے ان کی بنا پر امام ابو حنیفہ کا مسلک تو یہ ہے کہ تخریب ... باغات یا کھیت پامال کر دینا درخت کٹوا دینا یا مکانات منہدم کر دینا بلا ضرورت جائز نہیں ہے۔ البتہ فتح اور کامیابی ...ل کرنے کے مقصد سے یہ تخریب جائز ہے۔ امام احمد بن جنبل رحمہ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر دشمن نے ...ے علاقہ میں اس طرح تخریب کی ہو تب جائز ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تخریب کو مطلقاً جائز قرار دیتے ہیں البتہ ...ر دشمن ایسا کمزور ہو کہ کامیابی یقینی ہو تو یہ تخریب جائز نہیں ہے تفسیر مظہری ص ۲۳۶ ج ۹

(۸۸...) سیرت حلبیہ ص ۲۹۴ ج ۲

(۸۸...) ترجمہ۔ جو کھجوروں کے درخت تم نے کاٹ ڈالے یا ان کو ان کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا سو یہ خدا کے حکم ...ے موافق ہوا اور اس لئے کہ فاسقوں اور بدکاروں کو ذلیل کرے۔

(۸۸...) سیرت حلبیہ ص ۲۹۴ ج ۲

(۸۸...) قال قتادہ کان المسلمون یخربون ما یلیھم من ظاہر باویخربھا الیھود من باطنھا(تفسیر ...ن جریر)

(۸...) تفسیر در منثور

(...) حلقہ بسکون اللام السلاح عاما" و قیل الدروع خاصتہ" مجمع البحار

(۸...) ابن سعد ج ۳ ص ۴۰ و تفسیر ابن جریر وغیرہا

(۸...) سیرت حلبیہ ۲۹۴ ج ۲

(۸...) سیرت حلبیہ ص ۲۹۵ ج ۲ وطبری

(۸...) سیرت ابن ہشام حسن اسلامہ و ھو من کبار الصحابۃ (الاستیعاب)

(...) یہ ایک مشہور حدیث کے راوی بھی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے آبپاشی کے بارے میں یہ فیصلہ فرمایا تھا کہ اوپر ...یروالا (کھیت یا باغ والا) نہر کے پانی کو اس وقت تک روک سکتا ہے کہ اس کے باغ (یا کھیت) میں ٹخنوں تک پانی ...ئے الاستیعاب ص ۳۱/۳۲/۷۱۳ ان یحبس الا علی الاسفل حتی یبلغ الماء الی الکعبین ثم یرسل ...یعاب ص ۷۱۳ ۳۱۳۲

(...) ابن ہشام و سیرت حلبیہ وغیرہا

(...) بالغ ہو گئے تھے کیونکہ نابالغ بچہ ماں باپ اور دار کے تابع ہوتا ہے۔ محمد میاں

ابو داؤد شریف کتاب الجہاد باب فی الاسیر یکرہ علی الاسلام

...سیرۃ حلبیہ ص ۲۹۳ ج ۲

...ماخوذ از بخاری شریف باب حدیث بنی نضیر و فتح الباری و سیرت ابن ہشام۔

(۹۰۲) طبقات ابن سعد ص ۴۰ ج ۳

(۹۰۳) ہم یعنی جماعت انبیاء کی وراثت نہیں چلتی جو ہم چھوڑ دیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔

(۹۰۴) بخاری شریف ص ۸۰۶ وغیرہ

(۹۰۵) طبقات ابن سعد ص ۴۲ ج ۳ و ابو داؤد باب فی صفایا النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ و آلہ وسلم

(۹۰۶) المتفق علیہ اللفظ لابی داؤد باب فی ارزاق الذریۃ

(۹۰۷) جو شخص مال چھوڑے وہ اس کے وارثوں کا اور جو اپنے ذمہ قرض چھوڑے یا بے زر و بے پر بچے چھوڑے جن کا کوئی سہارا نہ ہو وہ میرے حوالے ہے اور میرے ذمہ ہے۔

(۹۰۸) کفار عرب کا بھی یہی دستور تھا کہ قربانی کے جانوروں کے گلے میں ناشتہ دان یا خانہ ساز ہار یا نعل لٹکا دیا کرتے تھے۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا تھا کہ ایسے جانوروں پر چور یا ڈاکو ہاتھ نہیں ڈالتے تھے۔

(۹۰۹) یہ قبیلہ خزاعہ کے ایک صاحب تھے۔ مسلمان ہو چکے تھے۔ مگر ان کے اسلام لانے کا حال کفار قریش کو ابھی تک معلوم نہیں ہوا تھا۔

(۹۱۰) سیرۃ ابن ہشام

(۹۱۱) ارشاد ربانی ہے۔ انا فتحنا لک فتحاً مبیناً (سورہ فتح) بیشک ہم نے تم کو فتح دی ہے فتح مبین (کھلی ہوئی کامیابی) اور واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی وہ مٹھی بھر جماعت جو آج تک قریش کی نظر میں مقہور و مغضوب تھی، جس کے لئے ان کا ایک ہی فیصلہ تھا کہ صفحہ ہستی سے اس کو نیست و نابود کر دیا جائے جس کو قابل التفات طاقت تصور کرنا وہ اپنی شکست تصور کرتے تھے۔ اس کے ساتھ صلح کرنے کے یہ معنی تھے کہ قریش اس کو ایک طاقت تسلیم کر رہے ہیں۔ یعنی وہ قریش جن کا فیصلہ اب تک یہ تھا کہ مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے، اب وہ اس فیصلہ کو واپس لے کر اپنے عزائم اور اپنے تمام منصوبوں کی شکست کا اعتراف کر رہے ہیں۔ تم غور کرو ایک پاافتادہ کمزور جماعت کی ایجی ٹیشن کے نتیجہ میں جب ایک قہار و جبار حکومت اس احتجاج کرنے والی جماعت کے نمائندوں سے گفت و شنید کرتی ہے تو یہ اس کمزور جماعت کی بہت بڑی کامیابی اور حکومت متسلطہ کے قشون قاہرہ کی ناکامی تصور کی جایا کرتی ہے اس موقع پر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وہ مشہور روایت بھی نقل کی ہے جس میں اس آیت کی شان نزول بیان کیا گیا ہے روایت کا ترجمہ یہ ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین مرتبہ ایک بات دریافت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میرے دل میں اس کا احساس ہوا میں خود کو ملامت کرنے لگا کہ کس قدر بدنصیبی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر مبارک پر یہ بار ڈالا کہ ایسی بات جس کا آپ جواب دینا نہیں چاہتے تھے اس کو بار بار دریافت کیا۔ یہ احساس اتنا بڑھا کہ میں نے اپنی اونٹنی کو تیز کیا اور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے ہٹ کر سب کے آگے پہونچ گیا اور اب مجھے یہ فکر تھی کہ میرے بارہ میں کوئی آیت نازل ہو گی جس میں مجھے اس حرکت پر ملامت کی جائے گی۔ میں اسی تشویش میں تھا کہ دفعتہ مجھ کو آواز دی گئی۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور دل دل میں ڈر رہا تھا کہ میری اس گستاخی کی سرزنش کے لئے کوئی آیت نازل ہوئی ہے۔ جب میں خدمت مبارک میں پہنچ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج ایک ایسی سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے دنیا اور مافیہا سے زیادہ محبوب

ہے پھر آپ ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمائی ان فتحنا لک فتحا" مبینا" ہم نے تم کو فتح عطا کی ہے ایسی فتح جو کھلی ہوئی فتح ہے ازالتہ الخفاء ص ۲۳۶ ج ا

(۹۱۲) **سلسلہ بیعت** حضرت ابراہیم بن محمد بن المنتشر فرماتے ہیں بیعت کا سلسلہ اسی آیت کے نزول سے شروع ہوا۔ چنانچہ پہلی بیعت اسی موقع پر لی گئی۔ یہ بیعت خدا کے لئے ہوئی تھی یعنی ہر ایک بیعت کرنے والا اپنے نفس کو خدا کے سپرد کرتا تھا اور اس کا عہد کرتا تھا کہ وہ بہر حال "حق" کی اطاعت کرے گا خواہ کوئی قربانی پیش کرنی پڑے۔ اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے بیعت لی آپ بیعت کے وقت فرماتے تھے "میری اطاعت اس وقت تک ہو گی جب تک میں خود اللہ تعالیٰ کا مطیع رہوں۔ اگر میں (معاذ اللہ) نافرمانی کروں تو پھر کوئی اطاعت نہیں"

حضرت عمرؓ بیعت کے وقت فرمایا کرتے تھے۔ بیعت خدا کی اور اطاعت حق کی --- انہیں الفاظ کے ساتھ حضرت عثمان ؓ بھی بیعت لیا کرتے تھے۔

وقت بیعت حضرت سلمہ بن الاکوع ؓ بیان کرتے ہیں کہ دوپہر کا وقت تھا اور ہم کچھ آرام کرنے لگے تھے کہ دفعتہ رسول اللہ ﷺ کے اعلانچی نے اعلان کیا۔ ایھا الناس البیعۃ نزل روح القدس اے لوگو! آؤ بیعت کرو۔ روح القدس (حضرت جبرئیل علیہ اسلام) نازل ہوئے ہیں۔ ہم فورا ہڑبڑا کر اٹھے اور رسالتماب جناب ﷺ کے حضور میں حاضر ہوئے آپ ایک درخت کے نیچے تشریف فرما تھے یہیں بیعت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

(۹۱۳) حضرت نافع ؓ کی روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق ؓ عنہ کو معلوم ہوا کہ لوگ اس درخت کی زیارت کے لئے جاتے ہیں تو آپ نے اسے کٹوا دیا۔

(۹۱۴) ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں جس طرح کھل کر حضرت عمرؓ نے کفار مکہ کی مخالفت کی تھی اس کی تفصیلات کتب تاریخ و سیرت میں بکثرت موجود ہیں۔ پھر ہجرت کے بعد جب غزوہ بدر میں قریش کے ستر آدمی گرفتار ہوئے تب بھی حضرت عمرؓ کی رائے سب سے زیادہ سخت تھی۔ آپ ؓ کی رائے یہ تھی کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے یہ روایت کتب حدیث و تاریخ میں تفصیل سے موجود ہے۔

(۹۱۵) یعنی وہ تمام غنیمتیں (جو صحابہ کرام کے بعد) آج تک حاصل ہوئیں (ابن عباس ؓ) فارس و روم (عبدالرحمن بن ابی یعلی ؓ) فتح فارس (عطیہ) اوقات کا علم نہیں۔ (حضرت علی ؓ و حضرت ابن عباس ؓ)

(۹۱۶) یعنی فیصلہ کر دیا ہے کہ وہ تمہیں ملیں گی (حضرت علی ؓ و حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما)

(۹۱۷) حضرت ابن جریج فرماتے ہیں سنتہ اللہ زمانہ سابق میں یہ رہی ہے کہ جب کوئی دشمن خدا کسی نبی کے مقابلہ میں صف آرا ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی گرفت میں لے کر ختم کر دیا۔ یا اتنا مرعوب کر دیا کہ اس کو فرار ہونا پڑا۔ چنانچہ فتح خیبر کے موقع پر بھی ایسا ہی ہوا۔ جنگجو قبائل کے بہادر سپاہی مرعوب ہو کر فرار ہو گئے اور ان کے فرار کی جس جس قبیلہ کو خبر ہوئی وہ اپنی جگہ پر پست ہو گئے ان کی ہمتیں ٹوٹ گئیں۔

حضرت ابوالاسود دیلمی ؓ فرماتے ہیں کہ حضرت زبیر بن العوام ؓ جب بصرہ تشریف لائے تو آپ بیت المال میں تشریف لے گئے دیکھا کہ وہ سنہرے اور سفید سکوں سے پٹا پڑا ہے تو آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وعدکم اللہ مغانم کثیرہ الخ (اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے) حضرت علی ؓ وبن عباس رضی اللہ عنہما دونوں سے ایک روایت ہے جس میں مغانم کثیرہ کا مصداق وہ تمام غنیمتیں اور فتوحات قرار دی گئی ہیں جو فتح خیبر

کے بعد سے اب تک ہوئی ہیں اور کف ایدی الناس لوگوں کے ہاتھوں کو روکا اس طرح کہ قریش نے صلح کر لی اور اخری لم تقدروا علیھا یعنی ان کے اوقات کا علم نہیں

(۹۱۸) بعض روایتوں میں یا رب کے بجائے لاھم ہے یہ اللھم کا مخفف ہوتا ہے

(۹۱۹) یہ معاہدہ آنحضرت ﷺ کے دادا عبدالمطلب اور ترانہ پڑھنے والوں کے آباء کے درمیان ہوا تھا (حسن الصحابہ فی شرح اشعار الصحابہ ص ۳۱۷ بحوالہ سیرۃ المصطفٰے ۵۲ ج ۳)

(۹۲۰) یقول قلنا و قد اسلمنا (ابن ہشام ص ۲۶۲ ج ۲)

(۹۲۱) سیرۃ ابن ہشام ص ۲۶۰ ج ۲

(۹۲۲) ایضاً

(۹۲۳) فتح الباری ص ۴ ج ۸۔

(۹۲۴) سیرۃ ابن ہشام وغیرہ

(۹۲۵) جس خوبی کے ساتھ مکہ معظمہ پر قبضہ کیا گیا کہ حرم مکہ میں خونریزی نہیں ہوئی' قریش نے اپنے آپ کو بے بس پایا اور وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہوئے (جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے) یہ اسی راز داری کی صورت میں ہو سکا یہ کوئی دھوکا نہیں تھا بلکہ خلق خدا پر شفقت خصوصاً قریش کی خیر خواہی اور حرم مکہ کے احترام کے لئے بہت ہی ضروری منصوبہ تھا جو پوری طرح کامیاب رہا۔

(۹۲۶) مجمع البحار

(۹۲۷) جھلکہ کیا تھی دھمکیاں تھیں۔ یا معشر قریش فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاء کم بجیش کاللیل یسیر کالسیل فواللہ لو جاء کم وحدہ لنصرہ وانجزلہ وعدہ فانظر والا نفسکم والسلام فتح الباری ص ۴۲۰ ج ۷ البدایہ والنہایہ ص ۲۸۴ ج ۲ اے گروہ قریش رسول اللہ ﷺ تم پر ایک لشکر لے کر پہنچ رہے ہیں سمجھو کہ پہنچ چکے ہیں۔ لشکر جیسے (بربادی اور ہلاکت) کی شب تاریک سیلاب کی طرح' رواں دواں خدا کی قسم اگر رسول اللہ ﷺ تم پر تنہا ٹوٹ پڑیں تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے اور فتح و کامرانی کے وعدہ کو پورا فرمائے اب تم خود اپنا انجام سوچ لو۔

(۹۲۸) بخاری شریف تفسیر سورہ ممتحنہ و باب فضل من شھد بدرا

(۹۲۹) حضرات علماء نے فرمایا یہ عمومی اباحت نہیں ہے کہ ہر جائز و ناجائز ان کے لئے جائز ہو گیا جو چاہیں کریں (معاذ اللہ) بلکہ یہ نشاندہی ہے ان کی قلبی کیفیت کی کہ ان کے قلوب کفر و فسق اور نفاق و شقاق سے پاک ہو چکے ہیں اب ان سے اگر کوئی گناہ سرزد ہو بھی جائے تو فسق و فجور یا کفر و نفاق کا کوئی جذبہ اس کا محرک نہیں ہو گا بلکہ وہ کسی ایسی کمزوری کے باعث ہو گا جو تقاضاء بشریت ہے اور اس بناء پر معافی اور درگزر کے قابل ہو گا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں صراحت فرما دی والزمھم کلمۃ التقوی و کانوا احق بھاوا ھلھا۔ (آیت ۲۶ سورہ فتح)۔ (اور جما دیا ان کو تقوی کی بات پر چسپاں کر دیا ان پر تقوی کا عنوان زریں اور وہ اس کے سب سے زیادہ مستحق ہیں) اور ارشاد فرمایا وحبب الیکم الایمان۔ تا۔ والعصیان (آیت ۸ سورہ حجرات) (اللہ تعالیٰ نے تم کو صحابہ کرام کو محبت ایمان سے لبریز کر دیا اور ایمان کو تمہارے دلوں میں سجا دیا اور کفر و فسق و عصیان سے تمہارے

اندر سخت نفرت اور کراہیت پیدا کر دی (آیت ۷ و ۸ سورہ حجرات) تو اب اگر ان سے ان کی شان کے خلاف کوئی فعل سرزد ہو گا تو صرف تبقاضائے بشریت ایک لغزش ہو گی یہ نہیں ہو گا کہ حکم عدولی کا کوئی جذبہ اس کے تحت میں کام کر رہا ہو۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ جو عالم مافی الصدور ہیں ایسے گناہ سے پہلے ہی درگذر فرما چکے ہیں۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا جواب ملاحظہ فرمائیے گویا اسی آیت کو سامنے رکھ کر جواب دے رہے ہیں

(۹۳۰) بخاری شریف فضل من شهد بدراً

(۹۳۱) بروز دوشنبہ ۲۲ دسمبر ۶۲۹ء (تقویم اسلامی)

(۹۳۲) بیعت عقبہ جو انتہائی راز داری کے ساتھ ہوئی حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس وقت موجود تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں حضرات انصار کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خاندان میں معزز اور محترم ہیں ہم ہمیشہ دشمنوں کے مقابلہ میں سینہ سپر رہے ہیں' اب بھی ان کی حفاظت سے اکتائے نہیں ہیں تم بھی اگر سر ہتھیلی پر رکھ کر ان کی مدد کر سکو تو ساتھ لے جاؤ ورنہ ابھی جواب دے دو۔

(۹۳۳) تاکہ عوام میں ہیجان نہ ہو۔

(۹۳۴) زادالمعاد ص ۴۲۲

(۹۳۵) اسی مہینہ میں غزوہ طائف ہوا تو ابو سفیان رضی اللہ عنہ مجاہدین اسلام میں داخل تھے جہاد میں شریک ہوتے ایک آنکھ زخمی ہوئی۔ پھر غزوہ یرموک میں اس آنکھ پر ضرب آئی غزوہ یرموک میں آپ مسلمانوں کو جہاد پر آمادہ کر رہے تھے ان کی تقریر کے یہ چند جملے کس قدر ایمان افروز ہیں اللّٰہ اللّٰہ عباداللّٰہ انصر واللّٰہ ینصر کم اللهم هذا یوم من ایا مک اللهم انصر عبادک۔ مسلمانو ! خدا سے ڈرو اے اللہ کے بندو اللہ کی مدد کرو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔۔ اے اللہ یہ ایک خاص معرکہ کا دن ہے یہ فیصلہ کن معرکوں میں سے ایک معرکہ ہے اے اللہ اپنے بندوں کی مدد فرما سیرۃ حلبیہ ص ۱۲۹ ج ۳ اس کے علاوہ خود حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے دربار ہرقل کے واقعہ کو بیان کرتے ہوئے اعتراف کیا ہے کہ اس وقت دل میں کراہیت تھی پھر اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام کو داخل کر دیا۔ بخاری شریف ص ۴۱۳

(۹۳۶) زادالمعاد ص ۴۲۲ والبدایۃ والنہایۃ ص ۲۹۰ ج ۴

(۹۳۷) یہ بھی روایت ہے کہ حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء بھی مکہ والوں کو آگاہ کرنے کے بعد یہاں پہنچ گئے تھے۔

(۹۳۸) چنانچہ بیر معونہ کے حادثہ میں جب حضرت حرام بن ملحان کے نیزہ لگا اور آپ گرنے لگے تو آپ نے نعرہ لگایا۔فزت ورب الکعبہ رب ا لکعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا یعنی راہ خدا میں قربان ہونا جو مقصد تھا وہ حاصل ہو گیا۔

(۹۳۹) خانہ کعبہ کا احترام اسلام میں بھی بنیادی حیثیت رکھتا ہے مگر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پیش نظر موجودہ کعبہ تھا جو کعبہ نہیں بلکہ صنم خانہ تھا جہاں تین سو ساٹھ بت تھے جن کی قریش پوجا کیا کرتے تھے اس کو پامال کرنا ہر ایک توحید پرست کا جذبہ تھا مگر چونکہ اس سے اشتعال پیدا ہوتا تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منصوبہ کے خلاف تھا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فقرہ کو ناپسند فرمایا اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی تادیب کی۔

(۹۴۰) رمضان شریف میں قریش نیا غلاف چڑھایا کرتے تھے ارشاد گرامی کا اشارہ یہ ہے کعبہ کی عظمت بڑھ چڑھ کر ہو

گی۔ حسب دستور اس پر غلاف چڑھایا جائے گا اور اس سال یہ خدمت مسلمان انجام دیں گے (فتح الباری) اور تاریخ سابق کی طرف اشارہ ہو کہ تبع یمن مکہ پر حملہ کرنے کے لئے آیا تھا مگر کچھ دانش وروں کے سمجھانے متاثر ہوا کہ حملہ کرنے کے بجائے مکہ معظمہ میں عقیدت مندوں کی طرح داخل ہوا۔ خانہ کعبہ کو منہدم بجائے اس پر غلاف چڑھایا اور اس وقت سے غلاف چڑھانے کا طریقہ رائج ہوا۔ (واللہ اعلم)

(۹۴۱) اس واقعہ سے جس طرح نظام کی مضبوطی اور آنحضرت ﷺ کی جرات مندانہ سیاست کا پتہ چلتا ہے' سا غیر معمولی شفقت کا اندازہ ہوتا ہے کہ تادیب ہم آغوش دلداری ہے (ﷺ)

(۹۴۲) فتح الباری ص ۸ ج ۸

(۹۴۳) فتح الباری ص ۸ ج ۸

(۹۴۴) سیرۃ حلبیہ ص ۹۶ ج ۳

(۹۴۵) بخاری شریف ص ۴۷۳ مسلم شریف وبدایتہ و نہایہ ص ۳۰۰ ج ۴

(۹۴۶) اس سے نماز چاشت کا استحباب بھی ثابت ہوتا ہے اور نماز فتح کا بھی حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ مدائن کے بعد ایوان کسریٰ میں داخل ہو کر آٹھ رکعتیں پڑھی تھیں۔ البدایہ والنہایہ ص ۳۰۰ ج ۱

(۹۴۷) بخاری شریف ص ۴۷۳ مسلم شریف و البدایتہ والنہایہ ص ۳۰۰ ج ۴

(۹۴۸) زاد المعاد ص ۴۲۴ ج ۱

(۹۴۹) البدایتہ والنہایہ ص ۳۰۱ ج ۲

(۹۵۰) یاد رکھنا چاہئے کہ اس خطبہ عالیہ کا پس منظر وہ واقعات ہیں جو اس لشکر کشی کا سبب بنے تھے۔ بنو بکر میں عرصہ دراز سے قصاص اور قصاص در قصاص کا سلسلہ چلا آ رہا تھا' اسی طویل سلسلہ کی کڑی اس وقت کا یہ کہ بنو بکر نے بنو خزاعہ پر حملہ کیا' پھر ایک تصور یہ تھا کہ قبائل کے درجات میں بڑے درجہ کے قبیلہ کا کوئی جاتا تو اس کے قصاص میں چھوٹے قبیلہ کے کئی کئی آدمی قتل کیے جاتے اسی طرح خون بہا میں بھی فرق ہوتا تھا' بکر کے حامیوں میں بنو الاسود ابن رزن تھے' بنوالاسود کا کوئی آدمی مارا جاتا تو اس کا خون بہا دوچند ہوتا تھا۔ اس آنحضرت ﷺ نے ماضی کے ان تمام فتنہ انگیز سلسلوں کو ختم کر دیا۔ یعنی ماضی میں جو بھی قتل ہوا اب اس کا نہیں کیا جائے گا۔ اس طرح آپ نے خود اپنے حلیف بنو خزاعہ کو ٹھنڈا کر دیا کہ وہ اب بنو بکر سے ان مظالم کا یا قصاص نہیں مانگ سکیں گے جو حال ہی میں کیے تھے جب بنو بکر نے بنو خزاعہ پر شبخون مارا تھا۔

(۹۵۱) ارشاد گرامی کا منشایہ ہے کہ قتل کی تو قسمیں ہوں گی مثلا ایک قسم قتل خطا ہے جیسے کسی انسان کو شکا سمجھا اور اس پر تیر چلا دیا جس سے وہ مر گیا۔ یا کسی بے دھار چیز سے جیسے لاٹھی یا کوڑا کسی کو اتنا مارا کہ وہ مر "شبہ عمد" کہا جاتا ہے۔ اس طرح کی نوعیت کی بنا پر قتل کے احکام علیحدہ علیحدہ ہوں گے ان کی سزائیں علیحدہ ہوں گی' مگر یہ احکام سب کے لیے یکساں ہوں گے۔ مثلا مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں دیت مغلظہ لازم سب کے لیے یکساں ہوگی کسی کے لیے دوگنی یا تین گنی نہیں ہوگی۔ خواہ کوئی چھوٹا ہو یا بڑا کالا ہو یا گورا۔

(۹۵۲) البدایۃ والنہایۃ ص ۳۰۱ ج ۴

) ایضاً ص ۳۰۴ ج ۴

) (روض الانف ص ۲۷۶ ج ۲ (بحوالہ سیرۃ المصطفٰے)

ص ۳۰۶' ۳۰۷ ج ۴ البدایتہ و النہایتہ

البدایۃ والنہایۃ ص ۳۲۲ ج ۴

) عجیب بات یہ ہے اس قیاس کی تائید آنحضرت ﷺ کے ایک ارشاد سے ہوئی ہے جس کے الفاظ بھی یہی ہیں
لب اثنا عشر الفامن قلة ترمذی شریف باب السرایا یعنی بارہ ہزار تعداد کی کمی کی وجہ سے مغلوب نہیں ہو سکتے

ۃ والنہایۃ ص ۳۳۲ ج ۴

چنانچہ جس طرح غزوہ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹی کی ایک مٹھی اٹھا کر پھینکی جس کا گرد ہر
ثمن کی آنکھ میں پہنچا اسی طرح جنگ حنین میں بھی آپ ﷺ نے ایک مشت خاک اٹھا کر "شاہت الوجوہ" فرماتے
پھینکی جس سے دشمن فوج کے ہر فرد کا چہرہ اور اس کی آنکھیں گرد آلود ہو گئیں اور وہ بھاگنے پر مجبور ہوا

سیرۃ ابن ہشام وغیرہ

سیرۃ ابن ہشام ص ۲۹۲ ج ۱

بخاری شریف ص ۶۱۷

جب آنحضرت ﷺ خواجہ عبدالمطلب کی کفالت میں تھے تو اگرچہ ابھی سن مبارک چھ سات سال تھا مگر پیشانی پر
ظمت نمایاں تھے' خواجہ المطلب کہا کرتے تھے میرا یہ بچہ بڑی عظمت کا مالک ہو گا۔ خواجہ عبدالمطلب کی یہ
قریش اور قریش سے تعلق رکھنے والے قبائل میں مشہور تھی اس موقع پر ان قبائل کو یہی پیشینگوئی یاد دلائی جا
۔ واللہ اعلم بالصواب

عبدالمطلب کے سب سے بڑے بیٹے حارث (آنحضرت ﷺ کے عم بزرگ) کے بیٹے تھے پہلے سخت مخالف تھے
تقریباً" ایک ماہ پہلے مسلمان ہوئے تھے جب آنحضرت ﷺ فتح مکہ کے لیے مدینہ سے روانہ ہوئے تو یہ مکہ سے
مسلمان ہونے کے لیے روانہ ہوئے تھے۔ راستہ میں آنحضرت ﷺ کی زیارت ہوئی اور مشرف با سلام ہوئے
م وغیرہ)

ابن ہشام وغیرہ

ابن اسحاق بحوالہ البدایہ و النہایہ ص ۳۴۷ ج ۴

واقدی کی روایت ہے کہ حضرت سلمان فارسی ؓ نے منجنیق کا مشورہ دیا تھا اور خود بنایا تھا یا خیبر یا کسی اور مقام
کیا تھا۔ حضرت سلمان ؓ نے اس کو درست کیا تھا بدایہ و نہایتہ۔ص ۳۴۸ ج ۴ سیرۃ حلبیہ ۱۳۳ ج ۳ ابن
یان ہے کہ اہل طائف نے بھی یہ آلات فراہم کر لیے تھے اور عروہ بن مسعود اور غیلان بن سلمہ نے "جرش"
کے بنانے اور چلانے کی تعلیم حاصل کی تھی ص ۳۱۲ ج ۲ جرش یمن کا ایک مرکزی شہر تھا (معجم البلدان)

یرۃ حلبیہ ص ۱۳۲

سیرت حلبیہ ص ۱۳۲ ج ۳

یرۃ ابن ہشام ص ۳۱۴ ج ۲

(۹۷۰) بکرہ' چرخی کو کہتے ہیں یہ چونکہ چرخی کے سہارے اتر کر آئے تھے اس لیے ان کا نام ابوبکرہ پڑ گیا اصل حارث بن کلدۃ تھا (حلبیہ ۱۳۲ ج ۳)

(۹۷۱) بخاری شریف ص ۶۱۹

(۹۷۲) ابن اسحاق بدایہ و نہایہ ص ۳۵۰ ج ۴

(۹۷۳) ایک تجربہ کار صاحب الرائے تھے ساٹھ سال کی عمر میں مسلمان ہوئے مسلمان ہونے کے بعد بھی ساٹھ سال پائی یزید کے زمانہ خلافت میں تقریباً" ایک سو بیس سال کی عمر میں وفات ہوئی (الاستیعاب)

(۹۷۴) واقدی بحوالہ بدایہ و نہایہ ص ۳۵۰ ج ۴

(۹۷۵) ابن ہشام ۳۱۷ ج ۲

(۹۷۶) یہ وہی عروہ بن مسعود ہیں جن کی عظمت قریش میں یہاں تک مسلم تھی کہ کہا کرتے تھے کہ اگر اللہ کو پیغمبر بنا کر اس پر قرآن نازل کرنا تھا تو مکہ کے کسی بڑے سردار یا طائف کے رئیس اعظم عروہ بن مسعود پر نازل (سورہ زخرف) اس وقت یہ مسلمان ہوئے اور اس عزم کے ساتھ کہ اپنے اثر کو کام میں لا کر لوگوں کو راہ راست لائیں گے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ آپ کا بہت خطرناک اقدام ہو گا حضرت عروہ کو اپنی مقبولیت اور اثر رسوخ پر یہاں تک اعتماد تھا کہ آنحضرت ﷺ کو اطمینان دلایا کہ لوگ مجھ کو اپنی آنکھوں سے زیادہ محبوب سمجھتے انا احب الیہم من ابصار ھم لیکن ہوا وہی جو آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا انہوں نے جا کر لوگوں کو دعوت اس وقت تک عوام میں اشتعال تھا۔ لوگوں نے ان کو شہید کر دیا (الاستیعاب)

(۹۷۷) سیرۃ حلبیہ

(۹۷۸) بخاری شریف وغیرہ و سیرۃ حلبیہ ص ۱۳۵ ج ۳

(۹۷۹) بخاری شریف و فتح الباری باب غزوۃ الطائف

(۹۸۰) فتح الباری ص ۲۷ ج ۸

(۹۸۱) یہ انفرادی ملکیت کا احترام ہے اسی بنا پر امیریا خلیفہ کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کوئی ایسا آرڈیننس جاری کرے جس سے انفرادی ملکیت ختم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

(۹۸۲) یعنی قبیلہ یا محلہ کے معاملات کا نگران (قیم) اس کا رابطہ حاکم بالا سے ہوتا تھا (مجمع البحار) اس طرح کا نظام تھا۔

(۹۸۳) بخاری شریف ص ۳۱۹ ص ۳۴۵ وغیرہ

(۹۸۴) کنتم علی شفا حفرۃ من النار فانقذ کم منھا آل عمران۔ ۱۰۳

(۹۸۵) اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصر ھم لقدیر (سورہ حج ع ۶)

(۹۸۶) چونکہ مقصود اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کا اظہار ہے اس لیے معاملہ کو اپنی طرف سے شروع کیا نہ کہ بندوں کی طرف سے یعنی یہ نہیں کہا کہ مومنوں نے بیچ ڈالی بلکہ یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے خرید لی۔ خریدار طالب ہوا کرتا ہے کہ معاملہ کا طالب وہ تھا حالانکہ ہر طرح کی طلب و احتیاج سے وہ منزہ ہے اور جو متاع اس نے قبول کی وہ بھی اسی کی تھی اور جو معاوضہ بخشا وہ بھی اسی کا' مگر یہ ایک اعزاز ہے جو اہل ایمان کو حاصل ہے۔

ی شریف ص ۵۶۹

ایضاً

انا قد ابلغنا رسالة رسولک فبلغه الغداة ما يصنع بنا سيرة ابن ہشام ج ۲ ذکر الرجیع

بخاری شریف ص ۵۷۱

سیرۃ ابن ہشام ص ۱۳۳ ج ۲

سیرۃ حلبیہ ص ۱۸۶ ج ۳

بخاری شریف ص ۵۶۹

سیرۃ ابن ہشام ص ۱۳۳ ج ۲

) سیرۃ ابن ہشام ص ۱۳۶ ج ۲ - بظاہر عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس کو ضروری سمجھتے تھے کہ عمال حکومت کسی دماغی عارضہ ...یض نہ ہوں۔ اسی بنا پر انہوں نے تحقیق فرمائی۔ پھر جب یقین ہو گیا کہ مرگی نہیں ہے تو ان کو بحال ہی نہیں کیا ...ر ترقی دیدی (ابن ہشام)

) بخاری شریف ص ۵۶۹ و سیرت ابن ہشام ص ۱۳۶ ج ۲

وجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم خبر اهل بير معونة وجاءه تلك الليلته ايضا مصاب

...بن عدی و مرثد بن مرثد۔ طبقات ابن سعد ص ۳۷ ج ۳

البدایہ والنہایہ ص ۷۹ ج ۴ و سیرت طیبہ وغیرہا۔

۸) البدایہ والنہایہ ص ۷۱ ج ۴

۸) الاستیعاب ص ۴۴۳

۸) واقدی کا بیان یہ ہے کہ ان کو ۶ ھ میں آنحضرت ﷺ نے شاہ حبش کے پاس بھیجا تھا ان کی دعوت پر ہی اس اسلام قبول کیا اور انہیں کے ذریعہ حضرت ام حبیبہ کا نکاح آنحضرت ﷺ سے ہوا۔ پھر ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ...لو کوئی تحفہ دیکر ابوسفیان بن حرب کے پاس مکہ بھی بھیجا تھا۔ استیعاب ص ۴۴۳ و معالم التنزیل ص ۲۹۱

۸) واقدی نے ساتھی کا نام سلمہ بن اسلم بتایا ہے اور ابن ہشام نے جو روایت ابن اسحاق سے کی ہے اس میں ...غی کا نام جبار بن صخر ہے۔ رضی اللہ عنہ

۸) البدایہ والنہایہ ص ۷۰ ج ۴

۸) ابن سعد نے صفر بیان کیا ہے اور پھر یہ بھی تحریر کیا ہے کہ جیسے ہی اشہر حرم ختم ہوئے یعنی محرم کا مہینہ جو اشہر حرم کا آخری مہینہ ہوتا ہے گذرا حضرت خبیب اور حضرت زید بن دثنہ کو شہید کر دیا گیا۔ لہٰذا یہی توجیہہ کی جائے ماہ صفر میں رجیع یا بیر معونہ کا واقعہ نہیں ہوا بلکہ یہ حادثے محرم کے آخری ایام میں ہوئے۔ البتہ حضرت زید اور ...سرت خبیب رضی اللہ عنہما کو چونکہ صفر میں شہید کیا گیا تھا اس بنا پر ابن سعد نے پورے واقعہ کو صفر کا حادثہ قرار دیا ہے۔

(۸۶۳) یعنی اشہر حرم گذرے كما هو مصرح فی طبقات بن سعد وسيرة ابن هشام وغيرهما

(۸۶۴) سلمہ ابن اسلم - یا جبار بن صخر (رضی اللہ عنہما)

(۸۶۵) سیرۃ حلبیہ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت زبیر بن العوام ؓ اور حضرت مقداد بن الاسود ؓ کو بھیجا تھا کہ حضرت خبیب کی لاش سولی پر سے اتار لائیں۔ یہ اتار کر لے چلے تھے کہ پہرہ دار نے ان کو گھیر لیا کہ انہوں نے لاش زمین پر ڈال دی تو وہ فوراً غائب ہو گئی۔ یعنی زمین نے نگل لی اسی وجہ سے ان کو بلیع الارض کہتے ہیں۔ ص ۱۸۶ مگر حافظ ابن کثیر ؓ کی رائے یہ ہے کہ لاش غائب کر دی گئی تھی۔ بدایہ و نہایہ ص ۷۲ ج ۴

(۸۶۶) البدایہ والنہایہ ص ۴

(۸۶۷) ابن ہشام و ابن سعد وغیرہما

(۸۶۸) حضرات مورخین اور ارباب سیرت کے بیان میں منصوبہ کا لفظ نہیں ہے۔ بلکہ ایسے الفاظ ہیں جن سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ وقتی طور پر یہ حرکت ہو گئی تھی۔ مگر بالا خانہ پر بڑے پتھر کا انتظام وقتی حرکت نہیں ہو سکتی۔ اس کی تیاری پہلے سے کی گئی تھی اسی کا نام منصوبہ ہے۔

(۸۶۹) فتح الباری تحت حدیث بنی النضیر و مخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الیہم فی دیۃ الرجلین ص ۱۶۲ ج ۷

(۸۷۰) سیرۃ حلبیہ ص ۲۹۰ ج ۲

(۸۷۱) معالم التنزیل ص ۲۷۲

(۸۷۲) ابن سعد ص ۴۰ ج ۳

(۸۷۳) بغوی وغیرہ

(۸۷۴) یاد رکھنا چاہئے کہ آیت میں دست درازی کے ارادہ کو پورے گروہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ کسی فرد کی طرف نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ منصوبہ پوری جماعت بنی نضیر کا تھا۔ کسی فرد کا نہیں تھا نہ اتفاقی تھا بلکہ پہلے سے طے شدہ تھا۔

(۸۷۵) فتح الباری ص ۲۶۱ ج ۷ بحوالہ ابن مردویہ و تفسیر مظہری ص ۲۳۰ ج ۹ بحوالہ ابو داؤد۔ بیہقی و عبد بن حمید۔ و عبدالرزاق باسناد صحیح۔

(۸۷۶) سیرۃ حلبیہ ص ۲۹۱ ج ۲

(۸۷۷) ابن جریر و ابن ابی حاتم۔ تفسیر مظہری ص ۶۳ ج ۳

(۸۷۸) سیرت حلبیہ وغیرہا۔

(۸۷۹) ایضاً

(۸۸۰) طبقات ابن سعد ص ۴۱ ج ۳

(۸۸۱) ایضاً یہ ہے سبق آموز مستعدی

(۸۸۲) قال القاضی ثناء اللہ المحدث المفسر۔ تحت قولہ تعالیٰ ولئن قوتلوا لاینصر ونہم فیہ معجزۃ حیث کان الا مرفی المستقبل کذلک فان بنی نضیرا اخرجوا ولم یخرج معہم عبداللہ بن ابی بن سلول ولا منا فقوا قریظہ و قریظۃ قوتلوا و قتلوا ولم ینصر ہم منافقوامدینۃ تفسیر مظہری ص ۲۵۰ ج ۲

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اَلْعُلَمَآءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَآءِ

حیاتِ شیخ الاسلام

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ

شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام حضرۃ علامہ حافظ سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ
شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند، صدر جمعیۃ علماء ہند کے حالاتِ زندگی

تالیف

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ

محدث، فقیہ، مؤرخ، مجاہد فی سبیل اللہ، مؤلف کتب کثیرہ

ناظم جمعیۃ علماء ہند

ناشر

جمعیۃ علماء اسلام پاکستان

ملنے کا پتہ

مکتبہ محمودیہ، جامعہ مدنیہ، کریم پارک لاہور

جمعیۃ العلماء کیا ہے؟

بحکم

شیخ الاسلام حضرۃ مولانا سیّد حسین احمد مدنی نوّر اللہ مرقدہٗ

مرتبہ

حضرت مولانا سیّد محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ

محدّث، فقیہ، مؤرّخ، مجاہد فی سبیل اللہ، مؤلفِ کتب کثیرہ

شعبۂ نشر و اشاعت

جمعیۃ علماء اسلام پاکستان

ملنے کا پتہ: مکتبہ محمودیہ، جامعہ مدنیہ، کریم پارک، لاہور

اسلام کیا — اور اسلامی فکر کیا ہے؟

نتائج فکر و رشحاتِ قلم

حضرت مولانا ابو الکلام آزاد رحمہ اللہ
حضرت مولانا محمد عثمان فارقلیط رحمہ اللہ
حضرت مولانا سید محمد میاں رحمہ اللہ

ترتیب:

سید الملۃ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب رحمہ اللہ
محدث، فقیہ، مؤرخ، مجاہد فی سبیل اللہ مؤلف کتب کثیرہ
ناظم جمعیۃ علماء ہند

مکتبہ محمودیہ
جامعہ مدنیہ، کریم پارک لاہور

تعالی اللہ الملک الحق

صحابۂ کرامؓ کا عہدِ زرّیں

فضائل و مناقب عظیم الشّان کارنامے
طرزِ حکمرانی، اندازِ جہانبانی اور اُن کی

مثالی حکومتیں

سیّدالملّۃ حضرت مولانا سیّد محمّد میاں صاحب رحمہ اللہ
مُحدّث، فقیہ، مُؤرّخ، مُجاہد فی سبیل اللہ، مُؤلّف کتب کثیرہ

مکتبہ محمودیّہ
جامعہ مدنیّہ، کریم پارک لاہور